بسم اللہ الرحمن الرحیم

قضا و قدر

تمام تعریفیں کی مستحق وہی ذات باری ہے جس کا فضل و انعام ہمیشہ جاری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے آقا سے نامدار خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی آل اصحاب اور بزرگوار ائمہ دین پر رحمت کامل اور سلام ہو۔ اما بعد قضاء و قدر حکمت اور تعلیل کا مسئلہ نہ صرف جلیل القدر علماء کو جاننا ضروری بلکہ ہر ایک سمجھدار مکلف پر اس کا جاننا فرض ہے۔ یہ اسلام کے نہایت اعلیٰ مقاصد سے ہے۔ توحید کی چکی اس کے تعین پر چلتی اور وہ اسی کے وابستہ ہے۔ دین کا مبداء اور منتہی یہی ہے۔ یہ ایمان کا ایک (ضروری) رکن اور اساس ایمان کی وہ بنیاد ہے کہ جس پر دین کے تمام امور کا دار و مدار اور جملہ معاملات دینی میں اس کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ملک کا قیام (خدا تعالیٰ کے) عدل سے ہے۔ اور اسی کی حکمت حمد کا مظہر ہے۔ اس کی توحید میں نہایت حکمت اور کمال نعمت پائی جاتی ہے۔ اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ وہ اکیلا اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اسی کی بادشاہت۔ وہی حمد کے لائق۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس نے مخلوق کو تقدیر و حکمت سے بنایا اور شرع مبین کو جاری فرمایا ہے۔ اسی کا حکم۔ وہی خالق ہے۔ اس کی ذات بابرکت اور وہی سب جہان کا پالنے والا ہے۔

فصل

ہمیشہ سے اہل علم کی جماعت نے تقدیر کے مسئلہ کے (وسیع) میدان میں قدم بڑھایا۔ اور اس کے ظاہر پہلو پر غور کیا۔ اس کے تنگ اور دشوار گذار راستوں میں چلے اور ہر ایک مشکل اور آسان مضمون کے سمجھنے میں ذہن کو لڑایا۔ اس کی تہ کو پہنچنے اور اس کی اصل حقیقت جاننے کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہر زمانے کے لوگوں نے اس میں گفتگو اور اس کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے پوری پوری کوشش کی۔ مختلف فرقوں کے آدمیوں نے اس میں خوض کیا اور مصنفین نے اس میں کئی ایک کتابیں تصنیف کیں۔ بعد ازیں

ایک شخص کو اُس کے سمجھنے کا خیال لگا ہے ۔ اور چاہتا ہے کہ اُس کی پوری حقیقت معلوم ہو ۔ پھر کوئی تو حیرت
اور تردد میں خاموش ہے اور کوئی دوسروں سے بحث و مباحثہ کر رہا ہے ۔ ہر ایک شخص اپنے جی میں ایک
بات ٹھیرائی ہے جس کے سوا سب کو غلط سمجھتا اور صرف اپنی بات کو پسند کرتا ہے ۔ اور رسول اللہ
جن لوگوں کے جو وحی یعنی قرآن و حدیث کو پکڑے بیٹھے ہیں ۔ سب کے سب راہ صواب سے دور اور
ہدایت کا دروازہ اُن پر مسدود ہے ۔ اُن لوگوں نے بے اندازہ تساہل کیا ۔ اور گندے پانی سے پیٹ
بھرا ۔ اپنی فکروں کو دوڑایا جس سے غلط اور خراب نتیجے کو پہنچے ۔ اس علم پر خوش ہیں ۔ جو کچھ فرق ان
کو مفید نہیں ہوسکے کہ اُن لوگوں کی رائے جن کے ساتھ حسن ظن ہے وحی منزل پر مقدم سمجھتے ہیں ۔
خود بھی بھٹکے ہوئے ہیں اور جس کے پیچھے ہو لیتے ہیں اُس کا بھی یہی حال ہے ۔ سراب (دھوکے) کو پانی
خیال کیا ہے ۔ پس تمام عمر ان کی پیاس نہ بجھیگی ۔ اُن لوگوں کو حق کی طرف بلایا جاتا ہے ۔ کہ آؤ ہدایت قبول کرو
لیکن وہ قیامت تک نہ مانینگے ۔ وہ اپنے غلط خیال میں مست اور باطل اور جھوٹے عقیدے پر قانع ہیں ۔
اہل کفر نے جس کو وہ ہدایت سمجھتے ہیں ہدایت تو وہ کبھی نہ پائینگے ۔ اور حق بتانے والوں سے تغیظ ہوتے
دیا ۔ اور اُن کی زبانِ حال بآواز بلند کہتی ہے ۔ اَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا اَلَيْسَ اللّٰهُ
بِاَعْلَمَ بِالشَّاكِرِيْنَ (کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے اپنا فضل کیا ہے (ان کو اتنا تو سمجھنا
چاہئے تھا کہ) کیا اللہ شکرگزار بندوں (کے حال) سے بخوبی واقف نہیں) +

فصل

چونکہ اس باب میں کلام کرنا خواہ ثبوت کے طور پر ہو خواہ نفی کے طور پر اللہ تعالے کے اسماء ۔
صفات ۔ افعال خلق اور امر کے جاننے پر موقوف ہے ۔ تو اس باب میں وہی شخص حق پر پہونچتا ہے
جو ان امور کو انوار وحی سے حاصل کرے ۔ اور اپنے عقل ۔ فطرت اور نور ایمان کے ذریعہ سے امور دین کی
پرواہ رکھنے والوں کے خیالات مشککین کی تشکیکات اور بے جا تکلف کرنے والوں کے تکلفات
سے بچے اور سب مخلوق سے شان خدائی کو اچھا جاننے والے (یعنی سرور کائنات صلعم) کے کلمات
پاک سے استدلال ہدایت کا طلبگار ہو ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جامع اور نافع کلمات اس باب
میں اور اس کے علاوہ اور بابوں میں کافی اور شافی ہیں ۔ جو مجتمع اور متفرق طور پر مضامین کو حاوی اور
کتاب قرآن کی توضیح تشریح ۔ اور تفسیر کرتے ہیں ۔ چنانچہ صحابہ نے آپ کے منہج مستقیم اور طریق قدیم پر

له ذہن میں شک و شبہ ڈالنے والے ۔ ۱۲ منہ

پکڑنا اختیار کیا۔ اس لئے ان کے کلمات بھی کافی شافی اور نافع ہوئے۔ (کیوں نہ ہوں) اُن لوگوں نے زمانہ نبوی کو پایا اور مشعل نبوت (جو تمام انوار کا مظہر، خیرات کا سرچشمہ اور ہدایات کی اساس ہے) بلاواسطہ انوار حاصل کئے۔ اُنکے بعد تابعین اُنکے قدم بقدم چلے۔ ان کا طریقہ اختیار کیا۔ اُنکی ہدایت کے موافق عمل کرتے رہے۔ اور لوگوں کو وہی بات بتلاتے جو صحابہ بتلاتے تھے اور مرتے دم تک اسی پر ثابت قدم رہے پھر اُن کے زمانہ اور صحابہ کے آخیر زمانہ میں فرقہ قدریہ جن کو آنحضرت صلعم نے مجوس ہذہ الامۃ[1] فرمایا ہے ظاہر ہوا۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں۔ اور جو کچھ عالم ظہور میں آتا ہے وہ از سر نو پیدا ہوتا ہے پہلے سے وہ مقدر نہیں پس چاہے اپنے نفس کو ہدایت پر لگا دے اور جو چاہے اُسے گمراہ کرے۔ جو چاہے بدی کو چھوڑ دے اور نیکیوں سے اُسے محروم رکھے۔ اور جو چاہے نیکیوں میں لگا کر اسے درجہ کمال تک پہنچائے۔ یہ سب کچھ بندے کے اختیار میں ہے۔ اور خدائے عزیز حمید کی مشیت کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ انکے زعم باطل کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ اللہ کی قدرت اُن چیزوں سے متعلق ہے جو اُس کی مشیت اور ارادہ سے باہر ہیں۔ اور اُس کی مشیت اُن چیزوں سے تعلق رکھتی ہے جو ظہور میں نہ آئیں۔ ان کے بعد انکے جانشین پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے اس عقیدہ کو کہ تقدیر کوئی چیز نہیں اور مضبوط کر دیا اور اس کا نام عدل رکھا۔ نیز اس پر یہ اضافہ کیا کہ اللہ سبحانہ تمام صفات اور اسماء سے پاک ہے اور اس کو توحید سے نامزد کیا۔ خلاصہ کلام ان کے نزدیک عدل یہ ہے کہ ملائکہ، جن اور آدمیوں کے تمام افعال حرکات۔ اقوال اور ارادے اللہ تعالےٰ کی قدرت مشیت اور خلق سے باہر ہیں۔ اور ان کے متاخرین کے نزدیک توحید اس کا نام ہے کہ اللہ تعالےٰ تمام صفات کمال اور نعوت جلال سے خالی ہے۔ اُس کی ذات صفات سبع سمع۔ بصر۔ قدرت حیات۔ ارادہ۔ علم اور کلام میں سے کسی صفت کے ساتھ موصوف نہیں۔ اُس نے کبھی کلام نہیں کیا۔ اور نہ آئندہ کریگا۔ اور نہ اُس نے کبھی کوئی حکم دیا نہ آئندہ دیگا۔ وہ نہ کبھی بولا ہے نہ آئندہ بولیگا۔ امر و نہی کا سلسلہ یوں جاری ہے کہ ہوا میں اصوات اور حروف پیدا ہو جاتے ہیں یا کسی دوسری مخلوق چیز میں یہ کیفیت پائی جاتی ہے جس سے خدا تعالےٰ کے امر و نہی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے[2] کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر عرش پر مستوی نہیں۔ اور دعا میں ہاتھ اُس کی طرف نہیں اُٹھائے جاتے اور نہ کوئی فرشتے اور روح اس کی طرف اوپر جاتے۔ اور امر و وحی اُس کی طرف سے نیچے آتے ہیں۔ وہ معبود جس کی عبادت اور وہ رب جس کی نماز پڑھتے اور اُس کے آگے سجدہ کرتے ہیں بالائے

[1] امت محمدیہ میں سے مجوسی فرقہ۔ [2] یہ فرقہ جبریہ کے نام سے مشہور ہے ۱۲

عرش نہیں ہے۔ عرش کے اوپر خلائے محض اور بالکلیہ عدم ہے۔ یہاں عقائد (باطل) کو وہ توحید اور عقائد
سمجھتے ہیں ۔

فصل

ان کے بعد قدریہ کا ایک دوسرا فرقہ پیدا ہوا۔ جو انکے برخلاف آدمی سے فعل۔ قدرت اور اختیار
کے بالکل منکر ہوئے وہ یہ کہتے ہیں کہ انسان کی حرکت اختیاری نہیں۔ اس کو کوئی اختیار نہیں۔ ایسی ہے جیسے
ہوا چلنے کے وقت درختوں کے پتے ہلتے یا پانی کی چیزیں لہراتی ہیں۔ اور انسان سے طاعت یا معصیت
جو کچھ ظہور میں آتا ہے اُس پر مجبور ہے۔ اور اُس کے حق میں پہلے سے جو کچھ مقدر ہو چکا ہے اُس کی نسبت
یہ نہیں۔ کہ اُس کے اسباب مہیا کئے جاتے ہیں۔ اور اُسے اپنے اختیار سے کرتا ہے بلکہ وہ اس سے
جبراً کرایا جاتا ہے۔ اور اس میں وہ بالکل بے بس ہے۔ پھر ان کے پیرو آئے۔ انہوں نے ان کا طریق
اختیار کیا۔ اور انکے مذہب کی تائید کی۔ اور اُس کے ساتھ یہ بھی ملا دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جو انسان
کو نیک کام کرنے اور بُرے کاموں سے باز رہنے کا حکم دیا۔ اور اُسے مکلف بنایا ہے۔ تو یہ ایسی
تکلیف ہے کہ وہ اس کی طاقت اور سکت نہیں رکھتا۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک
لنجے کو سات آسمانوں پر چڑھنے کو کہا جائے۔ ایمان اور دیگر احکام اسلام کے ساتھ انسان کو مکلف
کرنا اُس کو ایسے کام کی تکلیف دینا ہے جو اُس کے اختیار اور قدرت سے باہر ہے۔ یہ سب کام
تو خود ذات باری تعالیٰ کے ہیں۔ اور سب کچھ وہی کرتا ہے اور اُسے ہر چیز پر قدرت ہے سو اس
نے اپنے بندوں کو اس بات کا مکلف کیا ہے کہ وہ ایسے کام بجا لائیں جو وہ آپ کرتا ہے اور
بندوں کے اختیار سے باہر ہیں۔ پھر ان میں قصور اور کوتاہی واقع ہونے پر اُن کو عذاب کا مستحق
ٹھہرایا۔ حالانکہ ان کا ان میں کوئی دخل نہیں۔ بعد میں اسی فرقہ کے صوفی مشرب و محقق کہلاتے تھے۔
یہ کہنے لگے۔ کہ سلسلہ عالم میں کوئی شخص خواہ کیسا ہی کام کرے وہ خدا کا نافرمان نہیں اور نہ کسی کام کو
معصیت اور گناہ کہتے ہیں۔ کیونکہ ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ارادہ خدائی کے موافق اور مشیت الٰہی
کے مطابق کرتا ہے۔ پس وہ خدا تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار ہے نہ کہ عاصی اور گناہگار۔ اسی مضمون کو
ایک شاعر نے اس شعر میں بیان کیا ہے ؎

أَصْبَحْتُ مُنْفَعِلاً لِمَا يَخْتَارُهُ مِنِّي فَفِعْلِي كُلُّهُ طَاعَاتُ

میرے جن کاموں کو وہ پسند کرتا ہے وہی مجھ سے ظہور میں آتے ہیں اس لئے میرے تمام کام اُس

کی طاعت ہیں اِس فرقے کے آدمی کو کسی قسم کے جو ارتکابِ معاصی پر سرزنش اور ملامت کی تو بہ بحث کرنے لگتا ہے اگرچہ میں نے خدا کے حکم کا خلاف کیا ہے لیکن اس کی مرضی کے مطابق چلا ہوں۔ اور جو مرضی کے مطابق چلے وہ درحقیقت ملامت اور مذمت کا مستحق نہیں۔ اِس فرقہ کے متکلمین جو بزعم خود محقق ہوئے ہیں۔ اُن کا قول ہے کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ مشیت۔ محبت۔ یہ تینوں ایک ہی چیز ہیں یعنی اُس کی محبت عین مشیت ہے۔ اور سلسلہ کائنات میں جو کچھ ہو چکا یا آئندہ ہوگا وہ سب اُس کی مشیت اور ارادہ سے ہے۔ اور جب مشیت اور محبت ایک ہی چیز ہے تو یہ لازمی نتیجہ ہوا۔ کہ سلسلہ کائنات کی تمام چیزیں مثل ایمان و کفر صوم وصلوٰۃ کشت و زن۔ زنا۔ ظلم وغیرہ اُس کے پسندیدہ اور محبوب ہیں ۔

شیخ الاسلام قدس اللہ روحہ سے منقول ہے۔ کہ اُنہوں نے اِس فرقہ کے کسی آدمی کو اُن چیزوں سے محبت کرنے پر جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ناپسند ہیں ملامت فرمائی۔ تو اُس نے جواب میں کہا۔ کہ محبت ایک ایسی آگ ہے جو محبوب کی پسند کے خلاف چیزوں کو سب کچھ جلا دیتی ہے۔ اور سلسلہ ہستی کی ہر ایک چیز خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں جو ہمارا محبوب ہے مقبول و پسند ہے۔ تو اب کونسی چیز کو ہم ناپسند رکھیں۔ شیخ الاسلام نے جواب دیا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر اپنی ناراضگی ظاہر فرمائی۔ اور ان کو لعنت اور غضب کا مستحق قرار دیا ہو۔ پھر تمہارے جیسا کوئی آدمی اُن سے دوستی اور محبت رکھے اور اُن کے کاموں پر خوش اور راضی ہو تو بتلاؤ کہ وہ خدا کا دوست ہوگا یا دشمن۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں یہ سنکر وہ بری مبہوت ہو گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ غضب تو یہ ہے کہ ایسے خراب عقیدے اور اس کے ساتھ یہ دعوے کہ وہ سنت کے حامی۔ تقدیر کے قائل دراہل سنت کے مخالف ہیں حالانکہ انہوں نے تکلیف کا سلسلہ ہی سرے سے اُٹھا دیا۔ نہایت بے انصافی سے اپنے تمام گناہوں کا بوجھ تقدیر کی گردن پر رکھا۔ اور اپنے آپ کو تمام جرائم اور قصوروں سے پاک اور بری ٹھہرا کر یہ کہا کہ یہ سب کام پیدا کرنے والے کے ہیں۔ ہم ان سے بیلاگ ہیں۔ اگر کوئی صحیح عقیدے والا یہ خرافات سنے تو بے ساختہ وہ یہ کہے سبحان اللہ تیری ذات تمام عیبوں سے پاک ہے۔ اور انہوں نے تیری ذات پر بڑا بہتان باندھا ہے۔ برائی تیری طرف منسوب نہیں اور سب بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اِس گروہ نے خدائے کریم کی نسبت بہت بُرا گمان کیا اور ظلم کی قبیح صفت سے اُسے موصوف ٹھہرایا ہے اور صاف یہ کہا کہ خدا تعالیٰ کا اپنے بندوں کو اوامر و نواہی کے ساتھ تکلیف دینا بالکل ایسا ہے۔ جیسے آسمان پر چڑھنے کی اُسے تکلیف دی جائے۔ یا کسی میت کو کہا جائے کہ وہ مردوں کو زندہ کرے۔ اللہ بندوں کو اُن کاموں کے کرنے پر جنہیں وہ چھوڑ نہیں سکتے۔ اور اُن کے نہ کرنے پر جن کو وہ کر نہیں سکتے عذاب دیگا۔ بلکہ خود اپنے فعل پر جو اُن کے مقدور سے باہر اور وہ جبراً اُن سے

(۱) رضی اللہ عنہم [illegible]

گرا دیا گیا عقاب کر بیگا دسی فرقہ کے کسی شاعر نے خدا کا ظلم و شکوہ بیان کرتے ہوئے یہ شعر کہا ہے ؎

القاہ فی الیم مکتوفا وقال لہ ۔۔ ایاک ایاک ان تبتل بالماء

مشکیں باندھ کر اُسے دریا میں ڈال دیا اور کہا دیکھنا کہیں پانی سے بھیگ نہ جانا۔ مترجم کہتا ہے کہ حافظ شیرازی نے بھی اسی مضمون کو بیان کیا ہے

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای ۔۔ باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

ان لوگوں کے نزدیک درحقیقت اللہ تعالیٰ کے کسی کام کے لئے کوئی سبب حکمت یا غایت نہیں ہے۔ اور نہ درحقیقت اجسام میں کسی قسم کی قوت اور طاقت ہے اور نہ ان میں کوئی طبعی یا فطرتی خاصہ اور اثر ہے۔ پانی پیاس بجھاتا اور آگ میں گرم کرنے کی خاصیت اور غذاؤں میں غذائیت اور دواؤں میں دوائیت کی صفت نہیں۔ آنکھ میں بینائی کان میں شنوائی اور ناک میں سونگھنے کی قوت نہیں۔ حیوان کے اندر چار قوتیں نامیہ جاذبہ ۔ ماسکہ دافعہ قرار دی گئی ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ حیوان میں مطلقاً کوئی قوت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کا کوئی سبب یا اس کے کسی کام کی کوئی غایت نہیں پس نصوص میں جہاں کہیں با سببیت اور لام تعلیل آیا ہے تو ان سے مصاحبت اور مواقبت کے معنی مراد ہیں۔ یہ بھی کہا ہے کہ صرف نفس افعال کو دو قسم حسن اور قبیح قرار دینا صحیح نہیں۔ کیونکہ نفس الامر میں صدق و کذب ۔ بر و فجور ۔ عدل و ظلم ۔ سجود رحمٰن و سجود شیطان اور خلق خدا کے ساتھ نیکی یا برائی کرنے اور خالق کے حق میں بدگوئی اور تعریف کرنے میں کچھ فرق نہیں۔ بلکہ افعال کا حسن و قبح صرف اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے یہ جائز ہے کہ جن امور کے بجا لانے کا حکم دیا ہے ان سے منع کر دے۔ اور جن سے منع فرمایا ہے ان کے بجا لانے کا حکم فرمائے۔ انکے بعض محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ سب اجسام کی ماہیت یکساں ہے پس آگ ۔ پانی ۔ سونے ۔ لکڑی، مشک اور گوبر کی ماہیت میں کوئی فرق نہیں صرف ان کے اعراض اور صفات میں تفاوت ہے اُن کی ماہیت و حقیقت ایک ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ ایک عرض دو زمانوں تک باقی اور دو وقتوں میں ثابت نہیں رہتی جب انکی جرأت (مذکورہ) (یعنی اعراض کا دو وقت میں ثابت نہ رہنا اجسام کا متحد الماہیۃ اور سب افعال کا یکساں ہونا۔ بندے کا کوئی فعل نہیں۔ نہ کسی کام کے لئے کوئی سبب اور نہ کسی چیز میں کسی قسم کی کوئی قوت اور طبعی خاصہ اور اثر ہے۔ باری تعالیٰ کا کوئی ایسا فعل نہیں ہے۔ جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہو۔ اور اس کے تمام افعال اُس کے فعل نہیں۔ وہ اپنی مخلوق سے الگ نہیں۔ وہ سلسلہ عالم میں نہ تو داخل اور نہ اس سے خارج ہے نہ اس سے متصل اور نہ اس سے منفصل ہے نہ خود وہ کلام کرتا ہے اور نہ کوئی دوسرا اُس سے کلام کر سکتا ہے۔ اُس نے کبھی کوئی

بات نہیں کی اور نہ آئندہ کریگا۔ کسی نے اس کے خطاب کو سنا ہے اور نہ آئندہ سنیگا۔ اور نہ قیامت میں
مؤمنین اپنی آنکھوں سے کھلم کھلا اسے دیکھینگے۔ پر نظر کی جائے تو ایک بھی بات پیدا ہوتی ہے جو ادلہ
نقلیہ کے خلاف اور کلام الٰہی اور حدیث کے معارض ہے۔ کیا سلف صالحین کا یہی شیوہ تھا۔ کہ
رسول خدا صلعم کی حدیث سے اپنی رائے کو مقدم سمجھتے تھے ہرگز نہیں وہ حدیث کے مقابل رائے اور
عقلی اعتراضوں کو پتھر پر مارتے تھے چنانچہ شاعر آپ کی محبت کو تمام دردوں کی دوا بتاتا ہے۔ ؎

فلو اني بليت بهاشمي — خؤولته بنو عبد المدان
لهان علي ما القى ولكن — تعالوا فانظروا بمن ابتلاني

اگر میں اس نبی ہاشمی کے دیدار پر انوار پر فریفتہ ہوتا جن کا ننھیال قبیلہ بنی المدان ہے تو میرے تمام مشکلات
آسان ہوجاتے لیکن افسوس کہ میں ایک دوسرے شخص پر مبتلا ہوگیا ہوں۔ لوگو میری حالت زار کو
دیکھو اور ترحم کرو۔ ان لوگوں کی یہی مثال ہے۔ جو قرآن حدیث کو چھوڑ کر فلاسفہ اور دہریہ کی
کی تحقیقات عقلی کے سپرد ہوتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

فصل

چونکہ قضاء و قدر اور حکمت و تعلیل کے مسائل کو صحیح طور پر معلوم کرنا ہر ایک کے لئے نہایت
ضروری تھا۔ اس لئے میں نے اس کتاب کے مضامین جمع کرنے اور اس کی عبارت کو سہل اور طرز
بیان کو آسان بنانے میں پوری کوشش سے کام لیا ہے۔ میری یہ کتاب بحمد اللہ اپنے مقصد میں یکتا اور
اپنے مضمون میں بے نظیر ہے۔ میں نے اسے شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل
کے نام سے موسوم اور اس کو تیس بابوں پر منقسم کیا ہے۔ پہلے باب میں اللہ جل شانہ کا آسمان اور زمین کے
پیدا کرنے سے پہلے مخلوق کی تقدیر کا اندازہ کرنا۔ دوسرے باب میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالےٰ
نے بندوں کے پیدا کرنے سے پہلے انکی شقاوت۔ سعادت۔ رزق اور موت مقدر کردئے ہیں۔
اور پہلی تقدیر کے بعد یہ دوسری تقدیر ہے۔ تیسرے باب میں آدم علیہ السلام اور موسےٰ علیہ السلام
کے باہم مناظرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آدم عم کے حق میں فیصلہ دینے کا بیان ہے
چوتھے باب میں تیسری تقدیر کے اور بچے کے ماں کے پیٹ میں ہونے کا ذکر ہے۔ پانچویں باب
میں چوتھی تقدیر کا ذکر ہے جو لیلۃ القدر میں ہوتی ہے۔ چھٹے باب میں پانچویں تقدیر کا ذکر ہے۔ جو
روزمرہ ہوتی ہے۔ ساتویں باب میں یہ بیان ہے کہ پہلے سے شقاوت اور سعادت کے مقدر ہونے

سننے پر لازم نہیں آتا۔ کہ عمل کرنا چھوڑ دیا جائے بلکہ اس بات کا موجب ہے۔ کہ عمل کرنے میں حرص اور کوشش سے کام لیا جائے۔ آٹھواں باب۔ بیان میں اللہ جلشانہ کے اس قول ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ کے معنی کے بیان میں۔ نواں باب اللہ تعالےٰ کے قول انا کل شیٔ خلقنٰہ بقدر کے معنی کے بیان میں۔ دسواں باب قضاء و قدر کے مراتب کے بیان میں۔ اور اس میں کہ جس نے کہ ان کو پوری طرح سمجھا وہ تقدیر پر ایمان لایا۔ اور پہلے مرتبے کے ذکر میں۔ گیارھواں باب قضاء و قدر کے مراتب میں سے دوسرے مرتبہ کے بیان میں اور یہ کتابت کا مرتبہ ہے۔ بارھواں باب تیسرے مرتبہ کے بیان میں اور یہ مشیت کا مرتبہ ہے۔ تیرھواں باب چوتھے رتبہ کے بیان میں اور یہ خلق اعمال کا مرتبہ ہے۔ چودھواں باب ہدایت ضلال اور انکے مراتب کے بیان میں۔ پندرھواں باب طبع۔ ختم۔ قفل۔ غل۔ سد۔ غشاوہ وغیرہ کے معانی کے بیان میں۔ اور اس میں کہ یہ اللہ کے فعل سے ہیں۔ سولھویں باب میں مذکور ہے۔ کہ مخلوق کی ذات۔ صفات اور افعال سب کا خالق اللہ واحد ہے۔ سترھواں باب کسب جبر اور ان کے لغوی اور اصطلاحی معنی اور نفیاً و اثباتاً انکے اطلاق کے بیان میں۔ اٹھارھواں باب قضاء و قدر کے باب میں فعل۔ مفعول اور فعل و انفعال کے بیان میں۔ انیسواں باب سنی اور جبری کے مناظرے کے بیان میں۔ بیسواں باب قدری اور سنی کے مناظرے کے بیان میں اکیسویں باب میں یہ مذکور ہے کہ قضاء الٰہی شر سے منزہ ہے اور شر اس چیز میں ہے جس سے قضا متعلق ہے۔ بائیسواں باب اللہ تعالیٰ کے خلق اور امر میں حکمت ثابت کرنے کے طریقوں اور ان غایات مطلوبہ و عواقب حمیدہ کے بیان میں جن کی وجہ سے خلق یا امر کا ظہور ہوا۔ اور اس کتاب کا یہ نہایت ضروری اور عظیم الشان باب ہے۔ تیئسواں باب منکرین حکمت کے شبہات کی تفصیل اور انکے جوابوں کے بیان میں۔ چوبیسواں باب سلف صالحین کے قول الایمان بالقدر خیرہ وشرہ وحلوہ ومرہ کے معنی کے بیان میں۔ پچیسواں باب اس شخص کے قول کی تردید میں جو کہتا ہے کہ اللہ شر کا مرید (ارادہ کرنیوالا) اور اس کا فاعل ہے۔ اور نفیاً و اثباتاً اس کی ممانعت کے بیان میں۔ چھبیسواں باب قضاء و قدر کی تحقیق و اثبات میں جس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات دلالت کرتے ہیں اعوذ برضاک من سخطک واعوذ بعفوک من عقوبتک واعوذ بک منک اور اس دعا کے اسرار کے بیان میں۔ ستائیسویں باب میں یہ مذکور ہے۔ کہ قضاء و قدر۔ توحید و عدل کے ساتھ ایمان لانا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے تحت

میں داخل ہے یا نہیں فی حکمت عدل فی قضا ذلک۔ علاوہ اس کے وہ اصول دین جو اس حدیث سے ثابت ہوتے ہیں وہ بھی مذکور ہیں۔ اٹھائیسویں باب میں رضاء بالقضاء کے احکام اور اس باب میں لوگوں کا اختلاف مذکور ہے۔ اور نیز یہ کہ اس میں حق بات کیا ہے۔ انتیسویں باب میں یہ مذکور ہے۔ کہ قضاء و قدر۔ ارادہ کتابت حکم۔ امر۔ اذن جعل۔ کلمات۔ بعث۔ ارسال تحریم۔ عطا اور منع میں سے ہر ایک کے دو قسم ہیں۔ ایک کونی جو خلق سے متعلق ہے دوسرے دینی جو امر سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اسی کے ضمن میں مخالفین کے شکوک اور شبہات کو رفع کیا گیا ہے۔ تیسویں باب میں فطرۃ اولی جس پر اللہ تعالے نے اپنے بندوں کو پیدا کیا مذکور ہے اور یہ کہ وہ قضا اور عدل کے منافی نہیں بلکہ اس کے موافق اور عین مطابق ہے۔

اب میں اپنے مطلب کو شروع کرتا ہوں۔ اس میں جو صحیح بات ہو وہ اللہ وحدہ کی تائید سے سمجھنی چاہئے۔ اور جو کہیں غلطی ہو تو وہ میرے قصور اور اغوا سے شیطان ہے۔ اللہ تعالے اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔ سو اس کتاب کو نگاہ غور سے دیکھنے والوں اور اس کے مطالب سمجھنے والوں سے یہ التماس ہے۔ کہ اس میں جو صحیح معلوم ہو اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اور جو غلط ہو اس کا مواخذہ اور وبال مصنف پر ہے۔ اور جب تک اس کے مضامین کو اچھی طرح نہ سمجھ لیں۔ جلدی سے انکار کرنے پر کمر بستہ نہ ہوں۔ اور مصنف اور اس کے ہم خیال لوگوں کے بغض کی وجہ سے اس کتاب کے ان فوائد سے محروم نہ رہیں جو غالباً کسی اور کتاب میں نہ ملینگے۔ بڑے بڑے لوگ ان مسائل کے حل نہ ہونے کی حسرت لیکر گذر گئے ہیں۔ اور ان کی تہ کو نہیں پہونچ سکے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ اپنی مخلوق میں اپنے علم و حکمت سے اسے تقسیم فرماتا ہے۔ وہی علیم حکیم ہے اور فضل اسی کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ اور اللہ تعالے بڑے فضل والا ہے۔

پہلا باب

آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے مقادیر کے مقرر ہونے کے بیان میں

عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی مقادیر کو لکھا اور اُس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عرش مجید قلم سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے سنن ابی داؤد میں حفصہ شامی سے مروی ہے کہ عبادہ بن صامت نے اپنے بیٹے سے فرمایا۔ کہ اے بیٹا جب تک اس بات پر اپنا یقین ٹھیک نہ کرو۔ کہ جو تکلیف تمہیں پہنچ چکی ہے وہ بھی ٹلنے والی نہ تھی۔ اور جو ٹل گئی ہے وہ پہنچنے کی نہ تھی لذت ایمان ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔ اور اُسے فرمایا لکھ۔ قلم نے عرض کیا۔ اے میرے رب کیا لکھوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قیام قیامت تک جو چیز ہوگی ہر ایک کی مقادیر تحریر کر۔ اے بیٹا میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے بھی سُنا کہ جو شخص اس کے سوا کسی دوسرے عقیدے پر مرا۔ وہ میری اُمت سے نہیں ہے۔ یہ قلم جو مقادیر ہوا ہی ساعت میں لکھا جس میں وہ پیدا کی گئی جیسا کہ امام احمد نے اپنی مسند میں عبادہ بن صامت کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ راوی کہتا ہے مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا کہ میں عبادہ بن صامت کے پاس جب وہ بیمار تھے اور مجھے ان میں کچھ موت کے آثار معلوم ہوتے تب میں نے کہا۔ باوا مجھے کوئی وصیت فرماؤ اور میرے حق میں دُعا کی کوشش کرو۔ اُنہوں نے کہا اچھا مجھے ذرا اٹھا کر بٹھا دو۔ جب اُن کو بٹھا دیا۔ تو کہنے لگے بیٹا جب تک تم تقدیر کے خیر و شر پر یقین نہ لاؤ گے تمہیں ایمان کی لذت کبھی حاصل نہ ہوگی۔ اور نہ پوری طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت کی حقیقت پاسکو گے۔ میں نے کہا باوا تقدیر کے خیر و شر پر کیسا یقین ہونا چاہئے۔ اُنہوں نے کہا۔ اس پر پختہ یقین ہو کہ جو آفت ٹل گئی ہے وہ پہنچنے کی نہ تھی اور جو آ پہنچی ہے وہ ٹلنے کی نہ تھی۔ بیٹا میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم

کو یہ بھی فرماتے سُنا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اُسے لکھنے کا حکم دیا سو قیامت تک جو چیزیں ہونیوالی ہیں اسی ساعت لکھی گئیں۔ اے بیٹا اگر تم اس عقیدے کے سوا کسی اور عقیدے پر مرے تو جہنم میں جاؤ گے ❊

قلم کی اس تحریر کا نام تقدیر ہے جیسا کہ ابن وہب نے روایت کیا ہے کہ مجھے عمرو بن محمد نے بتلایا کہ سلیمان بن مہران نے اُن سے بیان کیا۔ کہ عبادہ بن صامت رضؓ جب قریب فوت تھے کہنے لگے کہ میرے بیٹے کو بلاؤ۔ میں اس کو وہ بات بتلاؤں۔ جو میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب چیزوں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔ اور اُسے لکھنے کا حکم دیا۔ قلم نے عرض کیا۔ اے میرے رب کیا لکھوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا تقدیر خلائق تحریر کر۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص تقدیر کے خیر و شر پر ایمان نہ لائیگا۔ اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں جلائیگا ❊

عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہا کہ میں ایک دن پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے جارہا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اے لڑکے میں تمہیں چند باتیں بتلاتا ہوں (انہیں غور سے سنو) تم حقوق خدا کی حفاظت کرو۔ اللہ تمہیں محفوظ رکھیگا۔ تم اللہ کے حقوق کا پاس رکھو۔ تمہیں بہت جلد اُس کا قرب حاصل ہوگا۔ جب سوال کرو تو اللہ ہی سے کرو۔ اور جب مدد چاہو۔ تو اُسی سے۔ اور یقین کرو کہ اگر سب لوگ مل کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں۔ تو سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر دیا ہے (ذرہ بھر) فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اور (ایسا ہی) اگر کچھ نقصان پہنچانا چاہیں۔ تو سوائے اس کے جو (پہلے سے) اللہ نے لکھ دیا ہے (تل برابر بھی) نقصان نہیں کر سکتے۔ قلمیں اٹھائی گئیں۔ اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا۔ اور حسن صحیح کہا ہے ❊

اور ابو ہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہا کہ میں نے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے خصی ہونے کی اجازت چاہی اور کہا کہ میں ایک جوان آدمی ہوں۔ مجھے زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے اور میرے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ کسی عورت سے نکاح کروں۔ آپ خاموش رہے (کچھ جواب نہ دیا) میں نے دوبارہ یہی عرض کیا۔ آپ نے پھر بھی کچھ جواب نہ دیا۔ سہ بارہ عرض کیا تو بھی آپ خاموش رہے چوتھی بار پھر عرض کیا تو آپ نے فرمایا جو کچھ ہونا ہے وہ تو پہلے سے لکھا گیا ہے۔ اب تم اپنے آپ کو خصی کروا یا نہ کرو۔ اس حدیث کو امام بخاری رہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے جس کی سند اس طرح پر ہے۔ کہا کہ ہم سے اصبغ نے بیان کیا ان سے ابن وہب نے انہوں نے یونس سے انہوں نے زہری سے

انہوں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے انہوں نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے ٭

اور ابن وہبؒ نے کتاب القدر میں ان الفاظ سے روایت کیا ہے کہ میں نے کہا میں آپ مجھے خصی ہونے کی اجازت فرمائیں۔ آپ خاموش رہے یہاں تک کہ میں نے اس کو تین بار عرض کیا تب آپ نے فرمایا کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ تو پہلے سے لکھا گیا ہے ٭

ابوداؤد طیالسی نے کہا ہے کہ ہم سے عبدالمؤمن بن عبیداللہ نے بیان کیا تھا کہ ہم حسن بصری کے پاس بیٹھے تھے کہ اتنے میں یزید بن ابی مریم سلولی لاٹھی پر سہارا لگائے ہوئے آئے اور کہا کہ اے ابوسعید مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مطلب بتلاؤ مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا (لوگو! جتنی مصیبتیں اروئے زمین پر نازل ہوتی ہیں اور جو خود تم پر نازل ہوتی ہیں وہ سب) اُن کے پیدا کرنے سے پہلے ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں لکھ رکھی ہیں۔ حسن بولے ہاں۔ اللہ کی قسم بیشک اللہ تعالیٰ ایک امر کا فیصلہ کرتا۔ پھر اس کے لئے ایک مدت ٹھیراتا ہے کہ فلاں دن اور فلاں وقت یہ کام ہوگا۔ جملہ امور عام و خاص میں یہی دستور جاری ہے حتیٰ کہ اگر آدمی ہاتھ میں لاٹھی لیتا ہے تو وہ بھی قضا و قدر میں مقدر ہے۔ ابن ابی مریم بولے اے ابوسعید اللہ کی قسم (تو نے ٹھیک بات کہی ہے) میں نے لاٹھی ہاتھ میں لی اور مجھے اس کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن میں اُسے چھوڑ نہیں سکا۔ حسنؒ نے کہا اسی سے یہ مسئلہ سمجھ لو ٭

من قبل ان نبرأھا میں جو ضمیر ھا ہے اُس کے مرجع میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا۔ کہ لفظ انفس کی طرف راجع ہے کہ وہ قریب ہے۔ بعض نے لفظ ارض کی طرف اور بعض نے لفظ مصیبۃ کی طرف اُسے راجع ٹھیرایا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ وہ بریہ کی طرف راجع ہے جو ان سب کو شامل ہے آیت کا سیاق اور لفظ نبرأھا بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اس صورت میں پہلے تین قولوں کا مطلب بھی ایک ہوجاتا ہے واللہ اعلم ٭

ابن وہبؒ نے کہا ہے کہ مجھے عمر بن محمد نے بتلایا کہ سلیمان بن مہران نے اُن سے بیان کیا۔ کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب مخلوق سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔ اور اُسے لکھنے کا حکم دیا۔ سو قیامت تک دنیا میں جتنی چیزیں پیدا ہونگی سب کو لکھدیا۔ پھر اسی پہلی نوشت کے مطابق بندوں کے اعمال وقوع میں آتے ہیں اور ذرہ بھر اُس کے مخالف نہیں ہوتے ٭

عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہا کہ میں نے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو ایک تاریکی میں پیدا کیا۔ پھر اُن پر اپنا نور ظاہر کیا۔ سو جس کو اُس نور سے حصہ ملا

وہ ہدایت پر ہوا اور جسے نہ ملا وہ گمراہ رہا۔ عبداللہ نے کہا اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ جو کچھ ہونا ہے وہ قلم قضا
سے لکھا گیا ہے اور اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے وہ
ابو داؤد نے کہا ہے کہ ہم سے عباس بن ولید بن مزید نے بیان کیا کہ میرے باپ نے مجھے بتلایا۔
کہ میں نے اوزاعی کو یہ کہتے سنا کہ مجھ سے ربیعہ بن یزید اور یحییٰ بن ابو عمرو شیبانی دونوں نے بیان کیا۔ کہ ہم سے
عبداللہ بن فیروز دیلمی نے کہا کہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص کے پاس گیا۔ ان دنوں وہ طائف میں اپنے
ایک باغ میں جو وہط کے نام سے مشہور تھا رہتے تھے میں نے ان سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ آپ
رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چند باتیں بیان کرتے ہیں۔ کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص شراب پئے چالیس روز تک اس کی توبہ منظور نہیں ہوتی۔ اور بدبخت وہی ہے
جو اپنی ماں کے پیٹ میں بدبخت ٹھیرا۔ اور کہا کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے
سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ایک تاریکی میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنا نور ظاہر فرمایا۔ سو اس وقت
جس کو اس نور سے حصہ ملا وہ ہدایت پر ہوا۔ اور جسے نہ ملا وہ گمراہ رہا۔ اسی لئے تو میں یہ کہتا ہوں کہ
جو کچھ ہونا ہے وہ خدا تعالیٰ کو معلوم اور مرقوم ہو چکا ہے۔ اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں
ابو داؤد کی روایت کی نسبت زیادہ طول سے بیان کیا ہے۔ کہ عبداللہ بن فیروز دیلمی سے مروی ہے وہ
کہتا ہے کہ میں عبداللہ بن عمرو کے پاس گیا۔ ان دنوں وہ طائف میں اپنے ایک باغ میں جو وہط کے
نام سے مشہور تھا رہتے تھے۔ اس وقت ان کے پاس قبیلہ قریش کا ایک جوان جو شراب خوری کے ساتھ
متہم تھا بیٹھا تھا میں نے کہا کہ مجھے آپ کی طرف سے یہ روایت پہنچی ہے کہ جو شخص شراب کی ایک
گھونٹ بھی پی لے۔ تو چالیس روز تک اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اور بدبخت وہی ہے جو شکم مادر
میں بدبخت ہو۔ اور جو شخص صرف نماز کی خاطر بیت المقدس میں جائے اور وہاں نماز پڑھے۔ تو وہ گناہوں
سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ سو جب اس جوان نے شراب کا ذکر
سنا تو اپنے ہاتھ کو اس کے ہاتھ سے نکالا اور چل دیا۔ عبداللہ بن عمرو نے فرمایا کہ میں کسی کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ
میری طرف سے ایسی بات کہے جو میں نے نہیں کہی۔ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا
کہ جو شخص شراب کی ایک گھونٹ بھی پی لے۔ تو چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ پھر اگر توبہ
کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ اب مجھے یہ یاد نہیں کہ تیسری بار یا چوتھی بار آپ نے
فرمایا۔ کہ اگر پھر بھی اس نے یہی کام کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کو ضرور اسے دوزخیوں کا خون و پیپ پلائیگا۔
عبداللہ بن عمرو نے کہا میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو

ایک تاریکی میں پیدا کیا پھر اُن پر اپنا نور ڈالا جس پر پڑا سو اُس وقت جسے اُس نور سے حصہ ملا وہ ہدایت پا گیا
اور جسے نہ ملا وہ گمراہ رہا اسی واسطے تو میں کہتا ہوں کہ جو کچھ ہونا ہے وہ اللہ کے علم کے مطابق لکھا گیا ہے
اور میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے سنا کہ سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے اللہ عزوجل سے تین چیزوں
کی درخواست کی جن میں سے دو چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائیں۔ اور تیسری کے ہم امیدوار
ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ وہ ایسا فیصلہ کیا کریں جو اللہ کے حکم کے خلاف نہ ہو۔ سو یہ
نعمت انہیں عطا ہوئی۔ دوسرا یہ سوال کیا کہ انہیں ایسی بادشاہت ملے جو ان کے بعد کسی دوسرے کو حاصل
نہ ہو سو یہ بھی ایسا ہی ہوا تیسرا یہ سوال کیا تھا۔ کہ جو آدمی صرف نماز کی خاطر بیت المقدس میں آئے وہ گناہوں
سے ایسا پاک ہو جائے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے یہ نعمت
ہم کو عطا فرمائی ہے۔ اور اس حدیث کو حاکم نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ اور یہ شیخین کی شرط پر
ہے۔ اور اس میں کوئی سقم نہیں +

دوسرا باب

اِس امر کے بیان میں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے بندوں کی شقاوت سعادت۔ رزق موت اور اعمال سب کچھ انکو پیدا کرنے سے پہلے مقدر فرما دیے ہیں اور پہلی تقدیر کے بعد یہ دوسری تقدیر ہے

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا کہ ہم لوگ بقیع غرقد[1] میں ایک میت کو دفن کر رہے تھے
اتنے میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور نشست فرمائی۔ ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے اُس
وقت آپ کے ہاتھ مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ آپ سر جھکا کر اُس سے زمین کو کریدنے لگے۔ اور فرمایا
کہ ہر ایک جی کے لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے لکھ دیا ہے۔ کہ اُس کا ٹھکانا بہشت میں ہے یا دوزخ میں

ا امام بخاری رہ و امام مسلم رہ ۱۲ ۲ جو آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے ہو چکی ہے ۱۲ ۳ مدینہ منورہ کے ایک
گورستان کا نام ہے ۱۲

اور یہ کہ وہ بدبخت ہے یا نیک بخت۔ حضرت علی رضؓ کہتے ہیں۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا ہم ایسا نہ کریں کہ اپنی نوشتہ پر بھروسا کریں۔ اور عمل کرنا چھوڑ دیں۔ آپ نے فرمایا عمل کرتے رہو جو صاحب سعادت ہے وہ تو خود بخود اہل سعادت کے کام کریگا۔ اور اسی پر اُس کا خاتمہ ہوگا۔ اور جو بدبخت ہے بدبختوں کے کام کریگا۔ اور انہیں پر اس کی وفات ہوگی۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ (تو جس نے (راہ خدا میں) دیا۔ اور پرہیزگاری کو شیوہ اختیار کیا۔ اور اچھی بات (یعنی دین اسلام) کو سچ سمجھا۔ تو ہم آسانی کی جگہ (یعنی بہشت میں پہونچنے کا رستہ) اس کے لئے آسان کردینگے۔ اور جس نے (راہ خدا میں) دینے سے بخل کیا اور (آخرت کی) پرواہ نہ کی۔ اور عمدہ بات (یعنی دین اسلام) کو جھوٹ جانا۔ تو ہم مشکل کی جگہ (یعنی دوزخ میں پہنچنے کا رستہ) اُس کے لئے آسان کردینگے) اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ عمل کرتے رہو۔ ہر ایک کو اُس کی سعی کے مطابق توفیق ملتی ہے اہل سعادت کو نیک اعمال اور بدبختوں کو برے کاموں کی توفیق ملتی ہے۔ پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت پڑھی

عمرانؓ بن حصین سے مروی ہے۔ کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا۔ کیا اہل جنت واہل دوزخ پہلے سے معین ہوچکے ہیں۔ آپ نے فرمایا بیشک (یہی بات ہے) سائل نے عرض کیا تو پھر عمل کرنیکا کیا فائدہ۔ آپ نے فرمایا۔ ہر شخص کو انہیں کاموں کی توفیق ہوگی جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اس حدیث کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔ بخاری کی ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ ہر کوئی وہی کام کریگا جن کے لئے وہ مخلوق ہوا یا جن کی اُسے توفیق دی گئی ؞

ابوالاسود دیلی سے مروی ہے کہا کہ عمران بن حصین نے مجھے کہا یہ تو بتلاؤ کہ آدمی اس وقت جو کچھ عمل کررہے ہیں۔ اور ان میں جانکاہی کرتے ہیں کیا پہلے سے مقدر ہوچکے ہیں یا آئندہ وقتاً فوقتاً اُن کے لئے لکھا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ رسولوں کے ذریعہ اپنے احکام سے متنبہ فرماکر اتمام حجت فرماتا ہے۔ میں نے کہا آدمیوں کے تمام اعمال پہلے سے مقدر ہوچکے ہیں۔ ابوالاسود کہتے ہیں عمران نے کہا کیا یہ ظلم نہیں۔ اس پر میں بہت گھبرایا۔ اور کہا کہ یہ ظلم نہیں کیونکہ سب چیزیں اللہ کی مخلوق اور اُس کی مملوک ہیں (وہ ان میں جیسے چاہے تصرف کرے) اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ بلکہ وہ اپنی مخلوق کو اُن کے اعمال کی نسبت بازپرس فرمائیگا۔ عمران بولے خدا تجھ پر رحم کرے (مجھے اس مسئلہ میں کوئی شبہ نہیں) میں نے تو صرف تیری فہم آزمائی کے لئے یہ سوال (وجواب) کیا ہے (اور مجھے یاد ہے) کہ قبیلہ مزینہ کے دو آدمی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہا یا رسول اللہ یہ بتلائیں کہ

لوگ اس وقت جو کچھ عمل کر رہے ہیں۔ اور ان میں جانکاہی کرتے ہیں۔ کیا یہ پہلے سے ایسے ہی مقدر ہو چکے ہیں یا آئندہ وقتاً فوقتاً اُن کے لئے لکھے جاتے ہیں۔ اور رسولوں کے ذریعہ ان کو احکام الٰہی سے متنبہ کر کے ان پر حجت قائم کی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا پہلے سے مقدر ہو چکے ہیں۔ اور اللہ عزوجل کی کتاب میں اس کی تصدیق موجود ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (اور انسان اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو ایسا درست بنایا پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری (دونوں باتیں) اس کو سمجھا دیں) اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

اور شفی اصبحی سے مروی ہے ہم کو عبداللہ نے کہا کہ (ایک دن) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت آپ کے ہاتھ مبارک میں دو کتابیں تھیں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ یہ کتابیں کیسی ہیں۔ راوی کہتے ہیں ہم نے کہا۔ یارسول اللہ آپ کے بتلائے بغیر ہمیں کیسے معلوم ہو۔ آپ نے اس کتاب کی نسبت جو آپ کے داہنے ہاتھ میں تھی۔ فرمایا یہ وہ کتاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے نام مع ولدیت وقبیلہ تحریر فرمائے ہیں۔ اور انکے اخیر میں میزان دیدیا ہے سو اب ان میں کبھی اب کمی وبیشی نہیں ہوگی۔ اور جو بائیں ہاتھ میں تھی اس کی بابت فرمایا یہ وہ کتاب ہے جس میں دوزخیوں کے نام مع ولدیت وقبیلہ تحریر ہیں۔ اور ان کے آخیر میں میزان دیا گیا ہے سو ان میں بھی کبھی کمی بیشی نہیں ہوگی۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ اگر پہلے سے اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ تو پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ آپ نے فرمایا تم اپنی طرف سے ٹھیک کام کرنیکی کوشش کرتے جاؤ۔ جو جنتی ہے اُس کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوگا۔ گو پہلے وہ کیسے ہی بدعمل کرتا رہا ہو۔ اور جو دوزخی ہے اس سے مرتے وقت دوزخیوں کے کام ہونگے۔ گو پہلے نیک کام کرتا رہا۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا۔ کہ اپنی مٹھی کو بند کرلیا اور فرمایا کہ اللہ عزوجل بندوں کا معاملہ پہلے سے طے کر چکا ہے۔ پھر داہنے ہاتھ کو کھول کر اس سے اشارہ کیا اور فرمایا فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ (قیامت میں کچھ لوگ جنت میں ہونگے) اور بائیں کو کھول کر فرمایا فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ (کچھ لوگ دوزخ میں)

اس حدیث کو ترمذی نے قتیبہ سے انہوں نے لیث ابوقبیل سے انہوں نے شفی سے اور دوسری سند کے ساتھ قتیبہ سے انہوں نے بکر بن نصر سے انہوں نے ابوقبیل سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح اور غریب ہے۔ اور اس کو نسائی اور امام احمد نے بھی ان ہی الفاظ میں روایت کیا ہے۔ اور صحیح حاکم وغیرہ کتابوں میں ابوجعفر رازی کی سند سے یوں ہے کہ ہم سے ربیع بن انس نے بیان کیا۔ انہوں نے ابوالعالیہ سے انہوں نے ابی بن کعب سے اللہ تعالیٰ کے اس قول

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (اور اے پیغمبر ان لوگوں کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ) جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے اُنکی نسلوں کو باہر نکالا ہے کے بارے میں یوں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب بندوں کو قیامت تک پیدا ہونگے جمع کیا پھر انہیں جوڑے سے بنایا صورت اور قوت کلام بخشی اور اُن سے مخاطب ہوا۔ وہ سب کے سب بولے اور اُن سے عہد و میثاق (قول و قرار لیا گیا) اور اُن کے مقابلے میں خود اُن ہی کو گواہ بنایا جیسا کہ فرمایا ہے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ٥ (اُن سے پوچھا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ سب بولے ہاں ہم (اس بات کے) گواہ ہیں (اور یہ اس غرض سے کیا کہ ایسا نہ ہو) کہیں قیامت کے دن تم کہنے لگو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر ہی رہے (یعنی کسی نے ہم کو جتایا بتایا نہیں) یا کہنے لگو کہ شرک ابتدا میں تو ہمارے بڑوں ہی نے کیا اور ہم اُن ہی کی اولاد تھے (کہ) اُن کے بعد (دنیا میں آئے جیسا بڑوں کو کرتے دیکھا ہم بھی ویسا ہی کرنے لگے) تو اے خدا کیا تو ہم کو اُن لوگوں کے جرم کی پاداش میں ہلاک کئے دیتا ہے جنہوں نے پہلے غلطی کی) ٭

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں سات آسمانوں۔ زمین اور تمہارے باپ آدم کو اس لئے تم پر گواہ بناتا ہوں کہ (قیامت میں تمہیں یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ ہم کو اس کا علم نہ تھا یا ہم اس سے بے خبر تھے سو کسی کو میرا ساجھی نہ ٹھیرانا میں تمہارے پاس اپنے رسول بھیجونگا جو تمہیں میرا عہد و میثاق یاد دلائینگے۔ اور نیز تمہاری ہدایت کے لئے) اپنی کتابیں نازل کرونگا۔ تو سب نے اقرار کیا کہ تو ہمارا رب و معبود ہے۔ تیرے سوا ہمارا کوئی رب نہیں۔ اور سب کے سب آدم کے پیش کئے گئے۔ تو آدم نے کیا دیکھتے ہیں۔ کہ کئی اُن میں لدار ہیں اور کئی فقیر اور بعض خوبصورت ہیں اور بعض بدصورت۔ اس پر عرض کیا اے پروردگار۔ اگر تو سب بندوں کو یکساں (مالدار و خوبصورت) بناتا (تو کیا خوب بات تھی) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس میں یہ حکمت ہے۔ کہ میری نعمتوں کی قدر سمجھیں۔ اور آدم نے اپنی اولاد میں انبیاء کو دیکھا۔ کہ وہ شعلوں کی طرح روشن اور نورانی ہیں۔ حاکم نے یہ پوری حدیث بیان کی ہے ٭

صحیح حاکم و جامع ترمذی میں ہشام بن یزید کی روایت اس طرح ہے کہ وہ زید بن اسلم سے وہ ابو صالح سے وہ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا تو اُن کی پشت پر اپنا ہاتھ پھیرا جتنے جی قیامت تک پیدا ہونگے چیونٹیوں کی طرح

ان کی پشت سے نکل پڑے۔ پھر ہر ایک آدمی کی پیشانی میں ایک نور رکھا۔ اور اُن کو آدمؑ کے پیش کیا۔ آدمؑ نے پوچھا۔ اے پروردگار یہ کون ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تیری اولاد ہے۔ آدمؑ نے ان میں ایک ایسا آدمی دیکھا۔ کہ اس کے چہرہ کے نور سے نہایت خوش ہوئے۔ پوچھا اے پروردگار یہ کون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ تیرا بیٹا داؤد ہے جو پچھلی امتوں میں پیدا ہوگا۔ عرض کیا اس کی عمر کیا مقرر فرمائی ہے۔ فرمایا۔ ساٹھ سال۔ عرض کیا۔ اے پروردگار میری عمر میں سے چالیس سال اس کی عمر میں بڑھا دے۔ فرمایا جو کچھ لکھا گیا اب اس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ جب آدمؑ کی عمر ختم ہوئی۔ اور قبض روح کے واسطے ان کے پاس ملک الموت آیا تو کہنے لگے۔ کیا میری عمر میں سے چالیس سال باقی نہیں رہتے۔ ملک الموت نے کہا۔ آپ نے وہ اپنے بیٹے داؤد کو نہیں بخشے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے آدمؑ انکار کر گئے۔ اس لئے بنی آدم بھی علانیے سے انکار کر جاتے ہیں۔ اور چونکہ آدمؑ بھول گئے ہیں اسی وجہ سے آدمی بھی بھول جاتے ہیں۔ اور آدمؑ سے جو خطا ہوئی اسی کا اثر ہے کہ ہم سے بھی خطا ہوتی ہے۔ حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔

اور موطا امام مالکؒ میں زید بن ابی انیسہ سے مروی ہے کہ اُس سے عبد الحمید بن عبد الرحمٰن بن زید نے بیان کیا۔ مسلم بن یسار جہنی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن خطاب سے کسی نے اس آیت وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی نسلوں کو باہر نکالا) کا مطلب پوچھا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے جب اس کا مطلب پوچھا گیا۔ تو میں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے سنا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا فرما کر ان کی پشت پر اپنا داہنا ہاتھ پھیرا۔ اور اس سے اولاد آدم کا ایک حصہ نکالا اور فرمایا کہ ان کو میں نے بہشت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور یہ اہل بہشت کے کام کرینگے۔ پھر دوبارہ ہاتھ پھیرا۔ تو دوسرا حصہ نکالا اور فرمایا کہ ان کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور یہ دوزخیوں کے کام کرینگے۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ جب یہ ہے تو پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جس بندے کو بہشت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس سے اہل بہشت کے کام کرائیگا۔ یہاں تک کہ اس کا خاتمہ انہی اعمال پر ہوگا۔ اور اس کو جنت میں داخل فرمائیگا۔ اور جس کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اس سے دوزخیوں کے کام کرائیگا۔ یہاں تک کہ وہ انہی پر مریگا۔ اور دوزخ میں دھکیلا جائیگا۔ حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔ مگر اس کا یہ کہنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ یہ حدیث منقطع ہے (چنانچہ) ابو عمر کہتے ہیں۔ یہ حدیث اس وجہ سے منقطع ہے کہ مسلم بن یسار کی حضرت عمرؓ بن خطاب سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس کا اسناد نعیم بن ربیع ہے جس کو ذکر نہیں کیا (نعیم ہم کا استاذ تب ہو سکتا ہے کہ اس شخص کی روایت صحیح ہو

جس نے نعیم بن ربیعہ کا ذکر کیا ہے (مگر اُس کی صحت میں کلام ہے) کیونکہ وہ امام مالک سے زیادہ جاننے والے نہیں اور نہ اُن لوگوں سے ہے کہ امام مالک کے خلاف اُن کا قول قابل اعتبار ہو۔ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ نعیم بن ربیعہ سلم کا اُستاذ ہے تو بھی یہ روایت صحیح نہیں ہو سکتی یہ دونوں مجہول اور حفظ علم و نقل حدیث میں غیر معروف ہیں۔ یہ سلم وہ شخص نہیں ہے۔ جو سلم بن یسار عابد بصری مشہور ہے یہ سلم ایک جہنی ہے اور ادنیٰ اور مدینہ کا باشندہ ہے۔ ابو عمر نے تاریخ ابن ابی خیثمہ سے نقل کیا ہے۔ کہا کہ میں نے امام مالک کی یہ حدیث یحییٰ بن معین کو سُنائی تو انہوں نے (میری کتاب پر) اپنے ہاتھ سے مسلم بن یسار کے نام پر۔ لَا یُعْرَفُ (معروف نہیں) لکھ دیا۔ ابو عمر نے کہا ہے اگرچہ خاص اس روایت کی سند میں سقم ہے لیکن اُس کا مضمون پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مختلف طریقوں سے مروی ہے جس کو عمرؓ بن خطاب وغیرہ صحابہؓ روایت کرتے ہیں۔ تقدیر کے بارے میں جن صحابہ کرام نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کا مضمون روایت کیا ہے۔ اُنکے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں علیؓ بن ابیطالب۔ ابیؓ بن کعب۔ ابن عباسؓ۔ ابن عمرؓ۔ ابو ہریرہؓ۔ ابو سعیدؓ خدری۔ ابو سریحہ عبادی۔ عبداللہؓ بن مسعودؓ۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص۔ ذو اللحیہ کلابی۔ عمرانؓ بن حصین۔ عائشہؓ۔ انس بن مالکؓ۔ سراقہؓ بن جعشم۔ ابو موسیٰؓ اشعری۔ اور عبادہؓ بن صامت۔ مؤلف کہتا ہے کہ حذیفہؓ بن یمان۔ زیدؓ بن ثابت۔ جابر بن عبداللہؓ۔ حذیفہ بن اسید۔ ابو ذرؓ۔ معاذؓ بن جبل۔ ہشامؓ بن حکیم۔ اور ابو عبداللہؓ۔ ابو عبداللہ وہ شخص ہیں جن سے بہت سے صحابہؓ جیسے ابو نضرہؓ۔ عبداللہؓ بن سلام۔ سلمانؓ فارسی۔ ابو الدرداءؓ۔ عمروؓ بن عاص۔ ام المومنین عائشہؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ۔ ابو امامہؓ باہلی۔ ابو الطفیلؓ اور عبدالرحمٰن بن عوف یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔ ان کی سب حدیثیں مرفوع نہیں بلکہ بعض موقوف بھی ہیں۔ اس کتاب کے ابواب میں وہ سب اپنے اپنے موقعہ پر انشاء اللہ مذکور ہونگی +

اسحاق بن راہویہ نے کہا ہم سے بقیہ بن ولید نے بیان کیا کہا کہ مجھ سے زبیدی محمدؐ بن ولید نے بیان کیا انہوں نے راشد بن سعد سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابی قتادہ سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے ہشام بن حکیم بن حزام سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ ہم جو عمل کرتے ہیں اُن کی ابتداء اسی وقت سے ہوتی ہے یا پہلے سے تقدیر میں لکھے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب اولادِ آدم کو اُن کی پشت سے نکالا۔ تو خود اُن کو اُن پر گواہ بنایا۔ پھر اُن کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور فرمایا یہ جنت والے ہیں اور یہ دوزخی۔ سو جنت والوں کو اہل جنت کے کاموں کی توفیق ہوتی ہے اور دوزخیوں کو اہلِ دوزخ کے کاموں کی +

اسحاق نے کہا ہے کہ ہم سے عبد الصمد نے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے حماد نے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے
جریری نے بیان کیا۔ انہوں نے ابو نضرہ سے روایت کیا ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ
میں سے ایک شخص ابو عبد اللہ (بیمار تھے) انکے دوست ان کو دیکھنے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ روتے
ہیں پوچھا کیوں روتے ہو کہا کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک
مٹھی داہنے ہاتھ میں لی اور دوسری بائیں ہاتھ میں اور فرمایا کہ یہ جنت کے لئے ہیں اور یہ دوزخ کے
لئے اور میں کسی کی پروا نہیں کرتا۔ پس مجھے معلوم نہیں کہ میں کس مٹھی میں تھا اس خوف سے روتا ہوں

ہم سے عمرو بن محمد بن اسمٰعیل بن رافع نے بیان کیا۔ انہوں نے مقبری سے انہوں نے ابو ہریرہؓ سے
انہوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی سرشت
اس طرح بنائی۔ کہ پہلے مٹی تھی۔ پھر اسے کیچڑ بنا کر چھوڑ دیا۔ جب سوک کر ٹھیکری کی طرح کھنکھنانے
لگی۔ تو شیطان اس کے پاس جا کر کہتا۔ تم ایک بڑے کام کے لئے پیدا کئے گئے۔ اس کے بعد
اللہ تعالیٰ نے انہیں روح ڈالی تو آدمؑ کہنے لگے اے پروردگار میری ذریت کونسی ہے۔ اللہ تعالےٰ
نے فرمایا جو تجھے پسند ہے۔ آدم علیہ السلام نے کہا میں اپنے رب کے داہنے ہاتھ کو پسند کرتا ہوں۔ اور
اللہ کے تو دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ پھر اللہ نے اپنا ہاتھ کھولا سو آدم کی جتنی ذریت پیدا ہوگی وہ سب اللہ
کے ہاتھ میں موجود تھی۔

ہم سے نضر نے بیان کیا کہا کہ ہم سے ابو معشر نے بیان کیا انہوں نے ابو سعید مقبری اور نافع
مولیٰ زبیر سے انہوں نے ابو ہریرہ رضؓ سے روایت کیا۔ کہا کہ جب اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام
کی پیدائش کا ارادہ فرمایا (ذکر پیدائش) جب پیدا ہو چکے تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے آدم میرا کونسا
ہاتھ تجھے پسند ہے کہ میں انہیں سے تجھے تیری اولاد دکھلاؤں۔ عرض کیا رب کا داہنا ہاتھ۔ اور رب کے
تو دونو ہاتھ داہنے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اپنا داہنا ہاتھ کھولا تو آدمؑ نے دیکھا کہ ان کی تمام اولاد
جو قیامت تک پیدا ہوگی سب اس میں موجود ہے۔ تندرست اور بیمار ہر ایک جداگانہ ہیئت میں
[illegible] علیہم السلام ایک خاص ممتاز شکل میں ہیں۔ عرض کیا اے اللہ سب کو یکساں عافیت نہ
بخشنے کی کیا حکمت ہے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میری نعمت کی قدر کریں اور شکرگذار ہوں نضر نے
یہی حدیث بیان کی ہے۔

محمد بن منصور طوسی نے کہا ہے ہم سے محمد بن یحییٰ نے بیان کیا کہا ہم سے سعید بن ابی مریم
نے بیان کیا کہا ہم سے لیث بن سعد نے [illegible] کہ مجھ سے [illegible] نے بیان کیا انہوں نے سعید مقبری [illegible]

مقبری سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے عبداللہ بن سلام سے روایت کیا ہے۔ کہا کہ اللہ تعالےٰ نے آدم ؑ کو پیدا کیا پھر اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا کہ اُسے بند کر لیا اور فرمایا جو چاہو پسند کرو عرض کیا میں رب کا داہنا ہاتھ پسند کرتا ہوں۔ اور رب کے تو دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے داہنا ہاتھ کھولا تو آدم ؑ نے اُس میں اپنی اولاد کو دیکھ کر پوچھا اے پروردگار یہ کون لوگ ہیں فرمایا تیری اولاد کے وہ تمام جنتی لوگ ہیں جو قیامت تک پیدا ہونگے۔

محمد بن نصر نے کہا ہے ہم سے اسحاق بن راہویہ نے یہ بیان کیا کہا کہ ہمیں جعفر بن عون نے بتلایا کہا کہ ہمیں ہشام بن سعد نے بتلایا۔ انہوں نے زید بن اسلم سے انہوں نے ابو ہریرہ رض سے انہوں نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو انکی پشت پر ہاتھ پھیرا سو قیامت تک جتنے جی انکی اولاد سے پیدا ہونگے۔ سب کے سب انکی پشت سے نکل پڑے اسحاق نے یہ پوری حدیث بیان کی ہے۔

اسحاق بن طالی نے کہا ہے ہم سے مسعودی نے بیان کیا۔ وہ علی بن بذیمہ سے وہ [illegible] سے وہ ابن عباس رض سے اللہ تعالےٰ کے اس قول وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی انکی پیٹھوں سے [illegible] نکالا) کے بارے میں روایت کرتے ہیں۔ کہ ابن عباس رض نے کہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے [illegible] لیا۔ کہ وہ اُن کا رب ہے اور اُن کا رزق۔ عمر اور یہ جو مصیبتیں وحوادث [illegible] لکھد ئے پھر اُن کی پشت سے اُن کی اولاد کو چیونٹیوں کی طرح نکالا۔ پھر اُن سے [illegible] وہ اُن کا رب ہے۔ اور انکے رزق۔ عمر اور جو جو حوادث پیش آئینگے سب [illegible]

اسحاق دہڑکورا نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم سے وکیع نے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے [illegible] کیا وہ حبیب بن ابی ثابت سے وہ ابن عباس رض سے روایت کرتے ہیں۔ [illegible] اللہ تعالیٰ نے آدم ؑ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ تو اُن سے اُن کی [illegible] نیکوں اور بائیں میں بدوں کو لیا۔

اور محمد بن نصر نے کہا ہے ہم سے حسن بن زعفرانی اور حجاج نے بیان کیا [illegible] سے وہ سعید بن جبیر سے وہ ابن عباس رض سے روایت کرتے ہیں [illegible] نے آدم ؑ کے داہنے کندھے پر ہاتھ مارا۔ تو اُس سے وہ روحیں [illegible] ایک اور [illegible] اور [illegible] - اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا [illegible]

پھر بائیں کندھے پر مارا تو وہ روحیں جو دوزخ کے لئے مخلوق ہیں سیاہ اور بدنما چہروں میں نمودار ہوئیں اور اُن کی نسبت فرمایا۔ کہ یہ دوزخی ہیں۔ پھر سب بنی آدم سے ایمان معرفت ذات الٰہی تصدیق اور امتثال امر کا عہد لیا اور خود اُن ہی کو اُن پر گواہ ٹھیرایا۔ اس وقت سب کے سب ایمان لائے تصدیق کی معرفت کو سمجھے اور اقرار کیا ۔

ہم سے اسحاق نے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے روح بن عبادہ بن محمد بن عبدالملک نے بیان کیا وہ اپنے باپ سے وہ زبیر بن موسیٰ سے۔ وہ سعید بن جبیر سے وہ ابن عباسؓ سے اسی حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ مگر اس میں اتنی زیادتی ہے کہ ابن جریج نے کہا کہ مجھے یہ بات بھی پہنچی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں نکال کر رائی کے دانوں کی طرح اپنے ہاتھ پر رکھا ۔

اسحاق نے کہا ہے کہ ہم سے جریر نے بیان کیا وہ منصور سے وہ مجاہد سے وہ عبداللہ بن عمرو سے اللہ تعالیٰ کے قول وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ الآیۃ کے بارے میں روایت کرتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو اس طرح پکڑا جس طرح کنگھی سے کوئی چیز پکڑتے ہیں ۔

تفسیر اسباط میں سدی اور اس کے اصحاب ابو مالک اور ابو صالح سے مروی ہے وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں نیز مرہ ہمدانی سے مروی ہے وہ ابن مسعود اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے چند ممبروں سے اللہ تعالیٰ کے قول وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ الآیۃ کے بارے میں روایت کرتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدمؑ کو جنت سے نکالا۔ تو اُن کے آسمان سے نیچے گرنے سے پہلے اُن کی پشت کی داہنی جانب ہاتھ پھیرا۔ اور اس سے اُنکی اولاد کا ایک حصہ نکالا۔ جو رنگت میں موتیوں کی طرح چمکیلے اور قد میں چیونٹیوں کے برابر تھے۔ اور اُنہیں فرمایا کہ تم میری رحمت سے جنت میں جاؤ۔ اور بائیں جانب ہاتھ پھیرا۔ تو اُس سے دوسرا حصہ نکالا۔ جن کے رنگ سیاہ اور قد چیونٹیوں کے برابر تھے۔ اُن کو حکم دیا کہ تم دوزخ میں جاؤ۔ اور میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ قرآن کریم میں جو دو گروہ اصحاب الیمین و اصحاب الشمال مذکور ہیں۔ اُن سے یہی مطلب ہے پھر سب سے عہد لیا۔ اور فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ سب بولے ہاں تو ہمارا پروردگار ہے۔ لیکن ایک گروہ خوشی سے اور دوسرا تقیہ کے طور پر ناخوشی سے اِس بات کا قائل ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ اور ملائکہ نے فرمایا شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ الآیۃ ہم اِس بات کے گواہ ہیں اور یہ اس

غرض ـ یہ کیا کہ ایسا نہ ہو کہیں قیامت کے دن تم کہنے لگو ـ کہ ہم تو اس بات سے بے خبر ہی رہے (یعنی
کسی نے ہم کو جتایا یا بتایا نہیں یا کہنے لگو کہ شرک ابتدا میں تو ہمارے بڑوں ہی نے کیا ـ اور ہم ان ہی کی اولاد
تھے ـ کہ انکے بعد دنیا میں آئے جیسا بڑوں کو دیکھا ہم بھی ویسا ہی کرنے لگے ـ) اسی وجہ سے ہر ایک
آدمی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو جانتا اور ہر مشرک یہی کہتا ہے ـ کہ چونکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو
اس مذہب میں دیکھا ہے ـ اس لئے ہم انکے پیرو ہیں (ورنہ خدا کی وحدانیت تو ہم بھی سمجھتے ہیں)
اللہ تعالیٰ کے قول وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ اور قولہٗ
اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا (جو فرشتے آسمانوں میں بستے ہیں اور جو لوگ زمین
میں ہیں چار و ناچار اسی کے حکم بردار ہیں) اور قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ
اَجْمَعِيْنَ (اے پیغمبر ان سے) کہو کہ تم مانو نہ مانو اور اللہ کی حجت تم پر تمام ہو چکی ـ پھر اللہ وہی چاہتا
تو تم سب کو (دین حق کا) رستہ دکھا دیتا) کا یہی مطلب ہے ❊

اسحاق نے کہا ہے ہم سے وکیع نے بیان کیا کہا کہ ہم سے مصر نے بیان کیا وہ ابن سابط سے
روایت کرتے ہیں ـ کہا کہ ابوبکرؓ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالے نے مخلوق کو اپنی دو مٹھی برابر پیدا کیا ـ
سو جو داہنی میں تھے انہیں فرمایا کہ تم سلامتی کے ساتھ جنت میں جاؤ ـ اور جو بائیں میں تھے انکو دوزخ
میں جانیکا حکم دیا ـ اور فرمایا کہ میں کسی کی پرواہ نہیں رکھتا ❊

اسحاق نے کہا ہے ہم سے جریر نے بیان کیا وہ اعمش سے وہ ابوظبیان سے وہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے جو قبیلہ انصار سے ہیں روایت کرتے ہیں ـ انہوں نے کہا کہ جب
اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو انہیں اپنی دو مٹھی میں رکھا ـ پھر جو داہنی میں آئے انہیں اصحاب الیمین
اور جو بائیں میں رہے انکو اصحاب الشمال فرمایا ـ اور یہ فیصلہ ہمیشہ کے لئے تا قیام قیامت تک نافذ ہے
عبداللہ بن وہب نے کتاب القدر میں کہا ہے مجھ سے جریر بن حازم نے بیان کیا وہ ایوب
سختیانی سے وہ ابو قلابہ سے روایت کرتے ہیں ـ انہوں نے کہا ہے کہ جب اللہ عزوجل نے آدمؑ
کو پیدا کیا ـ تو ان سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہیں اپنے ہاتھ میں لیکر پھر نیچے چھوڑ دیا سو جو داہنے
ہاتھ میں تھے ان کو داہنی طرف اور جو بائیں میں تھے ان کی بائیں طرف چھوڑا اور فرمایا (اصحاب الیمین)
جنت کے لئے اور (اصحاب الشمال) دوزخ کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ـ اور میں کسی کی پرواہ نہیں رکھتا ـ اور
اہل دوزخ اور ان کے اعمال ـ اور اہل جنت اور ان کے اعمال سب لکھ دیئے ـ پھر دفتر اعمال بند کیا
گیا ـ اور قلم اٹھا دی گئی ❊

ابو داؤد نے کہا ہے ہم کو مسدد نے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے حماد بن زید نے بیان کیا۔ وہ ایوب سے وہ ابو قلابہ سے وہ ابو صالح سے یہی حدیث روایت کرتے ہیں ۔

عبداللہ بن وہب نے کہا ہے مجھ سے عمرو بن حارث اور حیوہ بن شریح نے بیان کیا ہے وہ ابن ابی اسید سے اس طرح روایت کرتے ہیں۔ کہ اس سے ابو فراس نے بیان کیا۔ کہ اس نے عبداللہ بن عمرو کو یہ کہتے سنا کہ اللہ عزوجل نے جب آدم ع کو پیدا کیا۔ تو ان کو اس طرح جھاڑا جس طرح توشہ دان جھاڑا جاتا ہے۔ پس ان کی پیٹھ سے ان کی تمام اولاد چیونٹیوں کی طرح نکل پڑی۔ پھر انکو دونو ہاتھوں میں لیکر نیچے چھوڑ دیا۔ پھر دوبارہ ان کو ہاتھ میں لیکر فرمایا۔ ایک جماعت جنت میں جائیگی اور ایک دوزخ میں ۔

عبداللہ بن وہب نے کہا مجھ سے یونس بن یزید نے بیان کیا وہ اوزاعی سے وہ عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ جو شخص یہ خیال کرے۔ کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا شخص حاکم۔ رازق یا اس کے نفع و نقصان یا موت و زندگی کا مالک ہے تو قیامت میں وہ اللہ کے سامنے اپنے حال میں جائیگا۔ کہ اس کی حجت بیکار۔ زبان سوختہ۔ نماز روزہ سب کچھ رائگان اور تمام اسباب منقطع ہونگے۔ اور منہ کے بل اسے دوزخ میں دھکیل دینگے ۔ عبداللہ بن عمرو نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ اور ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا ۔

ابو داؤد نے ذکر کیا ہے کہ ہم سے یحییٰ بن حبیب نے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے معتمر نے بیان کیا کہا کہ مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا۔ انہوں نے ابو العالیہ سے اللہ تعالیٰ کے قول يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۔ (جس دن بعض لوگوں کے منہ سفید ہونگے اور بعض کے منہ سیاہ۔ تو جو لوگ روسیاہ ہونگے (ان سے کہا جائیگا) کہ تم ایمان لائے پیچھے کافر ہو گئے تھے تو (اب) اپنے کفر کی سزا میں عذاب (کے مزے) چکھو اور جو لوگ سفید رو ہونگے تو (وہ) اللہ کی رحمت (یعنی بہشت) میں ہونگے (اور) وہ اسی میں ہمیشہ (ہمیشہ رہینگے) کے بارے میں روایت کیا ہے کہ بنی آدم دو طرح کے ہونگے۔ اور ان میں سے جن کے چہرے سیاہ و متغیر ہونگے ان سے فرمائیگا۔ کہ تم ایمان کے بعد کافر ہو گئے۔ یہاں ایمان سے وہ ایمان مراد ہے جسے سب نے پہلے قبول کیا تھا ۔

ابو داؤد نے کہا ہے کہ ہم سے موسیٰ بن اسمٰعیل نے بیان کیا کہا ہم سے حماد نے بیان کیا کہا ہم سے ابوغامہ سعدی نے بیان کیا کہ (ایک دن) ہم ابوعثمان ہندی کی مجلس میں تھے۔ ہم نے اللہ تعالےٰ کی حمد کی اور اُس کا ذکر کیا اور اُس سے دعا مانگی اور میں نے کہا کہ جب یہ کام شروع کیا گیا تھا تو مجھے نہایت خوشی حاصل ہوئی تھی۔ اب چونکہ ختم ہو گیا ہے و مکمل درجہ کی خوشی نہیں رہی۔ ابوعثمان ہندی بولے خدا تجھے اِس پر قائم رکھے۔ ایک دن ہم سلمان کی مجلس میں حاضر ہوئے اور اسی طرح خدائے عزوجل کی تعریف۔ ذکر اور دعا مانگنے میں مصروف ہوئے۔ اور اختتام مجلس پر میں نے یہی کلمہ کہا جو تو نے کہا ہے تو سلمان نے مجھے یہی دعا دی کہ خدا تعالےٰ تجھے اس پر قائم رکھے اور کہا کہ اللہ تبارک وتعالےٰ نے جب آدم ؑ کو پیدا کیا تو اُن کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ سو قیامت تک جتنے جی پیدا ہونگے اُس سے نکل پڑے نر۔ مادہ۔ بدبختی۔ نیک بختی۔ رزق۔ عمر۔ رنگ۔ سب کچھ اسی وقت مقرر فرما دیا۔ نیک کام کرنا اور مجلس خیر میں شامل ہونا سعادت کی نشانی اور بُرے کام اور بُری محفلوں میں جانا بدبختی کی علامت ہے ✣

ابو داؤد نے کہا ہے ہم سے موسےٰ بن اسمٰعیل نے بیان کیا کہا ہم سے حماد نے بیان کیا کہا ہمیں عطاء بن سائب نے بتلایا وہ سعید بن جبیر سے وہ ابن عباس رض سے روایت کرتے ہیں۔ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم ؑ کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ تب جتنے جی قیامت تک ہونگے اُس سے نکل پڑے اور اللہ تعالیٰ نے اُن سے عہد و اقرار لئے۔ اسی واسطے سلف کا یہ مذہب ہے کہ قلم خشک ہو چکا ہے یعنی جو کچھ ہونا ہے وہ سب کچھ لکھا گیا ہے اب اس میں کچھ کمی و بیشی نہیں ہو سکتی ✣

ضحاک کا قول ہے کہ بنی آدم چیونٹیوں کی طرح نکل پڑے پھر اُن کو دوبارہ آدم ؑ کی پیٹھ میں رکھ دیا۔ مذکورہ بالا احادیث اور آثار اور جو اُن کے ہم معنی ہیں۔ اُن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے بنی آدم کے عمل۔ رزق۔ عمریں۔ سعادت اور شقاوت آدم ؑ کی پیدائش کے بعد مقرر فرما دئے۔ اور اُن کی صورتیں شکلیں اور حلیے آدم ؑ کو دکھلا دئے لیکن ان کو آیت وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ کی تفسیر قرار دینا محل کلام ہے۔ اور حضرت عمر رض کی حدیث اگر بالفرض صحیح ہو تو وہ حدیث بھی اِس آیت کی تفسیر نہیں ہو سکتی اور نہ اُس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیت کا یہی مطلب ہے۔ بلکہ آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنی آدم کو آدم کی پشت سے نہیں بلکہ نسلاً بعد نسلٍ یکے بعد دیگرے اُن کو خود اُنہی کی پشت سے نسلاً بعد نسلٍ یکے بعد دیگرے ظاہر کیا۔ اور ان سے (اپنی ربوبیت کا) اقرار اس لئے کر لیا کہ قیامت کو کافر یہ نہ کہنے لگیں کہ ہم اس سے غافل تھے۔ یا یہ عذر پیش نہ کرے کہ پہلے

میرے باپ نے شرک کیا ہیں تو اس کا پیرو تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت وخالقیت کا اقرار جب اُنکی فطرت وسرشت میں رکھدیا۔ تو اُن پر بلاشبہ یہ حجت قائم ہوگئی۔ حضرت عمر رضہ وغیرہ کی حدیث سے تقدیر سابق اور میثاق اول ثابت ہوتے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس سے اُن کو الزام نہیں دیگا۔ بلکہ وہ اس سے پکڑیگا کہ اُس نے رسول بھیجے اور اُن کی سرشت اُس کی ربوبیت وخالقیت کے اقرار پہ ہوئے جیسے آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے +

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیت احادیث اور آثار سے تقدیر۔ اتمام حجت اور ایمان بالقدر ثابت ہوتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ جیسا کہ چاہیے کو سمجھنا اور ماننا چاہیئے پوری پوری طرح نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا ہے +

تیسرا باب

تقدیر کے بارے میں حضرت آدم ؑ وحضرت موسیٰ کے باہم مناظرہ کرنے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں فیصلہ دینے کے بیان میں

ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت آدم ؑ وحضرت موسیٰ نے باہم مناظرہ کیا۔ موسٰے ؑ کہنے لگے۔ اے آدم آپ ہمارے باپ ہیں۔ اور آپ نے ہم کو یہ نقصان پہنچایا کہ ہمیں جنت سے باہر نکالا۔ اس پر آدم ؑ نے کہا آپ وہی موسٰے ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام سے سرافراز کیا۔ اور اپنے ہاتھ سے توریت لکھ کر عنایت فرمائی تو پھر اس بات پر جو اللہ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے مقدر فرمادی تھی۔ آپ مجھے کیسے ملامت کرتے ہیں پس آدم ؑ موسیٰ ؑ پر غالب آئے (یہ جملہ آنحضرت ؐ نے تین بار فرمایا یعنی آدم ؑ کا جواب ٹھیک تھا جس کے سننے سے موسیٰ ؑ خاموش ہوئے) ایک دوسری روایت میں اس طرح آیا ہے۔ کہ آدم ؑ وموسیٰ ؑ نے باہم مناظرہ کیا جس میں آدم ؑ موسیٰ ؑ پر غالب ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ آپ وہ آدم ہیں جنہوں نے لوگوں کی راہ ماری اور انہیں جنت سے نکالا۔ آدم ؑ نے فرمایا۔ کیا آپ وہی موسیٰ ؑ ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کا علم

شرائع عطا کیا اور اپنی رسالت سے لوگوں میں ممتاز فرمایا۔ موسیٰ ع نے کہا ہاں وہی ہوں۔ آدم ع بولے تو
پھر اس بات پر جو میرے مخلوق ہونے سے پہلے مقدر ہو چکی تھی آپ مجھے کیسے ملامت کرتے ہیں +

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ آدم ع و موسیٰ ع نے اپنے رب کے پاس باہم مناظرہ کیا
جس میں آدم ع موسیٰ ع پر غالب آگئے۔ موسیٰ ع نے کہا آپ وہ آدم ہیں جن کا پتلا اللہ تعالیٰ نے اپنے
دست قدرت سے بنایا۔ اس میں اپنی (پیدا کی ہوئی) روح ڈالی۔ ملائکہ سے سجدہ کرایا اور جنت میں
بسایا پھر آپ نے اپنے گناہ کے سبب آدمیوں کو زمین پر اتارا۔ آدم ع نے کہا آپ وہی موسیٰ ع ہیں
جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت و کلام سے سرفرازی بخشی۔ اور وہ الواح دیئے جن میں ہر ایک
چیز کا بیان تھا۔ اور اپنی ہمکلامی کا خاص قرب عنایت کیا۔ سو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے توریت کو
میری پیدائش سے کتنا پہلے لکھا ہے موسیٰ ع نے کہا چالیس سال۔ آدم ع نے کہا۔ کیا اس میں
یہ نہیں دیکھا وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ (اور آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور (راہ صواب
سے) بھٹک گئے) موسیٰ ع نے کہا بیشک یہ اس میں موجود ہے۔ تب آدم ع نے کہا۔ تو آپ مجھے اس
کام کرنے پر ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میرے پیدا کرنے سے چالیس سال پیشتر لکھ دیا تھا
کہ وہ مجھ سے ظہور میں آئیگا۔ پس آدم ع موسیٰ ع پر غالب آگئے +

ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ آدم ع و موسیٰ ع نے باہم مناظرہ کیا۔ موسیٰ ع نے
کہا آپ وہ ہیں جن کے گناہ کی وجہ ہم جنت سے نکالے گئے۔ آخر حدیث تک + اس حدیث کی
صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔ اور اس سے جو تقدیر ثابت ہوتی ہے یہ اس تقدیر کے بعد ہوئی ہے۔
جو آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پیشتر ہو چکی ہے +

ابو علی جبائی معتزلی اور اس کے ہم خیال لوگوں نے اس حدیث کا مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے
اس کی تردید میں یوں کہا ہے اگر یہ حدیث صحیح ہو تو انبیاء کی نبوت کا سلسلہ بیکار ہو جائیگا۔
کیونکہ جب ہر ایک عاصی اور گناہگار کو تقدیر کا بہانہ مل گیا۔ تو امر اور نہی فضول ہونگے اس لئے کہ
ترک اوامر و ارتکاب منہیات میں جو حرکت اس سے ہوگی وہ تقدیر کے سر تھوپ دیگا۔ اور کسی
صورت میں وہ ملامت کا مستحق نہ ہوگا +

ابو علی وغیرہ نے جو کچھ کہا ہے یہ مذہب اعتزال اور خدا اور رسول کے شان اور اس کی سنت کو نہ
سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ یہ حدیث بلاشبہ صحیح اور اس کی صحت پر اتفاق ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے
زمانے سے لیکر قرناً بعد قرن امت محمدیہ نے اسے قبول تسلیم اور تصدیق کیا ہے۔ اور محدثین نے بہا

نے اپنی کتابوں میں اسے روایت کیا اور تصریح کی ہے کہ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح قول ہے
پس وہ لوگ جو حدیث رسول سے بیخبر اور محدثین کی عداوت اور ان پر طعن کرنے میں مشہور ہیں۔ کہ
محدثین مجسمہ مشبہ اور حشویہ ہیں۔ وہ حدیث کی صحت وعدم صحت کو کیا جانیں۔ ان کا ہمیشہ سے یہ شیوہ
ہے۔ کہ جو حدیثیں انکے قواعد باطلہ اور عقائد فاسدہ کے خلاف ہوں ان کی تردید کیا کرتے ہیں جیسے
ان احادیث کو رد کیا ہے جن میں باری تعالے کے دیدار۔ علو علی الخلق اور اس کے صفات قائمہ
بالذات کا ذکر ہے اور نیز ان حدیثوں کو رد کیا ہے اور جن میں شفاعت انبیاء۔ اور پہلے آسمان اور
زمین کی طرف بندوں کے معاملات فیصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نازل ہونے اور وحی کو
ایسی کلام کے ساتھ ظاہر فرمانے کا ذکر ہے جسے ہر ایک وہ شخص جس کو باری تعالے سنانا چاہے
سن سکتا ہے اور جیسے کہ فرقہ خارجیہ اور معتزلہ نے ان حدیثوں کے منکر ہیں۔ جو دربارۂ شفاعت
اہل کبائر اور ان کے دوزخ سے باہر آنیکے باب میں آئی ہیں۔ اور فرقہ روافض وہ حدیثیں نہیں
مانتے جن میں خلفائے راشدین ودیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل مذکور ہیں اور معطلہ
نے ان حدیثوں کو ترک کیا جن میں باری تعالیٰ کے صفات اور افعال اختیاری کا بیان ہے اور قدریہ مجوسیہ
نے قضا وقدر کی احادیث کو نہیں مانا۔ بات یہ ہے کہ جو شخص ایسا اصول ٹھیراتا ہے جو کتاب اللہ وسنت
رسول اللہ سے ثابت نہ ہو تو وہ خواہ مخواہ سنت کی تردید اور اس کے معنی میں ٹیڑھی تاویلیں گھڑنے لگتا ہے
اس لئے اللہ ورسول کی جماعت (محدثین اہلسنت) نے سوائے قرآن وحدیث کے کسی چیز کو اصول
نہیں ٹھیرایا۔ یہی دونوں چیزیں ان کا اصول ہیں انکے تمام معاملات دین ودنیا کا مدار انہی پر ہے اور
مخالفین کے شکوک وشبہات سے بچنے کے لئے وہ انہی کو اپنا سپر بناتے ہیں ۔

واضح ہو کہ حدیث مذکور کے معنی اور موسیٰؑ پر آدمؑ کے غالب آنے کی وجہ میں اہل علم کا اختلاف
ہے بعض نے غلبے کی وجہ یہ بتلائی ہے۔ کہ چونکہ آدمؑ باپ ہیں اس لئے موسیٰؑ پر غالب ہوئے جیسے
باپ اپنے بیٹے پر غالب ہوتا ہے لیکن یہ وجہ بالکل غلط ہے۔ غلبے کا سبب وہ دلیل ہونی چاہئے جو کلام الٰہی کے
مطابق ہو خواہ اسے باپ بیٹا۔ غلام یا آقا کوئی پیش کرے۔ اگر بیٹا حق بجانب ہو اور صحیح دلیل بیان کرے
تو اس کو قبول کرنا ضروری ہے بعض نے کہا ہے آدمؑ موسیٰؑ پر اس لئے غالب آئے کہ گناہ ایک
شریعت میں ہوا تھا۔ اور ملامت دوسری میں۔ یہ وجہ بھی ہرگز صحیح نہیں اور نہ یہ غلبے کا سبب ہو سکتی ہے
کیونکہ امت محمدیہ ان گذشتہ امتوں کو جنہوں نے اپنے انبیاء کے احکام کی خلاف ورزی کی تھی مستحق ملامت ٹھیرائی
گئی حالانکہ شریعت ایک نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انکے بارے میں اس امت کی شہادت قبول فرمائیگا۔ باوجودیکہ یہ

اُنکے دین پر نہیں - ایک جماعت نے کہا ہے غالب آنے کی یہ وجہ ہے کہ آدم علیہ السلام گناہ سے تائب ہو چکے تھے اور جو گناہ سے توبہ کر چکا ہو اُس کا گناہ شمار نہیں ہوتا اور وہ قابل ملامت نہیں ہو سکتا ہو یہ بات بجائے خود اگرچہ صحیح ہو لیکن اس غلبے کا سبب کہنا تین وجوہ سے صحیح نہیں ہو سکتا (۱) یہ کہ خود آدم نے اسکا ذکر نہیں کیا اور نہ موسیٰ کے سامنے اسے بطور دلیل پیش کیا ہو اور نہ یہ کہا کہ آپ مجھ کو اُس گناہ پر ملامت کرتے ہیں جس سے میں توبہ کر چکا ہوں - (۲) یہ کہ موسیٰ علیہ السلام جیسے عارف باللہ اور دین و احکام الٰہی کے واقف کی شان سے یہ نہایت بعید ہے کہ وہ ایسے گناہ پر ملامت کریں جس کی نسبت اللہ تعالےٰ نے اُنہیں بتا دیا ہو کہ اُس کے فاعل کی توبہ منظور ادر وہ اُس کے برگزیدہ بندوں میں سے ہے - یہ بات تو کوئی ادنےٰ مومن بھی نہیں کر سکتا - پھر موسیٰ کلیم الرحمٰن کیسے کرتے (۳) یہ کہ اس کے اعتبار کرنے سے لازم آتا ہے کہ جو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے سبب غلبہ قرار دی ہے اُسے چھوڑ کر ایک دوسری چیز سبب غلبہ ٹھیرایئں - لہذا یہ قابل التفات نہیں ✤

ایک جماعت نے کہا - کہ غلبے کا سبب یہ ہے کہ موسیٰ کا ملامت کرنا دار تکلیف میں نہ تھا - اگر دار تکلیف میں ہوتا تو ضرور وہی غالب اور حق بجانب ہوتے - مگر یہ بھی ٹھیک نہیں - اور اس کے نہ صحیح ہونے کی دو وجہ ہیں (۱) یہ کہ خود آدم نے یہ نہیں کہا - اے موسیٰ آپ مجھے ایسے مقام میں ملامت کرتے ہیں جو محل تکلیف نہیں - اُنہوں نے تو صرف یہی کہا کہ آپ مجھے اُس کام پر ملامت کرتے ہیں جو میرے پیدا ہونے سے پیشتر مجھ پر مقدر ہو چکا - آدم علیہ السلام نے اپنے استدلال میں صرف تقدیر سابق کو پیش کیا ہے - دار تکلیف وغیرہ کا ذکر نہیں کیا - (۲) یہ کہ اللہ سبحانہٗ اُن بندوں کو جو قابل ملامت ہونگے موت کے بعد اور قیامت میں ملامت فرمائیگا - ملامت کے لیے دار تکلیف ہونا ضروری نہیں ✤

ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ آدم علیہ السلام اس وجہ سے غالب آئے - کہ اُنہوں نے حکم الٰہی اور خلقت میں اُس کے جاری ہونے - اللہ سبحانہٗ کے ربوبیت میں منفرد ہونے - اُس کی مشیت علم کے سوا ایک ذرہ نہ ہلنے - اللہ کی قضاء و قدر کو کوئی ہٹانے والا نہیں - اللہ جو چاہے وہ ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا - ان سب کو مشاہدہ کے طور پر دیکھ لیا - اور اُنہیں عین الیقین حاصل ہو گیا تھا - اور جب بندہ حکم ایزدی کو اس طرح مشاہدہ کرے - تو اُسے کوئی چیز قبیح نہیں معلوم ہوتی - کیونکہ وہ اس مرتبے میں اپنے آپ کو معدوم محض سمجھتا - اور یہ جانتا ہے کہ احکام تقدیر ضرور اُس پر جاری ہونگے (اور) اُنکے سامنے بے بس اور مجبور ہے - اُن سے بچنے کے لئے کسی قسم کا کوئی (چارہ نہیں) رکھتا - اور جو اس مرتبہ میں ہو وہ (خواہ کچھ کرے) قابل ملامت نہیں ✤

واضح ہو کہ اس حدیث کے متعلق بہ اتفاق ان کو کا سب سے زیادہ خراب ہے۔ فرقہ قدریہ جو اس
حدیث کی تردید کرتے ہیں۔ ان کا مذہب سب سے زیادہ برا ہے۔ فرقہ قدریہ کے مذہب کی تردید افضل ہے کہ
لئے سب سے حدیث کے منکر ہیں۔ اس مذہب کی تردید کرنا تو بہت آسان ہے اور اچھا کام ہے کہ ان
کی غلطی ہے کہ انکار حدیث پر اس کی بنا کو قائم کیا۔ اگر یہ مذہب صحیح ہو تو ادیان سماوی باطل اور تبلیغ کا
سلسلہ ہی سرے سے اٹھ جائے۔ اور ہر شریر۔ کافر و ظالم کو تقدیر کا بہانہ ہاتھ آجائے۔ حدود و شرعی لغو
اور بیکار ہوں۔ کوئی مجرم کسی جرم پر اور کوئی ظالم خواہ کیسا ہی ظلم کرے قابل ملامت نہ ہو سکے۔ اور کبھی
کسی برائی کا انکار ہی متصور نہ ہو۔

رئیس الملحدین ابن سینا نے اسی بنا پر اپنی کتاب اشارات میں لکھا ہے۔ کہ عارف کبھی کسی برائی کا
انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تقدیر کے باب میں وہ اسرار الٰہی سے واقف ہوتا ہے۔ ابن سینا کا یہ قول ادیان
سماوی اور اتباع انبیاء کے بالکل خلاف ہے۔ انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر اسرار الٰہی سے کون واقف ہو سکتا ہے۔ اور
آنحضرات سب لوگوں سے زیادہ برائی کی تردید و انکار پر کمربستہ ہوتے بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے وہ
صرف اسی کام کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ عارف بہ نسبت اور لوگوں کے
برائی کو زیادہ برا جانیگا۔ کیونکہ وہ علم ایزدی اور تقدیر سے واقف ہے۔ حکم الٰہی سے آگاہ ہونا برائی
کی تردید کا موجب اور علم تقدیر اس کا معین و مددگار ہے۔ اسی لئے عارف کو اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ
نَسْتَعِیْنُ (اے خدا ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں) کا مرتبہ اور فَاعْبُدْهُ
وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ (تو اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ رکھ) کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ وہ ہم نہی اللہ
کے امر و تقدیر سے اس کی عبادت کرتے اور اس کے حکم کے اجرا میں اس پر بھروسا کرتے ہیں۔ معرفت
اسی کا نام ہے اور عارف وہی ہے جسے یہ مرتبہ حاصل ہو۔ حضرت آدم سے لیکر خاتم النبیین والمرسلین
حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک سب انبیاء کی یہی تعلیم ہے۔ اس کے برخلاف جو یہ گیت
گاتا ہے

اَصْبَحْتُ مُنْفَعِلًا لِمَا یَخْتَارُهٗ ۔ مِنِّیْ فَفِعْلِیْ کُلُّهٗ طَاعَاتٌ

(میرے سے وہی کام ہوتے ہیں جن کو وہ پسند کرتا ہے اس لئے میرے تمام کام اس کی اطاعت ہیں)۔
کہتا ہے کہ میں نے اگرچہ اللہ کے حکم کا خلاف کیا۔ لیکن اس کی مشیت و ارادہ سے باہر نہیں ہوا
عارف اسرار تقدیر سے واقف ہونے کی وجہ سے کسی برائی کو برا نہیں جانتا۔ تو ایسا شخص
انکے تابعداروں کے زمرہ سے خارج ہے۔ برائی کرنے میں تقدیر کا بہانہ پیش کرنا

مخالفین انبیاء یعنی مشرکین وکفار کا شیوہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ (مشرکین سے کچھ بعید نہیں کہ یہ حجت پیش کریں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ (دادا ایسا کرتے) اور نہ ہم کسی (حلال) چیز کو (از خود اپنے اوپر) حرام کرتے اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں (پیغمبروں کو) جھٹلاتے رہے۔ یہاں تک کہ آخرکار ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) پوچھو کہ آیا تمہارے پاس کوئی (دلیل یا) سند بھی ہے۔ کہ اس کو ہمارے (دکھانے کے لئے) نکالو (اور پیش کرو سند تو) تمہارے پاس کچھ ہے نہیں نرے وہموں پر چلتے اور نری اٹکلیں ہی دوڑاتے ہو (اے پیغمبر ان سے) کہو کہ (تم ہارے) اور اللہ کی حجت (تم پر) تمام ہوئی پھر اگر وہی چاہتا تو تم سب کو (دین حق کا) رستہ دکھا دیتا) دوسری جگہ میں فرمایا ہے وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (اور مشرکین کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو نہ تو ہم ہی اُس کے سوا کسی کی پرستش کرتے اور نہ ہمارے بڑے (ہی کرتے) اور نہ اُس کے (حکم کے) بدوں (اپنی طرف سے) کسی چیز کو حرام ٹھیراتے۔ جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں اُنہوں نے بھی ایسا ہی (حیلہ حوالہ) کیا تو پیغمبروں پر سوا اس کے کہ (احکام خدا کو) صاف طور پر پہنچا دیں اور کچھ ذمہ داری نہیں۔

ایک اور مقام میں فرمایا ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا نے جو تم کو رزق دے رکھا ہے اس میں سے (کچھ اُس کے رستے میں غربا پر بھی) خرچ کرتے رہا کرو۔ تو کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں۔ کہ کیا ہم ایسے لوگوں کو کھلائیں جن کو خدا چاہے تو (تم مسلمانوں کے عقیدے کے موافق) آپ (بہتیرا کچھ) کھلا سکتا ہے) *

ایک اور جگہ فرمایا ہے وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَٰنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ مَا لَهُمْ بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (اور کہتے ہیں کہ (خدائے) رحمٰن چاہتا تو ہم اُن کی پرستش نہ کرتے اُن کو معاملہ تقدیر کی کچھ خبر تو ہے نہیں نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں) *

یہ چار مواقع ہیں جن میں اللہ تعالےٰ نے مخالفین انبیاء (یعنی کفار و مشرکین) کی تقدیر کے بارے میں حجت بازی اور بہانہ جوئی بیان فرمائی ہے اور اس چالبازی میں اُن کا راہ نما و پیشوا عدو اللہ

ابلیس ملعون ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے اُس نے تقدیر کے ساتھ حجت جوئی کرتے ہوئے یہ کہا رَبِّ بِمَا
أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ (اے پروردگار جیسی تو نے (بنی آدم
کی خاطر) میری راہ ماری ہیں بھی دنیا میں (سامان و سامانِ زندگی کو انہیں عمدہ کر دکھاؤں اور ان سب کو بہکاؤں
تو سہی) یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ نقلی اور عقلی دلیلوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مشرکین و کفار کا
یہ قول لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا (اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا
ایسا کرتے) اور نیز یہ قول لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ (اگر خدا چاہتا تو نہ ہم ہی
اُس کے سوا کسی کی پرستش کرتے اور نہ ہمارے بڑے (ہی کرتے)) اور نیز یہ قول لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا
عَبَدْنَاهُمْ (خداے رحمٰن چاہتا تو ہم اُن کی پرستش نہ کرتے) صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ جو چاہے
وہ ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا
فَعَلُوهُ (اے پیغمبر اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو یہ لوگ ایسی حرکت نہ کرتے) اور یہ بھی ارشاد کیا ہے وَلَوْ
شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا (ہم چاہتے تو ہر شخص کو (ایسی) سوجھ عنایت کرتے (کہ وہ سیدھے
رستے پر آجاتا)) تو پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو کاذب اور بے علم کیسے قرار دیا اور جس بات میں وہ سچے ہیں
اُس میں اُن کو یاوہ گو کیوں ٹھیرایا ہے۔ تمام اہل سنت کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ چاہتا۔ تو
کوئی مشرک شرک۔ کوئی کافر کفر اور کوئی نافرمان اس کی نافرمانی نہ کرتا ۔

اِس شبہے کا جواب یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اُن کو اس لئے کاذب ٹھیرایا ہے۔ کہ انہوں نے
یہ بات اللہ تعالےٰ کی تقدیر۔ ربوبیت۔ وحدانیت کے تسلیم کرنے اور اللہ سبحانہ کی طرف محتاج ہونے
اور اُس پر توکل کرنے اور اس سے مدد چاہنے کے طور پر نہ کہی تھی۔ اگر اسی طور پر کہتے تو بیشک اُن
کا یہ کہنا صحیح اور سچا تھا۔ بلکہ انہوں نے یہ کلام شریعت سے معارضہ اور حکم الٰہی دفع کرنے کے لئے
کہی تھی۔ شریعت اور حکم الٰہی کو قضا و قدر کے حیلہ سے دفع کرنا اور مٹانا چاہا تھا۔ جو لوگ احکام الٰہی کا
تقدیر سے معارضہ کرتے ہیں۔ اُن سب کا یہی دستور ہے۔ اس کے علاوہ ان کی یہ غلطی ہے۔ کہ انہوں
نے اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے کہ کوئی چیز اُس کی قدرت و مشیت و ارادہ سے باہر نہیں۔ یہ سمجھ
لیا کہ جن چیزوں سے اُسکی مشیت و ارادہ متعلق ہیں وہ سب کی سب اس کی محبوب و پسندیدہ ہیں اور
اُنکے استعمال کی اُس کی طرف سے اجازت ہے۔ انہوں نے کئی طرح سے غلطی اور دھوکا
کھایا۔ ایک تو تقدیر سے احکام الٰہی کا معارضہ کیا اور اس بہانہ سے اُنکو مٹانا چاہا۔ دوسرے یہ کہ
اُنکی اس حرکت و فعل شنیع کو اللہ تعالےٰ نے محبوب و پسند رکھتا ہے کیونکہ یہ بھی اُسی کی مشیت و ارادہ سے ہے

تیسرے یہ رضائے قدر جیسے سے انبیاء کرام کی تبلیغ کو بیکار ٹھہرایا۔ بعد کے زمانے میں بھی بہت سے ایسے لوگوں نے یہی غلط خیال اور مسلک تنزل کو اختیار کیا ہے۔ جو تحقیق اور ہمہ دانی کا دم بھرتے یا خود نہیں تو لوگ انہیں محققین کے خطاب دیتے ہیں۔ انہیں کا یہ مقولہ ہے کہ عارف باللہ کو جب حکم الٰہی کا مشاہدہ حاصل ہو جائے تو پھر وہ خطا کیسی ہی بداطواری کرے، وہ قابل ملامت نہیں۔ شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل عبداللہ بن محمد انصاری کے بعض کلمات پر غور کرنے سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی مسلک کا آدمی ہے مگر اخیر میں اللہ تعالیٰ نے اسے اس بلا سے بچا لیا۔ وہ اپنی کتاب منازل السائرین باب التوبہ میں لکھتا ہے کہ توبہ کے تین لطیفے ہیں۔ پہلا لطیفہ انسان ایسے معاملہ میں جو حکم ایزدی کے خلاف ہو نہایت دقیق نظر سے دیکھے اور جب اس کے سرزد ہونے کے اسباب موجود ہو جائیں تو رضائے الٰہی کو مقدم رکھے۔ اور اس سے باز آئے۔ انسان کو ایسے موقع پیش آنے میں اللہ تعالیٰ کی دو حکمتیں ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اس کا بندہ تقدیر کی نسبت کیا کرتا اور اپنی چال میں کس پہلو کو لیتا ہے اور نیز اللہ تعالیٰ نے گناہگار کے مہلت دینے میں اپنے حلم اور اس کا عذر قبول کرنے میں اپنے کرم اور اس کے بخشنے میں اپنے فضل کو دیکھتا ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ بندے پر اس کے عدل کی نسبت حجت قائم ہو تاکہ گناہ کرنے پر مورد عذاب ہو سکے۔

دوسرا لطیفہ۔ انسان اس بات کا یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ جو سمیع و بصیر ہے اس کی برائی پر باز پرس فرمائیگا۔ تو پھر اس کی کوئی نیکی شمار میں نہ رہیگی کیونکہ بندہ اللہ تعالیٰ کے احسان کو دیکھ رہا ہے اور پھر نفس کے جھوٹے ارادوں پر چلتا ہے۔

تیسرا لطیفہ۔ جب انسان حکم الٰہی کا مشاہدہ کر لیتا ہے تو نیکیوں کی خوبی اور برائیوں کی خرابی اس کی نظر سے اٹھ جاتی ہے کیونکہ تمام چیزوں کو چھوڑ کر راز حکم کو پہنچ جاتا ہے۔

شیخ الاسلام کے اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ عارف کی نظر میں کوئی نیکی اچھی یا کوئی بدی بری نہیں معلوم ہوتی۔ حالانکہ تمام آسمانی دینوں اور شریعتوں کا مدار اسی پر ہے کہ نیک کاموں کو اچھا اور بروں کو برا سمجھا جائے بلکہ عارف کو مشاہدہ حکم سے نیکوئی کو اچھا جاننے اور برائی کو برا سمجھنے میں اور زیادہ بصیرت حاصل ہو جاتی ہے اور جس قدر اللہ سبحانہ اس کے اسماء و صفات اور اس کے احکام کی معرفت زیادہ ہوگی اسی قدر وہ نیکی کے اچھا سمجھنے اور برائی کو برا جاننے میں ترقی کریگا۔ اور اس صفت میں اللہ تعالیٰ نے اور انبیاء کرام سے مشابہ و موافق ہوگا۔ اور اسماء حسنیٰ اور صفات بھی اسی کو چاہتے ہیں۔ شیخ الاسلام اس بات میں بالکل حکم الٰہی کے موافق چلتا تھا حمیت دین اور حفاظت حدود شرعی کے لئے اور نیز خلاف شرع باتوں کے ظہور پر اس کا غضب اور جوش میں

آنا اللہ وامجد ایسی ایسی کئی ایک خدمات دینی اُن کی خاص و عام لوگوں میں مشہور ہیں۔ اور شیخ الاسلام کی پہلی کلام سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نیکی کے اچھا سمجھنے اور برائی کے برا جاننے میں نہایت راسخ قدم تھا۔ کلام سابق اس مضمون میں صریح اور محکم ہے اُس کا کوئی دوسرا مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور اس اخیر کلام کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اس کا وہی معنی لیا جائیگا جو پہلے کلام کے موافق ہو ؛

شیخ ابوالعباس احمد بن ابراہیم واسطی نے جو ان کی عمر کے ہمعصر تھے۔ وہ نہایت نیک اور اچھے ہیں۔ آپ نے فنا اور نہ خود رفتگی میں ایک قاعدہ ذکر کیا ہے۔ کہ فنا اس کو کہتے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ کی ہستی بندے پر ایسی غالب ہو کہ وہ اس ہستی کے سامنے بالکل نیست و نابود اور اپنی ہستی سے بے خبر ہو۔ اور اللہ کی ہستی کا اسے کامل و مضبوط یقین حاصل ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسے اللہ سبحانہ کی ذات و صفات کی نسبت ایسا کامل درجے کا یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ جس کے سبب وہ تمام ماسوی اللہ سے ایسا بے خبر اور غافل ہو جاتا ہے۔ جیسے بعض آدمی سخت مصیبت اور کڑے حادثے کے پیش آنیکے وقت سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص شاہان دنیا میں سے کسی بڑے اور باسطوت بادشاہ کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ اس کی ہیبت اور دبدبے کے مارے بہت سی وہ باتیں جو اسے معلوم تھیں بھول جاتا ہے۔ یہ مثال محض سمجھانے کے واسطے بیان کی گئی ہے۔ ورنہ شاہان دنیا کے سطوت و جلال کو سطوت و جلال کبریائی سے کیا نسبت ہے ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

جو شخص خدا کی وحدانیت کو پاتا اور سمجھتا ہے کہ وہ ایک اکیلا تھا اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی اس کی عجیب کیفیت ہے وہ تمام چیزوں کو ذات باری کی ہستی کے سامنے معدوم و خیالی سمجھتا اور جانتا ہے۔ بصرف اُس کی قدرت سے قائم ہیں ورنہ ان کی کوئی ہستی نہیں۔ یہ کیفیت تصفیہ باطن احکام شرعی کی پوری پابندی اور اخلاق حسنہ میں کمال درجے کا ملکہ پیدا کرنے کے بعد کشف صحیح کے ذریعہ قلوب میں پیدا ہوتی ہے اور یہ کچھ عجیب نہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو نفسانی خواہشوں کی میل کچیل سے پاک صاف فرما کر اس کے دل کے پردے کھول دیتا ہے جس سے وہ تمام چیزوں کی اصل حقیقت سمجھ لیتا ہے۔ غرض جب بندے پر مشاہدہ تحقیقی اور روحانی کے وہ انوار ظاہر ہوں جو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے جلال و معرفت پر دلالت کریں۔ تو اس وقت بندے کی اپنی ہستی اس طرح نیست و نابود ہو جاتی ہے جیسے صبح ہونے سے رات چلی جاتی ہے اور آدمی غفلت اور نیند کے بجائے کھانے پینے وغیرہ کاموں میں معروف ہوتے ہیں اس حالت میں لوگ اور ان چیزوں کے خلاف بھی اسے کوئی چیز پیش آئے تو اسکی ایمانی قوت بڑھتی اور یقین ترقی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ استغراق اور بیہوشی کی حالت میں اُس کا ایمان اُس کے دل سے تمام چیزوں کو محو کر دیتا ہے اور بارگاہ کبریائی میں اسے اپنی ہستی محض ایک

خواب وخیال نظر آتی ہے پھر جب ہوش میں آتا ہے تو تمام چیزوں کو ویسے ہی سمجھنے لگتا ہے جیسا پہلے ٹھیک ٹھیک سمجھتا تھا اور یہ بے خبری نہیں رہتی اور اپنی حالت پر درست ہو کر کاروبار میں مصروف ہوتا ہے پس حالت کو حالت بقا کہتے ہیں۔ اس حالت میں دنیا کی چیزوں کو کام میں لاتا ہے اور وہ کیفیت ایمان و ایقان جو حالت فنا میں اس سے حاجب ہوئی تھی وہ اس وقت اُن سے مانع نہیں ہوتی۔ بلکہ ہی کی پہلی عقل ایک نئے وجود کے لباس میں پھر لوٹ آتی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اُس کے سب کام اپنے ہاتھ میں لیتا ہے اور بندے کو بجائے طالب ہونے کے اب مطلوب ہونے کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔ حدیث صحیح میں اسی مرتبہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ آدمی کو ایسا درجہ حاصل ہوتا کہ گویا وہ اللہ تعالیٰ کے کان سے سنتا اور اُس کی زبان سے بولتا ہے۔ شیخ الاسلام کی کلام کی یہ توجیہ بھی ہوسکتی ہے کہ جیسے سلوک مجذبت میں فنا کا مرتبہ حاصل ہو بقا ہوشیاری اور تمیز کا درجہ پانے سے پہلے اسی حالت میں اُس کے قلب سے زہد صبر اور ورع کے مقامات پوشیدہ رکھے جاتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی کو ان مقامات کی ضرورت نہیں رہتی اور بالکلیہ اس سے اٹھائے جاتے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ انوار الٰہی کے مشاہدہ نے اس کے دل کو ایسا ڈھانپ لیا ہے۔ کہ اُس میں ان کی جگہ نہیں رہی اور جیسے کہ اعلےٰ درجہ حاصل ہونے کے وقت ادنےٰ درجہ اُس کے ضمن میں آکر علیحدہ معدوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ کل ہستی حقیقی کے مشاہدہ میں مندرج وشامل ہو کر اُس کے تابع ہو گئے۔ اور عارف کا دل ادنےٰ حالت سے اعلےٰ حالت میں مشغول ہو گیا۔ اسکی کیفیت اس طور پر ہے کہ اگر ایسے شخص کے دل کو چیر کر دیکھا جاوے۔ تو اُس میں اعلےٰ درجہ کا زہد۔ ورع۔ خوف ورجا نظر آئیں جو ہستی مطلق کے بیشمار انوار میں مستور تھے اور قلب میں اُن انوار کے ہوتے اُنکے سمانے کی گنجائش نہ تھی۔ اور بقا ہوشیاری اور تمیز کی حالت میں پھر یہی مقامات عود کر آتے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کا فضل ہے کسی کی اپنی اختیاری بات نہیں۔ خلاصہ کلام جب یہ باتیں محفوظ ہوں تو شیخ الاسلام کے اس کلام (حکم الٰہی کے مشاہدہ سے نیکیوں کی خوبی اور برائیوں کی خرابی ملنے کی نظر سے اُٹھ جاتی ہے کیونکہ وہ حکم کے راز کو پہنچ جاتا ہے) کا مطلب حل ہو جائیگا جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اللہ کے حکم کی عظمت نے اس کے دل کو بھر اور پُر کر دیا ہے۔ پس وہ یہ جانتا ہے کہ تمام چیزوں میں اُسی کا تصرف اور حکم ہے اور سب کی سب اُسی کے حکم۔ تقدیر اور ارادے سے صادر ہوتی ہیں وہ مرتبہ جمعیت کے حاصل ہونے کی وجہ سے اشیاء میں تمیز اور فرق کرنے کے درجہ سے باہر ہو گیا ہے اس مرتبہ کو مرتبہ جمعیت اس لئے کہتے ہیں۔ کہ اس مرتبہ میں بندے کی نظر ہر ایک حکم کے متعلق جو صفحہ ہستی میں واقع ہو تمام چیزوں سے ہٹ کر صرف اپنے مولےٰ کی طرف لگ جاتی ہے۔ اور اُس حکم کے ملاحظہ میں جس کے سبب سے تصرفات ظہور میں آتے ہیں۔ اُس کا دل مجتمع و مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور دل کی ضعف و کمزوری کے باعث مرتبہ جمعیت

غافل ہو تیلے وقت اُس میں گنجائش نہیں رہتی کہ شرعی طور پر بھلے برے میں تمیز کرسکے اور قضا و قدر میں تمیز کرنے کا
علم اس علم میں اس طرح شامل و مندرج ہو گیا ہے کہ اُس کے ہوتے اُس کا ظہور نہیں ہوتا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اُس
کے دل سے بھلے برے میں تمیز کرنے کی کیفیت بالکل زائل ہو گئی ہے۔ یہ مطلب نہیں بلکہ وہ دوسرے علم پر جو اس
سے فائق ہے اس طرح مندرج و شامل ہو گئی ہے۔ کہ اگر اس کے دل کو فصل کر کے دیکھا جاسکے۔ تو ضرور اُس
کی تہ میں چھپی ہوئی نظر آسکے۔

شیخ الاسلام کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ افعال عباد کی دو جہتیں ہیں (۱) قضا و قدر اور اللہ تعالیٰ
کے علم کا ان سے متعلق ہونا۔ (۲) بندے سے ان کا صدور و ظہور۔ اور بندہ ان دونوں جہتوں کو ملاحظہ کرتا
اور دیکھتا ہے .. .. انسان کا کمال تو یہ
ہے کہ جب ایک جہت کو لحاظ کرے تو دوسری سے بے خبر نہ ہو۔ بلکہ اُسے چاہئے کہ اللہ کی تقدیر و مشیت
کے ملاحظہ کے ساتھ اپنے فعل۔ طاعت یا معصیت کا بھی لحاظ کرے۔ خداتعالیٰ کی ربوبیت اور اپنی عبودیت
پر نظر ڈالے تو اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے قول لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ (یہ قرآن اُسی کو مفید
ہے جو تم میں سے سیدھے رستے پر چلنا چاہے) اور وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (اور تم کچھ
بھی نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے) اور اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ
يَّشَآءَ اللّٰهُ .. .. (قرآن تو سراسر نصیحت ہے تو جو چاہے اس کو سوچے
سمجھے، اور بے مشیت الٰہی تو یہ لوگ سوچنے سمجھنے والے ہیں نہیں) کا مضمون اُس کے دل میں حاصل ہو
جائے۔ کوئی تو ایسے ہیں انکے دل اتنے وسیع ہیں کہ دونوں جہتوں کو مشاہدہ کرتے ہیں اور ہر دو مشاہدے پوری طرح
ان میں سما جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے قلوب میں دونوں مشاہدوں کے اجتماع کی اس لئے گنجائش نہیں ہوتی
کہ وہ کمزور اور جو کیفیت اُن پر آتی ہے وہ قوی ہوتی ہے۔ عبودیت۔ کسب۔ طاعت و معصیت کی جہت
ملاحظہ کرنے کے وقت قضا و قدر و حکم ازلی سے غافل ہو جاتے ہیں۔ گو اس کا انکار نہیں کرتے۔ سو ایسے شخص کی
نظر صرف اس کے اپنے فعل کے اثر اور شرعی حکم کے منشاء کو دیکھتا ہے۔ اور جب حکم ازلی کی نسبت اُس کا یقین
درست ہے۔ تو اُس میں کوئی قباحت نہیں اور بعضے ایسے ہیں کہ حکم ازلی اور سبقت قدر کے مشاہدہ میں
رتبۂ عبودیت۔ اپنے فعل و کسب۔ طاعت یا معصیت سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے بے خبر کہ بھلے برے
کی تمیز کہاں انہیں سرے سے مطلقاً کسی کام کا پتہ ہی نہیں رہتا۔ لیکن جب اُن کے دل میں اُن کی بھلائی
برائی جاننے کا مادہ موجود ہے تو وہ مشاہدہ حکم ازلی کے غلبے کی وجہ سے اس وقت ظاہر نہیں ہوتا۔ تو اس
میں کوئی خرابی نہیں ۔

نتیجہ۔ دشمنانِ خدا کفار و مشرکین جو اُس کے ارادہ و تقدیرِ سابق سے امر و نہی کے باطل کرنے پر دلیل لاتے ہیں وہ صحیح نہیں ہوسکتی۔ تعجب کی بات ہے کہ مخالفانِ شریعت کفار اور انکے تابعدار یہ بات تو کہتے ہیں کہ انکے تمام افعال خالق کی تابعداری و اطاعت ہیں۔ کیونکہ اُس کے ارادہ سابق کے مطابق ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص دنیاوی معاملات میں انکے حقوق کا پاس نہ رکھے اور کوئی بات انکی خلاف مرضی کرے۔ تو اُس کی نسبت یہ نہیں کہتے کہ اس نے جو کچھ کیا ہے یہ عین اطاعت ہے کہ مشیت و ارادہ خدا کے موافق کیا ہے۔

تقدیرِ سابق سے امر و نہی کے باطل کرنے پر وہی شخص استدلال لاتا ہے جو نہایت جاہل و ظالم اور خواہش نفس کا پیرو ہو۔ اللہ سبحانہ کے کلام میں جو کہ اپنی ذات پاک سے کفار و مشرکین کے تقدیر و ارادہ سابق سے امر و نہی کے ابطال پر استدلال لانے پر اُن کا یہ قول ذکر فرمایا ہے کہ اگر اللہ کو پسند و محبوب نہ ہوتے تو اُن کا وہ ارادہ نہ فرماتا۔ نقل کرنے کے بعد یہ فرمایا ہے قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (اے پیغمبر ان سے) کہو کہ اللہ ہی کی حجت تمام ہوئی پھر اگر وہ چاہتا تو تم سب کو دینِ حق کا رستہ دکھا دیتا۔ سو اللہ نے بتایا ہے کہ میں نے اُن پر اپنی حجت اِس طرح تمام اور پوری کی ہے کہ انکے پاس اپنے رسول اور کتابیں بھیجیں جنہوں نے اُن تمام چیزوں کو جو انہیں مضر و نافع تھیں بیان کر دیا۔ اور انہیں کان آنکھیں عقل سب کچھ عطا فرمایا جس سے وہ اوامر و نواہی کو پہچان اور اُن پر ایمان لا سکتے تھے۔ اِس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حجت بالغہ اُن پر پوری ہوئی۔ اور اُن کا فضول استدلال جو اُس کے ارادہ سابق و تقدیر سے پیش کرتے تھے باطل ٹھیرا اور جملہ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (پھر اگر وہ چاہتا تو سب کو دینِ حق کا رستہ دکھا دیتا) سے تمام حجت کی تاکید و تقریر مقصود ہے۔ کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ ربوبیت۔ ملک اور تصرف فی الخلق میں وہ یکتا ہے۔ اُس کے سوا نہ تو کوئی رب اور نہ اُس کے سوا کوئی دوسرا معبود ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ پھر مشرک اُس کی بندگی میں جھوٹے معبودوں کو شریک ٹھیراتے ہیں۔ غرضکہ تقدیر و ارادہ سابق کے ثابت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی حجت بالغہ اُن پر پوری ہوتی ہے۔ سب کچھ اُسی کے ہاتھ و اختیار میں ہے اور اس کے سوا سب چیزیں باطل اور فانی ہیں۔ قضا و قدر اور ارادہ سابق توحید کے ثابت کرنے کے لئے بڑی زبردست دلیل ہے جسے منکرین نے اپنے زعم میں شرک کی دلیل سمجھ لیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حجت کافی و وافی ہے اور اُن کی حجت فضول و بیکار۔

اب اصل مطلب کو بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ شخص جیسے عارف باللہ اور اُس کے اسماء و صفات کی حقیقت سمجھنے والے کی شان سے یہ بات نہایت بعید ہے کہ وہ اُس گناہ پر ملامت کریں

جس سے گناہگار توبہ کر چکا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اُسے ہدایت بخش کر اپنا برگزیدہ و پسندیدہ و مقبول فرما لیا ہو۔ اور نیز آدمؑ جیسے عارف ربّ کے حال سے یہ امر بہت بعید ہے کہ وہ قضا و قدر سے گناہ و نافرمانی پر استدلال لائیں۔ بلکہ حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ موسیٰؑ نے آدمؑ کو اس مصیبت پر ملامت فرمائی جو آدمؑ کے خطا کی وجہ سے اُن کی اولاد کو بہشت سے نکلنے اور دنیا میں آنے سے مصیبتوں اور تکلیفوں کا گھر ہے پیش آئی۔ سو موسیٰؑ نے خطا کا ذکر اس لئے کیا کہ وہ اُس مصیبت کا سبب تھا۔ جو اُن کی اولاد کو پیش آئی۔ اسی وجہ سے انہوں نے کہا کہ اے آدمؑ آپ نے ہمیں اور خود اپنے آپ کو بہشت سے باہر کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ہمیں نقصان پہنچایا۔ اور آدمؑ نے تقدیر سے مصیبت پر استدلال پیش کیا۔ اور کہا کہ یہ مصیبت جو میرے خطا کی وجہ سے پیش آئی میرے مخلوق ہونے سے پہلے اللہ کی تقدیر میں لکھی گئی تھی۔ وقوع مصائب پر یہ عذر و استدلال صحیح ہے اور معاصی و جرائم میں درست نہیں۔ آدمؑ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ اے موسیٰ آپ مجھے اس مصیبت پر ملامت کرتے ہیں۔ جو مجھ پر اور تم سب پر میری پیدائش سے اتنے اتنے سال پیشتر مقدر ہو چکی تھی۔ یہ جواب ہمارے استاد نے دیا ہے۔ دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گناہ کے لئے تقدیر کو حجت بنانا بعض موقع میں نافع اور درست ہے اور بعض موقع میں مضر اور ناجائز ہے۔ جب گناہ کے صدور کو توبہ کرنے اور اس سے باز آنے کے بعد تقدیر کے حوالہ کرے۔ جیسا آدمؑ نے کیا تو یہ مفید اور درست ہے۔ کیونکہ اس میں تقدیر، توحید اور اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی معرفت و ذکر پائے جاتے ہیں۔ جو معذرت کرنے والے اور سامع دونو کو نافع ہیں۔ اور اس سے کسی امر و نہی کا مٹانا اور شریعت کا باطل ٹھیرانا مقصود نہیں۔ بلکہ اظہار توحید اور اپنی طاقت و قوت سے براءۃ ظاہر کرتے ہوئے محض حق بتلانا مطلوب ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ آدمؑ نے موسیٰؑ سے صرف یہی کہا۔ کہ اے موسیٰ آپ مجھے اس کام کے کرنے پر ملامت کرتے ہیں جو میری پیدائش سے پہلے مجھ پر مقدر ہو چکا تھا۔ سو جب کسی آدمی سے کوئی گناہ سرزد ہو۔ اور وہ اس سے توبہ کرے اور اُسے بالکل چھوڑ دے پھر اگر کوئی اُسے ملامت کرے تو اس وقت یہی مناسب ہے کہ تقدیر کے حوالہ کرے اور کہے کہ یہ کام میری پیدائش سے پہلے مجھ پر مقدر ہو چکا تھا۔ اس میں کوئی خرابی نہیں کیونکہ اس سے ابطال حق یا اثبات باطل مقصود نہیں۔ موجودہ زمانے یا آئندہ میں جو گناہ ہوں۔ انکو تقدیر کے حوالے کرنا درست نہیں مثلاً یہ جائز نہیں کہ کسی حرام کا مرتکب یا کسی فرض کا تارک ہے اور جب اُسے کوئی ملامت کرے تو تقدیر کو بہانہ ٹھہرا لے۔ اور اس سے ناجائز کو جائز اور حق کو باطل قرار دے۔

چنانچہ وہ لوگ جو شرک اور عبادت غیر اللہ پر مصر تھے انہوں نے یہی شیوہ اختیار کیا اور کہا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا (اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے) اور وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ (خدائے رحمن چاہتا تو ہم اُن کی پرستش نہ کرتے) سو انہوں نے اپنے کام کو درست سمجھ کر تقدیر کا بہانہ بنایا۔ اپنے کرتوت پر نادم نہ ہوئے اور اُنکے چھوڑنے کا خیال بھی دل میں نہ لائے اور نہ اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اُن کی بہانہ جوئی وجہ ناراضی ہوئی اور اس شخص کی معذرت میں جو اپنے گناہ پر واقف اور نادم ہوا اور آئندہ اس کے نہ کرنے کا اس نے مصمم ارادہ کر لیا زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایسے شخص کو جب کوئی ملامت کرے تو اسے یہی کہنا چاہیئے جو کچھ ہو چکا تقدیر میں مقدر تھا

خلاصہ مسئلہ یہ ہے کہ جب ملامت کا موقع دور ہو چکا اور اس سے کچھ فائدہ نہ ہو تو تقدیر سے احتجاج کرنا درست ہے۔ اور جب ملامت کرنے سے کچھ نفع ہو (کہ جسے ملامت کرنا ہے وہ نیکی یا بدی ترک کر دے) تو اس صورت میں تقدیر سے بہانہ جوئی کرنا درست نہیں ؁

شبہ۔ حضرت علی رض نے قیام لیل ترک کرنے پر تقدیر سے احتجاج کیا۔ اور آنحضرت ص نے اسے جائز رکھا جیسا کہ حضرت علی رض سے بروایت صحیح منقول ہے کہ ایک رات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی و حضرت فاطمہ رض کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا تم دونوں نماز تہجد نہیں پڑھتے۔ حضرت علی رض کہتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ ہماری جانیں خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ سو جب وہ (نماز کے لئے) اُٹھانا چاہیگا۔ تو (نماز کے لئے) اٹھا دیگا۔ جب میں نے یہ کہا۔ تو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے اور مجھے کچھ نہ کہا۔ جب آپ واپس جا رہے تھے۔ تو اپنی ران پر ہاتھ مارتے اور میں نے سنا کہ یہ کہتے جاتے تھے وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (انسان تمام مخلوقات سے زیادہ جھگڑالو ہے) ؁

جواب۔ حضرت علی رض نے تقدیر سے کسی فرض کے ترک یا حرام کے ارتکاب پر احتجاج نہیں کیا۔ ان کا مطلب صرف یہ تھا کہ میری اور فاطمہ کی جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ سو جب وہ بیدار کرنا چاہیگا تو اٹھا دیگا اور ہم نماز پڑھ لینگے۔ حضرت علی رض کا یہ مقولہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے موافق ہے جو آپ نے اس وقت فرمایا تھا۔ جب جنگل میں سو گئے اور صبح کی نماز قضا ہو گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر چاہا ہماری جانوں کو اپنے قبضہ میں (نیند میں) رکھا اور جب چاہا انہیں واپس کر دیا (بیدار کر دیا) تقدیر سے اس طرح احتجاج کرنا صحیح اور ایسا کرنیوالا معذور ہے۔ جو شخص نیند میں ہو اور اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو یہ غلطی دیدہ و دانستہ تصور نہیں۔ اور جو دیدہ و دانستہ تصور نہ کرے تقدیر سے اس کا احتجاج کرنا صحیح ہے۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع میں جہاں تقدیر سے احتجاج کرنا مفید ہو احتجاج بالقدر کی تعلیم فرمائی ہے ؁

امام مسلم اپنی صحیح روایت میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ لائے ہیں کہ ابوہریرہ کہتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ اگرچہ سب ایمان والے اچھے ہیں لیکن ایمان والا قوی آدمی اللہ کے ہاں کمزور مومن سے بہتر و
زیادہ پسندیدہ و محبوب ہے۔ جو چیز تمہیں نافع ہو اس کی حرص کرو۔ اور ہر کام میں خدا تعالیٰ سے مدد مانگو
اور عاجز نہ ہو۔ اور اگر کوئی تکلیف پیش آ جائے تو یہ مت کہو اگر میں ایسا ایسا کرتا تو یہ بات پیش نہ آتی۔ بلکہ یہ
کہنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر کے موافق جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ کلمہ لَوْ (اگر) کہنا فعل شیطانی
دمیں واقع ہونے کا ذریعہ ہے ۔

یہ حدیث ایمان کے بہت سے ضروری اصول پر شامل ہے (۱) یہ کہ اللہ تعالیٰ صفت محبت سے
موصوف ہے اور وہ حقیقۃً محبت فرماتا ہے۔ (۲) یہ کہ وہ اُن چیزوں سے محبت رکھتا ہے جو اس کے اسمائے
پاک و صفات کے منشاء کے مطابق و موافق ہوں۔ وہ خود قوی ہے اور مومن قوی کو دوست رکھتا ہے۔
اور وہ وتر (طاق) ہے اور کام کو طاق بار کرنا پسند فرماتا ہے۔ وہ جمیل ہے اور جمال کو دوست رکھتا ہے
وہ علیم ہے اور علماء سے اُسے محبت ہے۔ وہ پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے۔ مومن اُس
کے اسماء میں سے ہے لہذا مومنین سے اُسے محبت ہے۔ وہ محسن ہے محسنین کو چاہتا ہے۔ وہ صابر
ہے صابرین سے محبت رکھتا ہے۔ وہ شاکر ہے اور شاکروں کو دوست رکھتا ہے (۳) یہ کہ
مومنین کے ساتھ اُس کی محبت یکساں نہیں بلکہ بعض سے کم اور بعض کے ساتھ زیادہ ہے۔ (۴) یہ کہ
انسان کی سعادت اس میں منحصر ہے کہ وہ اُن چیزوں کی حرص رکھے جو اُسے معاش اور معاد دونوں میں نافع
و مفید ہوں ۔

حرص لغت میں کسی چیز کی طلب میں طاقت اور وسعت کو پوری طرح خرچ کرنے کو کہتے ہیں سو جب
حریص اپنی بھلائی اور مفید چیز کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ تو اُس کی حرص محمود ہو گی۔ انسانی کمال کا
راز بھی دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ حریص ہو۔ دوم یہ کہ اُن چیزوں کا حریص ہو جو اُسے مفید ہوں۔ اگر بیفائدہ
چیزوں کی حرص کی یا اُن چیزوں کو جو اس کے لئے نافع ہیں۔ بغیر حرص حاصل کیا۔ تو وہ کمال کو نہیں پہنچیگا۔
پس تمام بھلائی اور کامیابی کا مدار نافع چیزوں کی حرص پر ہے۔ اور چونکہ انسان کی حرص اور نیز دیگر افعال
خداوند تعالیٰ کی مدد مشیت اور توفیق کے بغیر ظہور میں نہیں آ سکتے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس حدیث
میں جناب ایزد پاک سے مدد چاہنے کا ارشاد فرمایا ہے تاکہ آدمی کو اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ
(اے خدا ہم تیری عبادت کرتے اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں) کا مرتبہ حاصل ہو ۔

مفید چیزوں کی حرص کرنے سے یہ مطلب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پورا حریص اور سرگرم ہے۔

یہی ایک چیز ہے جو انسان کو کارآمد اور نافع ہے۔ اور یہ اللہ کی مدد بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے حدیث
کے ان دونوں جملوں میں (مفید چیزوں کی حرص کر اور خدا سے مدد مانگ) اس بات کا ارشاد ہے کہ انسان
اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس سے مدد چاہے۔ پھر عاجز ہونے سے منع فرمایا ہے اس میں یہ حکمت
ہے کہ عاجزی مفید چیزوں کی حرص اور استعانت باللہ کے منافی و مخالف ہے۔ تو جو شخص نافع چیزوں
کا حریص اور خدا تعالیٰ سے مدد چاہنے والا ہوگا۔ وہ عاجزی کے برخلاف ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ انسان
کو حصول مقصود کے لئے اس چیز کی تعلیم فرمائی ہے۔ جو اس کے حصول کے نہایت مضبوط بھاری
اور قوی ترین ذرائع سے ہے یعنی اس چیز کی حرص کرنا اور اس کے ساتھ ہی اس مالک سے مدد چاہنا
جو تمام امور کی باگ اپنے مبارک ہاتھ میں لئے ہے اور جو سب چیزوں کو نیستی سے ہستی میں لاتا اور سب
کا مآل اسی کی طرف ہے۔ اگر کسی کو وہ چیز نہ ملے جو اس کے لئے مقدر ہے تو اس کی دو حالتیں ہیں۔
اول یہ ہے کہ انسان خیال کرے۔ کہ میں اس کے حاصل کرنے سے عاجز رہا یہ شیطانی افعال میں
پڑ جانے کا ذریعہ ہے کیونکہ عاجز ہو کر کہیگا اگر ایسا ایسا کرتا تو کامیاب ہوتا۔ سو ایسا کہنے سے اب
سوائے اس کے کیا فائدہ ہے کہ اپنے آپ کو ملامت کرے بیقراری غم و اندوہ میں مبتلا اور اپنے آپ
سے بیزار ہو سو یہ سب شیطان کے کرتوت ہیں۔ اسی لئے سرور کائنات ؐ نے اس چیز سے جو ان امور
کی طرف ذریعہ ہوتی ہے اجتناب و پرہیز کرنے کا حکم دیا اور دوسری حالت کی طرف متوجہ ہونے
کا ارشاد فرمایا کہ تقدیر پر غور کرے اور یہ سمجھے کہ اگر میرے مقسوم میں ہوتی تو وہ میرے ہاتھ سے کبھی
نہ جاتی اور اس سے کوئی شخص مجھے روک۔ نہ سکتا۔ پس ناکامی کی حالت میں تقدیر پر غور کرنے اور مشیت
ایزدی پر نظر ڈالنے سے جس سے سب چیزوں کا وجود اور عدم وابستہ ہیں۔ کوئی چیز زیادہ نافع و مفید
نہیں۔ اسی واسطے آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے اگر تجھ پر کوئی چیز غالب آجائے۔ تو یہ مت کہو۔ اگر
میں ایسا کرتا تو ایسا ہوتا۔ بلکہ یوں کہا کر کہ اللہ کی تقدیر میں یہی تھا۔ اور اللہ تعالےٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا
ہے۔ آنحضرت صلعم نے وہ چیز بتلائی ہے جو کامیابی اور ناکامی دونو حالتوں میں نافع اور مفید ہے
اسی لئے اس حدیث کا مضمون ہر وقت انسان کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس حدیث سے تقدیر
کسب۔ اختیار قیام بافعال اور عبودیت ظاہراً و باطناً دونو حالتوں حصول مطلوب اور عدم حصول
میں ثابت ہوتے ہیں +

چوتھا باب

تیسری تقدیر یعنی ماں کے پیٹ میں پیدا ہونے کی شقاوت سعادت۔ رزق۔ عمر۔ عمل وغیرہ تمام امور جو اسے پیش آئینگے ان کے مقدر ہونے اور اس باب کے متعلق جس قدر حدیثیں آئی ہیں ان کے جمع و تطبیق کے بیان میں

عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہا کہ ہم سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جو صادق و مصدوق ہیں بیان فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کی خلقت اسطرح ہوتی ہے کہ ماں کے پیٹ میں پہلے چالیس روز تک نطفہ رہتا ہے پھر چالیس روز خون بستہ پھر گوشت کا ٹکڑا اس کے بعد اللہ تعالے اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے وہ اس میں روح پھونکتا اور چار چیزوں کے لکھنے کا اسے حکم ہوتا ہے انہیں لکھ دیتا ہے یعنی رزق عمر۔ عمل اور یہ کہ وہ شقی یا سعید ہوگا۔ مجھے اس ذات پاک کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تم میں سے ایک آدمی ایسا ہے کہ وہ عمر بھر اہل جنت کا کام کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہجاتا ہے یعنی جنت سے بہت نزدیک ہو جاتا ہے (تو اس پر اس کی نوشت غالب آجاتی ہے اور وہ دوزخیوں کا کام کر بیٹھتا ہے اور دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ اور (اس کے برعکس) تم میں سے ایک ایسا ہے جو عمر بھر دوزخیوں کا کام کرتا رہتا ہے دوزخ کے اور اسکے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہجاتا ہے تو نوشت غالب آجاتی ہے اور وہ اہل جنت کا کام کر لیتا اور بہشت میں داخل ہوجاتا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے ۔

حذیفہ بن اسید سے مرفوعاً مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نطفہ ماں کے پیٹ میں چالیس یا پینتالیس رات ٹھہر چکتا ہے۔ تو اس کے پاس ایک فرشتہ آکر کہتا ہے اے اللہ یہ شقی ہوگا یا سعید۔ پھر جو کچھ اللہ تعالے فرماتا ہے وہ لکھا جاتا ہے۔ پھر پوچھتا ہے یہ مرد ہوگا یا عورت اور جو حکم ہوتا لکھدیا جاتا ہے۔ اور اسی وقت اس کے تمام عمل۔ نشان۔ قدم۔ عمر اور رزق سب لکھے جاتے ہیں اور وہ نوشت لپیٹ دی جاتی ہے کہ پھر اس میں کمی یا بیشی نہیں ہوتی۔ اس حدیث کو مسلم نے

روایت کیا ہے ؛

عامر بن واثلہ سے روایت ہے انہوں نے عبداللہ بن مسعود کو یہ فرماتے سنا کہ شقی وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں شقی ٹھہرا۔ اور سعید وہ ہے جو دوسرے سے عبرت حاصل کرے۔ پھر عامر حذیفہ بن اسید غفاری کے پاس (جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہیں) آئے اور ان سے ابن مسعودؓ کا یہ قول بیان کیا اس پر حذیفہ بولے کہ کوئی آدمی عمل کئے بغیر شقی (یا سعید) کیسے ہو سکتا ہے۔ تو ایک شخص نے ان سے کہا آپ اس سے متعجب کیوں ہوتے ہیں۔ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔ کہ جب نطفے پر بیالیس راتیں گذر جاتی ہیں۔ تو اللہ تعالے اُس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے وہ اسکی صورت کان۔ آنکھ۔ گوشت۔ پوست اور ہڈیاں بناتا اور کہتا ہے کہ اے اللہ یہ نر ہے یا مادہ۔ پھر اللہ تعالے اپنے ارادہ کے موافق حکم دیتا اور فرشتہ اسے لکھ لیتا اور پھر پوچھتا ہے اے اللہ اس کی عمر کیا ہے اُس کو بھی اللہ کے حکم کے مطابق لکھ دیتا اور پھر پوچھتا ہے اے رب اس کی روزی کس قدر ہے اس کو بھی حکم الٰہی کے مطابق تحریر کرتا اور اس نوشتہ کو اپنے ہاتھ میں لیکر چلا جاتا ہے اور ذرہ بھر اسمیں کمی وبیشی نہیں کرتا ؛

ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ میں نے اپنے ان دونو کانوں سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جب نطفہ چالیس راتیں تک رحم میں ٹھیرتا ہے تو اس پاس ایک فرشتہ آتا۔ زہیر بن معاویہ جو اس سند میں ایک راوی ہے) نے کہا ہے میرا خیال ہے کہ میرے استاد نے یہ لفظ کہا ہے کہ وہ فرشتہ آتا جو اُس کی خلقت بناتا اور کہتا ہے۔ اے رب یہ نر ہے یا مادہ تو اللہ تعالی اُسے نر یا مادہ ٹھیراتا ہے۔ وہ پھر پوچھتا ہے۔ اے اللہ یہ صحیح الخلقۃ ہوگا یا ناقص تو اللہ تعالے اُس کا بھی فیصلہ کر دیتا ہے اُس کے بعد وہ پوچھتا ہے اے اللہ اس کی روزی اور عمر کیا ہوگی۔ اور اخلاق کیسے ہونگے۔ پھر اللہ تعالے اُس کی سعادت یا شقاوت (عمر وغیرہ) مقرر فرما دیتا ہے ؛

ایک اور روایت میں ہے کہ رحم پر ایک فرشتہ موکل ہے جب اللہ تعالے اپنے ارادے سے کوئی چیز پیدا کرنی چاہتا ہے تو وہ قریباً چالیس رات کے بعد (آگے وہی مضمون جو اوپر گذرا) حدیث (ابن مسعود) کے جمیع طرق کو صرف امام مسلم نے روایت کیا ہے ؛

انس بن مالک سے روایت ہے کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل نے رحم پر فرشتہ ... کہتا ہے اے رب اس وقت نطفہ ہے۔ اے اللہ ...

اے رب اس وقت گوشت کا ٹکڑا ہو گیا ہے اگر اللہ تعالےٰ کے ارادے میں اس کی پیدائش مقدر ہو تو فرشتہ کہتا
ہے اے رب یہ نر ہو گا یا مادہ شقی ہو گا یا سعید اور اس کا رزق اور عمر کیا ہے سو یہ سب باتیں شکم مادر میں
لکھی جاتی ہیں اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے ؎

اور ابن وہب نے کہا ہے مجھ سے یونس نے بیان کیا وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں۔ کہ
سعید بن عبدالرحمن بن ابی ذبیدہ نے ان سے بیان کیا کہ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ
وسلم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے کسی جی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ فرشتہ جو رحم پر موکل ہے
کہتا ہے اے رب یہ نر ہو گا یا مادہ۔ اللہ تعالیٰ (اپنی مشیت کے موافق) اس میں حکم دیتا ہے۔ فرشتہ پھر پوچھتا
ہے اے رب یہ شقی ہو گا یا سعید اللہ تعالیٰ اس کا بھی فیصلہ کرتا اور فرشتہ اس کی پیشانی پر جو کچھ اسے پیش آئیگا۔
یہاں تک کہ جو اسے ٹھوکر لگیگی سب لکھ دیتا ہے ؎

ابن وہب نے کہا ہے مجھ سے عبداللہ بن لہیعہ نے بیان کیا وہ بکر بن سوادہ جذامی سے وہ ابو تمیم
جیشانی سے وہ ابوذرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب نطفے
کو رحم میں ٹھیرے ہوئے چالیس راتیں ہو جاتی ہیں تو فرشتہ ارواح خدا تعالےٰ کی بارگاہ میں آ کر عرض کرتا
ہے۔ اے رب یہ تیرا بندہ نر ہو گا یا مادہ تو اللہ تعالےٰ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ فرشتہ پھر پوچھتا ہے
شقی ہو گا یا سعید۔ اس کے بعد جو کچھ اسے پیش آنیوالا ہے سب لکھ دیتا ہے (اور بقیہ حدیث کو روایت
مذکورہ کے موافق ذکر کیا ہے) ابن وہب نے کہا ہے مجھ سے ابن لہیعہ نے بیان کیا وہ کعب ابن علقمہ سے وہ
عیسےٰ سے وہ ہلال سے وہ عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں انہوں نے مرفوعاً کہا ہے
کہ جب نطفہ رحم میں چالیس رات ٹھیرتا ہے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا اور اسے لیکر خدا کی بارگاہ میں
جاتا اور کہتا ہے اے احسن الخالقین اسے مخلوق فرما۔ تو اللہ تعالےٰ نے جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ پھر وہ نطفہ
فرشتے کے حوالے کیا جاتا ہے۔ تو اس وقت فرشتہ پوچھتا ہے اے رب یہ تمام رہیگا یا تام الخلقۃ ہو گا
اللہ تعالےٰ نے اس کا جواب بیان فرماتا ہے۔ فرشتہ پھر پوچھتا ہے اے رب ایک ہو گا یا جوڑا۔ اللہ تعالےٰ اس
کا جواب بھی بیان فرماتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے اس شے کے خلق اور رزق کا بھی فیصلہ فرما دے تب اللہ تعالیٰ
دونوں کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے۔ ہر ایک کو وہی
رزق ملتا ہے جو اس کے لئے اس روز مقسوم ہوا جب اسے کھا چکتا ہے تو مر جاتا ہے ؎

عبداللہ بن احمد نے کہا ہے ہم سے علاء نے بیان کیا۔ کہا ہم سے ابوالاشعث نے بیان کیا کہا ہم سے
عامر نے بیان کیا وہ زبیر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہا کہ [illegible]

کہا کہ میں نے عروہ بن زبیر سے سنا وہ حضرت عائشہ سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ
نے فرمایا کہ جب اللہ تعالے کسی جی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے وہ رحم میں داخل ہوکر
کہتا ہے اے رب یہ کیا ہوگا۔ تو اللہ نر کے یا لڑکی تو یا رحم میں جو کچھ پیدا کرنا چاہتا ہے معین فرما دیتا ہے
پھر کہتا ہے اے رب شقی ہوگا یا سعید تو اللہ تعالے اس کی بھی تعیین کردیتا ہے پھر کہتا ہے کہ اے رب
اس کی عمر کیا ہوگی تو اللہ یہ بھی بتا دیتا ہے پھر کہتا ہے کی خاصیت اور عادات کیسے ہونگے اللہ تعالی
یہ سب بیان فرما دیتا ہے اور اس کی ہر ایک چیز اس کے ساتھ ہی رحم میں پیدا کی جاتی ہے ؂

مسند میں اسمعیل بن عبید اللہ بن ابی المہاجر کی روایت سے آیا ہے کہ ام درداء نے ان سے بیان
کیا وہ ابو درداء سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل
ہر ایک بندے کی پانچ چیزیں عمر۔ رزق۔ جائے قبر۔ کہاں کہاں جائیگا اور شقی ہوگا یا سعید پہلے سے مقرر
فرما چکا ہے ؂

ابن حمید نے کہا ہے ہم سے یعقوب بن عبد اللہ نے بیان کیا وہ سعید بن جبیر سے وہ ابن عباس رضہ
سے روایت کرتے ہیں کہ جب نطفہ رحم میں آتا ہے تو چار ماہ اور دس روز ٹھیرنے کے بعد اس میں روح ڈالی
جاتی ہے پھر چالیس راتیں گذرنے پر اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے سو وہ اس کی گدی پر ہاتھ مارتا
اور لکھتا ہے کہ شقی ہوگا یا سعید ؂

ابن ابی خیثمہ روایت کرتے ہیں کہ ہم سے عبد الرحمن بن مبارک نے بیان کیا کہا کہ ہم سے حماد
بن زید نے بیان کیا وہ ایوب سے وہ محمد سے وہ ابو ہریرہ رضہ سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت
کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ سعید وہ ہے جو شکم مادر میں سعید ہوا۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے باب القدر
میں عبد الرحمن سے روایت کیا ہے جیسے وہ حماد سے وہ ہشام بن حسان سے وہ محمد مذکور سے روایت
کرتے ہیں ؂

احمد بن عبد اللہ نے کہا ہے ہم سے علی ابن عبد اللہ بن میسر نے بیان کیا۔ کہا ہمیں عبد الحمید بن بیان نے
بتلایا کہا ہم سے خالد بن عبد اللہ نے بیان کیا وہ یحیی بن عبید اللہ سے وہ اپنے باپ سے وہ ابو ہریرہ رضہ
روایت کرتے ہیں کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شقی وہ ہے جو ماں کے پیٹ میں
شقی ٹھیرا اور سعید وہ جسے شکم مادر میں سعادت نصیب ہوئی ؂

سعید نے کہا ہے وہ ابو اسحاق سے وہ ابو الاحوص سے وہ عبد اللہ سے روایت کرتے
ہیں [illegible] شقی ہوا اور سعید وہ جو دوسرے سے عبرت حاصل کرے

شعبہ نے کہا ہے وہ مخارق سے وہ طارق سے وہ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ
سب سے زیادہ سچی کلام اللہ کی کتاب ہے اور سب طریقوں میں اچھا طریقہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے
اور بدترین امور وہ ہیں جو دین میں نئے پیدا ہوں سو انگشت بدست کے طریقہ پر چلو اور بدعت سے بچو۔ بیشک
شقی وہی ہے جو ماں کے پیٹ میں شقی لکھا گیا اور سعادتمند وہ جو دوسرے سے عبرت حاصل کرے او
سب سے بری روایتیں وہ ہیں جو جھوٹی ہوں اور بدترین امور وہ ہیں جو دین میں نئے پیدا ہوں
جو چیز آنے والی ہے وہ نزدیک ہے ان سب حدیثوں کو ابوداؤد نے باب القدر میں روایت کیا۔
اور طبری نے اس حدیث کو ابو اسحاق سے اس نے ابوعبیدہ سے اس نے ابوالاحوص سے اس
طرح روایت کیا ہے کہ عبداللہ ہر خمیس کے روز آتے (ان کا دستور تھا کہ کھڑے ہوکر وعظ کہتے
وعظ میں بیٹھتے نہیں تھے) اور فرماتے کہ کام کی صرف دو ہی چیزیں ہیں (۱) سب طریقوں سے بہتر محمد
صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ (۲) سب سے زیادہ سچی کلام اللہ کی کتاب ہے۔ اور بدترین امور وہ ہیں جو
دین میں بلا سند ایجاد کئے جائیں۔ دین میں جو بات بلا سند ایجاد کی جائے وہ گمراہی ہے۔ بیشک شقی وہی
ہے جو ماں کے پیٹ میں شقی لکھا گیا اور بلاشبہ سعادتمند وہی ہے جسے دوسرے سے عبرت حاصل ہو
خبردار تمہیں درازی عمر کی ہوس اور طلب دنیا کی آرزو تمہیں آخرت سے غافل نہ کردے۔ جو چیز آنیوالی ہے وہ
قریب ہے اور وہی چیز ہے جس کے آنے کی امید نہیں۔ سب سے برے آدمی وہ ہیں جو دن میں
بیکار اور رات کو مردوں کی طرح سوتے ہیں۔ بیشک مومن کو جان سے مارڈالنا کفر اور اسے گالی دینا گناہ
ہے۔ کسی مسلمان کو یہ روا نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے ترک کلام کرے۔ خبردار
سب سے بری روایتیں وہ ہیں جو جھوٹی ہوں۔ جھوٹ ہرگز درست نہیں خواہ وہ واقعی جھوٹ ہو یا دل لگی
سے ہو۔ اور یہ بھی نہ چاہئے کہ آدمی اپنے دوست سے وعدہ کرکے پھر اسے پورا نہ کرے۔ جھوٹ بدی
[illegible] ہے اور بدی دوزخ کو لے جاتی ہے۔ سچائی نیکی کا پیشوا ہے اور نیکی جنت میں پہنچاتی ہے
[illegible] کو لوگ سچا اور نیک اور دروغگو کو جھوٹا اور بدکار کہتے ہیں۔ بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ
[illegible]سلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ بندہ اگر سچ کہتا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک صدیق (بڑا سچا) اور اگر جھوٹ
[illegible] ہے۔ تو بڑا جھوٹا لکھا جاتا ہے۔ سنو تمہیں معلوم ہے کہ غضہ کیا چیز ہے یہ وہ چغلخوری کی خصلت
ہے جس سے لوگوں کے درمیان فساد ڈالا جائے۔ یہ حدیث عبداللہ سے بہت سے لوگوں نے
[illegible]یت کی ہے۔ امیر معاویہؓ کو خبر ملی۔ کہ ان کے مکان میں وبا کی شدت ہے تو کہنے لگے کہ اگر ہم
[illegible] لوگوں کے مکان کو بدل دیتے تو اچھا ہوتا۔ اس پر ابوعبیدہ بن جراحؓ نے کہا [illegible]

ان جانوں کو جن کی موت آچکی ہے کیسا بچا سکتے ہیں اتنی بات پر ابو درداء سے ناراض ہو گئے تو کعب نے کہا اے معاویہ آپ اپنے بھائی ابو درداء سے ناراض نہ ہوں (وہ سچ کہتے ہیں) بیشک اللہ سبحانہ نے کوئی جی ایسا نہیں پیدا کیا۔ کہ جب اس کا نطفہ چالیس رات رحم میں ٹھیر چکے۔ تو اس کی خلقت خلق عمر اور رزق نہ لکھ دیا ہو۔ ہر ایک جاندار کے واسطے ایک سبز پتّا [illegible] ہے جو عرش کے ساتھ لٹک رہا ہے۔ جب اس کی موت قریب آجاتی ہے تو وہ پتا پرانا ہو کر خشک ہو کر گر جاتا ہے جب وہ پتا گرتا ہے تو وہ جاندار جبھی مر جاتا اور اس کی عمر اور رزق ختم ہو جاتے ہیں۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے محمود بن خالد سے اس طرح روایت کیا ہے کہا کہ ہم سے مروان نے بیان کیا۔ کہا ہم سے معاویہ بن سلام نے بیان کیا۔ کہا مجھ سے میرے بھائی زید بن سلام نے بیان کیا وہ اپنے دادے ابن سلام سے روایت کرتے کہ معاویہ کو یہ خبر ملی الخ۔ ابوداؤد نے کہا ہم سے واصل بن عبد الاعلیٰ نے بیان کیا کہا ہم سے ابن فضیل نے بیان کیا وہ حسن بن عمرو فقیمی سے وہ حکم سے وہ مجاہد سے آیت وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ (اور ہم نے ہر آدمی کی برائی بھلائی کو اس کے ساتھ لازم کر کے اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے) کی تفسیر میں اس طرح روایت کرتے ہیں۔ کہ ہر ایک بچے کے گلے میں ایک پروانہ ڈالا جاتا ہے جس میں اس کی شقاوت یا سعادت مرقوم ہوتی ہے۔

صحیحین میں ابی بن کعب سے مروی ہے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جس لڑکے کو خضر علیہ السلام نے مار ڈالا تھا وہ پہلے دن ہی کافر پیدا ہوا تھا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے کفر و شرارت سے والدین کو تنگ کرتا۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رض سے مروی ہے کہا کہ قبیلۂ انصار میں ایک لڑکا فوت ہوا۔ تو میں نے اس کے حق میں کہا اسے خوشی ہے کہ یہ ایک جنت کی چڑیا ہے۔ اس نے کوئی برائی نہیں کی اور نہ برائی کرنے کے وقت کو پایا۔ اس پر آپ نے فرمایا اے عائشہ! اس کا یقین نہیں ہو سکتا۔ شاید ایسا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے کئی آدمیوں کو اُن کے پیدا ہونے سے پہلے جبکہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں تھے اہل جنت ٹھیرایا ہے۔ یہ حدیث سمرہ بن جندب کی اس حدیث سے جسے امام بخاری رح نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں مشرکین کے بچوں کو ابراہیم کے پاس باغ جنت میں دیکھا معارض نہیں۔ کیونکہ جیسے بالغ آدمی دو طرح پر ہیں۔ اسی طرح بچے بھی بعض شقی اور بعض سعید ہیں۔ جن بچوں کو آنحضرت نے ابراہیم کے پاس دیکھا تھا وہ مشرکین اور مسلمانوں کے

اہل سعادت بچے تھے۔ عائشہؓ کو ایک خاص بچے کے حق میں یہ شہادت دینے سے کہ وہ جنت کی چڑیا ہے منع فرمایا۔ اِن سب احادیث و آثار سے یہ تو بالاتفاق ثابت ہوتا ہے کہ جب آدمی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اُسی وقت اُس کا رزق، عمر، اور شقاوت یا سعادت مقدر ہو جاتے ہیں لیکن اِس تقدیر کے وقت میں اختلاف معلوم ہوتا ہے ۔

واضح ہو کہ پہلی دو تقدیروں کے بعد یہ تیسری تقدیر ہے یعنی سب سے اول وہ تقدیر ہے جو آسمان زمین کی پیدائش سے پہلے ہوئی۔ اس کے بعد دوسری تقدیر اُس وقت ہوئی جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور اُنکی اولاد کو اُنکی پشت سے نکالا۔ اور یہ تیسری تقدیر ہے ۔

ابن مسعودؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نطفے کو رحم میں ٹھیرے ہوئے ایک سو بیس روز گذر جاتے ہیں۔ تو اُس وقت یہ چیزیں رزق، عمر وغیرہ مقدر ہوتی ہیں۔ اور انسؓ کی حدیث میں کسی وقت کی تعیین نہیں ۔

حذیفہ بن اسیدؓ کی حدیث میں ہے کہ یہ تقدیر قرار نطفہ سے چالیس روز بعد ہوتی ہے۔ ایک دوسری روایت میں چالیس رات اور ایک میں بیالیس اور ایک میں تینتالیس رات آیا ہے۔ اِس حدیث کو صرف امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اسے روایت نہیں کیا۔ بعض لوگوں نے اِن دونو حدیثوں کو متعارض سمجھا ہے لیکن درحقیقت ان میں کوئی تعارض نہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ جو فرشتہ نطفے پر موکل ہے اُس کا کام یہ ہے کہ چالیس روز کے بعد جو کچھ اللہ تعالیٰ مقدر فرماتا ہے وہ تحریر کرتا ہے اور نطفہ اُس وقت دوسری حالت یعنی خون بستہ میں آتا ہے اور وہ فرشتہ جو روح پھونکنے پر مقرر ہے وہ چار ماہ کے بعد روح پھونکتا ہے اور اُسی وقت اُسے اُس کا رزق، عمر، عمل اور شقاوت یا سعادت لکھنے کا حکم ہوتا ہے۔ اور یہ اُس تقدیر کے علاوہ ہے جو اُس فرشتے نے لکھی تھی۔ جو نطفہ پر موکل ہے۔ اسی واسطے ابن مسعودؓ کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ پھر نطفے کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا اور اُسے چار چیزیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے اور وہ فرشتہ جو نطفے پر موکل ہے وہ تو ہمیشہ اُس کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُسے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ابتدائی خلقت یعنی خون بستہ کی حالت میں آئے اُس وقت اللہ سبحانہٗ نطفے کے متعلق جو چاہتا ہے مقدر فرماتا ہے اور روح کے متعلق اُس وقت مقدر فرماتا ہے جب ایک سو بیس روز کے بعد بدن سے اُس کا تعلق ہوتا ہے

غرض کہ یکے بعد دیگرے کئی بار تقدیر ہوتی ہے۔ اب اس طرح مطلب بیان کرنے سے سب

حدیثیں آپس میں مُطابق اور ایک دوسرے کی مصدق ہو جاتی۔ اور تقدیر سابق کے اثبات اور مراتب تقدیر پر دلالت کرتی ہیں۔ اب اگر کوئی شبہ ہو تو اُس کا منشا غلط فہمی یا روایت میں غلطی کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ جب روایات حدیث صحت کو پہونچ گئیں۔ اور اُن کا صحیح مطلب معلوم ہو گیا۔ تو یہ بات ظاہر ہو گئی۔ کہ یہ سب درست اور حق ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان صدق بیان سے نکلی ہیں +

پانچواں باب

چوتھی تقدیر کے بیان میں جو لیلۃ القدر میں ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے حٰمٓ وَالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ۔ (یہ کتاب جو احکام الٰہی صاف اور واضح طور پر بتا رہی ہے (یعنی قرآن) اسی کی قسم ہے ہم نے (شب قدر کی) مبارک رات میں اس کو (پہلے پہل) اُتارا (کیونکہ ہمیں (لوگوں کو اپنے عذاب سے) ڈرانا منظور تھا (دُنیا کے) سارے انتظام جو حکمت (اور مصلحت) پر مبنی ہیں۔ اُسی رات تصفیہ پاتے ہیں (از انجملہ قرآن بھی تھا جو) ہمارے خاص حکم سے (نازل ہونا شروع ہوا) کیونکہ ہم کو پیغمبر کا بھیجنا منظور تھا) چونکہ سورہ قدر میں فرمایا ہے اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ہ (ہم نے قرآن (کی پہلی وحی) کو شب قدر میں اُتارا) تو اس سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ میں لیلہ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد ہے۔ جس نے خیال کیا ہے کہ یہاں پندرھویں شعبان مراد ہے تو وہ غلطی پر ہے +

سفیان نے ابن ابی نجیح سے اُس نے مجاہد سے روایت کیا ہے۔ کہ لیلۃ القدر اور لیلۃ الحکم (یعنی وہ رات جسمیں امور فیصل ہوتے ہیں) ایک ہی ہیں + اور سفیان نے محمد بن سوقہ سے اس نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے۔ کہ لیلۃ القدر میں بارگاہ الٰہی سے اُن لوگوں کو حج کا حکم ہوتا ہے جو اس سال حج کرینگے اور ان سب کے نام مع ولایت لکھے جاتے ہیں۔ پھر اُن میں کچھ کمی بیشی نہیں ہوتی +

ابن علیہ نے کہا ہے ہم سے ربیعہ بن کلثوم نے بیان کیا۔ کہ ایک آدمی نے حسن سے پوچھا اور میں سُن رہا تھا کیا لیلۃ القدر ہر رمضان میں ہوتی ہے حسن نے کہا قسم ہے اُس اللہ کی جس کے

کوئی لائق بخشش نہیں۔ لیلۃ القدر رمضان میں ہوتی ہے۔ اور لیلۃ القدر وہی رات ہے جس میں ہر حکمت والے کام فیصل کئے جاتے ہیں۔ اسی رات میں اللہ تعالے سال بھر کیلئے بندوں کی عمریں۔ عمل اور رزق معین فرماتا ہے ۔

عکرمہ بن عمران نے ابن عباس سے ذکر کیا ہے کہ لیلۃ القدر میں وہ تمام چیزیں جو آئندہ سال ہونگی یعنی موت۔ حیات۔ رزق۔ بارش یہاں تک کہ حاجیوں کے نام کہ فلاں فلاں شخص حج کرے گا لوح محفوظ سے ایک علیحدہ دفتر میں لکھے جاتے ہیں ۔

سعید بن جبیر سے اس آیت کی تفسیر میں مذکور ہے کہ تو کسی آدمی کو بازاروں میں چلتا پھرتا دیکھتا ہے حالانکہ اس رات میں اس کا نام مردوں میں لکھا گیا ہے ۔

مقاتل کا قول ہے کہ اللہ تعالے لیلۃ القدر میں سال بھر کیلئے شرور اور بندوں کے حالات معین فرما دیتا ہے ۔

ابو عبدالرحمٰن سلمی کا قول ہے کہ لیلۃ القدر میں سال بھر کا انتظام مقرر کیا جاتا ہے۔ اور یہی صحیح ہے کہ لیلۃ مبارکہ اور لیلۃ قدر ایک ہی ہیں کیونکہ قدر کے معنی لغت میں تقدیر اور اندازہ کرنے کے ہیں۔ اور اسی لئے لیلۃ الحکم اور لیلۃ التقدیر اس کا نام ہے ۔

بعض اہل علم کا قول ہے کہ لیلۃ القدر کے معنی بزرگی اور عظمت والی رات ہے۔ محاورے میں آتا ہے کہ فلاں شخص کا لوگوں میں قدر ہے۔ اگر ان کا مطلب ہے کہ رات عزت وبزرگی والی ہے اور نیز اس میں سال بھر کے واقعات بھی مقدر ہوتے ہیں تب تو ان کا قول درست ہے اور اگر قدر کا مطلب صرف بزرگی اور عزت لیتے ہیں تو صحیح نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے۔ کہ اس میں تفریق احکام واقع ہوتی ہے یعنی اللہ سبحانہ سال بھر کے واقعات کا فیصلہ اور انکی تعیین و انتظام فرماتا ہے ۔

چھٹا باب

پانچویں تقدیر کے بیان میں جو روزمرہ ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یَسْئَلُہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ۔ جتنی مخلوقات آسمانوں (میں) اور زمین میں ہے جو ان کو درکار ہے سب ہی تو اس سے مانگتے ہیں وہ

(معطل اور بیکار نہیں ہے بلکہ) ہر روز (ایک نہ ایک) کام میں (رہتا) ہے:

صحیح حاکم میں اس آیت کی تفسیر کے متعلق ابو حمزہ ثمالی کی حدیث اس طرح مذکور ہے کہ وہ سعید بن جبیر سے وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ منجملہ اللہ تعالےٰ کی مخلوق کے سفید موتی کی ایک لوح محفوظ ہے جس کے دونوں دفتین سرخ یاقوت کے ہیں اس کی قلم نور اور اس پر جو نوشتہ ہے وہ ایک نور ہے اللہ سبحانہ ہر دن اسے تین سو ساٹھ بار ملاحظہ فرماتا ہے اور ہر ملاحظے میں کسی کو پیدا کرتا کسی کو روزی دیتا کسی کو جلاتا کسی کو مارتا کسی کو عزت کسی کو ذلت دیتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کے قول كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (وہ ہر روز (ایک نہ ایک) کام میں (رہتا) ہے) کا یہی مطلب ہے۔

مجاہد۔ کلبی۔ عبید بن عمیر۔ ابو میسرہ۔ عطا اور مقاتل کا قول ہے کہ اللہ تعالےٰ کے شان سے یہ مراد ہے۔ کہ وہ جلاتا۔ مارتا۔ روزی بخشتا۔ روزی روک دیتا۔ مدد فرماتا۔ عزت اور ذلت دیتا۔ قیدی کو رہائی بیمار کو شفا نصیب کرتا۔ پکارنے والے کی دعا قبول فرماتا۔ سائل کا سوال پورا کرتا۔ توبہ منظور فرماتا۔ تکلیف ہٹاتا۔ گناہ بخشتا اور کسی قوم کو تنزل اور کسی کو ترقی دیتا ہے۔

معجم طبرانی صحاح ستہ اور دارمی کی کتاب الرد علی المریسی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اللہ عزوجل کے ہاں نہ رات ہے نہ دن۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو اپنی ذات کے نور سے روشن فرمایا ہے۔ اور دنیا کے ایک دن کا مقدار اس کے ہاں بارہ ساعتیں مقرر ہیں۔ جن میں سے تین ساعتوں میں تمہارے اعمال اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ تو برے اعمال پر ناخوش ہوتا ہے۔ اور اس کی ناخوشی کو سب سے پہلے حاملین عرش اس طرح معلوم کرتے ہیں کہ جب ناخوش ہو تو عرش ان پر بھاری ہو جاتا ہے پس حاملین عرش و دیگر خدام ملائکہ مقربین اور تمام فرشتے تسبیح کہنے لگتے ہیں اس کے بعد جبرائیل ندا بجاتے ہیں تو تمام چیزیں اس کی آواز سن کر تین ساعت تک اس کی تسبیح میں مصروف رہتی ہیں یہاں تک کہ رحمت الٰہی کا دریا جوش میں آتا ہے پہلی تین ساعتیں یہ ہیں پھر تین ساعتیں ہوتی ہیں اس کے بعد رحموں کا معاملہ پیش ہوتا اور تین ساعت میں طے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ (وہی قادر مطلق ہے جو ماں کے پیٹ میں جیسی چاہتا ہے تم لوگوں کی صورتیں بناتا ہے) يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ (جس کو چاہتا ہے (نری) بیٹیاں عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے (نرے) بیٹے عنایت کرتا ہے یا بیٹے اور بیٹیاں (ملا کر) ان کو دونوں قسم کی اولاد دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے ایسا بے نام و نشان کر دیتا ہے کہ اس کی اولاد ہی نہیں ہوتی (اور) وہ اولاد کی مصلحت سے واقف (اور مرد و زن بنانے پر) قادر ہے اور اسی کی

طرف اشارہ ہے۔ اور پہلی چھ اور یہ تین مجموعہ نو ساعتیں ہوئیں۔ پھر رزق کا معاملہ پیش ہو کر وہ بھی اسی طرح تین ساعتوں میں ختم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۤءُ وَيَقْدِرُ (جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے) اور کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ (وہ ہر روز (ایک نہ ایک) کام میں رہتا ہے) کا یہی مطلب ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا روز مرہ کا حال یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا ۔

طبرانی نے کہا ہے ہم سے یحییٰ بن اسحاق نے بیان کیا۔ کہا ہم سے حماد بن سلمہ نے بتایا۔ وہ ابو عبد السلام سے وہ عبد اللہ یا عبید اللہ بن مکرز سے وہ ابن مسعودؓ سے مذکورہ بالا روایت کرتے ہیں۔

عثمان بن سعید دارمی نے کہا ہے ہم سے موسیٰ بن اسمٰعیل نے بیان کیا کہا ہم سے حماد بن سلمہ نے وہ زبیر بن ابو عبد السلام سے وہ ایوب بن عبید اللہ فہری سے روایت کرتے ہیں کہ ابن مسعودؓ نے کہا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ دن ہے نہ رات۔ پھر اس حدیث کو اس جملے تک "پس حاملین عرش ملائکہ مقربین و دیگر تمام فرشتے اس کی تسبیح کرنے لگتے ہیں" ذکر کیا ہے۔ سو حاصل کلام یہ ہے کہ یہ روزانہ تقدیر ہے اور جو اس سے پہلے مذکور ہوئی ہے وہ سالانہ اور اس سے جو پہلے گذر چکی ہے وہ عمر بھر کی ہے اور اس وقت لکھی جاتی ہے جب روح بدن سے متعلق ہوتی ہے۔ اور جو اس سے سابق ہے وہ بھی عمر بھر کے لئے۔ مگر وہ ابتدائے خلقت اور بچہ کا گوشت ہونے کے وقت مقدر ہوتی ہے۔ اور جو اس سے بھی سابق ہے وہ انسان کے وجود سے پہلے اور آسمان و زمین کی پیدائش کے بعد مرقوم ہوتی ہے اور وہ تقدیر جو آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے ہے وہ اس سے بھی سابق ہے اور ہر ایک پچھلی تقدیر پہلی کی تفصیل ہے۔ ان سب میں اللہ تعالیٰ کے علم قدرت اور حکمت کا کمال اور یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ ملائکہ اور اپنے مومن بندوں کو اپنی ذات کی اور اسماء کی معرفت بخشتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (جیسے جیسے تم عمل کرتے تھے ہم ان کو لکھواتے جاتے تھے۔ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ یہ نقل لوح محفوظ سے ہوتی ہے۔ فرشتے بنی آدم کے اعمال کو ان کے کرنے سے پہلے (وہاں سے) نقل کر لیتے ہیں۔ پھر اسی کے مطابق ان کے اعمال ظہور میں آتے ہیں۔ اور جن پر ثواب یا عذاب ہو وہ ثابت رکھے جاتے ہیں اور لغو مٹا دئے جاتے ہیں ۔

ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں کئی سندوں کے ساتھ بقیہ سے انہوں نے ارطاۃ بن منذر سے انہوں نے مجاہد سے انہوں نے ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور

اُسے اپنے داہنے ہاتھ (اور اُس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں) میں لیکر دنیا کو اور نیکی - بدی - رطب اور یابس جو کچھ اُس میں ہونے والا تھا سب لکھ دیا - اور لوح محفوظ میں حفاظت سے رکھ دیا - اگر اُس کی تصدیق چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو هٰذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (یہ ہماری کتاب (جس میں تمہارے اعمال لکھے ہوئے ہیں) تمہارے مقابلے حق حق بول رہی ہے (اور) جیسے جیسے تم عمل کرتے تھے ہم انکو لکھواتے جاتے تھے) نقل اُسی سے ہوتی ہے جو چیز پہلے لکھی گئی ہو ؎

آدمی نے کہا ہے ہم سے ورقا - نے بیان کیا - اُس نے عطا بن سائب سے اُس نے مقسم سے اُس نے ابن عباسؓ سے إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہا کہ وہ فرشتے جو بنی آدم کے محافظ ہیں - اُس کے تمام اعمال لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں - پھر آدمی اُسی کے موافق عمل کرتا ہے جو فرشتوں نے لوح محفوظ سے نقل کیا ہے ؎

تفسیر اشجع میں سفیان سے مروی ہے وہ منصور سے وہ مقسم سے وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتا ہے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سب چیزوں کو اپنے ہاں لوح محفوظ میں لکھ دیا - پھر آدم اور اُن کی اولاد پر فرشتے مقرر فرمائے وہ فرشتے آدمی کے تمام اعمال لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں - پھر یہ آیت پڑھی هٰذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ؎

تفسیر ضحاک میں ابن عباسؓ سے اسی آیت کی تفسیر میں مروی ہے - کہا ہے کہ اہل دنیا کے اعمال نیک و بد فرشتے نقل کرتے ہیں - جو کچھ انسان کو روزمرہ پیش آتا ہے فرشتے صبح و شام اسے آسمان سے لاتے ہیں کہ فلاں شخص قتل ہوگا اور فلاں غرق - اور وہ چھت سے گریگا - اور یہ پہاڑ سے گر کر مریگا - اور فلاں آدمی آگ سے جلکر مریگا - پھر جو واقعات ہوتے ہیں - اُن سب کو لکھ لیتے ہیں - اور جب انہیں آسمان کی طرف لیجاتے ہیں - تو لوح محفوظ کی نوشت کے مطابق پاتے ہیں ؎

ساتواں باب

اِس امر کے بیان میں ہے کہ شقاوت اور سعادت کا پہلے سے مقدر ہونا اِس بات کو نہیں چاہتا کہ نیک عمل چھوڑ دئے جائیں اِس بات کو چاہتا ہے کہ اُن میں پوری حرص اور کوشش کرنی چاہئے

بہت سے لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ جب پہلے سے قضا و قدر ہو چکی ہے تو پھر نیک اعمال کرنے میں

کوئی فائدہ نہیں۔ اور اللہ سبحانہ نے جو کچھ مقدر کر دیا ہے وہ ضرور ہو کر رہیگا۔ پس اعمال کو نجات کا واسطہ و وسیلہ بنانا لغو اور بیکار ہے ٭ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ صحابہ کرام نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں یہی شبہ پیش کیا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو کافی و شافی جواب دیا ٭

صحیحین میں علی ابن ابی طالب سے مروی ہے کہ ہم لوگ بقیع غرقد میں ایک میت کے دفن کرنے میں مصروف تھے اتنے میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور اُس وقت آپ کے ہاتھ مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ آپ سر نیچے کر کے اس چھڑی سے زمین کریدنے لگے۔ اور فرمایا تم میں سے ہر ایک جی کے لئے یہ لکھا گیا ہے کہ اُس کا ٹھکانا بہشت میں ہوگا یا دوزخ میں اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ شقی ہوگا یا سعید۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا۔ اے رسول خدا جب یہ بات ہے تو پھر ہم اپنی نوشت پر کیوں بھروسہ نہ کریں۔ اور عمل کرنا چھوڑ دیں۔ ہم میں سے جو اہل سعادت ہوگا اُس کا انجام نیکی پر ہوگا اور جو بدبخت ہوگا اُس کا خاتمہ بُرائی پر ہوگا۔ آپ نے فرمایا عمل کرتے رہو کیونکہ ہر ایک کو اُس کی سعی کے مطابق توفیق ملتی ہے۔ اہل سعادت کو نیک اور اہل شقاوت کو بُرے کاموں کی توفیق ہوتی ہے پھر آنحضرت نے یہ آیت پڑھی فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی (تو جس نے راہ خدا میں) دیا اور پرہیزگاری کا شیوہ اختیار کیا اور اچھی بات (یعنی دین اسلام) کو سچ سمجھا تو ہم آسانی کی جگہ (یعنی جنت میں پہنچنے کا رستہ) اُس کے لئے آسان کر دینگے اور جس نے (راہ خدا میں) دینے سے مضائقہ کیا اور آخرت کی پرواہ نہ کی اور عمدہ بات (یعنی دین اسلام) کو جُھوٹ جانا تو ہم مشکل کی جگہ (یعنی دوزخ میں پہنچنے کا رستہ) اُن کے لئے آسان کر دینگے) بخاری کی بعض اور روایتوں میں بھی ایسا ہی ہے مگر اُن میں لفظ مِنَّا (یعنی ہم میں سے) نہیں ہے ٭

ابو الزبیر سے مروی ہے وہ جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ سراقہ بن مالک بن جعشم نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ ہمیں مسائل دین اس طرح سمجھائیں جس طرح بچوں کو سمجھاتے ہیں۔ آپ یہ فرمائیں کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں یہ پہلے سے تقدیر میں لکھا گیا ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا سب کچھ پہلے سے تقدیر میں لکھا گیا ہے۔ سراقہ نے عرض کیا تو پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ۔ آپ نے فرمایا عمل کرتے رہو ہر کسی کو اس کی کوشش کے مطابق توفیق ملتی ہے اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے ٭

عمران بن حصین سے روایت ہے کہ ایک رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ بہشتی اور دوزخی پہلے سے معین ہیں۔ آپ نے فرمایا پہلے سے معین ہو چکا ہے۔ اس نے کہا تو پھر لوگ عمل کس لئے کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہر کسی کو اس کی سعی کے مطابق توفیق ہوتی ہے۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہر کوئی وہی کام کرتا ہے جس کے لئے وہ مخلوق ہوا یا جس کی اسے توفیق دی جاتی ہے۔ امام احمد نے اس حدیث کو مفصلاً روایت کیا ہے کہا کہ ہم سے صفوان بن عیسیٰ نے بیان کیا۔ کہا ہم سے عزرہ بن ثابت نے بیان کیا۔ وہ یحییٰ بن عقیل سے وہ ابو نعیم سے وہ ابو الاسود دئلی سے روایت کرتے ہیں۔ کہ میں ایک دن عمران بن حصین کے پاس گیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ ایک آدمی جو قبیلہ جہینہ یا مزینہ سے تھا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ اے رسول خدا یہ اعمال جنہیں لوگ نہایت کوشش و محنت سے کرتے ہیں۔ کیا ان کے حق میں پہلے سے مقدر ہیں یا پیغمبروں و انبیاء کی ہدایت کے مطابق ان کو بجا لاتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے ان پر حجت پوری ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ پہلے سے مقدر ہو چکے ہیں۔ سائل نے عرض کیا جب تقدیر پہلے سے ہو چکی ہے تو پھر عمل کرنے کا کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا جسے اللہ تعالیٰ نے جس مقام (جنت یا دوزخ) کے لئے پیدا کیا ہے اسے اسی کے عمل کی توفیق بخشتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی کتاب میں اس کی تصدیق موجود ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (اور انسان اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو ایسا درست بنایا۔ پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری (دونو باتیں) اس کو سمجھا دیں) +

محاملی نے کہا ہے ہم سے احمد بن مقدام نے بیان کیا کہا ہم سے معتمر بن سلیمان نے کہا ہم نے ابو سفیان کو عبداللہ بن دینار سے حدیث بیان کرتے سنا وہ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے کہ جب فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ (بعض بدبخت ہونگے اور بعض نیک بخت) نازل ہوا تو عمرؓ نے پوچھا اے پیغمبر خدا ہمارے عمل کی کیا کیفیت ہے یہ پہلے سے مقدر ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ تو پہلے سے مقدر ہے لیکن ہر ایک کو اس کی سعی کے مطابق توفیق ملتی ہے فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى +

احادیث مذکورہ بالا اور نیز ان کے ہم معنی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ تقدیر سابق عمل سے مانع نہیں اور نہ اس بات کی موجب ہے کہ اس پر بھروسا کر کے عمل چھوڑ دیا۔ بلکہ اس بات کی مقتضی ہے کہ

کا کرنے میں پوری سعی و کوشش کرنی ضروری ہے۔ اسی لئے بعض صحابہ نے جب یہ مضمون سنا۔ تو کہا کہ
ہمیں بہ نسبت سابق اب زیادہ کوشش کرنی ہوگی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ کیسے کچھ دقیق فہم۔ دین کے
سمجھنے والے اور تسلیم حق میں ماہر تھے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلایا ہے کہ تقدیر سابق مخلوق میں
بذریعہ اسباب جاری ہوتی ہے۔ بندے کے حق میں جو چیز مقدر ہے وہ کسی سبب کے ذریعے حاصل
ہوتی ہے جو اس کے لئے مہیا کیا جاتا اور بندے کی قدرت و اختیار میں ہوتا ہے۔ سو اگر سبب
کو پیدا کر لیا۔ تو اپنے اس مقسوم کو جو لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے حاصل کر لیگا۔ اور سبب کے حاصل
کرنے میں جس قدر زیادہ کوشش کریگا۔ اسی قدر مطلوب جلدی حاصل ہوگا۔ مثلاً کسی کے حق میں
مقدر ہے کہ وہ علامہ زمان ہوگا تو یہ مرتبہ پڑھنے اور وسائل تعلیم میں پوری کوشش کئے بغیر کبھی حاصل
نہیں ہو سکتا۔ یا اگر کسی کے حق میں اولاد کا ہونا مقدر ہے تو نکاح یا لونڈی رکھنے اور عورت
سے مجامعت کرنے کے سوا بچہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی اگر زمین سے غلہ اور پیداوار
کا حاصل ہونا مقدر ہے۔ تو جب تک اس میں بیج نہ ڈالے اور ہل نہ چلائے اور دیگر وسائل زراعت
بہم نہ پہنچائے تو غلہ کس طرح پیدا ہوگا۔ اگر کسی کے حق میں سیر ہونا مقدر ہے۔ تو جب تک وہ کھانے
پینے کی چیزیں نہ کھائے پیئیگا۔ تو کیسے سیر ہوگا۔ تمام امور دنیا و آخرت کا یہی حال ہے کہ ان کا
حصول اسباب و وسائل سے متعلق و وابستہ ہے۔ پس جو شخص تقدیر سابق پر بھروسا کر کے اعمال
آخرت کو چھوڑ بیٹھتا ہے تو اس کی مثال بالکل ایسی ہے۔ جیسے کوئی احمق اس خیال سے کہ جو مقسوم
ہے وہ ملجائیگا۔ کھانا۔ پینا۔ چلنا۔ پھرنا وغیرہ امور معاش اور تمام اسباب زندگی کو چھوڑ دے۔
اللہ سبحانہ نے بندوں کی فطرت اور طینت میں ان اسباب کے مہیا کرنے کی ہوس ڈالدی ہے
جن پر ان کی زندگی کا مدار اور انکی بنیادی ضرورتیں موقوف ہیں۔ یہ بات صرف نوع انسانی کے
ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ تمام حیوانات میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح دنیا
کے کاروبار وسائل اور اسباب کے ذریعے سر انجام پاتے ہیں۔ اسی طرح امور آخرت بھی اسباب و
ذرائع پر موقوف ہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ دونوں جہان کا مالک ہے اور اس نے اپنی حکمت
سے دونوں میں اسباب و وسائل بنا دئے ہیں۔ اور جس کو جس کے لئے بنایا ہے اس پر اس کے اسباب
و سامان بھی سہل و آسان کر دئے ہیں سو جب بندے کو یقین ہو کہ آخرت کے مدارج و مصالح ان اسباب
سے متعلق ہیں جن کے بہم پہنچانے سے انسان ان مدارج کو پاسکتا ہے وہ راحت دنیا کے اسباب
و سامان مہیا کرنے کی نسبت ان اسباب کے حاصل کرنے میں زیادہ کوشاں ہوگا۔ ان حضرات

صحابہ کرام سے جن کا مقولہ ہے کہ ہم بہ نسبت سابق اب زیادہ کوشش کرینگے۔ اس بات کو کما حقہ سمجھا تھا
جب آدمی کو یہ یقین ہو کہ اطاعت الٰہی سے اُسے نہایت خوبصورت عجیب باغ صاف ستھرے عمدہ مکانات
اور وہ نعمتیں اور لذت و آرام حاصل ہو سکتے ہیں جن میں رنج و تکلیف کا نام و نشان نہیں۔ تو وہ ضرور اُنکی
بجا آوری میں پورا پورا حریص اور ازحد ساعی ہوگا۔ اسی لئے ابو عثمان نہدی نے سلمان سے یہ کہا کہ مجھے
پہلی چیز یعنی حصول کی رغبت خوشی ہوتی ہے جو دوسری چیز یعنی تحصیل اسباب میں حاصل نہیں ہوتی۔ اس کی
وجہ یہ ہے کہ جب آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت بلا توسط اسباب ملے۔ تو اس کے ملنے میں
وہ خوشی حاصل ہوتی ہے جو اسباب کے بہم پہنچانے میں حاصل نہیں ہوتی۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل اور
جود سابق سے ہے۔ مومن کی یہ صفت ہے کہ اپنے کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے اور اس پر دل شاداں
و فرحاں رہے اور اپنے گھمنڈ کو چھوڑ دے۔ سلف صالحین میں سے ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں
یہ نہیں چاہتا کہ میرا معاملہ میرے نفس کے حوالہ ہو بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہو۔ میری بہتری
اس میں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تقدیر سابق اعمال آخرت کی طرف ترغیب لاتی اور اُن پر آمادہ
کرتی ہے نہ یہ کہ انکے برخلاف ہے اور اُن سے باز رکھتی ہے۔ یہ ایسا مسئلہ ہے۔ کہ اس میں بہت سے
لوگوں نے غلطی کھائی ہے اور اُن کے پاؤں پھسل گئے ہیں۔ جو شخص اسمیں ثابت قدم رہیگا انشاء اللہ
وہ جنت میں جائیگا اور جس کا پاؤں پھسلا وہ دوزخ میں جا گرا۔

تقدیر کے باب میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے امت کو ایسی دو باتیں تعلیم فرمائی ہیں جو انسان کی سعادت
کا باعث ہیں۔ اول ایمان بالقدر کہ توحید کا دارومدار اسی پر ہے۔ دوم اسباب کو عمل میں لانا جو شر سے
بچنے اور خیر حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور شریعت کا تمام نظام اسی سے وابستہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے توحید اور شرع دونوں کے نظام سے آگاہ فرما دیا ہے لیکن جو لوگ کم فہم ہیں یا تو سرے سے
تقدیر کا انکار کرکے توحید میں خلل انداز ہوئے[1] یا تقدیر کو مان کر اصول شریعت پر ہاتھ صاف کیا۔ اور
اُن کی کم عقلیں جو نور الٰہی سے محروم ہیں اُن دونوں امور کو نہ سمجھ سکیں جن کی تمام انبیا علیہم السلام
نے تعلیم فرمائی ہے یعنی تقدیر اور شریعت کو ماننا جس کو خلق اور امر بھی کہتے ہیں تمام آسمانی مذاہب کا
متفقہ مسئلہ ہے وَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ
مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (تو آخرکار) وہ راہ حق جس میں لوگ اختلاف کر رہے تھے خدا
نے اپنی عنایت سے مسلمانوں کو دکھا دی اور اللہ جس کو چاہے راہ راست دکھائے۔

[1] کہ انسان کو قادر و متصرف مطلق سمجھا ۱۲

اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں چیزیں یعنی شریعت و تقدیر پر مستقیم و ثابت قدم رہنے کی نہایت تاکید فرمائی ہے اور آپ کو اس کی نہایت حرص تھی چنانچہ آپ کا ارشاد "اُن چیزوں کی حرص کر جو تجھے نافع ہوں اور خدا سے مدد طلب کر اور عاجز مت ہو" پہلے بیان ہو چکا ہے عاجز وہی ہے جو تقدیر و شرع پر مستقیم نہ ہو +

آٹھواں باب

اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ (بیشک جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے اُنکی تقدیر میں پہلے سے بھلائی لکھی جا چکی ہے وہ دوزخ سے دور ہی دور رکھے جائینگے)

اس مضمون کی حدیثیں اوپر گذر چکی ہیں کہ اہل سعادت اللہ تعالیٰ کے اپنے ہاتھ میں تھے اور اُنکے مخلوق ہونے سے پہلے اُن کے نام مع ولدیت دفتر سعدا میں لکھے جا چکے ہیں +

صحیح حاکم میں حسین بن واقد کی حدیث اس طرح مروی ہے کہ وہ یزید نحوی سے وہ عکرمہ سے وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیہ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ (تم اور جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے تھے وہ سب دوزخ کا ایندھن بنینگے) نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا کہ ملائکہ عیسیٰ اور عزیرؑ خدا کے سوا معبود ہیں۔ تو کیا یہ بھی دوزخ میں جھونکے جائینگے۔ تو اُن کے جواب میں آیہ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ نازل ہوئی۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے +

علی بن مدینی نے کہا ہے ہم سے یحییٰ بن آدم نے بیان کیا کہا ہم سے ابو بکر بن عیاش نے وہ عاصم سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے ابو رزین نے بتایا وہ ابو یحییٰؒ سے وہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ قرآن مجید میں ایک ایسی آیت ہے کہ اُس کا مضمون تفسیر طلب ہے لیکن لوگ دریافت نہیں کرتے۔ یہ دو وجہ سے خالی نہیں۔ یا تو اُن کو اُس کا مطلب معلوم ہے۔ اس وجہ سے استفسار نہیں کرتے یا اُس سے بے خبر ہیں۔ اس لئے انہیں اُس کے پوچھنے کا خیال نہیں۔ لوگوں نے کہا آپ فرمائیں وہ کونسی آیت ہے ابن عباسؓ نے کہا جب اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ اَنْتُمْ لَھَا

وَارِدُوْنَ ه (تم اور جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو (وہ سب) دوزخ کا ایندھن ہونگے۔ اور (تم سب کو دوزخ میں جانا ہوگا) نازل ہوئی۔ تو قریش (یا اہل مکہ) پر یہ نہایت شاق گذرا اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے ٹھاکروں کو گالیاں دیتا ہے۔ ابن زبعری نے جب یہ چرچا سنا تو پوچھا کیا بات ہے۔ قریش بولے ارے یہ ٹھاکروں کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ پوچھا کیا کہتا ہے کہنے لگے یہ کہتا ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ ه ابن زبعری نے کہا محمدؐ کو میرے پاس لاؤ۔ جب آپ تشریف لائے تو اُس نے پوچھا اے محمد صلعم کیا یہ حکم خاص کر ہمارے معبودوں کے لئے ہے یا اللہ کے سوا جتنے معبود ہیں سب کو شامل ہے۔ آپ نے فرمایا سب کو شامل ہے۔ ابن زبعری بولا اے محمدؐ مجھے رب کعبہ کی قسم تم جھگڑے کی بات کہتے ہو۔ کیا تم اسکے قائل نہیں کہ ملائکہ اور عیسےٰ اور عزیرؑ اللہ کے نیک بندے ہیں۔ تم یہ بھی جانتے ہو۔ کہ قبیلۂ بنی ملیح ملائکہ کو اور نصاریٰ عیسےٰؑ کو اور یہود عزیرؑ کو پوجتے ہیں (تو اب تمہارے کہنے کے مطابق یہ سب آگ میں جھونکے جائینگے) اتنے پر اہل مکہ میں ایک شور و غوغا مچ گیا۔ تو اللہ عزوجل نے اُن کے جواب میں آیت اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ه لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا (بیشک جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے (اُن کی تقدیر میں) پہلے سے بھلائی لکھی جاچکی) ہے وہ دوزخ سے دور (ہی) دور رکھے جائینگے اُس کی بھنک بھی تو اُنکے کانوں میں نہیں پڑیگی) نازل فرمائی۔ اور نیز یہ آیت وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ یَصِدُّوْنَ (اور اے پیغمبر! جب مریم کے بیٹے (مسیح) کی مثال بیان کی گئی تو بس تمہاری قوم کے لوگ اُس (کو سُن کر ایک دم) سے کھِل کھلا پڑے) نازل ہوئی ۔

ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ صدیدے[1] شور و غوغا مراد ہے غور سے دیکھا جائے تو ابن زبعری کا یہ اعتراض آیت پر وارد نہیں ہوتا۔ اُس نے کم فہمی سے یہ اعتراض پیش کیا۔ اللہ سبحانہ نے تو وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فرمایا ہے نہ وَمَنْ تَعْبُدُوْنَ۔ اور کلمۂ مَا غیر ذوی العقول پر بولا جاتا ہے پس ملائکہ عیسےٰؑ اور عزیرؑ سرے سے اس میں داخل ہی نہیں۔ یہ آیت تو پتھر کے بتوں وغیرہ اُن چیزوں کے حق میں ہے جو عقل نہیں رکھتیں۔ اس کے علاوہ یہ سورت مکے میں نازل ہوئی۔ اور اس میں بُت پرستوں کو مخاطب بناکر اللہ تعالےٰ نے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ فرمایا ہے لفظ اِنَّكُمْ اور کلمۂ مَا کو لحاظ کرنے سے ابن زبعری کا سوال بالکل بیجا اور غلط ٹھیرتا ہے لیکن چونکہ وہ اہل زبان ہے۔ اور اس بات کو وہ بھی

[1] لفظ یصدون جو آیت میں مذکور ہے۔ صدید اس کا ماخذ و مصدر ہے ۱۲ مترجم

سمجھتا ہے تو پھر اُس سے سوال کرنے کی کوئی اور وجہ ہے وہ یہ کہ اُس نے علت و سبب عام کو عام سمجھ کر ملائکہ، عیسیٰؑ
اور عزیرؑ کو اپنے معبودوں (بتوں) پر قیاس کیا یعنی اگر سوائے خدا کے معبود ہونا آگ میں جھونکا جانے کی علت
اور سبب ہے تو یہ بات بعینہٖ ملائکہ عیسیٰؑ عزیرؑ میں موجود ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایسا جواب بیان فرمایا جس
سے بتوں اور ملائکہ عیسیٰؑ و عزیرؑ کے درمیان تین وجوہ سے فرق ظاہر ہوتا ہے اور انکو بتوں پر قیاس کرنا
صریح غلطی ہے۔ (۱) یہ کہ ملائکہ عیسیٰؑ اور عزیرؑ کے لئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سعادت لکھی گئی ہے
اور وہ اہل سعادت یعنی اہل جنت ہیں انہوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے وہ دوزخ کے سزاوار ہوں۔ اور نیز
وہ اپنے پرستش کرنیوالوں کے اس فعل سے ناخوش اور اُن سے عداوت رکھتے تھے اس لئے وہ انکے اس
فعل سے معذب نہیں ہونگے۔ پس بتوں اور ان کو برابر ٹھیرانا بیع اور ربا اور ذبح کئے ہوئے حلال جانور
اور مُردار کے یکساں قرار دینے سے زیادہ قبیح اور بُرا ہے۔ اہل باطل کا یہی شیوہ ہے کہ جن چیزوں میں
شریعت عقل اور فطرت نے فرق کیا ہے اُن کو تو برابر سمجھتے اور جن کو اللہ و رسول نے یکساں ٹھیرایا ہے
اُن میں فرق نکالتے ہیں۔ (۲) یہ کہ بُت جمادات کی قسم سے ہیں۔ ان میں حس و حرکت اور جان نہیں اور
نہ وہ مکلف ہیں۔ سو ان کو اگر ان کی اور نیز ان کے پوجنے والوں کی اہانت کے لئے آگ میں ڈالا جائے
تو یہ انوکھی بات نہیں کہ غیر مستحق عذاب کو عذاب دیا گیا بخلاف ملائکہ، عیسیٰؑ اور عزیرؑ کے کہ وہ ذی روح اور صاحب
حیات ہیں۔ اگر ان کو آگ میں ڈالا جائے تو یہ انکی تعذیب و تکلیف بے جا ہے۔ (۳) یہ کہ ملائکہ عیسیٰؑ
اور عزیرؑ کے پوجنے والے درحقیقت اُن کے پرستار نہ تھے کیونکہ ان بزرگواروں نے کبھی ان کو
اپنی پرستش کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ وہ مشرکین جو بزعم خود ان کو پوجتے تھے۔ وہ دراصل شیطان کے پجاری
تھے۔ وہ اپنے زعم میں اُس کے پرستار ..... جو خدا کے ساتھ معبودیت کا دعوے رکھتا اور اُس کی
[illegible] بنتا تھا۔ ملائکہ عیسیٰؑ اور عزیرؑ تو اس دعوے سے بری اور بیزار تھے البتہ شیاطین اُس کے مدعی
تھے تو وہ شیاطین کے پرستار ہوئے نہ ان بزرگواروں کے۔ اس کے علاوہ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ
ہمارے معبود ہماری عبادت سے خوش ہوتے ہیں سو یہ بزرگوار تو ان کے اس فعل سے ازحد ناخوش
تھے۔ ہاں شیطان ضرور ان سے خوش تھا تو وہی ان کا معبود ہوا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا
ہے وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ
قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ
بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ۵ (ترجمہ) لوگو اُس دن کو پیش نظر رکھو جب کہ خدا سب لوگوں کو جمع کریگا اور جمع
کرنے کے پیچھے فرشتوں سے پوچھیگا کیا (آدم زاد) تمہاری ہی پرستش کیا کرتے تھے۔ اور تم اس سے

رضامند تھے) وہ عرض کرینگے کہ (خدایا) تو پاک ہے ہم تو تجھ سے سروکار رکھتے تھے نہ اُن سے (ہماری نہیں)
بلکہ (یہ لوگ حقیقت میں) شیاطین کی پرستش کیا کرتے تھے (یعنی) اُن کے بہکانے میں آگئے اور) ان
میں اکثر انہیں کے معتقد تھے) اور دوسری جگہ فرمایا ہے اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ
لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ (اے اولاد آدم کیا ہم نے تم کو تاکید نہیں کر دی تھی کہ شیطان کی پرستش
نہ کرنا)۔ اور مقام میں فرمایا ہے وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ
لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ
اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ (اور بعض کافر
کہتے ہیں کہ (خدائے) رحمان بیٹیاں رکھتا ہے یعنی فرشتے اُس کی بیٹیاں ہیں اُس کی ذات (اس تہمت
سے) پاک ہے (فرشتے خدا کی بیٹیاں نہیں) بلکہ (اُس کے) معزز بندے ہیں۔ اُس کے آگے بڑھ کر
بات نہیں کر سکتے۔ اور وہ اسی کے حکم پر کاربند رہتے ہیں۔ ان کا اگلا پچھلا (سب) حال اس کو معلوم ہے
اور یہ (فرشتے) کسی کی سفارش (تک) نہیں کر سکتے مگر جن کے حق میں خدا اُن کی سفارش پسند فرمائے
اور وہ اس کے جلال سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں اور (بالفرض) جو اُن میں سے یہ دعوے کرے
کہ خدا نہیں (بلکہ) میں معبود ہوں تو یہ (فرشتہ مردود بارگاہ ہے) اُس کو ہم جہنم کی سزا دینگے (اور ظالموں
کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں) ان آیات سے ثابت ہوا کہ جو لوگ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں
شیطان کو پوجتے ہیں ۔

ابن زبعری کے شبہ کے جواب میں جسقدر وجوہ ہم نے ذکر کئے ہیں یہ سب اِنَّ الَّذِيْنَ
سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى الآیہ سے مستفاد ہوتے ہیں اگر خدا توفیق دے تو آیت کے الفاظ
میں غور کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ یہاں حسنی سے وہی حسنی مراد ہے جو اہل سعادت کے لئے اُن
کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہو چکی ہے ۔

عبدالرحمن بن ابی حاتم نے کہا ہے ہم سے ابوسعید بن یحیی بن سعید نے بیان کیا ہم سے ابو عامر عقدی
نے کہا ہم سے عروہ بن ثابت انصاری نے کہا ہم سے زہری نے کہا وہ ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف
روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف ایک سخت بیمار ہوئے کہ غشی آگئی جب ہوش آئی تو پوچھا
کیا مجھے غشی آگئی تھی۔ لوگوں نے جواب دیا ہاں۔ عبدالرحمن نے کہا اس غشی کی حالت میں کیا دیکھتا ہوں
کہ دو سخت مزاج آدمی میرے پاس آئے (اور) میرا ہاتھ پکڑ کر کہتے ہیں چلو عزیز امین کے پاس تمہارا مقدمہ

پیش کرتے ہیں اور مجھے ساتھ لیکر روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک آدمی ملا اُس نے پوچھا اسے کہاں لے جاتے ہو۔ اُنھوں نے کہا عبدالعزیز بن ۔۔۔ کے پاس اس کا مقدمہ پیش کرتے ہیں۔ اُس نے کہا اسے چھوڑ دو یہ اُن لوگوں میں سے ہے جن کے لئے شکم مادر میں سعادت مقدر ہو چکی ہے۔

عبید اللہ بن محمد بغوی نے کہا ہم سے داؤد بن رشید نے بیان کیا ہم سے ابن علیہ نے کہا مجھ سے محمد بن محمد قرشی نے وہ عامر بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ سعد کہیں اپنے کھیتوں میں گئے ہوئے تھے وہاں سے واپس آئے۔ تو لوگوں کو دیکھا کہ ایک آدمی کے پاس بیٹھے ہیں۔ آگے ہو کر دیکھا۔ تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ وہ حضرت طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ اور حضرت علیؓ کو گالیاں دے رہا ہے۔ عبد الرحمٰنؓ نے اُسے منع کیا وہ اور زیادہ بکنے لگا۔ تو عبد الرحمٰن نے کہا کمبخت۔ تو ایسے لوگوں کو گالیاں دیتا ہے جو تجھ سے کہیں بہتر تھے۔ تم اِس ناشائستہ حرکت سے باز آؤ ورنہ میں تجھ پر بددعا کرتا ہوں۔ وہ بولا کیا تم نبی ہو جو مجھے یہ دھمکی سناتے ہو۔ غرض اس کے بعد سعدؓ گھر میں آئے۔ اور وضو کر کے مسجد میں گئے اور یہ کلمات کہے۔ اے اللہ اگر اس نے ایسے لوگوں کو برا کہا ہے جن کے حق میں تیری طرف سے سعادت مقرر ہو چکی ہے اور اس کی بدگوئی تیری ناراضگی کا باعث ہے۔ تو آج مجھے وہ نشانی دکھلا جس کو سب مسلمان دیکھ لیں۔ اور کہا کہ فلاں مکان سے ایک بختی اونٹ نکلے جسے راستے میں کوئی چیز نہ ہٹا سکے اور سیدھا اس پر آئے جس سے لوگوں کا مجمع متفرق ہو اور وہ اسے اپنے پاؤں کے نیچے کچل ڈالے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا۔ کہ لوگ سعد کے پیچھے پیچھے جاتے ہوئے یہ کہتے تھے۔ کہ اے ابو اسحاق اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا۔ (اور اللہ (کی راہ) میں کوشش کرو جیسا کہ اس (کی راہ) میں کوشش کرنے کا حق ہے اسی نے تم کو (دنیا کے لوگوں میں سے) انتخاب فرمایا اور دین (کے بارے) میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی (تمہارے لئے وہی) دین (تجویز کیا جو) تمہارے باپ ابراہیم کا (تھا) انہی (خدا) نے (اگلی کتابوں میں) پہلے سے تمہارا نام مسلمان رکھا (یعنی فرماں بردار بندے) اور اس (قرآن) میں (بھی))۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور نیز قرآن مجید سے پہلے تمہارا نام مسلمان مقرر فرمایا ہے معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ نے مسلمانوں کے اسلام لانے بلکہ ان کے پیدا ہونے سے پہلے ان کا نام مسلمین ٹھیرایا ہے۔ دوسرے مقام میں وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ۝ وَ

اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ ۝ (اور اپنے (خاص) بندوں (یعنی) پیغمبروں کے حق میں ہمارا پہلے ہی) ارشاد ہو چکا ہے کہ (ہمارے ہاں سے) بیشک اُن ہی کو مدد ہوتی ہے اور بیشک ہمارا لشکر (اسلام) ضرور غالب آکر رہیگا۔ اور آیت وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (اور ایمان والوں کو خوشخبری سنادو کہ اُن کے پروردگار کی بارگاہ میں انکی بڑی پایگاہ ہے) کی تفسیر میں بروایت والبی ابن عباسؓ سے مروی ہے کہا کہ اُن کے لیئے لوح محفوظ میں سعادت مقرر ہو چکی ہے اور یہ اس شخص کے قول کے مخالف نہیں ہے جو کہتا ہے کہ قدم صدق سے وہ اعمال صالحہ مراد ہیں جو دُنیا میں کمائے ہیں اور نہ اُس کے خلاف ہے جو قدم صدق سے جناب رسُول کریم صلے اللہ کی ذات بابرکات مراد لیتا ہے یہ سب صحیح ہیں اور مطلب ایک ہے کہ اُنکے لئےؔ لوح محفوظ میں یہ مقدر ہو چکا ہے کہ وہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لاکر اعمال صالحہ کرینگے یہی اُن کی سعادت ہے جو اللہ تعالے کی طرف سے پیشتر اُنکے حق میں مقدر ہو چکی ہے۔ اور آنحضرت کے وجود سے وہ ظہور میں آئی۔ اور قیامت میں اس کا ثمرہ مرتب ہوگا۔

اللہ تعالی نے فرمایا ہے لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (اگر خدا (کے ہاں) سے (تمہارے اس قصور کی معافی کا) حکم تحریری پہلے سے (نافذ) نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے (بدر کے قیدیوں سے اُنکے چھوڑ دینے کے بدلے میں) لیا ہے اس (قصور کی سزا میں) ضرور تم پر بڑا ہی عذاب نازل ہوتا)۔

کتاب سابق میں سلف صالحین کا اختلاف ہے جمہور مفسرین سلف اور خلف کا یہ قول ہے کہ یہ آیت اہل بدر کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پہلے سے لوح محفوظ میں یہ حکم نہوتا کہ مال غنیمت تمہارے لئے حلال ہے تو قیدیان بدر کا فدیہ لینے میں تم پر ضرور عذاب آتا۔ بعض نے کہا ہے یہ مطلب ہے کہ اگر پیشتر سے یہ حکم نہوتا کہ اللہ تعالی اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں کرتا۔ تو ضرور تم پر عذاب نازل ہوتا۔

بعض کا یہ قول ہے کہ اگر پہلے سے اللہ تعالے کا یہ حکم نہ ہوتا کہ اہل بدر مغفور ہیں گو اُن سے کوئی قصور بھی ہو جائے۔ تو قیدیان بدر کا فدیہ لینے پر اُن کو عذاب میں گرفتار کرتا۔ بعض کا یہ قول ہے اور یہی سب ٹھیک ہے۔ کہ یہ جملہ امور اگر پہلے سے مقدر نہ ہوتے تو جو کچھ تم نے قیدیان بدر سے لیا ہے۔ اُس کی سزا میں ضرور تم پر عذاب نازل ہوتا۔ واللہ اعلم۔

لے یعنی ان صحابہ کے حق میں نازل ہوئی ہے جو غزوہ بدر میں شریک تھے ۱۲

نواں باب

اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ (ہم نے تمام چیزوں کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے)

کی تفسیر میں ہے سفیان نے بروایت زیاد بن اسمٰعیل مخزومی کہا ہے کہ ہم سے محمد بن عباد بن جعفر نے کہا ہم سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ کہا کہ مشرکین قریش تقدیر کے مسئلہ میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے لئے آئے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۔ اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (بیشک گناہگار لوگ، گمراہی میں (پڑے) ہیں اور (آخرکار) جہنم میں (جائینگے) جس دن انکو انکے منہ کے بل (دوزخ کی) آگ میں گھسیٹا جائیگا اور اُن سے کہا جائیگا کہ اب (تن بدن میں) دوزخ (کی آگ) کے لگنے کا مزہ چکھو) اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے ۔

دارقطنی نے حبیب بن عمرو انصاری کی حدیث کو روایت کیا ہے ۔ جسے وہ اپنے باپ سے اسطرح روایت کرتے ہیں۔ کہا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ تو ایک پکارنیوالا یہ کہیگا کہ اللہ سے خصومت کرنیوالے یعنی فرقہ قدریہ آج کہاں ہیں لیکن دارقطنی نے کہا ہے کہ حبیب راوی حدیث کا حال معلوم نہیں ہوا کہ وہ کیسا شخص ہے۔ اور حدیث کی سند میں بھی اختلاف ہے اور اس کی کوئی صحیح سند نہیں ۔

تقدیر میں خصومت کرنیوالے دو طرح کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے قضاء و قدر کی وجہ سے اس کے امر و نہی کو بیکار ٹھیراتے ہیں۔ چنانچہ مشرکین کہتے تھے۔ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا (اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ (دادا ایسا کرتے)) دوسرے وہ جو قضاء و قدر سابق کے منکر ہیں یہ دو نوں گروہ تقدیر کے باب میں حکم الٰہی ۔ کے مخالف ہیں ۔

عوف کا قول ہے جو تقدیر کا منکر ہے وہ اسلام کا منکر ہے۔ بیشک اللہ تبارک و تعالیٰ نے تقادیر کو مقدر فرمایا ہے ۔ پیدائش خلق تعیین اعمار تقسیم ارزاق۔ آرام و تکالیف کا بانٹنا۔ اور امر و نہی یہ سب کچھ تقدیر سے ہے ۔ امام احمد بن حنبل کا مقولہ ہے ۔ کہ تقدیر سے اللہ تعالےٰ کی قدرت ثابت ہوتی ہے ۔ ابن عقیل نے کہا ہے کہ امام احمد کا یہ مقولہ نہایت ہی درست ہے اور اس سے ثابت

ہوتا ہے کہ امام مذکور اصول دین کے سمجھنے میں بڑا پایہ رکھتے اور اس میں بڑے متبحر تھے۔ اور ابو وفا کا بھی ایسا ہی قول ہے کیونکہ تقدیر کا انکار درحقیقت اسی بات کا انکار ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کو بندوں کے اعمال پیدا کرنے۔ اُن کے لکھنے اور مقدر کرنے کی قدرت نہیں ۔

متقدمین فرقہ قدریہ اس بات کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کو اعمال عباد کا علم نہیں سلف صالحین بالاتفاق اُن کو کافر کہتے تھے انشاء اللہ ہم اسے عنقریب ذکر کرینگے ۔

علی بن ابیطلحہ کی تفسیر میں اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَآءُ (خدا سے تو اُس کے وہی بندے ڈرتے ہیں (جو خدا کے آثار قدرت کا علم رکھتے ہیں) کے ذیل میں ابن عباسؓ کا یہ قول مذکور ہے کہ علماء وہ ہیں جو اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے) کے قائل ہیں۔ اس سے ابن عباس کے کمال علم۔ قرآن فہمی۔ اسماء و صفات الٰہی کی معرفت کا پورا پتہ چلتا ہے۔ اکثر اہل کلام گو اس جملے کے مقر ہیں لیکن اس کا پورا پورا مطلب ادا نہیں کرتے۔ جیسے منکرین تقدیر وہ تو پورے طور پر اس کا اقرار ہی نہیں کرتے۔ اور جو لوگ افعال رب قائم بالذات کے منکر ہیں وہ بھی پورے طور پر اس کا اقرار نہیں کرتے۔ بلکہ وہ صاف کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کو کسی ایسے کام پر قدرت نہیں جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہو۔ اور جو لوگ اس بات کے پورے طور پر مقر نہیں کہ اللہ سبحانہ ہر روز ایک نئے شان میں ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے وہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے) کے کب قائل ہیں۔ اور نیز جو لوگ اس بات کے قائل نہیں کہ بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے بیچ میں انہیں جس طرح چاہے پھیرتا ہے اور اللہ سبحانہ حقیقۃً مقلب القلوب ہے۔ اگر وہ کسی دل کو سیدھا رکھنا چاہے تو اُسے سیدھا رکھتا ہے اور اگر اُسے ٹیڑھا رکھنا چاہے تو اُسے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔ وہ بھی اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے) کے قائل نہیں اور ایسے ہی جو لوگ اس بات کے قائل نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کے پیدا کرنے کے بعد عرش پر مستوی ہوا اور وہ ہر رات پہلے آسمان پر نزول کر کے فرماتا ہے کوئی ایسا ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں کوئی ایسا ہے جو مجھ سے گناہوں کی معافی چاہے تو میں اُسے بخشدوں۔ اور اس نے درخت کے پاس آ کر موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور قیامت سے پہلے جب زمین خالی ہو جائیگی تو وہ زمین پر نزول فرمائیگا۔ اور قیامت کے دن تشریف لا کر بندوں کے معاملات کا فیصلہ کریگا۔ اور ہنستا ہوا اُن کے سامنے جلوہ فرما ہوگا۔ اور اُن کو اپنی ذات پاک کے دیدار سے مشرف فرمائیگا۔ اور اپنا پاؤں جہنم پر رکھیگا جس سے

وہ جوش میں آئیگی۔ اور اہل دوزخ شناسا ہونگے اُن کے سوا اُس سے لیے اور افعال و مشیّوں کے قائل نہیں تو وہ بھی اُس سے ہر چیز پر قادر ہونے کے قائل نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کہ اہل علم وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ہر چیز پر قادر ہونے کے قائل ہیں نہایت درست اور صحیح ہے۔ ابن عباس اور ابن عمر بھی اور دیگر صحابہ فرقہ قدریہ کے سخت مخالف تھے۔ انشاء اللہ ہم اس کو عنقریب ذکر کرینگے ✤

دسواں باب

قضا و قدر کے اُن مراتب کا بیان کہ جو شخص اُن کو نہیں مانتا تو وہ در اصل قضا و قدر کا منکر ہے

قضا و قدر کے چار مرتبے ہیں۔ مرتبہ اول اللہ سبحانہ کا علم یعنی تمام چیزیں اپنی ہستی سے پہلے اُسے معلوم ہیں۔ دوسرا مرتبہ کتابت کا یعنی اُن کی ہستی سے پہلے اُن کو لکھنا۔ تیسرا مرتبہ مشیت و ارادہ کا یعنی ایجاد کا ارادہ فرمانا۔ چوتھا خلق و ایجاد کا یعنی ان کو پیدا کرنا۔

مرتبہ اول یعنی اللہ سبحانہ کا علم سابق سو اس پر آدم ع سے لیکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیا علیہم السلام صحابہ کرام اور تابعین بغیرہ وہ لوگ جو اُن کے پیرو ہیں سب اس بات پر متفق ہیں کہ تمام اشیاء اپنے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔ اُن کے پیدا کرنے سے پہلے اُن سب کو لکھ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (اور اے پیغمبر لوگوں سے اُس وقت کا تذکرہ کرو) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں (اپنا ایک) نائب بنانیوالا ہوں (تو فرشتے) بولے تو کیا زمین میں ایسے شخص کو (نائب) بناتا ہے جو اُس میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے اور (بناتا ہے تو ہم کو بنا کہ) ہم تیری حمد (و ثنا) کے ساتھ تیری تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں (خدا نے) فرمایا میں وہ مصلحتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) ✤

مجاہد نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ شیطان اس کی نافرمانی کریگا۔ اور اُس کو اسی واسطے پیدا کیا۔ قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اس خلیفہ کی نسل میں انبیاء۔ رسول صلحاء اور ایسے لوگ پیدا

دینگے جو آخرت کو جنت میں بسینگے ۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں بَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کا مطلب ہے کہ شیطان کی نسبت مجھے وہ علم ہے جو تم کو حاصل نہیں ۔ مجاہدؒ کا یہی قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ شیطان آدمؑ کو سجدہ نہ کریگا ۔ دوسرے مقام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۔ (بیشک اللہ ہی ہے جس کو قیامت (کے آنے) کا علم ہے اور وہی ایک وقت مقرر پر جس کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا مینہ برساتا اور (نر و مادہ) جو کچھ (ماؤں کے) پیٹ میں ہے (وہی) اس کو (بھی) جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ (وہ خود) کل کیا کریگا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کس زمین میں مریگا ۔ بیشک اللہ ہی (سب باتوں کا) جاننے والا باخبر ہے) ۔

مسند میں لقیط بن عامر سے مرفوعاً مروی ہے کہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اے رسول خدا کیا آپ کو کچھ علم غیب ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے غیب کی پانچ چیزیں خاص اپنی ذات کے لئے رکھی ہیں ۔ اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا ۔ اور آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے پانچ کا اشارہ فرمایا ۔ لقیط نے پوچھا وہ کیا ہیں ؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ کو تم میں سے ہر ایک کے مرنے کا وقت معلوم ہے اور تم اُسے نہیں جانتے ۔ نطفہ جب رحم میں ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ کو اس کی تمام حالت معلوم ہوتی ہے اور تمہیں اس کی ذرہ خبر نہیں ۔ اللہ تعالےٰ کو یہ بھی معلوم ہے کہ کل کیا ہوگا یہاں تک کہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تو کل کیا کھائیگا ۔ اور تمہیں معلوم نہیں ۔ اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ بارش کس روز ہوگی ایسا باراں کے وقت جب تم بیقرار ہوتے ہو تو وہ اس سبب سے ہنستا ہے کہ اُسے معلوم ہے کہ عنقریب بارش ہونیوالی ہے ۔ اور یہ لوگ ایسے بیقرار ہو رہے ہیں ۔ اس پر لقیط نے کہا وہ رب تعالےٰ جو خنداں ہے اُس سے ہمیں سب بھلائیوں کے ملنے کی اُمید ہے ۔ آپ نے فرمایا نیز اللہ تعالےٰ کو قیامت کا وقت معلوم ہے ۔

حضرت علیؓ کی وہ حدیث جس کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے یعنی تم میں سے ہر ایک جی کی نسبت اللہ تعالےٰ کو معلوم ہے کہ اُس کا ٹھکانا بہشت میں ہوگا یا دوزخ میں پہلے گذر چکی ہے ۔ بزار نے کہا ہے ہم سے محمد بن عمر بن ہیاج کوفی نے بیان کیا ہم سے عبید اللہ بن موسیٰؒ نے کہا ہم سے فضیل بن مرزوق نے وہ عطیہ سے وہ ابو سعید سے وہ پیغمبر خدا سے اسطرح روایت کرتے ہیں کہ مجھے غالب ظن ہے ۔ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب یہ تین آدمی یعنی وہ شخص جو کسی نبی کا زمانہ پانے سے پہلے مر گیا ۔ دیوانہ اور خورد سال بچہ بارگاہ الٰہی میں پیش کئے جائینگے ۔ تو ان میں سے اول الذکر شخص یہ عذر پیش کریگا ۔ کہ میرے پاس کوئی رسول اور کتاب نہیں پہنچی ۔ دیوانہ کہیگا اے اللہ تو نے مجھے عقل نہیں دی تھی جس سے

میں نیک و بد کی تمیز کرتا۔ اور بچہ عرض کریگا۔ اے میرے رب مجھے عمل کرنیکا وقت نہیں ملا۔ میں اس سے پہلے ہی فوت ہوگیا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ پھر اُنکے سامنے آگ پیش کی جائیگی اور حکم ہوگا کہ اس میں داخل ہو جاؤ۔ سو وہ شخص جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ اگر وہ عمل کا موقع پاتا۔ تو اہل سعادت سے ہوتا۔ اس آگ میں داخل ہو جائیگا۔ اور جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ وہ عمل کا موقع پانے پر شقی ہوگا وہ آگ میں داخل ہونے سے انکار کریگا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیگا تم نے میرے سامنے میری نافرمانی کی ہے تو میرے رسولوں کو غائبانہ طور پر تم کیسے مانتے ؟

صحیحین میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا ہے کہ ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر کافر ماں باپ اُس کو یہودی۔ نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ کیا تم مویشیوں کو نہیں دیکھتے کہ اُنکے بچے صحیح و سالم پیدا ہوتے ہیں۔ اُن میں کوئی کان کٹا نہیں ہوتا۔ بلکہ تم خود اُن کے کان کاٹتے ہو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کفار کا جو چھوٹا بچہ مر جائے اُس کا کیا حال ہے۔ آپ نے فرمایا بڑے ہو کر جو کچھ وہ کرتے اللہ تعالےٰ کو خوب معلوم ہے ؟

ایک دوسرے مقام میں فرمایا ہے اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (اے پیغمبر) بھلا تم نے اُس شخص (کے حال) پر بھی نظر کی جس نے اپنی خواہش (نفسانی) کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور علم رکھتے ساتھ اللہ نے اُسے گمراہ کر دیا ہے) ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کے پیدا کرنے سے پہلے معلوم تھا۔ کہ فلاں فلاں کام اس سے ظہور میں آئینگے۔ نیز یہ کہا ہے کہ یہاں علم سے اللہ تعالےٰ کا علم سابق مراد ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ پہلے سے جو کچھ لوح محفوظ میں ثبت ہو چکا ہے وہ مراد ہے ؟

سعید بن جبیر اور مقاتل کا یہ قول ہے کہ اُس خاص شخص کی نسبت اللہ تعالیٰ کا علم مراد ہے۔ ابو اسحاق نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کے پیدا کرنے سے پہلے معلوم تھا کہ وہ گمراہ ہوگا اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے ثعلبی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کا خاتمہ معلوم تھا۔ یہ بھی کہا ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کے پیدا کرنے سے پہلے معلوم تھا کہ وہ گمراہ ہوگا۔ بغوی نے بھی ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ ابو الفرج بن جوزی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم تھا کہ ہدایت نہیں پائیگا۔ ایک اور گروہ نے جن میں مہدوی بھی شامل ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں دو قول ذکر کئے ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالےٰ کو معلوم تھا کہ وہ مستحق ہدایت نہیں۔ دوم یہ کہ بت پرست کو یہ معلوم تھا کہ بت اُسے کچھ نفع و ضرر نہیں دے سکتے۔ پہلی صورت میں عَلٰى عِلْمٍ فاعل کی صفت ہے یعنی اللہ تعالےٰ کو پہلے سے معلوم تھا کہ وہ

اہلِ ضلال سے ہے اس لئے اُسے گمراہ کیا۔ دوسری صورت میں مفعول کی صفت ہے یعنی کافر کہ معلوم تھا کہ وہ غلطی پر ہے (کیونکہ جب یاد نہ آیا) تو اللہ تعالیٰ نے اُسے گمراہ ٹھہرایا۔ میں کہتا ہوں پہلی صورت میں یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو گمراہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کو اُس کے پیدا کرنے سے قبل اور اُس کے بعد اس کے سب اقوال کا علم تھا۔ اور یہ بھی علم تھا کہ کونسی چیز اُس کے حال کے مناسب لائق اور کونسی چیز اس کے مناسب نہیں اور یہ کہ وہ اہلِ ضلال سے ہے ہدایت پانے کے قابل نہیں۔ اور اگر اُسے ہدایت کرتا۔ تو ایک نااہل اور غیر مستحق کو شرف ہدایت عطا ہوتا۔ چونکہ باری تعالیٰ حکیم ہے۔ اس لئے ہر ایک چیز کو اس کے مناسب مقام میں رکھتا ہے۔ اس قول کے مطابق آیت مذکورہ سے تقدیر اور اس حکمت کا بھی ثبوت معلوم ہوتا ہے جس کی وجہ سے اُس کے حق میں گمراہی مقدر ہوئی۔ صفت علم کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ اُسی کے ذریعے تمام چیزوں کی حقیقتیں معلوم و منکشف ہوتی ہیں۔ اور ہر ایک چیز کو اُس کے مناسب مقام میں رکھنا۔ مستحق چیز کو نیز عطا فرمانا اور غیر مستحق کو محروم رکھنا یہ سب کچھ بغیر علم نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اُن حالات کا علم تھا جو اس کی گمراہی کے مناسب اور اُس کے مقتضی و مستدعی تھے اس لئے اُسے گمراہ ٹھیرایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن مجید میں متعدد جگہ ذکر فرمایا ہے اور بتلا دیا ہے کہ کافر کو اسی نے گمراہ کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ اُسے راہ راست دکھائے اُس کے سینے کو (قبول) اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس شخص کو چاہتا ہے کہ اُسے گمراہ کرے اس کے سینے کو تنگ (اور) بھنچا ہوا کر دیتا ہے گویا اُس کو آسمان میں چڑھنا پڑتا ہے جو لوگ ایمان نہیں لاتے اُن پر اسی طرح اللہ کی پھٹکار پڑتی ہے)۔

دوسرے مقام میں فرمایا ہے۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (ایسی ہی مثال سے خدا بہتیروں کو گمراہ کرتا۔ اور ایسی ہی مثال سے بہتیروں کو ہدایت دیتا ہے لیکن اس سے گمراہ کرتا بھی ہے (تو) بدکاروں ہی کو جو پکا کئے پیچھے خدا کا عہد توڑ دیتے اور جن (تعلقات) کے جوڑے رکھنے کو خدا نے فرمایا اُن کو قطع کرتے اور ملک میں فساد پھیلاتے ہیں یہی لوگ (آخرکار) نقصان اُٹھائینگے)۔

ایک اور مقام میں فرمایا ہے وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (اور اللہ بے انصاف

لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا) یہ مضمون قرآن میں متعدد جگہ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا) اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ (بیشک جو شخص جھوٹا اور ناشکرا ہو خدا اس کو ہدایت نہیں دیا کرتا) وَیُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ (اللہ بے انصاف لوگوں کو گمراہ کر دیا کرتا ہے) کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰہُ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ (جو لوگ حد اعتدال سے بڑھتے ہوئے اور شک میں پڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ ان کو گمراہ کر دیا کرتا ہے) کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (جو لوگ سمجھ نہیں رکھتے ان کے دلوں پر اللہ اسی طرح مہر لگا دیا کرتا ہے) اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرما دیا ہے کہ یہ اضلال اور گمراہ کرنا ان کے ان جرائم و قصوروں کی سزا ہے۔ و ضلال اول کے بعد یہ دوسرا اضلال ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے وَقَوْلِھِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بِکُفْرِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا (ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے یہ دل محفوظ ہیں (اور کسی کی نصیحت ہم پر اثر نہیں کرتی محفوظ نہیں) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے خدا نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے بس معدودے چند کے سوا اکثر ایمان نہیں لاتے)۔

ایک اور مقام میں فرمایا ہے وَمَا یُشْعِرُکُمْ اَنَّھَآ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَھُمْ وَاَبْصَارَھُمْ کَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِہٖٓ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّنَذَرُھُمْ فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ (مسلمانو) تم لوگ کیا جانو یہ لوگ جیسے پہلے تو قرآن پر ایمان نہیں لائے معجزے آئے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے) اور ہم ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو الٹ دیں گے اور ہم ان کو انکی سرکشی (کی حالت) میں رہنے دیں گے کہ پڑے بھٹکا کریں)۔

نیز فرمایا ہے وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (اور اے پیغمبر لوگوں کو وہ وقت یاد دلاؤ جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو مجھے کیوں ستاتے ہو اور دل میں تو تم کو بھی یقین ہو گیا ہے کہ میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ تو جب یہ لوگ ٹیڑھی چال چلے خدا نے انکی سمجھ بھی ٹیڑھی کر دی۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا)۔

ایک اور مقام میں فرمایا ہے فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا (ان کے دلوں میں پہلے ہی سے کفر کا مرض تھا۔ اب (قرآن نازل کر کے) اللہ نے ان کا مرض (اور بھی) بڑھا دیا۔

نیز یہ بھی فرمایا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (مسلمانو جب (ہمارے پیارے) رسول (محمدؐ) تم کو ایسے دین کی طرف بلاتے ہیں جو تم میں نئی روح پھونکتا ہے۔ تو تم اللہ اور رسول کا حکم دل و جان سے) مانو اور جانے رہو کہ اللہ (کو ایسی قدرت) ہے کہ وہ آدمی اور اس کے دل (کے ارادے کے بیچ) میں آڑے آجاتا ہے اور (یہ بھی) جانے رہو کہ (آخرکار) (تم سب) اسی کے حضور میں حاضر ہو جاؤ گے) یعنی اگر تم خدا و رسول کے احکام پر نہ چلو گے تو یہ ہوگا کہ تمہارے دل تمہارے اختیار سے باہر ہو جائیں گے اور اللہ و رسول کی طاعت نہ کر سکو گے۔ اور آیت وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ (اور لوگو) تم سے پہلے کتنی امتیں ہو گزری ہیں کہ جب انہوں نے شرارت پر کمر باندھی ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ اور ان کے رسول ان کے پاس کھلے ہوئے معجزے بھی لیکر آئے اور اس پر بھی) ان کو ایمان لانا نصیب نہ ہوا۔ گناہگار لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں) کا مضمون اگرچہ بعینہ یہ نہیں ہے لیکن اسی کے ایک جنس سے ہے۔

ایک اور مقام میں فرمایا ہے تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ (اے پیغمبر) یہ چند بستیاں ہیں جن کے حالات ہم تم کو سناتے ہیں (تاکہ تمہاری قوم کو تنبیہ ہو) اور ان کے پیغمبر ان لوگوں کے پاس معجزے بھی لیکر آئے۔ مگر یہ لوگ (ایسی سرشت ہی کے) نہ تھے کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا چکے ہوں (معجزے دیکھ کر) اس پر ایمان لے آئیں۔ کافروں کے دلوں پر خدا اسی طرح مہر لگا دیا کرتا ہے) اس آیت کی تفسیر میں تین قول ہیں:۔

اوّل ابو اسحٰق کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان لوگوں کا حال بتلایا ہے جو کہ ایمان لانیوالے نہ تھے جیسا نوح علیہ السلام سے فرمایا اِنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اب ہرگز کوئی ایمان نہیں لائیگا۔ اور اس نے اس مطلب پر كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ (کافروں کے دلوں پر خدا اسی طرح مہر لگا دیتا ہے) سے استدلال کیا۔ اور کہا ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی تھی۔

دوم ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ یہ کفار رسولوں کے بھیجنے کے وقت ایمان لانے والے تھے اس کا سبب یہ ہے کہ جب ان کو آدم کی پشت سے نکال کر ان سے عہد لیا۔ تو انہوں نے دل سے نہیں مانا تھا گو زبان سے اقرار کیا لیکن دل میں انکار رکھا تھا۔

تیسرا قول مجاہد کا ہے کہ اگر اُن کو ہلاک کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے کیونکہ ہلاکت سے پہلے یہ تکذیب کر چکے ہیں۔ میں کہتا ہوں وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (اور اگر (دنیا میں) واپس بھیج دیئے جائیں تو جن چیزوں سے انکو منع کیا گیا ہے اُن کو پھر دوبارہ کریں اور کریں) بھی اِس کے موافق ہے ۔

ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ جب رسول اُنکے پاس وہ معجزے و نشانات لائے جو اُنہوں نے طلب کئے تھے تو وہ اِس سبب سے کہ اُن کے دیکھنے سے پہلے انبیاء کی تکذیب کر چکے تھے۔ اُن کے مشاہدہ و معائنہ کے بعد بھی ایمان نہ لائے۔ تکذیب سابق جو حق پہنچ جانے کے بعد اُن سے وقوع میں آئی تھی ایمان لانے سے مانع ہوئی۔ جو شخص حق نہ مانے اُس سے اعراض کرے تو اُس کی یہی سزا ہے کہ پھر حق اُس کے دل میں جگہ نہیں پاتا۔ اُس کے اور حق کے درمیان ایک دیوار حائل ہو جاتا اور وہ اس سے پھیر دیا جاتا ہے اور اس کا نام اضلال عقوبت ہے یعنی سزا کے طور پر گمراہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے ساتھ یہ کوئی ظلم نہیں بلکہ عین انصاف ہے۔ رہا اضلال سابق جس کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کیا اور ہدایت سے دور رہا سو وہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق پر مبنی ہے یعنی اُسے معلوم تھا کہ فلاں بندہ لائق ہدایت نہیں اور اُس کا دل اُس کی قابلیت نہیں رکھتا۔ غرض اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ فلاں بندہ ہدایت اور توفیق عنایت کرنے کے قابل ہے اور فلاں نہیں جیسے اِس بات کو خوب جانتا ہے کہ فلاں شخص امانت رسالت عطا کرنے کے لائق اور اس کا اہل ہے۔ سو جیسے ہر شخص بار رسالت اُٹھانے اور اِس امانت کو کما حقہٗ ادا کرنے کے لائق نہیں ہے ایسے ہی ہر شخص تصدیق و قبولیت رسالت اور اس پر ایمان لانے کا اہل نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ (اور اسی طرح اختلاف حالت سے ہم نے بعض لوگوں کو بعض سے آزمایا تھا کہ (مقدور والے غریبوں کو دیکھ کر) کہنے لگیں کہ کیا یہی (ذلیل) لوگ ہیں۔ جن پر اللہ نے ہم میں سے (اسلام کی توفیق دے کر) اپنا فضل کیا ہے (ان کو اتنا تو سمجھنا چاہئے تھا) کہ کیا اللہ شکر گذار بندوں (کے حال) سے بخوبی واقف نہیں) یعنی ہم نے بعض کو بعض کے ذریعے آزمایا سو رؤساء اور سرداروں کو کمزور لوگوں اور تابعداروں کے ذریعے اِس طرح جانچا کہ جب کوئی بڑا آدمی اور سردار کمزور اور تابعدار کو دیکھتا تو اس پر ناک چڑھاتا کہ یہ کیسے مسلمان ہوا اور اسلام اگر کوئی عمدہ نعمت ہوتی تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اسے ملتی اور ہم محروم رہتے پس اسی گھمنڈ میں وہ نعمت

اسلوب سے [illegible] أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ
بِالشَّاکِرِیْنَ (کیا اللہ شکر گزاروں کو [illegible]
[illegible] خوب نہیں جانتا [illegible]
کا شکر بجا لاتے [illegible]
والوں کی طرف سے [illegible] تو ہم ہی پوری نعمتوں کی قدر کرتے [illegible] شکر بجا لاتے اور [illegible]
انہی کی طرح ہے [illegible] محبت [illegible]
بھی پیغمبر [illegible] سلام [illegible] لیکن [illegible]
[illegible] اسی بات کی طرف [illegible]
بلکہ ایسا کیا ہے کہ جہاں کہیں [illegible] ذکر فرمایا ہے [illegible]
فرمادیا ہے یعنی [illegible] کی حکمت [illegible] جیسے [illegible] اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ
بِالشَّاکِرِیْنَ ۔ و قولہ تعالیٰ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ
رُسُلُ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (اور جب ان کے پاس کوئی آیت (قرآنی) آتی
ہے تو کہتے ہیں جیسی (رسالت) پیغمبران خدا کو دی گئی ہے جب تک (اسی طرح کی نبوت) ہم کو نہ
دی جائے تو ہم ایمان لانے والے ہی نہیں (سو خدا) جس جگہ اپنی پیغمبری (کی امانت) سپرد کرتا ہے وہ
اس جگہ کے محفوظ اور قابل اطمینان ہونے کو بھی) خوب جانتا ہے) و قولہ تعالیٰ وَرَبُّكَ
یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ مَا کَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ وَرَبُّكَ
یَعْلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا یُعْلِنُوْنَ (اور اے پیغمبر تمہارا پروردگار جسے
چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (ان میں سے جس کو چاہتا ہے) منتخب کر لیتا ہے۔ (ان) لوگوں
کا اختیار نہیں۔ یہ لوگ جیسے جیسے شرک کرتے ہیں اللہ (کی ذات) اس سے پاک اور اس کی
شان اس سے بہت بلند ہے اور اے پیغمبر جو خیالات یہ لوگ اپنے دلوں میں چھپائے ہیں اور
جو ظاہر کرتے ہیں تمہارا پروردگار ان کو (خوب) جانتا ہے) یعنی اللہ سبحانہ پیدا کرنے اور اپنی مخلوق
میں سے انتخاب فرمانے یعنی برگزیدہ و پسند فرمانے میں متفرد و یگانہ ہے۔ اس میں کسی کو کچھ دخل
نہیں۔ اسی مطلب کے لحاظ سے لفظ ویختار پر پورا وقف ہے بندوں کی اس پسند کی جو انہوں
نے اپنی خواہش سے خیالی کی تھی رد کیا اور جتا دیا کہ اس کی باگ اسی خلاق علیم کے ہاتھ میں ہے ۔
جو اس کے مواقع و محل کو خوب جانتا ہے۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی

رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (کہ ان دو بستیوں یعنی مکے اور طائف سے کسی بڑے آدمی پر یہ قرآن کیوں نہ نازل کیا گیا) اُن کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے بتلا دیا ہے کہ انبیاء بندوں کی تجویز و پسندیدگی کے موافق مبعوث نہیں ہوتے اور نہ بندوں کا یہ حق ہے کہ وہ کارخانۂ الٰہی میں اپنی پسندیدگی و تجویز سے مداخلت کریں بلکہ وہی ہے جو چاہے پیدا کرے اور جسے چاہے برگزیدہ فرشتے جیسا پیدا کرنے میں اس کا کوئی دخل نہیں۔ اسی طرح نبی و رسول بھیجنے میں اُن کا کوئی اختیار نہیں وہ جسے چاہے نبی بناتا ہے ؎

جس نے کلمۂ مَا کو یَخْتَارُ کا مفعول قرار دیا ہے اُس نے غلطی کی ہے اگر ایسا ہو تو لفظ الخِيَرَة بنا بر خبر کان منصوب ہوتا حالانکہ کسی نے اس کو منصوب نہیں پڑھا یا بتقدیر لفظ فیہ اسم کان قرار پاجاتے بلحاظ قواعد یہ بھی درست نہیں ؎ اور نیز جس نے یہاں اختیار معنی ارادہ لیا ہے جیسے متکلمین کا قول ہے کہ اللہ سبحانہٗ فاعل بالاختیار ہے۔ اُس نے بھی آیت کے معنی نہیں سمجھے۔ متکلمین نے یہ اصلاح کہ اختیار بمعنی ارادہ ہے اپنی طرف سے ایجاد کی ہے کلام الٰہی میں یہ معنی مراد نہیں لینے چاہئے بلکہ قرآن مجید میں لفظ اختیار کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی ایک چیز کو پسند اور برگزیدہ کرنا۔ اور اس میں اُس چیز کی دوسری چیزوں پر ترجیح۔ تقدیم اور اس کی تخصیص ضروری ہو۔ اختیار کے یہ معنی مطلق ارادہ و مشیت سے خاص ہیں ؎

صاحب صحاح نے کہا ہے لفظ الخِيَرَة مصدر ہے محاورے میں بولتے ہیں خَارَ اللّٰهُ لَكَ فِيْ هٰذَا الْاَمْرِ (خدا تعالےٰ تجھے اس کام میں خیر و برکت دے) اور یوں بھی کہتے ہیں مُحَمَّدٌ خِيَرَةُ اللّٰهِ مِنْ خَلْقِهٖ وَ خِيْرَةُ اللّٰهِ (بفتح یا و سکون ہر دو) یعنی محمد صلعم تمام مخلوق سے اللہ کے برگزیدہ ہیں۔ لفظ اختیار و تخییر دونو کا معنی برگزیدہ کرنا اور استخارہ کا معنی طلب خیر کرنا ہے۔ محاورے میں کہتے ہیں۔ اِسْتَخِرِ اللّٰهَ يَخِرْ لَكَ (اللہ تعالیٰ سے طلب خیر کر وہ تجھے خیر عطا فرمائیگا) اور خَيَّرْتُهٗ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ کا معنی ہے میں نے اُسے دو چیزوں کے درمیان اختیار دے دیا۔ انتہی۔ لغت میں اختیار کے یہی معنی ہیں جو صاحب صحاح نے بیان کئے ہیں۔ اور یہ معنے اہل کلام کی اصطلاحی سے معنی خاص ہیں۔ اور یہی معنی اللہ تعالےٰ کے قول وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (اور کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان عورت کو شایاں نہیں۔ کہ جب اللہ اور اُس کا رسول (اُنکے بارے میں) کوئی بات ٹھہرا دیں تو اپنی رائے کو دخل دیں اور اُس بات میں اُن کا (اپنا) اختیار (باقی) رہے) میں مراد

ہیں۔ وَ اخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا (اور موسیٰ نے ہمارے وعدے پر حاضر لانے کے لئے اپنی قوم میں سے ستر آدمی منتخب کئے) میں یہی مراد ہیں *

اختیار کا یہ معنی ارادہ کرنے سے قدریہ کے اُس سوال کا جواب ہو سکتا ہے۔ جو وہ کفر اور معاصی کے بارے میں پیش کرتے ہیں۔ یعنی وہ یوں کہتے ہیں کہ کفر اور معاصی اللہ کے اختیار سے باہر ہیں یا نہیں۔ اگر اختیار سے ہیں تو قاعدہ ہے جو چیز اختیار سے ہو وہ محبوب و پسندیدہ ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کفر اور معاصی بھی خدا تعالےٰ کے محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ اور اگر اس کے اختیار سے نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت کو ان میں کوئی دخل نہ رہا (اور نظام تقدیر درہم برہم ہو گیا) اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بتلاؤ کہ اختیار سے کیا مراد لیتے ہو اگر اختیار سے علم نحو یعنی ارادہ و مشیت مراد ہے جیسے کہ متکلمین کی اصطلاح ہے یا اختیار سے خاص معنی مراد ہیں جیسے کہ قرآن مجید، حدیث اور کلام عرب میں واقع ہے۔ اگر پہلا معنی مراد ہے تو ہم کہیں گے کہ کفر و معاصی اس اعتبار سے اللہ کے اختیار سے ہیں۔ لیکن لفظ اختیار کا اطلاق کرنا استعمال درست نہیں کیونکہ اس میں برگزیدگی اور محبت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ بلکہ یوں کہا جائیگا کہ اُس کی مشیت و قدرت سے ہیں۔ اور اس سے یہ نہیں لازم آتا۔ کہ اُس کے محبوب و مرضی ہوں۔ اور اگر اختیار کا دوسرا معنی مراد ہے جو قرآن اور لغت عرب کے مطابق ہے تو ہم کہینگے کہ کفر و معاصی اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے اختیار سے نہیں گو وہ اُس کی مشیت سے ہیں۔ اگر کوئی پوچھے کہ یوں کہنا بھی درست ہے یا نہیں کہ کفر و معاصی اللہ کے ارادہ سے ہیں۔ تو ہم یہ جواب دینگے۔ کہ قرآن مجید میں ارادہ کے دو معنی ہیں ایک ارادہ کونی جو تمام مخلوقات کو شامل ہے جیسے فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے) اور وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً (اور جب ہم کوکسی گاؤں کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے) اور اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ (اگر اللہ تم کو بہکانا چاہے) وغیرہ جو اسی قسم کے مواقع میں آیا ہے۔ دوسرا ارادہ شرعی۔ امری اور جس چیز سے یہ ارادہ متعلق ہو اُس کا وقوع ضروری نہیں ہے جیسے یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ (اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہے) اور وَاللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْكُمْ (اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہر(کی نظر) رکھے) میں ہے پس اگر ارادہ کا پہلا معنی لیا جائے تو کفر و معاصی اُس کے ارادے سے ہیں۔ اور اگر دوسرا معنی مقصود ہو تو اس کے ارادے سے نہیں ایسے ہی اگر کوئی پوچھے کہ کفر و معاصی اللہ کے اذن سے ہیں یا نہیں۔ تو اُس کا جواب بھی یہی ہے کہ اذن دو قسم ہے ایک اذن کونی جیسے وَمَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

ہے اور انکو پہنچتا ... [illegible] نقصان نہیں پہنچا سکتا ... [illegible] دوسرا انسان ... [illegible]
جیسے ... [illegible] اور فرمایا ... [illegible] اور آیت ... [illegible]
... [illegible] سے ... [illegible]
... [illegible] اس ... [illegible]

... [illegible]
... [illegible] اور ... [illegible]
... [illegible] کوئی ایسا ... [illegible]
... [illegible]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ... [illegible] اپنے علم کو ذکر فرماتا ہے جیسے
وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (اور بیشک ہم نے ... [illegible] دیکھ بھال کر ... [illegible]
لوگوں پر فضیلت دی) اس آیت کا ... [illegible] اس بات کا علم تھا کہ وہ لوگ اس بات
کے لائق ... [illegible]
کے ... [illegible] اللہ تعالیٰ نے ان کے برگزیدہ کرنے کے بیان
کے ساتھ اس کی حکمت ... [illegible] علم کا ذکر فرمایا ہے جس سے تخصیص
نعمت اختیار کی حکمت ... [illegible] جیسے وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ
وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ (اور ابراہیم کو ہم نے شروع ہی سے فہم سلیم عطا کی تھی۔ اور ہم ان کی
صلاحیت) سے (خوب) واقف تھے)

صحیح تر یہ قول ہے کہ مِنْ قَبْلُ سے یہ مراد ہے کہ نزول تورات سے پہلے کیونکہ دوسرے
مقام میں فرمایا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ۔
(اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو (حق و باطل میں فرق کرنے والی (کتاب یعنی تورات) دی اور (راہ راست
دکھانے کے لئے) روشنی اور (سمجھانے کے لئے) ایک نصیحت (نامہ مگر) ان ہی پرہیزگاروں کے
لئے) اور فرمایا ہے وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (اور یہ قرآن بھی
نصیحت ہے بابرکت کہ ہم ہی نے اس کو اتارا ہے تو کیا تم لوگ اس کو نہیں مانتے) اس کے بعد فرمایا ہے
وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ (اور ابراہیم کو ہم نے شروع ہی سے فہم سلیم عطا
کی تھی) یعنی پہلے اس سے اسی لئے لفظ قبل کا مضاف الیہ حذف کر کے اس کو مبنی علی الضم کیا گیا

ہے کہ یہاں رشدہ سے علیہ اگرچہ لفظ لگتا تذکرہ میں لیکن بمعنی نبوت مراد اور مقدم ہے سے لفظ نبی کا ذکر تینوں نبیوں کا
جو کہ آنحضرت افضل الرسل اکرم خاتم الانبیاء یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت موسیٰ و حضرت ابراہیم
کا ذکر فرمایا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ من قبل کے معنی حالت صغر و قبل از بلوغ کے لئے ہیں۔ مگر یہاں کوئی ایسا
لفظ نہیں ہے جو اس معنی پر دلالت کرے بلکہ سیاق عبارت کو چاہتا ہے کہ مِنْ قَبْلُ کے معنی
مِنْ قَبْلِ مَا ذَكَرْنَا ادا کئے گئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ مِنْ قَبْلُ سے اللہ تعالیٰ کا علم سابق مراد
ہے مگر آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس مطلب پر دال ہو۔ اس کے علاوہ یہ بات کوئی
ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر ایک مومن کی ہدایت اللہ تعالیٰ کے علم سابق میں مقدر ہو چکی
ہے۔ اور وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ (اور ہم ان کی صلاحیت سے خوب واقف تھے) کی تفسیر میں بغوی
نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ابراہیم ہدایت اور نبوت کے لائق ہیں۔ ابو الفرج نے کہا ہے
کہ ہم جانتے تھے کہ وہ ہدایت عطا فرمانے کے قابل صالح ہیں۔ صاحب کشاف نے کہا ہے کہ ہم
سمجھتے تھے کہ ان کے حالات عجیبہ و صفات حمیدہ معلوم ہو چکی ہیں جس سے ان کو اپنی دوستی و خلت
کے لائق پایا چنانچہ عرب کے محاورے میں کسی شریف آدمی کی نسبت کہتے ہیں۔ اَنَا عَالِمٌ بِفُلَانٍ
(میں فلاں شخص کو جانتا ہوں) اس میں کمال کی جو اس کی تعریف مقصود ہوتی ہے۔ اور خود کلام اللہ میں اس
کے بہت سے نظائر موجود ہیں جیسے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (خدا جس جگہ اپنی پیغمبری رکھتا
امانت رکھتا ہے وہ اس جگہ کے محفوظ اور قابل اطمینان ہونے کو بھی خوب جانتا ہے) اور وَلَقَدِ
اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ (اور بنی اسرائیل کو ہم نے دیکھ سمجھ کر فضیلت دی) اور اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ
وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ
(اللہ نے دنیا جہان کے لوگوں پر ترجیح دے کر آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران
کو چن لیا ہے یہ لوگ ایک ہی آدم کی اولاد تھے ایک کی نسل ایک اور اللہ سب کی سنتا اور سب
کچھ جانتا ہے) اور آیت وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا
فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ (اور ہم نے تند کی ہوا کو بھی سلیمان کا تابع کر دیا تھا کہ وہ ان کے حکم سے
ملک شام کی طرف کو چلتی جس میں ہم نے طرح طرح کی برکتیں دے رکھی تھیں۔ اور ہم سب چیزوں
کے حال سے آگاہ تھے) اسی کے قریب قریب ہے یعنی چونکہ ہم ہر ایک کے حال کو جانتے ہیں اسی سے
یہ خاص نعمت اسی کو عطا فرمائی۔ جو اس کے لائق تھا +
فائدہ سوال۔ جیسے اللہ سبحانہ کا اپنی مخلوق میں کسی کو ہدایت فرمانا نبی بنانا اور کسی کو گمراہ کرنا

علم و حکمت پر مبنی ہے اسی طرح اس کے اوامر و احکام بھی علم و حکمت پر مبنی ہیں اُن میں بڑی بڑی مصلحتیں اور انجام نیک ملحوظ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (لڑائی تم پر جہاد و فرض کیا گیا اور وہ تم کو ناگوار بھی گذریگا اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بُری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) اللہ سبحانہٗ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ میں نے جو کچھ حکم دیا ہے۔ اُس میں بندوں کے لئے جسقدر مصالح و منافع ہیں جو اس کے پسند کرنے اور رضا و فرمانے کے مقتضی ہوتے ہیں اُن کو اچھی طرح میں ہی جانتا ہوں۔ بندے کبھی تو اُن منافع سے لاعلمی کے باعث اور کبھی نفرت طبعی کی وجہ سے ہمارے احکام سے ناخوش ہوتے ہیں۔ غرضکہ اللہ تعالیٰ کو تمام احکام کے وہ انجام خیر معلوم ہیں جن کو بندے نہیں جانتے۔ اور اسی طرح اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے برگزیدہ فرماتے۔ اُس کی حکمت بھی وہی جانتا ہے۔ بندے کیا جانیں۔ اس آیت شریف میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اور تسلیم کی تاکید اور رضا بالقضا کی ترغیب ہے۔ گو وہ طبائع و نفوس پر گراں و شاق ہو۔ اسی طرح حدیث استخارہ میں اسی امر کی تاکید ہے جیسے آیا ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاقْدِرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُهٗ شَرًّا لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِيْ بِهٖ۔ چونکہ یہ ضروری ہے کہ انسان ایسے کام جو دُنیا و آخرت میں نافع ہوں۔ اُس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک کہ اُنکے منافع و مصالح پر آگاہ اور اُن کے کرنے پر قادر اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن کے کرنے کی توفیق نہ ہو۔ اور اِن تینوں چیزوں سے کوئی چیز بھی اس کے اپنے اختیار میں نہیں ہے بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اگر وہ اُن کے منافع کا علم نہ بخشے تو انسان جاہل اور وہ قدرت نہ دے تو وہ عاجز ہے اور قدرت کے بعد اگر وہ توفیق عطا نہ فرمائے تو بھی وہ کام نہ ہو سکے۔ اس لئے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث استخارہ میں اعلےٰ درجے کی عبودیت ظاہر کرنے کی تعلیم فرمائی ہے یعنی اُس ایزد پاک سے طلب خیر کرنا جو تمام امور کے انجام سے آگاہ اُنکے پورے حالات اور اُنکے خیر و شر سے واقف ہے۔ اور اُسی سے قدرت چاہتا کیونکہ وہ قدرت نہ دے تو انسان عاجز ہے اور اُسی سے فضل

کا سوال کرنا کیونکہ اگر وہ آسان نہ فرمائے اور اُس کی طرف سے توفیق نہ ہو تو اُس کام کا بہم پہنچانا دشوار ہے پھر جب اللہ تعالےٰ اپنے علم سے اُس کام کو اُس کے لئے پسند فرمائے اور اپنی قدرت سے اُس پر اُس کی مدد کرے اور اپنے فضل سے وہ اُس پر آسان کر دے تو اب انسان اس بات کا محتاج ہے کہ اُسے اُس برکت کے ساتھ جو اللہ تعالےٰ نے اُس میں رکھی ہے باقی اور دائم رکھے۔ اُس کا ثبات اور نمو بھی اُس کی برکت میں داخل ہیں۔ باقی اور دائم رکھنا قدرت دینے اور توفیق بخشنے کے علاوہ ایک دوسری نعمت ہے۔ اِن سب کے بعد بندہ اس بات کا محتاج ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اُس کام پر خوشنودی عطا فرمائے ورنہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اللہ تعالیٰ انسان کے لئے کوئی کام آسان فرما دیتا۔ اور وہ اُس پر ناخوش ہوتا ہے۔ حالانکہ اُس میں اُسکی بہتری ہوتی ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ کبھی آدمی اللہ تعالےٰ سے طلب خیر کرتا اور اللہ تعالیٰ اُسے ایسے کام کی توفیق بخشتا ہے جس میں اُس کی بہتری ہو۔ وہ اُس کا انجام نہیں سوچتا اور نہ اُس کا انتظار کرتا بلکہ اللہ تعالےٰ سے ناخوش ہونے لگتا ہے حالانکہ اُس میں اُس کی بہتری ہوتی ہے ؎

مسند میں سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے وہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ابن آدم کی سعادت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرے۔ اُس کی قضا پر راضی ہو اور اللہ عزوجل سے استخارہ نہ کرنا قضاءِ الٰہی سے ناخوش ہونا اُس کی شقاوت ہے۔ سو ہر مقدر کی نسبت دو باتیں چاہیئے۔ پہلے استخارہ کرنا پھر اُس پر راضی ہونا۔ پس بندے کے لئے اللہ تعالےٰ کی توفیق و تائید یہیں ہے کہ قبل وقوع مقدور استخارہ کرے اور بعد وقوع اُس پر راضی ہو ؎

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا ہے کہ مجھے ہر صبح اس بات کا خیال نہیں ہوتا کہ مجھے کوئی پسند خاطر یا ناپسند طبع بات پیش آئے کیونکہ مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ میری بہتری میری محبوب و پسندیدہ چیز میں ہے یا مکروہ و غیر پسندیدہ میں (اس کا علم اللہ تعالےٰ ہی کو ہے) ؎

حسن کا قول ہے کہ جو تکالیف و مصائب پیش آئیں اُنہیں برا نہ سمجھو کیونکہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کو تم برا سمجھتے ہو اُن میں تمہاری نجات ہوتی ہے اور کئی ایسی چیزیں ہیں جنکو تم اچھا جانتے ہو اور پسند کرتے ہو اُنہی میں تمہاری ہلاکت

فصل - اللہ تعالےٰ کا قول لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ؕ بیشک اللہ نے اپنے رسول کو واقعی سچا ہی خواب دکھایا تھا کہ انشاءاللہ تم (مسلمان) مسجد حرام میں بے خوف (و خطر) باطمینان تمام داخل ہو گے

اور وہاں جا کر تم دیکھو تو اپنا سر منڈاؤ گے اور کچھ قصر کراؤ گے [illegible] تم کو کچھ
خبر نہ تھی خدا کو پہلے سے معلوم تھی پھر اس خواب کی تعبیر [illegible] فتح [illegible] پہلے ایک دوسری
فتح کرا دی) یعنی کے مطابق اللہ تعالیٰ [illegible] صحابہ
ناخوش ہوئے یعنی حدیبیہ سے [illegible] صحابہ کو بیت اللہ سے روک دیا اور اُن کا بغیر عمرہ ادا
کئے واپس مدینہ چلا جانا آپ کو [illegible] معلوم تھا اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ تمہارا [illegible] سال
کے بعد حاصل ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس [illegible] دوسرے سال [illegible] فتح ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے
قول فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا [illegible] تم کو خبر نہ تھی خدا
کو پہلے سے معلوم تھی پھر اس خواب کی تعبیر [illegible] فتح مکہ سے پہلے ایک [illegible] فتح کرا
دی) میں فتح قریب سے صلح حدیبیہ مراد ہے اور یہ اول فتح ہے جو اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ
فَتْحًا مُّبِيْنًا (اے پیغمبر یہ حدیبیہ کی صلح کیا ہوئی حقیقت میں ہم نے کھلم کھلا تمہاری فتح کرا دی) میں
مذکور ہے۔ اس سے نصرت غلبہ اسلام۔ بطلان کفر اور دین و دنیا کے وہ مصالح حاصل ہوئے جن
کا پہلے خیال بھی نہ تھا۔ صلح حدیبیہ کے بعد اہل اسلام اور مشرکین کا باہم اختلاط ہوا مسلمانوں نے
کلمۂ اسلام اور ادلہ و براہین اسلام کو کھلم کھلے اور بے کھٹکے ظاہر کیا۔ اور قریباً اس قدر لوگ مشرف
با سلام ہوئے کہ جتنے [illegible] لیکن اس وقت تک پہلے تمام [illegible] مسلمان ہوئے
تھے۔ اور مشرکین کی ہٹ دھرمی۔ عناد [illegible] لوگوں کو معلوم [illegible] عوام اور [illegible] سب
نے جان لیا کہ جناب رسول اکرم حضرت محمد [illegible] اور
آپ کے مخالف محض عناد اور ہٹ دھرمی پر [illegible]
کیسی سخت حج یا عمرہ [illegible] روکا تھا۔ [illegible] قریش کی [illegible]
عناد کا یقین ہوا [illegible] کا باعث ہوا۔ مخالفین کی ہٹ دھرمی
اور سرکشی و شرارت [illegible] اور اسی سے وہ تباہ ہوئے مسلمان صبر کرنے اور
احکام خدا و رسول کی اطاعت میں زیادہ ثابت قدم اور چالاک ہوئے۔ یہی اُن کی فتحمندی اور
کامیابی کا بھاری ذریعہ تھا۔ اُن سے [illegible] اور ایسے امور پیدا ہوئے جو اللہ تعالیٰ کو معلوم
تھے۔ اور صحابہ کو اُن کا علم نہ تھا۔ [illegible] فتح [illegible] کسی نے
پوچھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] آپ نے فرمایا [illegible] فتح
تھی ؎

تفصیل حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قول قرآن مجید میں ہے۔ یَا أَبَتِ هَٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ
مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا ۖ وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُم مِّنَ
الْبَدْوِ مِن بَعْدِ أَن نَّزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي ۚ إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ
هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (اے ابا جان! یہ میرے اس پہلے خواب کی تعبیر ہے جسے میرے
پروردگار نے (آج) اس خواب کو سچ کر دکھایا۔ اور اس کے سوا اس نے مجھ پر اور بھی
بڑے احسان کئے ہیں کہ مجھے قید کی مصیبت سے نکالا اور باوجودیکہ شیطان نے میرے اور میرے
بھائیوں میں ایک طرح کا فساد ڈلوا دیا تھا اس کے بعد آپ سب کو جنگل سے لا ملایا
بیشک میرے پروردگار کو (جو کچھ) کرنا منظور ہوتا ہے وہ اس کی تدبیر خوب جانتا ہے کیونکہ وہ (ہر
بات) سے واقف (اور) حکمت والا ہے) اس کی تفسیر یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بیان کیا کہ
اللہ تعالیٰ جس کام کو کرنا چاہتا ہے اس کو نہایت حکمت سے ایسی تدبیر سے انجام کرتا ہے کہ آدمی
اس کے اسرار کو نہیں جان سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے اسم لطیف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ دقائق اور
خفیات کا عالم ہے اور ایسے پوشیدہ طریقوں سے نزول رحمت فرماتا ہے جو انسان کے علم سے باہر
ہوتے ہیں۔ لطف کا لفظ اسی سے ماخوذ ہے جیسا اصحاب کہف نے کہا وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ
بِكُمْ أَحَدًا (اور وہ چپکے سے لے آئے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے) یہ آیت اور ہے یوسف کا
امتحان و آزمائش ہونا، بھائیوں کا حسد، باپ سے جدا ہونا، کنوئیں میں ڈالا جانا، غلامی کی حالت میں فروخت ہونا
زلیخا کا اپنے نفس کی خواہش پوری کرنے کا ان سے ارادہ کرنا، اس کی حاجت روائی نہ کرنے پر اس کا جھوٹی
تہمت لگانا، اور قید خانے میں بھجوانا یہ سب امور اگرچہ بظاہر مصائب و تکالیف تھے لیکن درحقیقت
نعمتیں اور کامیابی کا پیش خیمہ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں سعادت کا ذریعہ ٹھیرایا۔ اللہ تعالیٰ
اپنے بندوں کو جن کاموں کی بجا آوری کا حکم کرتا، اور تکالیف، خلاف طبع امور سے آزماتا اور شہوات
سے منع فرماتا ہے وہ سب اسی طرح بظاہر تکالیف ہیں لیکن درحقیقت وہ نعمتیں اور دین و دنیا کی سعادت
کے ذریعے ہیں۔ جنت کو تکالیف اور جہنم کو شہوات سے ڈھانپ دیا ہے۔

ترجمہ: حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ مومن کے لئے جو کچھ مقدر فرماتا ہے سب
میں اس کی بہتری ہے مومن کو اگر نعمت ملے تو شکر بجا لاتے۔ یہ اس کے حق میں خیر و برکت ہے اور
اور اگر تکلیف پہنچے تو صبر کرے یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہے۔ یہ بات کہ نعمت و تکلیف دونوں میں
بہتری حاصل ہو صرف شاکر و صابر ایماندار کا حصہ ہے۔ غرضکہ جسے شکر و صبر نصیب ہو۔ اس کے

حق میں جو کچھ مقدر ہے وہ سب بہتر ہی بہتر ہے۔ آدم و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو
جو جو واقعات و مصیبتیں پیش آئی ہیں۔ وہ بھی اسی طرح بظاہر تکالیف و مصائب تھے لیکن باطن میں
وہ اعلیٰ درجہ کے کمال اور سعادت حاصل ہونے کے راستے اور ذرائع تھے۔ موسیٰ کے قصہ میں غور
کرو کہ ان کو فرعون کے ہاتھ سے جبکہ وہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتا تھا کس حکمت سے
بچایا۔ ان کی ماں کو حکم دیا کہ ان کو دریا میں ڈال دے پھر اسی دشمن کے گھر میں پہنچایا جو ان کے ہاتھ سے تباہ
ہوا۔ اور جس نے مار ڈالنے کی غرض سے اور بچوں کو بھی ذبح کرا دیا تھا۔ اسی کے گھر پر رہ کر پرورش پائی
اس کے بعد وہ صورت فراق پیش آئی جس نے ان کو مصر سے نکال کر اس مقام پر پہنچایا جو فرعون کی حکومت و
قلمرو سے باہر تھا۔ بعد تنہائی اور تنگدستی کے نکاح اور دولتمندی کے اسباب بنا دیئے۔ اس کے
بعد اسی دشمن فرعون کے شہر میں پہنچا کر ان کے ذریعہ اس پر اپنی حجت کو پورا کیا۔ پھر ان کو اور ان کی
قوم کو مصر سے بظاہر ایسی صورت میں نکالا کہ فرعون کے ڈر کے مارے بھاگے جاتے تھے حالانکہ
درحقیقت یہ ان کی نصرت اور ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے دشمنوں کی ہلاکت تھی۔ ان سب
واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادے کے مطابق جو کچھ کرتا ہے اس میں وہ عجائب
پوشیدہ اور حکمتیں عظیم ہوتی ہیں جن کے سمجھنے سے مخلوق کی عقلیں قاصر ہیں۔ اور اس کے ضمن میں اس
کی رحمت تامہ و نعمت کاملہ اور اپنے بندوں کو اپنے اسماء و صفات سے آگاہ کرنا بھی پایا جاتا ہے۔

آدم کے اس درخت کا پھل کھانے میں جس سے ان کو منع فرمایا تھا۔ اور ان کے جنت سے
نکالنے میں وہ کمال درجہ کی حکمتیں ہیں جن کی تفصیل کے سمجھنے سے عقول قاصر ہیں۔ اور ایسے ہی جناب
سرور کائنات صلعم کو جو جو مصائب پیش آئے وہ ان کے اعلیٰ مراتب حاصل کرنے کا باعث ٹھہرے۔ اور
اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت سے ان کو نہایت بہتر اور عمدہ انجام کو پہنچایا۔ اور اسی طرح دیگر اولیاء
و زاہدین کو اسی قسم کی تکالیف کے ذریعے سے اپنی نعمت بخشا۔ اور ان مخفی طریقوں سے انہیں کمال انسانی
و سعادت کو پہنچاتا ہے جن کو وہ ان کا انجام معلوم ہونے سے پہلے نہیں سمجھ سکتے۔ اس امر کی تفصیل
نہ تو ذہن میں آسکتی ہے اور نہ زبان کو اس کے بیان کی طاقت ہے۔ تمام مخلوق سے اس امر کو اچھا سمجھنے
والے اس کے انبیاء و رسول ہیں اور ان سب سے زیادہ عارف اس بات کے خاتم النبیین افضل الرسل حضرت
محمد صلعم ہیں اور آپ کی امت ان امور کے جاننے میں انہیں بترتیب درجات پر ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس
کے اسماء و صفات کی معرفت میں انہیں حاصل ہیں۔ اور اللہ سبحانہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے پہلے ان
سب کو جانتا تھا اور اس نے ان کو مقدر فرمایا اور اپنے پاس لکھ لیا۔ پھر بندے کے پیدا کرنے سے

پہلے زمانہ کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ پہلی نوشت سے دیکھ کر ان کو دوبارہ لکھیں۔ سو بندوں سے تمام حالات اسی پہلی اور
دوسری نوشت کے مطابق ظہور میں آتے ہیں ان میں نوشت غذائی سے ذرہ بھر کمی و بیشی نہیں ہوتی کیونکہ
اللہ تعالیٰ کو لکھنے سے پہلے وہ علوم تھے پھر اپنے علم کے مطابق اس کو تحریر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَلَمْ
تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (اے پیغمبر)
کیا تم نہیں جانتے کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب کو اللہ جانتا ہے (یعنی) وہ واقف ہے (اس میں کچھ) شک نہیں۔
کہ یہ سب باتیں کتاب (لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی موجود ہیں اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ یہ
سب کچھ اللہ کے لیے آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے پیدا کرنے سے پہلے ان کے تمام حالات و
اعمال و انجام کا علم تھا پھر ان کو دنیا میں پیدا فرمایا۔ اور امر و نہی و خیر و شر سے ان کو آزما کر اپنے اس علم کو
جو ان کی نسبت ازل میں تھا ظاہر فرمایا۔ سو ان اعمال و افعال کی وجہ سے جو اس کے علم سابق کے مطابق ظہور
میں آئے مطیع لوگ مدح و ثواب کے اور عاصی اور نافرمان ذم و عذاب کے مستحق ٹھہرے۔ اگر وہ ان اعمال
کو ظہور میں نہ لاتے تو صرف اس کے علم میں ہونے سے ثواب و عقاب کے مستحق نہ ہوتے۔ اسی لیے
اللہ تعالیٰ نے ان کا عذر مٹانے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لیے ان کے پاس اپنے رسول بھیجے ان
پر کتابیں نازل فرمائیں اور تمام احکام بتلا دئیے تاکہ وہ یہ نہ کہیں کہ اے اللہ تو ہمیں ان باتوں پر جو صرف
تیرے علم میں تھیں اور ہمارے کسب و قدرت سے باہر تھیں کیسے عذاب کرتا ہے سو جب ان کے اعمال و افعال
سرزد ہوئے اور امتحان و آزمائش میں ان کا سب حال کھل گیا تو اب مستحق ثواب و عقاب ٹھہرے۔ اور جیسے
کہ ان کو امر و نہی سے آزمایا۔ اسی طرح زینت دنیا و شہوات نفس سے جو ان کی فطرت میں رکھی گئی تھیں
ان کا امتحان کیا غرض کہ اپنے احکام و اوامر اور قضا و قدر سے ان کی جانچ فرمائی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا ہے اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (جو کچھ روئے
زمین پر ہے ہم نے اس کو روئے زمین کی رونق (کا موجب) بنایا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ
ان میں کون اچھے عمل کرتا ہے) دوسری جگہ فرمایا ہے وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ
سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ الآیۃ (اور وہی قادر مطلق ہے جس نے آسمان و زمین
کو چھ دن میں پیدا کیا اور (اس وقت) اس کا تخت (کبریائی) پانی پر تھا سو اس نے دنیا کو اس غرض
سے بنایا) تاکہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں کس کے عمل بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان
فرمایا ہے کہ اس نے آسمان و زمین کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ اپنے بندوں کو امر و نہی کے ذریعے آزمائے
اور اسی نے دوسری مخلوق کو بھی پیدا کیا ہے۔ اور اس سے پہلی آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اس نے

[illegible] لئے پیدا کیا ہے۔ سو زندگانی تو اس لئے عنایت ہے کہ ان کو [illegible] اور موت اس لئے مقدر فرمائی ہے کہ اس آزمائش کے انجام یعنی ثواب و عقاب کو پائیں پہلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ اس نے دنیا کی تمام چیزوں زینت بندوں کے جانچنے کے لئے بنائی ہے کہ کون ان میں کون بہتر ذکر نصیحت کو اختیار کرتا ہے نیز اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض کے ذریعہ سے جانچا اور نعمتوں اور مصائب میں ان کا امتحان لیا۔ غرض اس آزمائش سے [illegible] خالق جب پیدا [illegible] [illegible] [illegible] ان [illegible] جانتا ہوں [illegible] ظاہر ہو گئے۔ اور ایسے ہی ابلیس [illegible] فرمایا۔ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں وہ [illegible] جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) اسی طرح [illegible] کی اولاد میں قیامت تک آزمائش کا دستور جاری ہے سو انبیاء کو ان کی امتوں کے ذریعہ اور امم کو انبیاء کے ذریعہ سے آزمایا۔

حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول خلیل حضرت محمد صلعم کو فرمایا ہے کہ میں تمہاری اور تمہارے ذریعہ دوسری مخلوق کی آزمائش کروں گا۔ اور قرآن شریف میں فرمایا ہے وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَّاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ (اور لوگو ہم تم کو بری اور بھلی حالتوں میں ڈال کر آزماتے ہیں اور (آخر کار) تم سب کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور ایک مقام میں فرمایا ہے وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً۔ (اور ہم نے تم میں ایک کو ایک کے لئے آزمائش (کا ذریعہ) قرار دیا ہے)۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین آدمیوں (کوڑھی، گنجے اور اندھے) کو آزمانے کا ارادہ فرمایا سو اس آزمائش سے ان کے وہ حالات ظاہر ہو گئے جو اللہ تعالیٰ کو ان کے پیدا کرنے سے پہلے معلوم تھے۔ اندھے نے تو اللہ تعالیٰ کے انعام کا اقرار کیا اور کہا کہ میں پہلے اندھا محتاج تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے آنکھیں اور مال و دولت بخشا۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانے کی غرض سے سائل نے جو کچھ مانگا اسے دے دیا۔ گنجے اور کوڑھی نے اپنی پہلی بدحالی اور محتاجی کا انکار کیا اور مال و دولت کی نسبت کہنے لگے۔ یہ تو ہمارے ہاں باپ دادا سے چلا آتا ہے۔ اکثر آدمیوں کا یہی حال ہے کہ پہلی حالت نقصان [illegible] کا اقرار نہیں کرتے۔ اور یہ نہیں کہتے کہ اللہ سبحانہٗ نے پہلی بری حالت سے اچھی حالت میں کر دیا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے مبداء خلقت پر آگاہ فرماتا ہے کہ وہ کیسے کمزور ناچیز پانی کے قطرہ سے پیدا کیا ہے۔ اور اس کی پیدائش میں (ایک حالت سے دوسری حالت تک)

[illegible] بولتا، چڑتا اور سمجھتا ہے مگر وہ اپنے
[illegible] اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف و اقرار کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا۔ أَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ كَلَّا إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّمَّا يَعْلَمُونَ -
کیا ان میں سے ہر ایک شخص اس بات کا آرزو مند ہے کہ نعمت کے بہشت میں داخل کر لیا جائے ہرگز ایسا ہونا
نہیں ہم نے ان کو جس چیز سے پیدا کیا ہے اس کو وہ جانتے ہیں۔ اگر اس آیت کے دونوں جملوں کے
[illegible] دل کا ایک شبہ دور ہو کر حل ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ نے
نطفہ مما یعلمون میں انسان کے مبدا خلقت نطفہ اور اس کے بعد کے حالات سے اس پر حجت قائم
کرنے کو ظاہر فرمایا ہے [illegible] اللہ تعالیٰ کے وجود [illegible] کمال اور ربوبیت و الوہیت۔
[illegible] ہونے پر دلالت کرتی ہے اور نیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ باوجود اس کے کہ آدمیوں کو
سمیع بصیر [illegible] بنایا ہے مگر پھر بھی انہیں اپنے طور پر نہیں چھوڑ دیا کہ ان کی طرف رسول نہ بھیجتا کتابیں
نازل نہ فرماتا۔ اس کے نزدیک مناسب نہ تھا اور وہ ان کے مارنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے اور اس
جہان میں سے چلے جانے کے بعد انکو اپنے اعمال نیک و بد کی جزا و سزا دینے سے عاجز نہیں ہے۔ آیت کا
خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب وہ میری اور میرے رسولوں کی تکذیب کرتے اور باوجود اس کے کہ وہ
جانتے ہیں کہ میں نے ان کو کس چیز سے پیدا کیا ہے پھر بھی میری مخلوق کو میرے برابر ٹھہراتے ہیں
پس جنت میں داخل ہونے کی امید و طمع کس طرح رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قول نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا
تُصَدِّقُوْنَ (لوگو اب بھی) ہم ہی نے تم کو پیدا کیا ہے تو تم قیامت میں ہمارے دوبارہ پیدا کرنے کو
سچ کیوں نہیں سمجھتے بھی اس آیت کے مشابہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کے تو مصدق تھے
لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی خالقیت سے توحید معرفت و تصدیق رسل پر حجت قائم فرمائی۔ اور انہیں
اس صفت کے اقرار سے اسماء و صفات کے اقرار۔ توحید، تصدیق انبیاء اور ایمان آخرت کی طرف
بلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ بندوں کو اپنی نعمتیں یاد دلا کر ان کو اپنی معرفت محبت، تصدیق انبیاء
ایمان آخرت کی طرف دعوت فرماتا ہے جیسا کہ سورۂ نحل یعنی سورۂ نحل میں خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ
(اسی نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا) سے لیکر وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَّجَعَلَ لَكُمْ
مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَأْسَكُمْ كَذٰلِكَ
يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ (اور اللہ ہی نے تمہارے لئے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں
کے سائے بنائے اور پہاڑوں (از قسم غار وغیرہ) تمہارے لئے چھپ بیٹھنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے کپڑے

کے کرتے بنائے جو تم کو گرمی (اور سردی) سے بچائیں اور کچھ لوہے کے کرتے (ایسے) بنائے جو تم کو تمہاری ایک دوسرے کی زد سے بچائیں یوں (خدا) اپنی نعمتیں تم لوگوں پر پوری کرتا ہے تاکہ تم اُس کے آگے جھکو اپنی نعمتوں کے اصول و فروع کا ذکر فرمایا اور ایک ایک نعمت کو شمار کر کے بتلایا ہے کہ یہ نعمتیں اس لئے انعام کی ہیں کہ پھر تم حکم کو مانو اور تمہیں وہ نعمت اسلام ملے جو سب نعمتوں کی جڑ اور اصل ہے اور اس سے تمہاری نعمتیں بدرجۂ کمال کو پہنچ جائیں پھر اُن لوگوں کا بیان فرمایا جو اس کے منکر اور اس کی نعمتوں کے شاکر نہیں يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا (یہ لوگ خدا کی نعمتوں کو پہچانتے پھر (دیدہ و دانستہ) اُن سے منکر ہوتے ہیں) مجاہدؒ نے کہا ہے یہاں نعمت سے مکانات - چوپائے کے شعر اونی - کپڑے اور زرہیں مراد ہیں جن کو کفار قریش جان بوجھ کر انکار کرتے تھے اور کہتے کہ یہ چیزیں تو ہمارے باپ دادا سے چلی آتی ہیں عون بن عبداللہ کا قول ہے کہ انکار نعمت سے یہ مطلب ہے کہ کفار یوں کہا کرتے تھے کہ اگر فلاں شخص نہ ہوتا - تو ایسا ایسا ہو جاتا - فراء و ابن قتیبہ کہتے ہیں وہ یہ سمجھتے تھے کہ نعمتیں تو بیشک اللہ کی طرف سے ہیں لیکن ہمارے معبودوں کی سفارش سے ملی ہیں - ایک جماعت کا قول ہے - کہ یہاں نعمت سے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مراد ہے اور اُس کے انکار سے آپ کی نبوت سے انکار مراد ہے - مجاہد و سدی سے ایسا ہی مروی ہے - نعمت کا پورا انکار اسی صورت میں پایا جاتا ہے - کیونکہ یہ اُس نعمت کا انکار ہے جو سب سے بڑی اور اعلیٰ ہے - پہلے - دوسرے اور تیسرے معنی کے مطابق انکار نعمت اس طور پر ہوا - کہ جب اُسے خدا تعالیٰ کے سوا دوسرے کی طرف نسبت کیا - تو غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے سے نعمت خدا کے منکر ہوئے جس نے یہ کہا کہ یہ ہمارے باپ دادا کی بخشیں - ہم پشت بہ پشت اُن کے وارث ہوتے چلے آئے ہیں - تو یہ نعمت خدا کا منکر ٹھیرا اور اس کا حال اُس کوڑھی اور گنجے کی طرح ہے جن کو فرشتے نے خدا تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں - اور وہ اُنکے منکر ہو کر کہنے لگے یہ تو ہمارے باپ دادا سے بطور میراث چلی آتی ہیں - فرشتے نے کہا - اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تم کو پہلی حالت میں کر دے سو ایسا ہی ہوا) اگر کفار غور کرتے تو نعمتوں کا باپ دادا سے موروثی چلے آنا اللہ تعالیٰ کا اعلیٰ درجے کا انعام ہے - کہ پہلے اُن کے باپ دادا کو بھی نعمتیں بخشیں - پھر اُن کو بطور میراث عطا فرمائیں سب نے اُن سے پہلے فائدہ اُٹھایا اور جو یہ کہتا تھا - کہ اگر فلاں شخص نہ ہوتا - تو ایسا ایسا ہو جاتا - اُس کے کلام میں بھی اُس ذات الٰہی کی طرف نعمت کو نسبت کرنا نہیں پایا جاتا - کہ اگر اُس ذات پاک کی ہستی نہ ہوتی - تو نعمت کا نام و نشان نہ ہوتا - بلکہ اُس نے نعمت کو اُس کی طرف نسبت کیا - اپنے آپ کو یا کسی دوسرے کو کچھ نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا جس کی طرف نعمت کو منسوب کیا

ہے وہ زیادہ سے زیادہ سبب کی جزو ہو جس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اُسے عطا فرمائی ہے ظاہر ہے کہ سبب کوئی مستقل موجد نہیں ہوتا۔ اور نہ کسی چیز کو کسی کا سبب بنانا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے وہی نعمت بخشنے والا اور وہی اُس کے اسباب بہم پہنچانے والا ہے سبب در سبب سب اُسی کی نعمتیں ہیں۔ اللہ سبحانہٗ کبھی ایک خاص سبب کے ذریعے نعمت بخشتا اور کبھی بدون اسکے عطا فرما دیتا ہے اور وہاں سبب کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور کبھی سرے سے سبب کی سببیت ہی دور کر دیتا اور کبھی ایسی چیز پیدا کر دیتا ہے جو اُس کی سببیت کی مقابل و مقاوم ہوتی ہے۔ اور کبھی سبب کے خلاف مقتضاء کو اُس پر مرتب فرماتا ہے۔ غرض درحقیقت وہی ایک اللہ سب نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ جس نے یہ کہا کہ ہمیں یہ نعمتیں اپنے معبودوں کی سفارش سے ملی ہیں۔ تو اُس کے قول میں شرک اور نعمت کو غیر منعم کی طرف نسبت کرنا دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ معبود جن کی اللہ کے سوا یہ پرستش کرتے ہیں خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کرنے کا مرتبہ نہیں رکھتے بلکہ وہ تو اُس کے ہاں نہایت ذلیل حقیر اور اپنے پجاریوں سمیت ذلت اور عذاب میں گرفتار کیے جائینگے۔ اور تمام مخلوق میں سے اُس کا زیادہ مقرب اور پیارا اُس وقت سفارش کریگا جب وہ اجازت فرمائیگا پس سفارش جو اُس کی اجازت کے بعد ہے یہ بھی تو اُسی کی نعمت ہوئی۔ غرض شفاعت کی اجازت دینا اُسے مقبول فرمانا اور اس کا اہل بنانا یہ سب اُسی کی نعمتیں ہیں۔ کیونکہ نہ تو ہر شخص شفاعت کا اہل ہے۔ اور نہ ہر کسی کو شفاعت کی اجازت ملے۔ اور نہ ہر ایک کی سفارش قبول ہو پس درحقیقت اُس کے سوا اور کوئی منعم نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (اور جتنی نعمتیں تم کو حاصل ہیں (سب) خدا ہی کی طرف سے ہیں) سو بندہ دُنیا و آخرت میں اُس کی نعمت فضل منت و احسان سے ایک لحظہ بھی خالی نہیں۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کی مذمت بیان فرمائی ہے کہ جس کو وہ اپنی کوئی نعمت عطا فرمائے اور وہ کہے کہ یہ تو میری لیاقت و علمیت سے مجھے حاصل ہوئی ہے۔ چنانچہ دوسری آیت شریف میں آیا ہے فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ (تو انسان (کی عادت ہے کہ اس کو) جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب اُس کو ہم اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں۔ تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجھ کو بس (میری) لیاقت کی وجہ سے ملی ہے۔ بغوی نے کہا ہے عَلٰى عِلْمٍ کا مطلب یہ ہے وہ کہتا کہ اللہ تعالیٰ کو اِس بات کا علم تھا کہ میں اس نعمت کے لائق اور اس کا مستحق ہوں۔ مقاتل کا قول ہے کہ اللہ کو میری خیر و خوبی کا علم تھا۔ ایک اور جماعت نے بھی بغوی کے موافق کہا ہے اِن دونوں قوموں کا مطلب یہ ہے کہ وہ نعمت مجھے اس

لئے حاصل ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو میرے علم کا علم ہے یعنی وہ جانتا ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں اسی لئے مجھ کو یہ نعمت
ملی ہے اس لیاقت و قابلیت کے سبب ملی ہے۔ یہ رزق کمانے کی قوت اور لیاقت مجھے حاصل ہے۔ قتادہ
وغیرہ کا یہی قول ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ جو کچھ مجھے عطا ہوئی
ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس میری عزت اور قدر ہے۔ یہ اور قول ہے۔ آیت شریفہ (اُوْتِیْتُہٗ عَلیٰ
عِلْمٍ) کی تفسیر میں یہ ہے اکابر یعنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکی تردید کے لئے فرمایا۔ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ (بلکہ
وہ نعمت آزمائش ہے یعنی یہ نعمت جو ہم نے اُسے عطا کی ہے۔ یہ ایک فتنہ آزمائش اور مصیبت
ہے جس سے ہم اس کو بتلاتے اور اس کا امتحان کرتے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ ہمارا برگزیدہ
و پسندیدہ اور محبوب و مقرب ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قارون کے قصے میں فرمایا ہے اَوَلَمْ
يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا
(قارون نے) یہ خیال نہ کیا کہ اس سے پہلے خدا (گذشتہ) امتوں میں سے بہت سے ایسے لوگوں کو ہلاک
کرچکا ہے جو (نوکروں چاکروں کا) اس سے کہیں زیادہ (جتھا) رکھتے تھے اور انکے پاس جمع (پونجی)
بھی (اس سے) بہت زیادہ تھی) سو اگر مال و دولت، قوت و جاہ کا عطا فرمانا اس شخص سے اللہ تعالیٰ
کی خوشنودی اور اس کی بزرگی قدر و علو رتبہ پر دلالت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنہیں
قارون سے زیادہ مال و دولت بخشا تھا کبھی ہلاک نہ کرتا لیکن جب باوجودیکہ انہیں عطا و بے شمار
بخشش کے ہلاک کر دیا تو معلوم ہوا کہ یہ مال و دولت کا عطا کرنا امتحان و آزمائش کے لئے تھا نہ کہ
محبت خوشنودی اور انکی پسندیدگی کی وجہ سے۔ اسی واسطے دوسری آیت میں فرمایا ہے۔ بَلْ
هِيَ فِتْنَةٌ یعنی یہ نعمت ایک فتنہ و آزمائش ہے نہ عزت و کرامت۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ
(لیکن اکثر لوگ اس بات سے واقف نہیں) پھر اس مضمون کو اس قول (قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا (جو لوگ ان سے پہلے
ہو گذرے ہیں وہ بھی ایسی (باتیں) بکا کرتے تھے تو جو کچھ وہ کرتے رہے (کچھ بھی) انکے کام نہ آیا۔ اور
انکے اعمال (بد) کے برے نتیجے انکو پہنچے (پر پہنچے) سے مؤکد فرمایا ہے یعنی جو لوگ ان سے پہلے گذر چکے
ہیں جب ہم نے انکو اپنی نعمتیں بخشی تھیں۔ تو انہوں نے بھی یہی بات کہی تھی ۔

ابن عباس کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انکو مال دنیا عطا فرمایا۔ تو وہ اس نعمت سے
نہایت خوشی میں آکر سرکش و متکبر ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ یہ اللہ کے ہاں سے ہماری عزت و بزرگی ہے
جملہ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (تو جو کچھ وہ کرتے رہے کچھ بھی انکے کام نہ آیا) کا مطلب

یہ ہے کہ انھوں نے خیال کیا تھا۔ کہ ہمارے ہاں سے یہ نعمتیں انکو بطور عزت ملی ہیں لیکن درحقیقت ایسا نہ تھا
کیونکہ وہ عذاب میں مبتلا ہوئے۔ اور انکی کمائی ذرا بھر کام نہ آئی۔ اور یہ ظاہر ہو گیا۔ کہ یہ نعمتیں اس لئے عطا نہ
ہوئی تھیں کہ وہ ہمارے ہاں معزز تھے اور جن کو ان سے محروم رکھا تھا وہ ذلیل تھے۔ ابو اسحاق کہتے ہیں
اس کا مطلب یہ ہے کہ انکے اس قول سے کہ یہ نعمتیں ہم کو بطور عزت ملی ہیں۔ یہ مستفاد ہوتا ہے کہ انکے تمام اعمال ضائع ہو گئے اعمال حسنہ ضائع کرنیکو مجازاً ان لفظوں یعنی فَمَا اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ
کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ پھر اللہ سبحانہ نے انکے اس جھوٹے گمان وغلط خیال اور اس قول اَوَلَمْ
يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (کیا ان کو اتنی بات معلوم نہیں کہ اللہ
جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگی کر دیتا ہے) سے باطل
فرمایا۔ غرض عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ میں لفظ علم سے اگر اس شخص کا علم مراد ہو جس کو نعمت دی گئی تھی تو مطلب
یہ ہوگا۔ کہ یہ نعمت مجھے اس علم، تجربے اور دانش کی وجہ سے ملی ہے جو مجھے حاصل تھے۔ اور اگر
اللہ تعالیٰ کا علم مراد ہو تو مطلب یہ ہے کہ یہ نعمت مجھے اس وجہ سے ملی ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا
کہ میں اس نعمت کا اہل ومستحق ہوں اور اس کو معلوم تھا کہ مجھ میں وہ خوبی تھی جس کے باعث میں اس کے
سزاوار اور لائق تھا۔ اور یہ اس کی طرف سے میری نوازش وعزت افزائی ہے۔ بعض نے دوسرے
معنی کو اس لحاظ سے ترجیح دی ہے کہ قائل نے کلمہ اُوْتِيْتُهٗ (مجھے وہ نعمت ملی ہے) کہا اور یہ نہیں
کہا کہ میں نے اسے اپنے علم ودانش سے کمایا اور حاصل کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس بات
کا معترف ہے کہ وہ نعمت کسی دوسرے نے اسے عطا کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول بَلْ هِيَ
فِتْنَةٌ (بلکہ یہ نعمت ایک آزمائش ہے) اسی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ یہ نعمت
اسے اس وجہ سے نہیں عطا ہوئی۔ کہ وہ ہماری بارگاہ میں صاحب عزت ہے بلکہ وہ اس کے
امتحان وآزمائش کے لئے عطا کی گئی ہے کہ وہ ہمارا شکر بجا لاتا یا ناشکری کرتا ہے اور یہ مضمون
اس آیت کے موافق ہے فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ
اَكْرَمَنِ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ (لیکن انسان کا حال
یہ ہے کہ جب اس کا پروردگار اس طرح پر اس (کے ایمان) کو آزماتا ہے کہ اس کو عزت و
نعمت دیتا ہے تو (وہ خوش ہو کر) کہتا ہے کہ جب وہ اس (کے ایمان) کو (اس طرح پر) آزماتا
ہے کہ اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ (تنگدل ہو کر) بڑبڑاتا رہتا ہے کہ میرا پروردگار
مجھے ذلیل سمجھتا ہے جس کو نعمت عطا ہوئی ہے وہ اس بات کا معترف ہے کہ پروردگار ہی نے اسے

وہ بخشی ہے۔ لیکن اس کا یہ گمان کہ یہ اس کے اعزاز و اکرام کی وجہ سے عطا ہوئی ہے غلط ہے۔ پہلے معنی کی صورت میں آیت میں اُن لوگوں کی مذمت ہے جو نعمتوں کو اپنی ذات اپنے علم و قوت کی طرف منسوب کرتے اور انہیں اللہ کے فضل و احسان سے نہیں سمجھتے ہیں یہ انکی صریح ناشکری ہے شکر کی جڑ یہی ہے کہ نعمت کے اعتراف کے ساتھ اس بات کا بھی معترف ہو کہ یہ اُس منعم کی طرف سے ہے جو وحدہ لاشریک ہے۔ اور جب غیر کی طرف نسبت کیا۔ تو کفران نعمت ہوا۔ اور جب یہ کہا کہ یہ مجھے اپنے علم و دانش سے حاصل ہوئی ہے تو اسے اپنی ذات کی طرف نسبت کیا اور اس پر مغرور ہوا جیسے ان لوگوں نے اپنی قدرت کی طرف نسبت کیا تھا جو یہ کہتے تھے مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً (ہم سے زور میں کون زیادہ ہے) سو وہ اپنی قوت پر مغرور ہوئے اور یہ اپنے علم پر۔ اُن دونوں کا زور و قوت کچھ کام نہ آیا۔ اور اسے اس کے علم نے کچھ نفع نہ دیا۔ اور دوسرے معنی کی صورت میں آیت میں اُن لوگوں کی مذمت ہے جو یہ اعتقاد کرتے ہیں۔ کہ اُن پر اللہ تعالےٰ کا انعام اس وجہ سے ہے کہ وہ اس کے اہل و مستحق ہیں۔ اِن لوگوں نے نعمت کا سبب اپنے اُن صفات کو قرار دیا ہے جن کی وجہ سے وہ اللہ کے انعام کے مستحق ہیں اور یہ سمجھا کہ یہ نعمت اُنکے احسان و خوبی کا بدلہ ہے اور اس کا سبب وہی صفات ہیں جن کے ساتھ وہ موصوف ہے۔ خدا تعالیٰ کے جود و احسان۔ تفضل و منت کو اس کا سبب نہ سمجھا اور نہ یہ جانا کہ یہ نعمت اُس کی آزمائش و امتحان ہے کہ شکر بجالاتا یا ناشکری اختیار کرتا ہے اور اس کی کسی خوبی یا عمل کا بدلہ نہیں۔ اگر بالفرض اُس کے کسی عمل یا خوبی کے عوض میں ملی ہے تو وہ خوبی یا عمل بھی خدا تعالےٰ ہی کی دی ہوئی نعمت ہے۔ غرض نعمت اور اس کا سبب سب کچھ اُسی کی منت فضل اور جود سے ہے۔ بندہ اپنے اختیار سے ایک ذرہ بھر اپنی بہتری نہیں کر سکتا۔ سو ایسے لوگوں نے اگرچہ نعمت کو ایک طرح سے اللہ تعالےٰ کی طرف نسبت کیا ہے لیکن من کل الوجوہ اور پورے طور پہ اُسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے اللہ وحدہٗ کی ذات پاک من کل الوجوہ تمام نعمتوں اور انکے اسباب کی منعم ہے۔ نعمتوں کے اسباب اگرچہ بندے کے کسب اور کوشش سے حاصل ہوں پھر بھی یہ سب اسی کی نعمتیں ہیں کیونکہ کسب اور کوشش بھی اسی کی دی ہوئی نعمت ہے غرضیکہ سب نعمتیں یہاں تک کہ شکر نعمت اللہ وحدہٗ کی طرف سے ہیں۔ شکر بجالانا خود ایک نعمت ہے۔ اور اُس کی توفیق بغیر کوئی اسے بجا نہیں لا سکتا۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے پروردگار میں تیرا شکر کس طرح بجالا سکتا ہوں کیونکہ شکر بجالانا خود ایک ایسی نعمت ہے کہ پھر اُس کا شکر ضروری ہے (اس طرح اس سلسلے کی کوئی نہایت نہیں) اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے داؤد۔ اب تو نے شکر کا حق ادا کیا۔ اِس حدیث کو امام احمدؒ نے ذکر کیا ہے ۔

اور نیز بروایت حسن ذکر کیا ہے کہا کہ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا۔ کہ اگر میرے بدن کے ہر بال کی بجائے دو دو زبانیں ہوں جو رات دن تمام زمانہ تیرے ذکر میں مصروف رہیں تو اے اللہ تیری ایک نعمت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ کلام شاکرین کی حالت اِنَّمَآ اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ کہنے والوں کی حالت سے بالکل جُدا گانہ ہے۔ اور اسی آیت کے لگ بھگ یہ دوسری آیت ہے لَا یَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَیْرِ وَاِنْ مَّسَّہُ الشَّرُّ فَیَئُوْسٌ قَنُوْطٌ وَلَئِنْ اَذَقْنٰہُ رَحْمَۃً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْہُ لَیَقُوْلَنَّ ھٰذَا لِیْ (آدمی بہتری کی دعا مانگنے سے کبھی نہیں اکتاتا اور اگر اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو دل شکستہ اور بالکل ناامید ہو جاتا ہے) اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے اور تکلیف کے بعد ہم اس کو اپنی مہربانی کی لذت چکھا دیتے ہیں۔ تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو میرا ہو لیا)۔ ھٰذَا لِیْ کی تفسیر میں ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ یہ تو میرے اپنے گھر کا ہے۔ مقاتل نے کہا ہے۔ کہ میں اس کا مستحق تھا۔ مجاہد نے کہا ہے کہ یہ میری کوشش سے حاصل ہوا۔ اور میں اس کا سزاوار تھا۔ زجاج نے کہا ہے کہ یہ میری کوشش کے لئے ضروری تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو نہایت بُری صفتوں سے موصوف فرمایا کہ اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو یاس اور ناامیدی کی حالت میں ہو جاتا ہے اور اگر اسے بھلائی پہنچے تو اس بات کو بھول جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے وہ نعمت اسے عطا فرمائی ہے (بلکہ) اترانے لگتا اور یہ خیال کرتا ہے کہ وہ اس نعمت کا مستحق و سزاوار تھا۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اسکے (ایک دوسرے خیال) انکار بعث کو ذکر کیا اور فرمایا ہے وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَۃَ قَآئِمَۃً (اور میں نہیں سمجھتا کہ کبھی قیامت برپا ہو۔ ساتھ ہی اس کے اس کے اس غلط گمان کو کہ اگر بالفرض وہ دوبارہ زندہ کیا گیا تو اس کو وہاں بھی بھلائی ہی ملیگی ذکر فرمایا۔ ایسے نہایت درجہ کے جاہل و مغرور ہیں +

فصل - اللہ تعالیٰ کے قول وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ (اور علم ہوتے ساتے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے) کے متعلق بعض اہل علم کہتے ہیں۔ کہ یہاں علم سے یہ مراد ہے۔ کہ اس گمراہ شخص کو معلوم تھا کہ اس کا معبود اسے کچھ نفع یا ضرر نہیں دے سکتا۔ اس بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوا۔ کہ اس شخص کو وہ علم حاصل تھا جس سے اس پر حجت قائم ہو سکے اور اسے جہالت و نادانی کی حالت میں گمراہ نہیں کیا۔ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (پس کسی کو اللہ کا ہم پلہ نہ بناؤ اور تم تو جانتے (بوجھتے) ہو) اور فَصَدَّھُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَکَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ (اور اسی تدبیر سے) انکو راہ راست کے اختیار کرنے سے روکا تھا ورنہ یوں تو) وہ (بڑی) سوجھ بوجھ کے لوگ تھے) اور وَجَحَدُوْا بِھَا وَاسْتَیْقَنَتْھَا

اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (اور باوجودیکہ اُنکے دِل اُن (معجزوں) کا یقین کرچکے تھے مگر اُنہوں نے بیباکی اور شیخی کے مارے اُنکو نہ مانا) اور وَآتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا (اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دکھاکھلا ہوا معجزہ دیا تھا پھر بھی لوگوں نے نہ مان کر اُس کو ستایا) اور موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے کہنا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا اَنْزَلَ هٰؤُلَاءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَائِرَ (آپ اِن باتوں دِل میں ضرور جان چکے ہیں کہ آسمان و زمین کے پروردگار ہی نے یہ معجزے اُتارے ہیں (اور لوگوں کے لئے یہ) سوجھ کی باتیں ہیں) اور اَلَّذِيْنَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توراۃ وغیرہ) دی ہے وہ جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (اسی طرح ہمارے) اِن (پیغمبرؐ) کو بھی پہچانتے ہیں۔ اور اُن میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دیدہ و دانستہ حق (بات) کو چھپاتے ہیں) اور فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (کیونکہ یہ تم کو نہیں جھٹلاتے بلکہ (یہ) ظالم (حقیقت میں) اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں) اور وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ (اور اللہ کی شان سے بعید ہے کہ ایک قوم کو ہدایت دے پیچھے گمراہ قرار دے تاوقتیکہ اُن کو وہ چیزیں نہ بتادے جن سے وہ بچتے رہیں) اسکے مشابہ ہیں اُنکے علاوہ اسکے اور بھی کئی نظائر ہیں۔ اِس معنی کی بنا پر آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ دیدہ و دانستہ ہدایت کے رستے پر نہیں چلتا اور جان بوجھ کر اُسے چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دِن تمام لوگوں سے زیادہ سخت عذاب اُس عالم کو ہوگا جس کے علم سے اللہ نے اُسے نفع نہ دیا (یعنی اس نے اپنے علم پر عمل نہ کیا) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گمراہ شخص محض نفسانی خواہش کا پیرو ہوتا ہے۔ اِس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ بہتری اور ہدایت کے خلاف کام کرتا ہے۔ اور چونکہ ہدایت میں دو چیزیں ہیں یعنی حق کو پہچاننا اور اُس پر عمل کرنا۔ تو اُن میں سے ہر ایک کی ضد یعنی جہالت اور ترک عمل گمراہی ہوگی۔ پہلی علم کے رو سے اور دوسری عمل کے لحاظ سے ہے۔

لفظ عَلٰی عِلْمٍ قرآن کریم میں تین جگہ آیا ہے (۱) وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ (۲) وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (۳) قَالَ اِنَّمَا اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ۔ پہلے موقع میں تو بالاتفاق علم سے اللہ تعالیٰ کا علم مراد ہے اور دوسرے اور تیسرے موقع میں دو قول ہیں لیکن دوسرے موقع میں راجح یہ ہے کہ یہاں بھی اللہ کا علم مراد ہے یہ جمہور سلف کا یہی قول ہے تیسرے موقع میں دو تو قول یکساں محتمل ہیں اور اپنے موقع پر انکی وجوہ ذکر کئے گئے ہیں واللہ اعلم۔ یہاں ہمارا مدعا یہ ہے کہ قضاء و قدر کے مراتب علم کتابت

مشیت و خلق کو ذکر کریں +

گیارھواں باب

قضاو قدر کے دوسرے مرتبہ کتابت کے بیان میں

شروع کتاب میں وہ آیات اور صحیح و صریح حدیثیں بیان ہو چکی ہیں جو قضاو قدر کے اس مرتبہ کے ثبوت پر دال ہیں۔ اب یہاں ہم صرف اُن آیات و احادیث کو ذکر کرتے ہیں جو پہلے مذکور نہیں ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ (اور ہم زبور میں (پند و) نصیحت کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں۔ کہ ہمارے نیک بندے زمین (کی سلطنت) کے وارث ہونگے جو لوگ خدا کی عبادت کرنے والے ہیں بلاشبہ اُن کے لئے اس میں (ایک بشارت کا) پہنچا دینا ہے۔ زبور سے یہاں صرف داؤد کی زبور مُراد نہیں بلکہ تمام آسمانی کتابیں مراد ہیں۔ اور ذکر سے وہ ام الکتاب مراد ہے جو اللہ کے پاس ہے ارض سے یہاں دنیا اور عباد صالحون سے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت مراد ہے۔ اس آیت کی تفسیر کے متعلق سب سے زیادہ صحیح یہی قول ہے اور رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو نشانات میں سے یہ ایک نشان ہے۔ کہ آپ نے اس بات کا مکے میں اعلان فرمایا۔ اُس وقت تمام روئے زمین پر آپ کے اور آپ کے صحابہ کے مخالفین کافر لوگ مسلط تھے۔ مشرکین نے اُن کو اپنے وطن اور گھر بار سے نکال دیا اور دُور دراز ملکوں میں متفرق کر دیا تھا۔ سو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بتلایا۔ کہ وہ کتاب اوّل میں لکھ چکا ہے کہ کفار کے بجائے ملک کی حکومت و سلطنت کے مسلمان مالک ہونگے۔ اور اس حکم کو تمام آسمانی کتابوں میں بھی لکھدیا ہے۔ کتاب پر لفظ ذکر کا اطلاق صحیح حدیث سے ثابت ہے چنانچہ آیا ہے كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُن شَيْءٌ غَيْرُهُ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ (ایک اللہ تھا۔ اُس کے سوا کوئی چیز نہ تھی۔ اُس کا عرش پانی پر تھا اور ذکر (لوح محفوظ) میں سب کچھ لکھدیا تھا) اسی ذکر میں یہ بھی لکھا تھا کہ دُنیا کی حکومت اُمت محمدیہ کو ملیگی۔ اور کتاب منزلہ پر لفظ زبُر کا اطلاق خود قرآن مجید میں موجود ہے چنانچہ آیا ہے وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ (اور (اے پیغمبر) ہم نے تم سے پہلے بھی)

یہی تمہاری ہی (طرح کے) آدمی (پیغمبر بنا کر) بھیجے تھے (اور بھیجے بھی تھے تو) دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ
کہ انکی طرف وحی بھیج دیا کرتے تھے تو (ان منکروں سے کہو کہ) اگر (یہ بات) تم کو خود معلوم نہیں تو (پچھلی آسمانی
کتابوں کے) پڑھنے پڑھانے والوں سے پوچھ دیکھو یعنی ہم نے انبیاء کو کھلے معجزے اور وہ کتابیں دیکر
بھیجا جو سراپا ہدایت اور نور تھیں۔ یہاں ذکر سے وہ کتابیں مراد ہیں۔ جو رسول خدا کے مبعوث ہونے
سے پہلے نازل ہوئی تھیں یعنی تورات و انجیل اور اللہ تعالیٰ نے کہ اس کلام : وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ
لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ (اور اسی طرح) ہم نے تم پر (بھی) یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو احکام
لوگوں (کی ہدایت) کے لئے انکی طرف بھیجے گئے ہیں۔ تم ان کو اچھی طرح سمجھا دو) میں لفظ ذکر سے
قرآن کریم مراد ہے۔ اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تمام موجودات اپنے وجود سے اللہ تعالیٰ کو
معلوم اور اس کے پاس مرقوم ہیں۔ ایک اور مقام میں فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا
قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ (بیشک ہم ہی مردوں کو جلائیں گے
اور جو (عمل زاد آخرت بنا کر لوگ اپنے آگے) آگے بھیجتے ہیں اور (جو) آثار اُن کے مرے پیچھے دنیا
میں باقی رہ جاتے ہیں ہم (سب کو) لکھ رہے ہیں اور ہم نے تو سب ہی چیزوں کو کتاب واضح (یعنی لوح محفوظ
میں قلمبند کر رکھا ہے) اس آیت میں اللہ جل شانہ نے دو نوشتوں کو یعنی ایک اُس کو جو بنی آدم کے
وجود سے پہلے انکے اعمال کی نسبت ہو چکی ہے اور دوسرے اُس نوشت کو جو انکے اعمال صادر ہونے پر
ساتھ ساتھ ہوتی ہے ذکر فرمایا اور بتلایا ہے کہ وہ انہیں موت کے بعد بعث کے لئے دوبارہ زندہ کریگا
اور انکو ان کے اعمال کا بدلہ دیگا۔ اور متنبہ فرمایا کہ تمہارے اعمال اس غرض کے لئے لکھے جا رہے ہیں تاکہ تمہیں
اُن کی جزاو سزا ملے۔ فرمایا تمام زندگی میں جو کچھ خیر و شر کرتے ہیں وہ سب ہم لکھ لیتے ہیں اور آثار
سے وہ رسوم نیک یا بد مراد ہیں جن کو جاری کیا اور اُن کے مرنے کے بعد لوگ اُن پر چلتے رہے
بروایت عطا ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ آثار سے وہ خیر یا شر مراد ہے جس کو مرنے کے
بعد چھوڑا چنانچہ دوسرے موقع میں آیا ہے يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ (اس
دن انسان کو جتا دیا جائیگا کہ کیسے اعمال اُس نے (پہلے سے زاد آخرت بنا کر) بھیجے ہیں اور کیسے
آثار (وہ دنیا میں) پیچھے چھوڑ آیا ہے) اگر یہ شبہ پیدا ہو کہ یہ مضمون تو لفظ قَدَّمُوْا سے سمجھا گیا ہے پھر
لفظ آثارہم کے لانے سے کیا فائدہ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ آثارہم سے یہ عظیم فائدہ حاصل ہوا ہے
کہ اللہ سبحانہ اُن کے اعمال اور نیز وہ چیزیں جو اُن کے اعمال کے ذریعے پیدا ہوں سب کو تحریر میں لاتا
ہے جو چیزیں کہ انکے اعمال کے ذریعے پیدا ہوں خیر ہو یا شر اس کے عامل اور فاعل وہی ہیں پس آثارہم

سے اُنکے اعمال کے آثار مراد ہیں۔ اور مقاتل کے قول سے یہ قول زیادہ عام ہے شاید کہ مقاتل نے سلف کے طور پر (کہ لفظ عام کی تفسیر میں مدلول کے ایک نوع یا نوع کے ایک فرد کو بطور تمثیل و تقریب ذکر کر دیتے ہیں) تمثیل اور بیان کو مدنظر رکھا ہے حصر و احاطہ اُسے مقصود نہیں ؞

بروایت عکرمہ انس و ابن عباس نے فرمایا ہے کہ یہ آیت بنی سلمہ کے حق میں جبکہ انہوں نے مسجد نبوی کے پاس اس وجہ سے سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا کہ اُن کے گھر مسجد سے زیادہ دور تھے۔ (اور نماز کے لئے آنے میں تکلیف تھی) نازل ہوئی۔ جب اُس کا نزول ہوا تو بنی سلمہ کہنے لگے کہ اب ہم دور ہی رہینگے (اور وہاں سے چلکر آنیکا ثواب حاصل کرینگے) جو لوگ اس بات کے قائل ہیں۔ اُن کی دلیل صحیح بخاری کی وہ حدیث ہے جو ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ بنی سلمہ مدینے کے ایک کونے میں رہتے تھے۔ پھر اُنہوں نے مسجد کے پڑوس میں آنیکا ارادہ کیا تو یہ آیت اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی الآیہ نازل ہوئی۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنی سلمہ اپنے مکانوں میں ٹھیرے رہو۔ تمہارے نشان قدم (اللہ کی درگاہ میں) لکھے جاتے ہیں مسلم نے بھی اپنی صحیح میں بروایت جابر و انس ایسا ہی روایت کیا ہے۔ لیکن اس قول میں نظر ہے کیونکہ سورہ یس مکے میں نازل ہوئی اور بنی سلمہ کا قصہ مدینے کا ہے ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آیت مذکورہ مدنی ہے۔ اور عمدہ جواب یہ ہے کہ بنی سلمہ کے قصہ کی نسبت یہ آیت ذکر کی گئی۔ اور وہ قصہ بھی اس کا مصداق ہو۔ صحابہؓ نے آنحضرتؐ یا جبرائیلؑ سے اِسے ذکر کیا ہو۔ پھر راوی نے اس ذکر کرنے کو نزول سے تعبیر کیا۔ جو لوگ ایسی آیات کے متعلق یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ یہ دو بار نازل ہوئیں۔ غالباً اُن کا مطلب یہی ہو گا۔ غرض کہ مساجد کی طرف آنے میں انسان جو قدم اُٹھاتا ہے وہ منجملہ اُن آثار کے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ بندے کی نیکیوں میں لکھتا ہے ؞

عمر بن خطاب کا مقولہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ابن آدم کے کسی کام کو بے لکھے چھوڑتا۔ تو اُس کے اُس کھوج کو نہ لکھتا جو ہواؤں کے چلنے سے مٹ گیا ہو۔ مسروق کا قول ہے کہ آدمی کے ہر ایک قدم کے ساتھ نیکی یا بدی لکھی جاتی ہے۔ خلاصہ کلام اللہ تعالیٰ کے قول وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ (جس میں امام مبین سے لوح محفوظ مراد ہے اور وہی ام الکتاب ہے اور وہ ذکر ہے جس میں سب چیزیں لکھی گئی ہیں) اسے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ بندوں کے اعمال اُن کے صدور سے پہلے لکھے گئے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اُن کا عالم۔ حافظ اور اُن کی تعداد سے پورا واقف ہے۔ ایک اور مقام میں فرمایا ہے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ۔

(اور جتنے حیوانات زمین میں چلتے پھرتے ہیں اور جتنے پرندے اپنے دو پروں پر اڑتے پھرتے ہیں یہ سب بھی تم لوگوں کی طرح کی مخلوقات ہیں۔ لوح محفوظ میں (سب لکھے ہوئے موجود ہیں) ہم نے (لکھنے) سے کوئی چیز فروگذاشت نہیں کی۔ پھر (قیامت کے دن سب کے سب) اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر کئے جائیں گے) اس آیت میں جو لفظ کتاب مذکور ہے۔ اس میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اس سے قرآن مجید مراد ہے۔ بعض نے کہا لوح محفوظ۔ پہلے قول پر لفظ من شیئ سے جو عام ہے خاص وہ امور مراد ہیں جو ضروری و کارآمد ہیں مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے قرآن میں وہ چیزیں جن کا ذکر و بیان مسلمانوں کے لئے ضروری و مفید تھا سب ذکر کر دی ہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا ہے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ (اور (اے پیغمبر) ہم نے تم پر (یہ) کتاب نازل کی ہے (جس میں) ہر چیز کا بیان (شافی) ہے) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بالعموم تمام چیزیں مراد ہوں۔ اور مطلب یہ ہو کہ قرآن میں سب چیزیں بالاجمال اور بعض بالتفصیل مذکور ہیں جیسا کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بالوں کو پیوند کرنے والی اور پیوند کرانے والی دونو پر لعنت فرمائی ہے۔ تو میں ایسے آدمی پر جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ملعون ٹھیرایا ہے کیوں لعنت نہ کروں اس پر ایک عورت نے کہا میں نے تمام قرآن پڑھا ہے مگر اس میں واصلہ اور مستوصلہ کی لعنت کہیں نظر نہ آئی۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا اگر تو غور سے پڑھتی تو یہ مسئلہ تمہیں ضرور ملجاتا (دیکھو) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (اور مسلمانو جو چیز پیغمبر تم کو دیدیا کریں وہ تو لے لیا کرو اور جس سے منع کریں (اس سے) دستکش رہو) اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے واصلہ و مستوصلہ پر لعنت فرمائی ہے۔ امام شافعیؒ کا مقولہ ہے کہ کبھی مسلمان کو کسی قسم کا کوئی واقعہ پیش نہ ئے۔ قرآن کریم میں ہر ایک کے متعلق فیصلہ و دلیل موجود ہے۔ اور جو لوگ کتاب سے لوح محفوظ ارادہ کرتے ہیں۔ اُنکے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں تمام چیزیں لکھ رکھی ہیں۔ ایک روایت میں ابن عباس سے ایسا ہی مروی ہے۔ اور یہی ظاہر اور سیاق آیت بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ (اور جتنے حیوانات زمین میں (چلتے پھرتے) ہیں اور جتنے پرندے اپنے دو پروں پر اڑتے پھرتے ہیں یہ سب بھی تم لوگوں کی طرح کی مخلوقات ہیں) اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ چرند پرند بھی خلق۔ رزق۔ کھانے (پینے) اور تقدیر سابق میں ہماری ہی طرح ہیں۔ اور وہ بھی بیکار نہیں بنائے گئے۔ بلکہ وہ حکم کے تابع اور منقاد ہیں۔ اُنکے خلق۔ اجل۔ رزق۔ اور مآل کار کو اللہ تعالےٰ نے مقدر فرمایا ہے۔ پھر اُن کی وہ حالت جو اُنکے فنا کے بعد ہوگی ذکر کرتے ہوئے

فرمایا ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ۔ غرض اللہ تعالیٰ نے انکے مبدأ و منتہیٰ دونوں کو ذکر کیا۔ اور اس کے درمیان یہ فرمایا مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (یعنی تمام چیزیں اپنی ہستی سے پہلے لکھی گئیں اور مقدر و محفوظ ہو چکی ہیں۔ اس لحاظ سے کتاب سے قرآن مجید اور مِنْ شَیْءٍ سے امور دینی اور دنیا سب مراد ہیں۔ بلکہ کتاب سے لوح محفوظ مراد لینا مناسب ہے۔ لیکن جو شخص پہلے قول کی تائید میں ہو وہ اس کا جواب اس طرح دے سکتا ہے کہ کتاب سے قرآن کریم ارادہ کرنے میں کوئی بُعد نہیں۔ کیونکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم اس ذکر و بیان پر حاوی ہے کہ تمام چیزیں پہلے سے لکھی گئی ہیں یا یہ تمام چیزیں جو ہو چکی ہیں یا آئندہ قیامت تک موجود ہونگی قرآن میں اجمالاً یا تفصیلاً مذکور ہیں ایک اور وجہ سے بھی پہلے معنی کی تائید ہوتی ہے کہ آیت مذکورہ سے آیت وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (اور کافر کہتے ہیں کہ اس مدعی رسالت کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشان (یعنی معجزہ جیسا ہم کہتے ہیں) کیوں نہیں اترا اے پیغمبر صلے اللہ وسلم تم انکو جواب دو۔ کہ اللہ نشان (یعنی حسب فرمائشی معجزے کے اتارنے پر قادر ہے۔ مگر ان میں کے اکثر خدا کی مصلحتوں کو نہیں جانتے) کے بعد آئی ہے سو اللہ تعالیٰ نے کفار کے سوال کے مطابق اُن کو اس ایسے بڑے عظیم الشان معجزے پر آگاہ فرمایا۔ جو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی روشن دلیل ہے یعنی وہ کتاب مجید جو ہر ایک چیز کے بیان پر حاوی ہے اور کوئی چیز اس میں نظر انداز نہیں کی گئی۔ پھر انہیں یہ بتلایا۔ کہ تم بھی ایک مخلوق ہو منجملہ میری اُن مخلوقات کے جو آسمان و زمین میں ہیں۔ اس سے اللہ خالق کی ہستی۔ کمال قدرت۔ علم۔ وسعت ملک اور مخلوقات کی کثرت اور وفور معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی وہ بے انتہا مخلوق ہے جس کو اس کے سوا کوئی شمار و حصر نہیں کر سکتا۔ نیز اس سے معلوم ہوا۔ کہ اُس کے سوا کوئی معبود اور اس کے بدوں کوئی رب نہیں۔ وہی رب العالمین ہے۔ ان چیزوں کا پیدا کرنا خلق اور قدر کے طریق سے اللہ تعالےٰ کی وحدانیت اور اس کے صفات کمال کی دلیل ہے۔ اور ایسی کتاب کا نازل فرمانا جو سب چیزوں کے بیان کو حاوی ہے امر اور کلام کے طور پر وحدانیت و صفات کمال کی دلیل ہے۔ دونوں طور یعنی خلق و امر سے توحید و صفات کمال پر استدلال ثابت ہوا۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ

× × × × × × × × × × × × × × × × ×

اور یہ آیت بھی اس کی شاہد و مؤید ہے وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (اور بعض لوگ تمہاری نسبت) کہتے ہیں

کہ اس شخص (یعنی) پر اس کے پروردگار کی طرف سے معجزے کیوں نہیں آتے سو اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ معجزے تو خدا ہی کے پاس (یعنی اُسی کے اختیار میں) ہیں اور میں تو صاف طور پر ڈر سنانے والا ہوں اور بس (اے پیغمبر) کیا ان لوگوں کے لئے (یہ معجزہ) کافی نہیں۔ کہ ہم نے تم پر قرآن اُتارا جو ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اُن کے لئے تو اس میں (خدا کی بڑی) مہربانی اور (مہربانی کے ساتھ) نصیحت ہے (اور جو لوگ قول ثانی کے مؤید ہیں وہ یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ جب کفار نے معجزہ طلب کیا تو اللہ سبحانہ نے اُن کو بتلایا کہ معجزہ و نشان ظاہر نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے۔ کہ نشان کو ظاہر کرنا ہماری قدرت سے باہر ہے بلکہ اظہار نشان ہمارے اختیار میں ہے لیکن ظاہر نہ کرنے میں ایک پوشیدہ حکمت ہے۔ اور نیز اُن کی حالت پر رحم اور ان پر احسان کرنا منظور ہے کیونکہ اگر وہ ان کی استدعا کے مطابق ظاہر کیا جاتا اور پھر وہ ایمان نہ لاتے تو فوراً عذاب میں گرفتار کئے جاتے اس کے بعد اپنی بیشمار مخلوق کا ذکر فرمایا جو اسکے کمال قدرت پر دال ہے سو جو ذات پاک اس قدر بے انداز مخلوقات پیدا کرنے پر باوجودیکہ اُن کے اجناس۔ انواع۔ صفات اور ہیئتیں ایک دوسرے سے جدا و مختلف ہیں۔ قادر ہے وہ معجزہ و نشان دکھلانے سے کیسے عاجز ہو سکتی ہے پھر اپنے کمال قدرت و علم کو بیان فرمایا کہ اُس نے اس سب مخلوق کا شمار کیا ہوا ہے اور ان کو اپنے پاس لکھ رکھا ہے۔ اور ان کے رزق۔ عمریں اور تمام حالات اُس کتاب میں ثبت فرمائے ہیں۔ جس سے کوئی چیز چھوٹنے نہیں پائی۔ پھر ان کو فنا کر دیگا۔ اور قیامت میں سب کو زندہ کر اٹھائیگا۔ لیکن جو لوگ اللہ تعالےٰ کی آیات سے منکر ہیں وہ بہرے گونگے۔ جہالت کے اندھیروں میں پڑے ہیں۔ سوچ اور تدبر سے کام نہیں لیتے جس سے خدا تعالےٰ کی ربوبیت۔ توحید اور تصدیق انبیاء کا راستہ ملے۔ اس کے بعد یہ بتلایا کہ اگر معجزات ان کے حسب خواہش ظاہر بھی ہو جاتے۔ تاہم جب تک اللہ ہدایت نہ کرے۔ وہ سچائی کو مانتے نہیں یہ سب معاملہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جسے چاہے بہکا دے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر چلائے۔ اور قول ثانی زیادہ ظاہر معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم ؏

دوسرے مقام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ حٰمٓ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ (حٰمٓ (اس) کتاب (یعنی قرآن) کی قسم ہے جس کے مطالب صاف اور واضح ہیں کہ ہم نے اُس کو (صاف صاف سلیس) عربی (زبان کا) قرآن بنایا ہے۔ تاکہ تم (اہل عرب) اس کو بآسانی سمجھو (اور تمہارے ذریعے سے دوسرے لوگ) اور یہ (قرآن) ہمارے ہاں اصل کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں (لکھا ہوا موجود ہے) اور بڑے پایہ کی (اور) حکمت (و دانائی

کی اکتاب قرار دی گئی ہے) +

ابن عباسؓ نے کہا ہے ام الکتاب سے لوح محفوظ مراد ہے۔ مقاتل کا قول ہے کہ قرآن کریم پہلے اصل کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھا گیا۔ ام الکتاب کا معنی اصل کتاب ہے۔ اور ہر چیز کے اصل کو اُم کہتے ہیں۔ اور قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کے پیدا کرنے سے پہلے لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا چنانچہ فرمایا ہے بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ (بلکہ یہ قرآن بڑے رتبہ کا قرآن (اور ہمارے ہاں) لوح محفوظ میں لکھا ہوا موجود ہے +

صحابہ کرام و تابعین اور جمیع اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ قیامت تک جو چیزیں پیدا ہونگی۔ وہ سب لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔ اور قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالے جو کام کرتا یا جو بات فرماتا ہے وہ پہلے سے لوح محفوظ میں لکھدی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے تمام افعال اور اُس کا کلام لوح محفوظ میں مکتوب ہیں۔ مثلاً تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ ابولہب کے وجود سے پہلے لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے۔ کلمہ لدینا بلحاظ ترکیب نحوی لفظ ام الکتاب سے بھی متعلق ہو سکتا ہے۔ اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وہ کتاب ہمارے پاس موجود ہے۔ ابن عباس کا یہی مختار ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ علی حکیم کے متعلق ہو یعنی یہ کتاب ایسی نہیں جیسے منکرین ومکذبین کا خیال ہے بلکہ ہمارے ہاں بلند پایہ کی حق اور پُر از حکمت ہے +

ایک اور مقام میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ (تو اُس سے بڑھ کر ظالم (اور کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ (جھوٹ) بہتان باندھے یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے یہی لوگ ہیں جن کو (تقدیر کے) لکھے ہوئے میں سے اُن کا حصہ اُن کو پہنچیگا) +

سعید بن جبیرؓ مجاہد اور عطیہ نے اُس کی تفسیر میں کہا ہے کہ نصیب سے وہ شقاوت مراد ہے جو پہلے سے لوح محفوظ میں اُنکے لئے لکھی گئی ہے۔ عطیہ نے استشہاد کے طور پر آیت پڑھی فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ (اُسی نے) ایک فریق کو ہدایت دی اور ایک فریق ہے کہ گمراہی اُن (کے سر) پر سوار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اُن کے لئے جو شقاوت مقدر ہو چکی تھی۔ وہ اُن کو حاصل ہوئی۔ بروایت عطاء ابن عباس کا یہی قول ہے یعنی جو کچھ اُن کے لئے پہلے سے اللہ کے علم یعنی لوح محفوظ میں مقرر ہو چکا۔ غرض اس قول کے مطابق کتاب سے کتاب اول اور نصیب سے وہ شقاوت اور اس کے اسباب مراد ہیں جو پہلے سے اُن کے لئے لکھے گئے +

ابن زید، قرظی اور ربیع بن انس کا قول ہے کہ ان کے لئے جو رزق اور عمل لکھے گئے ہیں۔ ان کو وہ پالیتے ہیں اور جب روزی ختم ہو جاتی ہے تو ہمارے فرشتے آکر ان کے ارواح قبض کر لیتے ہیں۔ بعض علماء نے لفظ حتیٰ کے لحاظ سے جو غایت کے لئے موضوع ہے۔ اس قول کو راجح ٹھیرایا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے رزق اور عمل پورے کر لیتے ہیں، مگر پہلے قول کی تائید کرنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ یہاں حتیٰ غایت کے لئے نہیں بلکہ یہ حتیٰ ابتدائیہ ہے جو جملوں پر داخل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مصرع میں ہے ع

فَیَا عَجَبًا حَتّٰی کُلَیْبٌ تَسُبُّنِیْ

اور صحیح یہ ہے کہ یہاں نصیب سے شقاوت، اعمال جو انکے واسطے ہیں اور نیز عمر جو عمل کرنے کی مدت ہے اور روزی جو ان کے کرنے کا ذریعہ ہے سب مراد ہیں آیت ان سب کو شامل ہے لیکن بعض نے کسی کو ذکر کیا اور بعض نے کسی کو صحیح قول کے مطابق اور نیز اس بنا پر کہ کتاب سے لوح محفوظ مراد ہے یہ مطلب ہوگا۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ یہاں کتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ زجاج نے کہا ہے نصیبہم من الکتاب کا یہ مطلب کہ ان کو وہ سزا ملیگی۔ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہے جیسے فَاَنْذَرْتُکُمْ نَارًا تَلَظّٰی (تو لوگو ہم نے تم کو دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرا دیا ہے) اور یَسْلُکْهُ عَذَابًا صَعَدًا (تو وہ اس کو عذاب سخت میں لے جا داخل کرے گا) جو لوگ اس بات کے قائل ہیں وہ اس معنی کو اس لحاظ سے ظاہر کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد جگہ ان کے عذاب کو بیان کیا اور اس کے بعد یہ بتلایا ہے کہ ان کو ان کا نصیب ملجائیگا۔ لیکن صحیح وہی بات ہے جو پہلے ذکر ہو چکی ہے۔ کہ نصیب سے وہ نصیب مراد ہے جو ان کے مخلوق ہونے سے پہلے ان کے لئے لکھا گیا۔ اس قول کے لئے ایک اور عمدہ وجہ یہ ہے کہ مومنین کا نصیب اللہ کی طرف سے رحمت اور سعادت ہے۔ اور ان کفار کا نصیب عذاب اور شقاوت ہر ایک فریق کا نصیب وہی جو اس نے اپنے لئے پسند اور اختیار کیا۔ جیسے کہ مومنین کا حصہ ہدایت اور رحمت تھا۔ تو کفار کا حصہ گمراہی اور ناکامی ہوا۔ اس نعمت سے ان کو یہی حصہ ملا۔ کہ ان کے حق میں عذاب و حسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا قول وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَکُمْ اَنَّکُمْ تُکَذِّبُوْنَ (اور تم نے اپنا راتب باندھ لیا ہے کہ اس کو جھٹلاتے ہی ہو گے) اسی کے ٹھیک ہے۔ یعنی اس روزی سے جو تمہاری زندگی کا باعث ہے یہی بہرہ اٹھاتے ہو کہ اس کا انکار کرتے ہو حسن نے کہا ہے کہ قرآن سے تم یہی حصہ لیتے ہو کہ اس کی تکذیب کرتے ہو۔ ان کا مقولہ ہے کہ وہ بندہ خسارے میں رہا جس نے قرآن سے یہی حصہ لیا کہ اس کی تکذیب کی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام میں فرمایا ہے وَکُلُّ شَیْءٍ فَعَلُوْهُ فِی الزُّبُرِ (اور یہ لوگ جو کچھ بھی کر چکے ہیں ان کے اعمالناموں میں لکھا ہوا موجود

ہے۔ عطاء و مقاتل نے کہا ہے۔ جو کچھ انسان کرتے ہیں وہ سب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ حماد بن زید نے داؤد بن ابی ہند سے اس نے شعبی سے روایت کیا ہے وکل شیئ فعلوہ فی الزبر کا یہ معنی ہے انسان کے تمام اعمال عمل کرنے سے پہلے لکھے گئے ہیں۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمیوں کے اعمال صحائف اعمال میں لکھے جاتے ہیں۔ ابو اسحاق نے ان دو قولوں کو جمع کر دیا اور کہا ہے کہ آدمیوں کے اعمال صادر ہونے سے پہلے بھی لکھے گئے ہیں اور صادر ہونے کے بعد بھی اس غرض سے لکھے جاتے ہیں کہ ان کو ان کی جزا و سزا ملے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ و باللہ التوفیق ٭

صحیحین میں ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہا ہے کہ یہ بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ لفظ لمم کی تفسیر ابی ہریرہ کی اس روایت سے کیجاتی ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے حق میں زنا کا ایک حصہ لکھ دیا ہے جسے وہ ضرور پا لیتا ہے (غیر محرم عورت کو) دیکھنا آنکھ کا زنا۔ اس سے بات کرنا زبان کا زنا۔ اور (برے کام کی) خواہش کرنا نفس کا زنا ہے اور شرمگاہ سے اس کی تصدیق یا تکذیب ظاہر ہوتی ہے۔ نیز ابو ہریرہ سے صحیح میں آیا ہے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ابن آدم کے حق میں زنا کا ایک حصہ لکھ دیا ہے جسے وہ ضرور پا لیتا ہے دیکھنا آنکھوں کا زنا اور سننا کانوں کا زنا اور بات چیت کرنا زبان کا زنا اور پکڑنا ہاتھ کا زنا اور چلنا پاؤں کا زنا اور خواہش کرنا دل کا زنا ہے۔ اور شرمگاہ انکی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے ٭

صحیح بخاری وغیرہ میں عمران بن حصین سے مروی ہے۔ کہا کہ میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر حاضر ہوا میں نے اونٹنی کو دروازے پر بٹھا کر اس کا گھٹنا باندھ دیا۔ اس وقت قبیلہ بنی تمیم کے چند آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے فرمایا اے بنی تمیم تمہیں خوشخبری ہو انہوں نے کہا خوشخبری تو آپ پہلے بھی سنا چکے ہیں ہم کو (کچھ روپیہ پیسہ) دیجئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ملک یمن کے چند آدمی آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے ان سے فرمایا۔ اے اہل یمن تم بشارت کو قبول کرو۔ بنو تمیم نے اسے قبول نہیں کیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول ہمیں آپ کی بشارت قبول ہو نیز یہ کہا کہ ہم تقدیر کا مسئلہ پوچھنے کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ سبحانہٗ کی ایک ذات تھی اس کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا (آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے) اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس نے پہلے سب کچھ لوح محفوظ میں اور آسمان و زمین کو پیدا فرمایا اتنے میں کسی نے مجھے پکارا۔ کہ ابن حصین تیری اونٹنی بھاگ گئی ہے۔ میں اس کے پیچھے نکلا دیکھا۔ تو وہ دور چلی گئی ہے افسوس کہ میں اس وقت اونٹنی کی تلاش نہ کرتا (اور آپ سے یہ پورا مسئلہ سن لیتا) سو اللہ سبحانہٗ

جو کچھ خود فرمانا یا کرنا یا جو کچھ اُس کے حکم سے ظہور میں آتا ہے وہ سب اُس نے پہلے سے لکھ دیا ہے اور نیز اپنے اسماء و صفات کے مقتضیٰ و آثار بھی لکھ دیئے ہیں جیسا کہ صحیحین میں ابو الزناد کی حدیث وارد ہے۔ اسے وہ اعرج سے وہ ابوہریرہ سے روایت کرتا ہے۔ کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پیدائش خلق کو مقدر فرمایا۔ تو اپنی کتاب (لوح محفوظ) میں جو عرش پر اس کے پاس موجود ہے یہ لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے (یعنی مقتضائے رحمت اور اُس کے آثار زیادہ ظہور میں آئینگے)۔

بارھواں باب

قضا و قدر کے مراتب میں سے تیسرے مرتبے یعنی مرتبہ مشیت کے بیان میں

اس مرتبہ کے ثبوت پر آدم سے لیکر خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کا اجماع ہے۔ اور جملہ آسمانی کتابیں۔ مخلوقات کی خود اپنی فطرت عقلی دلیلیں اور روزمرہ کے مشاہدے اس پر دلالت کرتے ہیں۔ سلسلہ ہستی میں اللہ وحدہٗ کی مشیت کے سوا کوئی چیز کسی چیز کی موجب اور مقتضی نہیں وہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہے وہ ہو جاتی ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتی۔ توحید کا یہ وہ ستون ہے کہ اس کے سوا توحید قائم نہیں ہو سکتی۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے وہ ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا بعض لوگ اگرچہ ایک طرح سے مشیت الٰہی کے قائل ہیں۔ لیکن اس عقیدے کے برخلاف ہیں۔ ان کے نزدیک یہ جائز ہے کہ سلسلہ کائنات میں ایسی چیزیں ہو سکتی ہیں۔ جو مشیت الٰہی سے خارج ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کو اللہ تعالے پیدا کرنا چاہے مگر وہ پیدا نہ ہو۔ انکے علاوہ انبیاء علیہم السلام اور اُن کے متبعین کے مخالف بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالےٰ کی صفت مشیت کے بالکلیہ منکر ہیں۔ اور اُس کی ذات پاک کے لئے کوئی مشیت و اختیار جس سے اُس نے خلق کو پیدا کیا ہے ثابت نہیں کرتے۔ چنانچہ دشمنان انبیاء یعنی بعض فلاسفہ اور انکے پیروان کا یہی زعم ہے۔ قرآن کریم اور حدیث میں بہت سے ایسے دلائل موجود ہیں جو ان دونوں گروہوں کی تکذیب کرتے ہیں مثلاً چند آیات ذیل میں تحریر ہیں۔ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِن بَعْدِهِم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَٰكِنِ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ وَمِنْهُم مَّن كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ

مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (اور اگر خدا چاہتا تو جو لوگ ان پیغمبروں) کے بعد ہوئے اپنے پاس کھلے ہوئے نشان آئے پیچھے ایک دوسرے سے نہ لڑتے لیکن (تاہم) لوگوں نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا تو ان میں سے بعض وہ تھے جو ایمان لائے اور بعض وہ تھے جو کافر ہوئے۔ اگر خدا چاہتا تو یہ لوگ آپس میں نہ لڑتے مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (اور اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ (اسی طرح ہم نے شریر آدمیوں اور جنوں کو پیغمبروں کا صبر آزمانے کے لئے) ہر ایک نبی کا دشمن بنا دیا تھا کہ دھوکا دینے کی غرض سے ایک کے کان میں ایک چکنی چپڑی باتیں پھونکتا رہتا تھا (اور اے پیغمبر اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو یہ لوگ ایسی حرکت نہ کرتے تو ان کو بڑے افترا بازیاں کرنے دو) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا (اور (اے پیغمبر) اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً (اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو لوگوں کو ایک امت کا کر دیتا) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ان (سب) کو راہ راست پر متفق کر دیتا) وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا (اور اگر ہم چاہتے تو دنیا ہی میں ہر شخص کو (دینی) سوجھ عنایت کرتے کہ وہ سیدھے رستے پر آجاتا) وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ (اور اگر خدا چاہتا تو لڑنے کی نوبت نہ آتی اور یوں ہی) ان سے بدلے لیتا) وَلَىِٕنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ (اور اے پیغمبر اگر ہم چاہیں تو جو (قرآن) ہم نے تمہاری طرف وحی کے ذریعے سے بھیجا ہے اس کو دنیا کے پردے سے اٹھا لے جائیں) فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰي قَلْبِكَ (اگر اللہ چاہے تو تمہارے دل پر مہر لگا دے) اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا (لوگو! اگر وہ چاہے تم کو دنیا کے پردے سے) اٹھا کر دوسروں کو لا بسائے اور اللہ ایسا کرنے پر قادر ہے) لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ (انشاء اللہ تم (مسلمان) مسجد حرام میں بے خوف (و خطر با) اطمینان (تمام) داخل ہو گے) اور نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ (کہ خدا کو منظور ہوگا تو وہی عذاب کو بھی تم پر نازل کریگا) امام الحنفاء ابو الانبیاء (ابراہیم) نے اپنی قوم سے فرمایا وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْـــًٔا وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (اور جن (بتوں) کو تم ان کا شریک ٹھہراتے ہو میں تو ان سے کچھ ڈرتا ورتا)

نہیں (کہ مجھ کو کچھ نقصان پہنچاوینگے) مگر ہاں میرا پروردگار ہی (مجھ کو کچھ نقصان پہونچانا) چاہے (تو اُس کی
مرضی) اور ذبیح اللہ نے ابراہیمؑ سے کہا سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰبِرِينَ (ان شاء اللہ آپ مجھ کو
بھی صابر (ہی) پائینگے) خطیب الانبیاء شعیبؑ نے کہا وَمَا يَكُونُ لَنَآ أَن نَّعُودَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ
رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيۡءٍ عِلۡمًا عَلَى ٱللَّهِ تَوَكَّلۡنَا (اور ہم سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ تمہارے
دین میں لوٹ آئیں مگر یہ کہ خدا جو ہمارا پروردگار ہے (وہ) چاہے (تو کچھ ہمارا زور نہیں) ہمارا پروردگار
علم (الٰہی) کی رو سے تمام چیزوں پر حاوی ہے۔ ہمارا بھروسہ اللہ ہی پر ہے) اور یوسف صدیق
کریم ابن کریم نے کہا ادۡخُلُوا۟ مِصۡرَ إِن شَآءَ ٱللَّهُ ءَامِنِينَ (تم سب مصر میں داخل ہو) اور خدا نے چاہا تو تم سب
امن چین سے رہوگے) موسیٰ سے خضر نے کہا وَمَآ أُرِيدُ أَنۡ أَشُقَّ عَلَيۡكَ سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ
(اور مجھ کو تم پر زیادہ محنت (مشقت) ڈالنی منظور نہیں (اور) تم مجھ کو انشاء اللہ (خوش معاملہ) بھلا آدمی
پاؤ گے) موسیٰؑ نے خضرؑ سے کہا سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ صَابِرًا وَلَآ أَعۡصِي لَكَ أَمۡرًا (کہ
انشاء اللہ آپ مجھ کو صابر (آدمی) پائینگے اور میں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا) موسیٰ
کی قوم نے اُن سے کہا وَإِنَّآ إِن شَآءَ ٱللَّهُ لَمُهۡتَدُونَ (خدا نے چاہا تو ہم ضرور (اُس کا) ٹھیک
پتہ لگا لیں گے) اور اللہ تعالیٰ نے سید اولاد آدم کو فرمایا ہے وَلَا تَقُولَنَّ لِشَاْيۡءٍ إِنِّي
فَاعِلٞ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ (اور کسی چیز کی نسبت (یہ) نہ کہا کرو کہ میں (اس کام) کو کل
کر دونگا مگر (ہاں یوں کہا کرو کہ خدا چاہے تو اس کام کو کل کر دونگا)) اور نیز فرمایا ہے قُل لَّآ أَمۡلِكُ
لِنَفۡسِي ضَرًّا وَلَا نَفۡعًا إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُ (اے پیغمبر ان سے) کہو کہ میرا اپنا نقصان اور نفع بھی
میرے اختیار میں نہیں مگر جو خدا چاہتا ہے (وہی ہوتا ہے) اور اہل جنت کے حالات میں فرمایا ہے۔
خَٰلِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ ٱلسَّمَٰوَٰتُ وَٱلۡأَرۡضُ إِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ (اور جب تک آسمان و زمین
(قائم) ہیں برابر اُسی میں رہینگے مگر جس کو خدا چاہے (سزا دیکر بہشت میں داخل کرے) اور اہل دوزخ
کی نسبت بھی ایسا ہی فرمایا ہے تاکہ لوگوں کو روشن اور معلوم ہو جائے کہ یہ سب معاملہ اسکی مشیت پر
موقوف ہے اگر وہ چاہے تو اُس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے ایک اور مقام میں فرمایا ہے رَّبُّكُمۡ
أَعۡلَمُ إِن يَشَأۡ يَرۡحَمۡكُمۡ وَإِن يَشَأۡ يُعَذِّبۡكُمۡ (لوگو! تمہارا پروردگار تمہارے حال سے خوب واقف
ہے چاہے (رحم کا مستحق سمجھ کر) تم پر رحم کرے اور چاہے (عذاب کا مستحق سمجھ کر) تم کو عذاب دے اور نیز
فرمایا ہے فَيَغۡفِرُ لِمَن يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ (پھر دل کے کھوٹ پر جس کو چاہے بخشے
اور جس کو چاہے عذاب دے) اور فرمایا ہے وَلَوۡ بَسَطَ ٱللَّهُ ٱلرِّزۡقَ لِعِبَادِهِۦ لَبَغَوۡا۟ فِي ٱلۡأَرۡضِ

وَلٰكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ (اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لئے (اُن کی) روزی فراخ کر دے تو وہ ضرور ملک میں سرکشی کرنے لگیں۔ مگر وہ بقدر مناسب (ہر ایک کی) جتنی (روزی) چاہتا ہے اُتارتا ہے)۔
اور فرمایا ہے اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (اے پیغمبر! تمہارا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے) اور فرمایا ہے يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ (خدا جس کو چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے
اور فرمایا ہے مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (خدا جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے اُسے راہِ راست پر لگا دے) اور فرمایا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اور جب کبھی ہم نے کوئی پیغمبر بھیجا تو اس کو اسی کی قومی زبان میں بات چیت کرتا ہوا بھیجا) تاکہ وہ انکو (اچھی طرح سمجھا سکے اس پر بھی خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے) اور فرمایا ہے وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (اور اللہ نافرمان لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے) اور فرمایا ہے وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا (مگر ہم نے قرآن کو ایک نور بنا دیا ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اُس کے ذریعے سے (دین کا) رستہ دکھا دیتے ہیں) اور فرمایا ہے قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اے پیغمبر یہ) جواب دو کہ مشرق اور مغرب (سب) اللہ ہی کا ہے جس کو چاہتا ہے دین کا سیدھا رستہ دکھاتا ہے اور فرمایا ہے قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو اگر خدا چاہتا تو میں یہ (قرآن) تم کو پڑھ کر سناتا ہی نہیں اور نہ خدا تم کو اس سے آگاہ کرتا اور فرمایا ہے نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا (ہم ہی نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے انکے جوڑ بند مضبوط کیے اور (ہم) جب چاہیں انکے بدلے ان ہی جیسے (آدمی اور) لا بسائیں) اور فرمایا ہے وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (اور بے مشیت الٰہی تو یہ لوگ) سوچنے سمجھنے والے ہیں نہیں دوسری آیت میں ہے وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (اور تم (کچھ بھی) نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے) اِن دونوں آیتوں میں یہ بتلایا کہ بندوں کے ارادے اور افعال سب کچھ اللہ کی مشیت پر موقوف ہیں۔ ایک اور مقام میں فرمایا ہے قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ (اے پیغمبر! تم (تو یہ) دعا مانگو کہ اے خدا (سارے) ملک کے مالک تو (ہی) جس کو

چاہے سلطنت دے اور تو ہی جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو ہی جس کو چاہے عزت دے اور تو ہی جسے چاہے ذلت دے) اور فرمایا ہے وَاللّٰهُ يَدْعُوا إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (اور اللہ لوگوں کو سلامتی کے گھر (یعنی بہشت) کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے کی طرف راہ نمائی کر دیتا ہے) اور فرمایا ہے وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِن شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ (اور منافقوں کو چاہے سزا دے دیا چاہے ان کو توبہ کی توفیق دے اور وہ توبہ کریں اور خدا ان کی توبہ قبول کرلے) اور اللہ تعالیٰ کا قول يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ (اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے خاص کر لیتا ہے) وقولہ تعالیٰ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ (ولیکن اللہ جس کو چاہتا ہے مقدس بناتا ہے) وقولہ تعالیٰ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ (اور اللہ برکت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے) وقولہ تعالیٰ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَن نَّشَاءُ (ہم جس پر چاہتے ہیں اپنا فضل کرتے ہیں) وقولہ تعالیٰ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ (ہم جس کو چاہتے ہیں (اس کے) مرتبے بلند کر دیتے ہیں) وقولہ تعالیٰ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ (یہ پیغمبری) اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عنایت کرے) وقولہ تعالیٰ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (مگر خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (اپنا فضل کرتا ہے) وقولہ تعالیٰ فَنُجِّيَ مَن نَّشَاءُ (تو جس کو ہم نے چاہا بچا دیا) وقولہ تعالیٰ فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ (پھر (خدا) جس طرح چاہتا ہے (کبھی) بادل کو رسارے آسمان میں پھیلا تا ہے) وقولہ تعالیٰ إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ (بیشک میرے پروردگار کو جو کچھ کرنا منظور ہوتا ہے وہ اس کی تدبیر خوب جانتا ہے) وقولہ تعالیٰ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ (جس کو چاہتا ہے دبات کی سمجھ دیتا ہے) وقولہ تعالیٰ وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ (اور ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں پر جھاڑو پھیر دیں) وقولہ تعالیٰ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ (اور اگر اللہ چاہے تو (یوں بھی) انکے سننے اور دیکھنے کی قوتیں (ان سے سلب کرلے) وقولہ تعالیٰ إِن يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ (خدا چاہے تو ہوا کو ٹھیرا دے) وقولہ تعالیٰ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا (ہم چاہیں تو اکوئی آفت بھیجکر پکنے سے پہلے اس کو چورا چورا کردیں) وقولہ تعالیٰ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا (ہم چاہیں تو اس کو ایسا کھاری کر دیں (کہ زبان پر بھی نہ رکھا جائے) وقولہ تعالیٰ فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهِ إِن شَاءَ (تو وہ چاہیگا تو تم کو اپنے فضل سے غنی کر دیگا) وقولہ تعالیٰ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِن بَعْدِكُم مَّا يَشَاءُ (اگر چاہے تم (سب) کو (دنیا سے اٹھا) لے جائے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہارا جانشین بنائے) وقولہ

تعالیٰ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَاَعْنَتَکُمْ (اور اگر خدا چاہتا تو تم کو مشکل میں ڈال دیتا) و قولہ تعالیٰ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ (اللہ جس کو چاہتا ہے انتخاب کر کے اپنی طرف کھینچ بلاتا ہے) اور موسیٰ کے قول کو بیان فرمایا ہے اِنْ ھِیَ اِلَّا فِتْنَتُکَ تُضِلُّ بِھَا مَنْ تَشَآءُ وَتَھْدِیْ مَنْ تَشَآءُ (یہ سب تیرے کرشمے ہیں ان کرشموں۔۔۔ سے تو جس کو چاہے گمراہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت دے)۔

مذکورہ بالا سب آیتیں اور ان کے علاوہ وہ آیتیں جن سے مشیت الٰہی کا ثبوت ہوتا ہے ان دونو گمراہ فریق (یعنی ایک وہ جو مشیت الٰہی کے بالکلیہ منکر ہیں اور دوسرے وہ جو اس بات کے منکر ہیں کہ بندوں کے افعال حرکات۔ ہدایت و ضلالت میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کو کچھ دخل نہیں) کی تردید کرتی ہیں۔

اللہ سبحانہٗ نے کسی مقام میں بتلایا ہے کہ سلسلہ ہستی کی ہر ایک چیز اس کی مشیت سے ہے کہیں فرمایا ہے جو چیز اس کی مشیت میں نہ ہو وہ ظہور میں نہیں آتی کہیں فرمایا ہے اگر اس کی مشیت میں ہوتا تو ایسی امر کا خلاف وقوع میں آتا کہیں یہ جتلایا ہے کہ اگر اس کی مشیت میں ہوتا تو تقدیر مکتوب و مقدر کا خلاف ظاہر ہو جاتا۔ اور اگر وہ چاہتا تو کوئی اس کی نافرمانی نہ کرتا۔ اور نیز اگر وہ چاہتا تو سب مخلوق کو راہ راست پر لاتا اور وہ سب ایک دین پر ہوتے۔

پس ان آیات سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ صفحہ ہستی کی ہر ایک چیز کا ظہور اس کی مشیت سے ہے اور جو چیز پردہ عدم میں ہے اس سے اس کی مشیت متعلق نہیں ہوئی۔ ربوبیت کی حقیقت اور اس کے رب العالمین ہونے کا معنی اور اس کے قیوم مدبر امور عباد ہونے کا مفہوم یہی ہے۔ خلق۔ رزق۔ عطا۔ منع۔ قبض۔ بسط۔ موت۔ حیات۔ اضلال۔ ہدایت۔ سعادت اور شقاوت سب کچھ اسی کے اذن کے بعد اور اس کی مشیت اور پیدا کرنے سے ہے۔ اس کے سوا نہ تو کوئی مالک ہے اور نہ مدبر اور نہ پروردگار۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ (اور اے پیغمبر تمہارا پروردگار جیسے لوگ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور ان میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے) اور نیز فرمایا ہے وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ (اور عورتوں کے پیٹ میں ہم جس (نطفے) کو چاہتے ہیں۔ (ایک) وقت مقرر تک ٹھیرائے رکھتے ہیں) اور فرمایا ہے فِیْٓ اَیِّ صُوْرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ((پھر) جس قطع سے چاہا تیرا (یعنی تیرے اعضا کا) پیوند ملا دیا) اور فرمایا ہے لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ اَوْ یُزَوِّجُھُمْ

ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا (آسمان و زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے (نری) بیٹیاں عنایت کرتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے نرے بیٹے عنایت کرتا ہے یا بیٹے اور بیٹیاں ملا کر اُن کو دونوں قسم کی اولاد عنایت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ایسا بے نام و نشان کر دیتا ہے کہ اُس سے کے اولاد ہی نہیں ہوتی) اور فرمایا ہے يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (اللہ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے) ✦

حذیفہ بن اسید کی حدیث جو بروایت مسلم جنین کے باب میں آئی ہے اس میں پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنی مشیت کے مطابق حکم دیتا اور فرشتہ اُسے لکھ لیتا ہے اور صحیح بخاری میں ابوموسیٰ سے مرفوعاً مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم (حاجتمند کی) سفارش کرو (اس میں) تم کو ثواب ملیگا اور اللہ تعالےٰ جو کچھ چاہیگا اپنے نبی کی زبان سے فیصلہ کرا دیگا۔ اور صحیح بخاری میں حضرت علی بن ابیطالب کی حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم جب رات کے وقت انکے گھر تشریف لائے تو اُن سے اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا۔ کیا تم (اس وقت) نماز نہیں پڑھ رہے تھے حضرت علیؓ نے کہا ہماری جانیں اللہ تعالےٰ کے قبضہ میں ہیں سو وہ جب ہم کو اُٹھانا چاہیگا اُٹھا دیگا نیز صحیح بخاری میں صحابہ اور آنحضرت صلعم کے جنگل کے بیچ نماز صبح کے وقت سو جانے کے قصے میں آیا ہے۔ کہ نبی صلعم نے فرمایا کہ اللہ نے جب چاہا تمہارے ارواح کو قبض کر لیا اور جب چاہا انہیں لوٹا دیا اور مسند میں حدیبیہ سے لوٹنے اور نماز صبح کے وقت سو جانے کے قصے میں بروایت ابن مسعودؓ آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو تم لوگ اس نماز سے غافل ہو کر نہ سوتے لیکن اللہ تم نے یہ چاہا کہ پچھلے لوگوں کے لئے قضائے صلوٰۃ کا طریقہ ظاہر فرمائے۔ سو جو شخص نماز سے سو جائے یا اُسے بھول جائے تو اُس کے لئے یہی حکم ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہمیں بیدار کر دیتا لیکن اُس نے پچھلے لوگوں کو طریقہ قضائے صلوٰۃ بتلانا چاہا ✦

اور مسند امام احمد میں طفیل بن سخبرہ سے جو حضرت عائشہؓ کے مادری بھائی تھے اِس طرح مروی ہے کہ اُس نے یہ خواب دیکھا کہ وہ یہود کی ایک جماعت کے پاس گزرا۔ اور اُن سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو۔ اُنہوں نے کہا ہم یہود ہیں طفیل نے کہا اگر تمہارا یہ خیال نہ ہوتا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے تو تم لوگ بیشک ایک نبی کے پیرو تھے۔ اُنہوں نے کہا اگر تم لوگ (اُمتِ محمدیہ) یہ نہ کہتے ماشاءاللہ وشاء محمد یعنی جو اللہ اور محمد نے چاہا تو تم بھی ایک نبی کی اُمت تھے۔ اِسکے بعد نصاریٰ کے ایک گروہ کے پاس گزرا اور اُن سے پوچھا تم کون ہو۔ اُنہوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں طفیل نے کہا اگر تم اِس بات کے قائل نہ ہوتے کہ

عیسٰیؑ اللہ کا بیٹا ہے تو تم لوگ بیشک ایک نبی کے تابعدار تھے وہ یہ ہے کہ اگر تم محمدی لوگ یہ نہ کہتے۔ ماشاء اللہ وشاء محمد تو تم بھی ایک نبی کی امت تھے جب صبح ہوئی تو طفیل نے یہ خواب کئی آدمیوں کو سنایا اس کے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ ماجرا بیان کیا۔ آپ نے پوچھا کسی کو یہ خواب بتلایا ہے طفیل نے کہا جی ہاں پھر جب لوگ نماز سے فارغ ہو چکے تو آپ نے خطبہ پڑھا جس میں آپ نے پہلے اللہ کی حمد وثناء بیان کی اور اس کے بعد فرمایا کہ طفیل نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ اس نے کئی آدمیوں کو بتلا بھی دیا ہے بیشک تم لوگ ایک ایسا کلمہ کہا کرتے ہو (جو کہنا جائز نہیں) میں حیا کے سبب اس سے تم کو منع نہیں کرتا تھا بیہقی کی روایت میں اتنا زیادہ ہے سو آیندہ وہ کلمہ نہ کہنا بلکہ یوں کہا کرو ماشاء اللہ وحدہ لاشریک لہ۔

اور جعفر نے عون سے اس نے اجلح سے اس نے یزید بن اصم سے اس نے ابن عباسؓ سے انہوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہا کہ ایک شخص کسی معاملہ کے متعلق بات چیت کرنے کے لئے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے اثنائے کلام میں یہ کلمہ کہا ماشاء اللہ وشئت یعنی جو کچھ اللہ اور آپ چاہیں۔ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تو نے مجھے اللہ کے برابر ٹھہرایا بلکہ یوں کہہ ماشاء اللہ وحدہ۔

اور سعید نے منصور سے اس نے عبداللہ بن یسار سے اس نے حذیفہ سے انہوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یوں مت کہا کرو۔ ماشاء اللہ وشاء فلان یعنی جو کچھ اللہ اور فلاں شخص نے چاہا بلکہ یوں کہا کرو ماشاء اللہ ثم شاء فلان یعنی جو کچھ اللہ نے چاہا اس کے بعد جو کچھ فلاں شخص کی مشیت ہوئی۔

بروایت ربیع شافعی سے منقول ہے کہ اللہ تعالے کی مشیت اس کا ارادہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ (اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے) اللہ تعالے نے مخلوق کو بتا دیا کہ مشیت حقیقۃً اس کی صفت ہے مخلوق کی در اصل کوئی مشیت نہیں۔ اور جو کسی قدر ہے وہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے سو رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یوں کہا جاتا ماشاء اللہ ثم شئت اور اس طرح ماشاء اللہ شئت کہنا درست نہیں۔ امام شافعی کا قول ہے کہ یوں کہنا مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے جائز و درست ہے اس کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر رسول اللہ کی اطاعت کو فرض کیا ہے سو جب رسول اللہ کی اطاعت کرینگے تو رسول اللہ کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی بھی اطاعت ہو جائیگی۔

صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو کی حدیث پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے (اِس طرح) مروی ہے کہ
سب بندوں کے دل خدائے رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان اس طرح ہیں جیسے کہ ایک دل ہو اللہ تعالےٰ
اُن کو جس طرح چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ پھر رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات کہے یَا مُصَرِّفَ
الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ یعنی اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت
کی طرف پھیر دے +

نواس بن سمعان کی حدیث میں ہے میں نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہر ایک
دل اللہ رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اگر چاہے اُسے سیدھا رکھے اور اگر چاہے ٹیڑھا کر دے
اور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم یہ کلمات کہا کرتے تھے یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِكَ
یعنی اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔ اور میزان خدا کے ہاتھ میں
ہے کسی قوم کو ترقی بخشتا اور کسی کو تنزل میں ڈالتا ہے قیامت تک یہی دستور رہیگا +

صحیحین میں عبداللہ بن عمرو کی حدیث (اس طرح) آئی ہے کہ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے
سُنا اور اُس وقت آپ منبر پر کھڑے ہو کر یہ فرما رہے تھے۔ کہ گذشتہ اُمتوں کی نسبت دنیا میں تمہارا
رہنا اس قدر ہے جس قدر (تمام دن کی نسبت) نماز عصر سے غروب آفتاب تک وقت ہوتا ہے اس
حدیث کو پورا ذکر کر کے اس کے آخر میں کہا ہے: یہ میرا فضل ہے میں جسے چاہتا ہوں عنایت کرتا
ہوں +

صحیح بخاری میں مرفوعاً آیا ہے کہ کافر کی حالت درختِ صنوبر کی حالت کی طرح ہے جو ٹھوس (مضبوط)
اور سیدھا ہوتا ہے حتّٰی کہ جب اللہ تعالےٰ چاہتا ہے تو ناگاہ اُسے ہلاک کر دیتا ہے +

عبدالرزاق نے معمر سے اُس نے ہمام سے روایت کیا ہے کہ یہ منجملہ اُن حدیثوں کے ہے جو
ابوہریرہ نے ہم سے بیان کی ہیں۔ کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے
کہ ابن آدم کو یوں نہیں کہنا چاہیئے۔ اے ناکامی دوراں کیونکہ زمانہ تو میں ہی ہوں رات اور دن کو
بھیجتا ہوں پھر جب چاہونگا تو ان کو قبض کر لونگا۔ امام شافعی کہتے ہیں واللہ اعلم اس کا مطلب یہ معلوم
ہوتا ہے کہ عرب کے لوگوں کی یہ عادت تھی۔ کہ وہ موت بڑھاپے۔ ہلاکت مال وغیرہ مصائب کے آنے پہ
زمانے کی مذمت کرتے اور اُسے گالیاں دیتے تھے۔ پس کہتے کہ ہم کو زمانہ ہی نے ہلاک کیا یعنی روز و شب
نے۔ اور فلاں قوم کو زمانے کی مار پڑی اور زمانے نے اُن کو تباہ کر دیا سو رات دن کو فاعل اشیا سمجھ کر زمانے
کی مذمت کرتے کہ یہی اُنکو ہلاک اور اُنکے ساتھ بد اطواری کرتا ہے اِس پر رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تم اس خیال سے کہ زمانہ تم کو ہلاک کرتا اور وہ تم پر یہ آفتیں لاتا ہے اُسے گالیاں مت دو جب تم ان نا پسندیدہ چیزوں کے فاعل کو دشنام دہی کرتے ہو تو یا اللہ تبارک وتعالیٰ کے حق میں دشنام دہی کرتے ہو کیونکہ ان اشیاء کا فاعل وہی ہے۔ اور انس کی مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ اپنے زمانے میں بھلائی کی طلب اور بادِ رحمت الٰہی کا تعرض کرو۔ اللہ عز وجل کی رحمت کے بریاں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے انہیں بھیجتا ہے۔ اور اللہ سے سوال کرو کہ تمہارے عیوب چھپا دے اور تمہیں خطرات سے امن بخشے۔ اور صحیحین میں عبادہ بن صامت کی حدیث (اس طرح) ہے کہا کہ ہم پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں تھے۔ آپ نے فرمایا۔ تم لوگ اس شرط پر مجھ سے بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھیراؤ گے اور زنا اور چوری نہ کرو گے۔ پھر جس نے ان شرائط کو پورا کیا۔ اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جو شخص ان گناہوں میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہوا۔ اور دُنیا میں اُس کی سزا پا چکا۔ تو اُس کے گناہ کا کفارہ ہو گیا۔ اور جس گنہگار کو دنیا میں سزا نہ ملی (اللہ نے اُس کے گناہ فاش نہ کئے۔ تو اُس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ اگر چاہیگا تو اُسے عذاب دیگا۔ اور اگر چاہیگا تو معاف فرما دیگا۔

اور صحیحین میں جنت دنار کے باہم مناظرے کی حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ جنت سے فرمائیگا۔ تو میری رحمت کا ذریعہ ہے جس پر چاہتا ہوں تیرے ذریعے رحمت کرتا ہوں اور دوزخ سے فرمائیگا تو عذاب دینے کا وسیلہ ہے جسے چاہتا ہوں تیرے ساتھ عذاب کرتا ہوں ٭

نیز صحیحین میں ابو ہریرہ کی حدیث (اس طرح) ہے کہ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص اس طرح دُعا نہ کرے۔ اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخشدے اور اگر چاہے تو مجھ پر رحمت فرمائے۔ اور اگر چاہے تو مجھے روزی دے۔ بلکہ مضبوطی کے ساتھ اپنا سوال پیش کرے اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ اُسے کوئی مجبور کرنے والا نہیں ٭

اور صحیح مسلم میں ابو ہریرہ سے مرفوعاً آیا ہے کہ یوں تو سب مومن اچھے ہیں مگر مومن قوی مومن ضعیف سے بہتر اور اللہ کا زیادہ پیارا ہے۔ نفع مند چیز کی حرص کر۔ اللہ سے مدد مانگ اور عاجز نہ ہو اور اگر تجھے کوئی (خلافِ طبع) چیز پیش آئے تو یوں نہ کہنا کہ اگر میں ایسا ایسا کرتا بلکہ یہ کہا کر اللہ کی تقدیر میں یہی تھا اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کلمہ لَو کہنا شیطانی فعل کا ذریعہ ہے ٭

اور ابو ذر رضی کی حدیث میں ہے اے میرے بندو تم سب کے سب ہدایت سے دُور ہو مگر جسے میں ہدایت کروں الیٰ آخر الحدیث۔ اسی حدیث کے آخر میں ہے یہ بات اس لئے ہے کہ میں جواد ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں میرا عطا کرنا صرف ایک حکم سے ہو جاتا ہے کیونکہ جب میں کسی چیز کا

ارادہ کرتا ہوں تو صرف کلمہ کُن (ہو جا) کہتا ہوں۔ وہ چیز اسی آن میں ہو جاتی ہے ۔
اور انس بن مالک کی حدیث میں (اس طرح) ہے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں
کہ اللہ تعالے جس بندے کو کوئی نعمت بی بی یا اولاد عطا فرماتا ہے اور وہ یہ کلمہ کہے مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا
بِاللّٰهِ (یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اللہ کے فضل بغیر ہمیں کوئی قوت نہیں) تو موت
(مقدر) کے سوا اس میں کوئی آفت نہ دیکھیگا اور اس صحیح حدیث کا مضمون اس آیت سے نکلتا ہے
وَلَوْلَا اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (اور جب تو اپنے باغ میں
آیا تو تُو نے (یوں) کیوں نہ کہا یہ (سب) خدا کے چاہنے سے ہوا ہے (ورنہ مجھ میں تو) بے مدد خدا کے
کچھ بھی طاقت نہیں) اور حدیث شفاعت میں ہے جب میں اپنے پروردگار کا دیدار پاؤنگا۔ تو اس کے
سامنے سجدے میں گر جاؤنگا۔ پھر جس قدر وہ چاہیگا مجھے سجدے میں رہنے دیگا ۔ اور سب سے پیچھے بہشت
میں داخل ہونے والے کی حدیث میں ہے پھر جس قدر اللہ چاہیگا وہ خاموش رہیگا۔ اور اسی حدیث میں ہے
اللہ فرمائیگا میں تجھ سے تمسخر نہیں کرتا۔ بلکہ میں جو کچھ کرنا چاہوں وہ کر سکتا ہوں۔ یہ دونو حدیثیں صحیحین
میں ہیں ۔

اور نیز صحیحین میں ابوہریرہؓ کی حدیث (اس طرح) ہے کہ ہر ایک نبی کی ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے
سو میرا ارادہ ہے کہ اگر اللہ نے چاہا تو وہ دعا میں قیامت کو کرونگا کہ میری امت کی بابت میری شفاعت
منظور ہو۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اصحاب شجرہ میں سے جنہوں نے اس کے
نیچے بیعت کی تھی انشاء اللہ کوئی شخص دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ نیز آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے مجھے امید
ہے کہ انشاء اللہ میرا حوض اس قدر وسیع ہوگا۔ کہ جس قدر ایلہ سے فلاں جگہ تک فاصلہ ہے اور مدینے
کی نسبت آپ نے فرمایا ہے کہ انشاء اللہ اس میں طاعون اور دجال آنا نہ پائیگا۔ اور زیارت قبور کے موقع
پر آپ نے فرمایا انشاء اللہ ہم تم سے ملنے والے ہیں۔ اور طائف کے محاصرے کے وقت آپ نے فرمایا انشاء
اللہ ہم کل واپس ہونگے ۔ اور جب آپ مکے میں تشریف لائے تو آپ نے فرمایا انشاء اللہ کل ہمارا مقام خیف
بنی کنانہ میں ہوگا۔ اور جنگ بدر کے دن آپ نے فرمایا۔ انشاء اللہ کل فلاں شخص اس جگہ گریگا۔ اور فلاں
شخص اس جگہ ۔ اور کسی سفر میں آپ نے فرمایا تھا کہ تم لوگ رات دن چلتے رہوگے اس کے بعد دوسرے
روز انشاء اللہ ایک پانی پر پہنچو گے ۔ اور آپ نے جس اعرابی کی عیادت فرمائی تھی اسے فرمایا تھا انشاء اللہ
کچھ حرج نہیں (یہ تپ) انشاء اللہ گناہوں سے پاک کرنیوالا ہے ۔

اور آپ نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا واقعہ (اس طرح) بیان فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ

میں آج رات ستر عورتوں سے صحبت کروں گا جن میں سے ہر ایک عورت ایسا سوار جنیگی جو اللہ کی راہ میں جہاد کریگا فرشتہ نے ان سے کہا اے سلیمان انشاء اللہ کہو مگر سلیمان علیہ السلام نے یہ کلمہ نہ کہا اور ستر عورتوں سے جماع کیا ان میں سے صرف ایک عورت حاملہ ہوئی اور اس نے بھی ایک ادھورا بچہ جنا۔ مجھے اُس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر سلیمان انشاء اللہ کہتے تو وہ بلاشبہ بیٹے سب کے سب سوار ہوکر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے +

اور آپ نے فرمایا ہے جو شخص قسم کھائے اور اس میں انشاء اللہ کہے تو اُسے اختیار ہے چاہے وہ کام کرے چاہے نہ کرے (کسی صورت میں) اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اور آپ نے فرمایا کہ میں قریش سے ضرور لڑونگا پھر تیسری مرتبہ انشاء اللہ کہا۔ آپ نے فرمایا کیا کوئی شخص جنت کے لئے کوشش کرنیوالا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم جنت کے لئے کوشاں ہیں۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ کہو + اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام میں فرمایا ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ (اور اگر انشاء اللہ کہنا کبھی بھول جایا کرو تو جب یاد آجائے انشاء اللہ کہنے سے) اپنے پروردگار کو یاد کرلیا کرو) بعض نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ جب تو انشاء اللہ کہنا بھول جائے اور یہی وہ استثناء ہے جس کو ابن عباس متراخیاً جائز رکھتے اور اس آیت کا یہی مطلب قرار دیتے تھے۔ نہ وہ استثنا جو اقرار یمین۔ طلاق۔ عتاق میں ہو۔ یہ بات ابن عباس کی کمال قرآن فہمی اور فقاہت کا نمونہ ہے۔ اس مسئلہ پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ اگر قسم کرنے والے نے اپنی قسم میں متصلاً[1] استثناء کیا یعنی اس طرح کہا۔ کہ میں فلاں کام کرونگا۔ یا نہ کروں گا انشاء اللہ۔ پھر اگر اس قسم کا خلاف کیا تو وہ گنا ہگار نہ ہوگا۔ کیونکہ اہل اسلام کا یہ اصول ہے کہ کوئی چیز اللہ کی مشیت بغیر وقوع میں نہ آتی سو جب قسم کرنیوالے نے اپنے فعل یا ترک کو مشیت الٰہی سے معلق کیا تو (اس کے خلاف میں) اسلئے گناہگار نہیں ہوتا۔ کہ اس کے فعل یا ترک کی نسبت نہیں ہوئی اور اسی واسطے اس پر کوئی کفارہ لازم نہیں آتا + اگر ہم ان تمام احادیث و آثار کو ذکر کریں جن میں لفظ مشیت اور اللہ تعالیٰ کے افعال کا مشیت سے معلق ہونا مذکور ہے۔ تو کتاب میں بہت طول ہو جائیگا (اسلئے مذکورہ بالا احادیث پر اکتفا کرتے ہیں) رہا ارادہ سو اس کا ورود نصوص قرآن و حدیث میں معلوم ہے۔ لقولہ تعالیٰ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ + فَأَرَادَ رَبُّكَ أَن يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا (پس تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ دو لڑکے اپنی جوانی کو پہنچیں) فَإِذَا أَرَدْنَا يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اللہ تمہارے ساتھ آسانی

[1] جو پہلے کلام سے جدا اور کچھ دیر بعد ہو ۱۲ مترجم

اور تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنی چاہتا) اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۔
(اس کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس وہ اس سے اتنا ہی فرما دیتا ہے کہ ہو
اور وہ ہو جاتی ہے) وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا (اے پیغمبر جس
کو اللہ (بے دینی کی) بلا میں مبتلا رکھنا چاہے تو اس کے لئے خدا پر تمہارا کچھ بھی زور نہیں چل سکتا) نوح
نے اپنی قوم سے کہا وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ
اَنْ يُّغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (اور میں تمہاری کتنی ہی خیر خواہی کرنی چاہوں
اگر خدا ہی کو تمہارا راہ راست سے بھٹکانا منظور ہے تو میری نصیحت (کچھ بھی) تمہارے کام نہیں آسکتی۔
وہی تمہارا پروردگار ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے) فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ
صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا (تو جس کو خدا چاہتا ہے
کہ اسے راہ راست دکھائے اس کے سینے کو (قبول) اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو چاہتا
ہے کہ اسے گمراہ کرے اس کے سینے کو تنگ (اور) بھنچا ہوا کر دیتا ہے) وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ
سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ (اور جب خدا کسی قوم پر (ان کے عملوں کی پاداش میں) کوئی مصیبت ڈالنی
چاہے تو وہ (اور کسی کے ٹالے) ٹل نہیں سکتی) وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ
يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ
ضَعِيْفًا (اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہر (کی نظر) رکھے اور جو لوگ نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہیں۔
ان کا مطلب یہ ہے کہ تم (راہ راست سے بھٹک کر) بہت دور ہٹ جاؤ۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم
(پر) سے (بوجھ) ہلکا کرے کیونکہ انسان (طبیعت کا) کمزور پیدا کیا گیا ہے) ۔

اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ اگر وہ اپنے بندوں کے دلوں کو پاک صاف کرنے کا ارادہ نہ
فرماتا تو وہ کبھی ان کو پاک صاف نہ کر سکتے۔ چنانچہ دوسرے مقام میں فرمایا ہے اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ
۔ وہ لوگ ہیں کہ خدا بھی انکے دلوں کو معصیت کی گندگی سے پاک کرنا نہیں چاہتا
یا (بھی) رسوائی ہے اور آخرت میں (بھی) ان کے لئے بڑا سخت عذاب ہے)
اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ (اور خدا جس کو چاہے (اس کے ذریعے سے)
اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ (اور بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے)
اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ (اللہ تم پر

کسی طرح کی تنگی کرنی نہیں چاہتا بلکہ تم کو صاف ستھرا رکھنا چاہتا ہے) وقولہ تعالیٰ فَمَنْ یَّمْلِکُ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ یُّهْلِکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (اے پیغمبران لوگوں سے) کہدو کہ بتلاؤ تو سہی) کہ اگر اللہ مریم کے بیٹے مسیح کو اور انکی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو ایسا کون ہے جس کا خدا کے آگے کچھ بھی زور چلتا ہو وقولہ تعالیٰ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ (اے پیغمبر کے گھر والو خدا کو تو بس یہی منظور ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) گندگی کو دور کرے اور تم کو ایسا پاک صاف جیسا کہ پاک صاف بنانے کا حق ہے) وقولہ تعالیٰ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُکُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِکُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِکُمْ رَحْمَةً (اے پیغمبران لوگوں سے) کہو کہ اگر خدا تمہارے ساتھ برائی کرنی چاہے تو کون (ایسا سورما) ہے جو تم کو اس (کی پکڑ) سے بچا سکے یا تم پر اپنا فضل کرنا چاہے (تو کون اس کو روک سکتا ہے) اور سورۂ یٰس میں آیا ہے ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْئًا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ (کیا اس کے سوا اور سروں کو معبود مان لوں اگر خدائے رحمٰن مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانی چاہے تو ان کی سفارش میرے کچھ بھی کام نہ آئے اور نہ یہ مجھ کو (اس مصیبت سے) چھڑا سکیں) وقولہ تعالیٰ قُلْ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ کٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِکٰتُ رَحْمَتِهٖ (اے پیغمبران لوگوں سے) کہو کہ بھلا دیکھو تو سہی خدا کے سوا جن (معبودوں) کو تم پکارتے ہو اگر خدا مجھے کوئی تکلیف پہنچانی چاہے کیا یہ معبود اسکی دی ہوئی تکلیف کو دور کرسکتے ہیں یا خدا مجھ پر اپنا فضل کرنا چاہے کیا یہ (معبود) اسکے فضل کو روک سکتے ہیں؟) وقولہ تعالیٰ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ (خدا چاہتا ہے کہ (ثواب) آخرت میں سے انکو کچھ حصہ نہ دے) وقولہ تعالیٰ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ (جو شخص دنیا کا طالب ہو تو ہم جسے چاہتے ہیں (اور) جتنا چاہتے ہیں اسی (دنیا) میں سردست اس کو دے دیتے ہیں) اور احادیث نبویہ جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے اثبات میں وارد ہیں اُن کا حصر دشوار ہے (اس لئے تمثیلاً چند حدیثیں ذیل میں لکھی جاتی ہیں چنانچہ آنحضرتؐ کا قول ہے کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بہتری کا ارادہ فرماتا ہے اسکو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے جسکے ساتھ اللہ بہتری کا ارادہ فرماتا ہے دنیا میں اسکو مصیبت پہنچاتا ہے جب اللہ تعالیٰ بادشاہ کے ساتھ بہتری کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے نیک وزیر مقرر کرتا ہے۔ جب اللہ تو کسی اُمت پر رحمت کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے نبی کو اس سے پہلے فوت کر دیتا ہے اور جب کسی اُمت

کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو بنی کی ہستی میں اُس کو عذاب میں گرفتار کر کے اُس کی ہلاکت ہو
بنی کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے ۔جب اللہ تعالےٰ کسی بندے کے ساتھ بہتری کا ارادہ فرماتا ہے
تو اُس کے گناہوں کا عذاب اُسے دُنیا میں دیدیتا ہے ۔جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بُرائی
کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی حتیٰ کہ وہ قیامت کے دن گدھے کی ہیئت میں
آئیگا ۔جب اللہ تعالےٰ کا ارادہ ہو کہ فلاں آدمی فلاں ملک میں مریگا تو اُس آدمی کے لئے اُس
ملک کی طرف کوئی ضرورت پیدا کر دیتا ہے ۔جب اللہ تعالےٰ نے کسی خاندان کے ساتھ بہتری کا
ارادہ فرماتا ہے تو اُن میں نرمی کی خصلت ڈالدیتا ہے ۔جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب دینے کا ارادہ
فرماتا ہے تو ان میں جتنے لوگ (نیک و بد) ہوں ۔عذاب دُنیا سب پر آتا ہے پھر قیامت کو اپنی
اپنی نیت کے مطابق مبعوث کئے جائینگے ۔اس مضمون کی تمام احادیث کو ہم بالاستیعاب
ذکر نہیں کر سکتے ۔

فصل ۔یہاں ایک ایسا مضمون ہے جس پر آگاہ کرنا اور اس سے آگاہ ہونا نہایت ضروری
ہے ۔اور اس کے معلوم کرنے سے بہت سے وہ اشکال دُور ہو جاتے ہیں جو اُن لوگوں کو
پیش آتے ہیں جو اس سے واقف نہیں ۔وہ مضمون یہ ہے کہ خلق اور امر اللہ سبحانہ کے صفات میں
سے ہے سو امر دو قسم ہے اول کونی قدری ۔دوم دینی شرعی ۔پس یہ سمجھنا چاہئے کہ اُس کی مشیت
خلق اور کونی سے متعلق ہے اور اسی طرح وہ اُن تمام چیزوں کے پیدا کرنے سے متعلق ہے جو
اُسے پسند یا ناپسند ہیں یہ سب کی سب اسکی مشیت میں داخل ہیں چنانچہ ابلیس کو باوجود اُس کے
مبغوض ہونے کے پیدا کیا اور شیاطین ۔کفار اور ایسی چیزوں اور اُن افعال کو مخلوق کیا جن
سے وہ ناخوش ہے غرض اُس کی مشیت سب چیزوں کو شامل ہے ۔باقی رہی محبت اور رضا سو یہ
امر دینی اور اُس شریعت سے متعلق ہے جس کو اپنے انبیاء کے ذریعے جاری فرمایا ہے ۔پس
ماموراتِ شرع میں سے جو چیز موجود ہو اُس سے محبت و مشیت دونو متعلق ہیں اور وہ پروردگار
کی محبوب اور اُس کی مشیت سے واقع ہے ۔جیسے ملائکہ ۔انبیاء علیہم السلام اور مومنین کی طاعات
اور اُن میں سے جو چیز وجود میں نہ آئے اُس سے اُس کی محبت اور امر دینی متعلق ہے اور مشیت
اُس سے متعلق نہیں ہوتی ۔اور کفر فسق اور معاصی میں سے جو چیز ظہور میں آئے اُس سے
مشیت تو متعلق ہے ۔لیکن محبت رضا اور امر دینی اُس سے متعلق نہیں ۔اور ان میں سے جو
چیز ظہور میں نہیں آئی اُس سے مشیت و محبت دونو متعلق نہیں ہوئیں ۔غرض لفظ مشیت کو

تنبیہ

عالم کون سے اور لفظ محبت کو امور دین و شریعت سے تعلق ہے۔ ارادہ بھی دو قسم ہے ایک
بمعنی مشیت، یہ مراد ہے۔ دوسرا ارادہ دینیہ جو محبت کا ہم معنی ہے۔ جب یہ تحقیق معلوم ہو چکی
تو اب اللہ تعالیٰ کا قول وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (اور اپنے بندوں کے لئے ناشکری کو پسند
نہیں کرتا) اور لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (اللہ فساد کو نہیں چاہتا) اور وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اور
تمہارے ساتھ سختی کرنی نہیں چاہتا) تقدیر و مشیت کے ان نصوص سے متعارض نہ ہونگے۔
جن سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی مشیت اور اس کی قضا و قدر سے واقع ہیں کیونکہ
اور مشیت ایک نہیں اور اسی طرح امر اور خلق دو چیزیں ہیں اور اس کی نظیر لفظ امر ہے کہ وہ دو قسم
کی طرف منقسم ہے امر تکوین و امر تشریع۔ اللہ تعالیٰ کے نافرمان لوگ اسی قسم دوم کی نسبت نافرمانی
و مخالفت کرتے ہیں۔ قسم اول کی نسبت نافرمانی اور مخالفت کا امکان نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا
قول وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا (اور جب ہم کو کسی بستی
کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے ہم اس کے خوشحال لوگوں کو (کوئی سا بھی) حکم دیتے ہیں پھر وہ اس
(بستی) میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ (اللہ تو بے کام
کی اجازت دیتا نہیں) کے مناقض نہیں اور نہ یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ اصل میں عبارت اس طرح ہے۔
امرنا مترفیها بالطاعة فعصونا وفسقوا فیها یعنی ہم اس کے خوشحال لوگوں کو طاعت کا حکم
کرتے ہیں پھر وہ اس میں نافرمانیاں کرتے ہیں بلکہ اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا میں امر تکوین و تقدیر مراد ہے
نہ امر تشریع۔ اس مدعا پر کئی وجوہ شاہد ہیں۔ اول یہ کہ اس قسم کی ترکیب میں قاعدہ یہ ہے کہ حرف
ف کا مابعد مامور بہ ہوا کرتا ہے چنانچہ محاورے میں کہتے ہیں اَمَرْتُهٗ فَقَامَ یعنی میں نے اسے
(قیام کا) امر کیا سو وہ اٹھ کھڑا ہوا و اَمَرْتُهٗ فَاَكَلَ میں نے اسے (کھانے کا) امر کیا سو اس نے
کھانا کھا لیا جیسے کہ صیغہ امر کی نسبت بھی یہی قاعدہ ہے کقولہ تعالیٰ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۗئِكَةِ اسْجُدُوْا
لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا (اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے آگے جھکو تو شیطان کے سوا
سب کے سب جھک پڑے) اور مادہ دع و کی نسبت بھی یہی دستور ہے چنانچہ بولتے ہیں دَعَوْتُهٗ
فَاَقْبَلَ میں نے اسے پکارا سو وہ آگیا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ
بِحَمْدِهٖ (جب کہ خدا تم کو بلائیگا۔ تو تم اس کے حکم کی تعمیل کرو گے (یعنی) اس کی تعریف کرتے ہوئے
(قبروں سے نکل کر چلے آؤ گے) دوم یہ کہ امر بالطاعة کوئی مالداروں سے خاص نہیں پس آیت
کو اس معنی پر محمول کرنا درست نہیں بلکہ اگر طاعت کو عبارت میں مقدر مانا جائے تو مترفین کا ذکر

بے فائدہ ٹھیرتا ہے کیونکہ تمام اُمّت مامور بالطاعۃ ہے پس مترفین کو امر بالطاعۃ کرنا سبب کے ہلاک کرنے کی علت نہیں ہوسکتا۔ سوم یہ کہ اس قسم کا کلام اور ترکیب اِس بات کی مقتضی ہے کہ حرف ف کا ماقبل علت یا سبب اور اس کا مابعد معلول یا مسبب ہو دیکھو فسق حکم ہلاکت کی علت اور حکم ہلاکت اُن کی تباہی کا موجب ہے۔ پس اِس قاعدے کے مطابق امر فسق کا سبب اور اُس کا موجب ہوگا۔ لہذا یہ امر تکوین ہوا نہ امر تشریع۔ چہارم یہ کہ اللہ سبحانہ نے اُنکی نافرمانی اور انبیا کی مخالفت کرنیکے بعد اُنکے ہلاک کرنے کا ارادہ فرمایا تھا سو انکی نافرمانی ومخالفت پہلے ہوئی اور اللہ سبحانہ کا ارادہ ہلاکت اسکے بعد ہوا۔ اللہ تعالٰے نے انکو اسطرح پکڑا کہ ان کے لئے ایسے کام مقرر کردیے۔ جو انکی ہلاکت کا موجب ہوئے ✤

یہاں اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ اُن کی ہلاکت کا سبب تو اُنکی پہلی نافرمانی ٹھہری پھر اللہ تعالٰے کے قول اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا کا کیا فائدہ ہے فسق تو وہ پہلے کرچکے تھے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اُن کی ہلاکت کا سبب اگرچہ اُن کی معصیت سابقہ تھی۔ لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُس معصیت پر وہ ہلاک کئے جاتے۔ اور اُس پر اُن کا ہلاک کرنا ضروری نہ ہوتا۔ عادۃ اللہ اِس طرح جاری ہے کہ مخلوق سے معاصی سرزد ہونے پر اللہ تعالیٰ جھٹ اُنکی ہلاکت کا قطعی فیصلہ نہیں فرماتا۔ بلکہ جب وہ ہلاک کرنا چاہتا ہے تو کوئی ایسا سبب پیدا کرتا ہے جس سے اُنکی ہلاکت ضروری ہوجاتی ہے دیکھو قوم ثمود کو اُن کے کفر سابق پر ہلاک نہ کیا بلکہ معجزہ کے طور اُنکے سامنے پتھر سے اونٹنی نکالی جس کی اُنہوں نے کونچیں کاٹ ڈالیں اور اس وقت سب کے سب ہلاک ہوئے۔ اور قوم فرعون کو موسیٰ ع کی نبوت کے انکار سابق پر ہلاک نہ کیا۔ بلکہ جب ان کو پے درپے معجزات دکھلائے اور اُنکی سرکشی وعناد نے خوب زور پکڑا تو سب کے سب ہلاک کئے گئے۔ قوم لوط علیہ السلام کا بھی یہی حال گذرا جب اُنکی ہلاکت کا ارادہ ہوا تو لوط علیہ السلام کے پاس فرشتوں کو مہمان کی صورت میں بھیجا جن سے کمبختوں نے بدکاری کا ارادہ کیا اور لوط ع کی بیحرمتی کی اور ان کو دھمکایا اور اس کرتوت پر ہلاک ہوئے) اور تمام اُمتوں کی یہی حالت ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اُن کی ہلاکت کا ارادہ کیا۔ تو اُن سے ایسی سرکشی اور ظلم سرزد ہوئے جس کے بعد اُن کو معذب کیا۔ عوام اور خواص تمام بندوں کے ساتھ یہی طرح عادۃ اللہ جاری ہے۔ بندہ اُس کی نافرمانی کرتا اور وہ اپنے حلم سے اُس کو جلدی سے نہیں پکڑتا۔ بلکہ جب اُس کو پکڑنا چاہتا ہے۔ تو اُس کے لئے پہلے قسم کے اعمال سے کوئی ایسا عمل مقرر کرتا ہے جس پر چھوٹنے نہیں پاتا۔ دیکھنے والا یہ گمان کرتا ہے کہ وہ صرف اس آخری جرم پر ہلاک کیا گیا ہے اور درحقیقت یہ بات نہیں بلکہ اس جرم پر

اُس کی ہلاکت کا قطعی فیصلہ ہوتا ہے اور پہلے جرائم پر جو اُس کی ہلاکت کا سبب تھے۔ احکم الحاکمین نے حکم ہلاکت نافذ نہیں فرمایا تھا۔ پھر جب اُنکے بعد اُس نے ایسی ناشائستہ حرکت کی جو غضب الٰہی کی زیادتی کا موجب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اُس کی ہلاکت کا حکم جاری و نافذ فرمایا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْھُمْ (پھر جب اِن لوگوں نے اپنی نافرمانیوں سے) ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے اُن سے بدلہ لیا) اللہ سبحانہٗ نے رسُول کی نافرمانی کی وجہ سے پہلے ہی اُن پر غضبناک تھا لیکن ابھی تک اُس کا غضب اس درجہ سے زیادہ نہیں ہوا تھا کہ شاید وہ ایمان لائیں تو وہ غضب دُور ہو جائے پھر جب اُن کے ایمان کی امید نہ رہی تو وہ غضب مضبوط و مستحکم ہوا جس سے اُن پر عذاب نازل ہُوا۔ یہ بات قرآن کریم اور تقدیر الٰہی کے اسرار میں سے ہے۔ اس میں غور کرنا بندے کے حق میں نہایت مفید ہے۔ کیونکہ اُسے معلوم نہیں کہ کونسے گناہ پر اُس کا معذب ہونا ضروری ٹھیریگا۔ اور اُس کے بعد معافی نہ ہوگی۔ واللہ المستعان ✦

اور ہم انشاء اللہ عنقریب قضائے کونی اور قضائے شرعی میں فرق بتلانے کے لئے اس مضمون پر ایک علیحدہ باب منعقد کرکے اسے نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے کیونکہ لوگوں کو اس کا سمجھنا از بس ضروری ہے۔ اِس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صفت مشیت سے موصوف ہے اور اُسکی مشیت ہی ہر موجود کی ہستی کا سبب ہے جیسا کہ اُس کی عدم مشیت اُس کے عدم کا باعث ہے پس اس باب میں دو موجبۂ قضیہ صادق ہیں (۱) جو چیز اللہ کی مشیت میں ہو اُس کا وجود ضروری ہے (۲) جو چیز اس کی مشیت میں نہ ہو اس کا عدم اور امتناع ضروری ہے۔ اور یہ کلیہ تمام مقدورات یعنی ذوات افعال حرکات و سکنات وغیرہ کو شامل ہے۔ اللہ کی ذات اِس بات سے پاک ہے کہ اُس کی مملکت میں وہ چیز ہو جو اُس کی مشیت سے خارج ہو یا کوئی چیز اُس کی مشیت میں ہو اور وہ ہستی میں نہ آئے۔ ہاں سلسلہ ہستی میں بعض چیزیں ایسی ضرور ہیں۔ جو اُس کی محبوب و پسندیدہ نہیں۔ اور بعض اُس کی پسندیدہ چیزیں مشیت نہ ہونے کی وجہ سے ظہور میں نہیں آئیں۔ اگر اُس کی مشیت ہوتی۔ تو وہ ضرور موجود ہو جاتیں ✦

تیرھواں باب

قضاء و قدر کے مراتب میں تیسرے یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں کے اعمال ایجاد و تکوین و پیدا کرنیکے بیان میں

جمیع انبیاء علیہم السلام اور جملہ آسمانی کتابیں اس بات پر متفق ہیں کہ بندوں کے اعمال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے فطرت۔ ادلۂ عقلیہ اور قیاس بھی اس کے شاہد ہیں۔ مجوس اُمت یعنی فرقہ قدریہ اس کے برخلاف یہ کہتے ہیں کہ اشرف کائنات یعنی ملائکہ انبیاء و مرسلین اور عباد مومنین کی طاعات اللہ تعالیٰ کی مشیت و تکوین (پیدا کرنے) سے خارج ہیں۔ بلکہ وہ خود اُن کے خالق و موجد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے انہیں کوئی تعلق نہیں اور نہ وہ اُس کی قدرت میں داخل ہیں۔ اس کے علاوہ تمام حیوانات کے افعال اختیاریہ میں بھی یہی کہتے ہیں پس اُن کے نزدیک اللہ سبحانہٗ کسی گمراہ کو ہدایت کرنے یا کسی ہدایت یافتہ کو بہکا دینے اور مسلمان کو مسلمان کرنے۔ کافر کو کافر ٹھیرانے اور نمازی کو نمازی بنانے پر قادر نہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ بندوں کے اختیار میں ہے اور وہی اس کے جاعل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے جَعْل کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ قرآن کریم بلکہ تمام آسمانی کتابیں۔ حدیث رسول۔ ادلۂ توحید اور براہین عقلیہ نہایت زور سے انکے قول کا ابطال و تردید کرتے ہیں۔ اور ہر ملک کے اہل علم و ایمان ان کی اس بیہودہ گوئی پر بول اُٹھے۔ اور گروہ اسلام جماعت رسول نے ان کے رد میں اس قدر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن کا شمار دشوار ہے۔ اور سلف صالحین اور آئمہ اہل سنت ہمیشہ انکی گوشمالی کرتے رہے اور ان بزرگوں کے سامنے وہ نہایت ذلیل و خوار رہتے کیونکہ سلف صالحین ان کے باطل قول کو حق صریح اور انکی بدعت کو سنت صحیح سے رد فرماتے تھے عقلی دلیلیں سنت کا مقابلہ کہاں کر سکتیں سلف کے سامنے وہ ایسے ذلیل تھے جیسے ذمی مسلمانوں کے سامنے سلف صالحین کے بعد قدریہ کے برخلاف ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا جس نے اُن کی بدعت و قول باطل کی تردید ویسی ہی اپنی ہی نو تراشیدہ بدعت اور قول باطل سے شروع کی اور کہا کہ بندہ اپنے افعال میں محض مجبور اور بالکل بے بس ہے۔ اُن کے وجود میں ہرگز اُسے کوئی دخل

نہیں اور یہ قول ان کا بالکل غلط ہے کیونکہ افعال عباد اُن کے ارادے واختیار سے واقع ہوتے ہیں اور اس فرقے کے جن لوگوں نے اس خیال میں زیادہ ترقی کی انہوں نے یہ کہدیا کہ بندے کے تمام افعال خود اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں بندے کیطرف صرف مجازاً منسوب ہوتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ بندے کو اُن کاموں پر ملامت و عذاب کریگا اور اُسے ہمیشہ دوزخ میں رکھیگا جن میں بندے کا کوئی دخل نہ تھا اور نہ وہ اُس کے کام تھے بلکہ وہ تو محض اللہ سبحانہٗ کے افعال تھے۔ اس بات کے قائل فرقہ جبریہ کہلاتے ہیں۔ ان کا عقیدہ اگرچہ فرقۂ قدریہ کے عقیدہ سے زیادہ خراب نہیں۔ مگر باطل ہونے میں اُس سے کم نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کتب سماویہ۔ ادلۂ عقلیہ۔ فطرت اور مشاہدہ یہ سب اُنکے اقوال کی تکذیب اور تردید کرتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ حق اور سیدھی راہ سے دور ہیں جب قاضی وغیرہ نے معلوم کیا کہ یہ قول باطل اور شرائع۔ عقل اور جبلت سے مناقض ہے تو یوں کہدیا کہ آدمی کی قدرت اگرچہ افعال کے وجود میں مؤثر نہیں لیکن اس کے صفات میں سے ایک صفت میں مؤثر ہے اس صفت کا نام کسب ہے اور امر و نہی۔ ثواب و عقاب اسی سے متعلق ہیں۔ کیونکہ بندے کی وہ حرکت جو طاعت الٰہی میں ہے اور وہ جو اُس کی معصیت میں ہے دونوں حرکت ہونے میں یکساں ہیں صرف طاعت اور معصیت ہونے میں ایک دوسری سے ممتاز ہے۔ پس نفس حرکت اور اس کا وجود اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ایجاد سے واقع ہے۔ اُس کا طاعت و معصیت ہونا بندے کی قدرت اور اُس کی تاثیر سے واقع ہے۔ یہ بات اگرچہ قریب الی الصواب ہے۔ لیکن اس کے قائل نے اُس کو کما حقہ نہیں بیان کیا۔ بندے کی حرکت کا طاعت یا معصیت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ امر الٰہی کے موافق یا مخالف ہے۔ پس موافق اور مخالف ہونا یا تو بندے کا فعل ہے تو اُس وقت اُس کی قدرت و اختیار سے متعلق ہوگا یا اُس کا فعل نہیں۔ اگر بندے کا فعل نہیں تو اُس کے لئے کوئی اختیار فعل اور کسب نہ ہوگا۔ غرض قاضی اور اُس کے ہم خیال لوگوں نے جو صفت کسب ثابت کی ہے اُسے کوئی معقول بات نہیں نکلتی۔ اسی واسطے مشہور ہے کہ علم کلام کی تین باتیں محالات میں سے ہیں (۱) کسب اشعری (۲) احوال ابی ہاشم (۳) طفرۂ نظام۔ اس فرقہ کی ایک جماعت نے جب اس قول کی خرابی معلوم کی تو کہنے لگے کہ افعال عباد کے وجود میں مستقل طور پر پروردگار کی قدرت مؤثر ہے اور ایک اثر پر دو مؤثروں کا مجتمع ہونا کوئی محال نہیں۔ اور اُنکے نزدیک ایک مفعول کا دو فاعلوں یا ایک مقدور کا دو قدرت رکھنے والوں سے متعلق ہونا کوئی بعید نہیں جیسے کہ ایک معلوم سے دو عالموں یا ایک مراد سے دو ارادہ کرنے والوں یا ایک محبوب چیز سے دو محبت کرنے والوں یا ایک

ناپسند چیز سے دونا پسندیدہ والوں کا تعلق ہوا کوئی محذور نہیں۔ ان کا یہ قول ہے کہ ہم ایسے دو مستقل
قدرت رکھنے والوں کو جن میں ہر ایک بالاستقلال فعل کر سکتا ہے یہ دیکھتے ہیں کہ ایک مفعول اُن کے
درمیان واقع ہوتا ہے جن میں فعل اور تاثیر کرنے میں یہ دونوں شریک ہوتے ہیں۔ اور مخالفین کو کہتے
ہیں کہ ہم نے اس بیان کے بطلان کے لیے بجائے اس دلیل کے کہ مستقل طور پر ایک کی طرف نسبت
کرنا دوسرے کی طرف اور نیز دونوں کی طرف نسبت کرنے سے مانع ہے تمہارے پاس اور کوئی دلیل
نہیں ہے۔ اور یہ دلیل ناکافی اور مجمل ہے اس کی تفصیل چاہیئے۔ پس اس کلام سے یہ ثابت ہوا کہ ایک مفعول
کا دو ایسے فاعلوں کے درمیان واقع ہونا جن میں سے ہر ایک مستقل نہ ہو جائز و درست ہے جیسے
دو شخص مل کر کوئی ایسا کام کریں جن میں سے ہر ایک اکیلا اُسے نہیں کر سکتا۔ اور نیز ایک مفعول کا
ایسے دو فاعلوں کے درمیان واقع ہونا جائز ہوا جو مل کر اُس میں فعل کریں اور اُن میں سے ہر ایک
اکیلے وجہ بالا پر مستقل طور پر اُس میں فعل کر سکے۔ اور یہ بات ظاہر ہے۔ اور نیز ایک مفعول کا ایسے
دو فاعلوں کے بیچ واقع ہونا درست ہوا جو مل کر اُس میں فعل کریں اور ان میں سے ہر ایک علیحدہ بھی
اسے کر سکے جیسے دو شخص مل کر ایک ایسی چیز اُٹھائیں جسے وہ دونوں اکیلے اکیلے بھی اُٹھا سکتے ہیں۔ اور
یہ تمام صورتیں صرف ممکن نہیں بلکہ نفس الامر میں واقع ہیں۔ باقی رہا ایک قسم کا ایک مفعول ایسے دو فاعلوں
کے درمیان واقع ہو جن میں سے ہر ایک نے مستقل طور پر اُس میں فعل کیا ہو۔ سو یہ محال ہے کیونکہ
ہر ایک کے مستقل طور پر فعل کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ دوسرا اُس میں کچھ فعل نہ کرے پس
دونوں کے مستقل ہونے سے دونوں کا غیر مستقل ہونا لازم آتا ہے۔ اور اکثر لوگ ایک مقدور کے دو قدرت
رکھنے والوں سے متعلق ہونے کے مقر ہیں۔ گو کیفیت وقوع میں باہم اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا
قول ہے کہ بندے کے افعال مستقل طور پر تاثیر کرنے کے لحاظ سے تو اللہ سبحانہ کی قدرت کی طرف
منسوب ہیں اور بندے کی قدرت کی طرف بھی منسوب ہیں لیکن اُس کی قدرت غیر مستقل بالتاثیر ہے اور
جب بندے کی قدرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت مل جائیگی تو وہ اس وجہ سے مستقل طور پر مؤثر ہو جائیگی
کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اس کی اعانت فرما کر اُس کو مؤثر بنا دیا ہے۔ مگر اُن کا قول غلطی سے
خالی نہیں کیونکہ اُن کے زعم کے مطابق جب بندے کی قدرت اللہ تعالیٰ کی قدرت کی مدد سے
مستقل بالتاثیر ہو جائیگی تو ایک اثر پر ایسے دو مؤثروں کا مجتمع ہونا لازم آئیگا جن میں سے ایک کی
قدرت اور تاثیر دوسرے کی قدرت و تاثیر پر موقوف ہے واللہ اعلم شاید ان کا مطلب یہ ہو کہ
بندے کے افعال پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت مستقل بالتاثیر ہے۔ ایک اور جماعت کہتی ہے

کہ بندے کے افعال مستقل طور پر تاثیر کرنے کے اعتبار سے اس کی قدرت کی طرف منسوب ہیں۔ یہی بات کئی اہل
علم قائل ہیں۔ مگر یہ بھی غلطی پر ہیں کیونکہ ایجاد افعال میں بندے کی قدرت کو مستقل التاثیر قرار دیا ہے۔ اور یہ
باطل ہے کیونکہ بندے کی قدرت زیادہ سے زیادہ سبب یا جزو سبب ہو سکتی ہے اور کوئی سبب اپنے
مسبب کے حصول میں مستقل بالتاثیر اور اس کا موجب نہیں ہوتا۔ اور اسباب امثلی بمشیت الٰہی کے سوا کوئی
چیز حصول ممکنات کی موجب نہیں۔ یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو قدرت و ارادہ
بخشا ہے اور اسی قدرت و ارادہ کی وجہ سے کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا اس کے اختیار میں کر دیا اور اسے
اپنی ارادت سے فعل و ترک میں خود مختار بنا دیا ہے پس وہ اپنی اس قدرت و ارادے سے جن کے سبب
فعل و ترک کا اسے اختیار دیا گیا کسی کام کو کرتا اور کسی کو چھوڑتا ہے۔ ایک اور جماعت کا یہ قول ہے کہ بندے
کے مقدورات عین مقدورات الٰہی ہیں یعنی بندہ انہیں اس وقت کرتا ہے جب اللہ تعالیٰ انہیں نہ
کرے یعنی اس وقت کرتا ہے جب اللہ تعالیٰ ان کا فاعل ہو۔ یہ باطل ہے کیونکہ ایک چیز کے دو خالق نہیں
ہو سکتے لہذا یہ ایک غلطی ہے۔ یہ جبائی ان لوگوں کا ہے جو ایک چیز کے دو فاعل سے سرزد ہونے کے
قائل ہیں۔ اور بہت سے قدریہ جن میں نجار وغیرہ ہیں اسی بات کے قائل ہیں۔ ایک اور جماعت کا
قول ہے کہ ایک فعل مختلف جہتوں کے ساتھ دو فاعلوں سے واقع ہو سکتا ہے اس طرح کہ ایک موجد اور
دوسرا کاسب ہو۔ نجار، ضرار بن عمرو اور محمد بن عیسیٰ بن حفص کا یہی مذہب ہے۔ اشاعرہ اور ان کے مذہب
میں دو طرح سے فرق ہے (۱) اس مذہب والے اس بات کے قائل ہیں کہ بندہ اگرچہ اپنے افعال کا محدث و
مخترع نہیں لیکن ان کا فاعل حقیقۃً ہے۔ اور اشعری کہتے ہیں کہ بندے کے افعال اگرچہ اس کی طرف منسوب
ہوتے ہیں لیکن وہ ان کا فاعل نہیں ان کا فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی فاعل نہیں (۲) اس
مذہب والے یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ افعال عباد کا محدث اور بندے ان کے فاعل ہیں۔ اور ایک فرقہ کہتا
ہے کہ افعال عباد حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے افعال اور مجازاً بندوں کے اعمال ہیں اشاعرہ کا ایک یہی قول
ہے اور ان کے دوسرے فریق نے جن میں سے قلانسی اور ابو اسحاق ہیں۔ اپنی بعض کتابوں میں لکھا
ہے کہ افعال عباد حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں۔ اور انسان کی یہی حقیقی افعال ہیں۔ مگر انسان ان کا محدث
نہیں بلکہ ان کا کاسب ہے۔ ایک دوسرے فریق یعنی جہم اور اس کے اتباع کا یہ قول ہے کہ در حقیقت
قادر اور فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا حقیقۃً نہ تو کوئی فاعل ہے اور نہ کاسب بلکہ وہ اپنے تمام
افعال، حرکت اور سکون میں مجبور اور یہ جو بولتے ہیں کہ فلاں شخص کھڑا ہوا، بیٹھا یا فلاں شخص نے کھایا پیا یہ
سب مجازاً کہتے ہیں جیسے کہ فلاں شخص مرا، بڑا ہوا، گر پڑا، آفتاب نکلا یا ڈوب گیا یہ تمام مجازی نسبتیں ہیں۔"

اور یہ غلاۃ جبریہ کا قول ہے اُنکے مقابل قدریہ کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ بندے اپنے افعال کے خود موجد اور
اپنی قدرت وارادے سے اُن کو پیدا کرتے ہیں جس طرح کہ انسان مقدوراتِ باری تعالےٰ پر قدرت رکھنے
کی صفت کے ساتھ موصوف نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے افعال اُس کی قدرت میں داخل ہیں۔ اسی طرح
اللہ تعالیٰ انسان کے مقدورات پر قدرت رکھنے کی صفت سے موصوف نہیں اور نہ اُن کے مقدورات
اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہیں۔ جمہور قدریہ کا بھی قول ہے اور تمام قدریہ اس بات پر متفق ہیں۔ کہ
اللہ سبحانہ افعالِ عباد کا خالق نہیں لیکن اُن میں یہ اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کا محدث۔ خالق اور پیدا
کرنیوالا اور اُن پر قادر ہے یا نہیں جمہور قدریہ تو اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے منکر ہیں۔ لیکن ان میں جو لوگ
مذہب اہلِ سنت سے قریب ہیں وہ اتنا مانتے ہیں کہ افعالِ عباد اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہیں۔ اور وہ
اُن پر قادر ہے اور بندے اللہ تعالےٰ کی اُن پر قدرت دینے سے اُن کو پیدا کرتے ہیں۔ اور اُن کے
نزدیک اللہ تعالےٰ کے افعالِ عباد پر قادر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اُن کے کرنے پر قادر
ہے۔ یہ تو اُن کے نزدیک محالات میں سے ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے اُن پر قادر ہونے کا یہ مطلب ہے۔ کہ
بندوں کو ان کے پیدا کرنے پر قدرت دیتا ہے پھر وہ اپنی قدرت اور اللہ تعالیٰ کے قدرت اور قوت
دینے سے انکو وجود میں لاتے ہیں۔ ان کا خیال اہلسنت کے عقیدہ کے قریب قریب ہے۔ یہ جتنے مذاہب
مذکور ہوئے ہیں سب میں کچھ نہ کچھ غلطی اور کوئی نہ کوئی بات صحیح بھی موجود ہے۔ لیکن بعض زیادہ غلطی پر اور بعض
اقرب الی الصواب ہیں۔ اور ہر ایک مذہب کے ادلہ و براہین اپنے مخالف فریق کی غلطی کی تردید کے لئے قائم
ہوسکتے ہیں۔ اور اُس کے صحیح قول کے ابطال پر اُن کی کوئی دلالت نہیں۔ پس جبریہ کی ہر ایک صحیح دلیل اللہ تعالیٰ کی
قدرت اور مشیت کے ثبوت پر اور نیز اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اُس کے سوا کوئی خالق نہیں اور وہ
ہر چیز پر قادر ہے اِس عام حکم سے ممکنات کا کوئی فرد بھی مستثنٰی نہیں۔ اور یہی حق ہے۔ لیکن ان کے پاس
کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے جو بندے کے قادر صاحب ارادہ۔ اور فاعل بالقدرت و مشیت ہونے
اور نیز اس بات کو نفی کرے کہ بندے کے افعال اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں نہ اللہ تعالےٰ کی ذات
کے ساتھ اور وہ اُسی کے افعال ہیں نہ اللہ تعالیٰ کے۔ اور اسی طرح قدریہ کی ہر ایک صحیح دلیل صرف اِس
بات پر دلالت کرتی ہے کہ افعالِ عباد اُن کے فعل ہیں اور اُنکے ساتھ قائم اور اُن کی قدرت مشیت و
ارادے سے واقع ہیں اور وہ ان میں مختار ہیں نہ مجبور و مضطر اور اُن کے پاس کوئی ایسی صحیح دلیل موجود
نہیں جو اللہ سبحانہٗ کے افعالِ عباد پر قادر ہونے اور بندوں کو اُن کا فاعل بنانے کے منافی ہو۔ غرض
جبریہ کی تمام دلیلیں اِن لوگوں کے برخلاف صحیح و درست ہیں جو اللہ سبحانہٗ کی تمام اشیا یعنی ذوات و افعال

پر قادر ہونے کے منکر ہیں اور ہر ایک موجود پر اُس کی مشیت و خلق کے حاوی ہونے کا انکار کرتے
اور اِس بات کے قائل ہیں کہ سلسلۂ ہستی میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو اس کی مشیت و خلق سے باہر ہیں
اور قدریہ کی دلیلیں اُن لوگوں کے مخالف صحیح و درست ہیں جو بندہ کے فعل و قدرت و مشیت و اختیار
کا انکار کرتے اور کہتے ہیں کہ بندہ کسی چیز کا فاعل نہیں اور اللہ تعالےٰ اُس کو اُن کاموں پر عذاب کریگا۔
جو نہ اس کا فعل ہیں اور نہ اُسے اُن پر کسی قسم کی قدرت ہے بلکہ وہ ان میں مضطر اور مجبور محض ہے اور
اہلِ سنت تابعدارانِ رسول صلعم خاص مسلمانوں کی جماعت سب عقائد میں نہ تو جبریہ اور نہ ہی قدریہ کے
ساتھ ہیں بلکہ جو عقیدہ جبریہ کا صحیح ہے اہلسنت اُنکے ساتھ اور جو قدریہ کا ٹھیک ہے اُس میں اُن کے
ہمراہ ہیں۔ غرض ہر ایک گروہ کے عقائد میں جو بات صحیح ہے اُس میں تو اُس کے موافق اور جو غلط ہے
اُس سے بیزار ہیں سو ہر مذہب میں جو جو صحیح عقائد ہیں اہلِ سنت کا مذہب اُن سب کو جامع ہے اسی وجہ
سے اہلِ سنت ہر گروہ کے صحیح عقیدہ کے قائل اسکے مددگار اور اسی صحیح عقیدہ کی وجہ اہل سنت اس عقیدہ کے
دوستدار ہیں اور ہر فریق کے باطل عقائد کے مخالف اور اُن کے مٹانے میں کوشاں ہیں اور اُنہی عقائد
باطلہ کی وجہ سے اُن لوگوں سے دشمنی و عداوت رکھتے ہیں۔ پس اہلِ سنت گویا ان سب کے درمیان
منصف و حاکم ہیں۔ کسی ایک فریق کیطرف ان کا پورا میلان نہیں اور نہ ہی کسی فریق کی حق بات کو
رد کرتے اور نہ بدعت کا بدعت سے مقابلہ کرتے اور نہ ہی باطل کو باطل سے مٹاتے ہیں۔ اور کسی مخالف
فریق کی دشمنی کی وجہ سے خواہ اس سے اس حد تک مخالفت ہو کہ اُسے کافر کہتے ہوں عدل و انصاف
کو نظر انداز نہیں کرتے بلکہ اُن کی حق بات کے قائل اور اُن کے اقوال میں انصاف کے ساتھ فیصلہ
کرتے ہیں اور اللہ سُبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھی حکم دیا ہے۔ کہ وہ تمام لوگوں میں عدل و انصاف
کریں۔ چنانچہ فرمایا ہے فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ
اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (تو اے پیغمبر) تم تو (لوگوں کو) اسی
(اصل دین) کی طرف بلاتے رہو اور اِن (یہود و نصاریٰ) کی خواہشوں پر نہ چلو اور (ان سے صاف)
کہہ دو کہ کتاب (کی قسم میں) سے جو کچھ خدا نے اُتارا ہے میرا تو سب پر ایمان ہے اور مجھ کو خدا کے ہاں
سے حکم ملا ہے کہ تمہارے درمیان (تمہارے اختلافات کا فیصلہ) انصاف (کے ساتھ) کروں اسو
اللہ سُبحانہٗ نے آنحضرت صلعم کو یہ حکم دیا کہ اللہ کے دین اور اُس کی کتاب کی طرف لوگوں کو دعوت
کریں اور بذاتِ خود اُس کے حکم کے موافق مستقیم رہیں اور کسی فرقے کی خواہش (نفسانی) پر نہ چلیں اور جو
امور حق ہوں اُن سب پر ایمان لائیں۔ اور جملہ اہلِ ادیان اور مختلف اقوال لوگوں کے درمیان انصاف

کے ساتھ فیصلہ اس آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اہلِ ہوا اور بدعتی فرقے اس آیت پر عمل کرنے سے نہایت بے نصیب اور بے بہرہ ہیں۔ اور اللہ و رسول کی جماعت یعنی متبعین سنت کا اس پر پورا عمل درآمد اور وہی اس کا مصداق ہیں۔ اہلِ سنت کو اس مسئلہ اور اس کے علاوہ تمام مسائل میں تمام فرقوں کی نسبت سعادت حق شناسی زیادہ حاصل ہے۔ یہ تمام موجودات یعنی ذوات و افعال پر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مشیت عامہ کو ثابت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے نقص سے پاک ہے کہ اس کے ملک میں وہ چیز ہو جو اس کی قدرت سے باہر اور اس کی مشیت سے خارج ہو۔ یہ تقدیر سابق کو مانتے ہیں اور نیز اس کے متعلق ان باتوں کے قائل ہیں کہ بندوں سے کیا کیا افعال قضا و قدر سابق کے مطابق ظہور میں آتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان سب کو پہلے مقدر فرما دیا ہے۔ اور جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو بندوں کی کوئی مشیت نہیں۔ اور وہ سب کام اس کی مشیت کے بعد کرتے ہیں اور اللہ جو کچھ چاہے وہ ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک ان دو نوں میں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں۔ اور ان کے نزدیک تقدیر کے کئی مراتب ہیں یعنی قدرت الٰہی، علم، مشیت، خلق وغیرہ پس کوئی ذرہ یا اس سے بھی چھوٹی چیز اس کی مشیت، علم، اور قدرت بغیر حرکت نہیں کر سکتی پس لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کو درحقیقت یہی لوگ مانتے ہیں۔ باقی لوگ گو اس کے قائل ہیں مگر پوری طرح اس کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ تمام کائنات علوی اور سفلی اور جمیع حیوانات جو کام کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے قوت دینے سے ہوتا ہے اور انسان کو جو فعل و ترک کے لحاظ سے مختلف حالتیں پیش آتی ہیں وہ سب اللہ کے قدرت دینے سے ہیں نہ اس کے اپنے اختیار سے۔ اہلِ سنت اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ جسے اللہ ہدایت کرے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ بہکا دے اسے کوئی راہ پر نہیں لا سکتا۔ اور وہی مسلم کو مسلم۔ کافر کو کافر اور نمازی کو نمازی بناتا ہے اور ساکن کو ساکن، اور متحرک کو متحرک کرتا۔ اور وہی بندے کو خشکی اور دریا میں چلاتا ہے۔ وہ چلانے والا اور بندہ چلنے والا۔ وہ حرکت دینے والا اور بندہ حرکت کرنے والا۔ وہ کھڑا کرنے والا اور بندہ کھڑا ہونے والا۔ وہ ہدایت بخشنے والا اور بندہ ہدایت پانے والا۔ وہ کھانا کھلانے والا اور بندہ کھانا کھانے والا ہے وہ زندگی اور موت دینے والا اور بندہ زندہ رہتا اور مرتا ہے۔ باوجود ان سب باتوں کے بندے کی قدرت، ارادہ، اختیار اور اس کا فعل ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بندہ حقیقۃً فاعل ہے نہ صرف مجازاً اور وہ اس بات پر متفق ہیں کہ فعل اور مفعول ایک چیز نہیں بلکہ ان میں فرق ہے۔ چنانچہ بغوی وغیرہ نے ان سے نقل کیا ہے بندوں کے تمام حرکات و اعتقادات ان کے حقیقی افعال ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ان کو یہ نسبت ہے کہ حقیقۃً اس

کے مخلوق و مفعول ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کا عالم۔ ان پر قادر۔ ان کو پیدا کرنے والا ہے۔ اور یہ اُس کی مشیت و ارادے
سے ہوتے ہیں۔ اور بندے ان کے فاعل۔ کاسب اور وہ اپنے تمام حرکات و سکنات سے موصوف
ہیں سو بندے مسلمان۔ نماز پڑھنے والے قائم۔ قاعد انکے علاوہ اور صفات سے موصوف ہیں۔ اور اللہ
سبحانہ ان کو ان کاموں پر قدرت دینے والا اور اُن کو پیدا کرنے والا اور بندوں سے اُن کو چاہنے والا ہے
بندوں کی مشیت و فعل اُس کی مشیت کے بعد ہے وہ اس کی مشیت بغیر نہ تو کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں
اور نہ کوئی کام اُن سے ہو سکتا ہے جب اس مذہب اور دیگر مذاہب کو باہم مقابلہ کر کے دیکھا جائے
تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہی مذہب راستہ اور صراط مستقیم ہے اور دوسرے تمام مذاہب اُس کے
دائیں بائیں خطوط ہیں بعض اس سے قریب بعض بعید اور بعض بین بین ہیں۔ اور جب سورہ فاتحہ میں کما حقہ
غور کیا جائے۔ تو اُس سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اول سے آخر تک اہل سنت کے مذہب
و عقائد پر صراحۃً دلالت کرتی ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کی محمودیت اور اس کی ربوبیت انہی باتوں کی مقتضی
ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو جمیع اشیاء پر قدرت نہ ہو (جیسے جبریہ کا زعم ہے) تو وہ اللہ جو آسمان و زمین میں رہنے
والوں یعنی ملائکہ۔ جن۔ انس۔ چرند۔ پرند وغیرہ کے مقدورات پر قادر نہیں۔ بلکہ یہ ایسے کام کرتے ہیں۔ جو
اس کی قدرت و مشیت سے باہر ہیں۔ اور جن کاموں سے اس کی مشیت متعلق ہو۔ اُن کو بہتیرے نہیں
کرتے۔ غرض جو کام اس کی مشیت میں ہیں وہ نہیں ہوتے۔ اور جن سے اس کی مشیت متعلق نہیں وہ ظہور
میں آتے ہیں تمام محامد و تعریفوں کا کیونکر مستحق ہو سکتا ہے۔ بلکہ اُس کی کمال محمودیت و ربوبیت کا تقاضا
یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہو۔ کوئی چیز ایک ذرہ بھر بھی اس کی مشیت سے باہر نہ ہو۔ اس کے بعد دونوں
جملے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کو دیکھو کہ اُن دونوں فریق کے قول کو جو صراط مستقیم سے منحرف
ہیں باطل کرتے ہیں کیونکہ پہلے جملہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بندہ اپنے افعال کا فاعل اور عبادت حقیقۃً
اُس کے ساتھ قائم ہے پس بندہ حقیقۃً عابد ہے اور دوسرے جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبادت اللہ
عز و جل کی اعانت و مدد بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ مدد نہ فرمائے اور اس پر قدرت نہ دے اور اس کی
مشیت میں نہ ہو تو بندہ اس پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اور وہ وجود میں نہیں آ سکتی۔ غرض فعل تو بندے کا ہے
اور اُس پر قدرت دینا اور اعانت کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ پھر جملہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِیْمَ (ہم کو دین کا سیدھا رستہ دکھا) پر غور کرو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ اس اللہ پاک
سے ہدایت طلب کرے جو ہدایت دینے پر قادر ہے اور وہی اسی کے اختیار میں ہے اگر وہ چاہے تو اپنے
بندے کو ہدایت عطا فرمائے چاہے تو اس سے محروم رکھے۔ ہدایت پانے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ

حق کو پہچاننے اور اُس پر عمل کرے پس جس کو اللہ تعالیٰ حق نہ جتلاوے اور اُس پر عمل کی توفیق نہ بخشے تو وہ کبھی ہدایت یاب نہیں ہو سکتا۔ اور صرف اللہ سبحانہٗ وہ ہدایت دیتا ہے جس سے آدمی راہ راست پر آجاتا ہے۔ ہدایت (جو صفات الٰہی سے ہے اس) کا معنی یہ ہے کہ بندے کے دل میں راہ راست کی ایسی محبت ڈال دیتا ہے کہ وہ اُس کو اختیار کر لیتا ہے اور اُس پر برابر بند ہو جاتا ہے۔ اور یہ ہدایت کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کے اختیار میں نہیں +

آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (اے پیغمبر اپنی خواہش کے مطابق تم جس کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) میں جناب رسالت کو اسی ہدایت کی نسبت فرمایا ہے کہ یہ ہدایت تمہارے اختیار میں نہیں۔ بلکہ یہ اللہ کا کام ہے +

آیت وَاِنَّكَ لَا تَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اور اے پیغمبر اس میں شک نہیں کہ تم (لوگوں کو) سیدھا ہی رستہ دکھاتے ہو) میں اپنے رسول کو ہادی قرار دیا ہے۔ سو اس آیت میں ہدایت سے دعوت تعلیم اور ارشاد مراد ہے اور قوم ثمود کو بھی یہی ہدایت ملی تھی جس پر انہوں نے گمراہی کو اختیار کیا اور اسی کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ (اور اللہ کی شان سے بعید ہے کہ ایک قوم کو ہدایت دیئے پیچھے گمراہ قرار دے تاوقتیکہ اُن کو وہ چیزیں نہ بتا دے جن سے وہ بچتے رہیں) سو وہ ہدایت جو بمعنی اظہار و بیان حق ہے اور جس سے اُن پر حجت قائم ہو اُن کو عطا ہوئی اور وہ ہدایت جو راہ راست پانے کی موجب ہے اور جسے حاصل ہو جاتی وہ کبھی گمراہ نہیں ہوتا۔ اُس سے اُن کو محروم رکھا۔ راہ راست کو بتانا۔ اور اسے ظاہر کر دینا یہ اللہ تعالیٰ کا کمال انصاف اور ہدایت حقیقی سے ان کو محروم رکھنا اُس کی عین حکمت ہے۔ قیام حجت کے لئے اُن پر راہ راست کو ظاہر کر دیا۔ اور ہدایت حقیقی سے اس لئے محروم رکھا کہ وہ اس کے اہل اور اس کے لائق نہ تھے۔ اور اس باب کے بعد دوسرے باب میں ہدایت ضلال اور ان دونوں کے مراتب و اقسام کو ہم انشاء اللہ عنقریب مفصلاً بیان کرینگے۔ یہاں تو قضاء و قدر کے مراتب میں سے چوتھے مرتبہ (یعنی افعال مکلفین کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور وہ جس طرح کہ اُس کے علم و کتابت میں ہیں اسی طرح اُس کی قدرت و مشیت کے تحت میں ہیں) کے اثبات کی چند دلیلیں ذکر کرنی مقصود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا خبر گیراں ہے) یہ ایک عام حکم ہے سلسلہ عالم کی تمام چیزیں خواہ ذوات ہوں یا انکے افعال حرکات اور سکنات ہوں سب اس میں داخل ہیں کوئی ذرہ سی چیز

بھی اس سے خارج نہیں۔ اور اللہ کی ذات اور اُس کے صفات سے اس حکم کو مخصوص کرنے کی کوئی ضرورت
نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی ذات و صفات کے بسبب خالق اور ماسوا اُسکے سب مخلوق ہیں۔ غرض لفظ کل شئی سے
سب مخلوق مراد ہے اور اللہ کی ذات مع صفات تو خالق ہے نہیں (وہ پہلے ہی) کل شئی میں داخل نہیں
تاکہ اس کو خارج کرنے کے اس حکم کو مخصوص کیا جائے۔ اور اللہ تعالٰے کے صفات اس کے مستثنی ہیں۔ اصل
یہ ہے کیونکہ ذٰلکم اللہ اُس معبود برحق کا علم ہے جو تمام صفات کمال سے موصوف اور جمیع عیوب و نقائص
سے منزہ و پاک ہے۔ عالم کی چیزیں دو طرح کی ہیں ایک اعیان یعنی ذوات۔ دوم اُن کے افعال۔ اللہ تعالٰے
اعیان کا اور نیز اُن افعال کا جو اُن سے صادر ہوتے ہیں سب کا خالق ہے جیسا کہ وہ ان سب کا
بالتفصیل عالم ہے۔ غرض کوئی چیز اُس کے علم۔ قدرت، خلق اور مشیت سے باہر نہیں۔ قدریہ یہاں
شبہ پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کے خالق افعال عباد ہونے کے ہم بھی قائل ہیں۔ مگر اُس کا مطلب یہ
نہیں کہ وہ اُن کا محدث و پیدا کنندہ ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن کا مُقدّر کرنے والا ہے۔ اور خلق بمعنی تقدیر
مستعمل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (تو خدا بڑا ہی بابرکت
ہے جو سب بنانیوالوں میں بہتر (بنانیوالا) ہے) اور ایک شاعر کا قول ہے وَلَأَنْتَ تَفْرِي مَا خَلَقْتَ
وَبَعْضُ الْقَوْمِ يَخْلُقُ ثُمَّ لَا يَفْرِي یعنی تو جس کام کا اندازہ کرتا اور اُسے ٹھیرا لیتا ہے تو اپنے پختہ
ارادے اور بلند ہمت سے اُسے پورا کرتا اور سرانجام کو پہنچا دیتا ہے اور بعض لوگ ایسے ہیں جو جی میں
ٹھان کر رہ جاتے ہیں اور اُن کو اُن کے پورا کرنے کی طاقت و حوصلہ نہیں ہوتا۔ غرض اللہ تعالٰے
افعالِ عباد کا مُقدّر ہے اور بندے اُن کے موجد و پیدا کرنے والے ہیں ۔

اہلِ سنت کی طرف سے اس کا جواب۔ تمہارے متقدمین لوگ تو اس بات کے منکر تھے۔ کہ
اللہ سبحانہ افعال عباد کا مُقدّر ہے۔ پس ان کی طرف سے تو یہ کہنا صحیح نہیں۔ رہے وہ لوگ جو تم میں
سے تقدیر افعالِ عباد کو مانتے ہیں تو اُن کے نزدیک تقدیر بمعنی علم ہے نہ تقدیر بمعنے متعارف یعنی اندازہ
کرنا کیونکہ اُن کے زعم میں اللہ تعالٰی افعالِ عباد کے مُقدّر اور اندازہ کرنے پر قادر نہیں بلکہ بندہ خود
اُن کا پیدا کنندہ ہے۔ غرض اُنکے نزدیک تقدیر بمعنے علم ہے۔ اور لفظ خلق بمعنے علم کسی قوم کی لغت
میں مستعمل نہیں۔ اگر خلق بمعنی علم ہو تو جو شخص کسی چیز کا عالم اور اُس کی ذات و صفات سے واقف ہو تو
اُسے اُس کا خالق کہا جائے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ اگر تقدیر کا ایسا معنی مراد لیتے ہو جس سے اللہ تعالٰے
کا موجد افعال عباد ہونا ثابت ہو۔ تو یہ تمہارے مذہب کے خلاف ہے اور اگر تقدیر بمعنے علم و خبر مراد ہے تو
یہ لغت کے مخالف ہے ۔

قدریہ کا دوسرا شبہ۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ یہاں کل شئ جو صیغہ عموم ہے اس سے افعال اشیاء
مراد ہیں اور وہ اس عموم سے تمام اشیاء مراد نہیں لے سکتے۔ کیونکہ قرآن کریم کو جو ایک نہایت
شریف شان والی جلیل القدر چیز ہے اس عموم سے نکال لیتے اور کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کا مخلوق نہیں۔ تو جس طرح
اہل سنت اس سے خاص چیزیں مراد لیتے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی اس سے خاص اشیاء ارادہ کرتے اور
کہتے ہیں کہ افعال عباد اس عموم سے نکل گئے خارج ہیں کہ ادلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ افعال عباد خود
بندوں کے اپنے کئے ہوئے ہیں ؎

اہل سنت کی طرف سے اس کا جواب۔ قرآن کریم اللہ سبحانہ کا کلام ہے۔ اور اللہ کا کلام اس
کی صفات میں سے ہے۔ اور اس کی ذات مع صفات خالق ہے۔ پس اس کی صفات سرے سے
مخلوق میں داخل نہیں کیونکہ خالق اور مخلوق دو مغایر چیزیں ہیں۔ تو ہم نے اس آیت میں کسی طرح کی کوئی
تخصیص نہیں کی بلکہ اللہ کی ذات مع صفات خالق ہے اور اس کے ماسوا جتنی چیزیں ہیں سب مخلوق
ہیں باقی وہ دلیلیں جن سے مفہوم ہوتا ہے کہ افعال عباد خود بندوں کے فعل ہیں۔ اور ان کے ساتھ قائم
ہیں یہ سب صحیح ہیں۔ ان کو ہم مانتے اور ان کے مضمون کو تسلیم کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ بندے
اپنے افعال کے فاعل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کے افعال کا خالق اور وہ اس کے مفعول و مخلوق ہیں فعل
اور مفعول دو الگ چیزیں ہیں۔ اور ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فعل ہیں اور بندہ ان کے کرنے میں
مضطر و مجبور ہے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ یہ بندوں کے فعل ہیں اور اللہ تعالےٰ اُن پر قادر نہیں۔ اور
نہ بندے کو ان کا فاعل بناتا ہے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ اُن کو ایسے مستقل بالتاثیر دو فاعل و خالق پیدا کرتے
ہیں جن میں ہر ایک علیحدہ بھی پیدا کرسکتا ہے۔ یہ سب اقوال باطل ہیں ہم ان کے قائل نہیں ؎

قدریہ کا تیسرا شبہ۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ میں لفظ کل شئ سے وہ چیزیں مراد ہیں جن
پر سوائے اللہ کے کسی دوسرے کو قدرت نہ ہو۔ افعال عباد جن پر بندے قادر ہیں اس میں داخل نہیں
افعال عباد جب بندوں کی طرف منسوب ہیں تو وہ اللہ کی طرف کس طرح منسوب ہو سکتے ہیں۔ اور وہ
کیونکر ان کا خالق ہو سکتا ہے۔ ورنہ ایک فعل کا دو فاعلوں سے سرزد ہونا لازم آئیگا۔ اور یہ محال ہے
اہل سنت کی طرف سے اس کا جواب۔ افعال عباد بندوں کی طرف اس لحاظ سے منسوب ہیں
کہ وہ اُن کے فاعل و کاسب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس اعتبار سے منسوب ہیں۔ کہ وہ ان کا خالق
ہے اور اس کے ارادے و مشیت سے ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تعالےٰ کی مشیت۔ قدرت اور خلق اُن
سے متعلق نہ ہو تو وہ کبھی وقوع میں نہ آئیں بندوں کی کیا ہستی ہے کہ وہ ایسا کام کرسکیں جو اللہ تعالیٰ

کی قدرت میں نہ ہو اور وہ اُس کو پیدا نہ کرسکے ۔

فصل ۔ افعال عباد پر اللہ سبحانہ کے قادر ہونے کی دلیل [illegible]
نے فرمایا ہے وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے) [illegible]
تعمدیہ کا ویسا ہی سوال و جواب ہے جیسا کہ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ [illegible]
کی تقریر میں ہم اتنا زیادہ بیان کرتے ہیں کہ افعال عباد ممکنات میں سے ہیں [illegible]
ممکنات پر قادر ہے تو اللہ نے اپنی مشیت اور قدرت سے بندوں کو اُن کے افعال کا فاعل بنایا ہے اور اگر وہ
چاہے تو باوجود سلامت آلات و اسباب کے اُن کو کوئی فعل واقع نہیں ہونے دیتا [illegible] بندوں اور اُن کے افعال [illegible]
جائے۔ کما قال تعالیٰ وَلَوْ شَاءَ اللّٰہُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِھِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْھُمُ
الْبَیِّنَاتُ وَلٰکِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْھُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْھُمْ مَّنْ کَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللّٰہُ مَا اقْتَتَلُوْا
وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ (اور اگر خدا چاہتا تو جو لوگ ان پیغمبروں کے بعد ہوئے اپنے پاس
کھلے ہوئے نشان آئے پیچھے ایک دوسرے سے نہ لڑتے لیکن (انہوں) لوگوں نے ایک دوسرے
سے اختلاف کیا تو ان میں سے بعض وہ تھے جو ایمان لائے اور بعض وہ تھے جو کافر ہوئے۔ اور اگر خدا
چاہتا تو یہ (لوگ) آپس میں نہ لڑتے مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) وقال تعالیٰ وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ
مَا فَعَلُوْہُ (اور اے پیغمبر اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو یہ لوگ ایسی حرکت نہ کرتے) وقال تعالیٰ وَلَوْ شَاءَ
رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعًا (اور اے پیغمبر) تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے
زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے) غرض آدمی کا دل۔ زبان۔ ہاتھ۔ پاؤں سب کچھ اللہ سبحانہٗ
کے اختیار میں ہے وہ چاہے تو ان سے کوئی فعل ہو اور نہ ہو۔ پھر ایسے مالک کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ
افعال عباد پر قادر نہیں کیسی بُری بات ہے۔ ان ظالمان و منکران قدرت الٰہی کے خیالات فاسدہ سے
اُس کی ذات پاک و بالاتر ہے۔ ہاں اُس کی نسبت ہمارا یہ بھی خیال نہیں ہے کہ وہ بندوں کو ایسے
کاموں پہ عذاب دیگا جو اُن سے سرزد نہیں ہوئے اور نہ وہ اُن کی قدرت میں تھے۔ بلکہ وہ خود اُس
کے اپنے افعال تھے۔ اور بندے اُن میں مجبور و مضطر تھے۔ اور یہ عذاب اس قسم کا ہوگا جیسے کوئی
کو آسمان کی طرف نہ اُڑنے اور منقطع الید کو ترک کتابت اور لنگڑے کو نہ چلنے پر سزا دی جائے۔
اللہ تعالیٰ کی ذات ان دونوں باطل مذہبوں کے خرافات سے پاک ہے۔

فصل ۔ اللہ تعالیٰ کے خالق اعمال عباد ہونے کی دلیل میں [illegible]
نے فرمایا ہے وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَّجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْجِبَالِ [illegible]

لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ (اور اللہ ہی نے تمہارے لئے اپنی
پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے بنائے اور پہاڑوں سے (از قسم غار وغیرہ) تمہارے لئے چھپ
بیٹھنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لئے (کپڑے کے) کرتے بنائے جو تم کو گرمی (سردی) سے
بچائیں اور (کچھ لوہے کے) کرتے (یعنی زرہیں) جو تم کو تمہاری (ایک دوسرے کی) زد سے
بچائیں) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ سرابیل یعنی زرہوں اور کپڑوں کو اسی نے
بنایا ہے صرف لوہے یا روئی (جب تک کہ ان میں انسانی صنعت نہ ہو) زرہ یا کپڑے نہیں کہلاتے
پس جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا بنانے والا میں ہوں تو معلوم ہوا کہ ان کے اصل مادے، صورت
ہیئت سب کا خالق وہی ہے (انسانی صنعت ایک واسطہ ہے) اور آیت وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ
مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ
وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ (اور اللہ ہی نے تمہارے گھروں کو ٹھکانا بنایا اور چوپایوں کی کھالوں سے تمہارے
لئے (ایک خاص قسم کے) گھر (یعنی خیمے وغیرہ) بنائے کہ تم اپنے کوچ کے وقت اور اپنے ٹھہرنے
کے وقت ان کو ہلکا (پھلکا) پاتے ہو) بھی اسی کے مشابہ ہے۔ اس میں اللہ سبحانہٗ نے بتلایا ہے کہ
ہر قسم کے گھر، مکانات، خیمے وغیرہ سب اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ صنعت انسانی سے
تیار ہوتے ہیں، معلوم ہوا کہ صنعت انسانی کا خالق وہی ہے اور اسی طرح آیت وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا
حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ (اور ان لوگوں
کے (سمجھنے کے) لئے (ہماری قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ ہم ان (آدمیوں) کی نسل کو بھری ہوئی
کشتیوں میں اٹھائے پھرتے ہیں) اسی مدعا پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ نے بتلایا ہے کہ وہ
کشتی جو آدمی کے ہاتھوں سے تیار ہوتی ہے اس کا خالق وہی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ لفظ
مِثْلِهٖ سے یہاں اونٹ مراد ہے مگر یہ قول ان کا ٹھیک نہیں کیونکہ کشتی اور اونٹ میں کسی قسم کی مماثلت
موجود نہیں۔ اور آیت اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (کیا تم ایسی
(بے حقیقت) چیزوں کو پوجتے ہو جن کو تم (آپ) تراشتے ہو حالانکہ تم کو اور جن چیزوں کو تم بناتے ہو
(سب) کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے) جو ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے یہ الفاظ
کہے تھے۔ اسی مضمون کو ثابت کرتی ہے۔ اس آیت میں کلمہ مَا اگر مصدریہ ہو جیسا بعض اہل علم کہتے
ہیں تو اس مدعا پر اس کی دلالت تو ظاہر ہے لیکن مَا کو مصدریہ قرار دینا درست نہیں کیونکہ عبادت صنم
کا انکار کرنے اور اللہ تعالیٰ کے خالق اعمال ہونے کی خبر دینے میں کچھ مناسبت نہیں۔ پس بہتر یہ ہے

کلمہ مَا یہاں موصولہ قرار دیا جائے اور اس طرح مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور نیز اُن بتوں کا خالق ہے جن کو تم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے سو وہ بُت اللہ کی مخلوق ہیں نہ اُس کے شریک و معبود۔ غرض اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ اُنکے مصنوعی معبودوں کا وہی خالق ہے۔ اگرچہ اُن کے بنانے والے بندے ہیں۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ اس آیت سے یہ مراد ہے۔ کہ اللہ ان بتوں کے مادہ کا خالق ہے کیونکہ لفظ تَعْمَلُوْنَ جو اس کے بعد ہے اس کے لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ اُس چیز کا خالق ہے جس کو تم بناتے ہو۔ اور ظاہر ہے کہ بتوں کا مادہ انسانی صنعت میں داخل نہیں پس اُن کی صورت و ہیئت مراد ہے ۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے کہ اُس نے کئی ایسے بندے بنائے ہیں جو آئمہ خیر ہیں۔ لوگوں کو بھلائی اور ہدایت کی طرف بلاتے ہیں۔ اور کئی ایسے شخص ٹھہرائے ہیں جو لوگوں کو دوزخ کیطرف پکارتے ہیں پس یہ امامت اور دعوت اُسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اور فعل اُن کا ہے چنانچہ آل فرعون کی نسبت فرمایا ہے وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُوْنَ إِلَى النَّارِ (اور ہم نے اُن کو سردار (تو) کیا تھا مگر ایسے بُرے سردار) کہ (جب تک دنیا میں رہے لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے رہے) اور آئمہ ہدایت کی نسبت فرمایا ہے وَجَعَلْنَا هُمْ أَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِأَمْرِنَا (اور اُن کو (لوگوں کا) پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے (اُن کو) ہدایت کرتے تھے) پس بتلا دیا ہے کہ دوزخ اور ہدایت کی طرف بلانا دونو دعوتیں اُسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اگرچہ فعل و کسب آئمہ نار و آئمہ ہدیٰ کا ہے۔ اور ابراہیمؑ کی اس دُعا سے رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ (اور اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنا (بندہ) فرمان بردار بنا) سے بھی یہی مُدعا ثابت ہوتا ہے۔ ابراہیمؑ کی کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہی مُسلمان کو مُسلمان بناتا ہے۔ قدریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان خود اپنے آپ کو مُسلمان بناتا ہے نہ یہ کہ درحقیقت اللہ اُس کو مُسلمان کرتا یا پیشوائے ہدایت یا ضلالت بناتا ہے۔ بلکہ آدمی خود اپنے آپ کو ایسا بناتے ہیں اور یہ افعال خدا کی طرف مجازاً نسبت کئے جاتے ہیں یعنی یہاں جَعْل بمعنے خَلْق نہیں بلکہ جعل بمعنی تسمیہ ہے یعنی ہم نے اُن کا نام مُسلمان رکھا۔ یا اُن کو آئمہ کے نام سے نامزد کیا ۔

فصل منجملہ اللہ تعالیٰ کے خالق افعالِ عباد ہونے کے ادلہ میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے کہ بندے کو بدکاری اور پرہیزگاری وہی الہام کرتا ہے۔ اور الہام کہتے ہیں القاء فی القلب یعنی (کسی چیز کے) دل میں ڈالنے کو نہ محض تعلیم اور بیان کرنے کو جیسا کہ بعض مفسرین کا قول ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو بیان کرے اور دوسرے کو اُس کی تعلیم کرے۔ تو عرف اور لغت

میں اُسے الہام نہیں کہتے۔ بلکہ یہاں الہام کا وہی مطلب ٹھیک ہے جو ابن زید نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جی میں بدکاری یا پرہیزگاری کو پیدا کر دیا ہے۔ عمران بن حصین کی حدیث اسی معنی پر دلالت کرتی ہے کہ قبیلہ مزینہ یا جہینہ کا ایک شخص پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اور اُس نے یہ دریافت کیا یا رسول اللہ یہ اعمال جن کو آدمی کر رہے ہیں اور ان میں جانکاہی سے کام لیتے ہیں کیا پہلے سے تقدیر سابق میں اُنکے حق میں مقدور ہو چکے ہیں یا اب وہ انبیاء کی ہدایت کے مطابق پیدا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا پہلے سے مقدور ہو چکے ہیں۔ اس نے عرض کیا تو پھر عمل کا کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا جس کو اللہ نے جس مقام کیلئے بنایا ہے اس سے ویسے ہی کام کراتا ہے۔ اور اس کی تصدیق اللہ کی کتاب میں موجود ہے وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (اور انسان کی اور اُس ذات کی قسم جس نے اُس کو (ایسا) درست بنایا پھر اُس کی بدکاری اور پرہیزگاری (دونو باتیں) اُس کو سجھا دیں)

قضاء وقدر سابق کے بیان کرنے کے بعد آپ کے اِس آیت پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں الہام سے تقدیر سابق کے مطابق کام کرانا مراد ہے نہ کہ محض بتا دینا اور آگاہ کرنا مقصود ہے کیونکہ محض بیان اور تعریف کرنے سے اُن اعمال کا جو تقدیر سابق میں مقدور ہو چکے ہیں وقوع میں آنا ضروری نہیں سلف صالحین میں سے جن لوگوں نے الہام کی تفسیر تعلیم اور تعریف سے کی ہے اُن کا مطلب محض تعلیم اور صرف آگاہ کرنا نہیں بلکہ ایسی تعلیم جس سے اعمال کا وقوع ضروری ہو صرف تعلیم اور آگاہ کرنے کو لُغت میں الہام نہیں کہتے

فصل - اللہ تعالےٰ کا قول وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (اور (لوگو) تم اپنی بات چپکے سے کہو یا پکار کر کہو خدا تو (تمہارے) دلی خیالات (تک) سے واقف ہے۔ بھلا ہو سکتا ہے کہ خدا جو پیدا کرے وہی اپنی مخلوقات کے حال سے ناواقف ہو حالانکہ وہ (بڑا) باریک بین (اور) باخبر ہے) بھی اسی مدعا پر دلالت کرتا ہے۔ ذات الصدور میں جملہ اعتقادات۔ ارادت حُب بغض وغیرہ افعال وصفات قلب جو اُس کے اندر یا اُس کے ساتھ قائم سب داخل ہیں۔ اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ مَنْ خَلَقَ ترکیب میں بنابر فاعلیت مرفوع ہے یا بنابر مفعولیت منصوب۔ اگر مرفوع قرار دیا جائے تو خدا تعالےٰ کے خالق ہونے سے اُس کے عالم بذات الصدور ہونے پر یہ استدلال ہوگا۔ اور یہ استدلال نہایت واضح صاف اور درست ہے کیونکہ خالقیت خالق کے حیات۔ قدرت۔ علم اور مشیت کو تلزم ہے۔ اور

اگر منصوب پڑھا جائے تو یہ معنی ہوگا۔ کیا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو نہیں جانتا۔ اور لفظ مَن کو تغلیباً ذکر کیا ہے تاکہ اُس کا علم ذوی العقول اور اُن کی صفات کو شامل ہو۔ دونوں صورتوں میں آیت اس بات پر دلالت کرتی کہ اللہ تعالیٰ جس طرح مافی الصدور کا عالم ہے اسی طرح اُن کا خالق بھی ہے نیز اللہ سبحانہ نے خلق مافی الصدور کو اپنے علم کی دلیل ٹھیرایا ہے یعنی مافی الصدور اُس ذات پر پوشیدہ نہیں ہو سکتے ہیں جو اُن کی خالق ہے پس اگر مافی الصدور اللہ تعالیٰ سے مخلوق نہ ہوں تو علم پر استدلال صحیح نہ ہوگا نیز اللہ تعالیٰ کا خالق ہونا اُس کے عالم ہونے کی بڑی بھاری دلیل ہے پس اگر خالق نہ ہو تو عالم بھی نہ ہوگا۔ اور یہ سراسر کفر اور ایسے امر کا انکار ہے جس پر تمام انبیا علیہم السلام کا اتفاق ہے اور یقینی طور پر معلوم ہے کہ سب نے اپنی اپنی اُمت کو اسی کی ایسی ہی تعلیم کی ہے جیسے توحید الٰہی سکھلاتے تھے ۔

فصل اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کی ایک یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو بیان فرمایا ہے اُنہوں نے کہا رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي (اے میرے پروردگار مجھ کو توفیق دے کہ میں نماز پڑھتا رہوں اور نہ صرف مجھ کو بلکہ میری اولاد کو بھی) ایک اور مقام میں ہے فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ (تو ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں) منجملہ ان ادلہ کے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً (اور جو لوگ اُنکے پیرو ہوئے اُن کے دلوں میں ترس اور رحم ڈال دیا) اور منجملہ ادلہ کے زکریا علیہ السلام کی یہ دعا وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا (اور اے میرے پروردگار اُس کو مقبول (خاص و عام بھی) کر) ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اور مقام میں فرمایا ہے فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً (پس انہی لوگوں کے اپنے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے انکو پھٹکار دیا اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا) اور نیز فرمایا ہے وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا (اور ان کے دلوں پر ہم نے (غفلت اور ہٹ دھرمی کے) پردے ڈال دئیے ہیں۔ اور ان کے کانوں میں ٹینٹ تاکہ تمہاری بات نہ سمجھ سکیں) ۔

اَکِنَّه (پردوں) اور وَقر (ٹینٹ) سے یہاں یہ مراد ہے کہ اُن کو احکام الٰہی سے نہایت درجہ کا بغض نفرت اور اعراض تھا اُن کی وجہ سے وہ کچھ سُنتے اور سمجھتے نہ تھے اور محقق بات یہ ہے کہ اس بغض اور نفرت کا منشا اَکِنَّه اور وَقر تھے پس جن لوگوں نے اَکِنَّه اور وَقر کی تفسیر بغض۔ نفرت۔ اور اعراض سے کی ہے اُنہوں نے اُن کے موجب مقتضیٰ کو بیان کیا ہے۔ بہر حال یہ نفرت بغض

اور اعراض افعال عباد میں سے سب ہے اور اس کا باعث خالق ایزد متعال ہے جیسے کہ رأفت۔ رحمت اور نصرت اللہ کی طرف میلان قلوب یہ سب بندوں کے فعل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کا جاعل و خالق ہے۔ غرض ذوات اور ان کے صفات افعال۔ ارادات واختیارات سب کا وہی خالق ہے اور یہ سب اُسی کے مخلوق ہیں۔ گو بندہ اپنے اختیار و ارادہ سے افعال کرتا ہے مگر خالق افعال اللہ تعالیٰ ہے ؂

اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ یہ تمام آیتیں آیت مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ (نہ تو بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام ان میں سے) کوئی چیز اللہ نے نہیں ٹھیرائی) کے معارض ہیں کیونکہ بحیرہ اور سائبہ وغیرہ کو مقرر کرنا بندوں کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ کام اس نے نہیں کیا۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بحمد اللہ آیات کتاب اللہ میں کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں اس آیت میں جعل شرعی۔ امری مراد ہے نہ کوئی قدری جس طرح کہ امر۔ اذن۔ قضا۔ کتابت اور تحریم (جس کا بیان انشاء اللہ عنقریب آئیگا) دو طرح پر ہیں۔ اسی طرح جعل بھی دو قسم ہے۔ اس آیت میں اللہ سبحانہ نے جعل شرعی کو نفی فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے مشروع و جائز نہیں کیا۔ بلکہ کفار نے اس پر جھوٹ باندھا اور اپنے جی سے اس کو دین بنالیا۔ اللہ تعالیٰ کا قول لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ (ایسے معاملات میں منظور خدا یہ رہا ہے) کہ اس (وسوسے) کو جو شیطان نے ڈالا ہے ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ گردانے جن کے دلوں میں (بد عقیدگی کا) مرض ہے اور ان کے دل سخت ہیں) بھی اسی قبیل سے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ یہ فتنہ جو شیطان ان کے دلوں میں ڈالتا ہے اللہ کا مخلوق و پیدا کیا ہوا ہے۔ رسول خدا کی اس دعا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ لَكَ شَكَّارًا لَكَ ذَكَّارًا لَكَ رَهَّابًا لَكَ مِطْوَاعًا لَكَ مُخْبِتًا اِلَيْكَ اَوَّاهًا مُنِيْبًا (اے اللہ مجھے اپنا شکر گذار ذکر کرنے والا۔ ڈرنے والا مطیع۔ تیرے سامنے عاجزی کرنے والا تیری طرف متوجہ و رجوع ہونیوالا کردے) سے یہی مضمون ثابت ہوتا ہے۔ یہ دعا اس حدیث میں آئی ہے جس کو امام احمد اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ آپ نے پروردگار سے یہ سوال کیا کہ ان کو ان صفات سے موصوف کردے حالانکہ یہ سب بندے کے اختیاری فعل ہیں اور اس کے اختیار و ارادے سے واقع ہوتے ہیں۔ اور اسی حدیث میں یہ جملہ بھی آیا ہے وَسَدِّدْ لِسَانِيْ اور میری زبان کو درست کردے یعنی اس سے ایسی بات نکلے جو ٹھیک اور درست ہو۔ ایک اور حدیث میں بھی اسی قسم کے الفاظ آئے

[illegible] لک ثم اجتباہ۔ اللہ نے اپنا مخلص بنا دیا اور آپ کے یہ الفاظ الہام شدہ
اجعلنی احفظ شکرک و اکثر ذکرک و اتبع نصیحتک و احفظ وصیتک۔ یا اللہ مجھ کو ایسا
بنا دے کہ تیرے شکر کی محافظت، تیرے ذکر کی کثرت، تیری نصیحت کی پیروی اور تیری وصیت کی حفاظت کروں
بھی اسی کے مانند ہیں۔ اور مومنین کی یہ دعا ربنا افرغ علینا صبرا و ثبت اقدامنا۔ اے ہمارے
پروردگار ہم پر صبر کی بوچھاڑ ڈال دے اور میدان جنگ میں ہمارے پاؤں جمائے رکھ۔ جو خدا تعالیٰ
نے ذکر فرمائی ہے اس مطلب کو ثابت کرتی ہے کیونکہ صبر اور ثبات قدم دونو اختیاری فعل ہیں۔ لیکن
تعمیر و تثبیت یعنی صبر اور ثبات قدم کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اور یہ کہ اس سے سوال کیا گیا
ہے۔ صبر اور ثبات بندوں کے فعل ہیں اور حقیقۃً انہیں کے ساتھ قائم ہیں۔ یہ دعا رب اوزعنی
ان اشکر نعمتک التی انعمت علی و علی والدی و ان اعمل صالحا ترضاہ۔ اے
میرے پروردگار مجھ کو توفیق دے کہ جیسے جیسے احسانات تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کئے ہیں۔
ان احسانات کا شکر ادا کروں۔ اور (زندگی) ایسے نیک عمل کرتا رہوں جن کو تو پسند فرمائے) جو قرآن کریم میں
آئی ہے اسی دعا پر دال ہے۔ ابن عباسؓ اور دیگر کئی مفسروں نے اوزعنی کا ترجمہ الہمنی (مجھے الہام کر)
کیا ہے۔ ابو اسحاق نے کہا ہے لغت کے رو سے اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اور چیزوں سے بچا کر اپنی
نعمت کے شکر میں لگا دے۔ اسی واسطے موزع کی تفسیر مولع (حریص) سے کی جاتی ہے۔ حدیث میں آیا
ہے کہ رسول خدا موزع بالسوال تھے یعنی مولع بالسوال۔ صحاح میں وزع بمعنی کف (روکنا) اور ایزاع
بمعنی اغراء (برانگیختہ کرنا) اور استیزاع بمعنی طلب الہام و نیز ایزاع بمعنی الہام لکھا ہے۔ غرض لفظ اوزعنی
کے معنے مجھے الہام کر۔ اور مجھے شکر نعمت کا حریص بنا اور مجھے اس کے ماسوا سے روک دے لغت کی رو سے
سب درست ہیں۔ اور قدریہ کے نزدیک یہ کام اللہ کی قدرت سے باہر ہے بلکہ یہ سب کچھ بندے کی
قدرت میں ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کی دلیلوں میں ایک یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
ہے۔ واعلموا ان فیکم رسول اللہ لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم و لکن اللہ
حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم و کرہ الیکم الکفر و الفسوق و العصیان
اولئک ھم الراشدون (اور جانے رہو کہ تم میں رسول خدا (موجود) ہیں (اور) بہتیری باتیں (اس
قسم کی ہوتی ہیں کہ اگر وہ ان میں تمہارا کہنا مان لیا کریں تو (الٹی) تم ہی مشکل پڑ جاؤ۔ مگر (ہاں) خدا
نے تمہیں ایمان کی محبت دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں عمدہ کر دکھایا ہے اور کفر اور خود سری

اور نافرمانی سے تم کو نفرت دلا دی ہے یہی لوگ ہیں جو نیک چلن ہیں ۔

اللہ سبحانہ نے اپنے مومن بندوں کی آنکھوں میں ایمان کے محبوب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ان کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی ہے یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے کسی دوسرے سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ایک آدمی جو دوسرے آدمی کی نظر میں کسی چیز کو محبوب کر دیتا ہے سو وہ اس کی زیب و زینت اور اوصاف اور دیگر ایسی چیزوں کو ذکر کرتا ہے جو اس کی محبت کا باعث ہوتی ہیں۔ یہاں اللہ سبحانہ نے بتلایا ہے کہ اس نے اپنے مومن بندوں کے دلوں میں دو چیزیں پیدا کر دی ہیں ایک ایمان کی محبت دوسرا اس کا حسن جو اس کی محبت کا باعث ہے۔ اور نیز ان کے دلوں میں ایمان کی مخالف چیزوں یعنی کفر فسوق اور عصیان کی کراہت ڈال دی ہے۔ اور یہ اس کا محض فضل و احسان ہے کہ ان کو اپنے نفوس کے سپرد نہیں کیا۔ بلکہ اس کام یعنی ایمان کی محبت ڈالنے اور کفر سے نفرت پیدا کرنے کا وہ خود متولی ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ اس بات سے خوب واقف ہے کہ کون شخص اس کے فضل کے لائق اور کون اس سے محروم رکھنے کے قابل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿﴾ (اے پیغمبر وہی (ذات مطلق) ہے جس نے اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے تم کو قوت دی۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی اگر تم روئے زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے مگر (وہ تو) اللہ ہی تھا جس نے ان لوگوں میں الفت پیدا کر دی۔ بیشک وہ زبردست اور صاحب تدبیر ہے) فَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جبکہ ایک وقت تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے۔ پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے) یہی تبیین ہے۔ تالیف قلوب کا یہ معنی ہے کہ دلوں کو اس طرح کر دینا کہ ایک کو دوسرے کی الفت و محبت ہو جائے اور اس کی طرف مائل ہونے لگے۔ الفت محبت اور میلان قلوب کے افعال اختیاریہ سے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے۔ کہ ان کے دلوں میں یہ اسی نے پیدا کی ہیں۔ اور نیز یہ آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ (مسلمانو! اللہ نے جو تم پر احسان کئے ہیں ان کو یاد کرو کہ جب کچھ لوگوں نے تم پر دست درازی کرنے کا قصد کیا تو

خدا نے ان کے ہاتھوں کو روک دیا ہے۔ یہی مطلب ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے اہل اسلام کے مخالفین
کے فعل (یعنی مسلمانوں سے لڑائی کا قصد کرنے) اور اپنے کام یعنی اُن کو اِس ارادے سے روک دینے
دونوں کو بیان فرمایا ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے روک دینے کا مطلب یہ ہے
کہ اُنکے ہاتھ بیکار کر دیئے اور اُن پر اچانک موت مسلط کی۔ اور ایسے عذاب میں مبتلا کیا جو ان کو اپنے
ارادے سے مانع ہوا کیونکہ اللہ سبحانہ نے اُنکی قدرت، ارادہ، حواس، اعضاء سب کچھ صحیح و سالم
اور اُن کے زیادہ موجود ہوتے اُن کو اُن کے ارادے سے روک دیا تھا ۔

قدریہ کے نزدیک اللہ سبحانہ سے اس کام کا ہونا محالات سے ہے بلکہ انسان خود (جس کام
سے چاہتا ہے) اپنے آپ کو روک لیتا ہے اور قرآن کریم میں ان کے قول کی تردید و ابطال جا بجا صراحۃً
موجود ہے۔ آیت وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ
مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ (سورۂ فتح پ ۲۶ ع ۱۰) یعنی (تو وہی ہے جس نے عین) شہر مکہ میں
تم کو کافروں پر فتح دینے کے پیچھے اُن کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا تھا اور تمہارے ہاتھوں کو اُن سے،
بھی اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے۔ اور نیز آیت وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ (اور جتنی نعمتیں
تم کو حاصل ہیں (سب) خدا ہی کی طرف سے ہیں) اسی کی مثبت ہے ۔

ایمان اور اللہ تعالیٰ کی طاعت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ارشاد،
الہام، توفیق، مشیت اور خلق سے حاصل ہوتی ہیں۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایمان اور طاعت اللہ
تعالیٰ کے مرتبے اور بیان احکام سے حاصل ہوتے ہیں کیونکہ اگر یہ بات صحیح ہو تو لازم آتا ہے کہ
ان معنوں میں مومن و کافر سب یکساں ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ نعمت جس طرح اہل ایمان کو عطا ہوئی کافروں
پر بھی ہوتی (کیونکہ بدکاروں پر بھی یہ بیان تو ہو چکے) یہی مطلب ہے ۔

قدریہ کا یہی قول ہے۔ اکثر قدریہ اس کی تصریح کرتے ہیں اور ان کے نزدیک افعال عباد کے
سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت، خلق یا توفیق میں سے کوئی نعمت بندے کو خدا کی طرف سے نہیں ملی۔
قدریہ کا یہ قول تمام انبیاء علیہم السلام کی، اور تمام آسمانی کتابوں کی ہدایت کے خلاف ہے۔ اور
اسی طرح یہ بھی کہتے ہیں کہ جتنا کچھ عطا فرماتے ہیں بندے پر اللہ تعالیٰ کی کوئی منت و احسان نہیں
بلکہ وہ اس کا حق ہے جس کا وہ مستحق ہو چکا۔ اور اس بات پر کہ اجر غیر مستحق ہے (کیونکہ ان کے
لئے آخرت میں اجر ہے) سب سے زیادہ دلیل لاتے ہیں کہ اس عطا میں ان پر کوئی احسان و منت نہیں کیونکہ
ایمان کے اعمال کا اجر و بدلہ ہے، نیز یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ منت و احسان بعض انعام کو مکدر کر دیتے

ہیں۔ یہ اُن کی کیسی بے حد جہالت ہے کہ منّتِ خالق کو منّتِ مخلوق پر قیاس کیا۔ اور بندے کاموں کو افعالِ عباد سے تشبیہ دی۔ اور اُس کے صفات کا انکار کیا۔ حالانکہ درحقیقت اللہ کے سوا اور کوئی منّت کا سزاوار نہیں۔ وہی اپنے فضل سے منّت فرماتا اور آسمان و زمین کی تمام مخلوق اُس کی ممنون ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (اے پیغمبر! لوگ تم پر اپنے اسلام لانے کا احسان رکھتے ہیں تم (ان سے) کہدو کہ مجھ پر اپنے اسلام (لانے) کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اُس نے تم کو ایمان کا رستہ دکھایا بشرطیکہ تم (دعوئے اسلام میں) سچے ہو) اور موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ (اور ہم تم پر ایک بار اور بھی احسان کر چکے ہیں) اور نیز فرمایا ہے وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ (اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی بہت سے احسانات کئے) ایک اور مقام میں فرمایا ہے وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ (اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جو لوگ (اُس کے) ملک میں کمزور سمجھے گئے تھے اُن پر احسان کریں اور اُن (ہی) کو سردار بنائیں اور اُن (ہی) کو (سلطنت کا) وارث ٹھیرائیں)۔

اور جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا۔ کیا تم لوگ (مجھ سے پہلے) گمراہ نہ تھے پھر میرے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تم کو ہدایت نصیب فرمائی۔ اور تم لوگ تنگدست اور مفلس تھے پھر میری بدولت اللہ تعالیٰ نے تم کو مالامال کر دیا تو انصار نے عرض کیا اللہ اور اُس کے رسول کی ہم پر بڑی منّت ہے اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی اُمت سے یہ کہا إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (بے شک ہم تمہاری ہی طرح کے آدمی ہیں مگر خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے) سو اللہ سبحانہ کی منّت اُس کا محض فضل و احسان اور اُس کی رحمت ہے۔ اور اہلِ بہشت کو وہاں کی زندگانی کا لطف محض اُس کی منّت سے حاصل ہوگا۔ اسی لئے جب وہ آپس میں بات چیت کرینگے تو یہ کہینگے إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ (ہم (اس سے) پہلے اپنے گھر (انجام کار سے بہت ہی) ڈرا کرتے تھے تو خدا نے ہم پر بڑا ہی فضل کیا اور ہم کو (دوزخ کی) لُو کے عذاب سے بچا لیا) چونکہ وہ خدائے پاک کے شان اور اُس کے حق کے شناسا ہو گئے۔ اِس لئے وہ یہی کہینگے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و منّت سے ہمیں نجات بخشی اور جنابِ رسالت مآب جو تمام مخلوق سے شانِ خدائی کو اچھا جاننے والے اور اُس کے نہایت پیارے

فقر ہے اور اُس کے مطیع۔ نبی نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص بھی محض اپنے عمل کی بدولت جنت
میں داخل ہونے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ آپ بھی اپنے عمل کے طفیل جنت کے مستحق نہیں
ہیں آپ نے فرمایا میں بھی اللہ کے فضل و رحمت ہی سے جنت میں جاؤں گا۔ اپنے یہ بھی فرمایا ہے اگر اللہ تعالے
آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات کو عذاب میں ڈال دے تو یہ اس کا ظلم نہیں ہے اور اگر سب پر رحم فرمائے۔ تو
یہ مکافات اعمال کی نسبت رحمت سب کے حق میں بہتر ہے۔ پہلی حدیث صحاح میں اور دوسری مسند
اور حق میں مذکور ہے اور حاکم وغیرہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو یہ فرماتے
ہیں کہ وہ بذات خود اپنے اعمال کی بدولت جنت میں داخل نہیں ہونگے۔ اور قدریہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے
اعمال کے طفیل جنت میں مزے اڑائینگے۔ اور خدا کی منت کے اس لئے منکر ہیں کہ اس کی منت
سے جنت کی نعمتیں بے مزہ ہو جائینگی۔

سلف صالحین یعنی صحابہ۔ تابعین اور اُن کے بعد آئمہ دین قدریہ کے اقوال و عقائد کی تردید
اس لئے کرتے رہے ہیں کہ ان کی بدعت سب سے زیادہ بُری اور اُن کا مذہب انبیاء و مرسلین کی تعلیم کے
بالکل مخالف ہے۔ گو بندے تمام احکام الٰہی بجالاویں بلکہ وہ مجسم عبادت و طاعت ہو جائیں تب بھی
ان کو اللہ کے فضل و منت کی ضرورت ہے اور عبادت کا بجالانا یہ بھی اسی کی منت ہے۔ غرض بندہ
جس قدر زیادہ مطیع ہوگا اسی قدر اللہ تعالے کی منت اُس پر زیادہ ہوگی۔ پس جو اُس کی منت کا انکار
کرے تو وہ اُس کے احسان کا منکر ہے۔ باقی فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ کا جواب یہ ہے کہ تمام اہل عرب
کا اتفاق ہے کہ غیر ممنون کا معنی غَيْرُ مَقْطُوعٍ ہے۔ اسی سے موت کو ریب المنون کہتے ہیں کہ وہ
عمر کو کاٹ دیتی ہے۔

فصل۔ اللہ تعالے کے خالق افعال عباد ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالے نے فرمایا
ہے۔ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (تو ہم نے اُن میں عداوت
اور کینہ کی آگ کو روز قیامت تک بھڑکا دیا) اور دوسری جگہ فرمایا ہے وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ
وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (اور ہم نے ان کے آپس میں (بھی) عداوتیں اور کینے ڈال دیئے کہ
وہ) قیامت تک نکلنے والے نہیں) ظاہر ہے کہ اغراء و القاء محض اللہ تعالے کے افعال ہیں۔ اور تعادی
و تباغض بندوں کے فعل ہیں۔

فرقہ قدریہ اور جبریہ کے گمراہ ہونے کی اصل وجہ یہ ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کے افعال اور بندوں کے افعال
میں انہوں نے فرق نہیں سمجھا۔ جبریہ نے تعادی اور تباغض کو جو بندوں کا فعل ہے اللہ تعالے کا فعل

قرار دیا۔ اور قدریہ نے اس کے برعکس یوں کہا کہ یہ چیزیں بندوں کا فعل ہے اللہ تعالیٰ کے فعل، خلق
قدرت و مشیت کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ اہل سنت و جماعت کا یہ قول ہے کہ [illegible]
بندوں کا فعل ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کے فعل اور اس کی قدرت و مشیت کا اثر ہے چنانچہ ایک اور مقام
میں فرمایا ہے هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (وہی خدا تو ہے جو تم لوگوں کو خشکی اور
تری میں لئے پھرتا ہے) پس چلانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور چلنا بندوں کا فعل ہے جو اس کے فعل
کا اثر ہے۔ اسی طرح راہ دکھانا اور گمراہ کرنا اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے اور راہ پانا اور بے راہ ہونا اس کے
فعل کے اثر اور ہمارے افعال ہیں جو ہمارے ساتھ قائم ہیں۔ پس وہ ہادی اور بندہ مہتدی ہے۔
وہی گمراہ کرتا ہے اور بندہ گمراہ ہوتا ہے ۔

ہدایت اور اضلال حقیقۃً اللہ کے فعل ہیں۔ اور ہدایت پانا اور گمراہ ہونا حقیقۃً بندے کے
افعال ہیں۔ قدریہ و جبریہ دونوں گروہ سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں ۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم کی دعا بیان فرمائی ہے کہ انہوں نے اس طرح کہا رَبِّ اجْعَلْ
هٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَّاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ (کہ اے میرے پروردگار اس شہر
(مکہ) کو امن کی جگہ کر اور مجھ کو اور میری نسل کو اس گمراہی سے بچا کہ ہم بتوں کو پوجیں) ۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت اصنام کے متعلق دو چیزیں ہیں۔ اول ان کی
عبادت سے بچانا یہ خدا کا کام ہے دوم اس سے بچنا یہ بندوں کا فعل ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے
پروردگار سے یہی سوال کیا کہ وہ ان کو اور ان کی اولاد کو بت پرستی سے بچائے تا کہ وہ اس سے
بچ سکیں کیونکہ اگر وہ نہ بچائے تو وہ خود بخود اس سے کبھی بچ نہیں سکتے۔ یوسف صدیق علیہ السلام
کی یہ دعا رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ
أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِّنَ الْجَاهِلِينَ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ
هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (کہ اے میرے پروردگار جس حرکت ناشائستہ کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلا
رہی ہیں قید (میں) رہنا مجھ کو اس سے کہیں زیادہ پسند ہے اور اگر ان کے چرتروں کو تو نے مجھ سے
دفع نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل اور نادانوں میں کا ایک نادان ہو جاؤں گا تو یوسف کے
پروردگار نے ان کی سن لی اور ان سے عورتوں کے چرتروں کو دفع کر دیا۔ کچھ شک نہیں کہ
خدا ہی (سب کی) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے) یعنی آپ کی [illegible] ہے۔ عورتوں کے مکر دور کرنے

سے یہ مطلب ہے کہ اُن کے دلوں سے جذبات محبت - اُن کے زبانی مکر و فریب اور ان کی بہانہ بازیاں
سب دور کر دئیے ہیں۔ یہ تمام افعال اختیاری ہیں اور اللہ سبحانہ آپ کو ثابت قدم رکھنے والا ہے نہیں
پھیرنا اور ثابت رکھنا اللہ کا کام ہے اور ہمیشہ ثابت رہنا آپ کا فعل اور اپنے فعل کا اثر ہے۔ اور اللہ
سبحانہ کا اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمانا وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ
اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا (اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ہم نے تم کو ثابت قدم بنائے رکھا تو تم بھی کسی قدر
اُن کی طرف تو ضرور جھکنے ہی لگے تھے) بھی اسی قبیل سے ہے پس تثبیت یعنی ثابت رکھنا اللہ
کا کام ہے اور ثابت رہنا فعل رسول علیہ السلام۔ غرض اللہ سبحانہ ثابت رکھنے والا اور بندہ ثابت
رہنے والا ہے اور آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ (جو لوگ ایمان لائے اُن کو
پکی بات یعنی کلمۂ توحید کی برکت سے اللہ دنیا میں بھی (ایمان پر) ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت
میں بھی ثابت قدم رکھیگا (یعنی سوال و جواب کے وقت اُن کو کسی طرح کی لغزش نہ ہوگی) اور اللہ نافرمان لوگوں
کو گمراہ کرتا ہے) اسی مضمون کو ثابت کرتی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے اس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ
مومنوں کو دین حق پر ثابت رکھنا اور ظالموں کو گمراہ کرنا اسی کا کام ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا
ہے اور ثابت رہنا اور گمراہ ہونا بندوں کا فعل ہے۔ اور اللہ تعالے کا قول فَبِمَا نَقْضِهِمْ
مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۔
(پس اُن ہی لوگوں کے اپنے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے اُن کو پھٹکار دیا اور اُن کے
دلوں کو سخت کر دیا کہ توراۃ کے لفظوں کو اُن کی جگہ (یعنی اصلی معنی) سے پھیرتے ہیں)۔
بھی اسی مطلب کا مثبت ہے۔ اللہ تعالی نے بتلا دیا ہے کہ اُسی نے اُن کے دلوں کو سخت کیا
جس سے وہ سخت ہو گئے۔ سخت ہونا دلوں کا وصف اور فعل ہے اور یہ اللہ کے فعل یعنی سخت
کرنے کا اثر ہے ؎

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے خود ہی اُن کے دل سخت کر دئیے۔ اس کی کیا وجہ ہے
اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی عہد شکنی۔ احکام الہی کی عدم پیروی۔ نافرمانیوں اور گناہوں پر اُن کو
سزا ملی۔ پس اس آیت نے دونو گروہ یعنی قدریہ و جبریہ کے قول کو باطل کر دیا ؎

فصل - اور اللہ تعالی کے خالق افعال عباد ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ
نے فرمایا ہے۔ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ (غرض ہم نے

فرعون کے لوگوں کو باغوں (سے) اور چشموں (سے) اور خزانوں (سے) اور عزت کی جگہ سے نکال باہر کیا) یہ لوگ اپنے اختیار سے نہ نکلے تھے مگر اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ ہمی نے اُن کو وہاں سے نکالا پس نکالنا حقیقۃً اللہ کا کام ہے اور نکلنا اُن کا فعل اگر وہ نہ نکالتا تو وہ کبھی نہ نکلتے۔ معلوم ہوا کہ اس آیت میں جو اخراج (نکالنا) مذکور ہے وہ اس کے برخلاف ہے جو مندرجۂ ذیل آیات میں ذکر ہوا ہے۔ (۱) وَاللّٰهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا۔ (اور اللہ ہی نے تم کو ایک طرح پر زمین سے اُگایا پھر دوبارہ لوٹا کر اسی مٹی میں تم کو لوٹائیگا۔ اور قیامت میں تم کو اسی مٹی سے پھر نکال کھڑا کریگا) هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ (وہ خدا ہی تھا جس نے کفار اہل کتاب کو اُن کے گھروں سے نکال باہر کیا اور یہ اُن کی تقدیر کا پہلا حشر تھا جس کے لئے نکالے گئے) وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ (اور (لوگو!) اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا) کیونکہ ان آیات میں جو اخراج مذکور ہے اس میں بندوں کے فعل ارادہ و اختیار کا کوئی دخل نہیں۔ یہ اُن کے اختیار سے باہر ہے۔ اور كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ (جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے درست کام پر) میں اخراج کی نسبت دو احتمال ہو سکتے ہیں (۱) یہ کہ آپ کی قدرت و مشیت سے ہو اس صورت میں پہلے قسم سے ہوگا (۲) یہ کہ اللہ کے امر سے ہو اس صورت میں اخراج کی مذکورہ بالا دونوں قسموں کے علاوہ یہ ایک تیسری قسم ہوگی۔ پس کتاب اللہ میں لفظ اخراج تین معنوں میں مستعمل ہے (۱) یہ کہ نکلنے والے کے ارادے و اختیار سے ہو (۲) یہ کہ جبراً و قہراً نکالا جائے (۳) یہ کہ حکم شرع کی تعمیل کی غرض سے نکلے۔

فصل بعض لوگوں نے آیت فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (اور (اے پیغمبر) جب تم نے تیر چلائے تو تم نے تیر نہیں چلائے بلکہ اللہ نے تیر چلائے) کو اس باب سے سمجھ کر قدریہ کے برخلاف اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کی دلیل ٹھیرایا ہے لیکن وہ اس آیت کا مطلب نہیں سمجھے۔ یہ آیت اس باب سے نہیں ہے کیونکہ یہ غزوۂ بدر کا ذکر ہے جس میں اللہ سبحانہ نے ملائکہ بھیجے۔ انہوں نے مسلمانوں کے دشمنوں کو تہ تیغ کیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا ہے کہ تم نے اکیلے کفار کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ کی مہربانی سے (اس) کے فرشتے تمہارے ساتھ شامل تھے۔ اور وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے مقدور میں تو یہی تھا کہ آپ نے کنکریاں پھینک دیں۔ اور انکو

دشمن کی طرف ڈال دیا۔ اور اتنی دوری پر دشمنوں تک اُن کو پہنچاتا اور سب کے مونہوں پر مارنا اللہ سبحانہ کا کام ہے غرض پھینکنا جو آپ کا کام تھا وہ آپ کی طرف منسوب کیا۔ اور پہنچانا جو اللہ سبحانہ کا کام ہے اُس کو آپ سے نفی فرمایا ہے ۞

فصل ۔ اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى (اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رلاتا ہے) رونا اور ہنسنا دونو اختیاری فعل ہیں (جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رلانا اور ہنسانا اللہ کا کام ہے) پس اللہ سبحانہ حقیقۃً رلانے اور ہنسانے والا ہے اور بندہ رونے اور ہنسنے والا۔ اس کے سوا اس آیت کا کوئی دوسرا معنی قرار دینا یا اس کی کوئی اور تاویل کرنا بلا وجہ کلام کو ظاہر مطلب سے پھیرنا ہے۔ اس کے علاوہ اس ظاہر مطلب اور اُن تاویلات میں جن کو لوگ ذکر کرتے ہیں۔ کوئی منافات نہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ زمین کا ہنسانا اُس سے نباتات اگانا اور آسمان کا رلانا بارش برسانا ہے اسی طرح بندے کا رلانا اور ہنسانا یہ ہے کہ اُس میں رونے اور ہنسنے کے اسباب پیدا کرنا۔ سو یہ جو لفظ کے حقیقی موضوع لہ معنی یعنی وہ ضحک اور بکا کو پیدا کرتا ہے کوئی مخالف نہیں ۞

فصل ۔ اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا (وہی ذات مطلق ہے (جو گرنے سے) ڈرانے اور نیز بارش کی اُمید دلانے کے لئے (بجلی کی) چمک تم لوگوں کو دکھاتا ہے) بجلی کا دیکھنا بندوں کا اختیاری فعل ہے جو اُن کے حواس کے ذریعہ وقوع میں آتا ہے (اُس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ دکھلاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ دکھلانا اُس کا کام ہے اور دیکھنا ہمارا فعل ہے۔ کوئی شخص نہیں کہہ سکتا۔ کہ ارادۃ برق سے بجلی کا پیدا کرنا مراد ہے۔ کیونکہ ایک تو پیدا کرنے کو لغت میں ارادۃ نہیں کہتے۔ دوسرے اس کے پیدا کرنے سے ہمارا دیکھنا لازم نہیں آتا۔ بلکہ ارادۃ کا یہی معنی ہے کہ وہ ہم کو دیکھنے والا بناتا اور ہم میں رویت کی صفت پیدا کرتا ہے اور یہ اسی کا کام ہے موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا (پس تمہارے پروردگار نے چاہا کہ دونو لڑکے اپنی جوانی کو پہنچیں اور (دیوار کے تلے سے) اپنا خزانہ نکال لیں) اسی قبیل سے ہے۔ جوانی کو پہنچنا اُن کا اختیاری کام نہ تھا۔ اور خزانے کو نکالنا اُن کا اختیاری فعل تھا۔ مگر اللہ سبحانہ نے دونو کی نسبت فرمایا ہے کہ دونو اُس کے ارادے سے ہیں۔ اور جادوگروں کی نسبت اللہ سبحانہ کا یہ فرمان وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (حالانکہ بے حکم

خدا وہ اپنی اِن باتوں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہی مطلب کو ثابت کرتا ہے۔ لفظ اذن
سے یہاں امر و حکم اور اذن شرعی مراد نہیں۔ بلکہ اذن سے قضا و قدر اور اُس کی مشیت مراد ہے جس
کو اذن کونی اور قدری کہتے ہیں نہ اذن شرعی و دینی +

فصل - اللہ تعالیٰ کے خالق افعال عباد ہونے کے دلایل سے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ
نے فرمایا ہے وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (اور اُن کو پرہیزگاری
کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اُس کے سزاوار اور لائق بھی تھے) کلمۂ تقویٰ سے وہ کلمہ مراد ہے جس کے کہنے
سے عذاب الٰہی سے بچاؤ ہو۔ اس مطلب کے لئے سب سے اعلےٰ اور افضل کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔
اس کے بعد جتنے کلمات عذاب الٰہی سے بچاؤ کی ذریعہ ہیں وہ سب کلمہ تقویٰ میں داخل ہیں اللہ سبحانہٗ
نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اُسی نے اپنے مومن بندوں کو یہ کلمہ لازم کیا ہے۔ وہ اس سے
کبھی جُدا نہیں ہوتے سو اُسی کے لازم کرنے سے انہوں نے اس کو لے لیا۔ اور اپنے ذمہ اس کا
التزام کر لیا ہے اس کا التزام بندوں کا فعل اختیاری ہے۔ جو اُن کے ارادے و اختیار کے تابع ہے۔
غرض اللہ تعالیٰ لازم کرنیوالا اور بندے التزام کرنے والے ہیں +

فصل - اللہ تعالےٰ کا قول اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَّاِذَا مَسَّهُ
الْخَيْرُ مَنُوْعًا (بیشک انسان بڑا ہی تھڑ دلا پیدا کیا گیا ہے کہ جب اس کو کسی طرح کا نقصان پہنچتا
ہے تو گھبرا اُٹھتا ہے اور جب اُس کو کسی طرح کا فائدہ پہنچتا ہے تو بخل کرنے لگتا ہے) بھی اسی قبیل
سے ہے۔ ہلوع کے معنے ہیں نہایت حریص جو تکلیف کے وقت بے صبری اور نعمت کے وقت
ناشکری کرے۔ اللہ سبحانہٗ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اُس نے انسان کو اسی صفت
پر پیدا کیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی یہ صفت یعنی ہلوع ہونا اللہ تعالےٰ کی مخلوق
و پیدا کی ہوئی ہے جیسے کہ خود ذاتِ انسان اسی کی مخلوق ہے پس انسان کی ذات صفات
افعال اور اخلاق سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ انسان کی بعض چیزوں کا خالق تو اللہ سبحانہ
ہے اور بعض کا کوئی اور بلکہ سب کا خالق وہی ہے۔ سو طمع حقیقۃً انسان کا فعل ہے اور اللہ تعالےٰ
حقیقۃً اُس کا خالق ہے۔ اللہ سبحانہٗ ہلع سے موصوف نہیں اور انسان اس کا خالق نہیں +

فصل - اللہ تعالیٰ کا قول وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ
عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (اور بے حکم خدا کسی شخص کے اختیار میں نہیں ہے کہ ایمان لے آئے اور
خدا شرک اور کفر کی گندگی اُن ہی لوگوں پر ڈالتا ہے جو دلائل وحدانیت میں عقل کو کام میں نہیں

لانے) بھی اسی قبیل سے ہے یہاں اذن بمعنی قضاو قدر ہے نہ بمعنی حکم و امر شرع سلف صالحین سے اس کی تفسیر اسی طرح منقول ہے۔ ابن مبارک نے سفیان ثوری سے نقل کیا ہے۔ کہ باذن اللہ کا معنی بقضاء اللہ ہے۔ محمد بن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے۔ اللہ جل شانہ اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ مخلوقات الٰہی میں سے کوئی شخص جب تک خدا کی طرف سے اُسے ایمان لانے کا اذن نہ ہو آپ پر کبھی ایمان نہ لائیگا۔ تو کسی شخص کے راہ راست پر لانے کے لئے آپ اپنے تئیں تکالیف میں نہ ڈالیں اللہ تعالےٰ کا وعید اُسے پہنچ چکا ہے۔ اور خدا کی طرف سے اُسے ہدایت دی گئی ہے اور ہر ایک کی ہدایت اُس کے خالق کے ہاتھ میں ہے۔ آیت کا ماقبل و مابعد اسی مضمون پر دلالت کرتا ہے اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (اور اے پیغمبر) تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں کو مجبور کر سکتے ہو کہ وہ سب کے سب ایمان لے آئیں اور بے حکم خدا کسی شخص کے اختیار میں نہیں ہے کہ ایمان لے آئے) یعنی حضرت آپ کی دعوت حصول ایمان کے لئے کافی نہیں۔ جن لوگوں کو آپ دعوت ایمان کرتے ہیں جب تک اُن کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایمان لانے کی اجازت نہ ہو وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے چنانچہ اس کے بعد فرمایا ہے قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ یہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے ذرا اُس کی طرف تو نظر کرو۔ اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے نشانیاں اور ڈراوے اُن کو کچھ بھی سودمند نہیں)۔ ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ سے فرماتا ہے اے محمدؐ جو لوگ آپ کے دعوے کی صداقت یعنی توحید ماننے اور شرک و بت پرستی چھوڑنے پر آپ سے اظہار معجزات کے خواستگار ہیں۔ اُن سے کہدو کہ اے لوگو اُن نشانات و آیات قدرت میں غور کرو جو آسمان و زمین میں موجود ہیں۔ تو تم کو خود ہی میرے دعوے کی صداقت و حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ نظام علوی پر ذرا نظر ڈالو۔ کہ سورج۔ چاند اور ستارے کس قاعدے سے حرکت کرتے ہیں جس سے رات دن پیدا ہوتے ہیں اور بادلوں کو دیکھو کہ اُن سے بارش ہونے پر انسان اور دیگر تمام حیوانات کی روزی اُگتی ہے۔ اور نظام سفلی کو ملاحظہ کرو۔ کہ زمین میں مختلف اقسام کے پہاڑ بنائے ہیں اور رنگا رنگ کی روئیدگیاں اور طرح طرح کی کھانے کی چیزیں اس سے پیدا کرتا ہے۔ اور گوناگون عجائبات اس میں رکھے ہیں۔ اگر تم کو سمجھ بوجھ ہو اور ان چیزوں میں غور و فکر کرو۔ تو تم کو صاف

معلوم ہو جائے کہ ان تمام چیزوں کا خالق وہ اللہ پاک ہے کہ اُس کے ملک و سلطنت میں کوئی شریک نہیں اور نہ ان چیزوں کی حفاظت و تدبیر میں اُس کا کوئی معین و مددگار ہے۔ اور اُن لوگوں کو جن کے حق میں پہلے سے اللہ کی طرف سے شقاوت مقدر ہو چکی۔ اور لوح محفوظ میں وہ اہل دوزخ لکھے جا چکے ہیں۔ ان آیات کے دیکھنے سے اُن کو کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور گو اُن کو سب معجزے دکھلائے جائیں وہ کبھی ماننے کے نہیں جب تک عذاب دوزخ نہ دیکھینگے۔

فصل اللہ تعالےٰ کا قول وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا (اور ہم نے ہر آدمی کی برائی بھلائی کو اُس کے ساتھ لازم کر کے اُس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے یعنی ہر ایک کی تقدیر ہر ایک کے ساتھ ہے اور قیامت کے دن ہم اُس کا نامۂ اعمال نکال کر اُس کے سامنے پیش کر دینگے) اسی قبیل سے ہے۔ ابن جریر نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ ہر ایک انسان کے حق میں جو کچھ مقدر ہو چکا ہے کہ وہ پیدا ہونے کے بعد اُسے کریگا اور اُس کے عمل کے مطابق سعادت یا شقاوت جن پر اُس کا خاتمہ ہوتا ہے ہم نے اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے وہ اُس سے کبھی علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد ابن عباس رضؓ کا قول ذکر کیا ہے کہ طائر سے مراد اس کا عمل اور جو کچھ روز ازل میں مقدر ہو چکا ہے پس انسان جہاں ہو وہ اُس کے ساتھ ہے۔ ابن جریج۔ قتادہ اور مجاہد نے بھی یہی کہا ہے کہ طائر سے مراد عمل ہے۔ مجاہد نے یہ بھی کہا ہے کہ جو کچھ پہلے سے لکھا گیا ہے۔ اور قتادہ نے اتنا زیادہ کیا کہ اس کے عمل کے مطابق شقاوت یا سعادت بھی اسی میں داخل ہے۔ ابن جریر نے کہا ہے اگر کوئی شخص پوچھے کہ اگر یہ حال ہے تو اللہ تعالےٰ نے اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ کیوں فرمایا ہے اور فِيْ يَدَيْهِ یا اَوْ فِيْ رِجْلَيْهِ وغیرہ نہیں فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ دستور ہے کہ قلادے۔ طوق وغیرہ خوبصورتی یا بدصورتی کی نشانیاں گلے میں ڈالی جاتی ہیں۔ اس لئے قرآن کریم میں بھی بہ نسبت اور اعضا کے لفظ عنق و گردن کا ذکر فرمایا ہے۔ اور جس طرح کہ تمام اعضا کے کام ہاتھ کی طرف نسبت کرتے اور کہتے ہیں۔ ذٰلِكَ بِمَا كَسَبَتْ يَدَاهُ (یہ اُس کے ہاتھ کی کمائی کے بدلے ہے) اسی طرح اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ فرمایا ہے یعنی صرف گردن کا ذکر فرمایا گو انسان کے عمل اُس کے تمام وجود سے لازم ہیں۔ فراء کا قول ہے کہ مفسرین کے نزدیک طائر بمعنے عمل ہے۔ ازہری نے کہا ہے اس تفسیر کی اصل یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اسے معلوم ہوا کہ اُنکی اولاد میں سے فلاں شخص مطیع اور فلاں نافرمان ہوگا۔ تو اُس نے اپنے علم کے مطابق جسے مطیع جانا اُسے سعید اور جسے نافرمان معلوم کیا اُسے شقی لکھا۔

اور مقدر کیا پس ہر ایک کا انجام و مآل اُس کی پیدائش و خلقت سے پہلے وقت معین ہو چکا۔ ابو اسحاق نے لفظ فی عنقہ کی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ جو چیز کسی کے لازم حال ہو اُسے کہتے ہیں کہ فلاں چیز اُس کے گلے میں ہے یعنی گلے کے ہار کی طرح اُسے لازم ہے۔ ابو علی نے کہا ہے کہ یہ اُس محاورہ کے مطابق ہے کہ کہتے ہیں طوقتک کذا یعنی میں نے وہ چیز تجھے لازم کر دی اور اسی سے یہ محاورہ بھی ماخوذ ہے قلدہ السلطان کذا یعنی بادشاہ نے اُسے ولایت ایسی لازم کر دی جیسے گلے کا ہار ہوتا ہے۔ بعض نے لفظ عنق کی تخصیص کی۔ وجہ یہ بیان کی ہے کہ انسان کا عمل دو ہی طرح کا ہوتا ہے اچھا یا بُرا۔ اچھے عمل زیور کی طرح زینت کا سبب اور بُرے عمل طوق کی طرح بدصورتی کا موجب ہے۔ چونکہ زیور اور طوق گردن میں ہوتے ہیں اسلئے لفظ عنق ذکر کیا گیا۔

قدریہ کہتے ہیں۔ لازم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان میں ایک ایسی علامت ٹھیرا دی۔ جس سے فرشتے معلوم کر لیتے ہیں کہ فلاں شخص سعید اور فلاں شقی ہے۔ اور اُن کو ہر ایک کی سعادت و شقاوت سے آگاہ کر دیا ہے۔ نہ یہ کہ انسان کو اس کے عمل لازم کئے گئے ہیں۔ اہل سنت اُن کو یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ تمہارا یہی دستور ہے کہ کلمات کے اُلٹے اُلٹے معنے تراشتے ہو۔ چنانچہ ختم۔ طبع اور قفل کے معانی میں بھی تم نے یہی چال اختیار کی ہے۔ یہ معنے جو تم نے گھڑا ہے لغت میں اس کا کہیں پتہ نہیں۔ اور لفظ کے حقیقی معنے کے مخالف ہے نہ تو علام الامۃ یعنی ابن عباس سے یہ تفسیر منقول ہے۔ اور نہ سلف صالحین میں سے کسی ایک شخص نے یہ معنی بیان کئے ہیں یہ صرف تمہاری اپنی تفسیر ہے۔ (قطع نظر اس کے) آیت کو اس معنے پر محمول کرنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر ایک کی سعادت و شقاوت سے خبر دینا اور اس کے لئے نشان ٹھیرانا اُس کے اعمال لازمہ کے بعد ہے اور چونکہ اُس کے اعمال اُس کو لازم تھے اِس لئے وہ اس کی سعادت و شقاوت کی علامت ٹھیرے۔

ہم نے لفظ طائر کے متعلق اپنے مدعا کے ثبوت کے لئے آئمہ ہدایت اور سلف اُمت کے اقوال تمہارے سامنے پیش کر دئے ہیں۔ تم سلف میں سے کسی ایک شخص کا قول دکھلا دو جس نے تم سے پہلے یہ بات کہی ہو جو تم کہتے ہو۔ یوں تو ہر ایک بدعتی اور اہل ضلالت قرآن کے وہ معنے گھڑتے ہیں جو اُن کی بدعت و ضلالت کے مثبت اور اُن کے مذہب کے موید ہوں مگر قرآن پاک ایسی باتوں سے بری ہے۔ اور توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

فصل۔ اللہ تعالےٰ کا قول وَمَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ (اور اُن لوگوں کا بھی یہی دستور تھا کہ جب کبھی کوئی

پیغمبر ان کے پاس آتا اس کی ہنسی اڑاتے تو جس طرح اگلے لوگ اپنے پیغمبروں کے ساتھ کفر کیا کرتے تھے اسی طرح ہم (ان) کافروں کے دلوں میں بھی ڈال دیتے ہیں۔ تو یہ قرآن پر ایمان لانے والے نہیں ہیں بھی اسی قبیل سے ہے۔ یہ مضمون قرآن کریم میں دو جگہ آیا ہے۔ ایک اس آیت میں دوسرا سورہ شعرا کی مندرجہ ذیل آیت میں۔ وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ كَذٰلِكَ سَلَكْنَاهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (اور اگر ہم قرآن کو کسی اوپری زبان والے پر (اسی کی زبان میں) اتارتے اور وہ اسکو ان (اہل عرب) کو پڑھ کر سناتا تو یہ (لوگ کبھی بھی) اس پر ایمان نہ لاتے اسی طرح (اصرار و) انکار کو ہم نے گنہگاروں کے دلوں میں جا رکھا ہے کہ جب تک عذاب دردناک دیکھ نہیں لیں اس پر ایمان نہیں لائینگے) ۔

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکذبین کے دلوں میں شرک کو اس طرح پرو دیا ہے جس طرح تاگے میں موتی پروئے جاتے ہیں۔ ابو اسحاق کا قول ہے کہ مجرمین کے دلوں میں اس طرح گمراہی کو داخل کیا جس طرح ان مجرموں کے ساتھ کیا جو ان سے پہلے انبیاء کے مکذب ہو گذرے ہیں۔ نسلکہ میں جو ضمیر غایب ہے اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ اور حسنؒ کا قول ہے کہ اس سے شرک مراد ہے۔ زجاج وغیرہ نے ضلال کہا ہے۔ ربیع نے استہزاء اور فراء نے تکذیب کہا ہے مگر ان سب اقوال کا مرجع و مآل ایک ہے۔ تکذیب۔ استہزاء اور شرک یہ سب حقیقتہً مکذبین کے افعال ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ سب چیزیں ان کے دلوں میں اس نے ڈالی ہیں ۔

لیکن میرے خیال میں ان اقوال پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ نَسْلُكُهٗ اور سَلَكْنَاهُ میں جو ضمیر غایب ہے اس سے وہی چیز مراد ہے جو لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ کی ضمیر مجرور سے ہے تو ان اقوال کے مطابق جملہ لا یؤمنون به کا معنی یہ ہوگا کہ وہ مجرمین شرک۔ استہزاء اور تکذیب کے ساتھ ایمان نہ لائینگے۔ اور یہ درست نہیں پس لامحالہ ان قائلین کو یہ کہنا پڑیگا۔ کہ ان دونوں ضمیروں کا مرجع و تفسیر ایک چیز نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تفسیر و مرجع ایک ہی چیز ہے تو اب صحیح معنی یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ ایمان نہیں لائینگے۔ اور جو چیز ان کے دلوں میں داخل کی گئی ہے وہ ایک ہی چیز ہے یعنی قرآن مجید۔ اس پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ قرآن مجید کے ان کے دلوں میں داخل کرنے کا کیا مطلب وہ تو اس کے منکر تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جملہ

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ جملہ حالیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالے نے قرآن مجید اُن کے دلوں میں اس حال میں داخل کیا کہ وہ اس کے انکار پر جمے بیٹھے اور مومنین کے دلوں میں اس حال میں داخل کیا کہ وہ اس کے مصدق تھے جن لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ نے اُن کے دلوں میں تکذیب بغیر اُن کو داخل کیا ان کا مطلب بھی یہی ہے۔ انھوں نے آیت کے حاصل معنے بیان کر دئے ہیں ورنہ مطلب ایک ہے کیونکہ جب قرآن حالت تکذیب و انکار میں اُن کے دلوں میں داخل ہو تو تکذیب و ضلال اُن کے دلوں میں گھس گئے۔ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ حالت انکار و تکذیب میں اُن کے دلوں میں قرآن مجید داخل کرنیکا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حقانیت اُن کو سمجھا دی وہ دیدہ و دانستہ تکذیب پر قائم رہے اس سے اُن پر اللہ کی حجت تمام ہوگئی اور سمجھے بوجھے تکذیب کرنا بغیر سمجھے تکذیب کرنے سے زیادہ بُرا ہے کیونکہ جو شخص حق کو پہچان کر نہ مانے وہ اس سے زیادہ بُرا ہے جو نادانی سے انکار کرے۔

فصل - اللہ تعالیٰ کا قول اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا۔ (اے پیغمبر کیا تم نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے۔ کہ وہ اُن کو اُکساتے رہتے ہیں) بھی اسی قبیل سے ہے یہاں ارسال سے ارسال کونی و تقدیری مراد ہے جیسے ہواؤں کا بھیجنا ارسال دینی و شرعی جسے ارسال تسلیط کہتے ہیں مراد نہیں۔ اس کے برخلاف مومنین کے حق میں فرمایا ہے اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (جو ہمارے سچے بندے ہیں ان پر (تو) تیرا کسی طرح کا قابو چلنے کا نہیں) شیطان کا تسلط و غلبہ جس کی مومنین سے نفی فرمائی ہے وہی ہے جو کفار پر اسے حاصل ہے۔

ابو اسحاق کا قول ہے کہ یہاں ارسال بمعنی تسلیط ہے محاورے میں کہتے ہیں۔ اَرْسَلْتُ فُلَانًا عَلٰى فُلَانٍ یعنی میں نے فلاں شخص کو فلاں پر مسلط کیا۔ چنانچہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ (جو ہمارے سچے بندے ہیں اُن پر (تو) تیرا کسی طرح کا قابو چلنے کا نہیں ہاں گمراہوں میں سے جو کوئی تیرے پیچھے ہولے (تو ہولے))۔

پس سمجھو کہ جو شخص شیطان کا پیرو ہو شیطان اس پر مسلط ہے۔ میں کہتا ہوں بیشک یہ آیت اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ۔ (اُس کا قابو تو اُن ہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کے ساتھ ارتباط رکھتے اور جو شریک خدا ٹھیراتے ہیں) اس کی شاہد ہے۔

اَزٌ لغت میں بمعنی تحریک و برانگیختہ کرنے کے ہے اسی واسطے ہانڈی کے جوش مارنے کو ازیز کہتے ہیں۔ کہ اُس کے جوش مارنے کے وقت اُس میں جو پانی ہوتا ہے وہ حرکت کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ (خوف الٰہی سے) رونے کے سبب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک سے اسطرح آواز آتی تھی جیسے ہانڈی کے جوش مارنے کی آواز ہوتی ہے سلف رحمہم کی عبارتوں سے یہی معنی معلوم ہوتے ہیں۔ ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ شیطان کفار کو ابھارتا اور برانگیختہ کرتا ہے انؓ سے ایک روایت میں ہے گناہوں کے لیئے انکو بے قرار کرتا ہے۔ انہی سے ایک دوسری روایت میں آیا ہے انکو بھڑکاتا ہے۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ اَز بمعنی بھڑکانے اور حرکت کے معنی میں ہے محاورے میں بولتے ہیں اِزْ قِدْرَکَ یعنی ہنڈے کے نیچے آگ جلاؤ۔ وَاَ ئتَزَّتِ الْقِدْرُ یعنی ہنڈیا جوش میں آئی۔ اخفش نے یہی معنی پسند کئے ہیں۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ اَز یہ دونو معنی یعنی تحریک و بھڑکانے میں مستعمل ہے ؏

قدریہ کہتے ہیں کہ شیاطین کو کفار پر بھیجنے کا یہ مطلب ہے کہ ان دونو گروہ کے درمیان تخلیہ کر دیا جاتا ہے کوئی رکاوٹ نہیں رہتی۔ وہ باہم ملتے جلتے ہیں۔ ابو علی کا قول ہے۔ کہ ارسال بمعنی تخلیہ مستعمل ہے۔ آیت کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے شیاطین اور کفار کے درمیان کر دیا۔ انکو ان سے رکاوٹ نہیں رکھی۔ اور نہ انکو ان سے بچا رکھا ہے۔ بخلاف ان مومنین کے جن کے حق میں فرمایا ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ واحدی کہتے ہیں۔ قدریہ نے اس آیت کے متعلق یہی معنی اختیار کیا ہے مگر وہ غلطی پر ہیں۔ آیت میں یہ معنی مراد نہیں ابو اسحاق کہتے ہیں مختار یہ ہے کہ شیاطین کفار کے کفر کے باعث ان پر مقرر کیے گئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ (اور جو شخص (قصداً) رحمٰن کی یاد سے اغماض کیا کرتا ہے ہم اُس پر ایک شیطان تعینات کر دیا کرتے ہیں اور وہ اُس کے ساتھ رہتا ہے) اور نیز فرمایا ہے وَقَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (اور ہم نے ان (کفار) کے ساتھ (بُرے) ہمنشین تعینات کر دیئے تھے۔ تو انہوں نے ان کے اگلے اور پچھلے تمام حالات ان کی نظر میں اچھے کر دکھائے) یہاں ارسال بمعنی تسلیط ہے۔ میں کہتا ہوں ارسال کے لغوی معنے سے بھی تسلیط مفہوم ہوتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے اِذَا اَرْسَلْتَ کَلْبَکَ یعنی جب تو اپنے کتے کو مسلط کر دے۔ اور اگر کتے اور شکار کے درمیان تخلیہ کر دے اور ارسال نہ کرے تو وہ شکار کھانا درست

نہیں وسطیح ان ؕ وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْہِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ۔ (اور قوم عاد کے ہلاک ہونے میں بھی قدرت خدا کی بہتیری نشانیاں ہیں) جب ہم نے اُن پر ایک منحوس آندھی چلائی تھی ۔ وَاَرْسَلَ عَلَیْہِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ (اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے) اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَیْہِمْ صَیْحَۃً وَّاحِدَۃً ۔ ہم نے ان پر ایک زور کی چیخ کا عذاب نازل کر دیا ۔ ان میں بھی تسلیط اور تسخیر مراد ہے ۔ اور ارسال اور شیاطین کے درمیان تخلیہ کرنا اس معنے کے لوازم سے ہے جس کے بدوں یہ معنی تمام نہیں ہوتا ۔ جب تو کوئی ایسی چیز چھوڑے جس کا خاصہ کوئی خاص فعل اور کام کرنا ہے اور اس سے روکے نہیں تو یہی تسلیط ہے ۔ قدریہ نے اس مقام میں اپنے قول و مسلک کے خلاف متناقض بات کہی ہے ۔ اگر وہ یہ جائز رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو شیاطین کے شر سے بچاتا اور محفوظ رکھتا ہے تو لازم آتا ہے کہ مختار شخص کو اس کے فعل اختیاری سے باوجودیکہ وہ صحیح و سلامت اور اس کام کے لیے مستعد ہے روک دیا ۔ اور اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ مختار کا فعل و ترک اللہ کی قدرت میں ہے ۔ اور یہی اہل سنت کا قول اور ان کے مسلک کا خلاف ہے) اور اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو شیاطین سے بچانے پر قادر نہیں تو لازم آئیگا کہ بندوں کے کام ۔ قدرت و مشیت سب شیطان کی قدرت میں ہوں اور ان کے زعم کے مطابق شیطان کے افعال اللہ کی قدرت سے باہر ہوں ۔ یہ بات نہایت خراب اور سراسر گمراہی ہے ۔ اس آیت کے متعلق قدریہ یہ بھی کہتے ہیں ۔ کہ شیاطین کفار کو گناہوں کا امر اور حکم کرتے ہیں ۔ اور اس قول کو منبائی نے نقل کیا ہے مگر یہ قابل التفات نہیں ۔ کیونکہ اگر کوئی شخص کسی کو کوئی کام کرنے کو کہے تو اس کو ازیز نہیں کہتے بلکہ امر کہتے ہیں ۔ اور نہ یہ معنے لغت سے نکلتے ہیں اگر ان کا یہ قول صحیح ہو تو شیطان تو مومنوں کو بھی گناہوں کا امر کرتا ہے بلکہ بہ نسبت کفار مومنوں کو گناہ کرنے کو زیادہ کہتا ہے کیونکہ کافر تو جلدی سے اس کی بات مان لیتے ہیں ۔ پس اسکو انہیں زیادہ کہنے کی حاجت نہیں پڑتی ۔ اور مومنین نہیں مانتے تو ان کو بار بار کہتا ہے ۔ پس اگر یہ معنے امر ہو تو کفار کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں

فصل ۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِکِ النَّاسِ اِلٰہِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ ۔ اے پیغمبر اپنی حفاظت کے لیے یوں دعا مانگا کرو کہ شیطان جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا اور خود نظر نہیں آتا ہے اور جنات اور آدمی دونوں قسم کے وسوسے انداز ہوتے ہیں اُن کی شر سے میں لوگوں کے پروردگار لوگوں کے حقیقی بادشاہ لوگوں کے معبود برحق یعنی خدا کی پناہ مانگتا ہوں) اور رَبِّ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَعُوْذُ بِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ اے میرے پروردگار میں شیطانی وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اے میرے پروردگار میں اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان میرے پاس آئیں ۔ اور

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (ترجمہ جب تو قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود کے وسوسوں سے خدا کی پناہ مانگ لیا کرو) یہ بھی اسی قبیل سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ شیطان کے شر سے اس طرح نہیں بچاتا کہ اُس کو مار دیتا اور اُس کے مکر و فریب کے آثار نابود کر دیتا ہے بلکہ اُس کے شر سے اس طرح بچاتا ہے کہ مستعیذ کو اُس کی تکلیف و شر سے محفوظ رکھتا اور شیطان اور اُس کے فعل اختیاری کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کا فعل اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اگر وہ چاہے تو شیطان کو بندے پر مسلط کر دے اور اگر چاہے تو شیطان اور بندے کے درمیان حائل ہو جاتا اور قدریہ کے اصول کے مطابق یہ امر ناممکن ہے پس وہ حقیقت میں اعاذہ کے قائل نہیں۔ گو بندے کی طرف سے استعاذہ کو حقیقۃً ثابت کرتے ہیں اور اس آیت سے جبریہ نے قول کی تائید کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعاذہ تو حقیقۃً ثابت کرتے لیکن بندے کی طرف سے حقیقۃً استعاذہ کے قائل نہیں۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ استعاذہ بھی حقیقۃً اللہ کا فعل ہے جیسے اعاذہ اُسی کا فعل ہے۔ دونوں فریق صراط مستقیم سے الگ ہیں گو جس بات ہر ایک کی صحیح بھی ہے ؞

فصل - وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ (اور خدا کی توفیق کے بدوں تم صبر کر ہی نہیں سکتے) اور ہود علیہ السلام کا قول وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ (میرا کامیاب ہونا تو بس خدا ہی کی تائید سے ہو سکتا ہے) بھی اسی قبیل سے ہیں ظاہر ہے کہ صبر اور توفیق بندے کے اختیاری فعل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ میرے اختیار میں ہیں حقیقۃً بندے کی قدرت میں نہیں اور نہ حقیقت میں یہ اُس کے کام ہو سکتے ہیں بلکہ اس نے بندے کو اُن کا حکم دیا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہٗ اپنی ذات کے فعل کا امر نہیں کرتا۔ باوجود اس کے یہ کام بندے سے اپنے اختیار سے واقع ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتے ہیں جو ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے اور وہ جو چاہے ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ پس توفیق (صبر دینا) اللہ سبحانہٗ کی طرف سے ہے اور یہ اُس کا فعل ہے اور صبر بندے کا کام ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو اُس سے صبر مانگتے ہیں چنانچہ فرمایا ہے وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ (اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابلے میں آئے تو دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر کی چھاگلیں انڈیل دے اور (معرکہ جنگ میں) ہمارے پاؤں جمائے رکھ اور کافروں کی جماعت پر ہم کو فتح دے۔ پھر ان لوگوں نے اللہ کے حکم سے دشمنوں) کو بھگا دیا) اس بات میں چار دلیلیں ہیں اول مومنین کا یہ قول اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا سو صبر ان کا اختیاری

فعل ہے۔ چنانچہ انہوں نے اُس ذات سے اِس کا سوال کیا ہے جس کے اختیار مشیت اور اذن میں ہے اگر وہ چاہے تو اُن کو عطا فرمائے اور اگر چاہے تو اُس سے محروم رکھے۔ دوم اُن کا یہ قول وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا ثبات اقدام ان کا اختیاری فعل ہے لیکن تثبیت اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اُس کے بدون بندوں کا فعل ثبات قدم وقوع میں نہیں آسکتا۔ سوم اُن کا یہ قول وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (مومنین نے اللہ تعالیٰ سے نصرت کا سوال کیا اور اللہ تعالیٰ سے نصرت اس طرح ہوتی ہے کہ اپنے بندوں کے ارادوں کو مضبوط فرمائے اور اُن کو دلیری صبر اور ثبات قدم عنایت کرے اور اُن کے دشمنوں کے دلوں میں ضعف، خوف اور رعب ڈال دے جس سے اُنکو نصرت حاصل ہو۔ اس کے علاوہ انسان کا دوسرے پر منصور و فتحمند ہونا دو طرح سے ہوتا ہے یا تو افعال جوارح کے ذریعہ اپنے مقابل پر غالب آتا ہے۔ اور یہ بندے کی قدرت و اختیار میں ہے یا علم، حجت، اور زور تقریر سے غالب ہوتا ہے اور یہ بھی بندے کا اختیاری فعل ہے حالانکہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ یہ سب اُس کے اپنے اختیار میں ہے اور جو لوگ اُس سے نصرت طلب کرتے ہیں اُن کی تعریف فرمائی ہے۔ اور قدریہ کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہے۔ چہارم اللہ تعالیٰ کا قول فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ۔ یہاں اذن سے اذن کونی و تقدیری مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت، قضا و قدر کے مطابق کفار کو شکست دی اور اذن سے اذن شرعی جو بمعنے امر ہے اس جگہ مراد نہیں کیونکہ اذن شرعی سے شکست کا واقع ہونا ضروری نہیں بخلاف اذن کونی و امر تقدیری کے کہ اُس سے مامور متخلف نہیں ہوتا یعنی ضرور ظہور میں آتا ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کا قول وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ (اور ایسے شخص کا کہا ہرگز نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہے) اسی قبیل سے ہے۔ اس آیت میں دونو گروہ قدریہ و جبریہ کے قول کی تردید و ابطال موجود ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے بندے کے دل کو اپنے ذکر سے غافل کر دیا اور وہ غافل ہو گیا۔ پس غافل کرنا اللہ کا فعل ہے اور غفلت بندے کا کام۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا کہ وہ اپنی خواہش اور ہوا کا پیرو ہے۔ یہ فعل حقیقۃً بندے کا ہے۔ اور قدریہ اس آیت اور دیگر اس قسم کے آیات میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہاں نام رکھنا اور جاننا مراد ہے۔ پس أَغْفَلْنَا کا یہ معنی ہے کہ ہم نے اُس کا نام غافل رکھا یا ہم نے اس کو غافل معلوم کیا۔ مگر اُن کی یہ تاویل بالکل تحریف اور صریح باطل ہے کیونکہ أَغْفَلَهُ دوسرے افعال متعدیہ جیسے أَقَمْتُهُ، أَقْعَدْتُهُ، أَغْنَيْتُهُ، أَفْقَرْتُهُ کی طرح معنے دیتا ہے یعنی جس طرح اُنکے معنے ہیں میں نے اس کو کھڑا کیا۔ میں نے اُس کو بٹھا دیا۔ میں نے اُس کو غنی بنا دیا۔ میں نے اُس کو فقیر

کردیا۔ اِسی طرح اِس کے معنی ہیں اُس کو غافل بنایا۔ اور بابِ افعال بمعنی وجدان جیسے اَحْمَدْتُہٗ۔ اَجْبَنْتُہٗ۔ اَبْخَلْتُہٗ۔ اَعْجَزْتُہٗ بمعنی ہیں۔ میں نے اُسے موصوف بہ حمد۔ جبن۔ بخل و عجز پایا۔ اللہ تعالیٰ کے افعال میں ہرگز واقع نہیں ہوتا۔ بابِ افعال بمعنے وجدان بندوں کے افعال میں آتا ہے جو کہ دوسرے کو بخیل یا عاجز وغیرہ بنانے سے عاجز ہیں۔ اور دُعا کرنے والوں کے دل میں اس قسم کے افعال جیسے اَقْدِرْنِی۔ اَوْزِعْنِی۔ اَلْهِمْنِی۔ کے معانی کی نسبت کبھی یہ خیال نہیں آیا۔ کہ ان کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ میرا نام قادر وغیرہ مقرر کر یا مجھے قدرت والا وغیرہ سمجھ ہرگز نہیں۔ داعی کی نسبت یہ کہنا اُس پر اور نیز اللہ سبحانہ پر صاف بہتان باندھنا ہے۔ عقلا کو بداہتہً معلوم ہے کہ دعا کرنیوالا اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتا ہے۔ کہ مطلوب اُس کے لئے پیدا کرے اور اپنی مشیت سے مطلوب پر اُسے قدرت بخشے۔ یہاں تک کہ قدری بھی اگر اپنی بدعت اور مشائخ و اسلاف کی اندھا دھند تقلید سے علیحدہ ہو کر محض اپنی عقل و فطرت سے کام لے تو وہ بھی یہی سمجھیگا۔ اس کے علاوہ یہ ممکن ہی نہیں کہ بندہ اپنے آپ کو کسی چیز سے غافل کر دے کیونکہ کسی شے سے اپنے آپ کو غافل کرنا اس بات پر موقوف ہے۔ کہ اُس سے واقف و آگاہ ہو اور یہ غفلت کے منافی اور مخالف ہے بخلاف اس کے اللہ تعالیٰ بندے کو غافل کر سکتا ہے۔ اور اُس کا علم بندے کی غفلت کے منافی نہیں۔ اور اِس طرح بندے کی طرف سے کسی چیز کی غفلت بھی ممکن ہے کیونکہ اس وقت بندہ کو سرے سے اس چیز کا علم و شعور ہی نہیں۔ اور یہ بات نہایت ظاہر اور واضح ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اغفال اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور غفلت بندے کا کام +

فصل اللہ تعالیٰ نے جو اپنے نبی شعیب علیہ السلام کی نسبت بیان فرمایا ہے کہ اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا۔ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا وَمَا يَكُوْنُ لَنَا اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا (جس حال میں کہ خدا نے ہم کو تمہارے دین (غلط) سے نجات دی اگر اس کے بعد بھی ہم تمہارے دین میں لوٹ آئیں تو بیشک (اس کے یہ معنی ہونگے کہ) ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔ اور ہم سے تو یہ ہو نہیں سکتا۔ کہ تمہارے دین میں لوٹ آئیں۔ مگر یہ کہ خدا جو ہمارا پروردگار ہے (وہ) چاہے (تو کچھ ہمارا زور نہیں) یہی آیت بھی اسی قبیل سے ہے۔ اس قسم کی آیات میں قدریہ جو مشیت کو بمعنی امر قرار دیا کرتے ہیں یہ آیت اُن کی اِس تاویل کو باطل کرتی ہے کیونکہ یہ بات محالات سے ہے کہ اللہ سبحانہ ملت کو کفر و شرک میں داخل ہونیکا امر فرمائے۔ بلکہ یہاں وہی مشیت مراد ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ کرتا اور کسی کو راہ راست پر لگاتا ہے۔ اس کے بعد شعیب علیہ السلام نے یہ کہا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا (ہمارا پروردگار علم (الٰہی) کی رو سے تمام چیزوں پر حاوی ہے)

شعیب علیہ السلام نے اِس معاملے کو اللہ کے علم و مشیت پر چھوڑا کیونکہ اس کا علم تمام مخلوق کو محیط اور اُس کی مشیت تمام چیزوں میں نافذ ہے مخلوق اُس کے علم و مشیت کو نہیں پا سکتی۔ ہماری مشیت و علم کی غایت تو یہی ہے کہ ہم ملت کفر میں عود کرنے سے باز رہیں لیکن اللہ تعالےٰ کا وہ علم و مشیت ہے جو ہمارے علوم و مشیت کے ورا ہے اسی لئے شعیب علیہ السلام نے اِس معاملے کو اُس کے سپرد کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کا قول وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَاسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ (اور میں ڈرتا نہیں ہوں) کو تم اُس کا شریک مانتے ہو میں تو اُن سے کچھ ڈرتا ورتا نہیں (کہ مجھ کو کچھ نقصان پہنچا دینگے مگر ہاں میرا پروردگار ہی (مجھ کو) کچھ نقصان پہنچانا چاہے (تو اُس کی مرضی) میرا پروردگار تو علم کے رو سے سب چیزوں پر حاوی ہے کیا تم اس بات کا خیال نہیں کرتے) بھی اسی بنا سے ہے۔ انبیاء علیہم السلام چونکہ شان خدائی سے واقف تھے اس لئے اُنھوں نے اپنے تمام امور کو اللہ کی مشیت و علم کے سپرد کیا۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ آپ کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہا کریں کہ میں اس کو کرونگا جب تک کہ اس کے ساتھ انشاء اللہ نہ کہیں کیونکہ اگر اللہ تعالےٰ چاہیگا تو آپ کرینگے ورنہ نہیں اور یہ مضمون پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ حاصل کلام قرآن مجید میں جس قدر توحید الٰہی کے دلائل ہیں۔ اُن سب سے تقدیر اور اللہ تعالیٰ کا خالق افعال عباد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسی لئے تقدیر کا اثبات توحید کی اساس ہے۔ ابن عباس رض کا قول ہے کہ توحید کا دارومدار ایمان بالقدر پر ہے جس نے تقدیر کو نہ مانا۔ اُس نے توحید کو چھوڑ دیا ۔

چودھواں باب

ہدایت ضلالت اور ان کے مراتب کے بیان میں

(نیز اس میں یہ مذکور ہے کہ کونسی ہدایت ضلالت مخلوق کی قدرت میں ہے اور کونسی انکی قدرت سے باہر ہے)

یہ باب ابواب قدر اور اُس کے مسائل کا دل اور خلاصہ ہے۔ کیونکہ اُن تمام نعمتوں سے جو اللہ تعالےٰ اپنے بندے کے لئے مقدر و مقسوم فرماتی ہیں ہدایت سے بہتر کوئی نعمت نہیں اور اُن تمام مصیبتوں سے جن میں اللہ تعالےٰ بندے کو مبتلا کرتا ہے گمراہی سے زیادہ بدتر کوئی مصیبت نہیں تمام نعمتیں نعمت ہدایت سے کم اور تمام مصیبتیں مصیبت ضلال کے مقابل ہیچ ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام

اولیٰ۔ سنہ آموختگی۔ اور ... یہ بات پہنچتی ہے کہ اللہ سبحانہ جسے چاہے گمراہ کرے۔ اور
جسے چاہے راہ راست پر لگائے ... جسے وہ ہدایت کرے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ اور جسے
وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔ وہ ہدایت کرنا اور گمراہ کرنا اس کے لئے کمال یار
میں ہے جیسے کہ اختیار میں بخشیں اور بندہ گمراہ ہونے اور ہدایت پانے کے ساتھ موصوف ہے۔ پس
ہدایت اور اضلال اللہ سبحانہ کا فعل اور اس کی قدرت ہے اور ہدایت پانا اور گمراہ ہو جانا بندے کا کام اور
اس کا ... چاہئے۔ ہدایت اور ضلال کے مسائل کی تفصیل سے پہلے ان کے مراتب کا ذکر کر دینا ضروری
ہے جو قرآن مجید میں آئے ہیں تاکہ بات واضح ہو کہ ہدایت کے چار مراتب ہیں۔ پہلا مرتبہ ہدایت عام ہے
یعنی وہ ہدایت جو ہر ایک متنفس کو اس کے معاش کے مصالح اور اس کی زندگی کی ضروریات کی طرف
بخشی ہے اور یہ مرتبہ تمام مراتب سے عام ہے۔ دوسرا مرتبہ وہ ہدایت ہے جو بیان۔ دلالت
تعلیم اور ان چیزوں کی طرف دعوت دینے کے معنی میں ہے جو بندے کو آخرت میں مفید اور کار آمد
ہوں اور یہ مکلفین کے ساتھ خاص ہے اور یہ مرتبہ پہلے مرتبے سے خاص اور تیسرے مرتبہ سے عام
ہے۔ تیسرا مرتبہ وہ ہدایت ہے جس کو ہدایت پانا لازم ہے اور اس کو ہدایت توفیق کہتے ہیں یعنی
اللہ تعالیٰ کا بندے کی ہدایت کا ارادہ فرمانا اور اس کے اسباب پیدا کرنا اور بندے کو اس پر قدرت
بخشنا اور یہی ہدایت ہے جس پر اللہ عزوجل کے سوا کوئی قادر نہیں۔ چوتھا مرتبہ وہ ہدایت ہے
جو قیامت کو جنت یا دوزخ کی طرف ہوگی۔

فصل ہدایت کے پہلے مرتبے کا ثبوت۔ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى
الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ۔ (اے پیغمبر اپنے پروردگار عالی شان کے نام کی
تسبیح (و تقدیس) کیا کر جس نے (تمام مخلوقات کو) بنایا اور (بہت) درست بنایا اور جس نے (ہر ایک
چیز کی غرض و غایت کا) اندازہ کیا اور (اس کو اسی) رستہ لگا دیا) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے چار
چیزیں جو عام ہیں ذکر فرمائی ہیں۔ (۱) خلق (۲) تسویہ (۳) تقدیر (۴) ہدایت جن میں سے تسویہ کو
تتمہ خلق ٹھیرایا ہے اور ہدایت کو تتمہ تقدیر قرار دیا ہے۔ عطاء نے تسوی کی تفسیر میں کہا ہے اس
کی خلقت کو درست کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ (اس نے جو چیز
بنائی خوب ہی بنائی) اس کا شاہد موجود ہے کیونکہ احسان خلق تسویہ اور تناسب خلقت و اجزاء کو
شامل ہے جس میں کسی قسم کا تفاوت جو اعتدال کے مخل ہو ہرگز نہ ہو۔ غرض خلق سے ایجاد اور تسویہ
سے اس کی درستی و عمدگی مراد ہے۔ کلبی کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی روح کو پیدا کیا۔

دو ہاتھ، پاؤں، آنکھیں وغیرہ سب کو اس کی خلقت کو درست فرمایا۔ مقاتل کا قول ہے کہ ہر ایک جوڑ برابر
کر کے ہر چیز پیدا کی یعنی حواس کی خلقت کے مناسب بنایا۔ زجاج نے کہا ہے انسان کو درست
قد بنایا۔ الوسیط میں ہے انسان کی قامت سیدھی ... ذکر کیا ہے ... انسان وغیرہ تمام مخلوق
کی خلقت کو ... ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ... اور انسان کی اور اس
نفس کی قسم ... جس نے اس کو بنایا درست فرمایا ہے و نفس و ما سواها
... ما تری فی خلق الرحمٰن
من تفاوت (اے دیکھنے والے) تجھ کو (خدائے) رحمٰن کی (اس) خلقت میں کوئی ...
... ہے اور جو ... تفاوت ... پایا جاتا ہے ... کی وجہ یہ ہے کہ ...
مخلوق کو ... نہیں ہوتا ... تسویہ وجودی چیز ہے ... تاثیر ... سے ملتی ... ہے
... خالق کے ارادہ نہ ہونے کی وجہ سے ... تسویہ کا نہ ہونا ... امر
ہے اس کے لئے عدم ... تاثیر کافی ہے ... فی
خلق الرحمٰن من تفاوت ... سے ... سبب علم شیت ... ہے جیسے جہالت، بہرہ پن، نابینائی ... میں
خلق و ایجاد کا ارادہ نہ ہونا کافی ہے۔ اسی طرح ... عدم شیت کافی ہے۔ باب
... القضا میں ... پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ... قول ... الیہ ...
... قول ... ہے ... اس کے
... ہے ... کی خلقت
... منسوب ... ہے۔

فصل — ... ہدایت ... یہ قول ہے اللہ تعالیٰ نے ... خلقت کو مقدر فرمایا ... ابن عباس، کلبی اور دیگر علماء نے کہا ہے کہ
پہلے ... خدا ... ہدایت ... صاحب
نظم نے اسی قول کو پسند کیا۔ اور کہا ہے کہ یہاں ہدایت سے یہی مطلب ہے ... ماده
سے ... چونکہ حیوانات ... اقسام ہیں اور ہر ایک کی صورت ... خلقت
... اس لئے ہر ایک کی ... اگر اللہ ... ہر ایک ...
فطرتی ... ہدایت ... ہے ...

اور ابن مقاتل نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ نے حیوانات کو ان کی معیشت کی صورت اور چراگاہ بتلا دی۔
سدی کا قول ہے کہ شکم میں بچے کے رہنے کی ایک مدت ٹھیرائی اور اس مدت کے بعد اس کے باہر
آنے کی صورت سمجھائی۔ مجاہد کا قول ہے کہ انسان کو خیر و شر اور سعادت و شقاوت کا رستہ بتلا دیا
فراء کا قول ہے کہ اصل میں عبارت یوں ہے فَهَدٰى وَاَضَلَّ یعنی بعض کو ہدایت کی اور بعض
کو گمراہ کیا۔ مگر ایک جملہ پر اکتفا کر کے دوسرا ذکر نہیں فرمایا۔ میں کہتا ہوں۔ آیت ان سب [illegible]
مذکورہ کو شامل ہے۔ اور سب سے زیادہ ضعیف فراء کا قول ہے۔ کیونکہ یہاں ہدایت سے وہ ہدایت
عامہ مراد ہے جو تمام حیوانات کو ضروریات معاش کی نسبت عطا کی گئی ہے۔ ہدایت ایمان و
ضلال مراد نہیں۔ اور اس کی نظیر یہ دوسری آیت موجود ہے رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ
خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کی (خاص طرح کی) بناوٹ
عطا فرمائی پھر اس کو اپنی اغراض خاصہ کے پورا کرنے کی راہ دکھائی) اس آیت میں اعطائے خلق سے
خارج میں پیدا کرنا اور ہدایت سے تعلیم اور ان چیزوں کی طرف راہ نمائی کرنا مراد ہے جو ہر مخلوق کے
مناسب حال اور اس کے قیام و بقا کا سبب ہوں اور مجاہد نے جو صرف ہدایت انسان کا ذکر کیا
ہے تو یہ تمثیلاً کیا ہے ورنہ یہ آیت کی پوری تفسیر نہیں۔ کیونکہ یہاں ہدایت سے وہ ہدایت مراد ہے
جو تمام حیوانات۔ انسان۔ بہائم۔ پرند۔ چرند وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اور نیز جنہوں نے
یہ کہا ہے کہ زندہ اور مردے مخفی کر رکھا یا یہ بھی بطور تمثیل کہا ہے۔ ہدایت کے بے شمار افراد ہیں۔ جن
کو اللہ کے سوا اور کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ یہ بھی ہدایت کا ایک فرد ہے۔ اور اسی طرح جس نے
یہ کہا ہے کہ ہر حیوان کو اس کی معیشت کی صورت اور چراگاہ بتلا دی۔ کیونکہ یہ بھی ہدایت کی ایک خصوصیت
ہے۔ اس کے علاوہ ہدایت کی کئی صورتیں ہیں۔ چنانچہ بچے کا شکم مادر سے پیدا ہوتے ہی اس
کی چھاتی کو منہ میں ڈالنا۔ اپنی ماں کو دوسرے لوگوں سے شناخت کرنا اور چھوٹے بچوں
کا ماں کے پیچھے جانا۔ اور حیوانات کا ان چیزوں کے چرنے کا قصد کرنا جو مفید ہوں اور مضر چیزوں
سے پرہیز کرنا یہ سب اللہ کی ہدایت ہے۔ پرندوں جنگلی جانوروں اور چوپاؤں کو اللہ نے وہ
عجیب باتیں اور کام سوجھائیں جن کے کرنے سے انسان عاجز ہے۔ دیکھو شہد کی مکھی کو کس طرح
سوجھایا ہے۔ کہ وہ اپنی خوراک کی تلاش میں دور دراز رستے طے کرتی اور پھر اپنے گھر کو جو کسی درخت
پر یا پہاڑ یا کسی دیوار میں ہوتا ہے واپس آجاتی ہے۔ شہد کی مکھی کو اللہ تعالیٰ نے وہ باتیں سجھائیں
ہیں جن سے نہایت تعجب اور حیرت آتی ہے اور اس کی سوجھ عجیب اور نرالی ہے اس کا مختصر

بیان یہ ہے کہ شہد کی مکھیوں میں ایک بادشاہ اور منتظم ہوتا ہے جس کو یعسوب کہتے ہیں وہ سب مکھیوں
سے جسم میں بڑا اور رنگ و شکل میں خوبصورت ہوتا ہے۔ اور ان میں جو مادہ ہوتی ہیں وہ موسم بہار
کے شروع میں بچے دیتی ہیں۔ اور اکثر بچے مادہ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی نرینہ بچہ پیدا ہو تو اس کو عموماً اپنے
بیچ نہیں چھوڑتیں یا تو اسے وہاں سے نکال دیتی یا اسے جان سے مار ڈالتی ہیں۔ ہاں تھوڑے سے
نرینہ بچوں کو رہنے دیتی ہیں جو کہ بادشاہ کے محافظ و حاشیہ نشین ہوں۔ اور نروں کے مار ڈالنے یا
نکال دینے کی یہ وجہ ہے کہ نر کچھ کام نہیں کرتے اور نہ جھال کی کوئی چیز بناتے ہیں۔ پھر مکھیاں اپنی
اولاد سمیت بادشاہ کے پاس جمع ہوتی ہیں۔ پس وہ سب کو لیکر نہایت نزدیک اور سیدھے راستہ
سے کسی سبزہ زار یا لہلہاتے کھیت یا ہرے بھرے باغ کی طرف نکلتا ہے۔ اور سب کی سب اپنی
حاجت کے موافق وہاں رس چوس لیتی ہیں پھر بادشاہ سب کو لیکر واپس ہوتا ہے۔ اور جب جھال کو
واپس آجاتی ہیں تو بادشاہ دروازے پر ٹھیرتا ہے اور کسی نر یا دوسرے جھال کی مکھی کو اندر نہیں گھسنے
دیتا۔ اور جب سب کی سب اندر جا چکتی ہیں۔ تو بادشاہ سب کے بعد اندر جاتا ہے۔ اور جب سب
مکھیاں اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاتی ہیں تو اب بادشاہ ان کو کام سکھلانے کے لئے پہلے خود کام شروع کرتا
ہے اُس کو دیکھ کر سب کی سب فوراً کام کرنے لگتی ہیں۔ اور بادشاہ کام چھوڑ کر ایک کونے میں بیٹھ جاتا
اور ان کے کام کو ملاحظہ کرتا ہے پھر مکھیاں پتوں اور پھولوں کی چکناہٹ سے موم بنانا شروع کرتی
ہیں پھر کام کے لحاظ سے مکھیوں کے کئی گروہ ہیں بعض وہ ہیں جو ہمیشہ بادشاہ کے پاس رہتی ہیں اور اُس
سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتیں اور ان کے ذمہ (حفاظت و خدمت بادشاہ کے سوا) جھال کا کوئی کام نہیں
ہوتا۔ اور یہ سب کے سب نر ہوتے ہیں۔ اور بعض وہ ہیں جو صرف موم بناتی اور اسے تیار کرتی ہیں۔ موم
شہد کا تلچھٹ ہوتا ہے۔ اور اس میں انجیر کی شیرینی کے موافق شیرینی ہوتی ہے۔ اور مکھیاں اس کے
بنانے میں شہد کے بنانے سے بھی زیادہ اہتمام کرتی ہیں۔ اور اُس کو ہوا وغیرہ کی آمیزش سے خالص
ستھرا اور پاک و صاف کرتی ہیں۔ اور بعض وہ جو صرف گھروں کی تیاری میں مصروف رہتی ہیں اور بعض
ایسی ہیں جو سقے کا کام دیتی اور پانی کو اپنی پیٹھ پر اٹھا لاتی ہیں۔ اور بعض وہ جو جھال کی جاروب کشی کا کام
کرتی ہیں اسے میل کچیل۔ کوڑے کرکٹ۔ مردوں کی لاشوں سے پاک و صاف کرتی ہیں۔ اور جب کسی
مکھی کو دیکھتی ہیں کہ وہ کام میں سستی کرتی اور بیکار پھرتی ہے تو اس کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیتی اور جان سے
مار ڈالتی ہیں۔ کہ اس کی اس (بدعادت) بیکاری کا برا اثر کام کرنے والیوں پر نہ پڑے اور وہ بھی کاہل
اور سست نہ ہو جائیں۔ جھال میں سب سے پہلے بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ اور اس کا مکان تیار کیا جاتا ہے

بادشاہ کا مکان مربع شکل بناتی ہیں جو بالکل تخت کی ہیئت پر ہوتا ہے بادشاہ اُس پر جلوس کرتا اور اُس کے آس پاس چند مکھیاں جو اُس کی خدام اور خواص و امرا کے قائم مقام ہوتی ہیں بیٹھ جاتی ہیں اور اُس سے کبھی جدا نہیں ہوتیں. بادشاہ کے سامنے حوض کی شکل پر ایک خانہ تیار کرتی ہیں جس کو نہایت مصفی اور عمدہ شہد سے لبریز کرتی ہیں وہ بادشاہ اور اُس کے خواص کے کھانے کے کام آتا ہے۔ اُس کے بعد متساوی خطوط پر آئندہ کیلئے خانے بنانے شروع کرتی ہیں جن سے الگ الگ کبیچے اور محلے بنجاتے ہیں۔ اور اپنے خانے مسدس متساوی الاضلاع شکل کے بناتی ہیں اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اقلیدس داں ہیں کیونکہ اُن کے گھروں کے لئے جو نہایت مناسب و موزون شکل تھی اُس کو اختیار کیا ہے مکانات کے بنانے میں جو عمدہ باتیں یعنی مضبوطی فراخی ملحوظ ہوتی ہیں۔ وہ شکل مسدس کے سوا اور کسی شکل میں نہیں پائی جاتیں شکل مسدس کا یہی یہ خاصہ ہے کہ جب اس شکل کی چند چیزوں کو باہم ملایا جائے تو جانچ کے موافق ایک مسدس شکل پیدا ہو جاتی ہے اور وہ باہم ایسی پیوست ہوتی ہیں کہ اُن کے درمیان کہیں تھوڑا سا رخنہ اور خالی جگہ نہیں رہتی اور اُن کی پیوستگی سے ایک دوسرے کو ایسی پختگی اور مضبوطی حاصل ہوتی ہے کہ وہ سب ملکر گویا ایک مضبوط چیز ہو جاتی ہیں۔ سو اُن کے گھروں کی یہی کیفیت ہے کہ اُن کے درمیان سوئی کا سر نہیں سما سکتا۔ یہ سب اللہ تعالے کی حکمت اور قدرت ہے کہ ایسی مخلوق کو وہ علم بخشا ہے کہ بایں صنعت اپنے گھر تیار کرتی ہے کہ انسان سے بھی ایسی صنعت نہ ہوسکے مکھیوں کو یہ علم دیا ہے کہ وہ اپنے گھروں کو ایسی اشکال پر بنائیں جن میں دو صفتیں پائی جائیں۔ ایک یہ کہ اُن کے زاویے تنگ نہوں تاکہ وہ خالی اور بیکار نہ پڑے رہیں۔ دوم یہ کہ جب وہ اشکال باہم پیوستہ ہوں تو اُن کے بیچ میں کوئی جگہ خالی و بیکار نہ رہے سو یہ دونوں باتیں صرف شکل مسدس میں حاصل ہیں مثلث اور مربع شکلوں کے باہم ملانے سے بھی اگرچہ بیچ میں کوئی جگہ خالی نہیں رہتی لیکن اُنکے زاویے تنگ ہوتے ہیں۔ اُنکے سوا باقی اشکال میں اگرچہ زاویے فراخ ہوتے ہیں لیکن اُنکی باہم پیوستگی سے بیچ میں سوراخ اور خالی جگہ رہجاتی ہیں پس اللہ سبحانہٗ نے اُن کو یہ سوجھ عطا فرمائی ہے کہ وہ اپنے گھروں کو بغیر مسطر اور آلات اور نقشہ اور نمونہ سابق کے شکل مسدس کی ہیئت پر تیار کرتی ہیں حالانکہ بڑا کاریگر انسان بھی بڑے بڑے آلات اور اوزار کے بدون شکل مسدس کی ہیئت پر کوئی مکان نہیں تیار کر سکتا۔ اور نیز اللہ نے اُن کو یہ سوجھ بخشی ہے کہ اپنی طاقت کے موافق اپنی خوراک کے راستے طے کرتی اور پھر پھرا کر سیدھی اپنے گھروں میں آجاتی ہیں اور رستہ نہیں بھولتیں۔ اور پھلوں پھولوں اور کھیتوں میں سے نہایت عمدہ اور لطیف اجزاء کو لیکر اپنے خالی گھروں کو نوشتی اور اُن میں وہ چیدہ اور لطیف اجزا ڈال کر اُن سے

مختلف رنگ کا وہ شہد بناتی ہیں جو انسان کی کئی امراض کے لئے شفا ہے۔ غور کرنیوالوں کے لئے
ان کی اس صنعت عجیب میں خدا تعالے کی قدرت کی نشانیاں موجود ہیں۔ جب گھروں کے بنانے
سے فارغ ہو جاتی ہیں تو خالی پیٹ ہو کر میدانوں اور پہاڑوں میں گھومنے پھرنے لگتی ہیں پھولوں
اور درختوں کے پتوں پر سے شیریں اجزا اٹھا کر پیٹ بھر لیتی اور گھروں کو واپس آتی ہیں ماننند مجاشفے
اُنکے منہ میں وہ حرارت رکھی ہے جس سے ان اجزا کو ایک خاص پختگی اور نضج حاصل ہو جاتا ہے پھر
اُن کو اُنکے گھروں میں ڈال کر ان کو لبریز کر دیتی ہیں جب سب خانے پُر ہو جاتے ہیں تو صاف موم
سے اُن کے سروں کو بند کر دیتی ہیں۔ اس کے بعد اور مکان تلاش کرتی ہیں پس اگر حسب خواہش
ملجائے تو وہاں اسیطرح کے خانے بنانے لگتی اور بدستور سابق تمام کارروائی شروع کرتی ہیں۔ اور
جب سردی پڑنے لگے اور خوراک حسب منشا نہ ملے اور جاڑے کی شدت سے کام و کاج نہ کر سکیں۔ تو
اپنے گھروں میں بیٹھ جاتی اور اندوختہ شہد کو کھانا شروع کر دیتی ہیں اور کام و کاج کے دنوں میں علی الصباح
گھروں سے نکلکر ہر ایک جماعت اپنے مقررہ کام میں دن بھر مصروف رہتی ہے اور شام کو سب واپس
آجاتی ہیں۔ واپسی کے وقت محال کے دروازے پر چند دربان تعینات ہوتے ہیں جن کی
مدد کے لئے چند معاون و مددگار حاضر رہتے ہیں۔ اُن کا یہ کام ہوتا ہے کہ جب کوئی مکھی محال کے
اندر جانے لگے تو وہ اُس کو سونگھتے اور اُس کی تلاشی لیتے ہیں۔ اگر اُس سے بدبو محسوس کریں یا اس کے
پاس کوئی گندی چیز پائیں تو اُسے اندر جانے سے روک دیتے اور اُس کو الگ ایک طرف ٹھیرا دیتے
ہیں۔ اور جب باقی سب مکھیاں اندر جا چکتی ہیں۔ تو ان علیحدہ شدہ مکھیوں کی دوبارہ تلاشی لیتے اور
ان کے احوال کی تفتیش کرتے ہیں جس کی نسبت معلوم ہو جائے کہ وہ کسی بدبودار یا ناپاک چیز پر بیٹھی
ہے۔ تو کاٹ کر اُسے دو ٹکڑے کر دیتے ہیں اور جس سے کوئی خفیف سا جرم سرزد ہوا ہو تو اُسے
مارتے نہیں لیکن سزا کے طور پر محال سے باہر رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ دربان ہر شام اپنا یہ فرض بجالاتے
ہیں۔ بادشاہ کا یہ دستور ہے کہ وہ ہمیشہ محال میں رہتا اور بہت ہی شاذ و نادر کبھی باہر نکلتا ہے
وہ صرف اُس وقت نکلتا ہے جب سیر کو جی چاہے۔ اس وقت اُس کے ساتھ امراء اور خادم بھی نکلتے
ہیں اور تھوڑی دیر کھیتوں اور باغوں میں گھوم کر واپس آجاتے ہیں۔ اور اُس کی یہ ایک عجیب بات
ہے کہ اگر اُسے (اپنی رعایا) مکھیوں سے یا اُس شخص سے جس کے مکان میں چھتہ لگا ہو یا اُس کے
نوکروں چاکروں سے کچھ تکلیف پہنچے تو ناراض ہو کر چھتے سے نکلجاتا اور وہاں سے دُور فاصلے پر جاکر
کہیں ڈیرا کرتا ہے اور سب کی سب مکھیاں چھتے کو خالی چھوڑ کر اُس کے ہمراہ چلی جاتی ہیں۔ جب اُس

شخص کو جس کے مکان میں چھتہ لگا ہو یہ کیفیت معلوم ہو جاتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ مکھیوں کو اپنے مکان میں واپس لاوے تو وہ بادشاہ کو تحقیق کرنے اور اُس کے واپس لا نیکے کے لئے یہ حیلہ و تدبیر عمل میں لاتا ہے کہ پہلے اُس جگہ کو معلوم کرتا ہے جہاں وہ مکھیوں کا جتھا چلا گیا ہے۔ پھر اِن نشانوں سے بادشاہ کی شناخت کرتا ہے کہ سب مکھیاں اُس کے پاس اکٹھی رہتی ہیں۔ اور اُس سے جُدا نہیں ہوتیں اور اُس کے ارد گرد اِس طرح مجتمع ہوتی ہیں کہ انگور کا ایک خوشہ معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ کا دستور ہے کہ جب ناراض ہو کر چھتے سے نکلے تو کسی درخت کی اونچی ٹہنی پر بیٹھتا ہے۔ اور باقی مکھیاں اُس کے آس پاس گھوم کر اُس سے چمٹ جاتی ہیں تو وہ شخص جس کے مکان میں چھتہ لگا تھا۔ ایک بانس یا لمبا سا نرسل لیکر اس کے سرے پر نہایت لطیف اور خوشبودار بوٹیوں اور پھولوں کا گلدستہ باندھتا اور اُسے بادشاہ کے سامنے کرتا ہے۔ اور اُس کے پاس سارنگی یا باجا یا گانے بجانے کا اور کوئی ساز ہوتا ہے وہ اُسے بجاتا اور گلدستے کو بادشاہ کے نزدیک کرتا جاتا ہے۔ کچھ دیر اسیطرح کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ بادشاہ راضی ہو جائے۔ اور جب بادشاہ راضی ہو جاتا اور اس کا غصہ جاتا رہتا ہے تو وہ جست کر کے گلدستے پر بیٹھ جاتا ہے اور اُس کے خادم اور سب مکھیاں اُس کے پیچھے چلی آتی ہیں۔ پس وہ شخص گلدستے کو اُٹھا کر پہلے چھتے کی طرف لے آتا ہے اور بادشاہ اور اُس کا سب لشکر اپنے چھتے میں گھس جاتے ہیں ٭

اور شہد کی مکھی کبھی مردار جانور یا طعام پر نہیں بیٹھتی۔ اور اُن کی عجیب بات یہ ہے کہ ظالم اور مفسد بادشاہوں کو مار ڈالتی ہیں اور اُن کی اطاعت اختیار نہیں کرتیں۔ اور جو مکھیاں بدن میں چھوٹی اور گٹھیلی ہوتی ہیں شہد وہی بناتی ہیں اور یہ اُن مکھیوں سے جو قد میں بڑی اور بیکار رہتی ہیں لڑائی مقابلہ کر کے اُن کو چھتے سے نکال دیتی یا جان سے مار ڈالتی ہیں۔ اور اُن کے ہونے سے شہد بہت تھوڑا تیار ہوتا ہے اور جس کو جان سے مارنا چاہتی ہیں۔ تو حتی الوسع اُس کو چھتے سے باہر قتل کرتی ہیں۔ تاکہ اُن کی لاشوں سے چھتہ گندہ و خراب نہ ہو۔ شہد کی بعض مکھیاں بدن میں بڑی لیکن قلیل النفع ہوتی ہیں شہد بنانے والیوں اور اُن کے درمیان ہمیشہ لڑائی جھگڑا قائم رہتا ہے وہ شہد بنانے والیوں کے گھروں میں گھستی اور اُن کو مار ڈالنا چاہتی ہیں۔ گریہ بھی نہایت ہوشیار اور بیدار مغز ہیں جب وہ اُن کے گھروں میں آجاتی ہیں تو یہ ایسی حکمت کرتی ہیں کہ اُن کو گھروں کے دروازوں کی طرف سے آتی ہیں۔ اسی طرح اُن سے شہد لتھڑ جاتا اور وہ اُڑنے سے رہجاتی ہیں۔ قسمت سے کوئی جس کی جان باقی ہو کہیں بچ نکلتی ہے۔ ورنہ سب کی سب وہیں ہلاک ہو جاتی ہیں

اور جب لڑائی ختم ہو جاتی ہے تو لاشوں کو اٹھا کر چھتے سے باہر پھینک دیتی ہیں۔ اور جب بادشاہ کبھی سیر کے لئے باہر جانے کا ارادہ کرتا ہے تو ایک دو روز پہلے اپنے مصاحبوں اور خادموں کو اطلاع دے دیتا اور ترتیب وار ہر ایک کی جگہ مقرر کر دیتا ہے پس جب نکلتا ہے تو اُسی قاعدہ اور انتظام سے چلتے ہیں جو بادشاہ نے مقرر کیا تھا۔ کیا مجال کہ اُس کا خلاف کریں۔ جب اُن میں کئی بادشاہ پیدا ہو جاتے ہیں تو بادشاہ کو چونکہ معلوم ہے کہ یہ حکومت کے خواستگار ہوتے ہیں اس لئے ہر ایک کو ایک جماعت کا حاکم بنا دیتا ہے۔ اور ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کو اس خیال سے کہ اس کی رعیت پریشان اور ہلاک و برباد ہو جائیگی قتل نہیں کرتا۔ اور جب اُس شخص کو جس کے مکان میں چھتہ لگتا ہے معلوم ہو جاتا ہے کہ کئی ایک بادشاہ پیدا ہو گئے ہیں۔ تو وہ کسی تدبیر سے ایک کے سواسب کو پکڑ کر کسی برتن میں بند کر دیتا اور اُن کے سامنے اُن کی خوراک کے موافق شہد ڈال دیتا ہے۔ اور جب بادشاہ مر جائے یا بیمار ہو جائے یا وہ مفسد نکلے اور مکھیاں اُسے قتل کردیں۔ تو وہ اُن قید شدہ بادشاہوں میں سے ایک کو نکال اُس کے قائم مقام کر دیتا ہے تاکہ بادشاہ کے نہ ہونے سے مکھیاں متفرق و پراگندہ نہ ہوں۔ اور اُن کی ایک عجیب بات یہ ہے۔ کہ جب بادشاہ سیر کو نکلے اور وہ تھک جائے تو اُس کو نوجوان مکھیاں اپنے اوپر اٹھا لیتی ہیں۔ شہد کی مکھی نہایت پاکیزہ اور صاف اور ستھرا جانور ہے۔ اسی لئے وہ پاخانہ اُس وقت کرتی ہے جب اُڑ رہی ہو۔ اور گندگی اور بدبودار چیزوں سے نفرت کرتی ہے۔ نوجوان مکھیاں عمر رسیدہ کی نسبت کام و کاج میں نہایت مضبوط اور حریص ہوتی اور آدمی وغیرہ کو بہت کم ڈستی ہیں۔ اور ان کا شہد بہت عمدہ ہوتا ہے اور اگر کسی کو نیش زنی کریں بھی تو اُس سے تھوڑی سی تکلیف محسوس ہوتی ہے اور عمر رسیدہ کی نیش زنی سے بہ نسبت ان کے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ چونکہ شہد کی مکھی نہایت نافع اور کام کا جانور ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے وہ الہام اور ہدایت عطا فرمائی ہے جو اور کسی جانور کو عطاء نہیں ہوتی۔ اور اس کا شہد سینکڑوں بیماریوں کی دوا اور اس کا موم اندھیروں میں روشنی کا ذریعہ ہے جیسے کہ ہادیان طریق رہنمائی کرتے ہیں یا ان وجوہ سے اس کے دشمن بھی زیادہ ہیں عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ جو چیز مفید ہوتی ہے اُس کے دشمن زیادہ ہوتے ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر غالب ہے اور یہ سب کام اُس کی حکمت سے ہیں ✣

فصل — چیونٹیوں کو دیکھو یہ بھی نہایت سمجھدار جانور ہیں۔ ان کی سوجھ سے نہایت تعجب انگیز ہے کہ ایک چھوٹی سی جان اپنے بل سے نکل کر دور دور تک اپنی خوراک تلاش کرتی۔ اور جب کھانے کی

کوئی چیز باقی ہے تو اسے اٹھا کر دور دراز بیچ سے دشوار گذار اور اُتار چڑھاؤ کے رستوں سے اپنے بل میں لے آتی۔ اور خوراک کے میسر ہونے کے دنوں میں اپنے بل میں ذخیرہ کرتی جاتی ہے۔ جب ذخیرہ کر چکتی ہے تو دیکھتی ہے کہ اس میں کونسی چیز اگنے کے قابل ہے۔ پس اس میں سے جو چیز اُگنے کے قابل ہو اسے دو ٹکڑے کر دیتی ہے تاکہ وہ اُگنے نہ پائے۔ اور اگر وہ دو ٹکڑے ہونے پر بھی اُگ سکتی ہو تو اس کے چار ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔ اور اگر کہیں اس کو نمی پہنچ جائے اور اس کے متعفن اور خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو تو موقع دیکھ کر دھوپ والی دن میں اسے نکالتی اور بل کے دروازے کے آس پاس پھیلا دیتی ہے۔ جب سوکھ جائے تو بل میں جمع کر دیتی ہے۔ اور جو خوراک ایک چیونٹی جمع کرے اس کو دوسری نہیں کھاتی۔ ان کی سوجھ کے متعلق وہ بات کچھ کم نہیں ہے جس کو اللہ سبحانہ نے قرآن کریم میں اس چیونٹی کی نسبت بیان فرمایا ہے جس کی بات چیت کو جو اس نے دوسری چیونٹیوں سے کی تھی سلیمان علیہ السلام نے سنا تھا یعنی یَآ اَیُّھَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاکِنَکُمْ لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمَانُ وَجُنُوْدُہٗ وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (چیونٹیو اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور سلیمانؑ کے لشکر تم کو کچل ڈالیں اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہو)

دیکھو اپنے کلام کو حرف ندا سے شروع کیا کہ مخاطب کلام سننے کی طرف متوجہ ہو جائے پھر عموم و شمول کی غرض سے ہم مبہم لا کر اسم جنس اس کے ساتھ لگایا اس کے بعد (دوسری چیونٹیوں سے) کہا کہ اپنے اپنے بلوں میں گھس جائیں تاکہ لشکر (کے پامال کرنے سے محفوظ رہیں۔ اس کے ساتھ ہی بلوں میں گھس جانے کا سبب بھی بیان کر دیا۔ کہ سلیمانؑ اور ان کے لشکر کی طرف سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے پھر پیغمبر خدا سلیمانؑ اور ان کے لشکر کی طرف سے ایذا پہنچنے میں ان کو معذور ٹھیرایا کہ یہ کام ان سے نادانستہ ہو گا (ان کا کوئی قصور نہیں) یہ سب باتیں نہایت کمال سوجھ کی ہیں یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ سبحانہ نے چیونٹیوں کے حالات پورے شان اور انکی تعدت کے ساتھ بیان کئے ہیں چنانچہ فرمایا ہے وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُہٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَھُمْ یُوْزَعُوْنَ حَتّٰٓی اِذَآ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ (اور سلیمان کے جتنے لشکر جنات اور آدمیوں اور پرندوں کے تھے (ان کے ملاحظے کے) لئے جمع کئے گئے تو وہ مثل بمثل ان کے روبرو کھڑے کئے جاتے تھے (غرض اس ترتیب سے لشکر ایک طرف کو روانہ ہوا) یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے (ایک) میدان میں پہنچے) اللہ سبحانہ نے اس آیت میں بتلایا ہے کہ وہ سب کے سب چیونٹیوں کے جنگل سے گذرے اس سے معلوم ہوا کہ وہ جنگل وادی السباع وغیرہ کی طرح وادی النمل کے نام سے

مشہور ہے اس کے بعد اللہ سبحانہ نے ایک چیونٹی کی وہ بات بیان فرمائی ہے۔ جس سے اُس کی کمال دانش و تیزفہمی ثابت ہوتی ہے کہ اُس نے سب چیونٹیوں سے کہا کہ اپنے اپنے خاص بلوں میں گھس جاؤ۔ اِس سے معلوم ہوتا کہ وہ چیونٹی اور سب چیونٹیاں یہ بات جانتی ہیں۔ کہ چیونٹیوں کی ہر ایک جماعت کے لئے الگ الگ گھر ہوتے ہیں۔ جن میں اُن کے سوا دوسری چیونٹیاں ہرگز نہیں جاتیں۔ اِس کے بعد اُس چیونٹی نے کہا ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور اُس کے لشکر تم کو کچل ڈالیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ وہ سلیمان علیہ السلام اور اُن کے نام کو اور نیز اُن کے لشکروں اور افسر افواج کو جانتی تھی۔ اِس کے بعد کہا کہ اُن کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔ پس اِس جملے میں لشکر کی طرف سے لاعلمی کے عذر اور چیونٹیوں کی ملامت کو جمع کر دیا۔ کہ وہ اپنے بچاؤ کی تدبیر اور بلوں میں گھسنے سے کیوں غافل ہیں۔ اسی لئے سلیمان ؑ اُس کی بات سے مسکرائے اور ہنسے۔ چیونٹی کی یہ باتیں بیشک تعجب انگیز اور ہنسی کے قابل ہیں ؂

زہری نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت کی ہے وہ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے چیونٹی، شہد کی مکھی۔ ہُدہُد اور چڑی مار کے مار ڈالنے سے منع فرمایا ہے ؂

اور صحاح میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے وہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک پیغمبرؑ کسی درخت کے نیچے اُترے وہاں اُن کو ایک چیونٹی نے کاٹا اس پر انہوں نے وہاں سے اپنا اسباب اُٹھوا کر چیونٹیوں کے بل کو آگ لگانے کا حکم دیا۔ سو وہ آگ سے جلا دیا گیا تو اللہ تعالےٰ نے بذریعہ وحی اُن سے فرمایا۔ کہ ایک چیونٹی کے کاٹنے کے سبب تو نے ہماری مخلوق سے ایک جماعت کی جماعت جو ہماری تسبیح کہا کرتی تھی جلا دی ہے۔ تجھے چاہئے تھا کہ صرف ایک چیونٹی کو (جس نے کاٹا تھا) جلاتے ؂

ہشام بن حسان نے ذکر کیا ہے کہ احنف بن قیس کے گھر والوں کو چیونٹیوں نے کچھ تکلیف دی تو احنف دو تنوروں کے درمیان کرسی رکھوا کر اس پر بیٹھ گئے۔ اور کلمۂ شہادت پڑھ کر کہا چیونٹیو تم ہماری تکلیف دہی سے باز آجاؤ ورنہ تمہیں جلا دیا جائیگا ہشام کہتے ہیں وہ چیونٹیاں وہاں سے چلی گئی ہیں

اور عوف بن جمیلہ نے قسامہ بن زہیر سے روایت کیا ہے کہا کہ ابو موسے اشعری کا قول ہے کہ جانوروں کے ہر ایک نوع میں حاکم اور سردار مقرر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ چیونٹیوں میں بھی سردار مقرر ہیں۔ اور ان کی سوجھ کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ ان کو معلوم ہے کہ ان کا

پروردگار آسمانوں پر عرش معلی کے اوپر ہے۔ چنانچہ امام احمد نے کتاب الزہد میں ابو ہریرہؓ کی حدیث سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک نبیؑ آدمیوں کو لیکر بارش کے لئے دُعا کرنے کو نکلے دیکھا تو ایک چیونٹی چت لیٹ کر آسمان کی طرف پاؤں اٹھائے دُعا کر رہی ہے پس پیغمبرؑ نے لوگوں سے فرمایا اب لوٹ چلو استسقاء کی ضرورت نہیں۔ تمہارے سوا ایک دوسری مخلوق کی دعا منظور ہوگئی ہے اور اب بارش ہوگی ٭ یہ اثر متعدد طرق سے مروی ہے طحاوی نے تہذیب وغیرہ میں اسے روایت کیا ہے۔ اور امام احمدؒ نے با سناد کہا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سلیمانؑ بن داؤد علیہما السلام بارش کے لئے دُعا کرنے لگے دیکھا تو ایک چیونٹی پیٹھ کے بل لیٹی آسمان کی طرف پاؤں اُٹھائے کہہ رہی ہے اے اللہ ہم بھی منجملہ تیری مخلوقات کے ایک مخلوق ہیں۔ ہم تیرے پانی اور روزی دینے کے محتاج ہیں ہمیں پانی اور روزی عطا فرما ورنہ ہمیں ہلاک کردے سلیمانؑ نے لوگوں سے فرمایا اب لوٹ چلو۔ تمہارے سوا ایک اور مخلوق کی دُعا کی وجہ سے اب بارش ہوگی ٭

امام محمد کے سلسلہ مشائخ میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک چیونٹی اپنے بل سے نکلی۔ اور اُسے مری ہوئی ٹڈی کا ایک ٹکڑا ملا۔ اُس نے وہ اُٹھانا چاہا۔ مگر اُسے اُٹھا نہ سکی۔ اُس کو چھوڑ کر چلی گئی۔ اور اس کے اُٹھانے کے لئے کئی ایک چیونٹیوں کو بلا لائی۔ میں نے اُس ٹکڑے کو زمین سے اٹھا لیا وہ اُس جگہ گھوم کر اور اس کو دیکھ بھال کر جب نہ ملا تو باقی واپس چلی گئیں۔ اور وہ اکیلی وہیں رہی۔ میں نے اُس ٹکڑے کو اُس کے سامنے رکھ دیا اُس نے پھر اٹھانا چاہا۔ لیکن وہ نہ اٹھا سکی پھر چلی گئی۔ اور اُن کو ساتھ لے آئی۔ میں نے وہ ٹکڑا پھر اٹھا لیا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھ بھال کر واپس چلی گئیں میں نے کئی دفعہ اسی طرح کیا آخر یہ ہوا کہ اُن چیونٹیوں نے ایک حلقہ باندھا اور اُس کو حلقے میں لا کر اُس کا ایک ایک عضو الگ کردیا۔ میں نے اِس حکایت کو جب اپنے اُستاذ سے ذکر کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ دوسری چیونٹیوں نے اُس چیونٹی کو اِس لئے مار ڈالا کہ اللہ سبحانہٗ نے اُنکی فطرت میں یہ بات ڈال دی ہے کہ جھوٹ برا ہے اور جھوٹے کو سزا دینی چاہئے۔ اور وہ چیونٹی اُن کے نزدیک جھوٹی ثابت ہوئی تھی ٭

چیونٹی سب حیوانات سے زیادہ حریص ہے۔ اسی لئے اِس کی حرص ضرب المثل ہے ذکر ہے کہ جب سلیمانؑ نے معلوم کیا کہ چیونٹی بڑی حریص ہے اور یہ اپنی خوراک کے لئے بہت سا ذخیرہ جمع کرتی ہے تو انہوں نے ایک چیونٹی کو بُلا کر پوچھا کہ ایک چیونٹی سال بھر میں کتنا غلہ کھا سکتی ہے۔ اُس نے کہا گیہوں

کتنے تین دانے انہوں نے حکم دیا کہ اس کو ایک شیشے میں بند کر کے تین دانے اس کے ساتھ چھوڑ دو اور شیشے کا منہ بند کر دو۔ اس روز سے ایک سال تک اسے بند رکھا۔ سال ختم ہونے پر اُسے نکالا تو ڈیڑھ دانہ اُس کے پاس موجود پایا۔ اس سے پوچھا تو نے کہا تھا کہ ایک چیونٹی سال بھر میں تین دانے کھا سکتی ہے اور تو نے ڈیڑھ دانہ ہی کھایا ہے۔ اس نے جواب دیا میں نے جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہیں لیکن میں نے جب آپ کو آدمیوں کے معاملے کے انتظام میں مصروف دیکھا۔ اور اپنی بقیہ عمر پر خیال کیا کہ شاید ایک سال سے زیادہ ہو اس لئے میں نے اپنی خوراک کو آدھا کر دیا اور آدھی اپنے لئے بچا رکھی کہ ایسا نہ ہو کہ سال ختم ہونے پر کثرت مشاغل کی وجہ سے آپ کو میرا خیال نہ رہے اور میں بھوک سے مر جاؤں۔ سلیمان اس کی کمال درجہ کی حرص سے نہایت متعجب ہوئے۔ یہ سب باتیں اس کی کمال سوجھ اور دانش پر دلالت کرتی ہیں عجائبات کی عجیب باتوں سے ایک یہ بات ہے کہ تمام موسم گرما میں محنت مشقت اٹھاتی اور موسم سرما کے لئے اپنی خوراک کا ذخیرہ جمع رکھتی ہیں۔ کیونکہ یہ جانتی ہیں کہ موسم سرما میں خوراک بہت کم ملتی ہے اور اس کے حاصل کرنے میں دقتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور باوجودیکہ چیونٹی ایک کمزور جانور ہے مگر اس کے قویٰ نہایت مضبوط ہیں۔ یہ اپنے وزن سے کئی گنے زیادہ بوجھ اٹھاتی اور اسے کھینچ کر اپنے بل میں لے آتی ہے۔ اس کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگر آدمی کسی چیز کا خشک ٹکڑا لیکر سونگھے تو اسمیں کوئی بو معلوم نہ ہوگی۔ مگر جب زمین پر رکھو تو وہاں جھٹ چیونٹی موجود ہو جائیگی۔ اور اگر اسے اٹھا نہ سکیگی تو جا کر چیونٹیوں کی ایک قطار کو بلا لائیگی۔ جو سب ملکر اسے اٹھا لینگی۔ قابل غور ہے کہ اپنے بل کے اندر اس کی بو کو کیسے محسوس کر لیا۔ جھٹ وہاں موجود ہوگئی۔ چیونٹی کی قوت شامہ ایسی تیز ہے کہ اس کے ذریعہ دور سے اُن چیزوں کو محسوس کر لیتی ہے جن کو اور حیوانات قوت باصرہ یا سامعہ سے محسوس کرتے ہیں۔ جہاں آدمی کھانا کھاتے اور وہاں کھانے کے گرے گرائے کچھ ٹکڑے رہجائیں تو اُن کی بو محسوس کر کے دور دراز جگہ سے آجاتی اور انکو اٹھا کر لیجاتی ہے اور اگر وہ ٹکڑے بڑے ہوں اور انہیں اٹھا نہ سکے تو بل جا کر اپنی ساتھ کی چیونٹیوں کی ایک جماعت کو بلا لاتی ہے جو ایک دوسرے کے پیچھے اسطرح قطار باندھتی ہیں کہ ایک سیاہ تاگا معلوم ہوتا ہے اور اُن کو سب ملکر اٹھاتی اور بلوں میں لیجاتی ہیں۔ چیونٹی کی یہ عادت ہے کہ اناج کے بال کو سونگھتی ہے۔ اگر گیہوں کا ہو تو اسے کاٹ پھاڑ کر اٹھا لیجاتی اور اگر جو کا ہو تو اسے چھوڑ دیتی ہے اور چیونٹیوں میں کوئی ایسا حاکم و رئیس مقرر نہیں ہوتا جیسا کہ شہد کی مکھیوں کا بادشاہ مقرر ہوتا ہے۔ ہاں ان میں چند ایسی چیونٹیاں ہوتی ہیں۔ جو لیبت ڈوری کے طور پر خوراک کی تلاش میں آگے آگے چلتی ہیں۔

اور جب خوراک کا پتہ لگتا ہے تو سب کو خبر کر دیتی ہیں۔ پس جب سب اکٹھی نکلتی ہیں اور ہر ایک چیونٹی
دوسری بہنوں کی خیر خواہی اور بہتری میں پوری کوشش کرتی ہے۔ اور جو دانہ ڈھونڈ کر لے آئے اُسے سب
مل کر کھاتی ہیں۔ یہ نہیں کہ جسے ملے وہی ہڑپ کر جائے۔ اور ان کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ
اگر آدمی چاہے کہ کسی چیز شہد وغیرہ کو اس طرح محفوظ رکھے کہ وہاں چیونٹیاں نہ گرنے پائیں اور
وہ ایک گڑھا کھود کر اسے پانی سے بھر دے یا ایک بڑا برتن پانی سے لبریز کر کے شہد وغیرہ
کے برتن کو اس میں رکھے تو چیونٹی اس کے اردگرد پھرتی ہے۔ جب دیکھتی ہے کہ وہاں تک نہیں پہنچ
سکتی تو دیوار سے چمٹ کر چھت میں اس چیز کے بالمقابل آکر اپنے آپ کو نیچے گرا دیتی۔ ہم نے اس بات
کا بارہا تجربہ کیا ہے +

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک لوہار نے ایک حلقہ گرم کر کے ٹھنڈا کرنے کے لئے زمین پر
ڈالا۔ اتفاق سے ایک چیونٹی اس کے بیچ آ گئی۔ اور وہ نکلنے کے لئے ہر طرف دوڑی مگر ہر طرف
آگ کی لپٹ محسوس ہوئی۔ پس وہ اس حلقے کے عین مرکز میں بیٹھ گئی۔ جو ہر طرف سے محیط یعنی اس حلقہ
سے زیادہ دور تھا +

فصل ۔ ہُدہُد یعنی کھٹ بڑھئی بھی نہایت سمجھدار جانور ہے۔ اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ زمین کی تہ میں
فلاں جگہ پانی نزدیک اور فلاں جگہ ہے اور اس کام میں جیسی کچھ اس کو بصیرت حاصل ہے اور کسی جانور کو
حاصل نہیں منجملہ اس کی سوجھ کی وہ بات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔ اس
نے سلیمانؑ سے جب انہوں نے اسے غیر حاضر پایا اور یہ کہا کہ جب حاضر ہوگا تو اسے سزا دی جائیگی
تو کیا کہا۔ آتے ہی سلیمانؑ کے دھمکانے سے پہلے جلدی سے اپنا عذر پیش کیا اور اس خوبی عمدگی سے
کلام شروع کیا کہ سلیمانؑ خواہ مخواہ اس کے سننے کی طرف متوجہ ہوں اور اسے قبول فرمائیں یعنی یہ کہا کہ
مجھ کو ایک ایسا حال معلوم ہوا جو اب تک حضور کو معلوم نہیں تھا نیز اسی جملہ میں یہ مضمون بھی ادا کیا۔
کہ میں ایسی بات کی خبر لایا ہوں جس سے میں پوری طرح سے واقف اور میرا علم اس کے ہر پہلو کو محیط
ہے۔ اور اس کے بعد دوسرے جملے میں بیان کیا کہ میں کوئی معمولی خبر نہیں لایا بلکہ ایک عظیم الشان
خبر لایا ہوں۔ چنانچہ کہا وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ (اور میں حضور میں (شہر) سبا کی ایک تحقیقی خبر
لیکر حاضر ہوا ہوں) اول تو لفظ نبأ سے نبأ اسی خبر کو کہتے ہیں جو عظیم الشان ہو اور نفوس (بشریہ) اس کے
معلوم کرنے کے مشتاق ہوں۔ دوم لفظ الیقین کے ساتھ موصوف کرنے سے یعنی وہ ایک ایسی
یقینی خبر ہے جس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں۔ یہ سب کچھ خدا کے سامنے اس خبر کے بیان کرنے

ست پہلے تو طلبہ و تمہید کے طور پر بیان کیا اس طرح کرنے سے مخاطب کا دل خبر کے سننے کی طرف پورا پورا
متوجہ اور اس کی معرفت و علم کا از حد مشتاق ہو جاتا ہے۔ یہ ایک طرح کی براعۃ استہلال و خطاب
التہییج ہے۔ اس کے بعد حقیقت خبر کو اس طرز سے ادا کیا جس میں کئی طرح سے وجوہ تاکید موجود ہیں
چنانچہ کہا اِنِّي وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ (میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ وہاں کے
لوگوں کی مالکہ ہے) بعد ازیں اس ملکہ کے حالات بیان کئے کہ وہ عظیم الشان بادشاہوں سے ہے۔
چنانچہ اس کے پاس وہ تمام سامان مہیا اور موجود ہیں جو بڑے بڑے بادشاہوں کے پاس ہوا
کرتے ہیں پھر اس کے تخت کے حالات بیان کرنے سے کہ وہ ایک بیش بہا تخت ہے اس
کی عظمت شان کو دو بالا کیا۔ اس کے بعد اس امر کو بیان کیا جو سلیمانؑ کے لشکروں کے اس ملک
میں جانے اور دعوت توحید کرنے کے بعد (اگر توحید کو قبول نہ کرے) اس سے جہاد کرنے کا باعث
ہو چنانچہ کہا وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (میں نے ملکہ اور
اس کے لوگوں کو دیکھا کہ خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں) اس جملے سے پہلے حرف عطف کو
حذف کرنے اور اس کو مستقل طور پر ذکر کرنے اور ماقبل پر معطوف نہ کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ یہی کلام
اصل مقصد یعنی جملہ ہے۔ اور اس کا ماقبل اس کی تمہید ہے۔ اس کے بعد ان کے اس فعل شنیع کا
سبب اور باعث بیان کیا کہ وہ شیطان کے دھوکا میں آگئے ہیں کہ اس نے ان کے برے کام
ان کو مزین اور اچھے کر دکھائے۔ اور صراط مستقیم یعنی عبادت خدا سے ان کو روک دیا ہے۔ اور
یہی رکاوٹ ہدایت و عبادت خدا سے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں انہیں مانع ہوگئی ہے
اس کے بعد اللہ سبحانہ کے افعال میں سے اس بات کا ذکر کیا۔ کہ وہ آسمان و زمین کی پوشیدہ چیزیں نکالتا
ہے یعنی بارش۔ نباتات۔ معدنیات اور ان کے علاوہ جو کچھ آسمان سے اترتا اور جو کچھ زمین سے
پیدا ہوتا ہے سب وہی نکالتا ہے منجملہ افعال اللہ سبحانہ کے خاص اس فعل کے ذکر کرنے میں یہ نکتہ
ہے کہ ہُدہُد کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسی قسم کی صفت سے ممتاز کیا ہے کہ اسے وہ پانی جو زمین کے اندر
پوشیدہ ہو معلوم ہو جاتا ہے۔ صاحب کشاف نے کہا ہے کہ اخراج خبء کے ذکر کرنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہُدہُد کا کلام ہے کیونکہ اسے بھی وہ پانی جو زمین کی تہ میں پوشیدہ ہو معلوم ہو جاتا
ہے اور یہ اسی اللہ تعالیٰ کے الہام کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ جو آسمان و زمین کی پوشیدہ چیزیں
ظاہر کرتا ہے اس کی قدرت کا کوئی انتہا نہیں اور اس کے علم کا کوئی اندازہ نہیں۔ اور جو شخص صاحب
فراست ہو اور اللہ نے اسے بینائی اور نور بخشا ہو وہ ہر ایک شخص کے چہرے کے آثار و طرز گفتگو

اور عادات و اطوار سے اُس کے علم ۔ فن یا صناعت کا پتہ لگا لیتا ہے ۔ پس آدمی جو کوئی کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے آثار اُس میں ظاہر کر دیتا ہے ٭

فصل ۔ کبوتر بھی بڑی سوجھ والا جانور ہے ۔ امام شافعی کا مقولہ ہے ۔ کہ کبوتر تمام پرندوں سے زیادہ سوجھ والا ہے ۔ وہ کبوتر جو قاصدوں کا کام یعنی چٹھیاں اور خطوط پہنچاتے ہیں بعض دفعہ اُن کی قیمت مملوک اور غلام سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے ۔ کیونکہ جو کام وہ دیتے ہیں ۔ وہ نہ تو غلام سے ہو سکتا ہے اور نہ کسی اور جانور سے ۔ اسلئے کہ ایسے کبوتر خط لیکر کئی ہزار میل کے فاصلے پر چلے جاتے اور پھر اپنے ٹھکانے پر واپس آ جاتے ہیں اور رستہ نہیں بھولتے ۔ کبوتر سلطنتوں کے ضروری کاروبار اور اہم معاملات کے متعلق خبریں پہنچایا کرتے ہیں جو لوگ کبوتر پالتے ہیں وہ اُن کی حفاظت نسل کا نہایت اہتمام کرتے ہیں انکی جفتی کو دور سے اُٹھنے اپنی مادیوں سے دوسری مادیوں کی طرف اور مادیوں کے دوسرے نروں کی طرف چلانے کے وقت نسل کی خرابی اور دوسروں کے تلاوٹ کے اندیشے سے نروں اور مادیوں کو الگ الگ کر دیتے ہیں ۔ مادہ کی ایسی پوری حفاظت کرتے ہیں ۔ کہ کہیں وہ راستے میں یا اپنے ٹھکانے پر کسی معمولی کبوتر کے ساتھ جفتی کرنے سے خراب نہ ہو جائے ۔ اور کبوتر پالنے والے اس بارے میں کبوتریوں کی اس قدر حفاظت کرتے ہیں کہ اس قدر اپنی عورتوں کی بھی حفاظت نہیں کرتے ۔ اور اُن کے ایسے قواعد اور رستے معلوم ہیں جن کا وہ نہایت خیال رکھتے ہیں ۔ جب کسی کبوتر کو دیکھ لیں تو جھٹ اُس کا حسب و نسب اور اس کا وطن معلوم کر لیتے ہیں ۔ تجربہ کار اور واقفکار کبوتر کی بڑی قدر کرتے ہیں ۔ اُس کے خریدنے میں بہت سے دام خرچ کرنے میں دریغ نہیں کرتے ۔ خطوط اور چٹھیاں پہنچانے کے لئے نروں کو اس وجہ سے زیادہ پسند کرتے ہیں کہ اُسے اپنی مادہ کے سبب اپنے مکان کا زیادہ شوق اور خیال رہتا ہے اور نیز یہ قوت و طاقت میں مادہ سے زیادہ مضبوط اور نیز رستہ پہچاننے میں خوب ماہر ہوتا ہے ۔ بعض کبوتر پالنے والے اس کام کے لئے کبوتریوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں اُن کا یہ خیال ہے کہ نر کو جب سفر میں گئے ہوئے زیادہ عرصہ گذر جائے تو (غلبہ شہوت کی وجہ سے) مادہ کا نہایت مشتاق ہو جاتا ہے ۔ پس کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ اسے راستہ میں کوئی مادہ نظر آئی اور یہ صبر نہ کر سکا اور سفر چھوڑ کر وہیں ٹھیر گیا ۔ اور اُس سے اپنی حاجت پوری کرنے لگا ٭

کبوتر کو جس قدر تعلیم دی جائے اور اسے سکھایا جائے اُسی قدر اسکی سوجھ بڑھتی جاتی ہے ۔ اس کی نسبت مشہور ہے کہ یہ یمن و برکت والا جانور ہے اور آدمیوں سے نہایت ملنساری اور محبت کرتا ہے

اور آدمیوں کو پیارا لگتا ہے ۰

اپنے ٹھکانے سے اسقدر الفت ہے اور اپنے مالک سے کو کسی وقت تکلیف بھی پہنچے مگر اس کا پورا وفادار رہتا ہے اور دور دراز مسافتیں طے کر کے اُس کے پاس لوٹ آتا ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض کبوتروں کو رستے میں کسی نے پکڑ لیا اور برابر دس سال تک اُسے وطن کو لوٹنے کا موقع نہیں ملا مگر وہ اس پر بھی اپنی وفاداری پر قائم رہا۔ اور جس وقت فرصت اور موقع پایا اپنے مالک کے پاس واپس آگیا۔ کبوتر جس وقت اپنی مادہ سے جفتی ہونا چاہتا ہے تو اس سے نہایت ملاطفت اور حیلے سے کام نکالتا ہے۔ دُم کو جھپکاتا اور پروں کو نیچے چھوڑ دیتا ہے پھر مادہ کے قریب ہو کر آواز کرنے لگتا اور اس کے سامنے سے آتا اور اُسکے منہ میں چونچ ڈالتا پر جھاڑتا اور سینہ اُبھارتا ہے اور اس وقت یکسو ہوتا ہے۔ اس وقت کبوتری اپنے پر بازو نیچے زمین کی طرف چھوڑ دیتی ہے۔ اور جب کبوتر اپنی خواہش پوری کر لیتا ہے تو کبوتری اُس پر سوار ہو جاتی ہے۔ یہ بات کبوتر کے سوا اور کسی حیوان میں نہیں پائی جاتی۔ اور جب کبوتر معلوم کرتا ہے کہ کبوتری حاملہ ہو گئی ہے تو وہ دونو جاکر تنکے گھاس اور چھوٹی چھوٹی لکڑیاں جمع کرتے اور اُن سے ایک گھونسلا بناتے ہیں اور اس کو اس ترتیب سے تیار کرتے ہیں کہ اس میں کبوتری آسانی سے بیٹھ سکے۔ اور اس کے کنارے اس خیال سے بلند اور اونچے کر دیتے ہیں کہ اس میں سے انڈے باہر نہ گریں۔ پھر باری باری اس گھونسلے میں بیٹھتے اور اُسے پاک و صاف کرتے اور اس میں اپنے بدن کی حرارت پہنچاتے اور اس میں جدید کیفیت جو اُن کی طبع کے موافق ہو پیدا کرتے ہیں تاکہ جب انڈے نکلیں تو ایسی جگہ میں پڑیں جو کبوتری کے رحم کے مشابہ ہو اور اس میں گرمی۔ سردی اور نرمی اور سختی ایک مناسب مقدار کی ہو۔ پھر جب کبوتری کے انڈے دینے کا وقت آجاتا ہے تو وہ جلدی سے اُس گھونسلے میں انڈے دیدیتی ہے۔ اور ایسے وقت میں اگر گھونسلے میں پہنچنے سے پہلے بادل کی گرج یا اور کوئی ہولناک آواز اُس کے کان میں پہنچ جائے تو حاملہ عورت کیطرح کہ جب اُسے گھبراہٹ ہو تو اس کا حمل گر جاتا ہے۔ یہ بھی گھونسلے کے باہر ہی انڈے گرا دیتی ہے۔ جب انڈے دے چکتی ہے تو دونو باری باری انڈے سیتے ہیں جب انڈے سینے کی مدت پوری ہو جاتی ہے۔ تو انڈا پھٹ کر اس سے بچہ نمودار ہوتا ہے یہ دونو بلکہ اُسے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب باہر نکل آتا ہے۔ تو پہلے اس کے گلے میں ہوا اس لئے سانس پھونکتے ہیں کہ اُس کا پوٹا فراخ ہو جائے۔ اُن کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر پوٹا تنگ ہوگا تو اس میں خوراک نہ سما سکیگی۔ انکے سانس دینے سے اُسکا پوٹا جو پہلے ملا ہوا اور بند تھا کھلجاتا اور فراخ

ہو جاتا ہے۔ چونکہ ان کو معلوم ہے کہ اگرچہ اُس کا پوٹا کسی قدر فراخ ہو گیا ہے لیکن وہ ثقیل غذا کا متحمل نہیں ہو سکتا اس لئے اس کے منہ میں پہلے اپنا وہ لعاب ڈالتے ہیں جو غذا کے ساتھ مخلوط اور اُس میں اناج کے اجزا ہوں۔ کچھ روز یہی لعاب اُس کی خوراک رہتی ہے۔ چند دنوں کے بعد کھیتوں میں سے نہایت ملائم اور نرم دانے اُٹھا لاتے اور اُس کے منہ میں ڈالتے ہیں۔ اور ملائم اور نرم دانے اس لئے لاتے ہیں۔ کہ اُن کو معلوم ہے کہ غذا کے ہضم کے لئے قوت درکار ہے۔ اور ابھی اُس کا پوٹا اس قدر کمزور ہے کہ قوی غذا ہضم نہیں کر سکتا۔ اور چند روز کے بعد ذرا موٹے اور سخت دانے لا کر اُس کے منہ میں ڈالتے ہیں۔ اسی طرح اس کی قوت کے مطابق بتدریج پانی اور دانے سے چوگا دیتے رہتے ہیں۔ اور وہ ان سے چوگا مانگتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب سمجھتے ہیں کہ اب وہ خود دانہ چگنے کے قابل ہو گیا ہے تو کسی قدر چوگا دینا کم کر دیتے ہیں تاکہ اُسے دانہ چگنے کی عادت پیدا ہو۔ اور جب سمجھتے ہیں کہ اب اُس کا پوٹا خوب مضبوط ہو گیا ہے اور اگر وہ اُس کو چوگا دینا بالکل موقوف کر دینگے تو وہ خود اپنا پیٹ پال لیگا۔ تو اُس کو چونچیں مار کر علیحدہ کر دیتے ہیں اور چوگا مانگے تو نہیں دیتے۔ اور وہ عجیب شفقت اور محبت جو ان کے دلوں میں بھری ہوئی تھی دور ہو جاتی ہے اور جب وہ خود بخود اپنا پیٹ پالنے لگتا ہے تو یہ اپنے سب پیار بھلا دیتے اور نئے سر سے انڈے دینے کی تیاری کرتے ہیں ٭

کبوتر طبیعت اور عادت میں انسان سے ملتا جلتا ہے۔ کہ بعض کبوتریوں کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے جوڑے کے سوا کسی دوسرے سے جفتی نہیں کرتیں۔ اور بعض ایسی ہیں کہ کسی کبوتر کو بھی جفتی کرنے سے منع نہیں کرتیں۔ اور بعض کی یہ عادت ہے کہ بہت سی خاطر و خوشامد اور اصرار کے بعد اپنے پاس آنے دیتی ہیں۔ اور بعض جھٹ کہنے میں آ جاتی ہیں۔ اور بعض کی یہ عادت ہے۔ کہ اُن کا ایک معین جوڑا ہوتا ہے لیکن جب وہ موجود نہ ہو تو دوسرے کبوتروں سے بھی جفتی کر لیتی ہیں اور جو کبوتر اُن سے جفتی کرنا چاہے اُسے منع نہیں کرتیں۔ اور بعض کی یہ عادت ہے کہ جب انہیں ایسا کبوتر مل جائے جو اُن کے جوڑے سے اچھا ہو تو اپنے جوڑے کی موجودگی میں اس سے جفتی کر لیتی ہیں۔ اور وہ دونوں کو دیکھتا رہتا ہے مگر وہ اُس کی پرواہ نہیں کرتیں۔ اور بعض ایسی ہیں جن کی خواہش نہیں بجھتی جو اور نروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی اور جفتی کے لئے اپنی طرف بلاتی ہیں۔ اور بعض کبوتریاں ایسی ہیں کہ ایک مادہ دوسری مادہ سے جفت ہوتی ہے۔ اور بعض کبوتر ایسے ہیں کہ وہ بجائے مادہ کے دوسرے نروں سے جفتی کرتے ہیں۔ غرض اس قسم کی جو عادتیں نوع انسان کیا

مردوں اور کچھ عورتوں میں پائی جاتی ہیں۔ وہ سب کبوتروں میں موجود ہیں۔ اور بعض کبوتریاں ایسی ہیں جو انڈے نہیں دیتیں۔ اگر انہیں دیں تو اُن کو خراب کر دیتی ہیں جیسے بعض عورتوں کی یہ عادت ہے۔ کہ وہ اس خیال سے حمل نہیں ٹھیرنے دیتیں کہ بچہ پیدا ہونے سے اُن کی شہوت پرستی میں خلل آئیگا بعض کبوتریاں ایسی بھی ہیں کہ جب کوئی کبوتر ان سے جفتی کرنا چاہے خواہ وہ کیسا ہی عمدہ ہو تو فوراً اُس کے پاس سے بھاگ جاتی ہیں اور جیسے کہ شریف بی بیوں کا شیوہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے بغیر کسی پر نظر نہیں رکھتیں۔ اسی طرح وہ بھی اپنے جوڑے کے سوا کسی کے ساتھ تعلق نہیں رکھتیں۔ اور بعض کبوتروں کی یہ عادت ہے کہ کبھی ایک یا دو سے جفتی کرتے ہیں۔ پھر اُس کو چھوڑ کر دوسری سے کرنے لگتے ہیں۔ اسی طرح بعض کبوتریوں کی بھی یہی عادت ہوتی ہے کہ کبھی ایک کبوتر سے ملتی ہیں۔ پھر اُسے چھوڑ کر دوسرے کے پاس چلی جاتی ہیں۔ بعض کبوتروں کی یہ عادت ہے کہ کئی ایک کبوتر ملکر ایک کبوتری سے تعلق پیدا کرتے ہیں اور جب اُن میں ایک زور آور اور غالب ہو تو وہ دوسروں کو چھوڑ کر اُس کی طرف مائل ہو جاتی ہے ۔

حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک کبوتری کو دوسری کبوتری کا پیچھا کرتے دیکھا تو فرمایا کہ ایک شیطان دوسرے شیطان کا پیچھا کر رہا ہے۔ بعض کبوتروں کی یہ عادت ہے کہ وہ صرف اپنے بچوں کو چوگا دیتے ہیں اور بعضوں کی طبیعت میں کمال درجہ کی شفقت اور رحمت ہوتی ہے وہ اپنے اور بیگانے بچوں سب کو چوگا کھلاتے ہیں۔

اور اس کی سوجھ کی ایک عجیب بات ہے کہ جب یہ خط لیکر چلتا ہے۔ تو ایسے راستوں میں چلتا ہے جو بستیوں اور آدمیوں کی آبادیوں سے دور ہوں تاکہ کوئی پکڑ کر اُسے روک نہ دے اور پانی پینے کے لئے بھی ایسے پانی پر نہیں اُترتا جہاں آدمیوں کی آمد و رفت ہو۔ اور ایک عجیب بات یہ ہے۔ کہ جب آدمیوں کو ہوا میں دیکھتا ہے معلوم کر لیتا ہے۔ کہ فلاں شخص اس کو پکڑنا چاہتا ہے اور فلاں شخص اس کا مخالف اور دشمن ہے۔ پھر ایسی چترائی لگاتا ہے کہ اُس کے داؤ سے بچ نکلتا ہے۔ اور اس کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ جب پہلے اُڑنے لگتا ہے تو اُسے کچھ تمیز نہیں ہوتی۔ اور عقاب۔ گدھ۔ باز۔ چرغ۔ کتے وغیرہ جانوروں کے پاس جا گذرتا ہے۔ مگر دیکھتے ہی اپنے مخالفین اور دشمنوں کو پہچان لیتا ہے۔ اور شاہین کا دیکھنا تو اُس کے لئے ایسا ہے جیسے زہر قاتل۔ اور اُس کے دیکھنے سے ایسا دب جاتا ہے جیسے بکری بھیڑیئے اور گدھا شیر کے دیکھنے سے دب جاتا ہے۔ اور اس کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ نر و مادہ بچوں کی پرورش

کے کاموں کو آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔ مادہ تو انکی حفاظت، خبر گیری اور کھلانے پلانے کا انتظام کرتی ہے۔ اور نر کے ذمہ یہ ہوتا ہے کہ وہ باہر سے روزی اور خوراک جمع کر لائے۔ جس طرح آدمیوں میں مرد روزی کماتا اور عیال کے خرچ کا متکفل ہوتا ہے۔ اور عورت بچے جنتی اور ان کو دودھ پلاتی اور ان کی تربیت کرتی ہے +

جاحظ نے کبوتر کی ایک عجیب حکایت بیان کی ہے کہ ایک آدمی کے پاس کبوتروں کے دو جوڑے تھے۔ ایک جوڑے کے پر کٹے ہوئے تھے جو اڑ نہیں سکتا تھا اور دوسرا صحیح و سلامت اڑتا پھرتا تھا۔ اور اس کے دو بچے بھی تھے۔ کبوتر کے مالک کا بیان ہے کہ میں نے ان کے رہنے کے لئے بالاخانہ کے اوپر کے حصے میں ایک طاق بنا دیا کہ وہ اس میں آیا جایا اور اپنے بچوں کو چوگا دیا کریں۔ اتفاق سے اچانک بادشاہ نے مجھے قید کر دیا تو مجھے کبوتروں کے اس جوڑے کا جس کے پر کٹے ہوئے تھے نہایت فکر پیدا ہوا کہ وہ ضرور مر جائے گا۔ کیونکہ وہ طاق سے باہر نہیں جا سکتا اور اس کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز موجود نہیں۔ جب میں نے قید سے رہائی پائی۔ تو مجھے ان ہی کی فکر لگ رہی تھی۔ اسی فکر میں میں نے دروازہ کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اچھے بھلے ہیں۔ اور دوسرے جوڑے کے بچے بھی جوان ہو گئے ہیں۔ میں اس بات سے نہایت متعجب ہوا۔ تھوڑی دیر ہوئی تو وہ جوڑا جو اڑتا پھرتا تھا آگیا۔ اور پر کٹا جوڑا اس کے پاس جا کر منہ سے منہ ملا کر اس طرح چوگا مانگنے لگا جس طرح پرندوں کا بچہ اپنے ماں باپ سے چوگا مانگتا ہے۔ اور اس نے اس کو چوگا کھلا دیا۔ اس کی یہ وجہ قابل غور ہے۔ پر کٹے جوڑے نے دیکھا کہ جب بچوں کو بھوک اور پیاس ہوتی ہے تو وہ کس حیلے اور چاپلوسی کے ساتھ اپنے ماں باپ سے چوگا مانگتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر یہ بھی ویسا ہی کرنے لگے۔ اس پر پر دار جوڑے کو ان کے حال پر رحم آیا۔ اور اپنے بچوں کی طرح ان کو بھی چوگا دیتے رہے۔ یہ حکایت ویسی ہے۔ جیسے جاحظ وغیرہ نے ایک کتیا کی حکایت بیان کی ہے +

جاحظ کہتے ہیں کہ میں ایک اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتا ہوں کہ جب بصرے میں سخت طاعون پڑا۔ تو ایک گھر میں ایک بچے کے سوا سب آدمی مر گئے۔ محلے والوں نے یہی سمجھا کہ ان میں سے کوئی آدمی باقی نہیں رہا۔ انہوں نے مکان کا دروازہ بند کر دیا۔ اور اس کے اندر ایک چھوٹا سا شیر خوار بچہ رہ گیا جس کو لوگوں نے معلوم نہ کیا اور دروازہ بند کر دیا۔ جب کچھ عرصہ گذرا۔ تو کہیں سے اس گھر والوں کا کوئی رشتہ دار آیا۔ اور اس نے مکان کا دروازہ کھولا۔ دیکھا کہ مکان کے آنگن میں کتیا

ہے کہ پِلّوں کے ساتھ ایک بچہ کھیل رہا ہے۔ وہ کتیا جس کے وہ بیٹے تھے اُس گھر والوں نے پال رکھی تھی
بچے کے دیکھنے سے اس آدمی کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ مگر تھوڑی دیر ہوئی کہ وہ کتیا آگئی۔ بچہ اُسے
دیکھ کر گھٹنوں کے بل چلکر جا پہنچا۔ کتیا نے اپنے پستان اُس کے منہ میں دیدیئے۔ اُس نے اُن سے
دودھ چوس لیا۔ اُس کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ جب بچے کو سخت بھوک لگی۔ اور پلوں کو دیکھا کہ وہ کتیا کے
پستانوں کو چوس رہے ہیں۔ تو وہ بھی گھٹنوں کے بل چلکر اُس کے پاس جا پہنچا۔ اس سے کتیا کو اس کے
حال پر رحم آیا۔ اور اُسے دودھ پلادیا۔ پھر ہر روز اسی طرح اُس کو دودھ پلاتی رہی۔ اور وہ برسوں تک
اس سے لگا رہا۔ اور یہ بات کوئی بعید نہیں اور نہ اس سے زیادہ عجیب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بچے
پر منکشف کر دیا ہے [illegible] جب وہ پیدا ہوتا ہے تو بچہ پستان کو چوسنے لگتا ہے۔ اور کچھ دیر تک رہا کر
چوستا رہتا ہے۔ اُس نے جب [illegible] دودھ پلانے والی نے پستان اُس کے منہ میں دے لیا ہے [illegible]
اُس سے پہلے اس نے پستانوں کی شکل بھی نہیں دیکھی ہوتی۔ گویا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تدبیر
کھانے پینے کا وہی خزانہ ہے جو پہلے سے تمہیں معلوم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے حیوانات کو اپنے
مصالح معاش کے سرانجام میں جو سوجھ عطا فرمائی ہے وہ اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ منجملہ اُن
کی سوجھ کے یہ بات ہے کہ جوان مرغے کو جو دانے ملتے اُس کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے کھاتا ہے۔ اور جب
بوڑھا اور کمزور ہو جاتا ہے تو ثابت دانے نگل جاتا ہے اُن کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کرتا۔ چنانچہ
مدائنی نے کہا ہے کہ ایاس بن معاویہ نے ایک مرغے کو دیکھا کہ وہ دانے چگ رہا ہے۔ مگر اُن کو
ٹکڑے ٹکڑے کرکے نہیں کھاتا دیکھ کر کہنے لگے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرغا بوڑھا ہو گیا ہے۔ کیونکہ
جوان مرغے کی یہ عادت ہے کہ وہ دانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے کہ اُس کی آواز سن کر اُس کے
آس پاس مرغیاں جمع ہو جائیں۔ اور یہ اُن سے اپنی شہوت پوری کرے اور بوڑھے مرغے کی شہوت
چونکہ زائل ہو جاتی ہے اس لئے اُسے صرف اپنے پیٹ کی فکر ہوتی ہے۔ ایاس نے یہ بھی کہا ہے کہ
جوان مرغے کی یہ بھی عادت ہے کہ وہ دانہ اُٹھا کر مرغی کو دکھلاتا پھر اُسے اپنے منہ سے نیچے ڈالدیتا
ہے کہ مرغی اُسے اُٹھالے۔ اور بوڑھا دانے کو یوں کا توں نگلجاتا ہے۔ اور مرغی کے لئے نہیں ڈالتا۔
ابن الاعرابی نے ذکر کیا ہے۔ کہ ایک سانپ نے ایک چڑیا کے انڈے کھالئے۔ وہ چڑیا اُس کے سر پر
منڈلانے۔ چلانے اور اُس سے نزدیک ہونے لگی یہاں تک کہ جب سانپ نے اُس کے پکڑنے
کے لئے منہ کھولا۔ تو اُس نے کانٹا ڈال دیا۔ اُس نے اُس کے گلے کو پکڑ لیا۔ اور اسی سے وہ مر گیا۔
چنانچہ ابو عمرو شیبانی نے اسی کے متعلق اسدی کے اِس شعر کو کہا ہے

إن كنتَ أبصرتني نحيلاً ومصطلماً   فربما قتل المكّارُ ثعلبُ أرنا

ترجمہ۔ (اگر تو نے مجھے تنگ دست اور حرص سے لاغر ہوا بے سروسامان دیکھا ہے تو اس پر مغرور نہ ہونا چاہیئے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ چوپایہ نے اژدہا کو مار ڈالا ہے) +

مصالح حواس کے متعلق حیوانات کی۔ رجعہ کا بیان ایک بحر بے پایاں ہے۔ جسے جتنا بھی چاہو بیان کرتے جاؤ اور یہ ختم نہ ہوگا۔ ان کی سوجھ کی ایک عجیب بات یہ ہے۔ کہ لومڑی کو جب پسو بہت ستاتے ہیں۔ تو وہ تھوڑی سی اون اپنے منہ میں لے لیتی اور کسی کم گہرے پانی پر جاکر آہستہ آہستہ اس میں نیچے اترنا شروع کرتی ہے۔ اس طرح سے پسو اس کو چھوڑ کر اس اون میں جا جمع ہو جاتے ہیں پس وہ اس اون کو پانی میں چھوڑ کر آپ باہر نکل آتی ہے۔ اور پسو پانی میں ڈوب جاتے ہیں۔

لومڑی کی ایک عجیب حکایت یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک بھیڑیئے نے اس کے بچے کھا لئے اور اس بھیڑیئے کے بھی چند بچے تھے اور وہاں ایک گڑھا تھا۔ لومڑی اس میں گھس گئی۔ اور اس کو نیچے سے ایک ایسی سرنگ لگائی۔ کہ جس سے باہر نکل سکے۔ اس کے بعد بھیڑیئے کے بچوں کو مار کر اس کے انتظار میں ایک کونے میں بیٹھ رہی۔ جب بھیڑیا آیا۔ اور اس نے معلوم کر لیا کہ لومڑی ہی نے اس کے بچوں کو مار ڈالا ہے۔ تو یہ اس کے سامنے سے بھاگ نکلی۔ وہ اس کے پیچھے دوڑا۔ یہ اس گڑھے میں کود پڑی اور سرنگ کی راہ سے باہر نکل گئی۔ بھیڑیا بھی اس میں کود پڑا۔ مگر لومڑی کو اس میں نہ پایا اور نہ وہاں سے باہر نکل سکا۔ گرد نواح کے لوگ آئے اور انہوں نے اسے مار ڈالا +

لومڑی کی ایک اور عجیب حکایت بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک آدمی کے پاس دو مرغیاں تھیں لومڑی کسی جگہ میں چھپ رہی اور موقع پا اُن میں سے جھٹ ایک مرغی پکڑ کر بھاگ گئی۔ اور دوسری کے پکڑنے کی فکر میں ہوئی اور یہ حیلہ کیا پرندے کے مشابہ کوئی چیز منہ میں لیکر مرغی والے کو دور سے دکھائی دی۔ اور اسے یہ لالچ دیا۔ کہ وہ پہلی مرغی کو اس سے واپس کر سکیگا۔ کہ اس چیز کو چھوڑ کر خود بھاگ گئی مرغی والے نے سمجھا کہ میری مرغی کو چھوڑ کر بھاگ گئی ہے۔ وہ جھٹ اس کی طرف دوڑا۔ لومڑی نے دوسرے رستے سے آکر دوسری مرغی بھی پکڑ لی اور بھاگ گئی +

لومڑی کی ایک اور عجیب حکایت مذکور ہے۔ کہ وہ ایک ایسے جزیرے میں پہنچی جس میں بہت سے پرندے تھے تو اُن کے پکڑنے کے لئے کئی حیلے کئے۔ مگر کامیاب نہ ہوئی۔ آخر یہ تدبیر کی۔ کہ گھاس کا ایک گٹھا بنایا اور پانی کے بہاؤ میں اُسے چھوڑ دیا کہ وہ پرندوں کے پاس جاکر رکے جب وہ گٹھا پرندوں کے پاس پہنچا۔ تو پہلے تو پرندے گھبرائے لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ گھاس کا گٹھا

سے ۔ تب بے خطر ہو کر پھر اپنے منہ کو نیچے پر لے گئے۔ لومڑی نے تین چار مرتبہ اسی طرح کیا۔ یہاں تک
کہ سب پرندے خوب سمجھ گئے کہ بانی ہیں جو چیز ہمارے پاس سے گزرتی ہے وہ گھاس کا گٹھا ہوتا ہے
تو لومڑی نے ایک بہت بڑا گٹھا بنایا۔ اور خود اس میں چھپ کر بیٹھ گئی اور تیرتی ہوئی پرندوں تک
جا پہنچی۔ پرندوں نے یہی سمجھا کہ یہ گھاس کا گٹھا ہے وہ اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہ ہوئے۔ لومڑی
نے جھپٹ کر ایک پرندے کو پکڑ لیا ۔

اور بھیڑیے کی ایک بات۔ سب حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک بھیڑیے نے ایک آدمی پر
حملہ کیا۔ ہاتھ جا گرا اس کے پاس تیر کمان وغیرہ کچھ نہ تھا۔ اور اونٹ کے سر کی ہڈی پڑی تھی اٹھا کر اپنے
منہ میں بٹھا لیا اور اس آدمی کی طرف آہستہ بڑھا اور وہ آدمی اس پر تیر چلانے لگا۔ مگر وہ جو تیر چلاتا
بھیڑیا ڈھال کی طرح اس ہڈی کو آگے کر کے اس سے بچ جاتا۔ یہاں تک کہ اس آدمی کے تیر ختم ہو گئے
اور وہ تنگ آ گیا۔ اتفاق سے وہاں دوسرا آدمی آ نکلا۔ جس نے بھیڑیے کو دھتکارا اور اس کی مدد
سے وہ بچ گیا ورنہ بھیڑیا اس کو پھاڑ ڈالتا ۔

بندروں کا ایک عجیب قصہ ہے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں عمرو بن میمون اودی
کی روایت سے ذکر کیا ہے۔ عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانہ میں میں نے دیکھا۔ کہ
ایک بندر اور بندریا نے زنا کیا۔ تو چند بندروں نے جمع ہو کر ان دونو کو سنگسار کیا۔ یہاں
تک کہ وہ دونو مر گئے۔ دیکھو بندر جیسے جانور تو حدود الٰہی کو قائم رکھیں اور بنی آدم ان کی پروا
نہ کرے۔ نہایت افسوس کا مقام ہے ۔

بیل کی بیوقوفی ایسی مشہور ہے کہ وہ ضرب المثل ہو گئی ہے۔ مگر اس کی نسبت رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ایک شخص گائے کو ہانکے لے جا رہا تھا۔ کہ وہ اس پر سوار ہو گیا
گائے بولی کہ خالق نے مجھے سواری کے لئے نہیں پیدا کیا۔ لوگوں نے آنحضرت سے یہ خبر سن کر
کہا۔ سبحان اللہ۔ گائے بھی باتیں کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں اس بات کو مانتا ہوں۔ اور ابو بکرؓ
اور عمرؓ بھی اس بات پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور یہ دونو صاحب اس وقت وہاں موجود نہ تھے ۔

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک آدمی بکریاں چرا رہا تھا۔ اچانک بھیڑیے نے اس کی
ایک بکری پر حملہ کیا۔ اس نے وہ بکری فوراً بھیڑیے سے چھڑا لی۔ بھیڑیا بولا آج تو اس بکری کو تو
نے مجھ سے چھڑا لیا۔ یہ بتلاؤ کہ درندوں کی کثرت کے وقت جب ہم ہی ان کے گڈریے ہونگے
ان کو کون چھڑائیگا۔ لوگوں نے کہا سبحان اللہ۔ بھیڑیا بھی باتیں کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میرا

ابوہریرہؓ اور عمرؓ کا تو اس پر ایمان ہے۔ اور اُس وقت یہ دونو صاحب وہاں موجود نہ تھے ؁

گدھے کو سب سے زیادہ بیوقوف شمار کرتے ہیں مگر اُس کی سوجھ بوجھ۔ کہ اگر اُسی آبر کو کسی کوس کے فاصلے سے اندھیری رات میں اپنے گھر کو لے آئیں تو وہ اُس جگہ اور راستے کو پہچان جاتا ہے۔ اور اگر اُسے باہر چھوڑ دیا جائے تو پھر سیدھا گھر کو چلا آتا ہے۔ اور جیلا بلی اور کتے کی آوازیں تمیز کرتا ہے ؁

چوہوں کی سوجھ دیکھو۔ کہ جب برتن میں تیل وغیرہ ہوتا ہے۔ اور ان کا منہ تنگ ہوتا ہے۔ اور کم ہو جانے کی وجہ سے وہ نیچے اتر جاتا ہے اور وہاں تک اُن کا منہ نہیں پہنچ سکتا ہے۔ تو کیا کرتے ہیں کہ اپنے دہنوں میں پانی لا کر اُس برتن میں ڈال دیتے ہیں۔ کہ تیل اوپر آجائے اور وہ اُسے پی لیں ؁

طبیبوں کا قول ہے کہ حقنے اور پچکاری کا عمل ایک لمبی چونچ والے پرندے کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ دانشمند نے اس سے اس طرح سیکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ پیٹ پھولنے سے اُسے تکلیف محسوس ہوئی۔ تو اُس نے دریائے شور کے کنارے پر آکر اپنی چونچ میں پانی لیا۔ اور اُس سے حقنہ کیا۔ تو اُسے آرام آئی ؁

لومڑی کی یہ عادت ہے کہ جب بہت بھوکی ہو تو اپنی آنکھیں پھیلا کر جنگل میں مُردے کی طرح پڑ رہتی ہے دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ مری پڑی ہے۔ ۔ ۔ دیکھ کر اُس کے آس پاس آ بیٹھتے ہیں۔ یہ پہلے تو کچھ ہلتی جلتی نہیں۔ بلکہ سانس بھی بند کرلیتی ہے مگر جب وہ چونچ مارتے ہیں تو جھپٹ کر پکڑ لیتی اور اُن کا کام تمام کر دیتی ہے ؁

نیولے اور جنگلی چوہے کو دیکھو کہ جب زہریلے سانپ کھا جاتے ہیں۔ تو اس پر تریاق کے طور پر شاہترہ بوٹی کو کھا لیتے ہیں ؁

لومڑی کی سوجھ غضب کی ہے جب جنگلی چوہے کو پکڑتی ہے۔ تو کانٹوں کے سبب پیٹھ کے بل اُسے اُلٹا کر دیتی ہے۔ وہ سکڑ کر اس طرح ہو جاتا ہے۔ کہ گویا کانٹوں کی ایک گیند رکھی ہے تو لومڑی کیا کرتی ہے کہ اُس کے دم سے لیکر اس کے جبڑوں تک اُس پر پیشاب کر دیتی ہے۔ پیشاب کے پڑنے سے وہ ٹھٹھر کر پھیلتا ہے۔ پس لومڑی اُس کا چمڑا اتار کر اُسے نوش کر جاتی ہے ؁

بہت سے عقلمندوں نے حیوانات سے کئی باتیں سیکھی ہیں جو معاش اخلاق صنعت حرفت اور جنگ وغیرہ میں کارآمد و مفید ہوں۔ اور اُن سے ہوشیاری اور صبر کا سبق حاصل کیا ہے۔ بلکہ

حیوانات کی سوجھ اکثر آدمیوں کی سوجھ سے بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَکْثَرَھُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ اِنْ ھُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا (یا تم خیال کرتے ہو کہ ان کافروں میں اکثر بات کو سنتے یا سمجھتے ہیں۔ یہ تو بس چوپایوں کی طرح کے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے ہیں) امام ابوجعفر باقرؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صرف چارپاؤں کے مشابہ قرار دیا ہے یہ فرمایا ہے کہ آدمی چوپاؤں سے بھی زیادہ بے سمجھ ہیں۔ ورنہ چانوروں میں یہ دستور ہے۔ کہ جب مادہ بچہ جنتی ہے تو چیونٹیوں اور کیڑوں مکوڑوں کے ڈر سے کئی روز تک وہ اسے زمین پر نہیں چھوڑتی۔ کیونکہ جب وہ بچہ جنتی ہے تو وہ گوشت کے ٹکڑے کے موافق ہوتا ہے۔ اس لئے چیونٹیوں وغیرہ کے ڈر سے جب تک وہ اچھی طرح چلنے پھرنے نہ لگے وہ اسے اٹھائے پھرتی اور ایک جگہ سے اٹھاکر دوسری جگہ لیجاتی ہے۔ پس یہ سوجھ اللہ تعالیٰ ہی نے اُسے عطا فرمائی ہے۔ ابن اعرابی نے کہا ہے کہ قریش کے ایک عمر رسیدہ شخص سے کسی نے پوچھا کہ یہ سوجھ آپ کو کس طرح حاصل ہوئی ہے۔ ایسی سوجھ کی باتیں تو اُن لوگوں کو معلوم ہوتی ہیں۔ جو بڑے تجربہ کار اور کاروبار میں مصروف رہے ہوں۔ اُس نے جواب دیا کہ مجھے اسی اللہ نے سوجھ بخشی ہے جس نے کبوتری کو بتلایا ہے کہ جب وہ اپنے انڈے سیتی ہے تو انکو اوپر نیچے اُلٹ پلٹ کرتی رہتی ہے کہ انڈے کی دونو طرف کو اُس کے بدن کی حرارت کا یکساں اثر پہنچے۔ اور ایسا نہ ہو کہ ایک رُخ پر پڑا رہنے اور طبیعت زمین کا اُسمیں اثر آجانے سے وہ خراب ہوجائے۔

ایک شخص سے کسی نے پوچھا کام پر جما رہنا اور اُس کے سرانجام میں گو کیسا ہی دشوار ہو نہایت صبر و استقلال اختیار کرنا آپنے کس سے سیکھا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ گوبر کے کیڑے سے دیکھو جب وہ دیوار پر چڑھتا ہے تو نیچے گرجاتا ہے۔ مگر ہمت نہیں ہارتا۔ دوبارہ چڑھنے لگتا ہے پھر گرجاتا ہے پھر چڑھتا اور گرتا اور کئی بار اسی طرح کرتا ہے یہاں تک کہ کامیاب ہوجاتا ہے۔ ایک اور شخص سے کسی نے پوچھا کہ تمہاری یہ عادت ہے کہ تم ہمیشہ سویرے سویرے اپنے کام کو چلے جاتے ہو یہ عادت تم نے کس سے سیکھی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ پرندوں سے دیکھو وہ علی الصباح خالی پیٹ اپنی خوراک کی تلاش میں نزدیک و دور نکل جاتے ہیں ہمیشہ ان کا یہی دستور ہے وہ نہ اس سے گھبراتے اور نہ یہ خوف کرتے ہیں کہ جو یا زمین میں کہیں کسی مخالف کا سامنا ہو۔

کسی اور شخص سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو یہ عادت کیسے حاصل ہوئی ہے کہ پہلے تو آپ نہایت سکون اور وقار سے بیٹھے رہتے اور ایسا معلوم کراتے ہیں۔ کہ گویا آپ میں حس و حرکت ہی نہیں۔ مگر جب

تمام وقت پاتا ہے تو اُسے اُچھلتے ہوئے جنگلی بیر پر شکار کر لیتا۔ گھسیٹ کر تا ہے اور اس طرح اپنے مطلب میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ میں نے یہ عادت بلی سے سیکھی ہے۔ دیکھو کہ وہ چوہے کے بل پر چوطرفہ ناک لگائے رہتی اور ایسی چپ چاپ بیٹھی رہتی ہے۔ کہ گویا اُسے سانس بھی نہیں آتی۔ بلکہ سانس بھی بند کر بیٹھی اور ایسی معلوم ہوتی ہے کہ جیسے پڑی ہے۔ اور جب کوئی چوہا نکلتا ہے تو شیر کی طرح کود کر اس پر جھپٹ پڑتی ہے۔

ایک اور شخص سے کسی نے پوچھا کہ صبر۔ برداشت۔ بُردباری اور تکالیف کو برداشت کرنا یہ باتیں آپ نے کس سے سیکھی ہیں۔ اُس نے جواب دیا اونٹ سے کہ وہ بھاری بھاری بوجھ اُٹھا کے چلتا۔ تکان بیماری بھوک پیاس وغیرہ طرح طرح کی تکالیف سہتا ہے۔ ادھر پیٹھ پر بوجھ لدا ہے اور اُدھر بھوک۔ پیاس۔ تکان اور کئی طرح کی تکالیفیں اُس پر سوار ہیں۔ مگر کیا مجال کہ صبر سے منہ پھیر جائے۔

اور ایک شخص سے کسی نے پوچھا۔ کہ سخاوت۔ مروّت اور دوسرے کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم رکھنا آپ نے کس سے سیکھا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ یہ باتیں میں نے مرغ سے سیکھی ہیں۔ دیکھو کہ جب اُسے کوئی دانہ ملتا ہے۔ اور وہ خود اُس کا محتاج بھی ہوتا ہے۔ مگر وہ اُسے نہیں کھاتا۔ بلکہ مرغیوں کو بلاتا اور زور سے اُن کو پکارتا ہے۔ اور جب کوئی مرغی آ جاتی ہے۔ تو خوش ہو کر طیب خاطر سے وہ دانہ اُس کو کھلا دیتا ہے۔ اور اگر بہت سے دانے اُس کے سامنے رکھے جائیں تو اگرچہ کوئی مرغی اُس کے پاس موجود نہ ہو مگر اُن کو اِدھر اُدھر بکھیر دیتا ہے۔ کیونکہ اُس کی طبیعت سخاوت۔ اور ایثار کی عادی ہو رہی ہے۔ اکیلے اپنا پیٹ بھرنے کو وہ خسّت اور خلاف مروّت سمجھتا ہے۔

ایک اور شخص سے کسی نے پوچھا۔ کہ روزی کمانے اور اُس کے حاصل کرنے کے ذرائع بہم پہنچانے میں یہ تدابیر آپ نے کس سے سیکھی ہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ یہ تدبیریں اور حیلے میں نے لومڑی سے سیکھے ہیں۔ وہ ایسی ایسی تدبیریں اور حیلے کرتی ہے جو بڑے بڑے عقلمندوں سے نہیں ہو سکتے اور وہ اس قدر حیلے کرتی ہے۔ کہ اُن سب کا بیان کرنا دشوار ہے۔

شیر کو اللہ نے یہ سوجھ عطا فرمائی ہے۔ کہ جب اُسے اندیشہ ہو کہ کوئی اُس کا پیچھا کریگا۔ تو وہ دم سے اپنے پاؤں کے کھوج کو مٹاتا چلا جاتا ہے۔ اور اُسے یہ بھی سوجھ دی ہے۔ کہ بچے کے پیدا ہونے کے بعد تیسرے روز اُس کے نتھنوں میں اپنا سانس پہنچاتا ہے۔ جب مادہ اُسے جنتی ہے تو وہ بالکل بے جان سا پلا ہوتا ہے۔ اُس کے باپ کے آنے تک مادہ اُس کی حفاظت کرتی ہے۔ جب شیر آتا

ہے تو وہ اس کے قصور معاف نہیں کیا جاتا ہے۔ و شریف اور شاہ شیر جن کا یہ دستور ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے
ہاتھ سے شکار کر کے کھاتے ہیں۔ وہ دوسرے جانور کے مارے ہوئے شکار کو کیسے ہی بھوکے ہوں
ہرگز نہیں چھوتے۔ شیر کو یہ بھی سوجھ دی ہے کہ اگر کہیں اتفاق سے کوئی شیر اور شیرنی اکٹھے ہو جاتیں۔ تو
وہ بھری سلامی اتارتا اور اس کے سامنے اپنی اطاعت کا اظہار کرتا ہے۔ اور جب کوئی جانور اس کی
نافرمانی کرے تو وہ شیر کو بلا بھیجتا ہے۔ تو وہ اس طرح حاضر ہو جاتا ہے جس طرح کوئی غلام اپنے مالک
کے بلانے پر حاضر ہو جاتا ہے۔ تو اسے اپنے سامنے بیٹھنے کا حکم دیتا ہے اور اس
کے بعد اس کے کانوں میں پیشاب کر دیتا ہے جب درندے جانور اس بات کو دیکھتے ہیں۔ تو وہ
سب کے سب اس کے مطیع ہو جاتے ہیں +

لومڑی کی سوجھ کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ جب اسے کوئی چوٹ لگے اور بدن میں زخم ہو جائے
مرہم کے طور پر ایک گوند کو جو اسے معلوم ہے اپنے زخم پر لگاتی ہے۔ اور ریچھ بھی ایسا ہی کرتا ہے
کہ جب اسے کوئی زخم ہو جاتے تو ایک بوٹی سے (جو اس کو معلوم ہے اور بوٹیوں کی شناخت
کرنیوالے سنیاسی اسے نہیں جانتے) اپنا علاج کرتا اور فوراً اچھا ہو جاتا ہے +

اور ہتھنی کو اللہ نے یہ سوجھ دی ہے۔ کہ جب اس کی ولادت کا وقت قریب آ جاتا ہے۔
تو وہ کسی پانی پر آ جاتی اور اس کے اندر بچہ جنتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ دوسرے حیوانات
تو بیٹھ کر بچہ جنتے ہیں اور یہ اس لئے کھڑے ہو کر بچہ جنتی ہے۔ کہ اس کے اعضا کی بناوٹ
اور حیوانات کے اعضا سے جدا ہے پس اس اندیشے سے کہ بچہ زمین پر گرنے سے زخمی نہ ہو ایک
مناسب مقدار پانی میں آ کر بچہ جنتی ہے۔ جو اس کے لئے نرم بستر اور ملائم فرش کے قائم مقام ہو جاتا
ہے +

اور مکھی کو یہ سوجھ دی ہے کہ جب وہ کسی سیال چیز میں گرتی ہے۔ تو اس پر کے فیصلے سے
اپنا بچاؤ کرتی ہے جس میں زہر کا اثر ہے +

کتے کو یہ سوجھ دی ہے۔ کہ جب وہ ہرنیوں کو دیکھتا ہے۔ تو دیکھتے ہی معلوم کر لیتا ہے کہ
کونسی ان میں بیمار اور کونسی تندرست اور کونسے نر اور کونسی مادہ ہیں۔ پھر باوجودیکہ جانتا ہے۔
کہ نر بڑی بڑی چھلانگیں مارتا اور تیز دوڑتا ہے۔ اور مادہ ایسی نہیں دوڑ سکتی۔ مگر مادہ کو چھوڑ کر نر کے
پیچھے دوڑتا ہے۔ اس کا یہ سبب ہے کہ کتے کو معلوم ہے کہ جب نر دو ایک چوکڑیاں دوڑ چکیگا
تو اس کا مثانہ پیشاب سے بھر جائیگا۔ تمام حیوانات میں یہی دستور ہے کہ جب انہیں گھبراہٹ ہو۔ تو

اُن کا مثانہ پیشاب سے جلد بھر جاتا ہے۔ اور چونکہ زیادہ ڈر ہوئے بغیر پیشاب نہیں کرسکتا۔ اِس لئے پیشاب کی رُکاوٹ اُسے نہایت تنگ کرتی ہے اور دشمن کے خوف سے بھاگتے ہوئے ٹھہرتا نہیں۔ تو دوڑنے میں کمزور ہو جاتا اور اِس طرح کُتّا اُسے پکڑ لیتا ہے۔ اور مادہ کے پیشاب کا راستہ چونکہ فراخ ہوتا ہے۔ اِسلئے وہ برابر دَوڑتی جاتی اور پیشاب بھی کرتی جاتی ہے۔ اِس سے اُس کی رفتار میں کمی نہیں آتی ٭

کُتّے کو یہ بھی سوجھ بخشی ہے کہ جب برف پڑتی ہے تو ایسی جگہ کو تلاش کرتا ہے جہاں برف کے ٹکڑے پگھلے ہوئے اور رقیق ہوں۔ جہاں ایسی جگہ دیکھتا ہے تو معلوم کر لیتا ہے کہ اس کے نیچے خرگوش کا بل ہے۔ پس اُس برف کو ہٹا کر خرگوش کو پکڑ لیتا ہے۔ یہ نشانی اور علامت اس قیاس سے اس نے ٹھہرائی ہے جہاں خرگوش ہوگا۔ تو اُس کے سانس کی حرارت سے برف کے ٹکڑے رقیق اور پگھلے ہوئے ہونگے ٭

بھیڑیے کو یہ سوجھ دی ہے کہ جب وہ سوتا ہے تو ایک آنکھ سے سوتا ہے۔ اور دوسری آنکھ کھلی رکھتا ہے۔ چنانچہ عرب کے ایک شاعر نے اس مضمون کو بیان کیا ہے ؎

يَنَامُ بِاِحْدٰى مُقْلَتَيْهِ وَ يَتَّقِىْ
بِاُخْرَى الْمَنَايَا فَهُوَ يَقْظَانُ نَائِمٌ

(ایک آنکھ سے سوتا ہے اور دوسرے کے ذریعے (اسباب) موت سے بچتا ہے۔ تو وہ جاگنے اور سونے دونوں صفتوں کے ساتھ موصوف ہے) ٭

چڑیا کو یہ سوجھ بخشی ہے کہ جب اُس کا بچہ زمین پر گر جاتا ہے۔ تو وہ شور و غل مچاتی ہے اُس کی آواز سُنکر آس پاس کی سب چڑیاں جمع ہو جاتی اور بچے کے ارد گرد اُڑنے لگتی ہیں اور اُسے اپنے ان افعال سے اُڑنا سکھلاتی اور اُس کی طبیعت میں قوت۔ ہمت اور جوش پیدا کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اُن کے ساتھ اُڑنے لگتا ہے۔ ایک شکاری کا قول ہے کہ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ مَیں نے چڑیا کو دیوار پر بیٹھے دیکھ کر اپنے ہاتھ سے اِس طرح اشارہ کیا۔ کہ گویا مَیں اُس کی طرف تیر پھینکتا یا پتھر ڈالتا ہوں۔ مگر وہ اِس طرح کرنے سے اپنی جگہ پر بیٹھی رہی اور کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ میں زمین کیطرف جھکا کہ گویا میں اُس کے مارنے کے لئے کوئی چیز پکڑتا ہوں مگر وہ ذرا نہ ہلی۔ اور اگر چھوٹے سے سنگریزے یا گٹھلی کو ہاتھ سے چھوا اور اُسے اچھی طرح پکڑا بھی نہیں تو جھٹ اُڑ گئی ٭

کبوتر کو وہ سوجھ بخشی ہے جسکی نسبت پہلے بیان ہو چکا ہے مگر یہاں اتنا اور زیادہ بیان کر دیتے ہیں۔ کہ جب کبوتر کبوتری سے خوشی کرنی چاہتا ہے تو وہ اُسے بلاتا ہے۔ مگر وہ کسی قدر اُس کے آگے سے اس لئے بھاگتی ہے کہ جو وصال طالب کے بعد حاصل ہو۔ اُس میں زیادہ لطف اور حظ آتا ہے۔ پھر اُس کا کہنا مان جاتی ہے۔ اور دوبارہ پھر اسی طرح کرتی کہ کسی قدر رستے اپنے آپ سے ہٹاتی ہے تاکہ اُس کی طلب اور محبت زیادہ ہو۔ پھر اپنے پروں کو نیچے چھوڑ کر ناز و انداز سے چلتی اور آہستہ آہستہ اپنے حسن کے کرشمے دکھلاتی ہے۔ اس کے بعد اُن دونوں کے درمیان وہ محبت آمیز باتیں اور بوس وکنار ہوتا ہے جو اکثر کبوتروں کے دیکھنے والوں نے مشاہدہ کیا ہوگا۔ وہ کبوتر جو خط لیجاتے اور چٹھیاں لیکر اترتے کو چلتے ہیں۔ اگر کہیں رستہ بھول جائیں تو سورج کے طلوع و غروب۔ ندیوں۔ نالوں۔ پہاڑوں۔ پانی کے بہاؤ اور ہوا کی رفتار سے رستے کا پتہ لگاتے ہیں۔ اور جب راستہ معلوم ہو جاتا ہے۔ تو ہوا کی طرح اڑ کر منزل مقصود پر پہونچ جاتے ہیں ✽

ایک قسم کی مکڑی ہے۔ اس کو یہ سوجھ بخشی ہے کہ جب اُسے بھوک لگتی ہے تو زمین سے چمٹ جاتی اور دبک کر اس طرح بیٹھ رہتی ہے کہ مکھیوں کو معلوم ہو کہ اُسے اُنکی طرف مطلقاً خیال نہیں۔ مگر جب مکھی پاس آئی تو یہ جھٹ شیر کی طرح اچھلی اور اُسے دبوچ لیا۔ اور مکڑی کو یہ بھی سوجھ دی ہے کہ وہ کس عمدگی سے اپنا جال بنتی اور اُس کے اوپر چند ایسے تار لگاتی ہے کہ خود اُسکے ساتھ لٹکی رہتی اور جب مکھیاں جال میں پھنس جائیں تو یہ نیچے اُتر کر اُن کو شکار کر لیتی ہے ✽

ہرنی کو یہ سوجھ دی ہے۔ کہ جب وہ اپنے کھوہ میں بیٹھنے لگتی ہے۔ تو پہلے اُسے دیکھ بھال لیتی ہے کہ کہیں اُس میں ایسی چیز نہ ہو جو اُس کو یا اُس کے بچے کو ایذا دے ✽

بلی کو یہ سوجھ دی ہے کہ جب وہ چھت میں چوہے کو دیکھتی ہے۔ تو اپنے سر سے اس طرح اشارہ کرتی ہے کہ گویا وہ واپس جاتی ہے۔ پھر اس طرح اشارہ کرتی ہے کہ گویا لوٹ آتی ہے اس طرح کرنے سے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ چوہا بیہوش ہو کر پھسل جائے۔ اور نیچے گر پڑے ✽

اور جنگلی چوہے کو یہ سوجھ دی ہے کہ وہ اپنا بل ندی یا نالے کے کنارے پر ایسی اونچی اور مناسب جگہ بناتا ہے۔ کہ پانی اور چلنے والوں کے گھروں سے محفوظ رہے۔ اور اُسے نہایت

گھر اگر ہوتے ہیں۔ کہ متعدد گوشوں کی طرف کئی ایک راستے بناتا اور اُن رستوں کو مٹی کی بنا سے بالکل بند کر دیتا ہے تا اگر کوئی خطرہ پیش آئے۔ تو جس راستہ سے چاہے جلدی سے اُسے کھول کر باہر نکل جائے۔ اور چونکہ اس کا حافظہ اچھا نہیں ہوتا۔ اس لئے اپنا بل کسی ٹیلے یا چٹان کے پاس بناتا ہے کہ اگر کہیں بھول جائے تو اس نشانی سے اپنے گھر کو ڈھونڈھ لے ؛

اور چیتے کو یہ دیکھو کہ جب وہ فربہ موٹا ہو جاتا اور فربہی کی وجہ سے اُسے چلنا پھرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ تو کسی غار یا کھوہ میں چھپ کر بیٹھ رہتا اور باہر نہیں نکلتا۔ یہاں تک کہ جب غذا کے نہ کھانے سے وہ فربہی جلی جاتی ہے تب باہر نکلتا ہے ؛

اور بارہ سنگھے کو یہ سمجھ دی ہے۔ کہ جب اُس کا سینگ ٹوٹ جاتا ہے تو وہ چھپ چھپا کر گذارہ کرتا اور زیادہ دوڑ دھوپ نہیں کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے۔ کہ میرا ہتھیار جاتا رہا ہے۔ دوڑ دھوپ کم کرنے سے وہ خوب موٹا تازہ ہو جاتا اور اُس کا سینگ برابر ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد دھوپ اور ہوا میں بیٹھتا اور دوڑ دھوپ کی ورزش کو بڑھا دیتا ہے۔ کہ وہ موٹاپن جو دوڑنے سے مانع ہے جاتا رہے اور بدن چست و چالاک ہو جائے۔ کہ ضرورت کے وقت خوب دوڑ سکے ؛

حیوانات کی سوجھ کے متعلق کہاں تک بیان کیا جائے۔ اس باب میں نہایت وسعت ہے اور اس کی نسبت اللہ سبحانہٗ کا یہ قول کافی ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ مَنْ يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (اور جتنے حیوانات زمین میں (چلتے پھرتے) ہیں اور جتنے پرند اپنے دو پروں پر اُڑتے پھرتے ہیں۔ یہ سب بھی تم لوگوں کی طرح کی مخلوقات ہیں۔ لوح محفوظ میں (سب لکھے ہوئے موجود ہیں) ہم نے (لکھنے) سے کوئی چیز فروگذاشت نہیں کی پھر (قیامت کے دن سب کے سب) اپنے پروردگار کے حضور میں لا حاضر کے جائینگے اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں (اُن کی مثال ایسی ہے جیسے اندھیروں میں بہرے اور گونگے ہوتے ہیں۔ خدا جسے چاہے اُسے گمراہ کر دے اور جسے چاہے اُسے راہ راست پر لگا دے) اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اگر کتے منجملہ مخلوقات الٰہی کے ایک مخلوق نہ . . . . .

ہوتا تو ہیں اُسکو مار ڈالنے کا حکم دیتا۔ اس حدیث کا مطلب دو طرح پر ہو سکتا ہے۔ اول یہ کہ
آپ نے ایک ناممکن امر سے خبر دی ہو۔ یعنی کتے ایک ایسی مخلوق ہے۔ جو روئے زمین پر کثرت سے موجود
ہے۔ اور اسکو بالکل معدوم کر دینا ایک ناممکن امر ہے۔ اور اگر اُنکو معدوم کر دینا ممکن ہوتا تو میں اُن
سکے مار ڈالنے کا حکم دیتا۔ پس چونکہ انکا معدوم کرنا ممکن نہیں۔ اسلئے میں انکے مار ڈالنے کا حکم نہیں دیا۔
دوم یہ کہ یہ کلام اُس کلام کے مطابق ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر سے فرمایا کہ تو نے ایک چیونٹی کے
کاٹ لینے کے سبب میری ایک ایسی مخلوق کو جلا دیا ہے۔ جو میری تسبیح کیا کرتی تھی۔ یعنی کتے
بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ جو اُس نے کسی حکمت و مصلحت کے لئے بنائی
ہے۔ پس اُسکو فنا کرنا اللہ کی اُس حکمت و مصلحت کے خلاف ہے۔ جسکے لئے یہ پیدا کی گئی ہے۔ واللہ اعلم آپ نے کیا۔ اور کہا

اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ کی تفسیر میں بروایت عطا ابن عباس نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ
کا یہ مطلب ہے کہ یہ تمام جانور میری معرفت اور توحید کے قائل اور میری تسبیح و تحمید کرتے ہیں۔
چنانچہ ایک اور مقام میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ
(اور جتنی چیزیں ہیں سب اُس کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح و تقدیس کر رہی ہیں) اور فرمایا ہے اَلَمْ
تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ کُلٌّ
قَدْ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسْبِیْحَہٗ (اے مخاطب) کیا تو نے (اس بات پر) نظر نہیں کی۔ کہ
جتنی مخلوقات آسمان اور زمین میں ہے (سب) اللہ کی تسبیح (و تقدیس) کرتے رہتے ہیں اور پرند
(بھی جو) پر پھیلائے (اُڑتے) پھرتے ہیں سب کو اپنی (اپنی) نماز اور اپنی (اپنی) تسبیح (کا طریق
معلوم ہے)۔

اور اللہ تعالےٰ کا قول اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ
فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ (اے
مخاطب) کیا تو نے (اس بات پر) نظر نہیں کی کہ جو (مخلوق) آسمان میں ہے اور جو (مخلوق) زمین
میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چار پائے (سب ہی تو) خدا
کے آگے سرنگوں ہیں)۔

اور اللہ تعالےٰ کا قول وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ
دَآبَّۃٍ (اور جتنی چیزیں آسمانوں میں اور جتنی زمین میں اور جتنے جاندار سب اللہ کے آگے سربسجود ہیں) اور
یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَہٗ وَالطَّیْرَ (پہاڑو تسبیح و تلاوت میں داؤد کے ساتھ انکے ہم آواز ہو جاؤ اور

ایسا ہی حکم پرندوں کو بھی دیا۔ اور وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ (اور تیرے پیغمبر تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی) اور قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰاَیُّهَا النَّمْلُ (ایک چیونٹی نے کہا کہ چیونٹیو!) اور عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ (ہم کو خدا کی طرف سے پرندوں (جانوروں) کی بولی سکھائی گئی ہے) یہ سب اس مطلب پر دلالت کرتے ہیں ۔

اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ کی تفسیر میں مجاہد نے کہا ہے کہ یہ مخلوقات ہیں۔ کہ الگ الگ اقسام ہیں جو تمہاری طرح اپنے اپنے نام سے معروف ہیں۔ زجاج نے کہا ہے کہ تمہاری طرح ان کا بھی حشر ونشر ہوگا۔ ابن قتیبہ کا قول ہے۔ کہ یہ بھی تمہاری طرح اپنا رزق (اور روزی) تلاش کرتے اور خطرے کی چیزوں سے بچتے ہیں ۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ روئے زمین پر جتنے آدمی ہیں ہر ایک میں بہائم کی کوئی نہ کوئی صفت پائی جاتی ہے بعض تو شیر کی طرح بہادر ہوتے ہیں۔ اور بعض بھیڑیئے کی طرح تیز رفتار اور بعض کتے کی طرح بھونکتے اور بعض مور کی طرح ناچتے اور بعضے اس بات میں خنزیر سے مشابہ ہوتے ہیں۔ کہ اگر اس کے سامنے اچھا کھانا رکھا جائے تو اس سے نفرت کرتا اور جب آدمی کا پاخانہ دیکھتا ہے تو اسے چاٹنے لگتا ہے۔ بعض آدمی بھی اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ کہ اگر پچاس عمدہ باتیں سنیں۔ تو ان میں سے ایک بھی ان کے گلے سے نیچے نہ اترے۔ اور نہ کسی کو یاد رکھیں۔ اور اگر کوئی آدمی ایک جھوٹی بات سنا دے۔ تو اس سے ان کا دل ٹھنڈا ہو جائے اور اسے خوب محفوظ رکھیں ۔

خطابی کہتے ہیں کہ سفیان نے اس آیت کے یہ بہت عمدہ معنے کئے اور اس سے یہ عجیب نکتہ نکالا ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب کلام کے ظاہری معنے نہ بن سکیں تو ضرور باطنی معنے لئے جاتے ہیں۔ اور یہاں بھی ظاہری معنے صحیح نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالے نے انسان اور پرندوں۔ چارپاؤں وغیرہ کے درمیان مماثلت کو بیان فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ انسان اور دوسرے حیوانات کی خلقت اور صورت میں کوئی مماثلت نہیں۔ اور نہ انسان کی صفت نطق اور علم کے لحاظ سے ان میں کوئی مماثلت ہے۔ تو ضرور ہوا کہ عادات و اخلاق میں مماثلت مراد ہو جب یہ بات معلوم ہوگئی۔ تو اب یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ انسان جن لوگوں کے ساتھ معاشرت اور زندگی بسر کرتا ہے وہ بلحاظ اخلاق چارپاؤں اور درندوں سے مشابہ ہیں۔ تو ان سے ایسا ہی سمجھ کر ان سے برکنار رہے جیسا ان سے بچ کر رہتا ہے۔ انتہی کلامہ ۔

اللہ سبحانہ نے بعض جانور تو ایسے بنائے ہیں جو اپنی خوراک کمانے میں بڑے محنتی اور حیلہ ساز
ہیں اور بعض ایسے بنائے ہیں جو متوکل اور حیلوں سے ناواقف ہیں۔ اور بعض حشرات الارض
سال بھر کے لئے اپنی خوراک جمع کر رکھتے ہیں اور بعضے جانور اس بات پر متوکل رہتے ہیں۔ کہ
اُن کو ہر روز بقدر کفایت مقررہ روزی پہنچاتی ہے۔ اور بعضے ذخیرہ کر رکھتے ہیں۔ اور بعضے
مطلقاً روزی کمانا نہیں جانتے۔ بعضے اپنے بچوں کی خبرگیری کرتے اور بعضے ان کو پہچانتے
تک نہیں۔ ان میں بعضی مادہ بھی ایسی ہیں۔ جو اپنی صرف اولاد کی کفالت و تربیت کرتی ہیں۔
اور بعضی ایسی ہیں کہ بچہ جن کر اسے چھوڑ دیتی اور دوسری کے بچوں کو پالتی ہیں۔ اور بعضی ایسی
ہیں کہ جب بچہ خود بخود کھانے پینے لگے۔ تو پھر اُسے شناخت بھی نہیں کرتیں۔ اور بعض ہمیشہ
اپنے بچے کو پہچانتی اور اس سے پیار کرتی رہتی ہیں +

اور اللہ تعالے نے بعض حیوانات ایسے بنائے ہیں۔ کہ اُن میں ماں کے نہ ہونے
سے بچے یتیم و بیکس ہوجاتے ہیں۔ اور بعض میں باپ کے نہ ہونے سے اور بعض سرے سے اولاد
کے خواہشمند ہی نہیں ہوتے۔ اور بعض اولاد کی طلب میں پورے کوشاں ہوتے ہیں اور بعضے
احسان کو پہچانتے اور اس کے شکرگذار ہوتے ہیں۔ اور بعضے اس بات کو نہیں سمجھتے
اور بعضے اپنی ضرورت پر دوسرے کی ضرورت کو مقدم سمجھتے اور ایثار شعار ہوتے ہیں۔ اور
بعضے ایسے بھی ہیں۔ کہ جب انہیں اس قدر بھی خوراک ملجائے جو اُن کے ساتھ والے تمام ابنائے
جنس کو کافی ہو۔ مگر کسی کو پاس نہیں پھٹکنے دیتے۔ اور بعضے اپنی مادہ سے جفتی کرنے کے بڑے
خواہاں اور اکثر وہ اس کام میں مصروف رہتے ہیں اور بعضے سال میں صرف ایک دفعہ کرتے
ہیں اور بعضے صرف اپنے جوڑے سے جفتی کرتے ہیں اور بعضوں کا کوئی جوڑا نہیں ہوتا وہ ماں بہن خواہ کوئی مادہ ہو
اس سے جفت ہوجاتے ہیں بعض مادہ بھی ایسی ہیں جو صرف اپنے جوڑے سے ملتی ہیں اور بعض ایسی ہیں جو جاہے اُنسے
جفت کرے کسی کو نہیں روکتیں بعضے جانوروں کو آدمیوں سے الفت و پیار ہوتا ہے اور بعضے بہت نفرت کرتے اور انکو دیکھکر بھاگ جاتے ہیں بعضے تو
پاک چیزیں کھاتے اور بعضوں کی خوراک گندی اور ناپاک چیزیں ہوتی ہیں۔ اور بعضے ملی
جلی پاک اور ناپاک سب چیزیں کھا لیتے ہیں۔ بعضے جانور صرف اُس شخص کو ایذا دیتے ہیں
جو اُن کو ستائے اور بعضے ایسے موذی ہیں کہ خواہ اُن کو کوئی نہ ستائے مگر وہ ہر ایک کو ایذا
دیتے ہیں اور بعضے ایسے کینہ ور ہوتے ہیں کہ اگر ان کو کوئی ستائے تو اُس کو کبھی نہیں بھولتے۔
(اور موقع ملنے پر اپنا ارمان نکال لیتے ہیں) اور بعضے بھول جاتے ہیں۔ اور بعضے نہایت بردبار

ہوتے ہیں کہ انکو غصہ نہیں آتا۔ اور بعضے نہایت غصہ ناک ہوتے ہیں۔ اگر بگڑ جائیں تو بہت مشکل
سے راضی ہوتے ہیں۔ اور بعضوں کو کوئی ایسی دقیق امور کا علم بسرعت حاصل ہوتے ہیں۔ اکثر انسان
بھی بے خبر ہیں۔ اور بعض کو ایسی باتوں کی کوئی خبر نہیں۔ اور بعضے برا کام قبیح سمجھتے اور اس سے
متنفر رہتے ہیں۔ اور بعضوں کے نزدیک اچھا اور برا یکساں ہے۔ بعضے سکھانے سے
جلدی سیکھ جاتے اور بعضے دیر سے سیکھتے ہیں۔ اور بعض بالکل نہیں سیکھتے۔

یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ سبحانہ کی ہستی۔ اس کی صنعت کی درستی اور اس کی عجیب تدبیر
اور لطیف حکمت کی بڑی بھاری دلیلیں ہیں۔ اللہ سبحانہ نے ان میں وہ عجائب علوم۔ دقیق
حیلے عمدہ تدبیریں سوجھائے اور انکے ارادوں میں وہ استقلال ودیعت رکھا ہے جن
کے معلوم کرنے سے بے ساختہ زبان سے اللہ کی تسبیح نکلتی ہے اور اس کی معرفت اور
حکمت و قدرت کے علم سے دل بھر جاتے ہیں۔ اور اس سے ہر ایک عقلمند یہ سمجھ سکتا ہے
کہ چیزیں بیفائدہ اور بیکار نہیں بنائی گئیں۔ اللہ سبحانہ کی ہر مخلوق میں ظاہر حکمت۔
کھلم کھلی نشانی اور قطعی دلیل موجود ہے۔ کہ وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے اور وہی
اکیلا تمام کمالات کے ساتھ موصوف ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر اور ہر ایک چیز کو
جاننے والا ہے۔

فصل۔ اب ہم اپنے اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی اس ہدایت عامہ کو بیان
کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ کی صفت۔ خالقیت کی طرح اس کی ہستی۔ اسماء و صفات اور اس
کی توحید پر دلالت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام پاک میں فرعون کے قول کو نقل فرمایا
ہے کہ اس نے یوں کہا فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى (موسیٰ! تم دونو بھائیوں کا پروردگار
کون ہے)۔ (موسیٰ علیہ السلام کا جواب) قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ
ثُمَّ هَدٰى (موسیٰ نے) کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کی (خاص
طرح کی) بناوٹ عطا فرمائی ہے۔ پھر اس کو (ان اغراض خاص کے پورا کرنے کی) راہ دکھائی
(جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے) مجاہد نے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو وہ خلقت
دی ہے جو دوسری کو نہیں دی۔ مثلاً جو خلقت انسان کو عطا فرمائی ہے وہ چارپایوں کو نہیں
دی۔ اور جو چارپایوں کو بخشی ہے وہ انسان کو نہیں دی۔ اکثر مفسرین کے اقوال کا خلاصہ یہی
ہے۔ عطیہ اور مقاتل کا قول ہے کہ ہر ایک چیز کو اس کی صورت عطا فرمائی۔ حسن اور قتادہ

کہتے ہیں کہ ہر ایک چیز کو اُس کی بہتری کے سامان دیئے یعنی اُسے وہ خلقت اور صورت بخشی جو اس کام کے لیئے مناسب و موزوں ہو جس کے لیئے وہ پیدا کی گئی ہے۔ پھر اُسے وہ باتیں سوجھائیں جن کے لیئے اُس کی خلقت ہے اور کھانے پینے مجامعت اور جفتی کرنے اور زندگی بسر کرنے کے لیئے تمام کاروبار کے مصالح اور مناسب حال رستے بتلا دیئے۔ یہی قول صحیح ہے اور جمہور مفسرین اسی کے قائل ہیں اور یہ اللہ تعالٰی کے اُس قول کے موافق ہے وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی (اور جس نے ہر ایک چیز کی غرض و غایت کا اندازہ کیا اور (اُس) کو اُسی رستہ لگا دیا) کلبی اور سدی کا قول ہے۔ کہ مرد کو عورت اور اونٹ کو اونٹنی عطا فرمائی اور اسی طرح اور حیوانات کے نر و مادہ کو جفت بنایا۔ سدی کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ ہر ایک نر کو اُس کی ہم جنس مادہ عطا فرمائی پھر اُسے اُس سے جفت ہونے کی تدبیر سوجھائی۔ ابن قتیبہ اور فراء نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ فراء نے کہا کہ مرد کو اس کی ہم جنس عورت اور بکرے کو بکری اور بیل کو گائے عطا فرمائی پھر ہر ایک نر کو یہ بات سوجھائی۔ کہ وہ اپنی مادہ سے کس طور جفتی کرے ۔

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ یہ تفسیر صحیح اور درست ہے کیونکہ ہم حیوانات میں دیکھتے ہیں۔ کہ ہر ایک نر ابتداء اس کے کہ اُس نے پہلے کسی اور نر کو اپنی مادہ سے جفتی کرتے دیکھا ہو اپنی مادہ سے جفتی کرنے لگتا ہے پس اللہ تعالٰی ہی نے اُس کے دل میں یہ بات ڈالی۔ اور یہی یہ سوجھ بخشی ہے۔ پہلا قول اس معنی کو بھی شامل ہے یعنی جب اُس کو سب مصالح سوجھا دیئے تو یہ بات بھی اس کے ضمن میں آگئی۔ میں کہتا ہوں کہ اسی قول کے اختیار کرنیوالوں نے آیت کے معنی کو بگاڑ دیا ہے۔ آیت کا مضمون اُن کے بیان سے نہایت بالاتر ہے۔ اُن کے بیان کو اس سے کوئی نسبت نہیں اور لفظ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ سے صاف ظاہر ہے۔ کہ یہ معنی ٹھیک نہیں۔ لفظ کل شیئ کو خاص کر حیوانات کے نر و مادہ پر محمول کرنا درست نہیں اور اس تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اس لفظ سے جن۔ ملائکہ اور وہ انسان جنہوں نے تمام عمر عورت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اور وہ حیوانات جو کبھی اپنی مادہ سے جفت نہیں ہوئے کیسے خارج ہوسکتے ہیں اور نہ نر کے اس فعل یعنی جفتی کرنے کو خلق کہنا صحیح ہوسکتا ہے۔ اور نہ قرآن کریم میں اس کی کوئی نظیر موجود ہے۔ بلکہ اللہ سبحانہ نے اس مضمون کو ایک اور مقام میں نہایت صریح اور صاف لفظوں میں اس طرح بیان فرمایا ہے وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی (وہی خدا دو قسم کے جاندار نر و مادہ پیدا کر دیتا ہے) پس اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ کے معنی میں غور کرنے

سے یہ بات بالکل صاف معلوم ہو جاتی ہے۔ کہ اس کو ان معنی پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ
خَلْقَہٗ کے ضحاک نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ہاتھوں کو پکڑنے - پاؤں کو چلنے۔ زبان کو بولنے
آنکھوں کو دیکھنے اور کانوں کو سننے کی قوت دی طاقت بخشی۔ یعنی ہر ایک عضو میں اس کام کی قوت
رکھدی جس کے لئے وہ مخلوق ہوا۔ اس صورت میں خلقہ کے معنی مخلوق ہوگا۔ اور یہ معنی اگرچہ
بجائے خود صحیح ہیں۔ لیکن آیت کا مضمون اس سے عام ہے۔ اور چیزوں کو بھی شامل ہے اور
پہلا ہی قول صحیح ہے یعنی یہ کہ اللہ سبحانہٗ نے ہر ایک چیز کو ایک خاص خلقت بخشی۔ جو چیز جس کام کے
لئے اسے پیدا کیا اس کی سمجھ عطا فرمائی - وہی خالق اور وہی ہادی ہے۔ اور اس کی یہ دو
صفتیں یعنی خالق اور ہادی ہونا اس کی ربوبیت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ اسلئے
موسی علیہ السلام نے فرعون کے سامنے ان کو ذکر کرکے اللہ سبحانہٗ کی ربوبیت و توحید پر استدلال
قائم کیا۔ جب فرعون نے سمجھا کہ وہ اس قطعی دلیل کو کسی طرح توڑ نہیں سکتا۔ تو اس کے جواب کو
چھوڑ کر ایک اور فضول سوال پیش کردیا یعنی کہنے لگا فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی (پچھلے
لوگوں کا کیا حال گذرا) یعنی اس کا کیا سبب ہے کہ پہلے بھی بہت سے لوگ تمہارے خدا کی
ربوبیت کے قائل نہیں ہوئے۔ اور اس کی پرستش چھوڑ کر بت پرستی کرتے رہے ہیں اگر تمہاری
بات ٹھیک ہوتی۔ تو پہلے لوگ بھی ضرور اس کے قائل ہوتے اور اسے کبھی نہ چھوڑتے۔
موسی علیہ السلام نے تو ان آثار بینہ سے اس کے سامنے استدلال پیش کیا ہے جو وہ خود
اور دوسرے تمام آدمی مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اور اس دشمن خدا نے کافروں کے کفر اور
مشرکین کی شرک کو پیش کرکے ان سے معارضہ کیا۔ ہر ایک جھگڑالو کا یہی شیوہ ہے اور فرعون
کے ہم خیال لوگوں نے حق و باطل کی تمیز و شناخت کی یہی میزان ٹھیرا رکھی ہے کہ انبیاء علیہم
السلام کے نصوص کا زنادقہ ملحدین۔ فلاسفہ۔ دہریہ۔ جادوگروں۔ مبتدعین اور گمراہ لوگوں
کے اقوال سے مقابلہ کرتے اور پھر ان کو ان کے نصوص پر ترجیح دیتے ہیں موسی علیہ السلام نے
اس کے باطل معارضہ کا کس خوبی سے جواب دیا۔ فرمایا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ
(ان کا علم میرے پروردگار کے یہاں کتاب میں لکھا ہوا موجود ہے یعنی گذشتہ لوگوں کے اعمال
اور ان کا کفر و شرک میرے پروردگار کو سب معلوم ہے اس نے ایک کتاب میں لکھ رکھا ہے اور
اس لئے نہیں لکھ رکھا کہ وہ بھول جاتا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ ان کو قیامت کے دن اس کی سزا اور
بدلہ دیگا۔ اس معنی کے بنا پر کتاب سے نامۂ اعمال مراد ہوگا۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ کتاب

سے لوح محفوظ مراد ہے اور اس بنا پر اعمال وغیرہ کے لکھنے کا مطلب یہ ہوگا - کہ اللہ سبحانہ نے تقدیر سابق میں سب کچھ لکھ دیا اور ان کے اعمال کے وقوع سے پہلے وہ ان سب امور کو جانتا ہے ❊

فصل - اللہ سبحانہ نے قرآن کریم میں اکثر جگہ خلق اور ہدایت کو اکٹھا ذکر فرمایا ہے چنانچہ اس سورۃ میں جو سب سے پہلے اپنے رسول پر نازل فرمائی ہے فرمایا ہے اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (اے پیغمبر قرآن جو تم پر وقتاً فوقتاً نازل ہوگا اس کو) اپنے پروردگار کا نام لیکر پڑھ چلو جس نے (مخلوقات کو پیدا کیا (جس نے) آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے بنایا (قرآن) پڑھ چلو اور (خدا پر بھروسہ رکھو کہ) تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے (آدمی کو) قلم کے ذریعے سے علم سکھایا - اس نے (وحی کے ذریعے سے بھی) انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اس کو معلوم نہ تھیں) ❊

اور سورہ الرحمن میں فرمایا ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (خدائے رحمن ہی نے قرآن پڑھایا اسی نے انسان کو پیدا کیا - پھر اس کو بولنا سکھایا)

اور نیز فرمایا ہے اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ (کیا ہم نے اس کو (ایک چھوڑ دو) آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دئے (بخشیں دیتے) اور اس کو (نیکی اور بدی کے) دونوں رستے بھی دکھا دئے - پھر ابھی وہ ان نعمتوں کے شکر میں گھاٹی سے ہو کر نہ نکلا) ❊

وقال تعالیٰ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (ہم نے آدمی کو مرکب نطفے سے پیدا کیا (اور غرض یہ تھی) کہ اس (کی نیکی بدی) کو آزمائیں - پھر اسی لئے ہم نے اس کو سنتا دیکھتا (مخلوق) بنایا - (پھر ہم نے) اس کو (دین کا) رستہ (بھی) دکھایا (پھر اب دو قسم کے آدمی ہیں) یا تو شکر گذار ہیں یعنی مسلمان یا ناشکر یعنی کافر) ❊

وقال تعالیٰ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ الآیات (بھلا آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا اور آسمان سے تم لوگوں کے لئے (کس نے) پانی برسایا (ہم ہی نے برسایا) پھر پانی کے ذریعے سے ہم ہی نے خوشنما باغ اگائے) آخر آیات تک ❊

اَمَّنْ یَّهْدِیْکُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (بھلا کون ہے جو تم لوگوں کو خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے) +

خلق سے وجود خارجی اور ہدایت سے وجود علمی۔ ذہنی عطا فرمانا مراد ہے۔ خلق اور ہدایت و تعلیم کا یہی مطلب ہے +

فصل مراتب ہدایت میں۔ یہ دوسرے مرتبہ یعنی ہدایت ارشاد و تعلیم کا بیان ہے۔ یہ ہدایت تمام مکلفین یعنی جن و انس کے لئے ہے اور یہ اگرچہ ہدایت پانے اور حق کی پیروی کرنے کی شرط یا جزو سبب ہے مگر اس بات کو مستلزم نہیں کہ جن کو ہدایت کی جائے انکو ضرور توفیق خیر حاصل ہو۔ اور وہ حق کے متبع ہو جائیں۔ بلکہ بسا اوقات ایسا ہوا ہے۔ کہ جن لوگوں کے سامنے بیان و اظہار حق کیا گیا وہ اتباع حق سے باز رہے۔ اور اس کی دو وجہ ہیں یا تو اظہار حق میں کچھ کمی ہو یا وہاں کوئی اور مانع موجود ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْهُدٰی (اور رہے ثمود تو ہم نے اُن کو سیدھا رستہ دکھایا تھا۔ مگر انہوں نے بدھا رستہ چھوڑ کر گمراہی اختیار کی) +

اور مقام میں فرمایا ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰی یُبَیِّنَ لَهُمْ مَّا یَتَّقُوْنَ (اور اللہ کی شان سے بعید ہے کہ ایک قوم کو ہدایت دے پیچھے گمراہ کر دے تا وقتیکہ اُن کو وہ چیزیں نہ بتادے جن سے وہ بچتے رہیں) یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے اُن پر اپنے احکام ظاہر فرما دئے اور نیک و بد سب کچھ جتلا دیا مگر انہوں نے نہ مانا۔ اور راہ راست پر نہ آئے اس لئے انہیں یہ سزا دی کہ اُن کو راہ حق سے دور ڈال دیا۔ کیونکہ وہ پہلے دیدہ دانستہ حق سے منکر ہو گئے۔ اور ہر ایک قوم میں عادت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انکو کوئی نعمت عطا فرمائے اور وہ اس کی قدر شناسی نہ کریں تو اللہ تعالیٰ وہ نعمت جو اُنکے نصیب حصے میں تھی اُن سے سلب کر لیتا ہے +

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (یہ سزا اُن لوگوں کو) اس وجہ سے دی گئی کہ جو نعمت خدا نے کسی قوم کو دی ہو جبتک وہ لوگ آپ ہی اپنی صلاحیت کو نہ بدلیں خدا کی عادت نہیں کہ اس میں کچھ ردو بدل کرے) +

اور اللہ تعالیٰ نے فرعون کی قوم کی نسبت فرمایا ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ

أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (اور باوجودیکہ اُن کے دل اُن معجزوں کا یقین کر چکے تھے مگر انہوں نے ہیکڑی اور شیخی کے مارے اُن کو نہ مانا یعنی اللہ کی آیات کی صحت کا یقین ہو چکنے کے بعد اُن سے منکر ہو گئے ۔

ایک اور مقام میں فرمایا ہے کَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (خدا ایسے لوگوں کو کیوں ہدایت دینے لگا جو (توراۃ کی پیشین گوئیوں سے پیغمبر آخر الزمان پر) ایمان لائے پیچھے لگے کفر کرنے اور وہ اقرار کر چکے تھے کہ پیغمبر آخر الزمان کا آنا برحق ہے اور ان کے پاس (اس کے) کھلے ثبوت بھی آ چکے اور اللہ (ایسے) ہٹ دھرم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ۔

اور یہی ہدایت یعنی ارشاد و تعلیم رسولوں کا کام ہے اور اسی کو اللہ تعالے نے : وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (اور (اے پیغمبر اس میں شک نہیں کہ تم (تو لوگوں کو) سیدھا ہی رستہ دکھاتے ہو) ۔

اپنے رسول کی نسبت فرمایا ہے اور اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ (اے پیغمبر اپنی خواہش کے مطابق) تم جس کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے) میں اس ہدایت کی نفی فرمائی ہے جو مستلزم توفیق ہو یعنی اُس سے ہدایت پانا ضروری ہو۔ اور اسی لئے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صرف مبلغ (پیغام رساں) اور داعی (حق کی طرف بلانیوالا) بنا کر بھیجا ہے ۔ ہدایت کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے ۔ اور شیطان کو گمراہ کرنے اور لوگوں کی نظروں میں برے کام اچھے کر دکھانے کے لئے مقرر کیا ہے ورنہ گمراہی کچھ اُس کے ہاتھ میں نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (اور اللہ لوگوں کو سلامتی کے گھر یعنی بہشت ہی کی طرف بلاتا ہے ۔ اور جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے کی طرف راہنمائی کر دیتا ہے) ۔

اس آیت میں اللہ سبحانہٗ نے ہدایت عامہ و خاصہ دونوں کو جمع فرمایا ہے ۔ ہدایت عامہ سے انس و جن پر اپنی حجت کو قائم اور اپنے عدل کو ظاہر فرمایا ۔ اور ہدایت خاصہ سے اپنے مومن بندوں پر نعمت و فضل کا مینہ برسایا ۔ اور ہدایت کا یہ دوسرا مرتبہ اُس مرتبے سے خاص ہے جو کہ اس فصل سے پہلے متعدد فصلوں میں بیان ہو چکا ہے ۔ اور یہ ہدایت مکلفین کے ساتھ خاص اور مخلوق

پر اللہ تعالےٰ کی حجت ہے اس حجت کے قائم کرنے سے پہلے وہ کسی کو عذاب نہیں فرماتا چنانچہ فرمایا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اور جب تک ہم رسول بھیج کر اتمام حجت نہ کر لیں کسی کو اس کے گناہ کی سزا نہیں دیا کرتے) *

اور نیز فرمایا ہے رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (یہ سب پیغمبر نیکوں کو جنت کی خوشخبری دینے والے اور بدوں کو عذاب خدا سے ڈرانیوالے تھے تاکہ پیغمبروں کے آئے پیچھے لوگوں کو خدا پر کسی طرح کا جھگڑا (الزام رکھنے کا موقع باقی) نہ رہے) *

وقال تعالےٰ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (کہیں ایسا نہ ہو کہ (آخر کار تم میں سے) کوئی کہنے لگے کہ لے افسوس! میری اُس کوتاہی پر جو میں نے پاس خدا (ملحوظ رکھنے میں کی اور میں تو ان باتوں پر) ہنستا ہی رہا۔ یا لگے کہنے کہ اگر خدا مجھ کو (دنیا میں) ہدایت دیتا تو میں (بھی) پرہیزگاروں میں سے ہوتا) *

وقال تعالےٰ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ (جب جب اُس میں (کافروں کا) کوئی گروہ ڈالا جائیگا تو جو (فرشتے) اُس پر تعینات ہیں اُن سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس (عذاب خدا سے) ڈرانیوالا (کوئی پیغمبر) نہیں آیا۔ وہ کہیں گے۔ ہاں ڈرانے والا تو ہمارے پاس آیا تھا مگر ہم نے (اس کو) جھٹلایا اور کہا کہ خدا نے تو (کتاب وغیرہ) کوئی چیز اُتاری نہیں بلا شبہ تم (اور تمہارے پیرو سب کے سب) بڑے غلطی میں ہو) *

اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ اللہ تعالےٰ کی حجت مخلوق پر کیسے قائم ہو سکتی ہے حالانکہ خود اُسی نے اُن کو ہدایت سے باز رکھا اور اُنکے اور ہدایت کے درمیان حائل (آڑ) ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی حجت مخلوق پر اسلئے قائم ہو گئی کہ اُس نے اُن سے اور ہدایت یعنی انبیاء علیہم السلام کے ارشاد۔ بیان حق اور راہ نمائی کے درمیان سے سب مانع اُٹھا دئے یہاں تک کہ انہوں نے راہ حق وصواب کو گویا آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور ہدایت کے ظاہری اور باطنی سب اسباب اُنکے لئے مہیا کر دئے۔ اور اُنکے اور ان اسباب کے درمیان کسی قسم کی کوئی رکاوٹ باقی نہیں رکھی۔ البتہ جن لوگوں کو کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیش آئی۔ مثلاً کسی کو

پوری طرح عقل نہیں ملی۔ مجنون اور دیوانہ ہو گیا یا کوئی بچپنے میں مر گیا یا کسی شخص نے ایسی جگہ زندگی بسر کی جہاں انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور منادی نہیں پہنچی۔ تو اُن کو اُن پر حجت قائم کرنے سے پہلے عذاب نہ فرمائیگا۔ غرض اللہ تعالے نے مخارق کو ہدایت پانے سے مانع اور حائل نہیں ہوا۔ ہاں اُن سے اپنی توفیق و اعانت کو ہٹا رکھا اور اُنکے دلوں کو ہدایت کیطرف مائل نہ فرمایا۔ سو وہ مخلوق اور اُس بات کے درمیان جو اُن کی قدرت میں ہے حائل نہیں ہوا۔ گو ان کے اور اُس چیز کے درمیان جو اُن کی قدرت سے باہر ہے یعنی اپنے فعل مشیت اور توفیق کے درمیان حائل ہو گیا۔ سو یہ تو اُن کی قدرت ہی میں نہیں اور اللہ نے اُسی کو اُن سے ہٹا رکھا۔ اور اُنکے درمیان اور اس نعمت کے درمیان حائل ہو گیا۔ اِس مقام میں غور کرنا اور اِس تحقیق کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے۔ واللہ المستعان ٭

فصل۔ ہدایت کے مراتب میں سے تیسرے مرتبہ کے بیان میں۔ یہ ہدایت یعنی توفیق و الہام اور ہدایت پانے والے کے دل میں ایسی مشیت و ارادہ پیدا کرنے کی ہے۔ جس سے وہ افعال خیر کو ضرور کرنے لگے۔ اور یہ مرتبہ مذکورہ بالا مرتبہ ہدایت سے خاص ہے۔ اور قدریہ اسی کے انکار سے گمراہ ہوئے۔ اور سلف صالحین اہل سنت ہر زمانے میں اُنکی تردید پر کمربستہ رہے۔ اور جبریہ نے ان کے برخلاف یہ کچھ روی اختیار کی۔ کہ وہ اسباب۔ قویٰ۔ بندے کے فعل قدرت اور فعل میں اُس کے اثر کے بالکل منکر ہو گئے۔ اور گمراہی میں جا پڑے۔ قدم آگے بڑھ گئے۔ جھوٹے لوگوں کا یہی دستور ہے۔ کہ جب کسی دوسرے جھوٹے کی تردید و مخالفت کرتے ہیں۔ تو اُس کے مقابل خود جھوٹی اور باطل باتیں گھڑ لیتے ہیں جیسے کوئی نصرانی یہودی کی تردید کرے اور اُسے تثلیث صلیب پرستی۔ اور یہ سکھائے کہ مسیح علیہ السلام مستقل خدا ہیں۔ اللہ کے مخلوق نہیں وغیر ذلک۔ اپنے باطل عقائد بتلائے۔ ہدایت کے اس مرتبے میں دو باتیں ضروری ہیں ایک اللہ تعالیٰ کا فعل یعنی ہدایت کرنا۔ دوسرا بندہ کا فعل یعنی ہدایت پانا۔ جو اللہ سبحانہ کے فعل کا اثر ہے پس اللہ تعالے ہدایت کرنے والا اور بندہ ہدایت پانیوالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ (جس کو خدا ہدایت دے وہی راہِ راست پر ہے)

چونکہ اثر اُسی وقت پایا جاتا ہے جب موثر تام موجود ہو لہذا اگر اللہ سبحانہ کا فعل موجود نہ ہوگا تو بندے کے فعل کا وجود ہرگز ممکن نہیں۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ (اے پیغمبر اگر تم کو اِن لوگوں کے

راہ راست پر آجانے کا ہو تو اس خیال کو چھوڑ دو کیونکہ خدا جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کو ہدایت نہیں دیا کرتا) ◆

اس کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہدایت صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بخشنے کا حق ہوں یا آپ کے سوا اور کسی پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہے اور جسے اللہ سبحانہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا ہے مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ (یعنی جس کو خدا گمراہ کرے تو پھر کوئی بھی اس کو راہ دکھانے والا نہیں) ◆

وقال تعالیٰ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (خدا جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے اسے راہ راست پر لگا دے)

وقال تعالیٰ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ (تو کیا وہ شخص جس کو اس کا عمل بد (اغوائے شیطانی کی وجہ سے) اچھا کر دکھایا گیا (اور وہ خواہش نفسانی کی پیروی کرکے) اس کو اچھا سمجھتا ہے (کہیں ہدایت یافتہ) نیکوکار کے برابر ہو سکتا ہے بات یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھاتا ہے تو اے پیغمبر ان لوگوں (کے حال) پر افسوس کر کر کے کہیں تمہاری جان نہ جاتی رہے) ◆

وقال تعالیٰ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (اے پیغمبر بھلا تم نے اس شخص کے حال پر بھی نظر کی جس نے اپنی خواہش (نفسانی) کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور علم ہوتے ساتے اللہ نے اس کو گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کانوں پر اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے تو خدا کے (گمراہ کئے) پیچھے اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے کیا تم لوگ (غور و فکر) کو کام میں نہیں لاتے) ◆

وقال تعالیٰ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (اے پیغمبر ان لوگوں کو راہ راست پر لانا تمہارے ذمے نہیں بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے) ◆

وقال تعالیٰ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا (اور ہم چاہتے تو ہر شخص کو اس کی ہد

ہدایت کرتے تو وہ سیدھے رستے پر آجاتے) ٭

وقال تعالٰے اَفَلَمْ یَیْاَسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰہُ لَھَدَی النَّاسَ جَمِیْعًا (تو کیا ابھی مسلمانوں کو معلوم نہیں ہوا کہ اگر خدا چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت کر دیتا) ٭

وقال تعالٰے فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ (تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ اسے راہ راست دکھائے اُس کے سینے کو قبول اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے تو اُس کے سینے کو تنگ اور بھچا ہوا کر دیتا ہے گویا اُس کو آسمان پر چڑھنا پڑتا ہے) ٭

اور اہل جنت کے قول کو بیان فرمایا ہے کہ وہ اسی طرح کہینگے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰىنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ ھَدٰىنَا اللّٰہُ (کہ خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو اس بہشت میں آنے کا رستہ دکھایا اور اگر خدا ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم کسی طرح جنت کا رستہ ڈھونڈھے سے نہ پاتے) ٭

اہل جنت کے قول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بعض ہدایت اللہ تعالٰے کی طرف سے تھی اور بعض خود اُنکے اختیار میں تھی۔ بلکہ سب کی سب ہدایت اللہ تعالٰے کی طرف سے ہے۔ اگر وہ ہدایت نہ فرماتا۔ تو وہ کبھی ہدایت یاب نہ ہوتے ٭

وقال تعالٰے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ وَیُخَوِّفُوْنَکَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ وَمَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ مُّضِلٍّ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِعَزِیْزٍ ذِی انْتِقَامٍ (کیا خدا اپنے بندے (محمدؐ) کی حفاظت کے لئے کافی نہیں اور اے پیغمبر یہ لوگ تم کو خدا کے سوا دوسرے دوسرے معبودوں سے ڈراتے ہیں اور جس کو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور جس کو خدا ہدایت دے تو کوئی بھی اُس کو گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا خدا زبردست اور بدلہ لینے والا نہیں ہے) ٭

وقال اللہ تعالٰے وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَھُمْ فَیُضِلُّ اللّٰہُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (اور جب کبھی ہم نے کوئی پیغمبر بھیجا تو اُس کو اُسی کی قوم کی زبان میں بات چیت کرتا ہوا بھیجا تاکہ وہ اُن کو (اچھی طرح) سمجھا سکے اس پر بھی خدا جس کو چاہتا گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ زبردست

اور حکمت والا ہے) +

وقال تعالےٰ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ (اور ہم ہر ایک اُمت میں (کوئی نہ کوئی) پیغمبر (اس بات کے سمجھانے کے لئے) بھیجتے رہے ہیں کہ (لوگو) خدا کی عبادت کرو اور (شیطان) سرکش (کے اغوا) سے بچتے رہو تو ان میں سے بعض کو تو خدا نے ہدایت دی اور اُن میں سے بعض (کے سر) پر گمراہی سوار ہوئی) +

وقال تعالےٰ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ (جو لوگ ایمان لائے ہیں اُن کو پکی بات (یعنی کلمۂ توحید) کی برکت سے اللہ دُنیا میں بھی (ایمان پر) ثابت (قدم) رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (ثابت قدم رکھیگا یعنی سوال وجواب کے وقت ان کو کسی طرح کی لغزش نہ ہوگی) اور اللہ نافرمان لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے) +

وَقال تعالیٰ۔ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (اے پیغمبر! یوں ہی (تو) خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہِ راست دکھاتا ہے اور تمہارے پروردگار (کی مخلوقات) کے لشکروں کا حال اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا) +

وقال تعالےٰ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ (ایسی ہی مثال سے خدا بہتیروں کو گمراہ کرتا اور ایسی ہی مثال سے بہتیروں کو ہدایت دیتا ہے - لیکن (اس سے گمراہ کرتا (بھی) ہے (تو) بدکاروں کو) +

وقال تعالےٰ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (جو لوگ خدا تعالےٰ کی رضامندی کے طلبگار ہیں۔ اُن کو اللہ قرآن کے ذریعے سے سلامتی کے رستے دکھاتا ہے اور اپنے فضل (وکرم) سے اُن کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لاتا ہے اور اُن کو راہِ راست دکھاتا ہے) +

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ ہر روز پانچ نمازوں میں صراطِ مستقیم کی ہدایت کا اُس سے سوال کریں۔ یہ سوال صراطِ مستقیم کی ہدایت اور اُس کی طرف ہدایت

دونوں صورتوں کو شامل ہے کہ جس طرح گمراہی دو قسم یعنی ایک راستے سے دور ہنا بالکل اسکو نہ پہچاننا دوسرا رستہ بھول جانا یعنی اُس کی پوری کیفیت سے واقف نہ ہونا۔ اسی طرح ہدایت بھی دو قسم ہے۔ ہمارے استاد نے کہا ہے چونکہ بندہ ہر حال میں تمام امور میں جن کو کرنا یا جن کو چھوڑنا ہے اس ہدایت کا محتاج ہے یعنی ایسے کاموں میں جن کو بغیر ہدایت خداوندی کے گذرا ہے توبہ کا محتاج اور ایسے امور میں جن کے اصل کی طرف تو اسے ہدایت ہوئی ہے لیکن انکی تفصیل کی ہدایت سے محروم ہے یا اسے بعض وجہ سے ہدایت حاصل ہوئی۔ اور بعض وجوہ سے حاصل نہیں ہوئی۔ پورے درجے کی ہدایت کا محتاج ہے تاکہ اس کی ہدایت کمال کو پہنچے۔ اور بعض امور ایسے کہ اُن کی نسبت اسے یہ ضرورت ہے کہ ان کے متعلق آیندہ زمانے میں اسے ویسی ہی ہدایت نصیب ہو جیسی گذشتہ زمانے میں نصیب ہوئی تھی۔ اور بعض امور ایسے ہیں کہ جن کی نسبت ابھی تک اس کا کوئی عقیدہ قائم نہ ہوا۔ اُن کے متعلق اسے یہ ضرورت ہے کہ اُن کی بابت صحیح عقیدے کی طرف ہدایت ہو اور کئی کام ایسے ہیں جو ابھی تک اُس نے کئے ہی نہیں۔ اُن کے متعلق یہ ضرورت ہے کہ اُن کو مطابق ہدایت الٰہی کرے۔ اس کے سوا ہدایت کی کئی صورتیں ہیں۔ اور بندہ اُن کا محتاج ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُس پر فرض کر دیا ہے کہ وہ اپنی بہترین حالت یعنی نماز کے اندر ہر روز کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت کا سوال کرے۔ انتہی کلامہ۔ اور جب تک رستے کی طرف اور رستے کے بیچ ہدایت حاصل نہ ہو۔ آدمی منزل مقصود کو نہیں پہونچ سکتا۔ کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ آدمی منزل مقصود کا راستہ جانتا ہو لیکن اُس کی پوری کیفیت اور اس بات سے ناواقف ہو کہ اُس میں کس طرح اور کس وقت چل سکتا ہے۔ اور وہاں چلنے کے لئے کیا کچھ زاد اور خرچ درکار ہے۔ اور اس میں کیا کیا مصیبتیں پیش آتی ہیں۔ اسی لئے ابن عباسؓ نے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (ہم نے وقتاً فوقتاً تم میں سے ہر ایک (فریق) کے لئے ایک شریعت ٹھیرائی اور طریقہ اختیار) میں لفظ شرعت اور منہاج کی تفسیر سبیل اور سنت سے کی ہے ابن عباسؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ منہاج یعنی سبیل سے مراد رستہ شرعت یعنی سنت سے اس کا فراز و نشیب۔ اس کی تکالیف اور اُس میں چلنے کی کیفیت اور اوقات مراد ہیں ٭

فصل۔ اللہ سبحانہ کا یہ بیان فرمانا۔ کہ اُس نے کافروں کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ اور اُن کو حق کے سمجھنے سے بہرہ اور اُنکی آنکھوں کو حق کے دیکھنے سے اندھا کر دیا ہے مقصود مدد

مضمون کا مثبت ہے چنانچہ فرمایا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ
تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ (اے پیغمبر) جن
لوگوں نے (قبولِ اسلام سے) انکار کیا اُن کے حق میں یکساں ہے کہ تم اُن کو عذاب الٰہی سے
ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے والے ہیں نہیں۔ اُنکے دلوں پر اُن کے کانوں پر اللہ نے مہر
لگا دی ہے) لفظ علیٰ سمعہم پر وقف ہے۔ اس کے بعد فرمایا ہے وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ
(اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے) چنانچہ اور مقام میں فرمایا ہے اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ
اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ
غِشٰوَةً (اے پیغمبر) بھلا تم نے اُس شخص کے حال پر نظر کی جس نے اپنی خواہش نفسانی کو
اپنا معبود بنا رکھا ہے اور علم ہوتے ساتے اللہ نے اُس کو گمراہ کر دیا ہے اور اس کے
کانوں پر اور اُس کے دل پر مہر لگا دی ہے اور اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے) وقال
تعالےٰ وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا بِكُفْرِهِمْ (اور نیز اُن کے اس کہنے
کی وجہ سے کہ ہمارے دل محفوظ ہیں (اور کسی کی نصیحت ہم پر اثر نہیں کرتی محفوظ نہیں) بلکہ اُن
کے کفر کی وجہ سے خدا نے اُن کے دلوں پر مہر کر دی ہے) وقال تعالےٰ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ
اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الْكٰفِرِیْنَ (کافروں کے دلوں پر اللہ تعالےٰ اسی طرح مہر لگا دیا کرتا
ہے) وقال تعالےٰ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ (ان لوگوں کے دلوں پر
جو حد عبودیت) سے قدم باہر رکھتے ہیں خدا اسی طرح مہر لگا دیا کرتا ہے) وقال تعالےٰ وَ
نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ (اور ہم ان کے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں تو یہ لوگ
(نصیحت کی بات) سنتے ہی نہیں) اللہ سبحانہ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے۔ کہ بعض دلوں پر
ایسے قفل لگے ہیں جو اُن کو ہدایت کے داخل ہونے کے لئے کبھی کھلنے نہیں دیتے چنانچہ
فرمایا ہے۔ قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ
وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَیْهِمْ عَمًى (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کے
لئے تو یہ (قرآن سر تا پا) ہدایت اور (امراض روحانی یعنی شرک و بداخلاقی کی) شفا ہے اور جو
ایمان نہیں رکھتے اُن کے کانوں (کے حق) میں گرانی اور وہ انکی آنکھوں (کے حق) میں نابینائی ہے)
یہ بہرہ پن اور نابینائی اُن کو ہدایت اور شفا پانے سے مانع ہو گئی ہے۔ وقال تعالےٰ وَجَعَلْنَا
عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (اور ان کے دلوں پر ہم نے

بغفلت نوزیث (صد دی) کے پنچے ڈال دیئے ہیں اور ان کے کانوں میں ٹینٹ کہ ہماری بات نہ سمجھ سکیں) وقال تعالیٰ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ (اور اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اس کو بھلی کر دکھائی گئی تھیں اور اس کو راہ (راست) سے روک دیا گیا تھا) کوفیوں نے لفظ صد کو زین پر قیاس کرکے بضم صاد پڑھا ہے۔ وقال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ (اور بیشک جو شخص حد سے بڑھا ہوا (اور) جھوٹا ہو خدا اس کو (نیک) ہدایت نہیں دیا کرتا) وقال تعالیٰ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (اور اللہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا) ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت بمعنی بیان وارشاد کو جسے اپنے بندوں پر حجت ٹھہرایا ہے نفی نہیں فرمایا۔

فرقہ قدریہ ان سب آیات کو متشابہ قرار دیتے اور ان کے ایسے معنے گھڑتے ہیں جو بالکل قطعاً غلط اور ارادہ متکلم کے خلاف ہیں۔ بعضے کہتے ہیں۔ ان آیات کا یہ مطلب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ بندے کو ہدایت یاب یا گمراہ کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ پس انکے نزدیک اللہ تعالیٰ کے ہدایت کرنے اور ضلال کے یہ معنے ہیں کہ بندے کو ہدایت یاب یا گمراہ کے نام سے موسوم کرنا۔ ان آیات کو اس معنی پر محمول کرنا یقیناً صحیح نہیں اور نہ یہ فی اللغت سے ثابت ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص کسی کو ... فہم پر ... کرے تو کیا یہ ... سمجھا ... کہ اس شخص نے ہمیں کو جانا یا سمجھا ہے ہرگز نہیں۔ اور نیز اللہ تعالیٰ کے قول لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاۤءُ (... ان لوگوں کو راہ راست پر لانا تمہارے ذمے نہیں۔ بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے) میں کس طرح درست ہو سکتے ہیں قدریہ کے سوا کسی نے اسکے یہ معنے نہیں سمجھے کہ اے محمد صلعم آپکے ذمہ نہیں ہے کہ آپ انکو ہدایت یافتہ ان کے نام سے موسوم کریں بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت یاب کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ نیز اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ ... اپنی خواہش کے مطابق جسے ... ہدایت نہیں کر سکتے سے کسی نے یہ معنے نہیں سمجھے کہ آپ جسے چاہتے ہیں اس کا نام نہ موسوم کر سکتے بلکہ اللہ جسے چاہے اسکا نام مہتدی رکھ دو اور دعا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اور اَللّٰهُمَّ اهْدِنِىْ مِنْ عِنْدِكَ وغیرہ۔ ایسے جملوں کا کسی نے یہ نہیں سمجھا کہ اے اللہ تو ہمیں مہتدی کے نام سے موسوم فرما۔

فرقہ قدریہ نے قرآن کریم پر ایسی ہی دست درازی کی ہے (یعنی ایسے ہی غلط معنے فرائے ہیں) جیسی جہمیہ نے نصوص صفات باری تعالیٰ پر دست درازی کی ہے۔ کہ انہوں نے ٹیڑھی ترچھی تاویلیں کر کے ان کے معانی بالکل بدل دئے۔ اور زنادقہ اور ملحدین کے لئے تاویل و تحریف کا دروازہ کھول دیا ہے۔ انہوں نے نصوص معاد کے وہ معنے گھڑے جو انکی تاویلات باطلہ سے کچھ کم نہیں۔ اور

اُن سے فرقہ قرامطہ اور باطنیہ نے امر و نہی کے نصوص کی تاویل کا سبق سیکھ لیا۔ ان فرق باطلہ کی من گھڑت تاویلیں بلکہ تحریف نصوص دینا اور دین کی خرابی اور جہاں کی بربادی کی جڑ ہے۔ فرقہ قدریہ جہمیہ رافضہ کی تاویلات باطلہ اور ملحدین و زنادقہ یعنی قرامطہ و باطنیہ وغیرہ کی تاویلات فاسدہ کے درمیان کچھ بڑا فرق نہیں۔ تاویل باطل اختیار کرنے والوں کا مطلب ہے کہ کلام الہٰی و حدیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم بیکار ٹھیریں۔ اور اللہ و رسول پر یہ افترا باندھتے ہیں۔ کہ انہوں نے فلاں معنے جو اُن کے زعم باطل میں صحیح ہوں) ارادہ کئے ہیں۔ حق کو باطل اور باطل کو حق قرار دینا اور اللہ و رسول کی طرف ایسی ایسی واہیات باتیں نسبت کرتے ہیں۔ جو اُن کے شان سے بعید ہیں مثلاً کہتے ہیں۔ کہ اللہ و رسول نے اس مطلب کو مخفی رکھا۔ اس کو صاف طور پر بیان نہیں فرمایا اور اُن کی مثال کلام پہیلی و چیستان کی طرز پر ہے اور ساتھ ہی یہ جھوٹا دعوےٰ کہ فلاں معنی ارادہ کئے ہیں۔ تاویل کرنیوالے کو مندرجہ ذیل امور و شرائط کا لحاظ ضروری ہے۔ اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو تو تاویل درست نہیں۔ اول یہ کہ لفظ اُس معنی کا صالح ہو جس کو وہ ارادہ کرنا چاہتا ہے۔ دوم یہ کہ متکلم نے اپنے کلام کے اکثر مواقع میں اُس لفظ کو اس معنی میں استعمال کیا ہو۔ گو اس معنی کے سوا دوسرے معنوں میں بھی اس کا استعمال ثابت ہو۔ تاکہ جہاں دونو معنوں کا احتمال ہو متکلم کے استعمال کے قرینے سے ایک معنی کی تعیین ہو سکے۔ سوم یہ کہ تاویل کرنیوالا ایسی دلیل قائم کرے کہ لفظ کے ظاہری اور حقیقی معنے چھوڑ کر مجازی معنے ارادہ کرنے کا کیا موجب ہے اور وہ دلیل ایسی ہو کہ کوئی دوسری دلیل اُس کی معارض نہ ہو۔ اگر یہ باتیں نہ پائی جائیں تو نصوص کی تاویل کرنا محض زبانی دعوےٰ ہے جو قابل سماعت نہیں۔ بعض قدریہ نے ان نصوص کی یہ تاویل کی ہے۔ کہ یہاں ہدایت بمعنے بیان و ارشاد و تعلیم ہے۔ بندے کے دل میں ہدایت پیدا کرنا مراد نہیں۔ کیونکہ انکے نزدیک اللہ سبحانہٗ اس بات پر قادر نہیں ہے۔ انکی یہ تاویل نہایت باطل اور بالکل غلط ہے۔ اللہ سبحانہٗ نے بتلا دیا ہے کہ اُس نے ہدایت عباد کے دو قسم ٹھیرائے ہیں ایک قسم تو وہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو اس پر قدرت نہیں۔ اور دوسرا قسم بندوں کی قدرت و اختیار میں ہے۔ اور اسی قسم کی نسبت فرمایا ہے وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور پہلے قسم کی نسبت فرمایا ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ اور نیز فرمایا ہے وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ اور ظاہر ہے۔ کہ خداتعالیٰ کے سوا انبیاء علماء وغیرہ ہدایت بمعنے بیان و ارشاد کرتے ہیں۔ اور اس کی نفی اُن سے صحیح نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں ہدایت بمعنے خلق ہدایت ہے جو

ان کی قدرت سے باہر ہے اور نیز فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ یُّضِلُّ (کیونکہ خدا جسے گمراہ
کرنا چاہتا ہے اس کو ہدایت نہیں دیا کرتا) کو ہدایت بمعنے دعوت وبیان پر محمول کرنا صحیح
نہیں کیونکہ انہوں کو بھی دعوت ارشاد اور راہ صواب کی طرف ہدایت ہوتی ہے گو وہ اُسے
قبول نہ کریں۔ اور گمراہی میں بھٹکتے رہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قول۔ اَضَلَّہُ اللّٰہُ
عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِہٖ وَقَلْبِہٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشَاوَۃً فَمَنْ یَّھْدِیْہِ
مِنْۢ بَعْدِ اللّٰہِ (اور علم کے ہوتے ساتے اللہ نے اُسے گمراہ کردیا ہے اور اُس کے
کانوں اور دل پر مہر لگا دی ہے۔ اور اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے تو خدا کے (گمراہ
کئے) پیچھے اُس کو کون ہدایت دے سکتا ہے) اس معنے پر محمول کرنا صحیح نہیں کہ کون ہے
جو ایسے شخص کو اللہ کے بعد ہدایت کی طرف بلائے اور اُس کے سامنے وہ احکام ظاہر کرے جن
سے اس پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہے۔ تعجب ہے کہ قدریہ ان نصوص کے کیا معنے ٹھیرائیں گے
جن میں آیا ہے کہ اللہ سبحانہ ہی نے بندوں کو گمراہ کیا ہے کیا یہ معنے کرسکتے ہیں۔ کہ اللہ نے اُن
کو گمراہی کی طرف بلایا ہے۔ اگر کہیں کہ ان نصوص کے یہ معنے ہیں۔ کہ اُن کو گمراہی کے ساتھ
موصوف پایا یا اپنے ملائکہ اور انبیاء کو ان کی گمراہی سے آگاہ فرمایا۔ اُن کے دلوں پر ایسی
علامت ونشانی ٹھیرائی جس سے ملائکہ معلوم کرلیں کہ فلاں لوگ گمراہ ہیں۔ تو اس کا جواب یہ
ہے کہ یہ معانی بھی ویسے ہی غلط ہیں جیسے ہدایت واضلال کے معنے ہدایت یاب اور گمراہ
کے نام سے موسوم کرنا تمنے گھڑ لئے تھے۔ یہ چار معنے جو تم نے اپنی طرف سے تراش لئے ہیں
ان میں سے ہدایت وضلالت سے آگاہ کرنا اور گمراہ یا ہدایت یاب کے نام سے موسوم کرنا
دو تو ایک ہیں۔ اور ان کا لغت میں کہیں پتہ نہیں۔ اور آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے
کہ یہ معنے بالکل انکے خلاف ہیں۔ رہا علامت مقرر کرنا۔ سو یہ بھی کسی لغت اور محاورے سے ثابت
نہیں ہوتے محض من گھڑت ہیں۔ اور اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ الآیۃ میں یہ کہنا کیسے
صحیح ہوسکتا ہے کہ اے رسول آپ جسے چاہیں اُسے علامت ہدایت سے موسوم نہیں
کرسکتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اُسے علامت ہدایت سے موسوم کرتا ہے۔ اور وَمَنْ
یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ کے یہ معنے کہ اللہ تعالیٰ جسے علامت گمراہی سے موسوم کرے
تو کوئی اُس کو علامت ہدایت سے موسوم نہیں کرسکتا۔ ہرگز صحیح نہیں۔ اور وَلَوْ شِئْنَا
لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھُدٰھَا کے معنے اگر ہم چاہتے تو ہر جی کو اُس ہدایت کی علامت سے

موسوم کرتے ہیں کا وجود خالق وموجب ہے کسی طرح درست نہیں۔ اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيمَ کا یہ معنی کہ اللہ تو ہمیں ایسی علامت سے موسوم کر جس سے فرشتے معلوم کرلیں کہ ہم
ہدایت یافتہ ہیں لغت کے کس قاعدہ سے درست ہوسکتا ہے۔ اور رَبَّنَا لَا تُزِغْ
قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا (اے ہمارے پروردگار ہم کو راہ راست پر لانے کے بعد ہمارے
دلوں کو ڈانواں ڈول نہ کر) کے معنے کہ ہمارے دلوں کو اہل زیغ کی علامت سے علامت دار
نہ فرما۔ اور يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ۔ يَا مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا
عَلَى طَاعَتِكَ وغیرہ اس قسم کے نصوص کے یہ معنے کہ الٰہی ثابت اور تصریف علی الطاعۃ کی
علامت سے ہمارے دلوں کو نشاندار فرما۔ لغت کے رو سے ہرگز صحیح نہیں اور یہی طرح
وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً کے یہ معنے کہ ہم نے اُنکے دلوں کو علامت قسوت کے
ساتھ موسوم کیا یا ان کو قاسی القلوب (سخت دل) پایا کسی لغت سے ثابت نہیں ہوتے البتہ
اگر قرآن کریم فرقہ قدریہ جہمیہ اور دیگر فرق مبتدعہ کے لغت اور محاورے میں نازل ہوتا۔ تو وہ
قرآن کو اپنی خواہش کے مطابق جس معنے پر چاہتے محمول کرسکتے تھے یا اگر حق ان کی اہوا و خواہش
کے تابع ہوتا اور نصوص قرآن مبتدعین سے بدعات اور اہوا کے آرا کے مطابق ہوتیں
تو پھر ان کا استدلال ممکن تھا۔ جتنے گمراہ فرقے ہیں سب کے سب قرآن کو اپنے مذاہب
بدعات اور آرا کے مطابق قرار دیتے ہیں۔ تو گویا قرآن جہمیہ کے نزدیک جہمی معتزلہ کے
نزدیک معتزلی۔ قدریہ کے نزدیک قدری۔ رافضہ کے نزدیک رافضی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس
جمیع اہل باطل یہی کہتے ہیں۔ کہ قرآن ان کے مذہب کے مطابق نازل ہوا۔ مگر واقعہ یہ ہے
کہ ان کو قرآن کریم سے کچھ سروکار نہیں۔ قرآن کے متبع اور پیرو متقین یعنی اہل سنت الجماعۃ ہیں
اور ان نصوص کا یہ معنی کہ اللہ نے بندوں کو ہدایت وضلالت سے موصوف پایا۔ یہ بھی لغت
کے بالکل خلاف ہے دیکھو كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ کا یہ معنی ہرگز صحیح نہیں کہ میں نے اس کو ہدایت
کے ساتھ موصوف پایا۔ اور اسی طرح خَتَمَ اللهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ
غِشَاوَةٌ کا معنی کہ اللہ نے اس کو ان صفات کے ساتھ موصوف پایا کسی طرح درست نہیں۔ ایسے
معنی گھڑ لینے قرآن کریم اور لغت پر محض افترا باندھنا ہے۔ اگر قدریہ یہ کہیں۔ کہ اس قسم کے مواقع
میں ہم اس معنے کے قائل نہیں بلکہ یہ أَضَلَّهُ اللهُ اور اس کے مشابہ فقرات میں یہ کہتے ہیں
کہ اللہ نے اس کو موصوف بضلالت پایا۔ اور محاورہ عرب میں نظیر موجود ہے۔ چنانچہ جب کسی

آدمی کو حمد، بخل یا بزدلی سے یا کسی صفت سے موصوف پائیں تو بولتے ہیں۔ اَحْمَدْتُ الرَّجُلَ اَبْخَلْتُهٗ اَجْبَنْتُهٗ تو ان محرفین قرآن کو یہ جواب دیا جائیگا۔ کہ اس معنی میں چند معدود الفاظ آئے ہیں ورنہ یہ صیغہ اس معنے کا مفید ہوتا ہے کہ فاعل نے مفعول کے اندر مصدر (یعنی مصدر مجرد) کے معنے پیدا کر دیے ہیں۔ بالخصوص جب باب افعال کا ہمزہ فعل لازم کو متعدی کرنے کا فائدہ دے تو اُس وقت یہی معنی مراد ہوتے ہیں قَامَ وَاَقَمْتُهٗ وہ کھڑا ہوا اور میں نے اُسے کھڑا کر دیا۔ قَعَدَ وَاَقْعَدْتُهٗ وہ بیٹھا اور میں نے اُسے بٹھا دیا۔ ذَهَبَ وَاَذْهَبْتُهٗ وہ گیا اور میں اس کو لے گیا۔ سَمِعَ وَاَسْمَعْتُهٗ اُس نے سنا میں نے اس کو سنا دیا۔ نَامَ وَاَنَمْتُهٗ وہ سویا میں نے اُس کو سلا دیا۔ ضَلَّ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ وہ گمراہ ہوا اللہ نے اُس کو گمراہ کر دیا۔ اَسْعَدَهٗ اللہ نے اُس کو سعادت مند کیا۔ اَشْقَاهُ اللہ نے اُس کو بدبخت ٹھیرایا۔ اَعْطَاهُ اللہ نے اُس کو عطا فرمائی۔ اَخْزَاهُ اللہ نے اس کو خوار کیا۔ اَمَاتَهُ اللہ نے اُسے مار دیا۔ اَحْيَاهُ اللہ نے اُس کو جلایا۔ اَزَاغَ قَلْبَهٗ اس کے دل کو ٹیڑھا کیا۔ اَقَامَهٗ عَلٰی طَاعَتِهٖ۔ اس کو اپنی اطاعت پر قائم کیا۔ اَيْقَظَهٗ مِنْ غَفْلَتِهٖ اس کو غفلت سے بیدار کیا۔ اَرَاهُ اٰيَاتِهٖ اس کو اپنے آیات دکھلائے۔ اَنْزَلَهٗ مُنْزَلًا مُّبَارَكًا اس کو برکت والی جگہ میں اُتارا۔ اَسْكَنَهٗ جَنَّتَهٗ اس کو جنت میں بسایا۔ وغیرہ۔ اس قسم کے سینکڑوں الفاظ ہیں۔ جن میں سے ایک بھی تو اس معنی میں نہیں آیا۔ کہ اللہ نے اُس کو فلاں صفت کے ساتھ موصوف پایا۔ اللہ تعالےٰ محرفین کے بہتان سے برتر و بالا ہے۔ باوجودیکہ فَعَلَ اَفْعَلَ یعنی فعل ثلاثی مجرد لازم اور اس کا متعدی فعل باب افعال لغت عرب میں کثیر الاستعمال ہے۔ مگر وہ تینوں لفظوں کے سوا اہل لغت سے کسی لفظ کے یہ معنی منقول نہیں ہوئے۔ اس کے علاوہ کسی اہل لغت سے یہ بات منقول نہیں ہے کہ اَضَلَّهُ اللّٰهُ۔ هَدَاهُ۔ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ۔ اَزَاغَ قَلْبَهٗ۔ صَرَفَهٗ عَنْ طَاعَتِهٖ (اس کی اپنی طاعت سے پھیر دیا۔ وغیرہ۔ اس قسم کے الفاظ کو عرب نے اس معنی کے لئے وضع کیا ہے۔ جس کے یہ محرفین قائل ہیں۔ بلکہ اس معنے کو اللہ تعالیٰ دوسرے الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (اور تم کو دیکھا کہ راہ حق کی تلاش میں بھٹکے بھٹکے پھرتے ہو تو تم کو دین اسلام کا سیدھا رستہ دکھا دیا) اور وَاَضَلَّهُ نہیں فرمایا۔ اور رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے مخالفین اور قرآن کریم کے منکرین کے حق میں اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (اللہ نے اُس کو علم ہوتے گمراہ کر دیا) اور وَجَدَكَ ۖ اللّٰهُ

ضَلَالًا نہیں فرمایا۔ یہ دونو معنی کو اللہ سبحانہ نے جدا جدا الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے پس اَضَلَّهُ اللهُ اور وَجَدَكَ ضَالًّا کا معنی و مفہوم ایک نہیں۔ اِس کے علاوہ اِس قول کے بجائے کہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔ اور اُس کے کارخانے میں کسی کو کچھ دخل نہیں۔ اِس طرح کہنے میں کہ بندوں کے نام رکھنے اور اُن کی علامت مقرر کرنے اور ہدایت گمراہی وغیرہ صفات کے ساتھ موصوف پانے میں بدوں اس کے کہ اِس میں اللہ کی صفت خلق و مشیت کا کوئی تعلق ہو اللہ کا اختیار ہے۔ اِس میں کسی کو کچھ دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کونسی توحید تعریف اور مدح ہے۔ کیا آدمی کسی شخص کو گمراہ یا ہدایت یافتہ نہیں کہہ سکتے۔ یا کسی کو اِن صفات کے ساتھ موصوف نہیں دیکھ سکتے۔ قدریہ اور جبریہ دونو گروہ اُن صفات کمال اور نعوت جلال کے ساتھ جن کا اللہ تعالیٰ مستحق و شایاں ہے اُس کی مدح و ثنا نہیں کرتے۔ اور نہ اُنھوں نے اُس کے قدر کو پوری طرح سمجھا ہے۔ متبعین رسول یعنی اہل سنت دونو فریق کی لغو اور بیہودہ باتوں سے بیزار و برکنار ہیں۔ اور حق بات جہاں ہو اُس کے پیرو اور مددگار ہیں۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور کتاب مجید کو چھوڑ کر زید و عمر کے اقوال و آرا کے پیچھے نہیں پڑتے۔ اور یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے۔ جسے چاہے عطا فرمائے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے ؛

ابن مسعود رضؓ کہتے ہیں۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز کا تشہد اور ضرورت کے وقت اس طرح خطبہ پڑھنا تعلیم فرمایا۔ اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (سب تعریف اللہ کے لئے ہے ہم اُسی سے مدد اور اُسی سے گناہوں کی معافی مانگتے اور اپنی جانوں کی برائیوں سے اُس کی پناہ چاہتے ہیں۔ جس کو وہ ہدایت کرے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ اور جسے وہ بھٹکا دے اُسے کوئی راستے پر لانیوالا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ اللہ کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ اور حضرت محمد صلعم اُس کے بندے اور رسول ہیں) اس کے بعد مندرجہ ذیل تین آیات کا پڑھنا فرمایا؛

(۱) اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ الآیہ (اللہ سے ڈرو جیسا اُس سے ڈرنے کا حق ہے)

(۲) اِتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (اور جس خدا کا واسطہ دے دے کر تم (اپنے) کتنے کام نکالتے ہو اِس کا اور رشتوں کا پاس

محفوظ رکھو کیونکہ اللہ تمہارا نگران حال ہے ۔

(۳) اِتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا (اللہ سے ڈرتے رہو اور بات ٹھیک کہو تو راہ کی وہ سیدھی رہتی) ۔

ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے ۔ ابو داؤد نے کہا ہے ہم سے محمد بن کثیر نے بیان کیا۔ کہا ہم سے سفیان نے بیان کیا۔ انہوں نے خالد حذاء سے۔ انہوں نے عبد الاعلیٰ سے انہوں نے عبد اللہ بن حارث سے روایت کی کہ عمر بن خطاب نے جابیہ میں خطبہ پڑھا۔ اللہ کی حمد و ثنا بیان کی جس کے وہ لائق و شایاں ہے۔ آپکے پاس ایک ترجمان موجود تھا۔ جو آپکے کلام کو وہاں کے لوگوں کی زبان میں ترجمہ کرتا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ جملہ پڑھا مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ تو ایک پادری نے (اس کا انکار کیا اور نیز) اس طرح ہاتھ ہلائے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کا منکر ہے اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ کیا کہتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ اے امیر المومنین یہ کہتا ہے کہ اللہ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ آپنے اُسے فرمایا۔ اے اللہ کے دشمن تم جھوٹے ہو بلکہ اللہ ہی نے تجھ کو پیدا کیا۔ اور اسی نے تجھ کو گمراہ کیا۔ پھر وہی تم کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ خبردار اللہ کی قسم اگر تجھ سے میرا معاہدہ نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کرا دیتا۔ بیشک اللہ عزوجل نے اہل جنت و اہل دوزخ اور ہر ایک کے اعمال کو پیدا کر کے فرما دیا ہے۔ کہ یہ لوگ جنت میں جائینگے اور یہ دوزخ میں۔ مگر لوگوں کے مختلف فرقے ہو گئے اور تقدیر کے باب اختلاف کرنے لگے ۔

فصل ۔ ہدایت کے مراتب میں سے چوتھے مرتبہ کا بیان ۔ یعنی وہ ہدایت اور راہ نمائی جو قیامت میں اہل جنت کو جنت کی طرف اور اہل دوزخ کو دوزخ کی طرف ہو گی ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَھُمْ وَ مَا کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاھْدُوْھُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ (اور ہم فرشتوں کو حکم دینگے کہ) جو لوگ (دنیا میں) نافرمانیاں کرتے رہے ہیں اُن کو اور اُن کے ساتھیوں کو اور خدا کے سوا جن (معبودوں) کو پوجتے رہے ہیں ان سب کو ایک جگہ اکٹھا کرو (اور) پھر اُن کو دوزخ کے رستے لے چلو ۔

وقال تعالےٰ وَ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَھُمْ سَیَھْدِیْھِمْ وَ یُصْلِحُ بَالَھُمْ (اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے۔ اُن کے عملوں کو خدا ہرگز رائگاں نہیں ہونے دیگا۔ بلکہ انہیں (منزل) مقصود کو پہنچا دیگا ۔ اور اُن کو خوشحال کر دیگا) اس آیت سے معلوم

ہوتا ہے۔ کہ یہ ہدایت مرنے اور شہید ہونے کے بعد حاصل ہوگی۔ بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ
اُن کو جنت کی طرف راہ نمائی فرمائیگا۔ اور آخرت میں اُن کے اعمال قبول فرمانے اور دشمنوں پر
راہنمی کرنے سے اُنکی حالت درست فرمائیگا۔ اور ابن عباس کا قول ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو
نہایت سید ہے اور باصواب کام کی طرف ہدایت فرمائیگا۔ اور دنیا کی زندگی میں اُن کو گمراہی
و شر سے بچائیگا۔ اِس قول پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کا حال
بیان فرمایا ہے۔ جو اُس کی راہ میں شہید ہو چکے ہیں۔ کہ وہ عنقریب اُنکو ہدایت کریگا۔ زجاج
نے ابن عباسؓ کے قول کو اختیار کیا۔ اور کہا ہے کہ سواے اس اور احکام دُنیا میں اُن کی حالت
درست فرمائیگا۔ مطلب یہ کہ اُن کو دنیا و آخرت دونوں کی بہتری نصیب فرمائیگا۔ اب اس قول کی
بنا پر قتل فی سبیل اللہ کے (مجاہدہ نفس یا اور کچھ) ایسے معنے لئے جائیں۔ جن کے ساتھ ہدایت کا
ثبوت اور اصلاح حال دنیا میں ممکن ہو ✤

پندرھواں باب

طبع ختم۔ قفل۔ غل۔ سد۔ غشاوہ اور اُن چیزوں کے بیان میں جو کفر اور ایمان کے درمیان حائل ہوتی ہیں اور نیز اس امر کے بیان میں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کرتا ہے

قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (اے پیغمبر جن لوگوں نے (قبول اسلام سے) انکار کیا ان کے حق میں یکساں ہے کہ تم اُن کو (عذاب الٰہی سے) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ۔ وہ تو ایمان لانے والے ہیں نہیں۔ اُنکے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے) ✤

وقال اللہ تعالیٰ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (اے پیغمبر بھلا تو نے اُس شخص کے حال پر بھی نظر کی جس نے اپنی خواہش

(نفسانی) کو اپنا معبود بنا رکھا اور علم ہوتے ہوئے اللہ نے اس کو گمراہ کر دیا ہے۔ اور اس کے کانوں پر اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے۔ اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ تو خدا کے (گمراہ کرنے کے) پیچھے کون اس کو ہدایت دے سکتا ہے (کیا تم لوگ غور (وفکر) کو کام میں نہیں لاتے)

وقال تع وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (اور نیز اس کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل محفوظ ہیں (اور کسی کی نصیحت ہم پر اثر نہیں کرتی محفوظ نہیں) بلکہ اُن کے کفر کی وجہ سے خدا نے اُن کے دلوں پر مہر کر دی ہے)

وقال تع كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكَافِرِيْنَ (کافروں کے دلوں پر خدا اسی طرح مہر کر دیا کرتا ہے)

وقال تع وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ (اور ہم انکے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں تو یہ لوگ (نصیحت کی بات) سنتے ہی نہیں)

وقال تع اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (کیا یہ لوگ قرآن (کے مطالب) کو نہیں سوچتے یا دلوں پر تالے (لگے) ہیں)

وقال تع لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلَالًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (ان میں سے اکثر پر تو فرمودۂ (خدا) پورا ہو چکا ہے۔ تو یہ (کسی طرح) ماننے والے نہیں ہم نے انکی گردنوں میں (بھاری بھاری) طوق ڈال دیئے ہیں۔ اور وہ ٹھوڑیوں تک پھنسے ہوتے ہیں۔ تو ان کے سر (ایسے) اُلل کر رہ گئے ہیں کہ ان کو رستہ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ اور ہم نے ایک دیوار (تو) اُن کے آگے بنائی اور ایک دیوار ان کے پیچھے اور اُوپر سے اُن کو دیا ڈھانک تو یہ دیکھ ہی نہیں سکتے۔ اور (اے پیغمبر) ان کے لئے یکساں ہے کہ تم ان کو (عذاب خدا سے) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ یہ تو ایمان لانے والے نہیں)

تنبیہ اور جبریہ دو نو گروہ نے ان آیات کی مراد و مطلب کو نہیں سمجھا۔ قدریہ نے تو انکی طرح طرح کی باطل تاویلیں ٹھیرائیں۔ بلکہ اُن کو اپنے اصلی معانی سے تحریف کیا۔ جبریہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو جبراً و قہراً کافر بنایا ہے۔ اس میں اُن کے کسی فعل۔ ارادہ۔ اختیار اور کسب کو کوئی دخل نہیں بلکہ کافر کے کسی گناہ اور جرم کے بدوں اس نے ہدایت کو اس سے روک دیا

اور اس کا امر کافر اور ہمیشہ کے واسطے جان حائل ہو گیا اُسکے ہدایت کی توفیق اور قدرت نہ
بخشی۔ اور اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ [illegible] وسیلہ نہ بنایا۔ جن کا قول ہے کہ
اللہ [illegible] ہمیشہ [illegible] کیا [illegible] اُن
[illegible] دلالت [illegible] یہ دونوں [illegible] استناد کرتے ہیں۔ اور
[illegible] کہتے ہیں کہ ان آیات کو اس صورت پر محمول کرنا
درست نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا کہ ایمان سے روک دیا۔ اور ایمان اور ان کے درمیان
حائل ہو گیا [illegible] ان کے سینے [illegible] ثابت ہو جائیگی۔ وہ کہہ سکیں گے کہ اللہ ہم کو ایسے کام کا
کس طرح حکم دیتا ہے [illegible] کرنے سے ہم کو [illegible] روک دیا ہے۔ اور جب اسنے ہی روک
دیا ہے تو [illegible] کام ہماری قدرت و اختیار سے باہر
ہے۔ اس کی [illegible] تکلیف [illegible] اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور اُنکے
بجا لانے [illegible] کی مثال بالکل اس طرح ہوگی جیسے کوئی شخص اپنے غلام کو ایک دروازے
سے اندر جانے کا حکم دے پھر خود ہی وہ دروازہ اس طرح بند کردے۔ کہ وہ اندر نہ جاسکے
اور پھر اندر نہ جانے پر اسے سخت سزا دے۔ یا کوئی شخص اپنے غلام کو کہیں جانے کا حکم دے
پھر خود ہی اُس کے پاؤں کو بیڑی سے ایسا جکڑ دے کہ وہ ایک قدم نہ چل سکے۔ اور پھر جانے
کو عدم تعمیل حکم پر سخت سزا دینے لگے۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی آدمی اس قسم کی حرکت کرے تو ظالم
اور یہ کام اُس کا نہایت برا فعل شمار ہوگا۔ جب مخلوق کے حق میں جو فقیر و محتاج ہیں یہ کام قبیح و
مُعیب ہے تو اس کو اس خالق کیطرف منسوب کرنا جس کی بے نیازی علم۔ انصاف اور رحمت
بے پایاں ہے کیسے درست ہو سکتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالےٰ نے اُن لوگوں کو جنہوں نے یہ کہا تھا
کہ ہمارے دل غلاف یا پردوں میں ہیں۔ اور اُن پر مہر لگائی گئی ہے جھوٹا قرار دیا اور اس بات
کے کہنے پر اُن کی مذمت فرمائی ہے۔ پس اللہ تعالےٰ کی طرف ان باتوں کو منسوب کرنا درست
نہیں بلکہ ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ کفار نے جب اُس ہدایت کے قبول کرنے سے جس کو
انبیاء لیکر آئے تھے اعراض کیا۔ اور اس سے نہایت درجہ متنفر ہیں۔ تو رفتہ رفتہ یہ نفرت
طبعی عادت اور جبلی عادت کی طرح اُن کے نفوس میں متمکن و جاگزین ہو گئے۔ اور انکی حالت
اُس شخص کی حالت کے مشابہ ہوگئی جو ہدایت سے روکا گیا اور اُس سے باز رکھا گیا ہو اور یہی
اعراض اُن کے کانوں میں بوجھ دلوں پر مہر اور آنکھوں پر پردہ ہو گیا۔ اور ان کے دلوں میں

ہدایت نہیں ہوا کرتی۔ اللہ تعالیٰ نے جو اُن کو گمراہی کی طرف اس لئے منسوب کیا ہے کہ یہ نفرت اور اعراض
انہوں نے خود ہی کیا تھا اور جب وہ ہو گیا تو وہ اُن کی خلقت میں داخل ٹھہرا۔ اسی واسطے
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (نہیں
بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ان (ہی) کے اعمال (بد) کے زنگ بیٹھ گئے ہیں) ؏

وقال تعالیٰ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (بلکہ خدا نے اُن کے کفر کی وجہ سے اُن
کے دلوں پر مہر کر دی ہے) وقال تعالیٰ فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (تو جب یہ لوگ
ٹیڑھی چال چلے خدا نے اُن کے دل بھی ٹیڑھے کر دیئے) ؏

وقال تعالیٰ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ
مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (تو نتیجہ یہ ہوا کہ اس دن تک کہ یہ خدا سے ملیں گے
(یعنی روز قیامت تک) خدا نے اُن کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا۔ اس لئے کہ انہوں نے جو خدا
سے وعدہ کیا تھا اس کو پورا نہ کیا اور نیز اس لئے کہ جھوٹ بولا کرتے تھے ؏

قدریہ کا یہ کلام اگرچہ اکثر صحیح ہے مگر کچھ غلط بھی ہے۔ اور انہوں نے اس مسئلہ کو کما حقہ
نہیں سمجھا۔ ایک صفت کے لحاظ سے خدا تعالیٰ کی عظمت کو مانا لیکن دوسرے وصف کے لحاظ سے
اُس کا پورا حق ادا نہیں کیا یعنی ذات الٰہی کو ظلم اور خلاف حکمت سے تو منزہ و مقدس ٹھیرایا
مگر اس کی توحید۔ کمال قدرت اور عموم مشیئت کو کما حقہ نہ سمجھا۔ ران ختم اور طبع کی نسبت جو کچھ
انہوں نے کہا ہے اس میں سے بعض تو قرآن کریم کے موافق اور صحیح اور بعض اس کے مخالف اور
غلط ہے۔ ان کی اتنی بات صحیح ہے کہ کفار اپنے کفر اور دیدہ و دانستہ حق سے اعراض کرنے
کی سزا میں ان چیزوں میں مبتلا کئے گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ
اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (تو جب یہ لوگ ٹیڑھی چال چلے خدا
نے اُن کی سمجھ بھی ٹیڑھی کر دی۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا) ؏

وقال تعالیٰ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (نہیں بلکہ بات
یہ ہے کہ اُنکے دلوں پر ان (ہی) کے اعمال (بد) کے زنگ بیٹھ گئے ہیں) ؏

وقال تعالیٰ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ
وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (یہ لوگ جیسے پہلی دفعہ قرآن پر ایمان نہیں لائے اگر معجزے
آئے پر بھی ایمان نہیں لائینگے۔ اور ہم ان کے دلوں اور انکی آنکھوں کو الٹ دینگے اور ہم ان کو ان

کی سرکشی (کی حالت) میں بھٹکتے رہیں (کہ ٹپّے کھٹکا کریں) ؛

وقال تعالیٰ ثُمَّ انْصَرَفُوا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (پھر اُٹھ کر چل دیتے ہیں (یہ لوگ پیغمبر کی مجلس سے کیا پھرے) اللہ نے انکے دلوں کو (دین حق سے) پھیر دیا) ؛

بعض قدریہ اس بات کو مانتے ہیں کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور کفار کے کفر اور اعراض سابق کی سزا ہیں۔ کیونکہ جب بندہ اپنی مرضی اور اختیار سے گمراہی پسند کرے۔ تو اللہ تعالیٰ (دُنیا ہی میں) اُس کی سزا میں اُسے گمراہی نصیب کرتا ہے۔ اور اگر ہدایت اختیار کرے تو اُس کے انعام میں ہدایت عطا فرماتا ہے جس طرح (قیامت کو) بدی کیا بدلہ بدی یعنی عذاب اور نیکی کا بدلہ نیکی یعنی نعمتیں ملینگی۔ اسی طرح دُنیا میں بھی کفر اور اعراض کے عوض گمراہی اور قبول حق کے بدل ہدایت ملتی ہے ؛

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ (اور جو لوگ رہ براہ ہیں (جب جب قرآن سنتے ہیں) ان کو خدا اس قرآن کی برکت سے اور زیادہ ہدایت دیتا اور نیز ان کو پرہیزگاری کی توفیق عطا فرماتا ہے) ؛

وقال تع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (مسلمانو اللہ سے ڈرتے رہو اور بات (بھی) کہو (تو راہ کی اور) سیدھی (سچی)، (ایسا کروگے) تو (خدا) تم کو اعمال صالحہ کی توفیق دیگا) ؛

وقال تع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (مسلمانو اگر تم خدا سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لئے ایک امتیاز پیدا کردیگا اور تمہارے گناہ تم سے دُور کردے گا) ؛

منجملہ فرقان وہ ہدایت ہے جو حق و باطل کے درمیان فرق کرے اور منافقین اور کفار کے حق میں فرمایا ہے فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا (سو (مسلمانو) تمہارا کیا حال ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو رہے ہو حالانکہ اللہ نے اُن کی کرتوتوں کی سزا میں اُن کی (عقلوں) کو اوندھا کردیا ہے) ؛

وقال تعالیٰ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (اُن کے دلوں میں (پہلے ہی سے کفر کا) مرض تھا اب (قرآن نازل کرکے) اللہ نے اُن کا مرض اور بھی بڑھا دیا) ؛

وقال تعالیٰ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (پھر اُٹھ کر چل دیتے ہیں

زیرہ لوگ پیغمبر کی مجلس سے کیا پھرے، اللہ نے ان کے دلوں کو (دین حق سے) پھیر دیا) +
مذکورہ بالا قول قدریہ کا صحیح قرآن کریم سے ثابت اور مقتضائے عدل الٰہی ہے اور
بندے کی نسبت اللہ کا حکم جاری اور اُس کی قضا عدل کے موافق نافذ ہے جب وہ
اپنے بندے کو اپنی معرفت محبت ذکر اور شکر کی طرف بلائے اور بندہ اُس سے روگردانی
اور کفران کرے۔ تو اُس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا ہے۔ کہ اُس کے دل کو اپنے
ذکر سے غافل اور ایمان سے روک دیتا اور قبول ہدایت اور اُس کے درمیان حائل ہو جاتا
ہے۔ اور یہ اس کا عین انصاف ہے۔ اور دُنیا میں اس کی سزا ختم طبع اور سد عن الایمان
(ایمان سے روکنا) کے ساتھ دیسی ہے جیسے قیامت میں مع اس سزا کے دوزخ میں داخل
کیا جائیگا +

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ثُمَّ
إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ (سچ مچ یہ لوگ اس روز اُس دن اپنے پروردگار کے سامنے نہیں آنے
پائینگے۔ پھر یہ لوگ ضرور جہنم میں داخل ہونگے) +

قیامت میں خدا تعالیٰ سے محجوب ہونے کا یہ مطلب ہے جیسے کہ کفار دُنیا میں دولت
ایمان سے بے بہرہ تھے اسی طرح قیامت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنے دیدار اور
کمال عزت سے محروم رکھیگا قیامت میں بھی گمراہی ہوگی۔ اور اسی طرح چونکہ دُنیا میں وہ خدا
کے آگے سر نہ جھکاتے تھے تو قیامت میں بھی سزا ملیگی۔ کہ جب اور سجدہ کرنے والوں کے ساتھ
یہ سجدہ کرنا چاہینگے تو اُن کو سجدہ کرنے سے روک دیگا۔ وہاں اس کے سامنے سجدہ نہیں کر سکینگے
اور قیامت میں یہ بھی سزا ملیگی کہ جیسے دنیا میں اندھے تھے اسی طرح وہاں بھی ہدایت سے
اندھے ہونگے۔ دُنیا میں ان گناہوں کے اسباب ان کی قدرت میں تھے اور اُن کو اختیار
ارادہ اور فعل سے وقوع میں آتے تھے اور جب یہ جرائم سزا کے طور پر واقع ہوئے۔ تو
اُن کی قدرت میں نہ رہے۔ بلکہ عدل کے مطابق قضاء الٰہی اُن پر جاری ہوئی +

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ
وَأَضَلُّ سَبِيلًا (اور جو اس (دنیا) میں (دیدہ و دانستہ) اندھا بنا) رہا وہ آخرت میں بھی
اندھا ہوگا اور (نجات کے) رستے سے بہت دور بھٹکا ہوا) یہاں سے یہ مسئلہ (جو نہایت
مفید اور عظیم الشان مسئلہ ہے) کہ اللہ تعالیٰ بندے کے حق میں کفر اور معاصی کو بھی مقدر فرماتا ہے

شامل ہو گیا۔ کہ کفر و معاصی کا مقدر کرنا محض عدل (انصاف) پر مبنی ہے۔ عدل سے جیسا کہ یہ جبریہ کا زعم ہے۔ اس چیز کا مقدر کرنا نہیں جو بندہ سے کیے ہوئے ہوں۔ انکے یہی اُن کا یہ خیال ہے کہ جو چیز بندہ کے ذریعے ہو سکے اس کا حکم دیا یا اسے مقدر کرنا تو عدل ہے۔ اور جو نہ ہو سکے اس کا مقدر کرنا ظلم ہے۔ اس فرقہ نے مشیئت کے اسباب اور ان کی حکمتوں میں کلام کرنے کے دروازہ کو اپنے اوپر بند کر دیا ہے۔ اور نہ عدل سے وہ مراد ہے جس کے قدریہ قائل ہیں۔ کہ اللہ تعالے کی قدرت و مشیئت کو بندوں کے افعال اُن کی ہدایت و ضلال میں کوئی دخل نہیں۔ اور نہ اُس کی مشیئت ہر چیز پر حاوی ہے۔ اور بندوں کے سب کام انکے اپنے اختیار میں ہیں اللہ تعالیٰ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ؛

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی اس کلام میں غور کرو مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ (اے اللہ میرے حق میں تیرا حکم نافذ اور تیری قضا انصاف کے ساتھ جاری ہے) آپ نے حکم نافذ کے ساتھ قضا کے عدل و انصاف کو کیسے ذکر فرمایا ہے۔ اس حدیث میں قدریہ اور جبریہ دو نو گروہ کی تردید موجود ہے کیونکہ جس عدل کو قدریہ ثابت کرتے ہیں وہ توحید کے مخالف ہے۔ اور پروردگار کے کمال قدرت اور عموم مشیئت کو بیکار ٹھہراتا ہے اور جس کے جبریہ قائل ہیں وہ حکمت رحمت اور حقیقت عدل کے منافی ہے۔ وہ عدل جو اللہ سبحانہ کی صفت اور اُس کا اسم پاک ہے۔ ان دو نو گروہ کے عدل کے علاوہ ایک اور چیز ہے اور اُس کو اُسکے رسول اور اُن کے پیرو لوگ ہی جانتے ہیں۔ اسی واسطے ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے کہا اِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّي عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (میں تو اللہ ہی پر بھروسا رکھتا ہوں (کہ وہ میرا (بھی) پروردگار ہے۔ اور تمہارا (بھی) پروردگار ہے) جتنے جاندار ہیں سب ہی کی تو چوٹی اُس کے ہاتھ میں ہے۔ بیشک میرا پروردگار (عدل و انصاف کے) سیدھے رستے پر ہے) ؛

ہود علیہ السلام نے پہلے یہ بیان فرمایا۔ کہ اللہ سبحانہ کی قدرت تمام چیزوں کو شامل اور اُس کی مشیئت ہر ایک چیز میں نافذ ہے اور وہ جس طرح چاہے اپنی مخلوق میں تصرف کرتا ہے۔ اس کے بعد بیان فرمایا۔ کہ وہ اس تصرف اور حکم میں صراط مستقیم پر ہے ؛

ابو اسحاق نے اس کی تفسیر میں کہا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ اگرچہ یہ قدرت ہے کہ وہ اپنی

مخلوق میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔ مگر وہ جو کچھ کرتا ہے انصاف کے ساتھ کرتا ہے۔ ابن انباری کا قول ہے کہ ہود علیہ السلام نے جب یہ جملہ هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا کہا۔ تو اس سے یہ سمجھا گیا۔ کہ ہر ایک جاندار اس کے قبضے میں ہے۔ اور وہ اپنے کمال قوت اور زور کے ساتھ ہر ایک پر قاہر اور غالب ہے۔ تو اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ کو اس کے بعد، کہ اس کے مطلب کو صاف کر دیا۔ کہ وہ کسی پر بیجا غلبہ ظاہر نہیں کرتا۔ بلکہ ہر ایک کے ساتھ نہایت انصاف سے برتاؤ کرتا ہے۔ اور یہ جملہ عرب کے اس مقولہ کے انداز پر واقع ہوا ہے۔ جس کو جب کسی کی خوش خلقی۔ عدل و انصاف کے ساتھ تعریف کرنی منظور ہو۔ تو عرب لوگ بولتے ہیں فُلَانٌ عَلٰى طَرِيْقَةٍ حَسَنَةٍ یعنی فلاں شخص اچھے راستے پر ہے۔ درحقیقت کوئی راستہ مقصود نہیں ہوتا بلکہ عدل و انصاف مراد ہوتا ہے ۔

ابن انباری نے اس کی ایک اور وجہ بھی ذکر کی ہے۔ کہ جب ہود علیہ السلام نے یہ بیان کیا۔ کہ اس کی قوت و سلطان ہر ایک جاندار پر قاہر ہے۔ تو اس کے بعد اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ کو اس لئے ذکر کیا۔ کہ معلوم ہو جائے کہ وہ ہر ایک کو دیکھتا ہے اور کسی جاندار کی چال اس سے مخفی نہیں۔ اور نہ کوئی اس سے بھاگ سکتا ہے۔ صراط مستقیم اس راستے کو کہتے ہیں جس پر ہر ایک کو چلنا پڑے۔ اس بنا پر یہ جملہ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (بیشک تمہارا پروردگار نافرمانوں کی تاک میں لگا رہتا ہے) کے مضمون میں موافق ہو گا۔ پہلے قول کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ اپنے ملک میں عدل و انصاف کے ساتھ تصرف کرتا ہے۔ نیکوکار کو نیکی کا بدلہ اور بدکار کو بدی کی سزا دیتا ہے۔ کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ کسی کو بغیر جرم کے سزا نہیں دیتا۔ اور کسی کے نیک عمل کو ضائع نہیں جانے دیتا۔ ایک کا گناہ دوسرے کے سر پر نہیں ڈالتا۔ کسی کو دوسرے کے جرم میں نہیں پکڑتا۔ اور نہ کسی کو ایسے کام کی تکلیف دیتا ہے جو اس کی وسعت اور طاقت سے باہر ہو۔ اس بنا پر یہ جملہ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ (اسی کے لئے ملک اور اسی کے لئے تعریف ہے) اور مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مضمون میں موافق ہو گا۔ الحمد للہ رب العالمین کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ سبحانہٗ اپنی قدرت و مشیت کے ساتھ تمام جہان میں متصرف ہے اسی طرح وہ اپنے ان تمام تصرفات میں محمود ہے کیونکہ اس کا ہر ایک تصرف انصاف پر مبنی ہے) اور دوسرے قول کے مطابق اس جملہ میں اہانت کی دھمکی اور تہدید ہے۔ کہ سب کو اس کے

پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اور سب کا راستہ یہی ہے کہ ایک دن اُس کے پاس پہنچیں گے۔ اُس کے عذاب سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ چنانچہ اور مقام میں فرمایا ہے هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ (یعنی یہی خالص بندگی کی) ایک سیدھی سڑک ہے (جو) ہم تک (آ پہنچتی ہے) ٭

فراء کا قول ہے۔ کہ سب کا مرجع میری طرف ہے۔ سو میں ہر ایک کو اُس کے اعمال کے مطابق بدلہ دونگا۔ چنانچہ اور مقام میں ہے اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ۔ یہ کلام عرب کے اِس جملہ کے مطابق ہے جیسے دوسری کو دھمکی دیتے وقت یوں بولتے ہیں طَرِيقُكَ عَلَيَّ وَ أَنَا عَلَىٰ نِيَّتِكَ۔ کلبی اور کسائی کا یہی قول ہے۔ اور نیز یہ جملہ اِسی قول کی بنا پر وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيلِ (اور دین کے رستے دو قسم کے ہیں ایک سیدھا راستہ (جو خدا تک پہنچاتا ہے) کے موافق ہے ٭

مجاہد کہتے ہیں کہ حق کا مرجع اللہ کی طرف ہے۔ اور حق کا راستہ اللہ کی طرف جاتا ہے۔ لفظ وَمِنْهَا جَائِرٌ (اور بعض ٹیڑھے (رستے ہیں) کا یہ مطلب ہے۔ کہ بعض راستے حق سے ادھر ادھر ہیں۔ وَلَوْ شَاءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِينَ (اور خدا چاہتا تو تم سب کو سیدھا رستہ دکھا دیتا) میں اللہ سبحانہٗ نے بتلایا ہے کہ اُس کی مشیت ہر ایک چیز کو حاوی ہے اور حق کا راستہ اُس کی طرف پہنچانے والا ہے جو اُس پر چلیگا وہ اُس کے پاس جا پہنچیگا۔ اور جو اُس سے ادھر ادھر ہو گا وہ بہک جائیگا۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ اِن آیات سے اللہ سبحانہٗ کی توحید اور اُس کا عدل ثابت ہوتے ہیں۔ اور نیز یہ کہ وہ اپنی مخلوق میں مالکیت محمودیت۔ عدل اور احسان کے ساتھ تصرف کرتا ہے پس وہ اپنے قول فعل شرع۔ قدر۔ ثواب و عقاب میں انصاف کی راہ پر ہے۔ حق بیان فرماتا اور عدل سے کام کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ (اور اللہ تو حق بات فرماتا اور وہی لوگوں کو سیدھا رستہ دکھاتا ہے) یہ عدل اور توحید جن پر قرآن کریم دلالت کرتا ہے باہم متناقض نہیں۔ البتہ وہ توحید اور عدل جس کے قدریہ و جبریہ قائل ہیں۔ باہم متناقض ہیں ٭

فصل۔ قدریہ میں سے جن لوگوں نے اِس طریق کو اختیار کیا ہے وہ نہ تو پورے قدریہ کے موافق ہیں۔ اور نہ بالکل اہلسنت کے ہمخیال ہیں۔ بلکہ اُن کا عقیدہ بین بین ہے۔ لیکن انکو قائلین تقدیر کی بات ضرور ماننی پڑیگی۔ ورنہ انکی کلام باہم سخت متناقض ہوگی۔ کیونکہ جب وہ اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ گمراہی۔ طبع۔ ختم۔ قفل۔ وقر اور جو کچھ ایمان اور بندے کے درمیان حائل ہوتا ہے

وہ سب اللہ کے مخلوق اور اس کی قدرت و مشیت سے واقع ہیں تو اس نے اس بات کو بیان کیا۔ کہ
افعال عباد اللہ تعالیٰ کے مخلوق اور اسکی مشیت سے واقع ہیں۔ خواہ وہ پہلی دفعہ وقوع میں آئیں یا
کسی پہلے فعل کی جزا اور سزا کے طور پر واقع ہوں۔ ان دو باہم کچھ فرق نہیں۔ اگر ایک قسم اللہ تعالیٰ
کی قدرت میں داخل اور اس کی مشیت سے واقع ہے تو دوسرا بھی اسی طرح ہوگا۔ اور جو ایک
قسم قدرت میں داخل نہیں۔ تو دوسرا قسم بھی داخل قدرت و مشیت نہ ہوگا۔ دو قسم میں فرق نکالنا
دو متناقض باتوں کا قول کرنا ہے ۔

ابو القاسم انصاری نے شرح ارشاد میں بعض قدریہ سے اس فرق کو بیان کیا ہے چنانچہ
کہا ہے کہ بعض قدریہ اس بات کے معترف ہیں۔ کہ ختم اور طبع اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجرمین کے
پہلے افعال کی سزا ہیں۔ اور عبد الواحد بن زید بصری اور بکر اس کا بھانجا اسی مذہب کے لوگوں میں
سے ہیں۔ اور یہ سزا اسی قسم کی ہے۔ جیسے قیامت میں گناہگاروں کو عذاب دوزخ کی سزا ملیگی۔
یہ لوگ اہل سنت کے مذہب کے قریب قریب ہیں صرف تھوڑا سا فرق ہے ۔

فصل بعض قدریہ کا قول ہے۔ کہ درحقیقت کافر نے خود ہی اپنے دل پر مہر لگا دی اور اسے
قبول ہدایت سے بند کر دیا۔ اور شیطان کا بھی یہی کام ہے۔ کہ وہ کفار کے دلوں پر مہر لگاتا ہے
لیکن چونکہ بندے اور نیز شیطان کو اللہ سبحانہ نے اس فعل پر قدرت دی ہے۔ لہذا اس لحاظ
سے کہ فاعل کو اس فعل پر اس نے قدرت دی ہے۔ یہ فعل اللہ کی طرف منسوب ہوا۔ نہ اس وجہ
سے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس فعل کا فاعل ہے۔ اہل سنت اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ کلام کچھ
صحیح اور کچھ غلط ہے۔ اس لئے ہم نہ تو سب کو قبول اور نہ سب کو رد کرتے ہیں۔ یہ قول کہ اللہ سبحانہ
نے کافر اور شیطان کو ختم اور طبع پر قادر کیا بالکل غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو صرف
برے کام اچھا کر دکھانے، وسوسہ ڈالنے اور کفر کی طرف بلانے پر قادر کیا ہے۔ بندے کے
دل میں کفر پیدا کرنے پر اسے ہرگز قدرت نہیں دی۔ اور شیطان کی کیا ہستی ہے کہ یہ کام
اس سے ہو سکے ۔

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں صرف خدا کی طرف بلانے اور اس کے
احکام پہنچانے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ ہدایت میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اور شیطان برے
کاموں کو مزین کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ گمراہی اس کے ہاتھ میں نہیں۔ غرض شیطان کو تو
صرف اتنی ہی قدرت ہے کہ وہ بندے کو ان کاموں اور اسباب کے کرنے کی طرف بلاتے۔

لیکن کو جب بندہ کر لیتا ہے تو اللہ اُس کے دل اور کان پر مُہر لگا دیتا اور قبول حق سے اُسے بند
کر دیتا ہے۔ جیسا شیطان کو یہ قدرت ہے کہ بندے کو بُرے کاموں اور اسباب کی طرف بلائے
کہ جب بندہ اُن کا مرتکب ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ اُس کو دوزخ کے عذاب میں گرفتار کریگا۔ دوزخ
کا عذاب اور ختم و طبع کا عذاب دونوں سزا ہونے میں یکساں ہیں۔ اور سزا کا سبب بندے کا فعل
اور اُس کی طرف ترغیب و تشویق شیطان کا فعل ہے اور سب کے سب اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں
ہاں یہ کہنا تمہارا صحیح ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے بندے کو جب فعل کرنے پر قدرت دی جو اُس کے
دل پر مُہر لگنے اور اُس کے بند ہونے کا موجب ہوا۔ اگر اللہ اُس کو قدرت نہ دیتا تو وہ کبھی
اس کو نہ کر سکتا۔ یہی بات تو کہا ہے لیکن قدریہ اس کے ساتھ یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ بندے
کو ایسی قدرت دیتا ہے جو دونوں ضدوں کی صلاحیت رکھتی ہے یعنی اُس فعل کو کرنا یا نہ کرنا۔ تو یہ دونوں
کی اُس کو قدرت ہوتی ہے پھر وہ اپنے ارادے اور اپنی مشیت سے جو اللہ کی قدرت سے
باہر ہے ایک بات اختیار کر لیتا ہے۔ اگرچہ بندے کی قدرت جو دونوں باتوں کی صالح ہے۔
اللہ کی قدرت میں داخل ہے۔ لیکن اُس کی مشیت اختیار اور فعل اللہ کی قدرت سے باہر ہیں۔ قدریہ
کی یہ بات سراسر غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام چیزیں اُس کی مخلوق ہیں۔ سب اُس کی قدرت میں
داخل اور اُس کی مشیت سے ہیں [illegible] اُس کی مشیت کے بغیر کوئی چیز وجود میں نہیں آتی ۞

قدریہ کہتے ہیں جب کفار نے آیات الٰہی میں تدبر اور غور و فکر کرنے سے اعراض کیا
اور اُن سے عبرت حاصل کرنے کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ اور اُن کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کے اُن پر
حجت قائم کرنے کے ساتھ مقارن تھا۔ تو اس سبب اور مقارنت کی وجہ سے اُن کے افعال اللہ
کی طرف منسوب ہوئے۔ اہل سنت اس کے جواب میں کہتے ہیں یہ بات غلط ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ
صرف مقارنت کی وجہ سے اپنی ذات کی طرف ایسی چیز منسوب کرے۔ جو درحقیقت اُس کی طرف
منسوب نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ کبھی ایک چیز کے ساتھ اُس کی ضد بھی مذکور ہوتی ہے مثلاً خیر کے ساتھ
شر۔ حق کے ساتھ باطل۔ صدق کے ساتھ کذب مقارن و مذکور ہوتے ہیں۔ اور اس مقارنت کی
وجہ سے یہ جائز نہیں ہوتا۔ کہ ایک چیز کو دوسری چیز کی طرف منسوب کر سکیں۔ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکتا ہے
کہ کفر و فسق اور عصیان اللہ تعالیٰ کی محبوب اور پسندیدہ چیزیں ہیں۔ کیونکہ وہ ایمان اور طاعت کے
ساتھ مذکور اور بیان میں مقارن ہیں۔ اور کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ شیطان بھی اللہ کا محبوب پیارا
ہے کیونکہ وہ بھی فرشتوں کے ساتھ ہی پیدا ہوا تھا۔ اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے

کہ ایک چیز کو دوسری چیز میں کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔ مگر مقارنت و مصاحبت کی وجہ سے اُس کو دوسری چیز کی طرف نسبت کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهِ إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ (اور جس وقت کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو منافقوں میں سے بعض لوگ (ایک دوسرے سے) پوچھنے لگتے ہیں کہ بھلا اس (سورت) نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھا دیا۔ سو جو (سچے دل سے) ایمان رکھتے ہیں اس (سورت) نے ان کا تو ایمان بڑھا دیا اور وہ اپنی جگہ خوشیاں منا رہے ہیں۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے تو اس (سورت) نے ان کی پہلی خباثت پر اور خباثت بڑھا دی اور یہ لوگ کفر ہی کی حالت میں مر گئے)۔

ظاہر ہے کہ سورت قرآن نے کفار منافقین کے کفر اور گندگی کو زیادہ نہیں کیا۔ صرف ان کی گندگی کا زیادہ ہونا اور سورت کا نزول ایک وقت موجود و مقارن ہوئے۔ اسی مقارنت کی وجہ سے زیادتی کفر کو سورت کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صرف وہی چیز نہیں جس کو تم نے ذکر کیا ہے یعنی سورت کا کفار و منافقین کی گندگی کا بڑھانے اور اُس کے نزول کے زیادت گندگی سے مقارن ہونے میں انحصار نہیں بلکہ یہاں ایک تیسری چیز بھی موجود ہے کہ جب سورت نازل ہوئی۔ تو اس کے نزول کا مقتضا و منشاء یہ تھا کہ بندے اس پر ایمان لائیں۔ اس کے اوامر و نواہی کا یقین کر کے اُن پر کاربند ہوں۔ سو ایمان والوں نے تو جان و دل سے ایسا ہی کیا اور اس وجہ سے اُن کے ایمان میں ترقی ہوئی۔ اور اس زیادت اور ترقی کو سورت کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا کہ وہ اس زیادت کا سبب ہوئی۔ اس کے برخلاف کافروں نے اس کی تکذیب و انکار کیا۔ اور سورت لانے والے کو جھوٹا قرار دیا۔ اور اس کے احکام کی مخالفت و انکار پر کمربستہ ہو گئے۔ اس وجہ سے اُن کی خباثت اور گندگی پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ اور سورت کی طرف اس لئے منسوب کی گئی۔ کہ سورت کا نزول اس کا سبب ہوا۔ پس اس آیت میں جو زیادت ایمان اور کفر کو سورت کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ اس میں اور ان افعال قبیحہ کو (جن کو تمہارے زعم میں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں) اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے میں بڑا فرق ہے۔ اُس کے علاوہ کفار کے افعال قبیحہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں کئے گئے۔ وہ تو اُنہی کی طرف منسوب ہیں۔ اللہ تع

کی طرف تو اُس کے افعالِ حسنہ جو غایاتِ محمودہ اور حکمِ مطلوبہ پر مشتمل ہیں منسوب ہیں۔ اور ختم۔ طبع۔ قفل۔ اضلال اللہ تعالیٰ کے افعالِ حسنہ ہیں جن کو مناسب موقع میں اُس نے رکھا ہے۔ جس جگہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو رکھا ہے وہ انہی کے قابل تھی۔ اور شرک۔ کفر۔ معاصی اور ظلم وغیرہ کفار کے افعالِ قبیحہ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف فاعل ہونے کی حیثیت سے نسبت نہیں کئے جاتے۔ گو خالق اُن کا بھی وہی ہے۔ یہ افعال اور چیز ہیں اور اُن کا پیدا کرنا اور چیز ہے۔ یعنی خلق اور مخلوق میں ایسا ہی فرق ہے جیسے فعل اور مفعول۔ مقدور اور مقدر۔ قضا اور مقضی میں ہے۔ اور انشاء اللہ بابِ اجتماع الرضاء بالقضاء وسخط الکفر والفسوق والعصیان میں یہ مسئلہ پوری طرح بیان ہوگا +

قدریہ کہتے ہیں جب کفار کفر میں اس حد کو پہنچ گئے۔ کہ جبراً و قہراً مومن بنانے کے سوا اُن کے لئے ایمان کی طرف کوئی رستہ نہ رہا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا کہ اُن کو جبراً مومن بنا دے ورنہ سلسلۂ تکلیف کی حکمت بیکار ہو جاتی۔ لہٰذا اُن کو جبراً مومن نہ بنایا اور اسی جبراً مومن نہ بنانے کو ختم اور طبع سے اِس لئے تعبیر کیا کہ وہ اِس بات پر متنبہ ہوں کہ وہ کفر و اعراض میں اس حد کو پہنچ گئے ہیں کہ جبر کئے بغیر وہ باز نہ آئینگے۔ یہ گویا اُن کی پرلے درجہ کی سرکشی اور کفر کا بیان ہے +

اہلسنت اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ کلام اول سے آخر تک غلط ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ کو یہ قدرت ہے۔ کہ اُن کے دلوں میں ایمان کی محبت۔ ارادہ اور اس کی مشیت پیدا کر دیتا۔ اور وہ بغیر جبر و قہر کے اپنے اختیار و طاعت سے ایمان لے آتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا (اور اے پیغمبر! تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے) اس کے علاوہ جبراً و قہراً ایمان لانے کو ایمان ہی نہیں کہتے۔ اِسی واسطے قیامت میں بہت سے لوگ ایمان لائینگے۔ مگر چونکہ وہ ایمان اضطرار و مجبوری کی حالت میں ہوگا۔ اِس لئے اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا (ہم چاہتے تو دُنیا ہی میں ہر شخص کو (ایسی) سوجھ عنایت کرتے کہ وہ سیدھے رستے پر آجاتا) وہ معرفت اور تصدیق جو جبراً و قہراً حاصل ہو اُس کو ہدایت نہیں کہتے۔ ایک اور مقام میں ارشاد ہوا ہے أَفَلَمْ يَيْأَسِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا (تو کیا ابھی مسلمانوں

کو سمجھ نہیں آیا سکتا اگر خدا چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت کر دیتا) غرض تھا یا یہ کہنا کہ جبراً مومن بنانے کے سوا ایمان کی طرف اُنکے لئے کوئی رستہ نہ رہا بالکل غلط ہے بلکہ ایمان کی طرف اُنکے لئے یہ رستہ موجود تھا کہ اللہ تعالےٰ اُنکے دلوں کو ہدایت کی طرف مائل کر دیتا اور اُن میں ایمان کی مشیت و ارادہ پیدا کر دیتا اور اپنی توفیق و الہام سے سرفراز کر کے صراط مستقیم پر قائم رکھتا ۔ رب العالمین یہ سب کچھ کر سکتا ہے جیسے اُسے یہ قادرت ہے کہ اُنکی ذوات و صفات وغیرہ حالات کو پیدا کیا ہے اسی طرح اس کو یہ بھی قدرت ہے کہ اُن ارادہ راست پر لگا دیتا ۔ مگر ان کو اس لئے محروم کیا کہ ان کو مومن بنانا اس کی حکمت و عدل کے خلاف تھا اور وہ اس نعمت و فضل کے اہل و مستحق نہ تھے اسکی مثال ایسی ہے کہ ہر ایک چیز کی کھٹ میں وہ خاصیتیں و فوائد نہیں رکھے گئے جو اُس کے عطر و خلاصہ میں ودیعت رکھے گئے ہیں ۔ یا گرم چیز میں ٹھنڈی کے خواص اور پلید میں پاک چیز کے منافع پیدا نہیں کئے گئے ۔ اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ کسی چیز کو کھٹا اور کسی کو عمدہ کسی کو گرم اور کسی کو سرد ۔ کسی کو پاک اور کسی کو ناپاک کیوں بنایا ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسکے اسماء و صفات اور اُس کی مالکیت و ربوبیت کا یہی مقتضی ہے کہ مختلف مراتب و متفاوت احوال پر اشیاء پیدا کرے اور پاک اور ناپاک حسن و قبیح ۔ جید و ردی ۔ بھلی اور بُری چیزیں مساوات کرنا اُس کی حکمت کے خلاف ہے ۔ حیوانات میں نر و مادہ بنانا اور مختلف حالات و اطوار اور متباین اخلاق و عادات کی گوناگوں مخلوقات کو پیدا کرنا یہ سب اُس کی ربوبیت کے آثار و لوازم ہیں ۔ پس یہ سوال کرنا کہ اللہ نے ناپاک ۔ ردی اور بُری چیزوں کو کیوں پیدا کیا ۔ اسکے اسماء و صفات ۔ ملک و ربوبیت سے نادانی اور ناواقفیت پر مبنی ہے ۔ اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو مختلف حالات و مراتب پر پیدا کیا ہے ۔ اور یہ اُس کی کمال قدرت اور ربوبیت کی نشانی ہے ۔ بعض مخلوق تو ایسی بنائی ہے کہ وہ تمام تر کمالات کی قابل و صالح ہے ۔ اور بعض بالکل کسی کمال کی قابلیت نہیں رکھتی ۔ اور ان دونوں مرتبوں کے بیچ میں بہت مختلف مراتب ہیں ۔ جن کو خلاق علیم کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ۔ اور ہر ایک متنفس کو اُن چیزوں کے حصول کی طرف راہ نمائی کی ہے ۔ جن کے وہ صالح و قابل ہے ۔ اور قابل ۔ مقبول ۔ قبول سب اُسکے مفعول ۔ مخلوق اور اُس کے فعل و خلق کا اثر ہیں یہی مسئلہ ہے جس کو جبریہ و قدریہ نے نہیں سمجھا اور راہ حق سے دُور ہو گئے ۔

توفیق خدا ہی کے ہاتھ میں ہے ۔ قدریہ ۔ کہتے ہیں کہ ختم و طبع سے یہ مراد ہے کہ اللہ سبحانہ نے خود اُنکی نسبت اور نیز اُنکے کانوں اور دلوں کی نسبت یہ شہادت دیدی کہ یہ ایمان نہیں لائینگے ۔ اور نہ حق

بات سنینگے - اور نہ اُسے قبول کرینگے ؛

اہلسنت اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ بات تمہاری ویسی ہی ہے جیسے پہلے کہہ چکے ہو کہ کفار کے دلوں اور کانوں پر اللہ تعالے کے ختم و طبع کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالے نے اس بات کی خبر دینا ہے کہ ان پر ختم و طبع ہو چکا ہے ورنہ درحقیقت ختم و طبع کا فاعل اللہ نہیں - اور اس کا جواب کافی طور پر ہم بیان کر چکے ہیں - کیا لغت کے رو سے کبھی محاورہ میں یوں بولتے ہیں - کہ میں نے فلاں شخص کے دل پر مہر لگا دی اور اس کا یہ معنی ہو کہ میں اس کے مہر شدہ ہونے کی خبر دے رہا ہوں یا اپنے فعل کو یقین بتلا رہا - ہرگز کسی محاورہ میں ایسا نہیں آیا - بلکہ لغت اور قرآن کریم پڑھا ہوتا یا دیکھتے ہو ؛

بعض قدریہ کہتے ہیں کہ کفار کے دلوں پر اللہ تعالے کے مہر لگانے سے یہ مراد ہے - کہ اللہ ان کی دلی باتوں یعنی کفر وغیرہ سے واقف و آگاہ ہے - بعض کہتے ہیں کہ اللہ اُنکی دلی باتوں کو لکھوا رہا ہے تاکہ قیامت میں انکو سزا دے - اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ نے ان پر ایسی نشانی اور علامت رکھدی ہے - کہ جس سے ملائکہ معلوم کرلیں کہ فلاں لوگ کافر ہیں - اور ان سب خرافات کا جواب ہم پہلے بیان کر چکے ہیں - قدریہ کہتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ ختم - طبع اور قفل ایمان لانے سے مانع ہوں - بلکہ یہ ایک گونہ غفلت اور بلادت اور گہری نظر سے نہ دیکھنے کے قسم سے ہیں - جو حق سے اعراض اور روگردانی کا موجب ہوتے ہیں - یہ غفلت - بلادت وغیرہ جیسا کہ قدریہ کہتے ہیں جاتی رہے اگر شروع اور ابتداء میں ہو - اگر کفار ابتدائی حالت میں بنظر غور دیکھتے اور تدبر کرتے تو ضرور ایمان کو اختیار کرتے - اور جب یہ چیزیں دل میں مستحکم اور مضبوط طور سے متمکن ہو جائیں - تو پھر ایمان لانا محال ہے - اور یہ ختم - طبع وغیرہ بندہ کے فعل اور اُس کے اعراض - غفلت اور حق و ہدایت کے مقابل شہوات نفسانی کو اختیار کرنیکا اثر اور نتیجہ ہیں - یہی غفلت جب دل میں زیادت و مستحکم ہو گئی تو ایک صفت راسخہ طبع ختم قفل اور ران بن گئی ابتدائی حالت میں کفار اور ایمان کے درمیان حائل نہ تھی اور اس کے ساتھ ایمان لانا ممکن تھا ابتدائی حالت میں اگر ایمان لانیکا ارادہ کرتے تو ان موانع کے موجود ہوتے بھی ایمان اختیار کر لیتے - مگر جب یہ موانع خوب مستحکم ہو گئے - تو پھر ایمان لانے کی کوئی صورت نہ رہی - اس کی مثال ایسی ہے کہ آدمی کو جس چیز کی محبت ہوتی ہے - اول اول اس کی خوبی و عمدگی اُس کے دل میں جلوہ گر ہوتی ہے - جس سے اُس کے دل میں اُس چیز کی شدت کشش اور میلان ہو جاتا ہے - پس اگر اس

اس حالت میں اُس کشش اور میلان کو روک دے تو وہ رک سکتا ہے۔ کیونکہ ابھی تک اُس کے اسباب مستحکم و مضبوط نہیں ہوئے اور اگر وہ شخص میلان کو بند نہ کرے تو رفتہ رفتہ اُس کے اسباب قوی ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اس قدر زور پکڑ جاتا ہے کہ پھر اُس کا ہٹانا اور دُور کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور اس چیز کی محبت اور عشق دل میں ایسا گھر بنا لیتے ہیں۔ کہ اس کا دل صرف اسی چیز کی طرف نگراں رہتا ہے۔ اور محبوب کے سوا اور کسی چیز کی اُس میں مطلقاً گنجائش نہیں رہتی۔ اور اب اس سے باز آنا اُس کے اختیار میں نہیں رہتا۔ اور شروع شروع میں اس کام سے باز آجانا اُس کے اختیار میں تھا۔ چنانچہ اس مضمون کو ایک شاعر نے نہایت خوبی سے باندھا ہے۔ شعر

تَوَلَّمُ بِالْعِشْقِ حَتّٰى عَشِقَ　　فَلَمَّا اسْتَقَلَّ بِهٖ لَمْ يُطِقْ
تَرَاٰى لُجَّةً ظَنَّهَا مَوْجَةً　　فَلَمَّا تَمَكَّنَ مِنْهَا غَرِقَ

(ترجمہ) پہلے تو نے عشق کو اپنی حرص اور خواہش سے اختیار کیا یہاں تک کہ جب اُس نے اپنے پاؤں جما لیئے اور اُس کو اُس کا بوجھ اُٹھانا پڑا تو برداشت نہ کر سکا۔ دریا کو دیکھ کر سمجھا کہ یہ پانی کی ایک معمولی لہر ہے مگر جب اُس کے بیچ پہنچا تو اس میں ڈوب مرا اسی طرح کفار بھی اگر ابتدائی حالت میں اُن امور اور اسباب کی مخالفت کرتے جو ہدایت سے مانع تھے تو آسانی کے ساتھ اُن کو ہٹا سکتے اور ایمان لانا اُن پر دشوار نہ ہوتا جیسے کہ اگر بیماری شروع ہوتے ہی اُس کے علاج کی فکر کی جائے تو وہ آسانی کے ساتھ دُور ہو سکتی ہے۔ اور اگر علاج میں سستی اور غفلت روا رکھیں اور بیماری اپنا زور پکڑ جائے تو پھر طبیب پر اس کا علاج نہایت دشوار ہو جاتا ہے اور اس کی مثال یوں ہے۔ کہ کوئی شخص کیچڑ میں گھسنا شروع کرے تو وہ جب تک اُس کی گہرائی میں نہ پہونچے اُس سے نکل سکتا اور اپنی جان بچا سکتا ہے اور جب گہرائی میں پہونچ جائے۔ تو پھر اُس سے نکلنا مشکل اور دشوار ہو جاتا ہے۔ غرض ابتدائی حالت میں بندے کو قدرت اور اختیار ہوتا ہے اور جب کسی چیز کے اسباب مضبوط ہو جائیں۔ اور وہ چیز زور پکڑ لے۔ تو پھر آدمی بے بس ہو جاتا ہے۔ اس مقام کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ تقدیر کے باب میں اس کا سمجھنا نہایت ضروری اور مفید ہے۔ اور بہتری کی توفیق اللہ کے اختیار میں ہے۔ کفر ایمان کا جاعل اور خالق اللہ سبحانہٗ ہے اور اُن کے اسباب بندوں سے وقوع میں آتے ہیں یہ اسباب

کبھی تو عدمی امور ہوتے ہیں اور ان کے لئے ان کی اضداد کے پیدا کرنے کی مشیت کا ہونا کافی ہے یعنی اسباب ہدایت کے پیدا کرنے سے اللہ سبحانہٗ کی مشیت متعلق نہیں ہوتی اور بندہ اصلی عدم اور پہلی حالت میں رہتا ہے۔ اور اگر اللہ سبحانہٗ کسی بندے کو ہدایت کرنی چاہے تو اپنی طرف سے اُسے اعانت اور توفیق دیتا ہے جب تک اُس کی اعانت و توفیق نہ ہو ہدایت کبھی حاصل نہیں ہو سکتی ۔

فصل - یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ طبع۔ ختم اور قفل کے ساتھ ایمان کا حاصل ہونا محال اور ممتنع نہیں۔ بلکہ اللہ سبحانہٗ اس بات پر قادر ہے کہ جس دل پر طبع۔ ختم اور قفل لگا ہے۔ ان کو کھول کر اُسے ضلال کی بجائے ہدایت۔ جہل کے بدل علم اور غی کے عوض رشد عطا فرمائے۔ اور اپنی توفیق کی کنجیوں سے جو اُس کے ہاتھ میں ہیں اُس کے دل کے تمام قفل کھول دے۔ اگر اُس کی پیشانی پر شقاوت اور کفر لکھا گیا ہے۔ تو اللہ سبحانہٗ کو یہ قدرت ہے کہ اُسے مٹا کر اُس کی جگہ سعادت اور ایمان لکھدے۔ اور اللہ کی قدرت کے سامنے یہ امر کوئی محال نہیں حضرت عمر بن خطاب کے پاس ایک قاری نے اس آیت کو پڑھا اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (کیا یہ لوگ قرآن (کے مطالب) کو نہیں سوچتے یا دلوں پر تالے لگے ہیں) اس وقت آپ کی مجلس میں ایک جوان بیٹھا تھا۔ اُس نے کہا اے اللہ ان پر تالے لگے ہیں مگر ان کی کنجیاں بھی تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اُن کو تو ہی کھول سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ اُس کی اس بات کو سمجھ گئے اور اس سبب سے اُس کی قدر افزائی فرمائی ۔

اور حضرت عمرؓ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے۔ اے اللہ اگر تو نے مجھ کو شقی لکھ رکھا ہے تو اس کو مٹا کر مجھے سعید لکھ دے۔ بیشک۔ تو جو چاہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہے ثابت رکھتا ہے۔ غرض اللہ سبحانہٗ جو چاہے کر سکتا ہے اُسے کوئی رُکاوٹ نہیں۔ اور اس مسئلہ میں بھی دو نو گروہ قدریہ و جبریہ راہِ صواب سے دُور جا پڑے ہیں۔ قدریہ کہتے ہیں کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر اور اُس کے فعل و اختیار سے خارج ہے کیونکہ اگر اللہ کی قدرت میں ہو اور بندہ اسکو کھے تو اللہ کے جود ولطف خلاف ہے جس کو قدرت ہدایت ایمان دے سکتا تھا اُسکو اس نعمت سے محروم رکھا۔

اور جبریہ کہتے ہیں کہ یہ تبدیل و تغیر اللہ تعالیٰ نہیں کرتا کیونکہ جب وہ کوئی چیز مقدر کر دے تو پھر اس میں تغیر و تبدیل نہیں کرتا۔ اور نہ اپنے علم و تقدیر کے برخلاف اس سے میں کوئی تصرف کرتا ہے۔ دونو گروہ نے حق تعالیٰ پاک تصرف و قدرت کو معدوم اور بیکار کر دیا ہے۔

جس پر کسی کی رُکاوٹ اور بندش نہیں۔ اور تمام مخلوق شرعاً و قدراً اُس کے حکم کے تابع ہے
یہ مسئلہ بھی تقدیر کا بڑا اہم اور ضروری مسئلہ ہے انشاء اللہ باب المحو والاثبات میں کما حقہٗ بیان
ہوگا۔ یہاں مطلب اتنا ہے۔ کہ اگر کوئی بندہ طبع۔ ختم اور قفل لگنے کے بعد بھی ان کے کھلنے کے
لئے کوشش کرے۔ تو اس ختم۔ طبع اور قفل کو وہ اللہ جس کے ہاتھ میں سب چیزوں کی کنجیاں
ہیں کھول سکتا ہے۔ اگرچہ ان چیزوں کو کھولنا بندے کے اختیار میں نہیں۔ لیکن اس کے
اسباب بندے کی قدرت و اختیار میں ہیں۔ جیسے دوا کا پی لینا تو بندے کے اختیار میں ہے
گو بیماری کا دُور ہونا اور صحت کا حاصل ہونا اس کے اختیار میں نہیں۔ اور جب مرض زور
پکڑ جائے۔ تو پھر اسباب و تدابیر صحت کے عمل میں نہ لانے کی نسبت اُس کا کوئی عذر مسموع نہیں
کیونکہ اگرچہ صحت اُس کے اختیار میں نہ تھی لیکن اسباب کا عمل میں لانا تو اُس کے قدرت میں تھا۔
جب مرض سے اس کو تنفر نہ ہوا اور اس کے دور ہونے اور حصول صحت کے لئے کوشش نہ
کی حالانکہ اُسے دونوں میں تفاوت بھی معلوم تھا۔ تو اُس نے دیدہ و دانستہ اپنے آپ پر صحت کا دروازہ
بالکلیہ بند کر دیا۔ اللہ سبحانہٗ نے بعض اپنے گمراہ بندوں کو جو یہ سمجھے ہوتے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں
راہِ حق پہ لگا دیتا ہے۔ اور جب ایسے لوگوں کو (اصلی) ہدایت کا پرتو نظر آتا ہے تو چونکہ اُن کے نفس
کو اُس سے کمال مناسبت اور محبت ہوتی ہے۔ اِس لئے اس سے اِدھر اُدھر نہیں ہوتے۔ اور
جب کوئی بندہ ہدایت کو سمجھ کر اُسے پسند نہ کرے اور ہدایت کے منافع اور خوبی اور گمراہی کے
نقصان اور بُرائی معلوم ہونے کے بعد گمراہی کو اختیار کرے تو اس نے جان بوجھ کر اپنے آپ پر
ہدایت کا دروازہ بند کر دیا۔ اس حالت میں بھی اگر ہدایت کا طلبگار رہے اور اُس پروردگار کی بارگاہ
میں اپنی محتاجی ظاہر کرے۔ جس کے سوا کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ اور یہ سمجھے کہ اگر اللہ ہدایت
نہ کرے تو وہ خود بخود کبھی ہدایت نہیں پا سکتا۔ ہمیشہ گمراہی میں مبتلا رہیگا۔ اور اللہ سے یہ سوال
کرے کہ اللہ اُس کے دِل کو پھیر دے۔ اور اُسے نفس کے شر سے بچا لے۔ تو اللہ تعالےٰ اُسے
ہدایت عطا فرماتا اور اپنی توفیق رفیق کر دیتا ہے۔ بلکہ اگر اتنا بھی کرے۔ کہ گمراہی کو بُرا اور ایسا مہلک
مرض سمجھے کہ اگر اللہ اس کو شفا نہ دیگا۔ تو یہ مرض اُس کو ہلاک کر ڈالیگا تو یہ تنفر اور کراہت ہی اُس
کی شفا اور ہدایت کا ذریعہ ہو جائیگا۔ شقاوت اور گمراہی کا بڑا سبب یہ ہے کہ آدمی کو اُس
سے محبت ہو اور اُسے اچھا جانے۔ اور ہدایت اور حق کو بُرا سمجھے۔ غرض اگر کوئی گم گشتہ
جس کے دِل پر کفر کی مہر لگی ہے اُس کو بُرا سمجھ کر خدا تعالےٰ کی طرف راغب ہو۔ اور حتی الوسع

کفر سے نکلنے کی کوشش کرے تو ہدایت اُس سے دور نہیں اور جب طبع اور ختم اُس کے دل پر مضبوط ہو جائے تو پھر اسے کفر سے نفرت نہیں رہتی اور یہ چیزیں اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگنے سے مانع ہو جاتی ہیں۔

فصل - اگر کوئی یہ شبہ پیدا کرے کہ طبع۔ ختم اور قفل تو تمہارے بیان کے موافق گناہوں کی سزا ہے اور کفر و اعراض عن الحق تو گناہوں سے سابق اور پہلے ہے۔ تو اس شبے کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بہت سے لوگ غلطی میں پڑے ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ کی نسبت اُس کے اسماء و صفات کے مقتضٰی کے خلاف گمان کرتے ہیں۔ قرآن اول سے آخر تک اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ پہلے پہل جب بندے کو ایمان کا حکم دیتا اور اس پر ایمان ظاہر کرتا ہے تو اسی وقت طبع۔ ختم اور غشاوہ میں مبتلا نہیں کرتا۔ بلکہ بار بار بیان اور دعوت الی الایمان کرنے اور بندے کی طرف سے مکرر روگردانی اور کفر و عناد میں مبالغہ کرنے کے بعد اللہ اُس کے دل کو بند کر دیتا اور اُس پر مہر لگا دیتا ہے جس سے ہدایت کو قبول نہیں کرتا۔ اور وہ کفر و اعراض جو اس سے پہلے تھا وہ ختم و طبع سے خالی تھا۔ بلکہ وہ ایک اختیاری امر تھا۔ لیکن جب بندہ اس پر جم گیا تو اُس کے لئے جبلی اور فطری چیز کی طرح لازم ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۚ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (اے پیغمبر جن لوگوں نے (قبول اسلام سے) انکار کیا اُن کے حق میں یکساں ہے کہ تم انکو (عذاب الٰہی سے) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ تو ایمان لانے والے ہیں نہیں۔ اُن کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور اُنکی آنکھوں پر پردہ (پڑا) ہے اور (آخرت میں) بڑا عذاب ہونے والا ہے) ظاہر ہے کہ یہ حکم تمام کفار کے حق میں نہیں۔ بلکہ جو لوگ ایماندار اور رسولوں کے مصدق گذرے ہیں وہ اکثر ایمان لانے سے پہلے کافر تھے۔ اور اللہ نے اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر نہیں لگائی تھی۔ بلکہ یہ آیات کفار کے ایک خاص گروہ کے حق میں ہیں۔ جن کو اللہ تعالےٰ نے دنیا میں اس قسم کے عذاب میں مبتلا کیا جیسے کہ بعض لوگوں کی صورتیں بدل کر انکو بندر اور سؤر بنا دیا۔ اور بعض کی آنکھیں بند کر دیں۔ غرض اللہ سبحانہٗ جس طرح آنکھیں بند کر دینے کے ساتھ سزا دیتا ہے اسی طرح کبھی دلوں کے بند کر دینے سے عذاب کرتا ہے۔ اور یہ سزا یعنی حق سے دور رکھنا کبھی دائمی اور مستمر ہوتی ہے اور کبھی ایک وقت تک بندے کو اس میں مبتلا رکھ کر

پھر اُسے اس سے نجات بخشتا اور ہدایت نصیب فرماتا ہے۔ جیسا کہ اَور قسم کے عذاب میں بھی یہی دستور جاری ہے ✦

فصل۔ اُن چیزوں کے بیان میں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کفار کو معذب کرتا اور اُنکے سبب اُن کو ایمان سے باز رکھتا ہے۔ وہ چند چیزیں ہیں یعنی ختم۔ طبع۔ اَکنہ۔ غطا۔ غلاف۔ حجاب۔ وقر۔ غشاوہ۔ رین۔ غل۔ سد۔ قفل۔ صم۔ بکم۔ عمی۔ مرض۔ صرف۔ شدّ علی القلب۔ ضلال۔ اقفال۔ مرض۔ تقلیب افئدہ (دلوں کا پھیرنا) حول بین المرء وقلبہ (آدمی اور اُس کے دل کے بیچ حائل ہوتا) ازاغۃ القلوب (دلوں کا ٹیڑھا کرنا) خذلان۔ ارکاس۔ تثبیط۔ تزیین۔ ہدایت اور تطہیر کا ارادہ نہ کرنا۔ اماتۃ القلوب یعنی دلوں میں جو حیاتی پیدا کرنے کے بعد اُن کو مار ڈالنا جس سے وہ اپنی اصلی موت پر رہ جائیں۔ قیر کو اُن سے روک دینا جس سے ظلمت اصلی میں پھنسے رہیں۔ تو دل کو ایسا سخت کر دینا کہ اُس میں ہدایت کی صورت نہ جم سکے۔ اور سینے کو ایسا تنگ کر دینا جو ایمان کو قبول نہ کر سکے ✦

مندرجہ بالا چیزوں میں سے بعض چیزیں تو ایسی ہیں جن کا تعلق دل سے ہے جیسے ختم۔ طبع۔ قفل۔ اکنہ۔ اغفال مرض وغیرہ اور بعض ایسی ہیں جو دل کے قاصد اور ہدایت کو اس تک پہنچانے والے بعض کان سے متعلق ہیں جیسے صمم۔ وقر اور بعض وہ ہیں جن کو دل کے پاسبان اور چوکیدار یعنی آنکھ سے تعلق ہے جیسے عمی اور غشاوہ اور بعض وہ ہیں۔ جو دل کے ترجمان قاصد اور اس کی جانب سے پیغام پہنچانے والے یعنی زبان سے متعلق ہیں جیسے زبان کا گونگا ہونا جو دل کے گونگا ہونے کا نتیجہ ہے۔ کہ جب دل گونگا ہو جاتا ہے تو زبان بھی گونگی ہو جاتی ہے۔ اور جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ ختم۔ طبع وغیرہ یہ تمام الفاظ استعارہ کے طور پر استعمال کئے گئے ہیں۔ اور ان کے مجازی معنے مراد ہیں۔ اُنکی بات قابل التفات نہیں۔ یہ اللہ و رسول کے شان کو نہیں سمجھتے۔ بس اُن کی سمجھ اور علم اسیقدر ہے کہ قفل لوہے کا ہوتا ہے اور مہر لگا کر بند کرنا موم۔ لاکھ یا مٹی سے ہوتا ہے۔ اور بیماری اُن کے نزدیک تپ جاڑے قولنج وغیرہ امراض بدن میں منحصر ہے۔ اور موت روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام ہے۔ اور نابینائی یہ ہے کہ آنکھ کی وہ روشنی جاتی رہے جس سے انسان محسوسات کو دیکھتا ہے۔ یہ فرقہ بھی گمراہی کے چاہ میں پڑا ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں جس شے کیطرف منسوب ہونگی۔ اُسی کے مناسب اُسکے معنے ہونگے مثلاً دل کا قفل دل کے اور دروازے کا قفل دروازے کے مناسب اور اسی طرح دل کو بند کرنا اور اس پر مہر لگا دینا اُس کے موافق اور صندوق اور دروازے وغیرہ کو بند کر کے اُن پر

مہر کرنا اُن کے حسب حال ہوگا۔ اور اسی طرح کان کا بہرہ اور آنکھوں کا اندھا ہونا بھی حسب حال مراد
ہوگا۔ دل کی موت اور زندگی بدن کی موت اور زندگی سے جُدا اور اُس کے موافق ہوگی۔ بلکہ
ان امور کو بدن کی نسبت دل سے زیادہ لگاؤ ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ امور دل کی نسبت
حقیقت اور حسام محسوسہ کی نسبت مجاز ہیں۔ تو اُس کا قول بھی صحیح نہیں۔ غرض عمی۔ بکم۔ موت
قفل۔ حقیقت دل کے لئے ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ
تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (بات یہ ہے کہ کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہو اکرتیں بلکہ دل جو
سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ نابینائی کی جڑ اور اصل دل کا اندھاپن
ہے۔ اور یہ آنکھوں کے اندھاپن سے اور زیادہ سخت ہے۔ یہ آیت ان احادیث کے طرز پر ہے
سرور کائنات نے فرمایا ہے اِنَّمَا الرِّبَا فِي النَّسِيْئَةِ یعنی بھاری سود لینا اور ادھار میں ہے
وَاِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ یعنی خواب کی صورت میں نہانا ضروری تب ہوتا ہے۔ جب منی نکلے
وَلَيْسَ الْغِنَاءُ عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ اِنَّمَا الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ یعنی مال واسباب کے بہت ہونے
سے آدمی پورا غنی نہیں ہوتا پورا غنی وہی ہے۔ جس کا جی بھر جائے۔ اور نیز فرمایا ہے پورا مسکین
وہ نہیں جو دربدر بھیک مانگ کر ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں لیتا پھرتا ہے کامل مسکین وہی
ہے جو محتاج ہو اور سوال نہ کرے کہ کوئی اُس کی حالت معلوم کر کے اُس کو کچھ دیدے۔ اور فرمایا
ہے وہ شخص جو دوسروں کو پچھاڑ دے کوئی بڑا پہلوان و زور آور نہیں۔ بڑا پہلوان اور شاہ زور
وہی ہے جسے غضب کے وقت اپنے نفس پر قابو ہو۔ ان سب جملوں میں جن جن چیزوں سے
اُنکے اسماء کو آپ نے نفی فرمایا ہے۔ تو نفی بالکلیہ مراد نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں بالمقابل
ذکر فرمائی ہیں وہ ان اسماء کی زیادہ مستحق اور وہ اس معنی میں کامل ہیں۔ اسی طرح لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ
وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ کا یہی مطلب ہے اور اللہ تعالے کا قول لَيْسَ الْبِرَّ
اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ الْاٰيَةَ (نیکی یہی نہیں کہ (نماز میں) اپنا منہ مشرق (کی طرف کرلو) یا مغرب کی طرف کرلو۔
بلکہ (اصل) نیکی تو اُن کی ہے جو اللہ اور روز آخرت اور فرشتوں اور (آسمانی) کتابوں اور پیغمبروں
پر ایمان لائے) (آخر آیت تک) اسی طرز پر وارد ہے۔ غرض بہر حال نابینائی وغیرہ جو صفتیں دل
کی طرف نسبت کی گئی ہیں وہ دل کے لئے حقیقۃً ثابت ہیں۔ اور چونکہ دل تمام اعضائے بدن کا
بادشاہ ہے اور وہ سب اس کا لشکر ہیں اور اُسی کی اجازت سے وہ ہلتے جلتے اور تمام کاروبار کرتے

ہیں۔ نیز ارادہ قوی اور حرکت اختیاریہ سب دل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے عمی۔ بکم وغیرہ صفات ہیں بھی دل اصل اور منبوع ہے۔ اور دوسرے اعضاء فرع اور اُس کے تابع ہیں۔ اب ہم ان سب امور کو تفصیلاً بیان کرتے اور بتلا دیتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن میں کس کس موقع پر اُن کو ذکر کیا ہے۔ ختم تو آیت خَتَمَ اللّٰهُ الآیۃ میں مذکور ہو چکا ہے۔ ازہری نے اُس کے معنی کی نسبت کہا ہے کہ ختم کا اصلی معنی ڈھانپ دینا ہے۔ چنانچہ عرب کا محاورہ ہے خَتَمَ الْبَذْرَ فِی الْاَرْضِ یعنی بیج کو زمین میں ڈھانپ دیا۔

علماء کا قول ہے کہ ختم اور طبع کا معنی لغت میں ایک ہی ہے یعنی کسی چیز کو ڈھانپ دینا اور اس طرح بند کر دینا کہ کوئی اُس کے اندر نہ جا سکے۔ کما قال تعالےٰ قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا و قولہ تعالےٰ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ (اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے) میں کہتا ہوں کہ ختم اور طبع اس معنی میں جو اوپر ذکر ہوا ہے دونوں شریک ہیں۔ لیکن باب اور معنی کے لحاظ سے دونوں میں فرق ہے۔ یعنی طبع در بند کرنا ہے جو طبعی اور طبیعت کی مانند لازم ہو جاتے اور کبھی مفارق نہ ہو۔ اور ختم مطلق بند کرنا ہے اکنۃ آیت وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (اور ان کے دلوں پر ہم نے غفلت اور ہٹ دھرمی کے پردے ڈال دیئے ہیں۔ اور ان کے کانوں میں ٹینٹ تاکہ تمہاری بات نہ سمجھ سکیں) میں مذکور ہے۔ لفظ اکنہ کنان کی جمع ہے جیسے اعنہ عنان کی جمع ہے اس کے مادہ کے معنی بھی پوشیدہ کرنے اور ڈھانپ دینے کے ہیں۔ مجرد اور مزید کے عموماً ایک ہی معنے ہیں۔ میں کہتا ہوں بلکہ ان دونوں میں فرق ہے مزید کے معنی ہیں پوشیدہ اور مخفی کرنا۔ کقولہ تعالےٰ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ (یا تم اپنے دلوں میں پوشیدہ رکھو) اور مجرد کے معنے ہیں محفوظ اور نگاہ رکھنا۔ کقولہ تعالےٰ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ اور پوشیدہ کرنے میں دونوں شریک ہیں۔ کنان اس چیز کو کہتے ہیں جو غلاف کی طرح ہو دوسری چیز کو چھپا دے۔ کفار نے خود اس بات کا اقرار کیا تھا کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اُن کا قول بیان فرمایا ہے وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ (اور اے پیغمبر یہ لوگ یہ بھی) کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو۔ ہمارے دل تو اُس سے پردوں میں ہیں (کہ تمہاری بات دل کو نہیں لگتی) اور ہمارے کانوں میں (ایک طرح کی) گرانی ہے (کہ تم جو کہتے ہو سنائی نہیں دیتا) اور ہم میں اور تم میں (ایک طرح کا) پردہ (حائل) ہے۔ کفار نے دل۔ کان اور آنکھ تینوں کے پردوں یعنی اکنۃ۔ وقر اور حجاب کو ذکر کیا

ان کا مطلب یہ تھا۔ کہ اے پیغمبر ہم تیری بات کو سمجھنے۔ سننے اور سمجھنے دیکھنے نہیں یعنی تیری بات قبول نہ کرنے میں ایسے ہیں جیسے کوئی شخص تیری بات نہ سمجھتا اور نہ سنتا دیکھتا ہو۔ ابن عباس نے کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہمارے دل ایسے تھیلوں میں بند ہیں۔ جو تیر دان کے ترکش کی مانند ہیں۔ مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ مقاتل نے کہا ہے۔ کہ ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہے۔ سو اس لئے ہم تیری بات کو سمجھ نہیں سکتے ۔

فصل۔ غطا کا ذکر اس آیت میں ہے۔ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَن ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا (اور اسی دن دوزخ کو (بھی) کافروں کے سامنے پیش کریں گے۔ جن کی آنکھیں ہمارے ذکر (یعنی قرآن کی طرف) سے (غفلت کے) پردے میں تھیں اور حق کی طرف سے اُن کے کانوں میں گرانی تھی (کہ وہ اُس کو سن نہ سکتے تھے) ۔

اس کے دو معنے ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ قرآن کریم کی آیات۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیلیں اور عجائبات قدرت کے دیکھنے سے اُن کی ظاہری آنکھوں پر پردہ پڑا ہے۔ دوم یہ کہ قرآن کریم کے سمجھنے۔ اُس میں تدبر و فکر کرنے اور اُس کے ذریعہ ہدایت پانے سے اُن کے دلوں کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ یہ پردہ پہلے دل پر پڑا اور اسی کا اثر آنکھ میں بھی پہنچا ۔

فصل۔ غلاف۔ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَل لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ (اور کہتے ہیں ہمارے دل محفوظ ہیں (نہیں) بلکہ اُن کے کفر کی وجہ سے خدا نے اُن کو پھٹکار دیا ہے) میں مذکور ہے۔ کفار کے قول قُلُوبُنَا غُلْفٌ کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ کفار کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے دل علم و حکمت کے خزانے اور محل ہیں باوجود اس کے (جب) تیری بات کو نہیں سمجھتے (تو معلوم ہوا تیرا دین علم و حکمت کے اصول پر قائم نہیں) یا یہ مطلب ہے کہ (چونکہ ہم خود علم و حکمت میں ماہر ہیں۔ اس لئے) ہمارے دل تیری تعلیم کے محتاج نہیں۔ اس قول کے مطابق غُلْفٌ لفظ غلاف کی جمع ہوگی۔ اور اکثر مفسرین کا یہ قول ہے اور یہی صحیح ہے کہ اُن کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے دل تیری بات سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اور اس صورت میں لفظ غُلْفٌ لفظ اَغْلَف کی جمع ہوگی۔ جیسے اَحْمَر کی جمع حُمْر ہے۔ ابو عبیدہ کا قول ہے۔ جو چیز غلاف میں ہو۔ اُس کو اغلف کہتے ہیں جیسے سَيْفٌ أَغْلَفُ وہ تلوار جو نیام میں بند ہو قَوْسٌ أَغْلَفُ وہ کمان جس پر غلاف چڑھا ہوا ہو۔ رَجُلٌ أَغْلَفُ وہ آدمی جس کا ختنہ نہ ہوا ہو۔ ابن عباس قتادہ اور مجاہد نے کہا ہے۔

معنی یہ ہے کہ ہمارے دِلوں پر پردہ ہے یعنی وہ تھیلیوں میں بند ہیں۔ اس لئے تیری بات کو سمجھ بوجھ نہیں سکتے۔ اس آیت کا یہی معنی صحیح ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں کثرت سے اس کے نظائر موجود ہیں جیسے قُلُوْبُنَا فِیْۤ اَکِنَّۃٍ و قولہ تعالے کَانَتْ اَعْیُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِیْ۔ (جن کی آنکھیں ہمارے ذکر (یعنی قرآن کی قرأت) سے غفلت کے پردے میں تھیں) ان کے علاوہ اور بھی بہت سے نظائر موجود ہیں۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ غلف کے معنی علم و حکمت کے خزانے ہیں۔ انکے قول پر عبارت میں کوئی قرینہ موجود نہیں اور نہ قرآن میں اس کی کوئی نظیر ملتی ہے۔ جو اس معنی پر محمول ہو۔ اس کے علاوہ علم و حکمت کے ساتھ اپنی تعریف کرنے کے موقع پر انسان ایسا لفظ نہیں بولتا۔ کسی محاورے یا استعمال میں یہ نہیں دیکھا۔ کہ کسی اہل علم نے کہا ہو کہ میرا دِل غلاف ہے یا مومنین عالمین کے دِل غُلف یعنی علم کے خزانے ہیں غلاف ہر چیز کے لئے ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ اچھی اور عمدہ یا ردی اور خراب ہو۔ پس دِل کے غلاف ہونے سے یہ ضروری نہیں۔ کہ وہ علم و حکمت ہی کا غلاف ہو۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ پہلے قول کے مطابق تو لفظ بَلْ کے ساتھ اضراب و تردید صحیح ہے کیونکہ اس کے مطابق مطلب یہ ہو گا۔ کہ تمہارے دِل علم و حکمت کے خزانے نہیں۔ بلکہ اُن پر مہر لگائی گئی ہے۔ اور صحیح قول کی بناء پر اضراب و تردید کیسے صحیح ہو گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اضراب و تردید کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔ وہ یہ کہ کفار نے یہ حجت پیش کی تھی۔ کہ اللہ نے رسول کا کلام سمجھنے کے لئے اُن کے واسطے کوئی سبیل نہیں بنایا۔ بلکہ اُن کے دلوں کو غلافوں میں بند کر دیا ہے۔ اس لئے وہ قرآن کے سمجھنے سے قاصر ہیں یعنی اُنہوں نے یہ دعوٰے کیا کہ ان کے دِل خِلقۃً ہی غلافوں میں ڈالے گئے ہیں۔ اس لئے وہ ایمان نہ لانے میں معذور ہیں اور رسول کی تبلیغ اُن پر حجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دعوے کی تردید کے لئے فرمایا بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ (بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے کفر کے سبب اُن پر لعنت کی ہے) ایک اور آیت میں ہے بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا بِكُفْرِهِمْ (بلکہ بات یہ ہے کہ اللہ نے اُن کے کفر کے سبب اُن کے دِلوں پر مہر لگا دی ہے) غرض اللہ سبحانہٗ نے یہ جواب دیا۔ کہ یہ لعنت یعنی اپنے فضل و توفیق سے محروم رکھنا اور اُن کے دِلوں کو بند کر دینا اُن کے اُس کفر کی سزا ہے جس کو انہوں نے پہلے اپنے لئے پسند کیا۔ اور ایمان پر اُسے ترجیح دی۔ یعنی یہ طبع اور لعنت بطور سزا ہے کفر سابق ہے نہ یہ کہ اُنکے دِل خلقۃً غلاف میں ڈالے گئے ہیں جو کچھ

سمجھ بوجھ نہ سکیں۔ پھر اللہ ان کو ایمان لانے کا حکم دے۔ اور ان میں اس کے سمجھنے کا مادہ نہ ہو بلکہ
کفار نے خود پہلے کفر اختیار کر کے ایسے اعمال کیے جس سے طبع اور ختم علی القلوب کی سزا میں
مبتلا ہو گئے ۔

فصل ۔ حجاب ۔ آیت وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ (اور ہم میں اور تم میں (ایک) ... طرح
کا پردہ حائل ہے) اور اللہ تعالیٰ کے قول وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ
لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا (اور (اے پیغمبر) جب تم قرآن پڑھتے ہو۔ تو
ہم تم میں اور ان لوگوں میں جن کو آخرت کا یقین نہیں ایک گاڑھا پردہ (حائل) کر دیتے ہیں)
میں مذکور ہے ۔ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر جب آپ قرآن پڑھتے ہیں۔ تو ہم
کفار اور قرآن کے درمیان ایک حجاب ڈال دیتے ہیں۔ جو ان کو اس کے سمجھنے اس میں غور و فکر
کرنے اور اس پر ایمان لانے سے روک دیتا ہے۔ اور یہ آیت وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً
أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا (اور انکے دلوں پر ہم نے (غفلت اور ہٹ دھرمی کے)
پردے ڈال دئے ہیں۔ اور ان کے کانوں میں ٹینٹ تاکہ تمہاری بات نہ سمجھ سکیں) اس کی
مؤید و مبین ہے۔ اور یہ تینوں یعنی اکنہ۔ وقر اور حجاب وہی ہیں جو آیت وَقَالُوا قُلُوبُنَا
فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ (اور اے
پیغمبر یہ لوگ یہ بھی) کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو ہمارے دل تو اس سے پردوں
میں ہیں (کہ تمہاری بات دل کو نہیں لگتی) اور ہمارے کانوں میں (ایک طرح کی) گرانی ہے (کہ تم جو کہتے
ہو سنائی نہیں دیتا) اور ہم میں اور تم میں (ایک طرح کا) پردہ (حائل) ہے) میں مذکور ہے اللہ سبحانہ
نے آیات میں بتلا دیا کہ یہ سب چیزیں اسی نے بنائی ہیں۔ سو حجاب حق کے دیکھنے سے۔ اور اکنہ
اس کے سمجھنے سے اور وقر اس کے سننے سے مانع ہے۔ کلبی کا قول ہے۔ کہ یہاں حجاب سے
رعب وغیرہ ایسی چیزیں مراد ہیں جو کفار کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ایذا اور تکلیف رسانی سے
مانع ہوتی تھیں۔ اور مستور بمعنے ساتر ہے یا نسبی معنے مراد ہیں یعنی صاحب ستر اور صحیح یہ ہے
کہ مستور اپنے اصلی معنے پر ہے ایسا پردہ جو لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوتا اور اسے
کوئی دیکھ نہ سکتا تھا۔ اسم مفعول کا اسم فاعل کے معنے میں آنا اہل لغت سے ثابت نہیں۔ البتہ
معنی اس اسم مفعول کا آتا ہے جو اپنے فعل سے مشتق ہو جیسے مَكَانٌ مَّهُولٌ (ہولناک مکان)
رَجُلٌ مَّرْطُوبٌ (مرطوب مزاج آدمی) اس کے سوا جتنے اسم مفعول ہیں وہ اپنے اصلی معنی مفعولیت

میں مستعمل ہیں جیسے مَضْرُوبٌ (مارا ہوا) مَجْرُوحٌ (زخم کیا ہوا) مَسْتُورٌ (چھپایا ہوا)۔

فصل ۔ رَین کا بیان اللہ تعالےٰ نے فرمایا کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ ان کے دِلوں پر ان (ہی) کے اعمال (بد) کے زنگ بیٹھ گئے ہیں) ابو عبیدہ کا قول ہے کہ کفار کے اعمال اُن کے دِلوں پر ایسے غالب آ گئے جیسے شراب متوالوں کی عقل پر اور موت آدمی کی زندگی پر غالب آ جاتی اور اُسے نابود کر دیتی ہے۔ اسیفع جہینہ کی حدیث اور حضرت عمر رضؓ کا یہ قول فَاَصْبَحَ قَدْ رِيْنَ بِهٖ یعنی وہ مغلوب ہو گیا اور رَین نے ہر طرف سے اُس کو گھیر لیا اسی قبیل سے ہیں۔ ابو معاذ نحوی کا قول ہے کہ رَین یہ ہے کہ دِل گناہوں سے سیاہ ہو جائے۔ اور طبع یہ کہ دِل پر مہر لگا دی جائے اور طبع بہ نسبت رَین کے سخت ہے اور اِقفال یعنی دِل پر قفل لگایا جانا طبع سے بھی زیادہ سخت ہے۔ فراء نے کہا ہے رَین کا یہ مطلب ہے کہ کفار سے اس قدر گناہ اور معاصی سرزد ہوئے کہ اُنہوں نے اُن کے دِلوں کو گھیر لیا۔ ابو اسحاق نے کہا ہے ران کا معنی ہے ڈھانپ لیا۔ محاورے میں بولتے ہیں فلاں شخص کے دِل کو گناہ نے ڈھانپ لیا۔ رَین اور غَین وہ پردہ ہے جو دِل کو ڈھانپ لیتا ہے۔ میں کہتا ہوں ابو اسحاق نے غلطی کی ہے کیونکہ غَین تو ایک نہایت لطیف اور رقیق چیز ہے۔ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ میرے دِل پر غَین آ جاتا ہے اور میں ہر روز اللہ تعالیٰ سے گناہ کی معافی مانگتا ہوں۔ ران اور رَین تو دِل کے نہایت غلیظ اور کثیف پردے ہیں۔ مجاہد نے کہا ہے رَین یہ ہے کہ بندہ گناہ پر گناہ کرتا چلا جائے یہاں تک کہ گناہ اُس کے دِل کو ہر طرف سے گھیر کر ڈھانپ دیں اور وہ مُردہ ہو جائے۔ مقاتل کا قول ہے کہ کفار کے اعمال خبیثہ نے اُن کے دِلوں کو ڈھانپ لیا۔ سنن نسائی اور ترمذی میں ابو ہریرہ رضؓ سے مروی ہے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اُس کے دِل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اگر اُس گناہ سے باز آ جائے اور توبہ و استغفار کرے تو اس کا دِل صاف ہو جاتا ہے۔ اور اگر گناہ میں ترقی کرے تو وہ نکتہ بھی بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کے دِل پر غالب آ جاتا ہے اور یہی ران ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہے۔ کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دِل میں ایک سیاہ نقطہ

پیدا ہو جاتا ہے اور گناہ میں مشغول ہونے سے وہ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ اس سے تمام دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے بتلا دیا ہے کہ کفار کے وہ گناہ جو آخر دل میں کمائے تھے۔ اُن کے دلوں کے زین کے موجب ہوئے۔ اور زین کے سبب یعنی ان گناہوں کا خالق تو بیشک اللہ تعالیٰ ہے مگر اس کا صدور ان سے ہوا۔ پس سبب اور مسبب دونوں کا خالق اللہ ہے۔ مگر فرق اتنا ہے کہ سبب بندے کی قدرت واختیار سے ظہور میں آتا ہے۔ اور مسبب کا وجود اس کی قدرت واختیار سے باہر ہے۔

فصل غل کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ۔ (ان میں سے اکثر پر تو فرمودۂ خدا پورا ہو چکا ہے تو یہ کسی طرح ماننے والے نہیں ہم نے ان کی گردنوں میں (بھاری بھاری) طوق ڈال دیئے ہیں اور وہ ٹھوڑیوں تک (پھنسے ہوئے) ہیں تو ان کے سر (ایسے) اُلل کر رہ گئے ہیں (کہ ان کو رستہ دکھائی ہی نہیں دیتا) اور ہم نے ایک دیوار تو ان کے آگے بنائی اور ایک دیوار ان کے پیچھے اور اوپر سے اُن کو ڈھانک دیا تو دیکھ ہی نہیں سکتے) اس کی تفسیر کے متعلق فرا نے کہا ہے۔ کہ ہم نے انکو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روک دیا۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ ہم نے کئی ایک موانع کے ساتھ ان کو ایمان سے روک دیا۔ اگر کوئی شخص اس پر یہ شبہ کرے کہ جو طوق ایمان سے مانع ہے۔ اس کا تعلق اور لگاؤ تو دل سے ہے یہاں گردن کا طوق کیسے مذکور ہوا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ دستور ہے کہ طوق گردن میں ڈالا جاتا ہے۔ اس لئے تشبیہاً قلب (دل) کو عنق (گردن) کے لفظ سے تعبیر کیا ورنہ مراد لفظ عنق (گردن) سے قلب ہے اور اس کی نظیر قرآن کریم میں موجود ہے۔ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ (اور ہم نے ہر ایک کی برائی بھلائی کو اس کے ساتھ لازم کر کے اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے) اور محاورے میں بولتے ہیں میرا گناہ تیری گردن پر ہے اور یہ گناہ تیری گردن پر ہے۔ ایک اور مقام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ (اور اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑ رکھو (گویا) گردن سے بندھا ہے) اس آیت میں بخل اور خرچ نہ کرنے کو ہاتھ کے گردن کے ساتھ جکڑا ہوا ہونے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اسی لئے اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا کی تفسیر میں فرا نے کہا ہے کہ ہم نے اُن کو خرچ کرنے سے

روک دیا۔ ابو اسحاق کا قول ہے کہ جب کوئی چیز کسی شخص کے لازم حال ہو تو وہاں کہتے ہیں کہ چیز
فلاں شخص کی گردن میں ہے یعنی گلے کے ہار کی طرح اس کو لازم ہے۔ ابو علی نے کہا ہے کہ یہ جملہ عرب
کے اس قول کے مشابہ ہے طَوَّقْتُكَ كَذَا (یعنی میں نے فلاں چیز تیرے گلے کا طوق بنادی) اور
قَلَّدْتُكَ كَذَا (یعنی فلاں چیز تیرے گلے کا ہار بنادی)۔ اور اسی محاورہ کے موافق یہ فقرہ بھی
ہے یعنی قَلَّدَهُ اللّٰهُ السُّلْطَانَ كَذَا (یعنی بادشاہ نے عہدہ کو اس کے گلے کا ہار یا گردن کے طوق کی
طرح اسے لازم کر دیا) اور عرب کا قول قَلَّدْتُ فُلَانًا كَذَا وَكَذَا (یعنی میں نے فلاں
شخص پر گردن کے طوق کی طرح لازم کر دیا) اور اللہ تعالیٰ نے تکالیف شاقہ کو اغلال سے تعبیر
فرمایا ہے وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (اور احکام سخت
کے بوجھ جو ان لوگوں (کے سروں) پر لدے ہوئے تھے اور پھندے جو ان پر (پڑے ہوئے)
تھے ان سب کو ان پر سے دور کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے تکالیف کی شدت اور دشواری کے
لحاظ سے ان کو اغلال سے تشبیہ دی ہے۔ حسن نے کہا ہے کہ اغلال سے وہ تکالیف مراد ہیں۔ جو
پہلی امتوں کی عبادت میں داخل تھیں جیسے جو کپڑا پیشاب سے ناپاک ہو جائے اس کے ناپاک
حصے کو کاٹ دینا۔ توبہ کے لئے جان کو مار ڈالنا۔ جن اعضاؤں سے گناہ سرزد ہو ان کو قطع
کرنا۔ اور کھانے کے گوشت میں سے رگوں اور پٹھوں کو نکال ڈالنا۔ ابن قتیبہ کا قول ہے
اغلال سے یہ مراد ہے کہ اللہ سبحانہ نے ان پر بہت سی وہ چیزیں جو امت حضرت محمد مصطفےٰ
صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال فرمائی ہیں حرام کر دی تھیں۔ اور یہ بات ان کے واسطے طوق
کے قائم مقام تھی کیونکہ جیسے طوق زنجیر ہاتھ کو روک دیتے ہیں اسی طرح حرام کر دینا استعمال
کو روک دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ کی تفسیر کے متعلق ایک جماعت
نے کہا ہے کہ ضمیر ہی لفظ أَيْدِي (ہاتھ) کی طرف راجع ہوتی ہے گو وہ لفظ میں مذکور نہیں۔ مگر
سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ طوق گردن میں ہوتا ہے اور
ہاتھ کو گردن کے ساتھ جکڑ دیتا ہے۔ اسی واسطے اس کو جامعہ بھی کہتے ہیں۔ اس صورت میں
اس کا معنے یہ ہوگا کہ ان کے ہاتھ یا داہنے ہاتھ ان کی ٹھوڑیوں کے ساتھ بندھے ہوتے ہیں۔
فرا اور زجاج کا یہی قول ہے۔ ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ ضمیر مذکور لفظ اغلال کی طرف راجع
ہوتی ہے اور یہی ظاہر بھی ہے اس صورت میں یہ معنی ہوگا کہ وہ طوق ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے
اور ان سے پیوستہ ہیں یعنی اس قدر چوڑے ہیں کہ گردن کو گھیر کر ٹھوڑی تک پہنچ گئے۔ اور اللہ تعالےٰ

کے قول فَهُمْ مُقْمَحُونَ کا تفسیر کے متعلق فرا اور زجاج نے کہا ہے مُقْمَح وہ شخص ہے جو اپنا سر اٹھانے کے بعد اپنی نگاہ کو نیچے کرے۔ اقماح کا معنی لغت میں یہی ہے سر اٹھانا اور نظر کو پست کرنا۔ محاورہ سے کہا جاتا ہے بولتے ہیں قَمَحَ الْبَعِيرُ فَهُوَ قَامِحٌ یعنی اونٹ نے سر اٹھایا۔ اصمعی نے کہا ہے بَعِيرٌ قَامِحٌ وہ اونٹ جو حوض سے سر اٹھا لے اور پانی نہ پیوے۔ ازہری نے کہا ہے جب کفار کے ہاتھ گردنوں کی طرف جکڑے گئے تو طوقوں کی وجہ سے ان کے سر اور ٹھوڑیاں سر اٹھانے والے اونٹوں کی طرح اوپر کی طرف ہو گئے جو نیچے نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ دل کو ہدایت اور ایمان سے روکنے اور گردنوں میں طوق ڈالنے میں کونسا اشتراک امر ہے جس کی وجہ سے یہ تشبیہ دی گئی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں وجہ تشبیہ نہایت ظاہر اور مناسب چیز ہے۔ کیونکہ جب طوق گردن میں اور ہاتھ اس کے ساتھ جکڑا ہوا ہو تو ہاتھ اپنے کام یعنی چیزوں کے پکڑنے سے رکا ہوا ہے اور جب طوق اس قدر چوڑا ہو کہ گردن سے بڑھ کر ٹھوڑی تک پہونچ جائے تو وہ سر کو نیچے نہ ہونے دیگا۔ اور ایسے شخص کا سر اوپر کو طاقت اٹھا رہیگا۔ اس کو ادھر ادھر نہیں ہلا سکیگا۔ پھر اس مضمون یعنی بندش و رکاوٹ کو اللہ تعالیٰ نے وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا کو لا کر اور زیادہ مضبوط کر دیا ہے۔ ابن عباس نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت سے اس لئے روک دیا۔ کہ اس کے علم سابق میں وہ ہدایت سے بے بہرہ تھے۔ اور وہ دیوار جو ان کے آگے اور پیچھے آڑ کر دی اس نے ان پر ہدایت کا رستہ بند کر دیا۔ سو اللہ سبحانہ نے وہ موانع جن کے ساتھ سزا کے طور پر کفار کو ایمان سے روکا بیان فرما دیئے ہیں اور اسی مضمون کو نہایت عمدہ اور بلیغ مثال کے پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ ان لوگوں کی بعینہ یہی حالت ہے جن کی گردنوں میں اس قدر چوڑے طوق ڈالے گئے جو ٹھوڑیوں تک پہنچتے ہوں۔ اور ان کے ہاتھ ان کے ساتھ جکڑ دیئے گئے۔ اور وہ دو دیواروں کے درمیان رکھے گئے ہوں کہ ادھر ادھر آ جا نہ سکیں اور ان کی آنکھیں بند کر دی جائیں۔ کہ ان کو کوئی چیز نظر نہ آئے۔ جب اس کافر کے حال پر غور کیا جائے جس نے حق کو سمجھ کر دیدہ و دانستہ اس سے کفر و انکار کیا اور اس کی مخالفت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ تو یہ مثال بالکل اس کے حال کے مطابق معلوم ہوتی ہے۔ کہ اس کافر اور ایمان کے درمیان ایسی ہی بندش و رکاوٹ کی گئی ہے۔ جیسے مذکورۃ الصدر طوق ڈالے ہوئے شخص اور اس کے کام و کاج میں رکاوٹ کی گئی ہے ۔

فصل قفل کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (کیا یہ لوگ قرآن کے مطالب کو نہیں سوچتے یا دلوں پر تالے لگے ہیں) ابن عباس نے کہا ہے

اللہ تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے دلوں پر قفل لگے ہیں۔ مقاتل کا قول ہے کہ ان کے دل بند کئے گئے ہیں گویا کہ ان کے دل اس بند کئے ہوئے دروازے کی مانند ہیں جس پر قفل لگا ہو کہ جب تک قفل نہ کھولا جائے اس دروازے کے اندر جانا اور جو چیزیں اس کے اندر رکھی ہوں۔ ان تک پہنچانا ناممکن اور دشوار ہے۔ اسی طرح جب تک دل کی مہر اور اس کا قفل نہ توڑے جائیں۔ تو اس میں ایمان اور قرآن داخل نہیں ہو سکتے۔ لفظ قلوب کے نکرہ اور لفظ اقفالها کے معرفہ ہونے میں جو نکتہ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ وہ قابل غور ہے لفظ قلوب اس لئے نکرہ لایا گیا ہے کہ اس زمانے کے کفار اور دیگر تمام ایسے کفار۔ جن کے دل اس میں داخل ہو جائیں جو انہی کی چال پر ہوں۔ اگر [illegible] کے ساتھ علی القلوب کہا جاتا۔ تو اس زمانے کے کفار کے علاوہ باقی کفار کے دل اس میں داخل نہ ہو سکتے اور لفظ اقفالها اس لئے معرفہ لایا گیا ہے۔ کہ اضافت سے یہ بات سمجھی جائے۔ کہ اقفال سے وہ قفل مراد ہیں جو دل کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں۔ اور اس میں ایک گونہ مناسبت پائی جاتی ہے۔ اگر اقفال نکرہ ہوتا تو متعارف و مشہور قفل کی طرف وہم چلا جاتا۔ اضافت نے اس وہم کو دور کر دیا ✤

فصل صمم اور وقر کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ (بہرے، گونگے، اندھے) ایک اور مقام میں فرمایا ہے أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ (یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی اور ان کو (حق بات کے سننے سے) بہرا اور (راہ راست کے دیکھنے سے) ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے) ✤

وقال تعالیٰ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (اور ہم نے بہت سے جن اور انسان جہنم ہی کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ان کے دل تو ہیں (مگر) ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے اور ان کی آنکھیں بھی ہیں (مگر) ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ اور ان کے کان بھی ہیں (مگر) ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ (غرض) یہ لوگ چارپایوں کی طرح کے ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہوئے یہی لوگ ہیں جو (دین سے بالکل) بے خبر ہیں) ✤

وقال اللہ تعالیٰ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بالآخرة فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ (اور جو ایمان نہیں رکھتے ان کے کانوں (کے حق) میں گرانی اور وہ ان (کی آنکھوں) کے حق میں نابینائی ہے۔ یہ لوگ (قرآن) سے ایسی بے نیازی ظاہر کرتے ہیں

کہ گویا بڑی دُور کی جگہ سے پکارے جاتے ہیں (کہ ان کو کچھ سنائی نہیں دیتا) ابن عباس نے کہا ہے ان کے کان قرآن کے سننے سے بہرے ہیں۔ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اُن کے دلوں کو اندھا کر دیا ہے سو وہ قرآن سمجھ نہیں سکتے۔ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ کا مطلب یہ ہے کہ گویا اُن کو اُن جانوروں کی طرح جو آواز اور پکار کے سوا کچھ نہیں سمجھتے دور سے پکارا جاتا ہے مجاہد نے کہا ہے۔ کہ وہ مکان اُنکے دلوں سے دور ہے۔ فراء نے کہا ہے کہ عرب اور اپنے محاورے میں بے سمجھ آدمی کو کہا کرتے ہیں۔ اور سے تو دور سے پکارا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا ہے۔ کہ اس کی تفسیر میں آیا ہے کہ وہ آسمان سے پکارے جاتے ہیں۔ وہ نہیں سنتے مطلب یہ ہے کہ وہ نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔ جیسے وہ شخص جو دور سے پکارا جاتا ہے کچھ سنتا سمجھتا نہیں ؀

فصل بکم کا بیان اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ۔ بکم لفظ ابکم کی جمع ہے اور ابکم اس شخص کو کہتے ہیں جس میں قوت نطق ہو۔ گویائی پر قادر ہو۔ اور جس طرح نطق اور گویائی دو قسم ہے یعنی نطق زبان و نطق قلب۔ اسی طرح اس کے مقابل عدم گویائی یعنی گونگا ہونا بھی دو قسم ہے یعنی دل کا گونگا ہونا اور زبان کا گونگا ہونا۔ اور جیسے کہ دل کا اندھا پن اور بہرہ پن آنکھ کی نابینائی اور کان کے بہرہ پن سے زیادہ بُرا ہے اسی طرح اس کا گونگا پن بھی زبان کے گونگا ہونے سے زیادہ بُرا ہے

اللہ سبحانہ نے کفار کی یہ صفت بیان فرمائی ہے۔ کہ نہ اُن کے دل حق کو سمجھتے ہیں اور نہ انکی زبانیں اس کو بیان کرتی ہیں۔ بندے کے لئے حصول علم کے تین ہی ذریعے ہیں یعنی کان۔ آنکھ اور دل سو یہ تینوں ذریعے اور رستے کفار کے لئے بند کئے گئے ہیں۔ کانوں کو بہرہ۔ آنکھوں کو نابینا اور دل کو گونگا کر دینے سے تینوں رستے بند کر دئے ہیں۔ اللہ تعالے کا قول لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اسی کا ہم معنے ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے ان تینوں کو اس آیت وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْئِدَةً فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (اور ہم نے اُن کو کان اور آنکھیں اور دل سب ہی کچھ دئے تھے۔ لیکن ازبسکہ وہ لوگ اللہ کی آیتوں سے انکار رکھتے تھے نہ تو اُن کے کان ہی اُنکے کچھ کام آئے اور نہ انکی آنکھیں اور نہ ان کے دل) میں بھی اکٹھا ذکر فرمایا ہے۔ سو جب اللہ سبحانہ اپنے بندے کو ہدایت کرنا چاہتا ہے تو اُس کے دل۔ کان اور آنکھ کو کھول دیتا ہے۔ اور جب اُسے گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے کانوں کو بہرہ۔ آنکھوں

کو اندھا اور دل کو گونگا کر دینا ہے ۔

فصل غشاوہ کا بیان ۔ غشاوہ سے وہ پردہ مراد ہے جو آنکھ کو بند کر دے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشٰوَۃً (اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے) یہ پردہ اسی مہر کا اثر ہوتا ہے جو دل پر پڑ جاتا ہے ۔ کیونکہ جو کچھ بھلائی برائی دل میں ہو وہ آنکھ پر ظاہر ہو جاتی ہے ۔ پس گویا آنکھ دل کا آئینہ ہے کہ جو کچھ دل میں ہو وہ اس میں ظاہر ہو جاتا ہے ۔ دیکھو کہ جب تم کو کسی آدمی سے دشمنی ہے اس کی بات چیت اور اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کو برا سمجھتے ہو ۔ تو اس کے دیکھنے اور اس کی ملاقات سے آنکھ پر ایک پردہ سا آجاتا ہے سو یہ اسی دلی عداوت اور نفرت کا اثر ہے ۔ کفار کے اعراض اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نفرت کرنے کی سزا میں ان کی آنکھوں پر یہ غلیظ پردہ ڈالا گیا ۔ جبکہ وہ اللہ کے ذکر یعنی قرآن کریم سے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا اندھے ہوگئے تو آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا گیا جس نے ان کی تمام آنکھیں بند کر دیں ۔ جس سے وہ مواقع و اسباب ہدایت کو نہ دیکھ سکیں ۔

فصل صَدّ کا بیان ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَکَذٰلِکَ زُیِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِہٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِیْلِ (اور اسی طرح فرعون کی بدکرداریاں اس کو بھلی بھلی کر دکھائی گئی تھیں اور اس کو راہ (راست سے) روک دیا گیا تھا ۔) اہل کوفہ نے صُدَّ کو زُیِّنَ کی موافقت کے لحاظ سے بصیغہ مجہول پڑھا ہے ۔ باقی قراء نے فتح صاد کے ساتھ اور معروف پڑھا ہے معروف کی صورت میں اس کے دو معنے ہو سکتے ہیں اول یہ کہ فرعون نے (حق سے) اعراض کیا اور اس صورت میں یہ فعل لازم ہوگا ۔ دوم یہ کہ فرعون نے اور لوگوں کو (حق سے) روک دیا ۔ اور اس تقدیر پر یہ فعل متعدی ہوگا ۔ اور دونو قراءتیں آپس میں کچھ متناقض نہیں ۔ اور شد علی القلب سو وہ آیت وَقَالَ مُوْسٰی رَبَّنَآ اِنَّکَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَہٗ زِیْنَۃً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِکَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِھِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا فَاسْتَقِیْمَا (اور موسیٰ نے دعا مانگی کہ ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو (اس) دنیا کی زندگی میں (بڑی) شان و شوکت اور دولت دے رکھی ہے (اور) اے ہمارے پروردگار (یہ ساز و سامان تو نے ان کو اسی غرض سے دیا تھا ہے) کہ (لوگوں کو) تیرے رستے سے بہکائیں ۔ تو اے ہمارے پروردگار ان کے مالوں پر جھاڑو پھیر دے ۔ اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ یہ لوگ عذاب دردناک کے دیکھے بدوں ایمان

بھی اللہ نے [illegible] کی دعا قبول ہوئی۔ تو یہ دونوں ثابت قدم رہے

[illegible] اسی واسطے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ وَاشْدُدْ

[illegible] اور ان کی آیات

[illegible] تو اس کے ساتھ آیا ہے

[illegible] فرعون کے پاس جاؤ میں اس کے دل کو

سخت کر دوں گا [illegible] اور بہت سی قدرت کے عجیب نشان مصر میں ظاہر ہوئے۔

[illegible] فرماتا ہے [illegible] ساتھ

[illegible] جیسے اللہ تعالیٰ [illegible] کے ساتھ [illegible]

دینا ہے [illegible] اسی واسطے وہ محمود و مستحسن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ

عدل و حکمت [illegible] توفیق ہے۔ پس [illegible] اللہ کا

[illegible] مناسب موقع میں رکھتا ہے۔ اور وہ

فعل جو [illegible] ظلم، جور اور سفاہت ہوتا ہے۔ اور اس کا مرتکب ظالم

جاہل اور سفیہ +

فصل صرف کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا ۚ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ (اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے ایک کی طرف ایک دیکھنے لگتا ہے پھر (یہ کہہ کر) کہیں تم لوگوں کو کوئی دیکھتا تو نہیں (اٹھ کر) چل دیتے ہیں (یہ لوگ پیغمبر کی مجلس سے کیا پھرے) اللہ نے ان کے دلوں کو دین حق سے پھیر دیا۔ اللہ سبحانہ نے ان کا فعل یعنی پھر جانا اور نیز اپنا فعل یعنی قرآن کے ماننے اور سمجھنے سے ان کے دلوں کو پھیر دینا دونوں بیان فرمائے ہیں ان کے دل اس لئے پھیر دیے کہ وہ اس کے اہل نہ تھے یعنی قرآن کریم کیلئے وہ محل صالح اور قابل نہ تھے کیونکہ ایسی چیز کیلئے محل کی قابلیت دو چیزوں سے ہوتی ہے حسن فہم اور حسن ارادہ سو ان کے دل بے سمجھ اور ان کے ارادے گندے تھے چنانچہ اللہ نے ایک دوسرے مقام میں اس مضمون کی صراحت بیان فرما دی ہے وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ (اور اگر اللہ ان میں کچھ بھی بہتری پاتا تو ان کو سننے کی قابلیت بھی ضرور عطا فرماتا۔ لیکن (یہ ایسے کج سرشت ہیں کہ) اگر خدا ان کو سننے کی قابلیت بھی دیتا تاہم یہ بڑی ہوئی بات ہے کہ یہ لوگ منہ پھیر کر الٹے بھاگتے) دیکھا اللہ سبحانہ نے ان کی ایمان کی عدم قابلیت کو بیان فرما دیا ہے۔ کہ ان میں کوئی خیر نہیں ہے۔ جس کے سبب قرآن و ایمان ان کے

دلوں میں داخل ہوں۔ سو اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس طرح قرآن نہیں سنایا۔ کہ [illegible] آپ سے
نفع اُٹھاتے۔ گو وہ بہتے تو کانوں سے سُن لیا اور اُن پر اللہ کی حجت تو قائم ہو گئی۔ مگر جس طرح کہ اہل نظر و
ایمان والوں نے سنا اور سمجھا اُن کو نصیب نہ ہوا۔ ان کے [illegible] سے پایا نہ [illegible] سبب
جو ان کے دلوں کو قبول ایمان سے مانع ہوا بیان فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو اس طرح قرآن سنا
دیتا جس سے وہ سمجھ بھی لیتے۔ تب بھی وہ اپنے تکبر، نفرت اور اعراض کی وجہ سے ایمان نہ
لاتے۔ سو پہلا امر تو قرآن کے سمجھنے سے اور دوسرا انقیاد اور پیروی سے مانع ہوا۔ غرض انکی
عقلیں خراب اور ارادے گندے اور ردّی ہیں۔ اور یہی گمراہی کا نتیجہ۔ بدبختی کی علامت
ہے۔ چنانچہ ہدایت کا نتیجہ اور سعادت کی یہ نشانی ہے۔ کہ فہم صحیح اور ارادہ صالح ہو واللہ
المستعان۔ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ میں غور کرنا چاہئے۔ کہ دوسرا جملہ پہلے
جملے کے ساتھ کیسا برمحل واقع ہوا۔ جزاء من جنس العمل سے خبر دیا اللہ نے انکی سزا کو بیان فرمایا
ہو یعنی چونکہ وہ خود پھر گئے۔ اسلئے اللہ نے انکے دلوں کو حق سے پھیر دینے کی سزا میں مبتلا کیا۔
پہلے ان کا پھرنا اس لئے ہوا۔ کہ اُن کی عدم قابلیت اور نااہل ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کا
ارادہ و مشیت انکے قبول حق اور ایمان اختیار کرنے سے متعلق نہ ہوا۔ پس جب انکے دل اپنی جہالت
اور ظلم کی وجہ سے قرآن سے منحرف ہو گئے۔ تو اللہ نے سزا کے طور پر ان کو قبول حق سے دور کر دیا
جیسے کہ دلوں کی کجی کے بعد بڑھا کر دینے کی سزا میں انکو مبتلا کیا چنانچہ فرمایا ہے فَلَمَّا زَاغُوْا
اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ اور اسی طرح جب بندہ اللہ تعالیٰ سے اعراض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ
یہ سزا دیتا ہے کہ اس کو اپنی طرف سے روگردان کر دیتا ہے پھر اس کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا
شیطان کا قصہ قابل عبرت ہے دیکھو جب اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کا حکم نہ مانا
اور عدول حکمی پر اصرار کیا۔ تو اللہ نے اسے یہ سزا دی کہ لوگوں کو ہر ایک گناہ اور بدی کی طرف
بلانے والا اسے ٹھہرایا۔ پس پہلی نافرمانی کی یہ سزا پائی۔ کہ تمام [illegible] کی طرف
داعی ٹھہرا۔ اور یہ سرکشی اور کفر پہلے کفر اور اعراض کی سزا ہے۔ [illegible] دنیا
ایسی ہی ہے جیسے نیکی کی جزا نیکی [illegible] اگر کوئی شخص [illegible] جب اللہ تعالیٰ
نے انکو پھیر دیا اور انکے اعراض کرنے [illegible] اور روگردان [illegible] تو پھیرا انکے اعراض اور پھر جانے
پر انکار کیسے ظاہر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے فَاَنّٰی یُصْرَفُوْنَ (پھر کہاں پھیرے جاتے ہیں۔
اور نیز اَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ (پھر کدھر بہکے ہوئے جاتے ہیں) [illegible]

معترضین (کہ اب ان لوگوں کو کیا ہو گیا) ہے کہ نصیحت سے اس طرح روگردانی کرتے ہیں۔) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے کفار کے ساتھ پوری رعایت کا برتاؤ کیا اور اُن پر اپنی حجت کو قائم کیا ہے۔ سو پہلے اُن کو قوت اور قدرت بخشی جو اُن کے لئے سبب (ذریعہ) حصول ہوئی۔ تمام راہیں آسان کردیں اور سب سامان و اسباب مہیا کردیئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا کتابیں نازل فرمائیں۔ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ایمان کی طرف بلایا اور ایسی عقلیں بخشیں جو خیر و شر اور نفع و ضرر۔ ہلاکت اور کامیابی کے اسباب میں تمیز کر سکیں۔ سننے کو کان اور دیکھنے کے لئے آنکھیں عنایت فرمائیں۔ ان سب باتوں کے ہوتے جب تقویٰ کو چھوڑ کر اپنے نفس کو اختیار کیا اور ہدایت کے بجائے گمراہی کو اچھا سمجھا۔ اور کہنے لگے کہ اے اللہ تیری طاعت سے ہم کو تیری نافرمانی بھلی معلوم ہوتی ہے اور توحید سے ہمیں شرک پیارا لگے۔ اور تیرے غیر کی پرستش تیری عبادت سے دنیا میں ہمیں زیادہ مفید ہے۔ پس انکے دل اپنے پروردگار۔ خالق اور مالک کی طرف سے ہٹ گئے۔ اور اُس کی طاعت اور محبت سے پھر گئے۔ یہی اللہ کا عدل اور اُن پر حجت کو پورا کرنا ہے۔ پس لعنت نے پہلے ارادۃً جان بوجھ کر اپنی مرضی و اختیار سے اپنے اوپر ہدایت کا دروازہ بند کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبراً اُن کو ہدایت سے روک دیا اور انکو اُن کے اپنے پسندیدہ کام میں لگنے دیا۔ اور جس چیز کو انہوں نے چاہا تھا۔ اُسی کی حکومت میں انکو چھوڑ دیا اور اُن کی مرضی مطابق تیرہ میں اُن کو برقرار رکھا اور جس دروازے کی طرف پہلے خود دوڑ کر گئے تھے اُس میں ان کو داخل کردیا۔ اور جس سے منہ پھیر کر چلے گئے تھے وہ اُن پر بند کردیا۔ اُن کا یہ فیصل ایسا بُرا ہے کہ کوئی چیز اس سے بڑھ کر بُری نہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کا یہ معاملہ نہایت عمدہ اور اچھا ہے۔ اگر وہ چاہتا۔ تو ان کو اس صفت کے سوا کسی اور صفت پر پیدا کرتا اور اس خلقت کے سوا دوسری خلقت میں ظاہر کرتا لیکن وہ اللہ سبحانہٗ جو بلندی و پستی۔ نور و ظلمت۔ نافع و ضار۔ طیب و خبیث ملائکہ و شیاطین۔ بکری اور بھیڑیئے۔ وغیرہ تمام اشیاء کا خالق ہے۔ اُس کے سب کام حکمت سے ہیں۔ اُس نے ہر ایک چیز کو اُس کے حال کے موافق۔ سامان و آلات۔ صفات اور قویٰ دئیے ہیں۔ اور جس چیز کو جس کام کے لئے پیدا کیا ہے اُس سے وہی کام لیتا ہے۔ سو بعض چیزیں تو فطرۃً اُس کام میں لگی ہیں اور بعض ارادے اور مشیت سے اپنے کام کو پورا کرتی ہیں۔ اور جو کچھ ہو رہا ہے۔ اُس کی حکمت کے موافق ہو رہا ہے۔ جو اسکی حمد کا موجب اور اُس کے مقدس کمال اور ملک تام کا مقتضی ہے۔ اُس کی حکمتوں کے متعلق مخلوق کو جس قدر علم حاصل ہے اُسے

کو اس سے کچھ نسبت نہیں جو اُنکو حصل نہیں ہوا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے چڑیا ایک بار اپنی چونچ بہت سے دریا سے پانی اٹھا لے ؛

فصل - اغفال کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا اور ایسے شخص کا کہا ہرگز نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہے اور اس کی دُنیاداری حد سے بڑھ گئی ہے۔ کسی نے ابو العباس ثعلب سے مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ کا مطلب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کو اپنے ذکر سے غافل کر دیا۔ اغفلتہ کا معنی محاورے میں یہ ہیں۔ کہ میں نے اس کا نام غافل رکھا یا میں نے اسکو غافل پایا بھی ہے میں کہتا ہوں غفل اس چیز کو کہتے ہیں جو خالی اور فارغ ہو۔ زمین غفل وہ زمین جس میں کوئی نشان نہ ہو اور مکتوب غفل وہ خط جس پر کوئی پتہ نہ ہو۔ اس بنا پر اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا کا یہ معنی ہوگا۔ کہ ہم نے اس کے دل کو اپنے ذکر سے فارغ اور خالی رکھا یعنی وہ اپنے عدم اصلی اور پہلی حالت پر قائم رہا۔ اس کے ذکر کو اختیار کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مشیت متعلق نہ ہوئی۔ اس لئے وہ غافل کا غافل رہ گیا۔ پس غفلت بندے کی صفت اور غافل کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو اللہ کے ارادے اور اس کے حق میں قبول ذکر کی عدم مشیت سے ظہور میں آیا۔ اللہ تعالیٰ کا اس کے لئے غفلت کا ارادہ ہونا یا اس کے قبول ذکر کا ارادہ نہ کرنا۔ تو اس کی غفلت کا موجب ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ غفلت۔ کفر۔ اعراض وغیرہ اس قسم کی چیزیں اللہ تعالیٰ کے اُنکے وقوع کا ارادہ کرنے کی طرف منسوب ہوتی ہیں یا انکی ضد اولیعنی ذکر۔ قبول حق۔ ایمان وغیرہ کا ارادہ نہ ہونے کیطرف مضاف ہوتی ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے قرآن کریم سے دونوں باتیں ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ (یہ وہ لوگ ہیں کہ خدا بھی انکے دلوں کو معصیت کی گندگی سے، پاک کرنا نہیں چاہتا) وقال تعالیٰ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا (اور اے پیغمبر جس کو اللہ بے دینی کی بلا میں مبتلا رکھنا چاہے تو اُس کیلئے خدا پر تمہارا کچھ بھی زور نہیں چل سکتا) اور وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ (اور جس کو اللہ گمراہ کرنا چاہے)

سوال - ایک چیز کی ضد کے سبب موجب کا نہ ہونا اس چیز میں کیسے اثر پیدا کر سکتا ہے یعنی ایک ضد کے سبب کا عدم دوسری کے وجود میں کیونکر مؤثر اور اس کا مقتضی ہو سکتا ہے ؛

جواب - اگر اثر وجودی چیز ہے۔ تب تو ضرور ہے۔ کہ اُس کا سبب مؤثر وجودی ہوگا

اور اگر عدمی چیز ہے تو اُس کے لئے اُس کی ضد سبب موجب کا نہ ہونا کافی ہے۔ وہ اپنے عدم
اصلی پر باقی رہیگی۔ اور اگر عدم سبب کیطرف مضاف ہوگی۔ تو یہ اضافت الی الدلیل ہوگی۔ سبب کا نہ
ہونا مسبب کے نہ ہونے کی دلیل ہے۔ پس اگر عدم سبب کو اِس لحاظ و اعتبار سے مؤثر و موجب کہدیا
تو اس میں کوئی خرابی نہیں۔ یہ بات بیشک صحیح ہے کہ عدم فی حد ذاتہٖ اثر و مؤثر کچھ نہیں ہو سکتا۔
اور اُسے غافل کر دینے کے سبب کافر اپنی خواہش نفس کا متبع اور حق کے قبول کرنے سے قاصر
رہا۔ مجاہد نے وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (اور اس کی دنیاداری حد سے بڑھ گئی ہے) کی تفسیر میں کہا ہے
ضیاعًا یعنی اس کا کام برباد و ضائع ہوا۔ قتادہ کا قول ہے کہ اُس نے اپنا کام نہایت تباہ و برباد
کر دیا۔ سدی نے کہا ہلاک ہوا۔ ابو الہیثم کا قول ہے امر فرط اس کام کو کہتے ہیں جسے لا پرواہی
سے ضائع کر دیا جائے۔ لغت میں تفریط کا معنی ہے عاجزی پیش کرنا۔ اسی بنا پر ابو اسحاق نے
کہا ہے۔ کافر نے اُس کام میں عاجزی پیش کی جس کو ضائع اور برباد کر دیا تھا۔ لیث کا قول
ہے فرط وہ کام ہے جس میں کوتاہی کی جائے۔ عرب محاورے میں کہتے ہیں كُلُّ اَمْرِ فُلَانٍ فُرُطٌ
یعنی فلاں شخص کے سب کام ناقص ہیں۔ فراء کہتے ہیں فرطا کا معنی ہے ترک کیا ہوا۔ یعنی کافر کا یہ
حال ہے کہ جس بات میں کوتاہی کرنی روا نہ تھی۔ اُس میں کوتاہی اختیار کی۔ اور جس کام کے
پیچھے پڑنا جائز نہ تھا۔ اُس کے پیچھے ہو لگا۔ اور جس چیز سے غفلت درست نہ تھی۔ اُس سے غافل
رہا ؀

فصل مرض کا بیان۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ
مَرَضًا (اُن کے دلوں میں (پہلے ہی سے کفر کا) مرض تھا اب قرآن نازل کرکے) اللہ نے اُن
کا مرض (اور بھی) بڑھا دیا) وقال تعالےٰ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ
(تو دبی زبان سے (کسی کے ساتھ) بات نہ کیا کرو (کہ ایسا کرو گے) تو جس کے دل میں (کسی طرح کا)
کھوٹ ہے (وہ منافق تم سے (کسی طرح کی) توقعات پیدا کر لیگا) وقال تعالیٰ وَلَا يَرْتَابَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ
مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ (اور اہل کتاب اور مسلمان (ان باتوں میں کسی طرح کا) شبہ
نہ لائیں اور جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے اور جو کھلم کھلا) کافر ہیں (مُنہ کر
بولا اٹھیں۔ کہ ایسی باتوں کے کہنے سے خدا کی کیا غرض ہے۔) دل کا مرض یہ ہے۔ کہ وہ اپنی
صحت اور حالت اعتدال سے باہر ہو جائے۔ اور صحت یہ ہے کہ اپنے رب کا عارف۔ اُس کا

محبت اور سب معبودوں کو چھوڑ کر اسی کے ساتھ تعلق رکھنے والا ہو۔ سو جب اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں شک کیا یا اس کے سوا کسی اور کو دستگیر بنا لیا۔ تو وہ ایک مرض میں مبتلا ہوا۔ منافق تو شک اور ریب کے مرض میں مبتلا تھے۔ اور بدکار لوگ شہوت پرستی اور سرکشی کے مرض میں گرفتار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شک اور شہوت پرستی دونوں کو مرض کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ابن انباری کا قول ہے کہ لغت میں مرض کا اصلی معنے فساد ہے۔ عرب بولتے ہیں۔ مَرِضَ فُلَانٌ یعنی فلاں شخص کا جسم بگڑ گیا۔ اس کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ اسی طرح مَرِضَتْ بِالْمَرَضِ کا معنی ہے کہ وہ بگڑ گئی اور اس کی حالت متغیر ہو گئی۔ عرب کی ایک شاعر عورت لیلیٰ اخیلیہ نے کہا ہے۔ ۔ شعر

اِذَا هَبَطَ الْحَجَّاجُ اَرْضًا مَرِيْضَةً ۔ تَتَبَّعَ اَقْصٰى دَائِهَا فَشَفَاهَا

(یعنی حجاج جب کسی بیمار زمین پر اترتا ہے۔ تو اس کی بیماری کی حد معلوم کر کے اس کو درست کر دیتا ہے)۔ ایک اور شاعر نے حضرت امام حسین رضؓ کے غم میں کہا ہے۔ شعر

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْاَرْضَ اَضْحَتْ مَرِيْضَةً ۔ لِفَقْدِ الْحُسَيْنِ وَالْبِلَادُ اقْشَعَرَّتِ

(کیا تمہیں معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے سبب تمام روئے زمین بیمار اور سب شہر مصیبت کے مارے پریشان ہیں۔ مرض میں چار باتیں پائی جاتی ہیں۔ فساد، ضعف، نقصان۔ اور ظلمت۔ عرب بولتے ہیں فلاں شخص اس کام میں مریض یعنی کمزور ہو گیا اور اس میں کوشش نہیں کر سکا اور کہتے ہیں مریض النظر یعنی سست نظر ہے اور ہوا مریض یعنی آہستہ آہستہ چلتی ہے۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے ۔ رَاحَتْ لِاَرْبُعِكَ الرِّيَاحُ مَرِيْضَةً

ترجمہ (یعنی تیری منازل پر دھیمی دھیمی ہوائیں چلیں جو ان کے نشان کو نہ مٹائیں)

ابن الاعرابی کا قول ہے کہ مرض کا اصلی معنی ہے نقصان بدن مریض وہ بدن ہے جس میں قوت کم ہو اور دل مریض وہ جس کے دین میں نقصان ہو۔ اور محاورے میں آتا ہے میرے کام میں مرض ہے یعنی اچھی طرح نہیں چلتا۔

ازہری نے منذری سے نقل کیا ہے کہ وہ اپنے کسی دوست سے نقل کرتے تھے مرض یہ ہے کہ طبیعت صفائی کے بعد سیاہ تاریک اور خراب ہو جائے اور کہا کہ مرض ظلمت کو کہتے ہیں چنانچہ یہ شعر پڑھا۔ شعر

وَلَيْلَةٍ مَرِضَتْ مِنْ كُلِّ نَاحِيَةٍ ۔ فَمَا يُضِيْئُ لَهَا شَمْسٌ وَّلَا قَمَرٌ

(ترجمہ) مجھ پر کئی ایسی راتیں بھی گذری ہیں۔ جو ہر طرف سے تیرہ و تاریک تھیں ان میں سورج اور چاند

کی روشنی دکھائی نہ دیتی تھی۔)

لفظ مرض کے لغوی معنی یہی ہیں اور حقیقی معنی یہاں مراد نہیں بلکہ قرینہ سے مجازی معنی ہیں چنانچہ شک، تہمت،
حسد، دشمنی، سرکشی اور شہوت پرستی کے خیالات کا دل میں پیدا ہونا بھی مرض کے قریب قریب ہے۔ جب بندہ ایسا مرض کو خود اختیار
کرکے مریض بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ اسے یہ سزا دیتا ہے کہ اس کا مرض بڑھا دیتا
ہے کیونکہ اس نے دیدہ و دانستہ اسباب مرض کو پسند اور اختیار کیا تھا۔

قسم ۲ ۔ تقلیب افئدہ (دلوں کے پھیر دینے) کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ
وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ
(اور ہم انکے دلوں اور انکی آنکھوں کو الٹ دینگے اور ہم ان کی سرکشی کی حالت میں رہنے دینگے
کہ پڑے بھٹکا کریں) یہ آیت أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ (وہ لوگ جیسے پہلی دفعہ قرآن پر ایمان
نہیں لائے معجزے آنے پر بھی ایمان نہیں لائینگے) پر معطوف ہے یعنی ہم کفار اور ایمان کے درمیان
حائل ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ انکے پاس آیات آئیں مگر وہ ایمان نہیں لائینگے۔ اور كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا
بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ کے معنے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بہت سے مفسرین کہتے ہیں مطلب یہ ہے
کہ اگر کفار کے پاس آیات آئیں تو ہم انکے اور ایمان کے درمیان اسی طرح حائل ہو جاتے جسطرح پہلے
انکے اور ایمان کے درمیان ہم حائل ہو چکے ہیں اور ابن عباس رض کا قول جسے عطا نے روایت کیا ہے
کہ ہم کفار کے دل اور انکی آنکھیں پھیرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس چیز کی طرف آ جاتے ہیں۔ جو
پہلے سے میرے علم میں ان کے لئے مقدر ہو چکی ہے اور کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قول وَاعْلَمُوا
أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ (اور جانے رہو کہ اللہ کو یہی قدرت ہے کہ وہ آدمی اور اس
کے دل (کے ارادے) میں آڑے آ جاتا ہے) کے موافق ہے بعض نے کہا ہے مطلب یہ ہے کہ
ہم انکے دل اور آنکھیں اسلئے راہِ حق سے پھیرتے ہیں کہ انہوں نے پہلے قرآن کو نہ مانا۔ اس لئے
ہم نے انکو یہ سزا دی کہ انکے دل اور آنکھوں کو حق سے پھیر دیا اور یہ نہایت اچھے معنی کیونکہ کاف تشبیہ یعنی تعلیل (بیان علت) کا مفید
ہوتا ہے چنانچہ وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ (اور جسطرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی دوسروں کے ساتھ احسان کر) اور كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ
رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا
تَعْلَمُونَ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (جیسا کہ ہم نے تم میں تم ہی میں کے ایک رسول بھیجے جو ہماری
آیتیں تم کو پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور تمہاری اصلاح کرتے ہیں۔ اور تم کو کتاب یعنی قرآن اور
عقل کی باتیں سکھلاتے اور تم کو ایسی ایسی باتیں بتاتے ہیں جو پہلے سے تمکو معلوم نہیں

تم ہماری یاد میں لگے رہو۔ کہ ہمارے پاس بھی تمہارا ذکر خیر ہوتا ہے تعلیل اور تشبیہ کے جمع ہونے کی یہ خوبی ہے۔ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جزا جیسی شرط ہو اُس کے موافق ہے۔ تقلیب کا لغوی معنی یہ ہے۔ کہ کسی چیز کا ایک طرف سے دوسری طرف پھیر دینا۔ اور چونکہ آیات کے نازل کرنے اور کفار کے سوال و خواہش کے مطابق اُنکے نزول کا یہ مقتضی تھا۔ کہ جب وہ آیات اُنکے پاس کفار کی پہنچیں۔ اور اُنکے صدق و حقیقت کو معلوم کر لیں۔ تو وہ ضرور ایمان لائیں۔ مگر جب وہ ایمان نہ لائے۔ تو اُن کی آنکھیں اور دل اُس طرف سے جس طرف اُن کو ہونا چاہیئے تھا پھیر دئے گئے ✽

صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو رضؓ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ تمام بنی آدم کے دل اللہ تعالٰی کی دو انگلیوں کے بیچ میں اِس طرح ہیں جسطرح کہ ایک دل وہ جیسا چاہے اُسے پھیرتا ہے۔ اُس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ اے اللہ دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے اور جامع ترمذی میں حضرت انس رضؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ان کلمات یعنی یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ (اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ) کو بہت کہا کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ پر اور اُس کتاب پر جسے آپ اللہ کی طرف سے لائے ہیں ایمان لا چکے ہیں۔ تو کیا آپ کو ہمارے پھر جانے کا اندیشہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں سب کے سب دل اللہ تعالٰی کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں۔ وہ جیسے چاہے انہیں پھیر دے۔ ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن ہے۔ اور حماد نے ایوب ہشام اور یعلی بن زیاد سے اُنہوں نے حسن سے روایت کیا ہے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا نے فرمایا ایک ایسی دعا ہے جس کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم بہت پڑھا کرتے تھے۔ یعنی یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اِس دعا کو بہت پڑھا کرتے ہیں۔ اس کا کیا سبب ہے آپ نے فرمایا۔ ہر ایک بندے کا دل اللہ تعالٰے کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہے جب اللہ تعالٰے اُسے درست کرنا چاہے۔ تو اُسے درست کر دیتا ہے۔ اور جب اُسے ٹیڑھا کرنا چاہے تو اُسے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔ وَنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔ (اور ہم اُن کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کہ اپنی سرکشی میں ٹانگ ٹوئے مارا کریں) کی تفسیر میں ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ ہم اُن کی مدد چھوڑ دیتے۔ اور اُن کو اپنی گمراہی میں بڑھنے دیتے ہیں ✽

فصل ازاغۃ القلوب (دلوں کو مائل کرنے) کا بیان۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے۔ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (تو جب یہ لوگ ٹیڑھی چال چلے خدا نے اُنکی سمجھ بھی ٹیڑھی کر دی)۔ اور اپنے

مومن بندوں کی دعا کو بیان فرمایا ہے کہ وہ یوں کہا کرتے ہیں۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا (اے ہمارے پروردگار ہم کو راہِ راست پر لائے پیچھے ہمارے دلوں کو ڈانواں ڈول نہ کر) لغت میں زیغ کے معنے میل ہے۔ محاورے میں بولتے ہیں۔ زَاغَتِ الشَّمْسُ (سورج ڈھل گیا) پس ازاغۃ القلب کا معنی ہے دل کو ہدایت سے گمراہی کی طرف مائل کر دینا۔ اور زیغ قلب کا معنی ہے اس کا مائل ہو جانا۔ زیغ کے ساتھ جس طرح دل موصوف ہوتا ہے۔ اسی طرح آنکھیں بھی اس کے ساتھ موصوف ہوتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (اور تمہاری آنکھیں پھر (کی پھری) رہ گئیں تھیں۔ اور کلیجے مونھوں کو آگئے تھے) اس آیت کی تفسیر کے متعلق قتادہ اور مقاتل نے کہا ہے۔ کہ ڈر کے مارے آنکھیں اوپر کو تکنے لگیں۔ انہوں نے یہ حال مطلب بیان کیا ہے۔ ورنہ شخوص اور زیغ میں فرق ہے شخوص کا یہ معنی ہے۔ کہ آنکھیں کھولکر ایک چیز کیطرف ٹکٹکی لگا دے۔ نگاہ کو نیچے نہ کرے۔ محاورے میں بولتے ہیں مردے کی آنکھیں اوپر کیطرف کھلی رہ گئیں۔ چونکہ جنگ کے موقع پر مسلمانوں کو صرف اپنی مخالف جماعت یعنی کفار کی طرف خیال تھا۔ اور نگاہ ہر طرف سے اٹھ کر انہی کی طرف متوجہ ہو رہی تھی۔ اس لئے وہ سب چیزوں سے مائل ہو کر لشکر کفار کیطرف مشغول تھی ؛

کلبی کا قول ہے کہ مسلمانوں کی آنکھیں ہر ایک چیز سے مائل ہو کر صرف لشکر کفار کی طرف متوجہ تھیں۔ فراء کا قول ہے۔ کہ ہر ایک چیز سے مائل ہو کر حیرت کے ساتھ اپنے دشمن کو دیکھ رہی تھیں میں کہتا ہوں کہ جب دل میں کسی چیز کا رعب یا خوف پیدا ہو تو وہ اُس چیز کے خیال کے سوا تمام چیزوں کے خیالات کو ہٹا دیتا ہے پس آنکھ اُس چیز کے دیکھنے سے حالانکہ وہ سامنے موجود ہو پھر جاتی ہے ؛

فصل۔ خذلان (ترک اعانت) کا بیان اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ (مسلمانو! اگر خدا تمہاری مدد پر ہے تو پھر کوئی بھی تم پر غالب آنیوالا نہیں۔ اور اگر وہ تم کو چھوڑ بیٹھے تو اُس کے (چھوڑے) پیچھے (دوسرا) کون ہے۔ جو تمہاری مدد کو کھڑا ہو) ؛

خذلان کا لغوی معنی ترک اور چھوڑنا ہے وہ گائے یا بکری جو اپنے ساتھ والوں کو چھوڑ کر اپنے بچے سمیت چراگاہ میں پیچھے رہجائے۔ اُس کو خذول کہتے ہیں ؛

محمد بن اسحاق نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے یعنی اے پیغمبر اگر اللہ آپ کی مدد کرے۔ تو کوئی آدمی آپ پر غالب نہیں آئیگا۔ اور جو لوگ آپ کی مدد چھوڑ دیں۔ اُن کے مدد چھوڑ دینے سے آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچیگا۔ اور اگر خدا

آپ کی مدد نہ کرے تو پھر کسی آدمی کی مدد کچھ کام نہیں آتی یہ مطلب یہ کہ کسی آدمی کی خاطر یا اُس کے ڈر سے میرے احکام کی تبلیغ و تعمیل میں کچھ فرق نہ آئے اور میرے احکام کے مقابل کسی کی ذرا پرواہ نہ کرو۔ خذلان سے یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالےٰ بندے کو اُس کے نفس کے سپرد کر دے۔ اور اپنی طرف سے اُس کی مدد نہ فرمائے۔ اور توفیق اس کی ضد ہے یعنی اس کو اس کے نفس کے سپرد نہ کرے بلکہ اُس کے ساتھ لطف و احسان فرمائے اور اس کی اعانت فرما کر اس سے مکروہات کو دفع کرے اور اسکی اصلاح حفاظت فرمائے۔ جس طرح مہربان باپ اپنے صغیر السن اور کمزور بچے کی خبر گیری کرتا ہے۔ اور جس کو اللہ تعالےٰ اُس کے نفس کے سپرد کر دے وہ ضرور ہلاک اور تباہ ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّهٗ وَلَا تَکِلْنِیْٓ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَّلَا اِلٰٓی اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ (اے حی۔ اے قیوم۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنیوالے۔ اے بزرگی و اکرام کے مالک تیری ذات کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ میں تیری رحمت کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ تو میرے تمام کام درست کر دے۔ اور ایک لمحہ بھی مجھے میرے نفس یا اپنی مخلوق میں سے کسی کے سپرد نہ کر) سو بندہ اللہ تعالےٰ کی اعانت اور دشمن خدا شیطان کے اغوا کے بیچ میں ہے۔ پس اگر اللہ تعالےٰ اُس کی مدد فرمائے تو شیطان اُس پر قابو نہیں پا سکتا۔ اور اگر اللہ تعالےٰ اعانت نہ فرمائے تو شیطان بندے کو اِس طرح شکار کر لیتا ہے جس طرح بھیڑیا بکری کو۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب گڈریا بکری کو بھیڑیئے سے نہ بچاسکے تو اُس بیچاری کا اس میں کیا قصور ہے۔ بکری میں یہ طاقت نہیں کہ وہ بھیڑیئے کا مقابلہ کر سکے اور اس سے اپنی جان بچالے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک شیطان آدمی کا ایسا ہی دشمن ہے جیسا بھیڑیا بکری کا دشمن ہے چنانچہ حضرت صادق و مصدوق رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے۔ لیکن اتنا فرق ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس ملعون بھیڑیئے یعنی شیطان کو اس کمزور بکری یعنی انسان سے غالب اور زبردست نہیں بنایا۔ ہاں جب یہ بکری خود بخود اپنا ہاتھ اُسے دیدے۔ اس سے دوستی پیدا کرنے لگے۔ جب وہ بلائے جھٹ بات ماننے کے لئے حاضر ہو۔ اُس کا حکم بجالائے۔ کچھ انکار نہ کرے۔ دوڑ کر اُس کے پاس آئے۔ ہر طرح سے اطاعت اختیار کرے۔ اور اُس محفوظ چراگاہ کو جہاں بھیڑیئے پھٹکنا نہیں پاتے چھوڑ کر بھیڑیوں کے بیچ جا گھسے اور ایسی جگہ جا پہنچے کہ وہاں جو جائے اُن کا شکار بنجاتا ہے۔ تو اس صورت میں سب قصور بکری کا ہے۔ خاصکر جب گلہ بان نے بھیڑیوں سے اُسے ڈرا دیا۔ اُن کی طرف سے چوکس کر دیا۔ اور اُن بکریوں کے مارے جانے کی جگہ دکھلا دی ہوں۔ جو گلہ بان سے الگ ہو کر بھیڑیوں کے بیچ میں جا گھسی تھیں +

احمد بن مروان مالکی نے کتاب المجالسہ میں لکھا ہے کہ ہم نے ابن ابی الدنیا سے سنا کہ اللہ سبحانہ کو وہ علم حاصل ہے جس کو کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی مخلوق میں سے ہر ایک چیز کو وہ علم بخشتا ہے۔ جو دوسرے کو نہیں بخشتا۔ ابو عبداللہ احمد بن محمد بن سعید قطان نے ہم سے بیان کیا کہا کہ ہم سے عبیداللہ بن بکر سہمی نے بیان کیا۔ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ چند لوگ سفر میں تھے۔ ان میں ایک شخص ایسا بھی تھا۔ کہ جب وہ کسی پرندوں کو بولتے سنتا۔ تو اپنے ساتھیوں سے کہتا کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ پرندے کیا کہتے ہیں۔ وہ کہتے کہ ہم تو ان کی بولی نہیں سمجھتے۔ پھر وہ ہر ایک پرندے کی باتیں بتلاتا۔ کہ فلاں یہ بات کہہ رہا ہے اور فلاں وہ بات کہتا ہے۔ اُس کے ہمراہی کہتے ہیں۔ وہ ایسی باتیں بتلاتا جن کی تصدیق کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس لئے ہم اس کو سچا یا جھوٹا کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ اتفاقاً بکریوں کے ایک ریوڑ کے پاس سے اُن کا گذر ہوا۔ ایک بکری اپنے بچے سمیت اُس ریوڑ سے پیچھے رہ گئی تھی۔ اُس بکری کو دیکھا کہ اپنے بچے کی طرف گردن جھکائے چلا رہی ہے۔ وہ شخص کہنے لگا کیا تم جانتے ہو کہ یہ بکری کیا کہتی ہے۔ اُس کے ہمراہی کہتے ہیں ہم نے کہا ہم تو کچھ نہیں جانتے۔ اُس نے کہا اپنے بچے سے یہ کہتی ہے اُٹھو ریوڑ سے جا ملو۔ ایسا نہ ہو کہیں تمہیں وہ بھیڑیا نہ کھا جائے جس نے گذشتہ سال تیرے بھائی کو اسی جگہ کھا ڈالا تھا۔ اتنے میں اُس ریوڑ کا ایالی ہمارے پاس آ نکلا۔ اُس سے ہم نے پوچھا۔ کیا تیری اس بکری نے گذشتہ سال بھی بچہ جنا تھا اُس نے کہا ہاں گذشتہ سال یہ بچہ جنی تھی۔ اور اسی جگہ پر اُس کو بھیڑیا کھا گیا تھا۔ اس کے بعد چند آدمیوں کا گروہ ہمیں راستے میں ملا۔ اُن میں ایک عورت اونٹ پر سوار تھی۔ اونٹ زور سے چلاتا اور اپنی گردن اُس عورت کی طرف بڑھاتا تھا۔ اُس شخص نے کہا۔ تم جانتے ہو یہ اونٹ کیا کہہ رہا ہے۔ ہم نے کہا ہم تو کچھ نہیں سمجھتے۔ اُس نے کہا یہ اپنی سواری کو گالیاں دے رہا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اُس کے کوہان میں ایک سوئی چبھی ہوئی ہے اور یہ عورت اُس پر بیٹھی ہے۔ راوی کہتا ہے لوگوں نے اسی وقت اُس اونٹ کو بٹھا کر اس کا پالان اُتار کر دیکھا۔ تو واقعی اُس کے کوہان میں سوئی چبھی ہوئی تھی۔ دیکھو کہ اُس بکری نے اپنے بچے کو صرف ایک بار بھیڑیئے سے ڈرایا اور وہ چوکس ہو گیا۔ مگر ابن آدم کی یہ حالت ہے۔ کہ اللہ سبحانہ نے اُس کو اس کے بھیڑیئے یعنی شیطان سے بارہا ڈرایا مگر یہ باز نہیں آتا۔ اور شیطان جب بلائے۔ اُس کی اطاعت کے لئے حاضر ہے۔ اور دن رات اسی کے ساتھ بسر کرتا ہے۔

قرآن کریم میں ہے وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ

لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم مَّا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنتُم بِمُصْرِخِيَّ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِن قَبْلُ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (اور جب (آخیر) فیصلہ چکیگا اور لوگ شیطان کو الزام دینگے) تو شیطان کہیگا کہ خدا نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا سو اُس نے پورا کیا۔ اور وعدہ تم سے میں نے بھی کیا تھا۔ مگر میں نے تمہارے ساتھ وعدہ خلافی کی۔ اور تم پر میری زبردستی تو کچھ نہیں بات تو اتنی تھی۔ کہ میں نے تم کو (اپنی طرف) بلایا اور تم نے میرا کہنا مان لیا۔ تو اب مجھے الزام نہ دو بلکہ اپنے تئیں الزام دو (آج) نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو میں تو دوسرے سے مانتا ہی نہیں۔ کہ تم مجھ کو (اس سے) پہلے (دنیا میں) شریک (خدا) بناتے تھے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ جو لوگ نافرمان ہیں اُن کو (قیامت کے دن) بڑا دردناک عذاب ہوگا ۝

فصل - ارکاس کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُم بِمَا كَسَبُوا أَتُرِيدُونَ أَن تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا (سو مسلمانو) تمہارا کیا حال ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو رہے ہو حالانکہ اللہ نے اُن کی کرتوتوں کی سزا میں اُن (کی عقلوں) کو اوندھا کر دیا ہے۔ جس سے وہ مرتد ہو گئے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جس کو خدا نے گمراہ کر دیا اس کو راہ راست پر لے آؤ اور جس کو اللہ گمراہ کرے ممکن نہیں کہ تم اُس کے لئے رستہ نکال سکو۔ فرا نے کہا ہے اَرْكَسَهُمْ کا یہ معنی ہے کہ ان کو یعنی منافقین کو کفر کی طرف لوٹا دیا۔ ابو عبیدہ کا قول ہے کہ رَکس مجرد اور ارکاس مزید دونوں کا ایک ہی معنی ہے یعنی لوٹانا۔ اصل میں رَکس کسی چیز کو سر کے بل اُلٹنے یا اُس کے اول کو آخر کی طرف لوٹانے کو کہتے ہیں۔ اور ارتکاس اُس کا لازم ہے یعنی لوٹنا یا اُلٹا ہونا۔ اُمیہ نے کہا ہے ؎

فَأُرْكِسُوا فِي جَحِيمِ النَّارِ إِنَّهُمُ   كَانُوا عُصَاةً وَقَالُوا الْإِفْكَ وَالزُّورَا

ترجمہ (یعنی کفار دوزخ کے گرم پانی میں اُلٹائے یا لوٹائے جائینگے کیونکہ یہ لوگ (دنیا میں اللہ تعالیٰ کے) نافرمان تھے اور جھوٹ اُن کا پیشہ تھا)

گوبر کو بھی اسی لئے رِکس کہتے ہیں۔ کہ وہ نجاست کی طرف لوٹایا گیا ہے۔ اور اسی واسطے اُسکو رجیع بھی کہتے ہیں۔ رِکس۔ نِکس۔ مرکوس۔ اور منکوس چاروں لفظوں کا ایک ہی معنی ہے۔ یعنی وہ چیز جو لوٹائی جائے ؎

زجاج نے کہا ہے ارکسھم کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو اوندھا اور اُلٹا کر دیا۔ یعنی کفار کی حالت کو ذلت۔ خواری کی طرف لوٹا دیا۔ سو اللہ سبحانہ نے انکے بارے میں اپنے حکم۔ قضا اور عدل کو بیان فرمایا

ہے۔ اور یہ سزا اُن کو اُنکے اعمال بدکمائی کے بدلے ملی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کَلَّا بَلْ رَانَ
عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اُس کے عدل کا یہی معنی ہے
جیسے قدریہ کا زعم ہے۔ کہ توحید اللہ تعالیٰ کے صفات کے انکار اور تقدیر کے نہ ماننے کا نام ہے ؛

فصل۔ تثبیط کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَہٗ عُدَّۃً
وَّلٰکِنْ کَرِہَ اللّٰہُ انْۢبِعَاثَھُمْ فَثَبَّطَھُمْ وَقِیْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِیْنَ (اور اگر یہ لوگ
(دل میں گھر سے) نکلنے کا ارادہ رکھتے ہوتے تو اس کے لئے کچھ تیاری کرتے پر (کرتے تو کیا) مگر اللہ کو ان کا
جگہ سے ملنا ہی ناپسند ہوا تو اُس نے اُن کو احدی بنا دیا اور (گویا ان سے) کہہ دیا گیا کہ جہاں اور
ہارے ماندے بیٹھے ہیں تم بھی اُن کے ساتھ بیٹھے رہو) ؛

تثبیط کا یہ معنی ہے کہ آدمی جس کام کو کر رہا ہو اُس سے اُس کا ہٹا دینا۔ ابن عباسؓ نے کہا ہے۔ کہ
اللہ تعالیٰ نے جہاد کو جانے کے لئے منافقین کی اعانت نہ فرمائی اور ان کو اس کام کے کرنے سے کاہل
اور سست بنا دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کو روک دیا۔ مقاتل کا قول ہے۔ کہ اُن کے
دلوں میں یہ بات ڈال دی۔ کہ وہ گھروں میں بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ رہیں۔ اللہ سبحانہٗ نے اس
تثبیط اور خذلان کی حکمت بھی اس آیت کے ماقبل اور مابعد بیان فرما دی ہے ؛

چنانچہ فرمایا ہے اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْ
تَابَتْ قُلُوْبُھُمْ فَھُمْ فِیْ رَیْبِھِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ ۝ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَہٗ عُدَّۃً
وَّلٰکِنْ کَرِہَ اللّٰہُ انْۢبِعَاثَھُمْ فَثَبَّطَھُمْ وَقِیْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِیْنَ (پیچھے رہ جانے
کے لئے تم سے خواہاں اجازت وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو اللہ کا اور روز آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور
اُنکے دل شک میں پڑے ہیں تو اپنے شک (کی حالت) میں حیران ہیں (کہ کیا کریں کیا نہ کریں) الخ ؛

جب وہ اللہ اور دن قیامت پر ایمان نہ لائے۔ اُس چیز میں شک و شبہے کرنے لگے۔ جس میں کوئی
شک و شبہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے کام اور اسکی طاعت میں جانے کا ارادہ نہ کیا۔ اور نہ اُس کے لئے مستعد
و آمادہ ہوئے۔ اور نہ ہی اُس کی خاطر کسی قسم کا کوئی سامان تیار کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا جہاد
میں جانا پسند نہ فرمایا۔ کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور اسکی کتاب کو نہ مانے۔ اللہ کا وہ دین
جس کو تمام مخلوق میں سے اپنے زیادہ پیارے اور بزرگ تر رسول صلعم کے ذریعے ظاہر فرمایا ہے قبول نہ
کرے اس بے بہا نعمت کا قدر نہ سمجھے۔ اور اس کا شکر بجا نہ لائے۔ بلکہ اس کا انکار و کفران کرے۔ تو
ایسے شخص کی طاعت اور رسول کریم صلعم کے ہمراہ اُس کے جہاد میں جانے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں رکھتا۔

اِس۔ لئے اللہ سبحانہ نے اُس کو روک دیا۔ تاکہ جہاد میں اس کا جانا جو اللہ تعالےٰ کو ناپسند ہے وقوع میں نہ آئے اور تقدیر میں اُنکے دل میں ڈالدیا کہ وہ بیٹھنے والوں کے ساتھ گھر میں بیٹھ رہیں۔ اسکے بعد وہ سبحانہ نے ان کو روک دینے کی وجہ مصلحت اور حکمت۔ بیان فرماتی ہے جو مسلمانوں سے تعلق رکھتی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے لَوْ خَرَجُوْا فِیْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّ لَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ یَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ (اگر یہ لوگ تم (مسلمانوں) میں (ملکر) نکلتے بھی، تو بس تم میں اور زیادہ خرابیاں ہی ڈالتے اور تم میں فساد پھیلانے کی غرض سے تمہارے درمیان (اِدھر کے اُدھر اور اُدھر کے اِدھر) دوڑے دوڑے پھرتے) خبال کے معنے فساد و اضطراب ہے۔ یعنی اگر منافقین مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں جاتے تو اُن کو خرابی میں ڈالتے اور اُن کے درمیان اختلاف و اضطراب پیدا کر دیتے + ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ وہ مسلمانوں کی عاجزی اور بزدلی بڑھاتے یعنی مسلمانوں کے سامنے مخالفین کی عظمت و شوکت بیان کر کے اُنکے دلوں میں اُن کا رُعب بٹھا دیتے۔ اور اس طرح وہ اُن کے مقابلے سے بزدل ہو جاتے۔ پھر لَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ کا یہ معنی ہے کہ اے مسلمانو! منافقین تمہارے درمیان تفرقہ اور فساد ڈالنے کی غرض سے تمہارے بیچ جلدی جلدی اِدھر اُدھر گھومتے۔ ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ وہ تمہارے درمیان اختلاف و تفرقہ اندازی سے تمہاری قوت و شجاعت کو کمزور کر دیتے جس سے مسلمان دشمن کے مقابلہ سے جی ہار دیتے حسن نے کہا ہے کہ تمہارے معاملے کو بگاڑنے کے لئے تمہاری جماعت میں نمیمت اور چغلخوری کے ساتھ دوڑتے۔ کلبی کا قول ہے کہ تمہاری عیب جوئی کے لئے تمہارے مجمع میں گھومتے پھرتے۔ لبید نے کہا ہے اَرَانَا مُوْضِعِیْنَ لِحَتْمِ غَیْبٍ + وَنُسْحَرُ بِالطَّعَامِ وَ بِالشَّرَابِ + یعنی مُوْضِعِیْنَ کا معنی یہاں مُسْرِعِیْنَ (تیز دوڑنے والے) ہے۔ عمر بن ابی ربیعہ کے اِس شعر میں بھی الایضاع بمعنی اسراع ہے۔ ؎

تَبَالَهُنَّ بِالْعِرْفَانِ لَمَّا عَرَفْنَنِیْ ۔۔۔ وَقُلْنَ امْرُؤٌ بَاغٍ اَكَلَّ وَاَوْضَعَا

(یعنی میری پہچان والی عورتیں ہلاک ہوں جب اُنہوں نے مجھے پہچان لیا تو کہنے لگیں یہ شخص کسی چیز کی تلاش میں ہے۔ اور اس نے تیز رفتاری سے اپنی سواری کو تھکا اور ماندہ کر دیا ہے) +

وَفِیْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ (اور تم میں ایسے بھی ہیں جو اُنکی سن لیتے ہیں) +

قتادہؒ کا قول ہے کہ اے مسلمانو! تمہارے بیچ ایسے شخص بھی ہیں جو منافقین کی بات کو سنتے اور جو کچھ کہیں اس کو مان لیتے ہیں۔ ابن اسحاقؒ کا قول ہے کہ تم میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو منافقین سے محبت رکھتے اور اُنکی بات اِس لئے مان لیتے ہیں کہ وہ ان کو شریف سمجھتے ہیں۔

اِس قول کے مطابق تو مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے بیچ میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو تمہاری بات کو سنتے ہیں
اگر موافق ساتھ ہوتے تو اے لوگو تم سے بگاڑ دیتے میں کہتا ہوں یہ بات لفظاً باطل
قبول کرنے کے بعض کو نقصان ہوگا۔ مجاہد۔ ابن زید اور کلبی نے کہا ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے
درمیان ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ جو منافقین کے جاسوس ہیں جو باتیں تم سے سن پاتے ہیں وہ
جاکر اُن کے پاس بیان کرتے ہیں۔ مگر پہلا قول صحیح ہے۔ چنانچہ قرآن کریم سے اس کی تائید ہوتی
ہے۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ یعنی بعض مسلمان ایسے ہیں جو منافقوں
کی جھوٹی باتیں قبول کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے درمیان منافقوں کے کوئی
جاسوس نہیں رہتے تھے۔ کیونکہ منافقین خود مسلمانوں کے ساتھ ہر وقت ملے جلے رہتے
تھے۔ سفر میں ساتھ ہوتے۔ نمازیں ملکر پڑھا کرتے۔ اور مجلسوں میں شریک ہوتے۔ اور
وہ کوئی علیحدہ نہیں رہتے تھے تاکہ مسلمانوں کے بیچ اپنے جاسوس بھیج دیتے جو انکی باتیں
اُن کے پاس آکر بیان کرتے۔ جاسوس چھوڑنے کی اس شخص کو ضرورت پڑتی ہے جو خود
کسی جماعت سے علیحدہ رہتا اس سے میل جول نہ رکھتا ہو۔ اور اس کے معاملات و حالات
دریافت کرنے اسے مطلوب ہوں۔ غرض قتادہ اور ابن اسحاق کا قول صحیح ہے واللہ اعلم۔
اگر یہ سوال کیا جائے۔ کہ منافقین کا اللہ کی طاعت کے لئے جانا تو اُس کی فرمانبرداری و طاعت
تھی۔ پس اللہ تعالٰے نے اُس کو کیسے ناپسند فرمایا۔ اور جب اُس کو ناپسند کیا تو اُس کی ضد
ضرور اُس کو محبوب و پسندیدہ ہوگی۔ کیونکہ یہ ضروری ہے کہ جب کوئی چیز کسی کو ناپسند
اور مکروہ معلوم ہو تو اُس کی ضد ضرور اُسے مرغوب و پسند ہوتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا
کہ منافقین کا جہاد سے بیٹھ رہنا اللہ تعالٰے کو محبوب و پسند تھا۔ پس اللہ تعالٰے اُن کے اس
کام پر انہیں کیونکر معذب کریگا۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال بیشک بہت بڑا سوال ہے
اور ہر ایک گروہ اپنے اصول کے مطابق اس کے جواب دیتے ہیں ؛

جبریہ یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ اللہ تعالٰے کے افعال حکمتوں اور مصالح پر مبنی نہیں ہیں۔ اور ہر
ممکن کام کو وہ کرسکتا ہے۔ وہ چاہے تو پسندیدہ و محبوب کام بجالانے اور ناپسند اور مکروہ
افعال کے ترک کرنے پر بھی بندے کو عذاب میں گرفتار کرے سب کچھ اُسکے نزدیک یکساں ہے
اس فرقے نے حکمت اور تعلیل کا دروازہ اپنے اوپر بند کردیا ہے ؛

قدریہ اپنے اصول کے مطابق یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ درحقیقت اللہ سبحانہٗ نے انکو نہیں

روکا اور نہ اُن کو جہاد میں جانے سے بند کیا۔ بلکہ اُنھوں نے خود آپ نے آپ کو جہاد میں جانے سے روک دیا۔ اور اللہ تعالےٰ کے ارادہ کے خلاف کام کیا۔ چونکہ اُن کے جانے میں وہ فساد تھا جس کو اللہ تعالےٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اِس لئے اُن کے دِلوں میں رسول کے ساتھ جہاد میں جانے کی کراہت ڈالدی تھی۔ اور اسی التفاء کراہت خروج کو کراہتِ مشیت قرار دیا یعنی یہ کہ اللہ تعالےٰ کے ارادے میں جہاد کے لئے اُن کا جانا ناپسند تھا۔ ورنہ درحقیقت اللہ نے اُن کے جانے کو ناپسند نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اُن کو اس کام کا حکم دیا۔ ظاہر ہے کہ جو چیز اللہ تعالےٰ کو ناپسند ہو اُسکی بجاآوری کا حکم نہیں فرماتا۔ جس شخص کو اللہ تعالےٰ نے بصیرت روشن عطا فرمائی ہے وہ خوب سمجھتا ہے۔ کہ یہ دونو جواب کیسے بیہودہ اور کلام الٰہی کی دلالت سے بالکل بعید اور مخالف ہیں ✦

صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ سُبحانہٗ نے اپنی طاعت اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت اور نصرت اور مومنین کی امداد کے لئے اُن کو جہاد میں جانے کا حکم دیا۔ اور اُن کا یہ کام اللہ کو محبوب و پسند تھا اور ساتھ ہی اُس کے اللہ تعالےٰ کو معلوم تھا کہ اگر وہ جائینگے۔ تو اُن کا جانا نصرت و امداد کے لئے نہیں ہوگا۔ بلکہ ہمراہ رسول صلعم کے اُن کا جانا آپ کے اور مومنین کے حق میں مضر ہوگا۔ اور اُن سے ایسے حرکات سرزد ہونگے جو اللہ کو ناپسند مبغوض اور مکروہ ہونگی۔ اِس لئے اِس طور پر اُن کا جانا اللہ کو ناپسند تھا۔ گو جس اِرادے اور کام کے لئے مسلمان جائینگے اُن کا جانا اللہ کو محبوب و پسند تھا۔ لیکن چونکہ اُسے معلوم تھا کہ منافقین اُس کام و اِرادے کے لئے نہیں جائینگے جس کے لئے مسلمان گئے تھے۔ اِس وجہ سے اللہ تعالےٰ نے ان کا جانا ناپسند رکھا۔ اور مسلمانوں کے موافق شامل جہاد نہ ہونے پر اُن کو مستحق عذاب ٹھیرایا۔ یہ نہیں کہ جس طور پر اُن کا جانا اللہ کو ناپسند تھا اُس کے ترک کرنے پر عذاب میں گرفتار کرے گا۔ غرض فساد کی نیت سے جہاد میں شامل ہونا اللہ کی طاعت نہیں ہے اور نہ اُس کی بجاآوری میں وہ ثواب کے مستحق ہوسکتے تھے اور نہ ہی یہ اللہ کو پسند و محبوب تھا۔ اور اِس طور پر جہاد میں جانا جو اللہ کو ناپسند ہے اُس کی دو ضدیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کی اطاعت اور دین کی نصرت و حمایت کے لئے جانا جو اللہ کو محبوب و پسند ہے۔ دوسرا یہ کہ جہاد میں شامل نہ ہونا اور گھر میں بیٹھ رہنا یہ کام بھی اللہ کو ناپسند و مبغوض ہے اور خروج بہ نیتِ فساد کا مکروہ و مبغوض خدا ہونا اس کی مکروہ و مبغوض ہونے کے منافی نہیں ہے۔ تو ہم سائل سے کہتے ہیں۔ کہ گھروں میں اُن کا بیٹھ رہنا اللہ کو ناپسند ہے۔ لیکن یہاں دو چیزیں ایسی ہیں جو دونو اللہ تعالےٰ کو ناپسند ہیں۔ لیکن ایک اُن میں سے دوسرے سے اِس لئے زیادہ ناپسند ہے کہ اُس میں زیادہ خرابی ہے۔ یعنی گھروں میں بیٹھ رہنا بھی

چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ناپسند ہے کہ بہ نسبت فساد جہاد میں شامل ہونا اُن سے اور زیادہ ناپسند ہے اور وہ ان کو بہر حال کام لینا ہے تو ایسے کا ضرر دور کرنے دیا گیا۔ سچ ہے … اللہ سبحانہ نے اس کام کو … ان سے سرزد کرانا یا انہیں منافقین کے ساتھ … بیٹھے رہیں … ان کا جانا مسلمانوں کے لئے باعث ابتری فساد و خرابی تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو گھروں میں بٹھا دیا۔ یہ مقام غور کرنے کے قابل ہے اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طور پر جہاد میں جانے کی انہیں توفیق کیوں نہ بخشی جس طور پر اس کو محبوب و پسند تھا۔ اور جس طریق پر مسلمان لوگ گئے تھے میں کہتا ہوں ایسے سوالات کا جواب پہلے کئی دفعہ گذر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا نہیں کہ وہ ایسے لوگوں کو توفیق عطا فرمائے۔ جو اس کے اہل نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ جن کو اپنی ہدایت، توفیق اور فضل سے سرفراز کرتا ہے۔ اس کی قابلیت کو ہی خوب جانتا ہے۔ اور جو شخص ان نعمتوں کے قابل نہیں۔ اور کسی چیز کو اس کے مناسب محل میں رکھنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔ اس پر اگر یہ شبہ کیا جائے کہ سب آدمیوں کو یکساں ان نعمتوں کا قابل و اہل کیوں نہیں بنا دیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح کی مساوات کر دینا انکی ربوبیت و ملک کے کمال اور خلق اور امر میں اس کے اسماء و صفات کے آثار کے ظہور کے خلاف ہے اگر وہ اس طرح کر دیتا تو بیشک سب لوگوں کا ہدایت اور اس کی طاعت میں ہونا اس کو محبوب و پسندیدہ ہوتا۔ کیونکہ وہ اپنے ذکر، شکر، طاعت، توحید اور عبادت کو پسند فرماتا ہے لیکن اس میں وہ باتیں نہ پائی جاتیں جو اس کو تمام مخلوق کے یکساں مومن و مطیع ہونے سے زیادہ پسند و محبوب ہیں یعنی وہ ان باتوں کو پسند رکھتا ہے کہ اس کے نافرمان لوگوں سے جہاد کیا جائے۔ اور ان سے انتقام اور بدلہ لیا جائے اور اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں اور اولیاء کے قدر و شرف کو بڑھائے۔ اور ان کو اپنے فضل کے ساتھ خاص فرمائے اور وہ اس کے نافرمانوں کی دشمنی میں اپنی جانیں بھی ہار دیں۔ اس کی عزت۔ قدرت سطوت اور مخالفین پر سخت گیری ظاہر ہو۔ انکے علاوہ مساوات نہ کرنے میں اسقدر بیشمار حکمتیں ہیں۔ جن کے احاطہ کرنے سے بڑے بڑے صاحب علم و معرفت قاصر ہیں۔ اور جس قدر حکمتیں معلوم کی ہیں۔ ان سے انکی نسبت یہی ہے جیسے کہ ایک چڑیا سمندر میں سے ایک بار اپنی چونچ میں پانی اٹھا لے ؛

فصل۔ تزئین کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ (اسی طرح ہم نے ہر فریق کے اعمال اُن کو عمدہ کر دکھائے ہیں) وقال تعالیٰ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (تو کیا وہ شخص جس کو اس کا عمل بد اغوائے شیطانی

اپنے برے کاموں کو خوبصورت کر دکھانا ۱۲

کی وجہ سے اچھا کر دکھایا گیا ہے اور وہ خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرتے ہیں۔ آیا اس کو اچھا سمجھتا ہے وہ بدکار بندہ
نیکوکار کے برابر ہو سکتا ہے) بات یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے
سیدھا راستہ دکھاتا ہے) و قال تعالیٰ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (اور شیطان نے
ان کے برے کام ان کو اچھے کر دکھائے ہیں) اللہ سبحانہ نے کبھی اس لحاظ سے کہ تزیین اس کی مشیت
و خلق سے ہے اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے جیسا کہ پہلی آیت میں ہے اور کبھی اس کے
فاعل کو ذکر نہیں کیا جیسا کہ دوسری آیت میں اور کبھی اس کے سبب اور اس شخص کی طرف منسوب کر دیا
جس کے ذریعہ اس کا ظہور ہوا تزیین اللہ سبحانہ کی طرف سے نہایت حسن اور عمدہ چیز ہے۔ کہ اس طرح
بندوں کا امتحان اور ان کی آزمائش ٹھیک طور ہو جاتی ہے۔ مطیع۔ عاصی۔ مومن اور کافر میں امتیاز ہو جاتا
ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ
عَمَلًا (جو (کچھ روئے) زمین پر ہے ہم نے اس کو (روئے) زمین کی رونق (کا موجب) بنایا ہے۔ تاکہ
لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون اچھے عمل کرتا ہے) اور یہی تزیین شیطان کی طرف سے قبیح ہے۔ اس کے علاوہ
اللہ سبحانہ کا اپنے بندے کو کوئی برا کام اچھا کر دکھانا۔ اس کے توحید و عبودیت سے اعراض کرنے اور
نیک کام چھوڑ کر برا کام پسند کرنے کی سزا ہوتی ہے یہ ضروری ہے کہ اللہ سبحانہ پہلے بندے کو نیک و بد
بتلا دیتا ہے۔ اس کے بعد جب وہ خود برے کام کو پسند اور اختیار کرے اور وہی اسے بھلا معلوم ہو۔
تو اللہ تعالیٰ اس کی نظر میں اس کام کو مزین کر دیتا۔ اور بعد اس کے کہ اس کی قباحت اس کو بتا دی تھی
اس کی برائی پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ ہر ایک ظالم۔ فاجر اور فاسق کی نسبت اللہ کا یہی دستور جاری ہے
کہ پہلے اس کو اس کے ظلم، فجور اور فسق کی برائی جتا دیتا ہے۔ مگر جب وہ سرکشی میں حد سے بڑھ جاتا
ہے۔ تو ان کی برائی اس کی نظر سے اٹھ جاتی ہے۔ اور سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ اس کی نظر میں ان
کو مزین و خوبصورت کر دیتا ہے۔ ظلم وغیرہ کی برائی اس نور عقل کے ذریعہ اس پر ظاہر کرتا ہے جو اس کے
دل میں رکھا گیا۔ بندے پر اللہ کی حجت ہے لیکن جب بندہ سرکشی اور ظلم میں حد سے بڑھ جائے۔ تو وہ نور
چلا جاتا ہے اور بندہ جہالت فسق اور ظلم کی تاریکیوں میں پڑ کر اس کی برائی کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور باوجود
اس کے انبیاء علیہم السلام کے مبعوث کرنے اور نور عقل کے ذریعہ نیک و بد پر آگاہی بخشنے سے اللہ تعالیٰ
کی حجت بندے پر قائم ہو چکی ہے پس اللہ تعالیٰ کا برے کاموں کو مزین کرنا عین عدل اور اس سے
بندے کو سزا دینا سراپا حکمت ہے۔ اور شیطان کا برے کاموں کا مزین کر دکھلانا لغو اور ظلم ہے۔
اور شیطان کا یہ فعل ایک ایسا سبب ہے جو خود بندے کی ذات سے خارج اور باہر ہے اور ایک سبب

ایسا بھی موجود ہے جو بندے کی ذات میں داخل ہے یعنی بندے کا اپنی مرضی سے کسی کام کو پسند یا ناپسند کرنا
اور اس کے ساتھ محبت یا اس سے اعراض کرنا۔ اور سب کا خالق وہی اللہ سبحانہ ہے اور سب کچھ اس کی
مشیت اور قدرت سے وقوع میں آتا ہے۔ اگر چاہتا تو سب مخلوق کو ہدایت کر دیتا۔ معصوم وہی ہے جسے
اللہ معصوم رکھے اور مخذول و تباہ کار وہی ہے جسکی اللہ اعانت نہ کرے۔ خلق و امر کا وہی مالک ہے۔
اس کی ذات بابرکت ہے۔ اور وہ سب جہان کا پروردگار ہے ۔

فصل بعض بندوں کی ہدایت کی نسبت اللہ سبحانہ کی مشیت و ارادہ نہ ہونے کے بیان میں ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ (یہ وہ لوگ
ہیں کہ خدا بھی انکے دلوں کو معصیت کی گندگی سے پاک کرنا نہیں چاہتا) وقال تعالیٰ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا
كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا (ہم چاہتے تو دنیا ہی میں ہر شخص کو ایسی توفیق عنایت کرتے کہ وہ سیدھے رستے پر آجاتا)
وقال تعالیٰ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا (اور اے پیغمبر تمہارا پروردگار
چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے) اور کسی چیز کی نسبت اللہ تعالیٰ
کی عدم مشیت اس کے عدم وجود کو مستلزم ہے جیسا کہ کسی چیز کی مشیت اس کے اس کے وجود کو مستلزم
ہے پس جس چیز کا وجود اللہ کی مشیت میں ہے وہ ضرور موجود ہوگی۔ اور جس کا وجود اس کی مشیت میں نہیں
اس کا موجود ہونا محال ہے۔ اللہ سبحانہ نے یہ بھی بتلا دیا ہے کہ بندے جس چیز کی مشیت و ارادہ کرتے ہیں
یا کوئی کام ان سے سرزد ہوتا ہے تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بعد ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ہے وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (اور تم (کچھ بھی) نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ چاہے)
وقال تعالیٰ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (اور بے مشیت الٰہی تو یہ لوگ (سوچنے سمجھنے)
والے نہیں ہیں) اگر کوئی یہ سوال کرے کہ بندے کے کسی کام کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ
ہو تو کیا اس وقت اس کام کا کرنا بندے کی قدرت میں ہے یا نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بندے
کی قدرت سے یہ مراد ہو کہ اس کے وہ آلات جن کے ذریعے وہ کام کر سکتا ہے سالم اس کے اعضا
صحیح اور اس کے تمام قویٰ برقرار ہوں اور نیز اس کام کے اسباب بہم پہنچانے پر وہ قادر ہو اور اس کے
سرانجام کی راہیں اس کے لئے سہل و آسان ہوں۔ تو اس اعتبار سے اس کام کا کرنا بندے کی قدرت میں
ہے اور اگر قدرت سے وہ قدرت مراد ہو جو مقارن فعل اور اس کی موجب ہوتی ہے۔ اور جب وہ
موجود ہو تو فعل کا وقوع میں آنا ضروری ہو جاتا ہے۔ تو اس اعتبار سے وہ کام بندے کی قدرت میں
نہیں ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قدرت افعال دو قسم ہے۔ ایک قدرت مصححہ یعنی افعال کے اسباب

شروط اور آلات کا صحیح وسالم ومہیا وموجود ہونا۔ اور احکام الٰہی کے مکلّف ہونے کی مدار اسی قدرت پر ہے۔ اور یہ فعل سے پہلے ہوتی اور اُس سے فعل کا وقوع بیں آنا ضروری نہیں ہوتا۔ دوّم وہ قدرت جو فعل کے مقارن اور اُس کو مستلزم ہوتی ہے اُس کے موجود ہونے کے وقت فعل کا وقوع ضروری ہو جاتا ہے۔ اور یہ قدرت احکام الٰہی کے ساتھ مکلّف ہونے کی شرط نہیں اور نہ تکلیف کی صحت اور حسن اس پر موقوف ہے پس اُس شخص کا ایمان اور اُس شخص کی طاعت کہ جن کا ایمان و طاعت اللہ تعالٰے کی مشیت میں نہ ہوں۔ قدرت کے پہلے معنی کے لحاظ سے بندے کی قدرت واختیار میں ہیں۔ اور دوسرے معنے کے اعتبار سے بندے کی قدرت میں نہیں۔ امید کہ اس تحقیق سے وہ شبہ جو تکلیف ما لا یطاق کے متعلق پیدا ہوتا ہے دُور ہو جائیگا اور ان شاء اللہ اپنے موقع پر وہ بیان ہوگا۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ جس شخص کی نسبت اللہ تعالٰے کو معلوم ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیگا۔ اُس کے واسطے اللہ تعالٰے نے ایمان لانے کی قدرت پیدا کی ہے یا نہیں تو اُس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالٰے نے اس کے واسطے قدرت مصحح جو فعل سے متقدم اور امر ونہی کے ساتھ مکلف ہونے کی مدار ہے پیدا فرمائی ہے اور اس کے واسطے وہ قدرت پیدا نہیں فرمائی جو فعل کی موجب اور مستلزم ہوتی ہے اور جس سے فعل کا تخلف درست نہیں۔ پس یہ دوسرے قسم کی قدرت بخشنا محض اُس کا فضل ہے۔ جسے چاہے عنایت کرے اور وہ پہلی قدرت عطا کرنا اس کا عدل ہے جس سے بندوں پر اُس کی حجت قائم ہوتی ہے۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جب کسی بندے کے لئے یہ قدرت اللہ تعالٰے نے پیدا نہ فرمائی ہو تو وہ کوئی کام کر سکتا ہے۔ تو کہا جائیگا کہ یہ وہی پہلا سوال ہے اور اس کا جواب بیان ہو چکا ہے +

فصل۔ اماتت قلوب (کفار کے دلوں کو مُردہ کر دینے) کا بیان۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (بے شک تم مردوں کو (اپنی باتیں) نہیں سُنا سکتے) وقال تعالٰے اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (کیا (ایک شخص) جو (پہلے) مُردہ تھا پھر ہم نے اُس میں جان ڈالی اور اُس کو ایک نور عطا فرمایا جس کی مدد سے وہ لوگوں میں (خاصی طرح) چلتا پھرتا ہے (کیا) وہ اُس جیسا ہو سکتا ہے۔ جس کا حال یہ ہے کہ اندھیروں میں (گھر) پڑا ہے وہاں سے نکل نہیں سکتا) وقال تعالٰے لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا (کہ جو زندہ (دل) ہوں۔ اُن کو (عذاب خدا) سے ڈرائے) وقال تعالٰے وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ (اور (اے پیغمبر) جو لوگ قبروں میں (مدفون) ہیں تم اُن کو (اپنی باتیں) سُنا

نہیں سکتے۔ سو اللہ تعالیٰ نے کافر کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ مُردہ اور اصحابِ قبور کی مانند ہے۔ اور دِل زندہ وہی ہے جو حق کو پہچانے اُسے قبول کرے۔ اُس سے اُس کو محبت ہو۔ اور اس کے مقابل تمام چیزیں چھوڑ کر اُسے اختیار کرلے۔ جب دِل مردہ ہوتا ہے۔ تو اس میں کسی قسم کا حق و باطل کو محسوس کرنے اور اُنکے درمیان امتیاز کرنے کا مادہ نہیں رہتا۔ اِس لئے وہ حق کا ارادہ اور باطل سے نفرت نہیں کرتا جس طرح جسد مُردہ کہ وہ کھانے پینے کی لذت اور اُنکے نہ ملنے کی تکلیف کو محسوس نہیں کرتا۔ اور اِس کے بالمقابل اللہ سبحانہٗ نے اپنی کتاب اور وحی کی نسبت یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ یہ وہ رُوح ہے جس سے دِل کو زندگی حاصل ہوتی ہے۔ ہر ایک دِل فطرۃً زندہ ہوتا ہے پھر جس نے نورِ وحی کو قبول کیا تو رُوحِ وحی سے اس کی حیاتی اور زیادہ ہو جاتی اور حیاتی پر حیاتی اور نور پر نور حاصل ہو جاتے ہیں یعنی پہلے ایک تو نورِ فطرت حاصل تھا۔ اور اُس کے ساتھ نورِ وحی بلکہ نورٌ علیٰ نور ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے اختیار سے وحی بھیجتا ہے) وقال تعالیٰ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا (اور (اے پیغمبر) اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے (دین کی) جان یعنی یہ کتاب) تمہاری طرف وحی کے ذریعہ بھیجی ہے تم نہیں جانتے تھے۔ کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ) ایمان (کس کو کہتے ہیں) مگر ہم نے قرآن کو ایک نور بنا دیا ہے۔ کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں (دین کا) راستہ دکھا دیتے ہیں) پس اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو رُوح اس لئے فرمایا ہے۔ کہ اس سے دِل کو حیاتی حاصل ہوتی ہے۔ اور نور اِس لئے فرمایا۔ کہ اُس کے ذریعہ ہدایت اور روشنی ملتی ہے۔ یہ نور اور حیاتِ فطرت کے علاوہ ہیں۔ پس یہ نورٌ علیٰ نور اور حیات بعد حیات ہیں۔ اِسی لئے اللہ سبحانہٗ نے اُس شخص کی نسبت جو نور و حیاتِ وحی سے محروم ہو مثال کے طور پر بیان فرمایا ہے۔ کہ یہ اُس شخص کی طرح ہے جو آگ کو روشن کرے جب آگ سے آس پاس کی چیزیں نظر آنے لگیں۔ تو وہ آگ بجھ جائے یا اُس شخص کی مانند ہے۔ جس کو بارش کے منافع کے بجائے کڑک۔ اندھیرے۔ گرج اور بجلی حصے میں آتے۔ آگ جلانے والے نے آگ سے روشنی حاصل کر کے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ اور دوسرا شخص پانی کی خاصیتِ حیات سے مستفید نہ ہوا۔ اسی واسطے سورہ رعد میں اِن دو نو مثالوں کو بیان فرما کر سمجھایا ہے۔ کہ جس نے قرآن کو مان لیا اُس کو زندگی اور نور حاصل ہو گئے۔ اور جس نے نہ مانا وہ تاریکی میں پڑا رہا۔ اور وہ

مردوں ہیں داخل ہے۔ جس شخص سے اللہ سبحانہ نور و روشنی روک دے اُس کی نسبت بیان فرمایا ہے۔ کہ وہ تاریکی میں پڑا ہے۔ اپنی طرف سے اُسے کوئی نور حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (اللہ وہی کے نور سے) آسمان و زمین کی روشنی ہے۔ اُس کے نور کی مثال (ایسی) ہے جیسے ایک طاق ہے (اور) طاق میں ایک چراغ (رکھا) ہے اور (وہ) چراغ ایک شیشے کی قندیل میں ہے (اور) قندیل (اس قدر شفاف ہے کہ) گویا وہ موتی کی طرح چمکتا ہوا ایک ستارہ ہے (وہ چراغ) زیتون کے ایک مبارک درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے۔ کہ جو نہ پورب کے رُخ واقع ہے نہ پچھم کے رُخ (اُس کا تیل اس قدر صاف ہے کہ) اگر اُس کو آگ نہ بھی چھوئے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ (آپ سے آپ) جل اُٹھیگا (غرض ایک نور نہیں بلکہ) نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ (یعنی نور پر نور) اللہ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے) ۔ اس کے بعد اس شخص کا حال بیان فرمایا ہے۔ جو اس نور سے بے بہرہ ہے ۔

چنانچہ فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (اور جو لوگ منکر (اسلام) ہیں اُن کے اعمال (ایسے دھوکے کی ٹٹی ہیں) جیسے چٹیل میدان میں چلکتا ہوا ریت کہ پیاسا اُس کو (دور سے) پانی خیال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا۔ تو اُس کو کچھ بھی نہ پایا (اور پیاسا تڑپ تڑپ کر مر گیا) اور (دیکھا تو) خدا کو اپنے پاس موجود پایا اور اُس نے (اُس کے اعمال) کا حساب پورا پورا چکا دیا اور اللہ جھٹکے بھر میں حساب کرنے والا ہے (یا اُن کے اعمال کی مثال) بڑے گہرے دریا کے اندرونی اندھیروں کی سی (ہے) کہ دریا کو لہر نے ڈھانک رکھا ہے اور (لہر بھی ایک نہیں بلکہ) لہر کے اوپر لہر اُس کے اوپر بادل (غرض) اندھیرے ہیں۔ ایک کے اوپر ایک کہ (دریا کی تہ میں کوئی آدمی) اپنا ہاتھ نکالے تو توقع نہیں کہ اس کو دیکھ سکے اور جس کو اللہ ہی نور (یعنی ہدایت) نہ دے تو اُس کو (کسی طرف سے بھی) نور

(کا سہارا بنیں) ۔

مسند میں عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ایک تاریکی میں پیدا کیا پھر اُن پر اپنے نور کا پرتو ڈالا۔ پس جس شخص کو اسی
نور سے جتنا زیادہ حصہ ملا وہ ہدایت یاب ہو گیا اور جو اس سے بے بہرہ رہا وہ گمراہ ہوا۔ اسی واسطے تو میں یہ
کہتا ہوں۔ کہ اللہ کے علم کے مطابق سب کچھ لکھا گیا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَالَّذِينَ
كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ مَنْ يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ
صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے) اندھیروں
میں بہرے اور گونگے (ہوتے ہیں) خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے اسے راہ راست
پر لگا دے) اور یہ تاریکیاں جو کفار کے لئے ہیں اُن انوار کی ضد ہیں جن سے مومن مالا مال ہیں اور
تو مومن کے دل میں نور ایمان بھرا ہے اُس کے بعد اُس کی آمد و رفت۔ رفتار۔ گفتار سب نور ہی نور
ہیں۔ مومن کا علم بھی سراسر ہدایت و نور ہے اور اُس کا مآل کار بھی نور کی طرف ہے۔ اور کافر کے تمام
امور مومن کے برخلاف ظلمت اور تاریکی ہیں۔ اور چونکہ نور اللہ سبحانہ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات پاک
میں سے ہے۔ اسلئے ایمان والوں کا دین۔ رسول۔ کلام اور گھر سب روشن اور نور ہیں۔ اور یہ نور
اُس کے ایمان والے بندوں کے دلوں میں چمکتا۔ اُن کی زبانوں پر جاری اور اُنکے چہروں پر نمایاں
ہوتا ہے۔ اور اسی طرح چونکہ مومن اللہ تعالیٰ کے اسماء پاک میں سے ہے۔ اس لئے نعمت ایمان
اُس شخص کو عطا فرماتا ہے جو اُس کا محبوب ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس چونکہ احسان اللہ تعالیٰ کی
صفت اور اس کا نام محسن ہے اسلئے محسنین سے محبت رکھتا ہے۔ اور وہ صابر ہے۔ شاکر۔ عفو۔
(معاف کرنے والا) صاحب حیا۔ پردہ پوش۔ قوی۔ علیم۔ جواد۔ جمیل۔ بَرّ (نیکی کرنے والا) رحیم۔
عدل۔ رشید ہے۔ اور صابرین۔ شاکرین۔ درگذر کرنے والوں۔ حیاداروں۔ پردہ پوشوں۔ قوی
مومنین۔ اپنے علم والے بندوں۔ سخی لوگوں۔ اہل جمال۔ نیکوکاروں۔ رحم کرنے والوں۔ انصاف
پرستوں اور اہل رشد سے اُسے محبت ہے۔ اور وہ (اپنی مخلوق میں سے) جسے چاہے ان اوصاف
میں سے کسی صفت کے ساتھ متصف کرے اور جسے ان صفات سے محروم رکھے۔ اور ان کے
برخلاف بری اوصاف اُس میں پیدا کر دے۔ اگر کوئی نیک صفت کسی بندے میں پیدا کر دے۔ تو یہ
اس کا محض فضل ہے۔ اور وہی فضل عظیم کا مالک ہے۔ اور اگر کسی کو محروم رکھے۔ تو یہ
اُس کا عین عدل ہے ۔

فصل بعض دلوں کو سخت کر دینے کا بیان۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ (پس اُن ہی لوگوں کے اپنے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے اُن کو پھٹکار دیا اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا۔ کہ توراۃ کے لفظوں کو اُن کی جگہ (یعنی اصلی معنوں) سے پھیرتے ہیں اور اُن کو جو نصیحت کی گئی تھی۔ اُس میں ایک (بڑا) حصہ یعنی (پیغمبر آخر الزمان پر ایمان لانا) بھلا بیٹھے) ؛

قسوت بمعنے شدت و صلابت ہے۔ عرب کہا کرتے ہیں۔ حجر قاس (سخت پتھر۔ ارض قاسیۃ وہ زمین جس میں کوئی روئیدگی پیدا نہ ہو۔ ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں کو ایسا سخت کر دیا کہ وہ ایمان قبول نہیں کر سکتے۔ حسنؒ کا قول ہے کہ وہ بند کر دئے گئے ہیں۔ دل تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک خشک اور سخت جو حق کی صورت کو قبول نہیں کرتا اور نہ وہ اس میں منقش ہو سکتی ہے۔ اور دوسرا اُس کی ضد ہے جو نرم محفوظ رکھنے والا اور مرض سے سالم ہو۔ یہ اپنی ملائمت اور نرمی کی وجہ سے حق کی صورت قبول کر لیتا اور تماسک کی وجہ سے اُسے محفوظ رکھتا ہے۔ تیسرا وہ جو بیمار ہو۔ وہ اپنی سستی کی وجہ سے جو کچھ اُس میں منقش ہو۔ اُسے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ یہ تمام سیال چیزوں کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنی نرمی کی وجہ سے دوسری چیز کی صورت قبول کر لیتی ہیں۔ لیکن سیال ہونے کی وجہ سے اُس کو محفوظ نہیں رکھ سکتیں۔ بہترین دل وہ ہے جو مضبوط۔ صفا اور نرم ہو کیونکہ وہ اپنی صفائی کی وجہ سے حق کو دیکھتا اور نرمی کی وجہ سے اُسے قبول کر لیتا اور قوت کے سبب اُسے محفوظ رکھتا ہے ؛

مسند وغیرہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کے برتن ہیں جو اُس کی زمین میں رکھے ہیں۔ ان میں جو دل کہ زیادہ مضبوط۔ رقیق اور صفا ہو وہ اللہ کو بہت پیارا ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے دل کی تمام قسمیں اپنے اس قول میں ذکر فرمائی ہیں۔ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ (ایسے معاملات میں منظورِ خدا یہ رہا ہے) کہ اُس وسوسے) کو جو شیطان نے ڈالا ہے اُن لوگوں کی آزمائش (کا ذریعہ) گردانے جن کے دلوں میں (بدعقیدگی کا) مرض ہے اور اُن کے دل سخت ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ (یہ) ظالم (یعنی کافر) تو پرلے درجے کی مخالفت میں (پڑے ہیں اور (نیز ایسے معاملات میں خدا کو یہ منظور رہا) ہے کہ جن لوگوں کو

علم دیا گیا ہے وہ جان لیں کہ وحی برحق (ہے) اور تمہارے پروردگار کی طرف سے (نازل ہوئی) ہے
اور یہ سمجھ کر) اُس پر ایمان لائیں اور اُن کے دل خدا کے آگے گڑگڑانے لگیں) ؂

اللہ سبحانہٗ نے پہلے اُس بیمار دل کا ذکر کیا ہے۔ جو کمزور اور ناتوان ہے جس میں حق کی صورت ثابت اور قائم نہیں رہ سکتی۔ اور نیز اُس سخت اور خشک دل کا بیان ہے جو صورتِ حق قبول نہیں کرتا اور نہ وہ اُس میں منتقش ہوسکتی ہے۔ یہ دونوں دل شقی ہیں جو عذاب میں گرفتار ہونگے۔ اس کے بعد دل کے تیسرے قسم کا ذکر کیا ہے کہ یہ اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرنے والا اور اُس کی یاد سے مطمئن ہوتا ہے۔ اور یہی قرآن سے منتفع ہوتا اور اُس کے ذریعہ پاک و صاف ہوجاتا ہے کلبی نے فتخبت لہٗ قلوبھم کی تفسیر میں کہا ہے۔ کہ اُن کے دل قرآن کے سامنے نرم ہوجاتے ہیں اور خود اللہ سبحانہٗ نے اِخبات کی حقیقت اور مخبتین کے اوصاف اپنے اس قول میں بیان فرما دیئے ہیں۔
وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (اور اے پیغمبر) عاجزی کرنے والے بندوں کو جنت کی خوشخبری سنا دو (جو) ایسے (نیک ہیں) کہ جب خدا کا نام لیا جاتا ہے اُن کے دل لرز اٹھتے ہیں اور جو مصیبت (اُن پر آپڑے اُس پر صبر کرتے اور نمازیں پڑھتے اور جو ہم نے اُن کو دے رکھا ہے اُس میں سے (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں) ؂

اللہ تعالےٰ نے مخبتین کی چار علامتیں ذکر فرمائی ہیں (۱) یہ کہ اللہ کی یاد کے وقت اُن کے دل کانپ اُٹھتے ہیں یعنی ہیبت اور محبت کے ساتھ اُن کے دلوں پر خوف طاری ہوتا ہے (۲) یہ کہ اللہ تعالےٰ کی تقدیر پر راضی ہوکر مصائب میں صبر اختیار کرتے ہیں۔ (۳) یہ کہ نماز کو ظاہری اور باطنی ارکان کے ساتھ قائم رکھتے ہیں (۴) یہ کہ اللہ تعالےٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے اُس کی راہ میں خرچ کرتے اور اُس کے بندوں کے ساتھ احسان اور نیک سلوک سے پیش آتے ہیں یہ سب باتیں اُسی دل کو حاصل ہوتی ہیں جو صفتِ اخبات سے موصوف ہو۔ ابن عباسؓ نے مخبتین کی تفسیر میں متواضعین مجاہد نے مطمئنین الی اللہ اخفش نے خاشعین اور ابن جریر نے خاضعین کہا ہے۔ زجاج نے کہا ہے اخبات خبت سے مشتق ہے۔ جس کے معنے ہیں زمین پست پس مخبت بمعنے متواضع ہے اور اخبات سے یہ مراد ہے کہ تواضع اور خشوع سے اللہ کے سامنے تمام اعضا ساکن و برقرار رہیں۔ اگر یہ شبہ پیدا ہو کہ جب اخبات بمعنے تواضع و خشوع ہے۔ تو وَاَخْبَتُوْا اِلٰى رَبِّهِمْ الی کے ساتھ کیسے متعدی ہوا۔ تو یہ اُس کا جواب ہے کہ یہاں انابت۔ توبہ اور اطمینان کے معنی کو متضمن ہے۔ اس مقام میں سلف صالحین کے اسی قسم کے اقوال ہیں اور مطلب یہ ہے کہ

قلب حیث قلب مریض اور قاسی کی ضد ہے۔ اور یہ سب کچھ اللہ سبحانہٗ کے اختیار میں ہے کہ جن دلوں کو چاہے محبت بنا دے اور جن کو چاہے قاسی کر دے اور اُسی نے قسوت اور اخبات کی علامتیں اور آثار بنائے ہیں قسوت قلب کی ایک یہ نشانی ہے کہ کلمات الٰہی کو اپنے معانی سے پھیرنا جو لوگ یہ کام کرتے ہیں وہ غلط فہمی دربیہ ارادے سے کرتے ہیں اور ان دونوں کا منشاء دل کی سختی ہے۔ قسوت قلب کی ایک یہ نشانی ہے کہ وعظ و نصیحت اور احکام الٰہی کو بھول جانا یعنی علماً و عملاً ان کو ترک کر دینا۔ اور اخبات کے علامات سے یہ چیزیں ہیں اللہ تعالےٰ کی یاد کے وقت دل کا کانپ اٹھنا۔ تقدیر الٰہی پر صابر رہنا۔ اخلاص عبودیت۔ احسان الی الخلق یہ سب پہلے مذکور ہو چکی ہیں ؁

فصل - سینے کے تنگ اور ضیق کرنے کا بیان - کہ اللہ تعالےٰ کفار کے سینوں کو ایسا تنگ کر دیتا ہے۔ کہ وہ ایمان کو قبول نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ (تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ اُسے راہ راست دکھائے، اس کے سینے کو (قبول) اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس شخص کو چاہتا ہے کہ اُسے گمراہ کرے اُس کے سینے کو تنگ (اور گھٹا ہوا) کر دیتا ہے۔ گویا اس کو آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہے) تمام اہل لغت کا یہی قول ہے کہ حرج اس چیز کو کہتے ہیں جو نہایت تنگ ہو۔ رَجُلٌ حَرَجٌ وہ آدمی جس کا سینہ نہایت تنگ ہو ایک شاعر نے کہا ہے لَا حَرِجُ الصَّدْرِ وَلَا عَنِيْفٌ یعنی وہ شخص تنگ سینہ اور سخت طبع نہیں۔ عبید بن عمیر کا قول ہے کہ ایک دن عباسؓ نے اس آیت کو پڑھا اور فرمایا یہاں قبیلہ بنی بکر کا کوئی آدمی موجود ہے ایک آدمی بولا میں حاضر ہوں۔ ابن عباسؓ نے پوچھا تمہاری بولی میں حرجہ کس کو کہتے ہیں۔ اس نے کہا حرجہ اس وادی کو کہتے ہیں جس میں اس قدر گھنے درخت ہوں کہ اس میں چلنے کا راستہ نہ ہو۔ ابن عباسؓ نے کہا کافر کا دل بھی اسی طرح ہوتا ہے کہ اس میں ایمان کا راستہ نہیں ہوتا۔ اور ایک دن عمرؓ بن خطاب نے اس آیت کو پڑھا تو فرمانے لگے کہ بنی کنانہ کو کوئی ایسا شخص میرے پاس لاؤ جس نے کبھی گلہ بانی کی ہو لوگ ایک آدمی کو بلا لائے امیر المومنین نے اس سے دریافت کیا اے جوان تمہاری زبان میں حرجہ کس کو کہتے ہیں اس نے کہا حرجہ اس درخت کو کہتے ہیں جس کے آس پاس کے درخت اسے اس طرح گھیر لیں۔ کہ اس تک کوئی چرندہ اور جنگلی جانور بھی نہ جا سکے حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کافر کا دل بھی اسی طرح ہوتا ہے کہ اس تک کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی۔ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا کی تفسیر میں ابن عباس نے کہا ہے کہ کافر جب اللہ کا ذکر سنتا ہے تو اس کا دل منقبض اور تنگ ہوتا۔ ہے اور جب بتوں کی عبادت کا

ذکر سننے سے تو شادہ اور خوش ہوجاتا ہے اور چونکہ دل معرفت علم محبت اور انابت کا محل ہے اور یہ چیزیں
اُس میں تب داخل ہوتی ہیں کہ وہ اُن کے لئے فراخ و کشادہ ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو ہدایت
کرنی چاہتا ہے تو اُس کے سینے کو فراخ اور کشادہ کردیتا ہے اور یہ چیزیں آکر داخل ہوکر اُس میں سما جاتی
ہیں۔ اور جب کسی کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ تو اُس کے سینے کو تنگ کردیتا ہے اور یہ چیزیں باہر رہ جانے کی
وجہ سے لوٹ جاتی ہیں اور اُس کے دل میں سکون نہیں پکڑتیں ہر ایک برتن کا یہی حال ہے کہ اگر پہلے خالی
ہو پھر اُس میں کوئی چیز ڈالی جائے تو اُس کے مقدار کے موافق وہ چیز اسمیں [illegible] اور اگر مقدار سے
زیادہ ڈالی جائے تو برتن کی تنگی کی وجہ سے وہ چیز اُس میں نہیں سما سکتی [illegible] ہوتا ہے۔ مگر
مومن کے نرم دل کا یہ حال ہے کہ اُس میں جس قدر ایمان اور علم ڈالا جائے تو وہ اسی قدر وسیع اور فراخ
ہوتا جاتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالےٰ کی قدرت کی نشانی ہے۔ حاکم نے [illegible] میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم
سے مروی ہے کہ جب مومن کے دل میں نور (ایمان) داخل ہوتا ہے تو وہ فراخ اور کشادہ ہوجاتا ہے۔
صحابہ نے عرض کیا اے رسول خدا اُس کی کیا نشانی ہے۔ آپ نے فرمایا دار آخرت کی طرف متوجہ ہونا۔ دنیا
سے پہلوتہی کرنا اور موت کے آنے سے پہلے اُس کے لئے آمادہ ہونا۔ شرح صدر کی علامت ہے
سینے کا کشادہ ہونا ہدایت کا بڑا سبب اور اُس کا تنگ ہونا گمراہی کا بھاری سبب ہے۔ انشراح صدر
اللہ تعالےٰ کی عظیم الشان نعمت ہے اور اُسکی تنگی نہایت سخت مصیبت ہے جب انسان کو دنیا میں جو کچھ مصائب
و تکالیف پیش آئیں وہ دل تنگ نہیں ہوتا بلکہ ہر حال میں وہ خوش و خرم رہتا ہے اُس کا سینہ کشادہ رہتا ہے۔ اور
جب ایمان قوی ہو جائے اور اُس کی چاشنی دلوں کے اندر پوری طرح اپنا گھر کرلے۔ تو مومن دنیا سے [illegible]
[illegible] خوش و منشرح الصدر رہتا ہے اور وہ لذت حاصل ہوتی ہے کہ شہوات نفس سے پیدا ہونے
اور دنیا کی مرغوب چیزیں حاصل ہونے میں وہ حظ اور لذت پاس نہیں آتی۔ اور جب دنیا سے جدا ہوتا
ہے تو اُس جدائی پر اُسے وہ خوشی حاصل ہوتی ہے جو دنیوی خوشی سے بدرجہا زیادہ ہوتی ہے۔ مومن کے
دنیا سے رحلت کرنے کی مثال بالکل ایسی ہے۔ جیسے کوئی شخص ایک نہایت تنگ قید خانے سے نکلکر ایک پر
فضا وسیع اور حسب منشاء مکان میں جاکر آرام کرے۔ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے پھر جب اللہ تعالےٰ
قیامت میں مومن کو اٹھائیگا۔ تو اُس وقت وہ خوشیاں حاصل ہونگی جو پہلے سے کہیں بڑھ کر ہونگی۔ بلکہ پہلی
خوشی کو اُسے کچھ نسبت ہی نہ ہوگی۔ غرض شرح صدر جیسے کہ وہ ہدایت کا بڑا سبب ہے اسی طرح وہ تمام نعمتوں
کی جڑ اور ہر ایک خیر و خوبی کی بنیاد ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے یہ سمجھ کر کہ جب تک اللہ تعالےٰ
اُن کے سینے کو کشادہ نہ کرے تو وہ تبلیغ رسالت کے عظیم الشان منصب کے فرائض کو بجا نہیں لا سکتے۔

اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ میرے سینے کو کشادہ کر دے۔ اللہ سبحانہ نے شرح صدر کو منجملہ اُن
خاص نعمتوں کے ذکر فرمایا ہے جو خاتم النبیین والمرسلین پر انعام فرمائی ہیں۔ اور آپ کے متبعین کی نسبت فرمایا ہے
کہ اُس نے اُن کے سینے اسلام کے لئے کشادہ کر دئے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ دریافت کرے کہ کونسے
اسباب ہیں جو سینوں کو کشادہ یا اُن کو تنگ کر دیتے ہیں۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ سینہ کشادہ کرنے کا سبب
وہ نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ اُس کے اندر ڈال دیتا ہے۔ جب وہ نور سینے کے اندر داخل ہوتا ہے تو
اُس کی قوت اور ضعف کے موافق سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ نور نہ ہو تو سینہ تنگ اور تاریک
رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ وہ نور اپنی کوشش سے حاصل ہو سکتا یا محض اللہ کی دین ہے
جسے چاہے عطا فرمائے۔ تو اُس کا جواب یہ ہے کہ کوشش سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اور کبھی بغیر
کوشش کے بھی اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتا ہے مگر کوشش سے حاصل کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا فضل اور مہربانی ہے
غرض سب کام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ وہی سب تعریفوں کے لائق ہے اور سب خوبیاں
اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔ بندہ بذاتِ خود کچھ نہیں کر سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اسباب اور مسببات کو پیدا کرتا
اور جسے چاہتا عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا محروم رکھتا ہے۔ جب وہ بندے کے ساتھ بہتری کا
ارادہ کرتا ہے۔ تو اُسے اِس بات کی توفیق بخشتا ہے کہ وہ اس کی نعمتوں کی طرف متوجہ اور
راغب ہونے اور اُس کے عذاب سے ڈرنے میں حتی الوسع پوری کوشش کرتا ہے۔ اور یہی دو تو
یعنی رغبت اور ڈر توفیق کی جڑ ہیں۔ جس قدر رغبت اور خوف دل میں موجود ہونگے۔ اسی قدر توفیق
خیرات حاصل ہوگی۔ اگر سائل یہ کہے کہ رغبت اور خوف کا پیدا کرنا بھی تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے بندے
کا اس میں کیا دخل ہے تو ہم کہینگے بیشک یہ محض اللہ کے فضل و منت سے حاصل ہوتی ہیں۔ بندے کا
اس میں کوئی دخل نہیں۔ لیکن اتنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو اُس محل میں رکھتا ہے۔ جو اُنکے
لائق و سزاوار ہو۔ اور جو اُن کے صالح و قابل نہ ہوں اُن سے اُنکو روک دیتا ہے۔ اگر سائل کو یہ شبہ
پیدا ہو کہ جو محل ان کے صالح و قابل نہیں ہے صالح و قابل نہ ہونے میں اُس کا کیا قصور ہے۔ تو اُس
کا یہ جواب ہے کہ صالح و قابل نہ ہونا یہی اُس کا بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ اُس کی عدم قابلیت کا سبب
اُس کی وہ گمراہی ہے جس کو اُس نے دیدہ و دانستہ پسند و اختیار کیا۔ اللہ کی رضا مندی اور اُس
کے حکم کے بجائے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی کی۔ اور گمراہی کو ہدایت سے اچھا سمجھا۔ اُس
منعم کی ناشکری کی جس نے طرح طرح کی نعمتیں انعام فرمائی تھیں اس کی الوہیت کا انکار اس کے ساتھ
شرک کرنا ہے اس کی خلاف مرضی کاموں میں کوشش کرنا شکر و توحید۔ اور اُس کے مرضیات میں

کوشش کرنے کے بجائے یہ باتیں اسے بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ انہی باتوں سے وہ اپنے خالق و مالک کی توفیق کے قابل نہ رہا۔ اس سے زیادہ اور کیا گناہ ہوگا۔ اللہ تعالےٰ نے حاکم و عادل کا ایسے شخص کو توفیق خیر سے محروم رکھنا اس کا عین انصاف ہے۔ اور جب اس پہ ہدایت کے دروازے اور راہ حق پانے کے راستے بند ہوگئے تو اس کا دل ایمان و اسلام کے داخل ہونے سے تنگ و تاریک ہوگیا۔ ایسا شخص ہزار معجزے اور صداقت اسلام کی لاکھوں نشانیاں دیکھنے سے کبھی ہدایت نہیں ہوتی بلکہ اس کا کفر اور گمراہی ترقی کرتے ہیں۔ اور جب وہ مومن جس کے سینے کو اللہ نے ایمان و اسلام کے لئے کشادہ کردیا ہے اس آیت کو اور جو کچھ اس میں توحید۔ اتمام حجت۔ عدل اور شان ربوبیت کی عظمت کے اسرار بیان ہیں اُن پر غور کریگا تو اُس کے دل میں ایک خاص معرفت اور اس کے قلب میں کمال درجہ کی عبودیت پیدا ہوجائیگی اور وہ یقین کرلیگا کہ وہ ہر جہت اور ہر اعتبار سے خدا کا محتاج اور اُس کا بندہ ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے ہر ایک چیز کا رب اور اُس کا مالک ہے۔ اشیا کے ذوات اور صفات اور افعال سب کا خالق و جاعل وہی ہے۔ جملہ امور اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔ سب تعریفوں کی مستحق اسی کی ذات پاک ہے۔ تمام کاموں کی باگ اُس کے ہاتھ میں اور سب کا مرجع اُسی کی طرف ہے اس آیت میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ ہماری ناقص عقلوں کی سمجھ اور ہمارے عاجز ذہنوں کے ادراک سے بالا اور برتر ہے اور جو ظالم لوگ اُس کے معنی کو بگاڑتے ہیں۔ اُنکی خرافات سے یہ آیت منزہ و پاک ہے۔ گمراہی کے پردوں اور اُن اصول و قواعد نے جن کو اپنی طرف سے گھڑ لیا تھا۔ اس آیت کا مطلب سمجھنے سے انکو روک دیا۔ یہ آیت اُس توحید اور عدل کی مثبت ہے۔ جس کے واسطے اللہ سبحانہٗ انبیاء علیہم السلام کے مبعوث کرنے اور اُن پر اپنی کتابیں نازل فرمانے کا سلسلہ جاری فرمایا۔ عدل اُس چیز کا نام نہیں ہے جس کے صفات اور تقدیر کے منکر لوگ قائل ہیں۔ نیز یہ آیت اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت۔ شریعت و تقدیر۔ اسباب اور احکام۔ گناہ اور سزا کے ثبوت کو متضمن ہے۔ اس آیت نے قلب سلیم کے لئے اللہ تعالےٰ اُس کے اسماء و صفات کمال و نعوت جلال۔ شریعت و تقدیر کی حکمت۔ سزا میں اللہ تعالیٰ کے عدل۔ ثواب عطا فرمانے میں اس کے فضل کی معرفت کا ایک وسیع دروازہ کھول دیا ہے۔ نیز یہ آیت اللہ تعالیٰ کی کمال توحید ربوبیت و الوہیت کو متضمن ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام امور کا سلسلہ اور شروع اُسکے ارادے سے ہے اور سب کا انجام اُس کی کمال حکمت کی طرف ہے۔ اور ہدایت یافتہ وہی ہے جس کو اللہ اپنی ہدایت سے خاص کرے اور اُس کے سینہ کو اپنے دین و شریعت کے لئے

کھول دے۔ اور گمراہ وہی ہوتا ہے جس کا سینہ اپنی معرفت و محبت کے قبول کرنے سے ایسا تنگ کر دے
کہ گویا وہ آسمان کیطرف چڑھتا ہے اور یہ اُسکی قدرت سے باہر ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالےٰ کی قدر نہ
سمجھے۔ اُسکی کمال ربوبیت کو نہ مانے۔ اسکی نعمت کا کفران کرے اور آپکی عبادت کے بجائے شیطان کی
پرستش پسند کرے۔ تو ایسے شخص کو بے مدد چھوڑ دینا یعنی گمراہ کر دینا اللہ تعالےٰ کا کمال انصاف ہے۔ چونکہ اُس
نے پہلے خود ایسے ناشائستہ کام کئے۔ اِس لئے اللہ تعالےٰ نے اُس پر توفیق اور ہدایت کا دروازہ
بند کر دیا اور اُس پر گمراہی اور سرکشی کے دروازے کھول دئے جس سے اُس کا سینہ تنگ اور ناصحت
ہو گیا اور اپنے رب کی پرستش کرنے سے اُس کے تمام اعضاء معطل و بیکار ہو گئے۔ اور اُس کا تمام اندرون
ظلمت اور تاریکی سے بھر گیا۔ اور سب گناہ اور قصور اُسی کا ہے کہ اُس نے ایمان اور طاعت سے
اعراض کر کے اس کے بجائے کفر، فسق اور عصیان کو اختیار کیا۔ شیطان کی دوستی اُسے بھلی معلوم
ہوئی۔ اور اللہ تعالےٰ کی دوستی کو اُس نے فضول سمجھا۔ اپنے مولیٰ کیطرف رجوع کرنے اور
اپنی خواہش سے باز آنیکا خیال کبھی اُس کے جی میں نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کا خلاف کیا۔ کہ جو
چیزیں اللہ کو ناپسند ہیں اُن سے محبت و دوستی اور جو اُس کی محبوب و پسندیدہ اُن سے بغض و عداوت
رکھا۔ اللہ کے دشمنوں سے دوستی اور اُس کے دوستوں سے دشمنی کا برتاؤ کیا۔ اللہ کی رضامندی
میں ناخوش اور اُس کے غضب میں خوش و خرم ہوا۔ ان سب باتوں کے ساتھ رات دن اللہ تعالےٰ
کا احسان اُس پر جاری ہے اُس کے عطا کئے ہوئے کو میں گذران کرتا ہے اُس کی دی ہوئی روزی کھاتا
اور اُس کی نعمتیں کھا کر اُس کی نافرمانی پر چست و چالاک ہوتا ہے۔ پس اللہ سے زیادہ عادل اور
منصف کون ہے کہ ایسے منکروں اور کافروں کو بھی اپنے احکام بھیجکر سمجھاتا ہے ✦

فصل جب اللہ تعالےٰ اپنے بندے کے سینے کو اُس نور سے منور اور کشادہ کر دیتا ہے۔ جو
اُس کے دل میں ڈالتا ہے تو اُس نور کے پرتو اور روشنی میں اپنے اسماء و صفات کے وہ حقائق
اُسے دکھلاتا ہے جن میں علم و ادراک گم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ بندے کا انکی نفس الامری حقیقت
سے پوری طرح واقف ہونا ناممکن امر ہے۔ اور نیز اسی نور کے پرتو میں معارف ایمان اور عبودیت کے
حقائق اور اُسکو درست کرنیوالی اور بگاڑنے والی چیزیں۔ اسماء و صفات کی معرفت۔ ایمان و اخلاص اور
احکام عبودیت ہیں جو اسی نور کی وجہ سے تفاوت ہوتا ہے یہ سب اُس پر ظاہر فرما دیتا ہے ✦
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ
بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (کیا ایک شخص، جو پہلے مردہ

تھا پھر ہم نے اس میں جان ڈالی اور اس کو ایک نور عطا فرمایا جس کی مدد سے وہ لوگوں میں (اچھی) طرح چلتا پھرتا ہے (کیا) وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں (گھرا پڑا) ہے (اور) وہاں سے نکل نہیں سکتا) ۔

وقال تعالیٰ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِہٖ [illegible] (مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچے دل سے) اس کے پیغمبر (محمد) پر ایمان لاؤ کہ خدا اپنی رحمت میں سے تم کو دوہرا حصہ دے اور تم کو ایک نور عنایت کرے جس (کی) روشنی میں چلو پھرو۔ اللہ سبحانہ اس نور کے پرتو میں اپنے مومن بندے کے دل پر شامل استیلا کی حقیقت منکشف فرما دیتا ہے جو اس کے قابل [illegible] پرستی ہوتی ہے پس وہ اپنے دل کی آنکھوں کے ساتھ اس رب کو مشاہدہ کرتا ہے جو عظیم۔ قاہر۔ قادر اور اپنی ذات۔ صفات اور افعال میں تمام چیزوں سے بالا و بزرگ تر ہے۔ اور ساتوں آسمان اس کی ایک مٹھی میں اور ساتوں زمینیں اس کی دوسری مٹھی میں آسکتی ہیں۔ اور وہ ساتوں آسمان ایک انگلی سے ساتوں زمینیں ایک انگلی سے تمام درخت ایک انگلی سے اور خاک تر (جو زمین کی تہ میں ہے) کو انگلی سے پکڑ کر ان کو ہلائیگا اور فرمائیگا کہ میں ہی بادشاہ ہوں۔ ساتوں آسمان اس کی ایک ہتھیلی میں ایسے ہیں جیسے آدمی کے ہاتھ میں رائی کا دانہ ہو۔ وہ سب چیزوں کو محیط ہے۔ اور اس کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ تمام مخلوق اس کے حصر و شمار میں ہے اور اس کے صفات کسی کے حصر میں نہیں آسکتے۔ وہ تمام اشیاء کا مدرک ہے اور اس کا ادراک کوئی نہیں کر سکتا۔ آدم سے لیکر قیامت تک جتنے آدمی پیدا ہونگے۔ اگر سب ملکر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا احاطہ کرنا چاہیں۔ تو اس کی ذات و صفات کا ہرگز احاطہ نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد وہ بندہ اپنے پروردگار کو صفت علم میں ہر علیم سے فائق۔ صفت قدرت میں ہر قدرت والے سے بالاتر۔ صفت جود میں ہر جواد سے بڑھ کر۔ صفت رحمت میں ہر رحیم سے زیادہ اور صفت جمال میں ہر جمیل سے نرالا دیکھتا ہے۔ اللہ کے جمال کی یہ کیفیت ہے کہ اگر تمام مخلوق کا جمال و خوبصورتی ایک شخص کو دی جائے۔ اور پھر اسی قدر جمال ہر ایک مخلوق میں پایا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کے جمال سے اس کی ایسی نسبت بھی نہیں ہو سکتی جیسے ایک مدہم چراغ کو آفتاب کی روشنی سے ہو سکتی ہے۔ اور اسی طرح اگر تمام مخلوق کی قوتیں ایک شخص میں جمع ہوں۔ اور پھر ہر ایک کو اتنی قوت حاصل ہو۔ تو بھی اللہ تعالیٰ کی قوت سے اس کی وہ نسبت بھی نہیں ہو سکتی جو ایک مچھر کی قوت کو حاملین عرش کی قوت سے نسبت ہے۔ اور اگر تمام آدمیوں کی

جُود و سخاوت ایک آدمی میں موجود ہو۔ پھر سب ہی اسی قدر سخاوت پائی جائے تو اللہ تعالےٰ کی جود و سخاوت سے یہ نسبت بھی نہیں جو ایک قطرہ پانی کو سمندر سے ہے اور یہی طرح تمام مخلوق کو علم اُس کے علم کی نسبت ایسا ہے جیسا کہ سمندر میں سے چڑیا ایک بار اپنی چونچ میں پانی اٹھا لے۔ بلکہ یہ نسبت بھی نہیں ہے اور اس کے تمام صفات حیات۔ سمع۔ بصر اور ارادہ وغیرہ کی یہی کیفیت ہے۔ اگر بحر محیط کو دوات اور سات سمندر محیط ہوں اور ان سب کو روشنائی فرض کریں۔ اور تمام روئے زمین کے درختوں کو قلمیں تصور کریں اور یہ اُس کے صفات کو لکھنے لگیں۔ تو یہ روشنائی اور یہ قلمیں سب فنا اور ختم ہو جائینگی۔ اور اُس کے صفات و کلمات کا پتہ نہ لگیگا۔ غرض وہ اپنے علم میں ہر عالم سے اپنی قدرت میں ہر قدرت والے سے اپنے جود میں ہر جواد سے۔ اپنے غنا میں ہر غنی سے۔ اپنے علو اور بلندی میں ہر عالی بلند سے۔ اپنی رحمت میں ہر رحیم سے فائق اور بالاتر ہے۔ وہ اپنے عرش پر مستوی ہی مخلوق پر مستولی و غالب اور اپنی مملکت کی تدبیر میں متفرد و یگانہ ہے۔ روزی کا تنگ یا زیادہ کرنا۔ عطا کرنا محروم رکھنا۔ ہدایت۔ گمراہی۔ سعادت۔ شقاوت۔ موت۔ حیات۔ نفع و ضرر سب کچھ اُسی کے اختیار میں ہے اس کے سوا نہ کوئی مالک اور نہ ہی کوئی مدبر ہے۔ آسمان زمین میں ایک ذرہ بھر بھی کوئی شخص مستقل طور پر اس کے ساتھ اختیار نہیں رکھتا۔ اور نہ اُس کے مُلک میں کسی کو شرکت اور حصہ داری ہے۔ وہ کسی وزیر معاون و مددگار کا محتاج نہیں۔ وہ کبھی غائب نہیں ہوتا۔ کہ کوئی شخص اُس کا جانشین ہو۔ اور نہ تھکتا ہے کہ دوسرا شخص اُس کی اعانت کرے۔ اور کوئی شخص اُسکی اجازت بغیر اُس کے سامنے سفارش نہیں کرسکتا۔ معرفت کا یہ پہلا مقام ہے اس کے طے کرنے کے بعد بندہ ترقی کرکے مقام الٰہیت میں پہنچتا اور اللہ سبحانہ کو اپنے کمال میں امر و نہی۔ وعدہ وعید۔ ثواب و عقاب اور فضل کے ساتھ آراستہ دیکھتا ہے پس وہ اپنے پروردگار کو ان صفات کے ساتھ موصوف پاتا ہے قیوم متکلم۔ آمر و ناہی۔ اور محبت و بغض۔ رضا و غضب بھی اُس کے صفات میں مشاہدہ کرتا ہے۔ نیز یہ دیکھتا ہے کہ اُس نے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ اُن پر کتابیں نازل فرمائیں۔ بندوں پر اپنی حجت کو قائم کیا۔ اور اُن پر اپنی نعمت کاملہ کو پورا فرمایا ہے۔ وہ جسے چاہے اپنے فضل و کرم سے ہدایت کرے۔ اور جسے چاہے عدل و حکمت کے تقاضا سے اُسے گمراہ کرے۔ وہ اپنے بندوں کی طرف اپنے حکم نازل فرماتا ہے۔ اور اُس کے سامنے انکے اعمال پیش کئے جائینگے۔ انکو عبث اور بیکار نہیں بنایا۔ بلکہ ہر حال۔ حرکت و سکون۔ ظاہر و باطن میں اُن پر اُس کا حکم جاری ہے۔ غرض کسی لحظہ و لمحہ میں اور کسی بات یا حرکت و سکون میں بندے اللہ تعالےٰ کے حکم و امر سے باہر نہیں اور اسی نور کے پرتو میں بندے پر اسکا شرع

کے شروع کرنے میں اللہ تعالےٰ کا عدل۔ حکمت۔ رحمت۔ لطف۔ احسان وغیرہ منکشف ہوتے ہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ احکام اس رب رحیم۔ محسن۔ لطیف۔ حکیم و قدیر کے احکام ہیں جس کی حکمت کے ادراک سے عقول قاصر ہیں۔ اور یہ وہ احکام ہیں کہ فطرت انکی مقر اور ان کے نازل کرنے والے کی وحدانیت اور ان کے لانے والے کی رسالت اور نبوۃ کی شاہد ہے۔ اور اسی نور کے پرتو میں بندے پر باری تعالےٰ کے صفات کمال کا اثبات۔ اور ہر ایک قسم کے نقص اور نظیر و مثال سے اس کا منزہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ کہ سلسلہ ہستی میں جتنے کمالات ہیں۔ سب کا خالق اور معطی وہی ہے۔ اور اسی کی ذات انکی سزاوار و زیادہ مستحق ہے۔ اور تمام عیوب و نقائص سے اسکی ذات منزہ و پاک ہے۔ اور اسی نور کے پرتو میں بندے پر معاد دن آخرت اور اس کے متعلق جو کچھ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے۔ اس کے حقائق اس طرح منکشف ہو جاتے ہیں۔ کہ گویا بندہ ان کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے اور اسی طرح کا یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اسماء و صفات۔ امر و نہی۔ وعدہ و وعید کے متعلق جو کچھ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ وہ سب کچھ مشاہدہ و معائنہ کر رہا ہے۔ پس جس شخص کو اللہ تعالےٰ ہدایت کرنی چاہتا ہے تو اس کا سینہ ان چیزوں کے لئے کھول دیتا ہے۔ وہ ان سب کے سمانے کے لئے وسیع اور کشادہ ہو جاتا ہے۔ اور جس کو گمراہ کرنا چاہے تو اس کا سینہ ان چیزوں کے داخل ہونے سے تنگ کر دیتا ہے کہ ان چیزوں کو اس کے اندر جانے کے لئے کوئی راستہ اور سوراخ نہیں ملتا۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔ عقلمند کے لئے مسئلہ تقدیر و حکمت سمجھنے کے لئے اور اس عدل و توحید پر مطلع ہونے کے لئے جو آیت ذیل میں مذکور ہیں یہ باب کافی ہے۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (ترجمہ) اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے بھی (گواہی دیتے ہیں اور نیز یہ کہ اللہ عدل و انصاف کے ساتھ کارخانۂ عالم کو سنبھالے ہوئے رہے) اس کے سوا کوئی معبود نہیں زبردست اور حکمت والا ہے ۔

سولھواں باب

ان احادیث کے بیان میں اس بارے میں وارد ہوئی ہیں کہ جسطرح اللہ تعالےٰ اکیلا بندوں کے ذوات و صفات کا خالق ہے اسی طرح صرف وہی انکے افعال کا بھی خالق ہے

امام بخاری رحمہ نے کتاب خلق افعال العباد میں کہا ہے کہ ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا کہا کہ ہم سے

مروان بن معاویہ نے بیان کیا کہا کہ ہم سے ابو مالک نے بیان کیا انہوں نے ربعی بن خراش سے انہوں نے حذیفہ سے روایت کیا کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ کہ ہر ایک صنعت گر اور اس کی صنعت کا بنانے والا اللہ تعالےٰ ہے ۔ امام بخاری کہتے ہیں بعض اہل علم اس حدیث کے استشہاد کے لئے وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (اللہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق ہے) پڑھا کرتے تھے ۔ اور نیز امام بخاریؒ نے کہا ہے کہ ہم سے محمد ابو معاویہ نے بیان کیا انہوں نے اعمش سے انہوں نے شفیق انہوں نے حذیفہ سے سو تو نماز کی طرح روایت کیا ۔ اور وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ میں لفظ مَا کو مصدریہ قرار دیکر اس سے استشہاد کرنا ظاہر کے خلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ لفظ مَا یہاں موصولہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے تمہارا اور اُن بتوں کا خالق ہے جن کو تم بناتے ہو پس یہ آیت اللہ تعالےٰ کے خالق اعمال عباد ہونے پر لزوماً دلالت کرتی ہے کیونکہ بت ایسی چیز کا نام ہے جس میں صنعت انسانی کو بھی دخل ہوتا ہے اور جب بت اللہ کا مخلوق ٹھیرا تو وہ اپنے مادہ اور صورت ہر جہت سے اللہ تعالےٰ کا مخلوق ہوگا ۔ اور اس سے لزوماً ثابت ہوا کہ صنعت انسانی اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہے اور نیز امام بخاری نے کہا ہے کہ ہم سے عمرو بن محمد نے بیان کیا کہا ہم سے ابن عیینہ نے بیان کیا انہوں نے عمرو سے انہوں نے طاؤس سے انہوں نے ابن عمر سے روایت کیا کہ ہر ایک چیز (پہلے سے) مقدر ہو چکی ہے ۔ یہاں تک کہ آدمی کا اپنے رخسارے پر ہاتھ بھی مقدر ہو چکا ہے ۔ نیز امام بخاریؒ نے کہا ہے کہ ہم سے اسمٰعیل نے بیان کیا کہا ہم سے مالک نے بیان کیا انہوں نے زیاد بن سعد سے انہوں نے عمرو بن مسلم سے انہوں نے طاؤس سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہؓ کو دیکھا وہ سب یہی کہتے تھے کہ ہر ایک چیز (پہلے سے) مقدر ہو چکی ہے یہاں تک کہ عاجزی اور عقلمندی اور امام مسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں طاؤس سے اسطرح روایت کیا ہے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو یہ کہتے سنا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر ایک چیز (پہلے سے) مقدر ہو چکی ہے یہاں تک کہ عاجزی اور عقلمندی ۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ لیث نے طاؤس سے انہوں نے ابن عباسؓ سے یوں روایت کیا ہے اِنَّا کُلَّ شَیْئٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ (ہم نے ہر ایک چیز کو اندازہ سے پیدا کیا ہے) یہاں تک کہ عاجزی اور عقلمندی ۔ امام بخاری نے کہا ہے میں نے عبیداللہ بن سعید سے سنا وہ کہتے کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں اپنے اصحاب سے یہی سنتا رہا ۔ وہ کہا کرتے تھے کہ بندوں کے افعال اللہ تعالےٰ کے مخلوق ہیں امام بخاری نے کہا ہے کہ بندوں کے

حرکات۔ اصوات۔ کسب یعنی کتابت وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں۔ جابر بن عبداللہ نے کہا کہ
کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تمام کاموں میں ہمیں استخارہ کی تعلیم اس اہتمام سے فرماتے تھے۔ جیسے کہ
آپ سورۃ قرآن کی تعلیم کا اہتمام فرماتے تھے۔ آپ فرماتے جب تم لوگوں میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے
تو اسے چاہیئے کہ پہلے دو رکعت نماز نفل پڑھے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ
اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ۔
فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنْ
کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَیَسِّرْہُ
لِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ
وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ
ثُمَّ رَضِّنِیْ بِہٖ۔ آپ نے فرمایا کہ ھٰذَا الْاَمْرَ کے بجائے سائل اپنی حاجت کا نام لے۔
ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے آپ کا یہ ارشاد کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے
اس بات پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ وہ کام بندے کا اختیاری فعل ہے جس سے اس کا ارادہ متعلق ہے۔ اور
جملہ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں۔ کہ تو اپنی قدرت
سے مجھے اس کام پر قدرت دے اور ظاہر ہے کہ سائل اس قدرت کا سوال نہیں کرتا جو کہ مدار تکلیف
اور یعنی سلامت اعضا و درستی خلقت ہے بلکہ یہاں قدرت سے وہ قدرت مراد ہے جو موجب فعل ہوتی
ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ وہ قدرت اللہ تعالیٰ کی مقدور اور اس کی مخلوق ہے اور جملہ فَاِنَّکَ
تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ نے اس مضمون کو مؤکد کیا ہے یعنی تجھے اس بات پر قدرت ہے کہ تو مجھے قادر و فاعل
بنائے اور میں بذات خود کسی کام کی قدرت نہیں رکھتا اور نہ کسی کام کو کر سکتا ہوں۔ اور جملہ تَعْلَمُ وَلَا
اَعْلَمُ کا مطلب یہ ہے کہ تمام امور کا انجام و مآل تجھی کو معلوم ہے اور یہ بھی تو ہی جانتا ہے کہ کونسا کام
میرے حق میں نافع اور کونسا مضر ہے۔ اور میں ان باتوں کی حقیقت سے بے خبر ہوں۔ اور سائل کے
قول یَسِّرْہُ لِیْ یا اَصْرِفْہُ عَنِّیْ میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ اللہ سے اس بات کا طلبگار ہے۔ کہ اگر
اس کام میں اس کی مصلحت ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس پر آسان فرمائے اور اگر اس میں اس کا نقصان ہے تو
اس کام سے اس کو ہٹائے۔ آسان کرنے یا ہٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں اس کام
کے کرنے یا نہ کرنے کا موجب و سبب ڈال دیتا ہے۔ اور جب اس کام کے کرنے کا سبب موجود ہوتا ہے
تو وہ کام بھی موجود ہو جاتا ہے اور اگر اس کے نہ کرنے کا سبب موجود ہوتا ہے تو وہ کام ظہور میں نہیں آتا

اور قدریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ بندے کے کسی کام کے فاعل ہونے کو ترک پر ترجیح دینے میں اللہ تعالےٰ کا کوئی دخل و تاثیر نہیں پس اللہ تعالیٰ سے کسی کام کے آسان کر دینے کا سوال کرنا ان کے خیال میں لغو اور فضول ہے کیونکہ کام اسباب کا مہیا کرنا جو بندے کی قدرت سے باہر تھی موجود ہے اور بندے نے اس کا سوال نہ کیا۔ اور جملہ ثُمَّ رَضِّنِی بِہٖ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رضامندی کا حاصل ہونا (جو کہ بندے کا اختیاری فعل اور اس کے دل کا کام ہے) اللہ تعالےٰ کی قدرت میں ہے اور وہی اپنے بندے کو کسی کام پر راضی کرتا ہے اور جملہ فَاصْرِفْہُ عَنِّی وَاصْرِفْنِی عَنْہُ سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہٗ ہی اپنے بندے کو اس کے اختیاری فعل سے جب چاہے ہٹا دیتا ہے ۔

چنانچہ اللہ تعالےٰ نے حضرت یوسف صدیق ؑ کے حق میں فرمایا ہے کَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ (اسی طرح ہم نے یوسف کو ثابت قدم رکھا تاکہ ہم بدکاری اور بے حیائی کے کام ان سے دور رکھیں) برائی اور بے حیائی سے ہٹانے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالےٰ نے دل کے میلان اور خواہش کو ان سے ہٹا دیا۔ جب برائی اور بے حیائی کی طرف خواہش اور میلان دل نہ ہوگا تو وہ بھی دور ہو جائیں گی۔ اور جملہ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ میں لفظ خیر عام اور شامل ہے۔ ہر خیر کو خواہ وہ خیر و طاعت بندے کی قدرت میں ہو یا نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بندے کا خیر و طاعت کو کرنا اللہ تعالےٰ کی قدرت میں ہے اگر اللہ تعالےٰ بندے کو اس پر قدرت نہ بخشے تو وہ اس سے کبھی وقوع میں نہ آسکے۔ غرض اس حدیث میں مسئلہ تقدیر پر پوری بحث ہے ۔

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے دعائے استخارہ کرنے والے کو یہ حکم دیا ہے۔ کہ وہ اس دعا سے پہلے اور اپنی مناجات کے قبل اظہار عبودیت کے لئے دو رکعت نماز نفل پڑھے۔ اور چونکہ فعل اختیاری علم۔ قدرت اور ارادے پر موقوف ہوتا ہے۔ اور ان کے بدوں وہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دعا استخارہ کرنے والے کو ارشاد ہوا کہ وہ اللہ تعالےٰ کے علم۔ قدرت اور ارادہ کو وسیلہ بنائے۔ کہ اللہ تعالےٰ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے اپنے علم۔ قدرت اور ارادے سے عطا فرماتا ہے۔ اور اس مطلب کی تاکید کیلئے بندہ اپنے علم۔ قدرت سے خالی اور بری ہونا ظاہر کرے اور یوں کہے اِنَّكَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَتَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ یوں کہے کہ اگر اس کام میں بھلائی ہو تو اے اللہ اس کو میرے لئے آسان فرما اور اگر برائی ہو تو مجھے اس سے ہٹا دے تاکہ بندہ اپنے کام کو پوری طرح اللہ کے سپرد کرے۔ اور تمام کار سے اپنی لاعلمی کا ایسا ہی معترف ہو جیسا کہ اس نے اپنی عاجزی کا اقرار کیا ہے۔ غرضکہ دعائے استخارہ میں عبودیت کا مقام اور ربوبیت کی شان پوری طرح بیان ہے ۔

ترمذی وغیرہ میں حسنؓ بن علیؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے چند کلمات بتائے جن کو میں نماز وتر میں پڑھا کرتا ہوں۔ وہ کلمات یہ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ اِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ اِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ (اے اللہ ان لوگوں کے شامل جنکو تو نے ہدایت دی ہے مجھے بھی ہدایت دے اور جن لوگوں کو تو نے عافیت بخشی ہے انکے ساتھ اور انکے ساتھ جن کا تو کارساز ہے میرا بھی کارساز ہو۔ اور جو کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا ہے انہیں مجھے برکت دے اور جو کچھ تو نے مقدر کیا ہے اس کے شر سے مجھے بچا بیشک تیرا ہی حکم ہے اور کسی کا تجھ پر حکم نہیں اور جس کا تو والی ہو وہ ذلیل نہیں ہوتا تیری ذات بابرکت اور بلند ہے)

جملہ اِھْدِنِیْ میں اس ہدایت کا سوال ہے جس کے ملنے پر بندہ ضرور ہدایت یاب ہو جاتا ہے۔ قدریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ اس قسم کی ہدایت پر قادر نہیں۔ انکے خیال میں اللہ سبحانہٗ کو صرف ہدایت بمعنی دلالت وارشاد وبیان (جو مومنین وکفار کے لئے یکساں ہے) پر قدرت ہے۔ اور جملہ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ میں چند فوائد ہیں۔ اوّل بندے کا یہ سوال کرنا کہ اللہ تعالےٰ اُسے ہدایت یافتہ لوگوں کی جماعت وگروہ میں داخل کرے۔ دوم۔ اللہ تعالےٰ کے احسان وانعام کو اس کی طرف وسیلہ بنانا یعنی اے اللہ جیسا کہ تو نے اپنے فضل واحسان سے بہت سے بندوں کو ہدایت بخشی ہے اسی طرح مجھ پر بھی اپنا احسان وکرم فرما کر مجھے ہدایت نصیب فرما۔ جیسا کہ حاجتمند لوگ بادشاہوں سے اسی طرح کہا کرتے ہیں۔ کہ آپ مجھے ان لوگوں میں شامل کریں جن پر آپ نے انعام واکرام کیا اور انکو مالا مال کر دیا ہے۔ سوم یہ کہ جن لوگوں کو ہدایت ملی ہے انہوں نے اپنے اختیار سے حاصل نہیں کی بلکہ اے اللہ تو ہی نے انکو ہدایت عطا فرمائی ہے اور جملہ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ میں اپنے رب سے عافیت کاملہ کا سوال کیا ہے یعنی کفر۔ فسق۔ عصیان۔ غفلت۔ امراض اور ان کاموں کے کرنے سے جو اُسے ناپسند ہیں اور ان کے نہ کرنے سے جو اس کو محبوب ہیں نجات دے۔ عافیت درحقیقت اسی کا نام ہے کہ بندہ ان تمام چیزوں سے محفوظ رہے۔ اسی لئے جتنی چیزیں اللہ سے سوال کی جاتی ہیں۔ ان سب سے زیادہ محبوب اللہ تعالےٰ کے نزدیک یہی عافیت ہے کیونکہ یہ ایک ایسا کلمہ ہے جو تمام شرور اور نیز ان کے اسباب سے خلاصی پانے کو شامل ہے۔ اور جملہ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ میں کامل درجہ کی کارسازی کا سوال ہے اور یہاں وہ کارسازی مراد نہیں جو کافروں کو بھی شامل ہے یعنی قدرت کا پیدا کرنا قویٰ وآلات کا صحیح وسلامت ہونا اور راہِ حق بتلانا کیونکہ اگرچہ مومنین کے حق میں

یہی ولایت اور کارسازی مراد ہو۔ تو اس ولایت وکارسازی کے لحاظ سے تو اللہ تعالٰے جیسا مومنوں کا ولی ہے ویسا ہی کافروں کا بھی ولی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے مومن بندوں کے ایسے امور کا متولی ہے جن میں کفار کو کچھ حصہ نہیں اور وہ ان سے محروم ہیں یعنی اللہ تعالٰے مومنوں کو توفیق اور الہام عنایت فرماتا اور ان کو ہدایت یاب اور اپنا مطیع بناتا ہے اور جملہ اِنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ بھی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ جس شخص کا تو متولی اور کارساز ہو تو وہ تیری کارسازی کے سبب منصور عزیز اور غالب ہو جاتا ہے۔ اور اس جملہ میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جو شخص لوگوں میں ذلیل ہو۔ تو اس کا باعث یہ ہے کہ اللہ تعالٰے نے پورے طور پر اس کی کارسازی نہیں فرمائی۔ ورنہ خدا تعالٰے کی کامل ولایت اور کارسازی کے ہوتے ذلت کا نام ونشان نہ رہتا۔ گو تمام روئے زمین کے لوگ اس کی ذلت میں کوشاں ہوتے۔ مگر وہ عزیز اور غالب ہی رہتا اور جملہ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شر بھی اللہ تعالٰے کی تقدیر سے ہے۔ اور وہی اس سے بچاتا ہے۔

اور مسند وغیرہ میں مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل سے فرمایا۔ اے معاذ اللہ کی قسم مجھے تجھ سے محبت ہے پس تمہیں چاہئے کہ ہر نماز کے بعد ان کلمات کو پڑھا کرو۔ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ (اے اللہ اپنے ذکر شکر اور حسن عبادت پر میری مدد فرما) اور میری اس وصیت کو کبھی نہ بھولنا۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام کام بندے کے اختیاری فعل ہیں اور انہی کی نسبت یہ سوال کیا ہے کہ اللہ تعالٰے ان کے کرنے پر مدد فرمائے۔ اور قدریہ کے نزدیک یہ سوال لاحاصل ہے۔ کیونکہ ان کے زعم میں اعانت بمعنے سلامت آلات ورفع اعذار خلق قدرت ہے۔ اور یہ کفار اور مومنین سب کے لئے یکساں حاصل ہے۔ حالانکہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اس اعانت کا اللہ تعالٰے سے سوال اس طرح کیا ہے۔ کہ اللہ تعالٰے مجھ کو ذاکر شاکر اور محسن للعبادۃ بنا دے۔

چنانچہ آپ کی مشہور دعا میں جس کو ابن عباسؓ نے آپ سے روایت کیا ہے یہ کلمات وارد ہیں۔ رَبِّ اَعِنِّیْ وَلَا تُعِنْ عَلَیَّ وَانْصُرْنِیْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَیَّ وَامْکُرْ لِیْ وَلَا تَمْکُرْ عَلَیَّ وَاهْدِنِیْ وَیَسِّرِ الْهُدٰی لِیْ وَانْصُرْنِیْ عَلٰی مَنْ بَغٰی عَلَیَّ رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَكَ شَکَّارًا لَكَ ذَکَّارًا لَكَ رَهَّابًا لَكَ مِطْوَاعًا لَكَ مُخْبِتًا اِلَیْكَ اَوَّاهًا مُّنِیْبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِیْ وَاَجِبْ دَعْوَتِیْ وَثَبِّتْ حُجَّتِیْ وَاهْدِ قَلْبِیْ وَسَدِّدْ لِسَانِیْ وَاسْلُلْ سَخِیْمَةَ صَدْرِیْ (اے اللہ میری مدد فرما اور میرے برخلاف (کسی کی) مدد نہ کر اور مجھے نصرت دے اور میرے برخلاف (کسی کو) منصور نہ کر اور میرے لئے (کوئی) تدبیر نکال اور میرے برخلاف (کسی کی) تدبیر نہ چلا اور مجھے ہدایت

بخشش اور ہدایت کو میرے لئے آسانی فرما اور جو شخص مجھ پر زیادتی کرے اس کے برخلاف میری مدد کر۔ اے اللہ مجھے اپنا اعلیٰ درجہ کا شاکر، ذاکر اور نہایت ڈرنے والا۔ پورا مطیع بنا۔ اپنے سامنے کمال عاجزی کرنے والا اور تیری طرف کامل توجہ اور رجوع کرنے والا بنا دے۔ اے اللہ میری توبہ قبول فرما۔ اور میرے گناہوں کو دھو ڈال۔ میری دعا کو قبول اور میری حجت کو قائم فرما۔ میرے دل کو ہدایت دے اور میری زبان کو سیدھا رکھ اور میرے سینے کے کینے کو دور کر دے۔ اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں اکیس دلیلیں موجود ہیں جو غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہیں۔

صحیحین میں آیا ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے سب تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ جس چیز کو تو عطا فرمائے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تو روک دے وہ کوئی دے نہیں سکتا۔ اور کسی نسب والے کو تیرے عذاب سے اس کی نسب چھوڑا نہیں سکتی) اور نیز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو رکوع کے بعد قومہ میں بھی پڑھا کرتے تھے۔ اس دعا میں شریک باری کی ہر وجہ سے نفی اور باری تعالےٰ کی بادشاہت عامہ کا ثبوت اور نیز اُس کی حمد اور اُس کی قدرت کا عموم پائے جاتے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب اللہ سبحانہ کسی بندے کو کوئی چیز عطا فرمائے تو اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جب وہ محروم رکھے تو پھر کوئی دوسرا دے نہیں سکتا۔ قدریہ کا یہ اعتقاد ہے کہ بندے کو یہ قدرت ہے کہ مثلاً کسی شخص کو اللہ تعالےٰ نے کوئی چیز عطا کرے تو یہ اُس سے روک دے۔ اور جس سے اللہ تعالےٰ نے کوئی چیز روکے تو یہ اُس کو عطا کر دے۔ کیونکہ بندہ باختیارِ خود عطا اور منع کا فاعل ہے۔ بندے کے یہ فعل مشیت الٰہی پر موقوف نہیں اور نہ یہ ہے کہ بندے کو اللہ تعالےٰ نے معطی اور مانع بنایا ہے پس ممکن ہے کہ جس کو اللہ تعالےٰ عطا فرمائے اس کا کوئی مانع اور جس کو محروم رکھے اُس کے لئے کوئی معطی ہو حالانکہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ آپ مجھے ایسا عمل بتلائیں جس کے سبب میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ جس پر یہ کام آسان کر دے اس کے لئے بالکل آسان ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ اللہ سبحانہ جس کام کو آسان کر دے۔ وہ آسان ہو جاتا ہے اور اگر وہ آسان نہ کرے تو وہ کام ہو نہیں سکتا۔ اللہ تعالےٰ کے کسی کام کو آسان کرنے

کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قوی صحیح و سلامت اور اعضا تندرست ہوں۔ اور اس کے کرنے پر بندے کو قدرت حاصل ہو۔ اور اس سے کوئی چیز مانع نہ ہو کیونکہ یہ بات تو مومن اور کافر دونوں کے لئے یکساں حاصل ہے۔ بلکہ جو تیسیر و آسانی کہ تمام حدیثوں میں مذکور ہے وہ انکے علاوہ ایک اور چیز ہے۔ اور توفیق اور تیسیر اللہ تعالے ہی کے اختیار میں ہے۔

حدیث صحیح میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔ کہ آپ نے ابو موسیٰ سے فرمایا۔ کہ کیا میں تجھے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ بتلا دوں یعنی لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ۔ (گناہوں سے) باز آنا اور طاعت کے بجا لانے کی قوت اللہ کی توفیق بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ ان کلمات کے تسلیم اور قبول کرنے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اور تقدیر کے اثبات اور قدریہ کے قول کے ابطال کے لئے یہ کلمہ کافی و شافی ہے۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ جب بندہ ان کلمات کو کہتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے مان لیا اور قبول کیا۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ میرے بندے نے (اپنے تمام کام) میرے سپرد کر دئے۔ بعض قدریہ نے (اس حدیث کی توجیہہ میں یہ کہا ہے۔ کہ جب فعل اور ترک دونوں کے اسباب حاصل ہوں۔ تو بندے کو ان دونوں پر یکساں قدرت حاصل ہوتی اور ایسی حالت میں فعل کا صدور محال ہوتا ہے۔ اور جب جانب فعل اپنے اسباب کے حصول اور موانع کے عدم سے راجح اور غالب ہو جاتے تو اس وقت فعل موجود ہو جاتا ہے۔ اور اسی غلبہ اور ترجیح کا نام قوت ہے۔ جس کی طرف ان کلمات میں اشارہ ہے یعنی لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ مگر جو کچھ اس قدری نے کہا ہے وہ اس کا اپنا خیال ہے۔ جس قوت کی طرف حدیث میں اشارہ ہے وہ اور ہی چیز ہے عالم علوی اور سفلی غرض تمام کائنات ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل اور متغیر ہوتی رہتی ہیں۔ یہ تبدل اور تغیر کسی قوت کے بغیر واقع نہیں ہوتا۔ قوت تحویل و تبدیل کے علاوہ اللہ وحدہٗ کی ذات میں موجود ہے غرض عالم علوی اور سفلی کی تمام حرکات عام اس سے کہ وہ قسری۔ ارادی طبعی ہوں یا مرکز عالم سے محیط کی طرف یا محیط سے مرکز کی طرف یا مرکز کے گرد ہوں اور نیز عام اس سے کہ عقول کم یا کیف یا این میں واقع ہوں جیسے حرکت نباتات۔ حرکت طبیعت۔ حرکت حیوانات۔ حرکت فلک۔ حرکت نفس اور حرکت قلب اور ان حرکات کی قوتیں سب اس قوت کے تابع ہیں۔ اور کائنات میں ان حرکات کی قوت کا نام حول ہے۔ پس اللہ کی توفیق کے سوا حول اور قوت حاصل نہیں ہو سکتے اور چونکہ کنز یعنی خزانہ اس نفیس اور جمع شدہ مال کو کہتے ہیں۔ جو اکثر لوگوں پر مخفی ہو اور ان کلمات کی بھی یہی شان ہے۔ اس لئے یہ ایک کنز من کنوز الجنۃ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

عرش پر ہیں سب کے خزانہ سے عطا ہوتے ہیں۔ اور ان کا تابع اس بات میں معطی کی قضا و قدر کو مان لیتا
اور تسلیم کر لیتا ہے جس کے ہاتھ میں تمام امور کی باگیں ہیں۔ اور اپنے تمام کام اس کے سپرد کر دیتا
ہے۔ مسند اور سنن میں ابو الدیلمی سے مروی ہے کہ میں ابی بن کعب کی خدمت میں حاضر ہو کر
عرض کیا۔ کہ میرے دل میں تقدیر کی نسبت کچھ شبہات ہیں۔ آپ مجھ کو حدیث بیان فرمائیں شاید
اللہ تعالے ان شکوک کو میرے دل سے نکال دے۔ تو ابی بن کعب نے کہا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں
اور زمین کی تمام مخلوق کو عذاب میں گرفتار کرے۔ تو یہ اس کا کوئی ظلم نہیں۔ اور اگر ان پر رحم فرمائے
تو اس کی رحمت انکے حق میں انکے اعمال کے بادلوں کی نسبت بہتر ہے۔ اور اگر تو کوہ احد
کے برابر اسکی راہ میں سونا خرچ کر ڈالے تو وہ تجھ سے اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائیگا تاوقتیکہ تو تقدیر پر
ایمان نہ لائے اور اس بات کا یقین نہ کرے کہ جو مصیبت تجھ میں پہنچ آئی ہے وہ کبھی تجھ سے ٹلنے والی نہ
تھی۔ اور جس سے تو بچ گیا ہے وہ کبھی تجھ پر آنے والی نہ تھی۔ اور اگر تو اس عقیدہ کے سوا کسی دوسرے
عقیدہ پر مرا تو دوزخی ہوگا۔ ابو الدیلمی نے کہا۔ کہ اس کے بعد میں عبد اللہ بن مسعود اور حذیفہ بن یمان
اور زید بن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو ہر ایک نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر کے
ایسا ہی مجھ سے بیان کیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ حاکم نے اپنی صحیح میں اسے روایت کیا ہے۔ اور یہ
بڑے پایہ کی حدیث ہے۔ یہ اس شخص (یعنی رسول مقبول صلعم) کی کلام ہے جو تمام مخلوق سے اللہ تعالیٰ
کے زیادہ عارف اور سب سے بڑھ کر اس کے موحد اور اس کی تعظیم کرنیوالے ہیں۔ اور اس حدیث میں
عدل و توحید کے مسئلہ کے متعلق پوری تشفی ہے۔ بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ وسوسہ رہتا ہے
کہ قضا و قدر اور امر و نہی کس طرح جمع ہو سکتے ہیں۔ اور نیز عدل کے رو سے یہ کس طرح درست ہوتا
ہے۔ کہ بندے کو ایسے کام پر سزا دی جائے جو اس کے حق میں مقدر ہو چکا ہے۔ اور جس کے کرنے
سے بندے کو کوئی چارہ نہیں۔ پھر ہر ایک گروہ نے اس مسئلہ کے متعلق ایک راہ اختیار کی ہے۔
پس جبریہ نے جبر اور اس مشیت محضہ کا مسلک اختیار کیا ہے جو بغیر کسی سبب۔ علت غایت اور حکمت
کے ایک جیسی دو چیزوں میں سے ایک کو راجح ٹھیراتی ہے اور انہوں نے یہ کہا کہ ہر ایک ممکن فعل
(جو اللہ تعالے سے صادر ہو) عین عدل ہے اور ظلم لذاتہ اس سے محال ہے۔ پس اگر اللہ تعالے آسمانوں
اور زمین کی تمام مخلوق کو عذاب میں گرفتار کرے تو یہ اسکی اپنی مملوک چیزوں میں تصرف ہے۔ اور ظلم یہ
ہوتا ہے کہ صاحب قدرت اپنے غیر ملک میں تصرف کرے اور یہ اللہ سبحانہ کی نسبت محال ہے
(کیونکہ سب چیزیں اسی کی ملک ہیں) جبریہ کا یہ بھی قول ہے کہ چونکہ جملہ امور اللہ تعالے کی محض مشیت

پر موقوف نہیں۔ اسلئے اعمال نجات کا سبب نہیں بلکہ محض اللہ کی رحمت سے بندوں کی نجات ہوگی۔ اسی لئے
حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کی رحمت بندوں کے حق میں اُنکے اعمال کی نسبت بہتر ہے۔ جبریہ نے
اللہ تعالٰی کے ملک یعنی بادشاہت کے پہلو کو تو پورا ملحوظ رکھا۔ لیکن اُسکی محبوبیت کے پہلو کو نظر انداز کر دیا۔
حالانکہ اللہ سبحانہ ملک اور رحم دونوں کا مالک و صاحب ہے۔ اور قدریہ نے عدل و حکمت کے مسئلہ کو سمجھنے کی گو
اسکو پوری طرح نہ سمجھے اور رحم کے پہلو کو تو بالکل چھوڑ دیا۔ اور اس حدیث کے سمجھنے میں حیران ہوئے اور اس کا
مطلب پانے سے محروم رہ گئے۔ بسا اوقات کئی ایک قدریہ نے اس حدیث کا انکار اور اس
کی تردید کی ہے کہ رسول اللہ نے یہ بات نہیں فرمائی۔ اُن کا قول ہے کہ اس ظلم سے اور زیادہ کیا
ظلم ہو سکتا ہے کہ ایک ایسے شخص کو معذب کیا جائے جس نے اپنی تمام عمر کے سب اوقات اور
اپنی ساری طاقتیں اللہ تعالٰی کی طاعت اور اُن کاموں کی بجا آوری میں جو اُسے محبوب ہیں خرچ
کر دی ہوں۔ اور اُس نے ایک لحظہ بھر اللہ کی نافرمانی نہ کی ہو۔ اور ہمیشہ اللہ تعالٰی کے حکم کی تعمیل
کرتا رہا ہو۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کسطرح فرما سکتے ہیں۔ کہ ایسے شخص کو معذب کرنا عدل
ہے ظلم نہیں۔ قدریہ کا یہ بھی قول ہے کہ اللہ تعالٰی کا جو بندوں پر حق ہے اور جس چیز کا وہ سزاوار
ہے کہ بندے اُسے بجا لائیں۔ وہ بندوں کی طاعت سے بڑا اور زیادہ نہیں۔ پس یہ کہنا صحیح نہیں
ہے کہ اس کی نعمتیں بندوں کی طاعات کا عوض اور پاداش نہیں ہیں بلکہ محض اسکی رحمت کا اثر ہیں اور
اگر سب بندوں کو عذاب کرے تو بھی ناحق نہیں۔ کیونکہ جب بندے اور اپنے مقدور کے موافق طاعات
بجا لاتے اور مقدور سے زیادہ کسی کو تکلیف بھی نہیں دیتی۔ تو پھر ان کو اس چیز کے ترک کرنے پر جو انکی
قدرت سے باہر تھی کیسے عذاب ہو سکتا ہے۔ اگر ایسی صورت میں بھی عذاب ہو تو اُس کی بالکل یہ مثال
ہے۔ کہ اللہ تعالٰی کسی شخص کو اس بات پر معذب کرے کہ اس نے آسمان و زمین کو کیوں پیدا نہیں
کیا یا اور ایسے کام کیوں نہیں کئے جو اُس کی قدرت سے باہر ہیں۔ قدریہ کہتے ہیں اس حدیث کے
ظاہری معنے کی صحت کے لئے کوئی وجہ نہیں پس یا تو اس کو رد کیا جاوے یا تاویل کرکے کسی صحیح
معنے پر اسے محمول کیا جائے اور وہ صحیح معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ تعالٰی اپنے بندوں کو معذب کرنا چاہتا۔ تو
وہ سب کو ایک اُمت کافرہ بنا دیتا۔ پھر اس کے بعد اگر وہ معذب کرتا تو وہ ظالم نہ ہوتا۔ اور رسول خدا
صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ اگر اللہ تعالٰی اپنے بندوں کو باوجود اُنکے مطیع اور عابد ہونے کے
معذب کرے تو وہ ظالم نہ ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے بتلایا ہے کہ اگر وہ سب پر اپنی رحمت فرمائے تو
اُس کی رحمت اُن کے حق میں اُنکے اعمال کی نسبت بہتر ہے۔ اس کے بعد آپ نے بیان فرمایا

ہے کہ بیٹھے رہنا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ تقدیر پر ایمان شرط ہے اور تقدیر پر اعتماد نہ کرنے کے اس
عمل اور حیلہ کو کہتے ہیں جو کائنات سے متعلق ہیں۔ اور ایک جماعت قدر اور امر دونوں سے وہ متقاعب
نیچے در پیانی حیرت میں مبتلا ہے کبھی اُن پر مشاہدہ و ملاحظہ قدر غالب آ جاتا ہے۔ تو امر سے بے خبر ہو جاتے
ہیں۔ اور کبھی مشاہدہ امر غالب آتا ہے تو قدر سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اور بعض حیرت زدہ اور گمراہی میں سر گشتہ
جو ترجیح دیتے ہیں نہ کہ پہچان سکتے۔ ان تمام فرقوں کے اقوال مختلف ہو اور اس فرقہ کا سبب انکے وہ اصول فاسدہ
اور قواعد باطلہ ہیں جنکو انہوں نے قائم کر رکھا ہے۔ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کو ملحوظ
رکھتے اور یہ سمجھتے کہ وہ ملک۔ حمد۔ ربوبیت۔ الٰہیت۔ حکمت۔ اور قدرت کا جامع ہے۔ اور
اُس کی پاک ذات کے لئے کمال مطلق ثابت کرتے اور اُسکو قدرت تامہ۔ شاملہ اور اُس مشیت
عامہ۔ نافذہ کے ساتھ موصوف جانتے کہ اس کے بدون کسی چیز کا وجود نہیں ہوتا۔ اور نیز اُسے
اُس حکمت کے ساتھ متصف سمجھتے جس کے آثار ہر ایک چیز میں نمایاں ہیں۔ تو ان پر تمام حقیقت ظاہر
ہو جاتی اور یہ حیرتیں دور ہو جاتیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں ایسے دراز سے سے گزر جاتے
جو سات آسمانوں سے زیادہ وسیع ہے اور یقین کر لیتے کہ وہ انہی صفات کے لائق ہے۔ جن کو اپنے
رسولوں کی زبانی اپنی ذات کے لئے بیان فرمایا ہے اور اُن کے برخلاف ظنون کاذبہ اور اوہام
باطلہ ہیں۔ جو باطل فکروں اور واہی تباہی آرا کا نتیجہ ہیں۔ پس ہم اللہ تعالیٰ کے بعض صفات کمال
بیان کرتے ہیں اور اُسی سے توفیق اور مدد چاہتے اور اُسی پر بھروسا کرتے ہیں۔ وَلَا حَوْلَ
وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ پروردگار عالمین کا اسم مبارک اور اُس کا شان بلند ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود
برحق نہیں ہے۔ وہی منعم حقیقی ہے جو اپنی مخلوق کو گوناگوں نعمتیں عطا فرماتا ہے جن کو آسمان و زمین
کی تمام مخلوق (اگر شمار کرے تو بھی) شمار نہیں کر سکتی۔ مخلوق کو پیدا کرنا اُس کی ایک نعمت ہے اور اُنکو زندہ
ناطق بنانا اُس کی دوسری نعمت ہے۔ کان۔ آنکھیں عقل عطا فرمانا اس کی تیسری نعمت ہے کھانے
کی رنگا رنگ چیزیں بخشتے رہنا یہ ایک اور نعمت ہے اور اپنے اسماء۔ صفات۔ اور افعال کے ذریعے
اپنی ذات کی معرفت عنایت کرنا یہ ایک جداگانہ نعمت ہے۔ اور اُنکی زبانوں پر اپنا ذکر جاری کرنا یہ
ایک علیحدہ نعمت اور اُنکے دلوں میں اپنی محبت و معرفت ڈالنا یہ ایک اور نعمت ہے اور ایجاد کے بعد اُنکو
اپنی حفاظت میں رکھنا یہ ایک اور نعمت ہے اور اُنکے چھوٹے بڑے جملہ امور اور مصالح کا انتظام
فرمانا یہ ایک اور نعمت ہے۔ اور اُن کو اُن کے مصالح معیشت کے اسباب کی طرف راہنمائی کرنا یہ ایک
اور نعمت ہے سو اللہ تعالےٰ کی ان بے انتہا نعمتوں کو تفصیلاً ذکر کرنا قدرت بشری سے باہر اور ناممکن امر ہے

اسکی بیشمار نعمتوں کے بیان کیلئے اتنا ذکر کرنا کافی ہے کہ سانس لینا اسکی ایک ادنٰی سی نعمت ہے اور چوبیس گھنٹوں یعنی ایک دن رات میں بندہ چوبیس ہزار سانس لیتا ہے پس دوسری طرح طرح کی نعمتیں تو درکنار ہر روز میں صرف سانس لینے کی چوبیس ہزار نعمتیں اللہ تعالٰی کی طرف سے بندے کو عطا ہوتی ہیں۔ ہر ایک نعمت کے عوض شکر ضروری ہے پس اگر بندے کی تمام طاعات ان نعمتوں پر تقسیم کی جائیں۔ تو ہر ایک نعمت کے مقابل بہت تھوڑا سا حصہ نکلیگا جس کو ان نعمتوں کے مقدار سے کسی طرح کی کچھ نسبت نہ ہوگی انسؓ بن مالکؓ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن بندے کے سامنے تین دفتر پیش کئے جائینگے ایک دفتر میں تو اس کے گناہ لکھے ہونگے اور ایک دفتر میں اس کے اعمال صالحہ درج ہونگے۔ پھر اللہ تعالٰی اپنی نعمتوں میں سے ایک چھوٹی سی نعمت کو حکم دیگا تو وہ کھڑی ہو کر اس کے تمام اعمال صالحہ کو گھیر لیگی۔ پھر عرض کریگی کہ اے رب میں نے ابھی اپنا بدلہ پورا نہیں پایا حالانکہ بندے کے گناہ اور تیری دوسری نعمتیں ابھی باقی ہیں۔ پھر جب اللہ تعالٰی اپنے بندے کے ساتھ بہتری کا ارادہ فرمائیگا تو اسے یوں ارشاد کریگا۔ کہ اے ابن آدم میں نے تیری نیکیوں کو مضاعف کر دیا۔ اور تیری برائیوں سے درگذر کیا ہے اور اپنی نعمتیں تجھے مفت بخشدی ہیں ؁

صحیح حاکم میں ایک حدیث مروی ہے کہ ایک شخص نے پانسو سال اللہ تعالٰی کی عبادت میں گذار دئے۔ وہ ہر روز انار کا ایک دانہ جو ایک درخت سے نکلتا کھا لیتا اور پھر نماز پڑھنے میں مصروف ہو جاتا تھا۔ اور اس نے موت کے قریب اللہ تعالٰی سے یہ دعا کی کہ اے اللہ میری روح سجدہ کی حالت میں قبض ہو اور زمین میں میرا جسم صحیح و سلامت موجود رہے اور قیامت میں وہ سجدہ کی حالت میں مبعوث ہو۔ پس جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ اللہ تعالٰی کے سامنے کھڑا کیا جائیگا اور اللہ تعالٰی فرمائیگا کہ میرے اس بندے کو میری رحمت سے جنت میں داخل کر دو وہ عرض کریگا اے اللہ تیری رحمت سے نہیں بلکہ میں اپنے عمل کے سبب جنت میں داخل ہوتا ہوں تو اللہ تعالٰی فرمائیگا کہ جو نعمتیں میں نے اپنے بندے پر عطا کی تھیں انکا اور اسکے عمل کا مقابلہ کرو تو صرف بینائی کی نعمت پانسو سال کی عبادت کے مقابل برابر اتریگی اور باقی بدن میں جتنی نعمتیں تھیں وہ تمام زائد ہونگی۔ تو اللہ تعالٰی فرمائیگا۔ کہ میرے بندے کو دوزخ میں ڈالدو پس فرشتے اسکو دوزخ کی طرف گھسیٹینگے تو وہ پکاریگا۔ کہ اے رب مجھے اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرما۔ اللہ تعالٰی فرمائیگا اسے واپس لاؤ پھر وہ اللہ تعالٰی کے سامنے کھڑا کیا جائیگا۔ تو اللہ تعالٰی فرمائیگا اے میرے بندے تجھے کس نے پیدا کیا حالانکہ تو کوئی چیز نہ تھا وہ عرض کریگا اے میرے رب تو ہی نے پیدا کیا۔ اللہ تعالٰی فرمائیگا یہ (تو بتلاؤ) کہ پانسو سال کی عبادت کی قوت تجھے کس نے دی تھی۔

وہ عرض کریگا اے پروردگار تو ہی نے عطا فرمائی تھی۔ اللہ تعالے فرمائیگا دیکھو بتلاؤں کہ سمندر کے درمیان پہاڑ
میں تجھے کس نے اتارا اور کھاری پانی میں سے تیرے لیے میٹھا پانی کس نے نکالا اور تجھے انار کہ سال بھر
میں ایک بار نکلا کرتا تھا ہر روز اُس کا ایک دانہ تیرے لیئے کس نے پیدا کیا اور تو نے مجھ سے یہ سوال
کیا تھا کہ میں تیری روح کو سجود کی حالت میں قبض کروں۔ تو میں نے ایسا ہی کیا وہ بندہ عرض کریگا
اے پروردگار سب کچھ تو نے ہی کیا ہے اللہ تعالے فرمائیگا یہ سب کام میں نے اپنی رحمت سے
کیئے تھے اور اب بھی اپنی رحمت ہی سے میں جنت میں داخل کرتا ہوں۔ اس حدیث کو یحیی بن
بکیر کے طریق سے اس طرح روایت کیا ہے کہ ہم سے لیث بن سعد نے بیان کیا کہ انہوں نے
سلیمان بن ہرم سے انہوں نے محمد بن منکدر سے انہوں نے جابر رضہ سے کہا انہوں نے پیغمبر خدا
صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اس حدیث کا اسناد اور آخر کا مضمون بلا شبہ صحیح ہے
کیونکہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں آیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص
اپنے عمل کے سبب نجات نہیں پا سکتا۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ تم میں سے کوئی
شخص اپنے عمل کے سبب جنت میں داخل نہیں ہو سکتا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم آپ بھی نہیں داخل ہو سکتے۔ آپ نے فرمایا میں بھی اللہ تعالے کی رحمت اور اس کے فضل کے
سوا ہرگز داخل جنت نہیں ہو سکتا پس رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا ہے کہ اولین اور
آخرین میں سے کسی شخص سے اس کا عمل موجب نجات نہیں ہو سکتا۔ جب اللہ تعالے اس
پر اپنی رحمت نہ کرے اسی واسطے اللہ تعالے کی رحمت اس کے حق میں اس کے عمل سے بہتر ہے کیونکہ
اُس کی رحمت باعث نجات ہے اور بندے کا عمل موجب نجات نہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا۔ کہ
اگر اللہ سبحانہ آسمان و زمین کی تمام مخلوق کو عذاب میں مبتلا کرے تو یہ اس کے اس حق کے بدلے
ہوگا۔ جو کہ بندوں پر لازم تھا اور وہ بجا نہ لا سکے تھے) اور اس مضمون کی توضیح اس طرح ہو سکتی ہے۔
کہ جس قدر اللہ تعالے کی نعمت بندے پر زیادہ ہوتی ہے اسی قدر اللہ تعالے کا حق بھی اس پر زیادہ
ہو جاتا ہے اور اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اُن لوگوں کی نسبت جن کو وہ نعمت عطا نہیں ہوئی
اللہ تعالے کا شکر زیادہ بجا لائے غرض اللہ تعالے کا حق اس پر زیادہ ہو جاتا ہے اور اس کے
اعمال اس کی ادائگی کے لیئے کافی نہیں ہوتے۔ ان باتوں کو پوری طرح وہی شخص سمجھ سکتا
ہے جس کو ذات باری اور اپنے آپ سے آگاہی حاصل ہو۔ اعمال صالحہ اور نعمتوں کا مقابلہ تو اس وقت
ہو سکتا ہے کہ بندے سے غفلت۔ اعراض اور گناہ اس کی طاعات کے مقابل وقوع میں نہ آویں

اور جب اُس سے اِس قدر گناہ سرزد ہوں جو اُس کی طاعات کے برابر یا اُس سے زیادہ ہوں تو پھر طاعات اور نعمات کے اپنی کا مقابلہ و مقابلہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ بندے پر اللہ تعالےٰ کا یہ حق ہے کہ تنہا اُسکی عبادت کرے کسی چیز کو اُس کا ساجھی نہ بنائے۔ اُس کا ذکر کرے اور اُس کو کبھی نہ بھولے اِس کا شکر بجا لائے اور اُس کی ناشکری نہ کرے۔ اور اللہ تعالےٰ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہو۔ رضامندی کچھ اِس کا نام نہیں ہے کہ زبانی خوان باتوں کا اقرار کرے اور اُنکی حالت کی تردید و تکذیب کرے اور اُس کے مخالف ہو۔ وہ شخص اللہ کے رب ہونے پر کیسے راضی ہو سکتا ہے کہ جب اللہ کی قضا اُس کے ارادہ اور خواہش کے خلاف ہو تو وہ دل سے ناخوش ہونے لگے اور اُس پر اُسے ملال پیدا ہو۔ اور جن کاموں سے اللہ تعالےٰ خوش ہو اُن میں راضی ہو اور جن سے وہ راضی ہو اُنکے بجا لانے میں دل تنگ ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص اللہ تعالےٰ کے رب ہونے پر راضی نہیں ہے بلکہ اُس سے مال و نعمت لینے پر راضی ہے۔ اور وہ شخص اسلام کے دین ہونے پر اپنی رضامندی کا کس مُنہ سے مدعی ہو سکتا ہے۔ جو کہ اصول اسلام کو جب وہ اُس کی بدعت و ہوا کے خلاف ہوں اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دے اور فروع اسلام جب اُس کی غرض اور خواہش کے موافق نہ ہوں تو پس پشت پھینک دے۔ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر اس شخص کی رضامندی کیسے صحیح ہو سکتی ہے جو ظاہر و باطن آپ کو حاکم نہ بنائے۔ اور دین کے اصول و فروع میں صرف اُن باتوں پر کاربند نہ ہو جو آپکے سینہ مبارک سے ظاہر ہوتی ہیں وہ شخص آپ کے رسول ہونے پر کیسے راضی ہو سکتا ہے جو آپ کے قول کو چھوڑ کر غیروں کے اقوال پر چلے اور آپ کے قول کے مقابل اُنکے اقوال کو ترک کرے اور آپ کے قول پاک کو حاکم نہ سمجھے اور جب آپ کا قول اُس کے مذہب اور تقلید کے موافق ہو تو اُسے حجت جانے ورنہ اُس کی طرف التفات بھی نہ کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ کا ہر ایک بندے پر یہ حق ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہو اور کسی سے محبت رکھے تو اللہ کے لئے اور بغض رکھے تو اللہ کی خاطر اور کسی سے کوئی بات کرے تو بھی اللہ کے لئے اور نہ کرے تو بھی اللہ کے لئے اور ہمیشہ اُس کا ذکر کرے اور اُسے کبھی بھولے نہیں۔ اُس کی طاعت بجا لائے اُس کی نافرمانی نہ کرے اُس کا شکر بجا لائے اور اُسکی ناشکری نہ کرے۔ اور جب یہ سب کام پورے کریگا تو اُس کے اعمال صالحہ کی نسبت اللہ تعالےٰ کی نعمتیں اُس پر زیادہ ہو جائینگی بلکہ اُن کا سوں کا پورا کرنا بھی اللہ تعالےٰ کی نعمتوں

میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اس کی توفیق دی۔ اور اس پر اُن کے ادا کو آسان کر دیا
اور اس کی اعانت فرمائی۔ اور اس کو ان کا دل کا اہل بنایا اور دوسرے لوگوں میں سے ان کاموں
کے لئے اُسے خاص کر لیا۔ پس یہ نعمت ایک اور شکر کی مستحق ہے بندہ اس شکر کو جو اللہ کی طرف
سے اس پر واجب ہے کبھی بجا نہیں لا سکتا۔ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شکر کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اور
اُس کے اعمال صالحہ اُن کا مقابلہ و برابری نہیں کر سکتے۔ اور کبھی بندے کی غفلت اتنی ہو جاتی ہے اور اس
کے گناہ اس قدر ہو جاتے ہیں کہ اُس کے اعمال صالحہ سے بڑھ جاتے ہیں۔ غرض نعمتیں اور گناہ بندے
کے وقت بندے کی تمام طاعات سے زیادہ اور بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بندے کے
اعمال صالحہ اور طاعات بندہ کے مملوک ہونے کی حیثیت سے اُس پر لازم ہیں۔ اپنے آقا کے
احکام بجا لانا اُس کا فرض ہے۔ غرض بندے کی جان اللہ تعالیٰ کی ملک ہے۔ اور اس کے اعمال
بندہ ہونے کی حیثیت سے اُس پر لازم ہیں۔ پس اس کے کسی کام میں اُس کا کوئی حصہ نہیں
ہے جیسے کہ وہ اپنی جان میں سے ایک ذرے کا مالک نہیں۔ پس بندہ درحقیقت اپنی جان و
مال اور اپنے صفات و اعمال میں سے کسی چیز کا مالک نہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ملک ہے
اور اس کے اعمال اُس مالک کی طرف سے بندے پر لازم اور فرض ہیں جس کا استحقاق اُس آقا سے کہیں
زیادہ ہے جو ایک غلام کو اپنے خالص مال سے خرید کرے پھر اُسے حکم دے کہ تم مال کما کر مجھے لا دو اور تیرے
لئے تیری اپنی جان اور تیرے اپنے کسب میں کوئی حق نہیں پھر اگر یہ غلام کوئی کام کرے تو یہ کام اُسکے
آقا کی طرف سے اُسے لازم ہو چکا تھا۔ اور اُس کے حقوق میں سے ایک حق اُسکے ذمہ قرض ہو چکا تھا۔ تو جب
ایسے آقا کا اس قدر حق ہو سکتا ہے، تو اُس منعم اور مالک حقیقی کے حقوق کس قدر ہوں گے جس کی نعمتیں اور
حقوق لاتعد ولاتحصی ہیں اور بندے کی طاعات کسی طرح اُنکی برابری نہیں کر سکتیں۔ پس اگر اللہ سبحانہ بندے
کو عذاب میں گرفتار کرے تو اُس کا ظلم نہیں ہوگی اور اگر اُس پر اپنی رحمت فرمائے تو اُس کی رحمت
بندے کے حق میں اُس کے اعمال کی نسبت بہتر ہے اور بندے کے اعمال اللہ تعالیٰ کی رحمت کا عوض
اور بدلہ نہیں ہو سکتے۔ اگر اللہ سبحانہ کا فضل اور اُسکی رحمت و مغفرت نہ ہو تو کبھی کسی کو زندگانی گوارا نہ
ہو سکے۔ اور کوئی شخص اپنے خالق کا عارف اور نہ ذاکر اور نہ مومن اور نہ ہی مطیع ہو سکتا۔ پس جس طرح
کہ بندے کا وجود اور ہستی محض اللہ تعالیٰ کے جود و فضل اور منت سے ہے۔ اور اُس کے ایجاد پر اُس
کی ذات قابل حمد ہے اسی طرح وجود کے سوا بھی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے ہیں بندے
کا اُن میں کچھ دخل نہیں جیسا کہ اپنی ہستی میں اُس کا کوئی تصرف نہیں۔ پس تمام حمد و فضل و انعام اللہ تعالیٰ کے

سلئے ہے اور جمیع مخلوق پر اس کا حق ثابت ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالےٰ کے حق اور اُس کے ادا کرنے سے
اپنی کوتاہی اور عاجزی پر نظر نہیں کرتا۔ تو وہ تمام مخلوق سے اپنے پروردگار اور خود اپنی ذات سے
زیادہ بے خبر اور جاہل ہے اُس کی طاعات اُس کو کچھ نفع نہ دینگی اور اُس کی دُعا ہرگز مسموع نہ ہوگی! امام احمد
نے کہا ہے ہم سے حجاج نے بیان کیا کہا کہ ہم سے جریر بن حازم نے بیان کیا اُنھوں نے وہب سے روایت
کیا ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ پیغمبر خدا موسےٰ علیہ السلام ایک ایسے آدمی کے پاس سے گذرے جو
نہایت تضرع و درزاری کے ساتھ دُعا کر رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے رب مجھے اس پر رحم آیا
ہے پس تو بھی اس پر رحم فرما۔ اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اگر یہ شخص اسقدر دعا مانگے کہ اس
کا دل پارہ پارہ ہو جائے۔ تو بھی میں اسکی دعا ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ تاوقتیکہ یہ میرے حق پر نظر نہ کرے
بندہ اللہ تعالےٰ کیطرف اس طرح پہنچ سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں اور اسکے منت و احسان اور اپنے
عیب۔ بدعملی اور ادائے حقوق الٰہی سے اپنی کوتاہی اور عاجزی پر نظر رکھے۔ جب اس طرح کرے گا۔ تو اُس
کا یقین ہو جائیگا۔ کہ اللہ تعالےٰ اُسکو عذاب میں گرفتار کریگا۔ تو یہ اُس کا عین عدل ہوگا۔ اور اُس کے
سب فیصلے جو اُس کے بارے میں ہوتے ہیں سراپا انصاف ہیں۔ اور جو کچھ نعمت یا بھلائی مجھے ملی ہے
وہ محض اُسکے فضل و منت کا صدقہ ہے۔ اِسی لئے حدیث سید الاستغفار میں آیا ہے اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ
عَلَیَّ وَاَبُوْءُ لَکَ بِذَنْبِیْ (اے اللہ میں تیری اُس نعمت کا اقرار کرتا ہوں جو تو نے مجھ پر عطا فرمائی ہے۔
اور تیرے ادائے حقوق میں) میں اپنے قصور کا اعتراف کرتا ہوں) غرض بندہ اپنے آپ کو گنہگار اور
قصوروار سمجھے اور اپنے پروردگار کو محسن اور صاحب فضل جانے ❊

اللہ تعالےٰ نے اپنی مخلوق کو دو ہی قسم قرار دیا ہے ایک تائب دُوسرے ظالم۔ چنانچہ فرمایا ہے
وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (اور جو بُرے کاموں سے) باز نہ آئیں تو وہی (خدا کے
نزدیک ظالم ہیں) اور اسی طرح ایک اور مقام میں مخلوق کو دو قسم ٹھیرایا ہے یعنی معذب اور تائب۔ پس جو
شخص تائب نہ ہو وہ ضرور معذب ہوگا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے لِیُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ
وَالْمُشْرِکِیْنَ وَالْمُشْرِکٰتِ وَیَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (کہ اللہ تعالےٰ منافق مرد اور
منافق عورتوں اور مشرک مرد اور مشرک عورتوں کو (اُن کے کئے کی) سزا دے اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں
پر اپنی) مہر کرے) اور تمام مومنین کو توبہ کا حکم فرمایا ہے کوئی شخص بھی اس سے مستثنیٰ نہیں اور سب کی فلاح
اور نجات کو توبہ سے متعلق کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ
لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (اور مسلمانو تم سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم (آخر کار) فلاح پاؤ) ❊ اور اللہ سبحانہٗ نے

منجملہ ان نعمتوں کے جو خیر خلق اکرم کائنات اور سب سے اپنے زیادہ مقرب اور اخص و پیارے بندے کے واسطے
پر عنایت فرمائی ہیں اس نعمت کو ذکر فرمایا ہے کہ اس نے آپ کی اور آپ کے خاص متبعین کی توبہ قبول فرمائی۔
چنانچہ فرمایا ہے لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ
الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ (البتہ اللہ نے پیغمبر پر بڑا ہی فضل
کیا اور نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے تنگدستی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا جب کہ ان میں سے
بعض کے دل ڈگمگا چلے تھے) پھر اسی قبول توبہ صحابہ کو مکرر بیان فرمایا ہے ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ
بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (پھر اسی نے ان پر بھی اپنا فضل کیا کہ ان کو سنبھال لیا) اس میں شک
نہیں کہ خدا ان سب پر نہایت درجہ مہربان اور ان کے حال پر اپنی مہر رکھتا ہے) اور باقی صحابہ کے
قبول توبہ کو ان تین صحابیوں کی توبہ پر مقدم فرمایا جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ اللہ سبحانہ نے
یہ بھی بیان فرما دیا ہے کہ وہ جنت جس میں اہل جنت کے داخل ہونے کا وعدہ تورات و انجیل میں ہوا فرمایا
ہے اس میں وہی لوگ داخل ہوں گے جو اللہ کی طرف توبہ کرنے والے ہیں۔ پہلے تمام مؤمنین تائبین کا ذکر کیا
اور اس کے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین اور انصار کو خاص طور پر بیان کیا۔ اور اس کے
بعد ان تین صحابیوں کا ذکر فرمایا جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ
تمام مخلوق اللہ تعالے کے توبہ قبول فرمانے اور اس کی مغفرت اور معافی کی محتاج ہے۔ اللہ تعالے
نے سید ولد آدم اور تمام مخلوق میں سے اپنے زیادہ پیارے بندے کو فرمایا ہے عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ۔
پس یہ کلمہ اگر خبریہ ہے جو توبۃ اللہ فی الغافلین کی قسم سے ہے اور اگر انشائیہ ہو تو یہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم
کے حق میں اللہ تعالے کی طرف سے معافی کی دعا ہے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم بھی سب میں
سب سے اپنے رب کے زیادہ قریب تھے یہ کلمات کہا کرتے تھے اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ
وَاَعُوْذُ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ
كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ (اے اللہ میں تیرے غضب سے تیری رضامندی کے ساتھ پناہ لیتا
ہوں اور تیرے عذاب سے تیری معافی کے ساتھ اور تیری ذات سے تیری ہی ذات کے ساتھ پناہ لیتا ہوں
اور میں تیری ثناء کو پوری طرح بیان نہیں کر سکتا تیری ذات ویسی ہی جامع کمالات ہے جیسے کہ تو نے
اپنی آپ تعریف کی ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امت میں سے افضل اور بہترین عورت اور
اپنی سب سے زیادہ پیاری بیوی یعنی عائشہ صدیقہ بنت ابو بکر صدیق سے جبکہ انہوں نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ
اگر مجھے لیلۃ القدر مل جائے تو میں کیا دعا کروں؟ یوں ارشاد کیا کہ یہ کلمات کہنا اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ

تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ (اے اللہ تو معاف کرنیوالا ہے معافی کو چاہتا ہے پس میرے گناہوں سے
درگذر فرما) ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ چونکہ اللہ سبحانہٗ معافی اور توبہ کو پسند کرتا
ہے اس لئے اپنی مخلوق کو ان عادتوں و احوال پر پیدا کیا ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف ان کی توبہ استغفار
اور اس سے معافی معذرت مانگنے کے مقتضی و خواستگار ہوں مسلم نے اپنی صحیح میں ابوہریرہؓ کی حدیث
روایت کی ہے انہوں نے کہا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے
تو اللہ تعالےٰ تمہیں لیجاتا اور ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ کرتے اور اللہ تعالےٰ سے مغفرت مانگتے
پھر اللہ تعالےٰ ان کو بخشدیتا۔ اور اللہ تعالےٰ توبہ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ اور توبہ تمام عبادتوں
سے اللہ تعالےٰ کو زیادہ محبوب ہے۔ توبہ کے اللہ تعالےٰ کے ہاں محبوب ہونے کے لئے اتنا کافی ہے
کہ وہ اس پر نہایت خوش ہوتا ہے چنانچہ صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں
جیسا اسکو میرے ساتھ گمان ہوتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اور
خدا کی قسم کہ اللہ تعالےٰ کو اپنے بندے کے توبہ کرنے پر اس شخص سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جو
بیابان میں اپنی گم شدہ (اونٹنی) کو پالے۔ صحیحین میں عبداللہ بن مسعود کی حدیث رسول خدا صلے اللہ علیہ
وسلم سے اس طرح مروی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنے مومن بندے کے توبہ کرنے پر اس شخص سے
بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو ایک (دور دراز) مہلک جنگل میں تھا اور اس کے پاس ایک سواری
تھی جس پر اس کا کھانا اور پانی تھا وہ سو گیا جب بیدار ہوا تو دیکھا کہ اس کی سواری مع سامان
(خورد و نوش) بھاگ گئی ہے اس نے ادھر ادھر تلاش کیا یہاں تک کہ (دوڑ دھوپ کرنے سے)
اسے سخت پیاس لگی پھر اس نے اپنے جی میں کہا کہ جس جگہ میں پہلے سویا تھا واپس جاکر اسی
جگہ سو رہتا ہوں یہاں تک کہ وہیں مر جاؤں۔ پس وہاں پہنچکر وہ اپنا سر اپنے بازو پر رکھ کر اس
ارادے سے سو گیا کہ وہیں مر جائے۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ سواری تمام سامان کھانے
پینے وغیرہ کے ساتھ وہاں موجود ہے پس بیشک اللہ تعالےٰ کو اپنے مومن بندے کے توبہ کرنے
پر اس شخص کی خوشی سے جو اس سواری اور سامان ملنے پر حاصل ہوئی تھی کہیں زیادہ خوشی ہوتی
ہے۔ اور صحیح مسلم میں نعمان بن بشیر سے مروی ہے۔ وہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً
روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ بیشک اللہ تعالےٰ اپنے بندے کے توبہ کرنے پر
اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو اپنے کھانے کی چیزیں اور پانی کی مشک ایک اونٹ پر لادکر

سفر کو روانہ ہوا۔ جب وہ ایک جنگل میں پہنچا تو وہاں دوپہر کے وقت اُسے نیند آگئی۔ اُس نے سواری سے اُتر کر ایک درخت کے نیچے قیلولہ کیا اور وہ سو گیا۔ اِتنے میں اُونٹ بھاگ کر چلا گیا پس جب وہ بیدار ہوا۔ تو اُسکی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑا۔ مگر کہیں وہ نظر نہ آیا۔ پھر دوبارہ دوڑا۔ تو بھی سواری کا پتہ نہ لگا۔ سہ بارہ دوڑا تو بھی اُس کا کوئی نشان نہ پایا۔ نا اُمید ہو کر جہاں اُس نے قیلولہ کیا تھا وہاں آکر بیٹھ رہا وہ بیٹھا ہی تھا کہ اُس کا اُونٹ آگیا اور اپنی مہار اُس کے ہاتھ میں دیدی۔ پس بیشک اللہ تعالے کو اس شخص کی خوشی سے جو اُس کو اپنا اُونٹ ملنے پر حاصل ہوئی تھی اپنے بندے کے توبہ کرنے پر کہیں زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ پس غور کا مقام ہے کہ اللہ تعالٰے کو اس طاعت یعنی توبہ کے ساتھ جو تمام طاعات کی جڑ اور اساس ہے کیسی محبت ہے۔ جس شخص کا یہ خیال ہے کہ بعض (خدارسیدہ) آدمیوں کو توبہ کی ضرورت نہیں اور وہ اس سے مستغنی ہیں۔ اُس نے ربوبیت کے حق اور عبودیت کے مرتبہ کو نہیں سمجھا اور جن لوگوں کو اپنے خیال کے مطابق توبہ سے مستغنی ٹھیرایا ہے اُنکی ایسی بیجا تعظیم کی ہے کہ یہ تعظیم اُنکی مذمت کا باعث ہے۔ کیونکہ اُن کو ایسی عظیم الشان طاعت سے جو تمام طاعات سے برتر اور اُس قربت سے جو جمیع قربات سے اعلٰے ہے معطل قرار دیا اور انکو یہ کہا ہے کہ تم اس طاعت کے اہل نہیں۔ اور نہ تم کو اس کی حاجت ہے غرض اس شخص نے اللہ تعالےٰ کی قدر اور عبودیت کے درجہ کو نہیں سمجھا۔ کہ اللہ تعالےٰ کے بعض بندوں کو اللہ تعالےٰ کی مغفرت اُس کے عفو اور اُس کی طرف توبہ کرنے سے مستغنی ٹھیرایا۔ اور یہ خیال کیا ہے کہ وہ توبہ کے لئے اپنے رب کی طرف محتاج نہیں۔ صحیحین میں انس بن مالک کی حدیث میں آیا ہے۔ کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بیشک اللہ تعالےٰ اپنے بندے کے توبہ کرنے پر جب وہ توبہ کرتا ہے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو کہ جنگل میں اپنی سواری پر سوار تھا پس وہ سواری اُس سے بھاگ گئی اور اُس کا کھانا اور پانی اُسی پر رکھا تھا۔ تلاش کرنے کے بعد وہ اُس کے ملنے سے نا اُمید ہوا۔ اور مایوسی کی حالت میں ایک درخت کے نیچے آکر لیٹ رہا۔ اُسی حالت میں لیٹا ہوا تھا کہ اُس کی سواری اُس کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ پس خوشی کے جوش میں غلطی سے اُس کے منہ سے یہ کلمات نکلے کہ اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ اور اکمل خلق یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم توبہ کرنے میں سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ استغفار کیا کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہا کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے

ہوتے سُنا اللہ کی قسم میں ایک دن میں ستر بار سے زیادہ اپنے اللہ سے مغفرت چاہتا اور اُس کی درگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ جب ابو ہریرہؓ نے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے اِس ارشاد کو سُنا تو اُسکی تعمیل کی غرض سے کہا کرتے تھے۔ کہ میں ایک دن رات میں اپنے دیت یعنی قصور کے مطابق بارہ ہزار بار اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں۔ اِس حدیث کو امام احمد نے کتاب الزہد میں روایت کیا ہے اور اِس کو ایک دوسری سند سے بھی بیان کیا ہے اور دیت کے بجائے لفظ ذنب ہے۔ اور امام احمد کے بیٹے عبداللہ نے کہا ہے ہم سے یزید بن ہارون نے بیان کیا کہا کہ ہم کو محمد بن راشد نے بتلایا اُنہوں نے مکحول سے اُنہوں نے ایک شخص سے اُس نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ میں کسی ایسے شخص کے پاس نہیں بیٹھا یعنی میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ استغفار پڑھا کرتا ہو۔ مکحول کے اُستاد نے کہا کہ میں کسی ایسے شخص کے پاس نہیں بیٹھا جو ابو ہریرہؓ سے زیادہ استغفار پڑھا کرتا ہو ؛

صحیح مسلم میں اغر مزنی سے مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے دل پر خفیف سی غفلت کا ایک پردہ آجاتا ہے اور میں ایک دن میں سو بار اپنے اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں۔ سنن اور مسند میں ابن عمرؓ کی حدیث میں اِس طرح آیا ہو۔ کہ ہم شمار کیا کرتے تھے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں سو بار یہ کلمات کہا کرتے تھے رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (اے رب میرے گناہ بخش دے اور میری توبہ قبول فرما بیشک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے) ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام احمد نے کہا ہے ہم سے اسمٰعیل سے بیان کیا کہا ہم سے یونس نے بیان کیا اُنہوں نے حمید بن ہلال سے اُنہوں نے ابو بردہ سے روایت کیا ہے کہا کہ میں مسجد کوفہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک معمر شخص کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُنہوں نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ میں نے رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے یا یوں کہا کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اے لوگو اللہ عزوجل کی طرف توبہ کرو اور اُس سے مغفرت مانگو۔ کیونکہ میں ہر روز سو بار اللہ تعالےٰ کی طرف توبہ کرتا اور اُس سے مغفرت مانگتا ہوں ؛

امام احمد نے کہا ہے ہم سے یحییٰ نے بیان کیا۔ اُنہوں نے شعبہ سے روایت کیا کہا کہ ہم سے عمرو بن مرہ نے بیان کیا کہا کہ میں نے ابو بردہ سے سنا کہا کہ میں نے ابو بردہ سے سنا کہا کہ میں نے اغر مزنی کو ابن عمرؓ سے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سُنا۔ کہ اُنہوں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا اے لوگو اپنے رب عزوجل کی طرف توبہ کرو میں ہر روز سو بار اللہ تعالےٰ کی طرف توبہ کرتا ہوں۔ امام احمد نے کہا ہے ہم سے یزید نے بیان کیا کہا ہم کو حماد بن سلمہ نے خبر دی۔ اُنہوں نے علی بن زید

سے کہ میں نے ابو عثمان نہدی سے سنا انہوں نے عائشہؓ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یہ کہا
کرتے تھے یا اللہ مجھے ان لوگوں میں شامل کر جو نیکی کرنے پر خوش ہوتے ہیں اور بدی کرنے پر بخشش
مغفرت چاہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم شروع نماز میں کہ جب تکبیر کہتے تھے یہ دعا پڑھا کرتے تھے
اے اللہ تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں میں نے اپنی جان پر ظلم کیا میں اپنے گناہ کا معترف
ہوں سو تو میرے گناہوں کو بخش۔ کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں ہے اور مجھے اچھے اخلاق
کی طرف ہدایت فرما تو ہی اچھے اخلاق کی طرف ہدایت دیتا ہے میں تیری درگاہ میں حاضر اور تیرے
کام کے لئے آمادہ ہوں۔ اور سب بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے اور برائی تجھ ہی سے نہیں اور تیری ہی
پناہ چاہتا ہوں تیری ذات بابرکت اور بلند ہے میں تجھ سے مغفرت چاہتا اور تیری طرف رجوع کرتا
ہوں۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے ۔

صحیحین میں مروی ہے کہ آپ یوں دعا فرمایا کرتے تھے یا اللہ میرے اور میرے گناہوں
کے درمیان اس قدر دوری کر دے جیسا تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان دوری ڈالی ہے اور میرے گناہوں کو
اپنی رحمت کے پانی برف اور اولوں کے ساتھ پاک وصاف کر دے اور ان گناہوں سے مجھے ایسا پاک کر
کہ جیسے میلا کپڑا دھلنے سے پاک ہوتا ہے اس کو آپ سے ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے اور علی ابن ابی طالب
نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جب آپ نماز شروع کرتے تھے۔ تو یہ کہا کرتے
کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور برے کام کئے پس اے اللہ
میرے گناہ بخش دے۔ گناہوں کو تو ہی بخشتا ہے ۔

صحیحین میں ہے کہ آپ رکوع سجود میں یہ کلمات کہا کرتے تھے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا
وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ۔

صحیح مسلم میں عبداللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے
سر اٹھاتے تو یہ کلمات کہا کرتے تھے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ بَعْدُ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْنِي بِالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَالْمَاءِ الْبَارِدِ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْنِي
مِنَ الذُّنُوْبِ وَالْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْوَسَخِ ۔

صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سجود میں یہ کلمات کہا کرتے
تھے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ دِقَّهُ وَجِلَّهُ وَاَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَعَلَانِيَتَهُ وَسِرَّهُ ۔

مسند امام احمد میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا پڑھتے تھے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْ

عَلَيَّ بِخُلُقٍ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا رَزَقْتَنِيْ ۔

صحیح مسلم میں فروہ بن نوفل سے مروی ہے کہا ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آپ مجھے وہ دعا بتلائیں جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پڑھا کرتے تھے تو انہوں نے کہا کہ آپ ان الفاظ میں دعا پڑھا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْمَلْ ۔ اور مسلم میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ ۔ جب آپ رات کو نماز کے لئے اٹھتے تو یہ کلمات کہا کرتے اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ الحدیث ۔ اور اس میں یہ کلمات زیادہ ہیں فَاغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ۔

صحیحین میں ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ خَطِيْئَتِيْ وَجَهْلِيْ وَاِسْرَافِيْ فِيْ اَمْرِيْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔

حقیقۃ الامر یہ ہے کہ بندہ ہر وجہ اور ہر اعتبار سے اپنے رب کی طرف محتاج ہے۔ سو اول تو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت احسان اور مصالح معاش کی تدبیر و انتظام کے لحاظ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اور نیز اللہ تعالیٰ کے الٰہ معبود اور محبوب اعظم ہونے کے لحاظ سے بھی وہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اللہ تعالیٰ وہ محبوب ہے کہ جب تک ماں باپ بیوی بال بچوں اور اپنی جان و مال غرض تمام مخلوق سے اس کی محبت زیادہ نہ ہو۔ تو آدمی کی صلاح و فلاح اور آرام و سرور کی کوئی صورت نہیں نیز طرح طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں سے بچانے کے لحاظ سے بھی بندہ اپنے رب کا محتاج ہے اگر اللہ تعالیٰ نہ بچائے تو بندہ بعض مصائب میں ہلاک ہو جائے اور مغفرت اور عفو کے لحاظ سے بھی بندہ پروردگار کا محتاج ہے اگر وہ مغفرت اور عفو نہ فرمائے تو بندے کی نجات کی کوئی صورت نہیں۔ حاصل کلام یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معافی بغیر کسی کی نجات نہیں۔ اور اس کی رحمت کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ بعض لوگ نفس گناہ پر نظر کر کے توبہ کو صفت نقصان خیال کرتے ہیں۔ اور اس غایت کے کمال پر جو توبہ سے حاصل ہوتی ہے نظر نہیں کرتے۔ بندہ کی حالت توبہ خالص کے بعد اس حالت سے بہتر ہو جاتی ہے جو گناہ سے قبل تھی۔ نیز اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کمالیہ اور جمیع کمالات کے ساتھ اس کے منفرد ہونے پر نظر نہیں ڈالتے اور اس بات کو نہیں سوچتے کہ بندہ لوازم بشریت سے منفک اور جدا نہیں ہو سکتا۔

اور توبہ بطور ؟ کہ حضرت آدم کے لئے باعث کمال اور غایت قبولیت ہوئی تھی اسی طرح ہر ابن آدم کے لئے
غایت قبولیت اور باعث کمال ہے غرض جس طرح کہ بندے کا موجب و سبب توبہ یعنی گناہ و غفلت
سے منفک ہونا محال ہے اسی طرح توبہ کے بدون اُس کے لئے کمال کا حاصل ہونا بھی ناممکن ہے ایک
اللہ سبحانہ ہر وجہ اور ہر اعتبار سے غنی اور حمد کے ساتھ مخصوص ہے اور بندہ ہر ایک لحاظ و اعتبار سے اس
کی جناب کا محتاج، فقیر اور مضطر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت بندے کے حق میں اسکے عمل سے بہتر ہے
کیونکہ اس کے اعمال اُس کی نجات و سعادت کے بالاستقلال باعث نہیں ہو سکتے۔ اگر بندے کی نجات
اس کے اعمال پر موقوف ہو تو اُسکی نجات کی ہرگز کوئی صورت نہیں۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے
قول (اگر اللہ سبحانہ آسمان و زمین کی تمام مخلوق کو عذاب میں گرفتار کرے تو وہ اس کام میں ظالم نہیں ہوگا)
کے متعلق بعض ضروری مسائل (اللہ کے فضل سے) بیان ہو چکے ہیں)۔

اور اس کی توضیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ اللہ سبحانہ کا شکر اُس کی ربوبیت اور بندوں کے اُس کے
مملوک و عبید ہونے کی حیثیت سے اُن پر لازم ہے۔ اور یہ اس بات کا موجب ہے کہ بندے اُس کی
محبت حاصل کریں۔ اُس کی تعظیم بجا لائیں۔ اُس کی توحید کا اقرار کریں اور اس عاشق غلام کی طرح اُس کا قرب
حاصل کریں جو کہ رات دن اپنے آقا کی نعمتوں میں بسر کرتا ہے اور ایک لحظہ بھر بھی اُس سے بے نیاز و مستغنی
نہیں ہو سکتا۔ اور وہ اُس کا قرب حاصل کرنے میں اپنی تمام کوششیں اور ساری طاقتیں صرف کر دیتا ہے
اور اس کی کسی چیز میں کسی دوسرے کو اُس کے برابر نہیں ٹھیراتا اور اپنے ارادہ اور خواہش پر اپنے
مالک کی رضامندی کو مقدم سمجھتا ہے بلکہ اپنے مالک کے ارادہ اور مرضی کے بغیر اُس کی کوئی
خواہش اور ارادہ ہی نہیں ہوتا۔ اور یہ امر ایسے علوم۔ اعمال۔ ارادات اور عزائم کو مستلزم ہے۔ کہ کوئی چیز
ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور ان کے ہوتے ہوئے اپنے مالک کے سوا کسی چیز کی طرف کسی قسم کی
کوئی توجہ و التفات باقی نہیں رہتی۔ اور ظاہر ہے کہ بندہ بشریت کی وجہ سے ان تمام چیزوں کو
ادا نہیں کر سکتا۔ اور اللہ تعالےٰ اپنے احسان کے علاوہ لذاتہ اور الہٰ و معبود ہونے کے لحاظ
سے جس عبادت و تعظیم کا مستحق ہے۔ وہ بندے کی طاعات سے بدرجہا زیادہ ہے۔ غرض اللہ تعالےٰ
لذاتہ اور اپنے احسان و انعام کے لحاظ سے اس بات کا مستحق ہے کہ بندہ نہایت درجہ کی اُسکی
عبادت بجا لائے اور اُس کے سامنے اپنی اعلےٰ درجہ کی عاجزی خضوع اور ذلت ظاہر کرے۔
بعض آثار میں آیا ہے (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے) کہ اگر میں بہشت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔ تو بھی میں
پرستش کا مستحق تھا اس لئے تمام مخلوق سے زیادہ عبادت کرنے والے یعنی ملائکہ قیامت کے دن

کہینگے تیری ذات پاک ہے تیری عبادت کا حق ہم ادا نہیں کرسکے۔ یہ اُسکی محض رحمت۔ کرم اور جود ہے کہ وہ لہٰذا وہ اپنے احسان و انعام کے لحاظ سے جس عبادت کا مستحق ہے اُس سے بہت کم درجہ عبادت پر اپنے بندوں سے راضی ہو گیا ورنہ جس عبادت کا وہ مستحق ہے اور جو بندوں سے وقوع میں آتی ہے ان دونو میں کسی طرح کی کوئی نسبت ہی نہیں پس اللہ تعالےٰ کے عفو و مغفرت کے سوا بندوں کا کہیں ٹھکانا نہیں اور اللہ سبحانہ بندوں کے حال اُنکی جان سے بھی زیادہ جاننے والا ہے اگر اُن کو عذاب میں گرفتار کرے گا تو وہ ان کو اُن اعمال و ارادات پر معذب کریگا جو اُسے معلوم ہیں گو بندوں کو معلوم نہ ہوں۔۔ اور اگر رسولوں کے بھیجنے سے پہلے اُن کو عذاب کرتا۔ تو یہ اُس کا ظلم نہ ہوتا جیسا کہ اپنے رسول کے بھیجنے سے پہلے ان کے کفر و شرک و دیگر بُرے کاموں پر ناخوش ہو کر اُسے عذاب میں مبتلا کرنے سے اُن پر ظلم نہیں کیا۔ اللہ سبحانہ تمام روئے زمین کے لوگوں عرب و عجم کو چند اہل کتاب کے سوا گناہوں میں مبتلا دیکھ کر اُن پر ناخوش ہوا۔ (مگر عذاب نازل کرکے اُن کو ہلاک نہ کر دیا بلکہ اس وجہ سے کہ اُس نے بمقتضائے رحمت اپنے ذمہ لازم کر رکھا ہے کہ وہ کسی کو عذاب میں گرفتار نہ کریگا۔ جب تک کہ آپ کی رسالت سے اتمام حجت نہ کرلیگا۔ اور اس مسئلہ کا راز یہ ہے کہ چونکہ منعم کا شکر اُس کے شان اور اُس کی نعمت کے مقدار کے مطابق ہوتا ہے (اور چونکہ شان الٰہی اور اُس کی نعمتوں کی کوئی حد نہیں) اسلئے کوئی بشر اُس کو ادا نہیں کرسکتا اور ہر ایک پر اللہ سبحانہ کا حق ثابت ہے اور وہ اُس کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ اگر وہ اپنی رحمت و مغفرت نہ فرمائے تو بندہ معذب ہونیکا سزاوار ہے۔ پس بندے کو اُس کے عفو۔ رحمت اور مغفرت کی طرف ایسی محتاج ہیں جیسے اُس کی حفاظت۔ نگہبانی اور اُس کے رزق کے محتاج ہیں اگر اُنکی حفاظت نہ کرے تو ہلاک ہو جائیں اور اگر رزق نہ دے تو مر جائیں اور اگر رحمت اور مغفرت نہ فرمائے تو بھی تباہ ہو جائیں اسی لئے آدمیوں کے پہلے باپ حضرت آدمؑ اور اُنکی ماں حواؑ نے کلمات کہے تھے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ (اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے تئیں آپ تباہ کیا اور اگر تو ہم کو معاف نہیں فرمائیگا اور ہم پر رحم نہیں کریگا تو ہم بالکل برباد ہو جائینگے) ان کے بعد اولاد آدمؑ کا بھی یہی حال ہے اور موسیٰ کلیم اللہ نے کہا ہے رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ (اے میرے پروردگار میں نے اپنے اوپر بڑا ہی ظلم کیا تو میرا گناہ معاف فرما) اور نیز یہ کہا ہے سُبْحَانَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ (اے پروردگار تیری ذات پاک ہے میں نے جو دیکھنے کی بیجا درخواست کی تھی) تیری جناب میں (اُس سے) توبہ کرتا ہوں اور (تجھ پر) ایمان لانے والوں میں پہلا

(دیا ہی لانے والا بندہ ہی سا ہوں) اور نیز کہا ہے رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ
وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (اے میرے پروردگار میری اور میرے بھائی کی مغفرت فرما اور ہم
دونوں کو اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا
ہے) اور نیز یہ کہا ہے أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ
(تو ہی ہمارا کارساز ہے تو ہمارے قصور معاف کر اور ہم پر رحم فرما اور تو تمام بخشنے والوں سے بہتر
بخشنے والا ہے) اور ابراہیم خلیل اللہ نے کہا ہے رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ
ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ
الْحِسَابُ (اے میرے پروردگار مجھ کو توفیق دے کہ میں نماز پڑھتا رہوں اور (نہ صرف) مجھ کو
بلکہ میری اولاد کو بھی اور اے ہمارے پروردگار میری دعا قبول فرما۔ اے ہمارے پروردگار
جس دن (اعمال کا) حساب ہونے لگے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو
بخش دیجیو) اور نیز کہا ہے الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ (جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی (دنیا
و دین کی مشکلات میں) میری رہنمائی کرتا ہے) وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ
(اور اس سے مجھ کو توقع ہے کہ روز جزا کو میرے قصور معاف فرما دیگا) اور سب سے پہلے
رسول جو اہل زمین کی طرف مبعوث ہوئے یعنی نوح نے کہا ہے رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ
أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ
(اے میرے پروردگار میں (ایسی جرأت) سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ جس چیز کی حقیقت کا مجھے معلوم
نہیں اس کی تجھ سے درخواست کروں اور اگر تو میرا قصور معاف نہ کرے گا اور مجھ پر رحم نہیں
کریگا تو میں (بالکل) برباد ہو جاؤنگا) اور اللہ تعالے نے آنحضرت صلعم سے جو سب سے زیادہ پیارے ہیں
فرمایا ہے وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (اور تم اپنے گناہوں کی معافی
مانگتے رہو اور (نیز) ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لئے (بھی) معافی مانگتے رہو) وقال
تعالے إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ الآیة (اے پیغمبر ہم نے جو کتاب برحق تم پر نازل کی
ہے الخ) وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا (اور اللہ سے (بھول چوک کی)
معافی چاہو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے) تک۔ وقال تعالے إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِيَغْفِرَ
لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا
مُسْتَقِيمًا (اے پیغمبر یہ حدیبیہ کی صلح کیا ہوئی حقیقت میں ہم نے کھلم کھلا تمہاری فتح کرا دی۔

تاکہ تم اس فتح کے شکریہ میں دین حق کی ترقی کے لئے اور زیادہ کوشش کرو اور) خدا اس کے صلے
میں تمہارے پہلے اور پچھلے گناہ معاف کرے اور تم پر اپنے احسانات پورے کرے اور تم کو دین
سیدھے رستے چلائے اور آنحضرت صلعم کی دعا کے بارے میں ابن عباسؓ کی حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے کہ آپ
استغفار یوں کیا کرتے تھے کہ اے میرے پروردگار میری مدد کر اور میرے برخلاف کسی کی مدد نہ کر [illegible] اے میرے پروردگار میری توبہ
قبول فرما اور میرے گناہوں کو دھو ڈال۔ آخر حدیث تک۔ اور اللہ سبحانہ نے اعبد البشر داؤدؑ
کی نسبت فرمایا ہے وَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ (تو انہوں نے اپنے پروردگار
کے آگے توبہ (و) استغفار کی اور سجدے میں گر پڑے اور خدا کی طرف) رجوع ہوئے)۔
و قال تعالیٰ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ (تو ہم نے انکی وہ (خطا) معاف کر دی)) اور اپنے نبی سلیمانؑ
کی نسبت فرمایا ہے وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ قَالَ
رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّن بَعْدِي إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ
(اور ہم نے سلیمان کو (ایک اور طرح پر بھی) آزمایا اور اُن کے تخت پر ایک دھڑ لا ڈالا پھر سلیمانؑ
نے خدا کی جناب میں رجوع کیا (اور) دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار میرا قصور معاف فرما اور مجھ
کو ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے پیچھے کسی کو سزاوار نہ ہو بیشک تو بڑا فیاض ہے) ؁

اور اپنے نبی یونس علیہ السلام کی نسبت فرمایا ہے کہ انہوں نے اندھیروں کے بیچ یہ کلمات کہے
لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔
تو پاک ذات ہے میں نے بڑا ظلم کیا) ؁

اور صدیق اکبر جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت سے افضل بڑے
نیکوکار اور نہایت پرہیزگار ہیں یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں عرض کیا کہ آپ مجھے وہ دعا بتائیں جس کو میں نماز میں پڑھا کروں آپ نے فرمایا
یہ دعا پڑھا کرو اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِي
مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ آپ نے اپنے کلام کو
حرف تاکید سے شروع کیا جو اپنے مابعد کی مضبوطی اور تقریر کو چاہتا ہے اس کے بعد اپنی جان
کے ظلم کو بیان کیا پھر اس کو بڑا ہونے سے موصوف کیا۔ اس کے بعد اپنے رب سے سوال کیا
کہ اپنی بارگاہ سے مغفرت بخشے۔ یعنی وہ مغفرت جو نہ علم اور کوشش سے حاصل ہونے والی نہیں
بلکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے عنایت و احسان سے ہے اور اُن کے عمل سے بدرجہا زیادہ ہے جب

اُس شخص کا یہ حال ہے جس کا ایمان تمام امت کے ایمان سے وزن میں زیادہ ہے۔ تو اُن سے کم درجے والے لوگوں کا کیا حال ہے ؟

سترھواں باب

کسب و جبر اُن کے لغوی و اصطلاحی معنی نفیاً و اثباتاً ان کے استعمال اور ان کے متعلق دلائل نقلیہ و عقلیہ کا بیان

کسب کا اصلی معنی لغت میں جمع کرنا ہے۔ جوہری کا قول ہے کہ کسب بمعنی طلب رزق ہے، محاورے میں کَسَبْتُ شَیْئًا اور اِکْتَسَبْتُ شَیْئًا دونو مستعمل ہیں اور دونو کا ایک ہی مطلب ہے۔ محاورے میں یوں بھی بولتے ہیں کَسَبْتُ اَھْلِیْ خَیْرًا[1]۔ کَسَبْتُ الرَّجُلَ مَالًا فَکَسَبَہٗ[2]۔ جیسے کہ بعض دیگر افعال (جیسے کسر ثہ فانکسر وغیرہ) کا استعمال اس طریق پر آتا ہے۔ کواسب جوارح (شکاری جانوروں) کو کہتے ہیں۔ تکسّب کے یہ معنی ہیں کہ کسب میں تکلیف کیا۔ جوہری کا کلام ختم ہوا۔

لفظ کسب قرآن کریم میں تین معنوں میں مستعمل ہے۔ اوّل بمعنی عقد قلب یعنی عزم۔ لقولہ تعالےٰ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْۤ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ (تمہاری قسموں میں جو لایعنی ہیں اُن پر تو خدا تم سے (کچھ) مواخذہ نہیں کرتا۔ ہاں پکی قسم کھا لو اور پھر اُس کے خلاف کرو تو خدا تم سے (اُس کا) مواخذہ کرے گا) یعنی مواخذہ اُس یمین و سوگند پر ہے۔ جس کا تم نے عزم اور قصد کیا۔ زجاج کا قول ہے کہ اللہ تعالےٰ تم کو اس بات پر مواخذہ کرے گا کہ تم یہ ارادہ کر لو کہ تم بِرّ و تقویٰ اختیار نہ کرو گے۔ اور اِس بات پر شیخی مارنے لگو۔ کہ ہم نے تو ایسے کاموں کے پاس جانے کی سوگند اُٹھالی ہے۔ زجاج نے شاید لفظ مواخذہ کو اور نیز اِس بات کو کہ مواخذہ تعذیب کا مقتضی ہے۔ ملحوظ رکھ کر اس جملہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے یعنی کسب قلوب کا یہ معنی قرار دیا ہے کہ قلوب سوگند کے روسے بِرّ و تقویٰ کے ترک کا عزم مصمم کر لیں۔ مگر پہلا قول نہایت درست اور صحیح ہے اور جمہور اہل تفسیر اُسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ کسب قلوب یمین لغو کے مقابل ہے اور یمین لغو یہ ہے کہ یمین یعنی سوگند

---

[1] میں نے اپنے اہل کو مال جمع کر دیا ۱۲ [2] میں نے فلاں آدمی کو مال جمع کر دیا سو اُس نے جمع کر لیا ۱۲

کا ارادہ نہ ہو۔ پس کہ قلب یمین لغو کے مقابل بمعنی عقد یعنی عزم قلب ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ایک آیت
میں فرمایا ہے وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ (ہاں پکی قسم کھاؤ اور پھر اس کا خلاف
کرو، تو خدا تم سے (اُس کا) مواخذہ کریگا) اس سے معلوم ہوا کہ تعقید ایمان (قسمیں باندھنی) اور کسب
قلب کا ایک ہی معنی ہے ۔

دوم بمعنی کسب مال یعنی تجارت کے ذریعے مال حاصل کرنا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ
(مسلمانو! خدا کی راہ میں عمدہ چیزوں میں سے خرچ کرو تم نے (تجارت وغیرہ سے) آپ کمائی ہوں تو
اور ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہوں تو) مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ میں اہل تجارت اور
وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ میں اہل زراعت کی طرف اشارہ ہے ۔

سوم بمعنی عمل وسعی کقولہ تعالےٰ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا
مَا اكْتَسَبَتْ (اللہ تعالےٰ کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا۔ مگر اسی قدر جس کے اٹھانے کی اس کو طاقت
ہو جس نے اچھے کام کئے تو ان کا نفع بھی اسی کے لئے ہے اور جس نے برے کام کئے (ان کا وبال
بھی) اسی پر) وقولہ تعالےٰ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (تم اپنے کئے کی سزا میں دوہرے
عذاب کے مزے چکھو) وقولہ تعالےٰ وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ (اور قرآن کے
ذریعے سے (ان کو) سمجھاتے رہو کہ کہیں (ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص (زیادتی میں) اپنے کرتوت کے بدلے
مبتلائے آفت ہو جائے)۔ ان تینوں آخری جگہوں میں کسب بمعنی عمل وسعی ہے۔ کسب اور اکتساب
کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان دونو کا ایک ہی معنی ہے یا کہ ان میں کچھ فرق ہے۔ ایک جماعت کا
قول ہے کہ ان دونو کا ایک ہی معنی ہے۔ ابو الحسن علی بن احمد کا قول ہے اور اہل لغت کے نزدیک یہی
صحیح بھی ہے کہ ان دونو کا ایک ہی معنی ہے ان میں کوئی فرق نہیں۔ شاعر ذوالرمہ نے کہا ہے ؎

اَلْفٰی اَبَاهُ بِذٰلِكَ الْكَسْبِ یَكْتَسِبُ

(یعنی اس نے اپنے باپ کو یہ کسب کرتے ہوئے پایا) ۔

ایک جماعت کا قول ہے کہ اکتساب کسب سے خاص ہے اور کسب عام ہے کہ اپنے لئے ہو
یا دوسرے کے لئے ہو اور اکتساب یہ کہ صرف اپنی ذات کے لئے ہو دوسرے کے لئے نہ ہو۔ حطیئہ
نے کہا ہے ؎

اَلْقَیْتَ کَاسِبَهُمْ فِیْ قَعْرِ مُظْلِمَةٍ   فَاغْفِرْ هَدَاكَ مَلِیْكُ النَّاسِ یَا عُمَرُ

(اے عمر لوگوں کے بادشاہ خدا تجھے ہدایت کرے تو نے اُنکے کمانے والے کو تاریک گڑھے میں ڈال دیا ہے پس از راہ کرم اُس کا قصور معاف کر دے) ۔

میں کہتا ہوں کہ اکتساب باب افتعال کا مصدر ہے اور باب افتعال کا خاصہ ہے کہ اہتمام۔ سعی و کوشش کے معنی کا افادہ دیتا ہے۔ اور کسب بلا ادنیٰ سا عمل تحت تسبیب کے لئے کافی ہے۔ اللہ سبحانہٗ نے جانب فضل میں لفظ کسب اُن اعمال کا بھی اعتبار فرمایا ہے جن میں اُس نے ادنیٰ سی سعی کی ہو اور جانب عدل میں صرف اُس کے اُن گناہوں کو معتبر رکھا ہے جو اُس نے نہایت کوشش اور اہتمام سے کئے ہوں۔ اور لفظ جبر لغت میں تین معنی میں مستعمل ہے۔ اوّل یہ کہ آدمی فقر و فاقہ کے بعد غنی ہو جائے یا اپنی ہڈی کو ٹوٹ جانے کے بعد درست کرے۔ ان دونوں معنوں میں جبر بمعنی اصلاح ہے اور اسی معنی میں دونو طرح یعنی لازم و متعدی مستعمل ہوتا ہے محاورے میں بولتے ہیں جَبَرْتُ الْعَظْمَ وَجَبَرَ میں نے ہڈی کو درست کیا اور وہ (ہڈی) درست ہو گئی۔ عجاج نے اپنے اس قول میں ان دونو معنی کو جمع کر دیا ہے ؎ قَدْ جَبَرَ الدِّيْنَ الْاِلٰهُ فَجُبِرَ (اللہ نے دین کو درست کیا سو وہ درست ہو گیا)۔

دوم بمعنی قہر و اکراہ اور اس معنی میں اکثر باب افعال میں آکر مستعمل ہوتا ہے محاورے میں بولتے ہیں اَجْبَرْتُهٗ عَلٰى كَذَا (میں نے فلاں شخص کو اس کام پر مجبور کیا) اور جَبَرْتُهٗ عَلٰى كَذَا اس معنی میں بہت کم آتا ہے۔

سوم بمعنی عزت و رفعت۔ چنانچہ کہتے ہیں نَخْلَةٌ جَبَّارَةٌ (اونچی کھجور) جوہری نے کہا ہے جبارہ وہ لمبی کھجور ہے جس پر ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ اعشیٰ نے کہا ہے ؎

طريق وجبار رواء اصوله　　　علیه ابابیل من الطیر تنعب

اخفش نے اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ (اُس ملک میں تو بڑے زبردست لوگ بستے ہیں) کی تفسیر میں کہا ہے کہ طول۔ قوت اور عظمت مراد ہے۔ یہ معنی اُس نے لفظ جبّار سے سمجھے ہیں کہ جبّار اُس لمبی کھجور کو کہتے ہیں جس پر ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ رَجُلٌ جَبَّارٌ اس آدمی کو کہتے ہیں۔ جو دراز قد۔ عظیم الجثہ۔ و قوی ہو۔ چونکہ یہ لمبی کھجور سے مشابہ ہوتا ہے اس لئے ایسے آدمی کو بھی جبّار کہتے ہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ قوم عمالقہ کے بدن اور اُنکی عادات عجیب طرح کی تھیں کہ وہ اور مخلوق سے ممتاز تھے بعض کا قول ہے کہ اس آیت میں لفظ جبّار جَبَرَهٗ عَلَى الْاَمْرِ (اُس نے اُس کو فلاں کام پر مجبور کیا) سے ماخوذ ہے۔ ازہری نے کہا ہے کہ یہ مشہور لغت ہے اور حجاز کے اکثر باشندے اُس کو اِس معنی

جو استعمال کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ کہا کرتے تھے جَبَرَہُ السُّلطَانُ (بادشاہ نے اُس کو مجبور کیا) اور یہ بھی
ہو سکتا ہے کہ لفظ جبّار جَبَرَ اَجبَرَ بمعنی اَکرَہَ یعنی فعل متعدی سے ماخوذ ہو۔ فراء کا قول ہے کہ جہاں تک مجھے
معلوم ہے دو کلموں جبّار و درّاک کے سوا کوئی کلمہ فعّال کے وزن پر افعال سے مشتق نہیں۔ جبّار
اجبر سے اور درّاک ادرک سے مشتق ہے۔ زجاج نے اسی کو اختیار کیا ہے کہا ہے کہ جبّار وہ
سرکش آدمی ہے جو لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق کاموں پر مجبور کرے۔ اور لفظ جبّار جو اللہ تعالیٰ کے
اسماء میں سے ہے۔ اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ جبّار وہ ہے جو شکستہ حالوں کو درست کرتا اور محتاجوں کو غنی
بناتا ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ کی یہی صفت ہے۔ لیکن اس کے اسم جبّار کا یہ معنی نہیں ہے۔ اسی سے ہم
جبّار کے ساتھ اپنے اسم متکبر کو مقرون فرمایا ہے۔ بلکہ یہ معنی اس بات کو مقتضی ہیں جبروت کا ہے۔ پیغمبر خدا
صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلمات کہا کرتے تھے۔ سُبحَانَ ذِی الجَبَرُوتِ وَالمَلَکُوتِ وَالکِبرِیَاءِ وَالعَظَمَۃِ
پس لفظ جبّار منجملہ اُن اسماء کے ہے جو اللہ سبحانہٗ کی عظمت پر دلالت کرتے ہیں جیسے متکبر۔ ملک۔ عظیم۔
قہار وغیرہ۔ ابن عباسؓ نے اللہ تعالیٰ کے قول اَلجَبَّارُ المُتَکَبِّرُ کی تفسیر میں کہا ہے جو العظیم (وہ صاحب
حشمت ہے) اور اللہ تعالیٰ کی جبروت اس کی عظمت ہے۔ اور جبّار بادشاہوں کا بھی نام ہے۔
جبّار ایک بادشاہ اور جبابرہ بہت سے بادشاہ۔ ایک شاعر نے کہا ہے۔ اَلَا حُیِّیتَ صَبَاحًا اَیُّہَا الجَبرُ
اے بادشاہ تو صبح کے وقت خوش عیش رہے۔ سدیؒ کا قول ہے کہ جبّار اس کو کہتے ہیں جو
لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق کاموں پر مجبور و مقہور کرے اس بنا پر جبّار بمعنی قہار ہے۔ محمد بن کعب
کا قول ہے کہ اللہ سبحانہٗ کا نام جبّار اس لئے ٹھہرا ہے کہ اس نے مخلوق کو اپنے ارادے پر مجبور کیا
ہے۔ مخلوق اس کی مشیت کے بغیر ایک قدم بھی اس کی نافرمانی میں نہیں اٹھا سکتی۔ زجاج نے کہا ہے جبّار
وہ ہے جو مخلوق کو اپنے ارادے پر مجبور کرے۔ ابن انباریؒ کا قول ہے کہ جبّار جو اللہ تعالیٰ کی صفت
ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ اس تک کسی کا زور اور قابو نہیں۔ عرب لوگ کہتے ہیں نَخلَۃٌ جَبَّارَۃٌ وہ کھجور
جس پر ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ اللہ سبحانہٗ کی صفت میں لفظ جبّار کے تین معنی ثابت ہوتے ہیں۔ مملکت۔ قہر
اور علو۔ کھجور جب لمبی اور بلند ہو جائے اور ہاتھ اس پر نہ پہنچ سکے۔ تو اس کو جبّارہ کہتے ہیں۔ اسی واسطے
اللہ سبحانہٗ نے اپنے اسم جبّار کو عزیز اور متکبر کے ساتھ مقرون فرمایا ہے۔ اور ان تینوں اسموں میں سے
ہر ایک اسم دوسرے اسموں کو متضمن ہے اور یہ تینوں اسم اُن تین اسماء یعنی خالق۔ باری و مصوّر
کے مشابہ ہیں۔ اسم جبّار و متکبر اسم عزیز کی تفصیل کے قائم مقام ہیں جیسے کہ باری مصوّر اسم خالق کے معنی
کی تفصیل ہے۔ غرض جبّار اللہ تعالیٰ کے اوصاف ہیں تین معانی یعنی کمال قدرت۔ عزت اور

تکبر کی طرف راجع ہے۔ اسی واسطے یہ نام اللہ سبحانہٗ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ اور مخلوق کا صفت جباریت کے ساتھ موصوف ہونا اُن کی ذلت اور نقص اُن کا سبب ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ۔ (یعنی مغرور (اور) سرکش ہیں اللہ اُن کے دلوں پر اسی طرح مہر لگا دیا کرتا ہے) اور اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول سے فرمایا ہے وَمَا اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ (اور تم ان پر (دائم) جابر (تو ہو) نہیں) یعنی آپ اُن پر ایسے مسلط نہیں ہیں کہ آپ اُن کو ایمان پر مجبور و مقہور کریں۔ ترمذی وغیرہ میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ قیامت کے دن جابروں اور متکبروں کا حشر چیونٹیوں کی شکلوں میں ہوگا لوگ اُن کو پامال کریں گے ؛

فصل جب یہ معلوم ہوچکا تو اب جاننا چاہیئے کہ لفظ کسب کو قدریہ جبریہ اور اہل سنت وحدیث الگ الگ معانی پر اطلاق کرتے ہیں پس قدریہ کے نزدیک کسب کا یہ معنی ہے کہ بندے کے افعال اُس کے ایجاد و مشیت سے واقع ہوتے ہیں۔ اور اِن میں اللہ تعالےٰ کی مشیت و ایجاد کا کوئی دخل نہیں۔ اور جبریہ کے نزدیک کسب ایک ایسا لفظ ہے کہ اس کا کوئی منتج معنی نہیں اور نہ اس کا کوئی حاصل مطلب ہے۔ اور اُس کے معنے کی تشریح میں اُن کی عبارتیں مختلف ہیں۔ اُنہوں نے اِسکی کئی مثالیں بیان کی ہیں اور اس میں کلام کو طول دیا ہے۔ قاضی ابوبکرؓ کا قول ہے۔ کہ کسب وہ چیز ہے جس پر بندوں کو قدرت محدثہ حاصل ہو۔ بعض کا قول ہے کہ کسب قادر سے متعلق ہے مگر علی وجہ الحدوث نہیں۔ بعض کا قول ہے کہ کسب وہ چیز ہے جو قدرت حادثہ کے ساتھ مقدور ہو۔ جبریہ کہتے ہیں ہمارے قول الکسب وہ چیز ہے جس پر بندوں کو قدرت محدثہ حاصل ہو) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اُس چیز کے وجود پر اُن کو قدرت ہے کیونکہ اُس کے وجود پر تو صرف اللہ ہی قادر ہے۔ بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ کسب کو حدوث اور وجود کے سوا قدرت حادثہ سے ایک گونہ تعلق ہے۔ اسفرائینی کا قول ہے کہ حقیقت خلق یہ ہے کہ کسی چیز کا خالق کی قدرت سے جس میں وہ یگانہ ہے وقوع میں آنا اور حقیقت فعل یہ ہے کہ فعل کا اُس کی قدرت سے واقع ہونا۔ اور حقیقت کسب یہ ہے کہ مکتسب کی قدرت کے ساتھ جس میں وہ متفرد ہے کسی کام کا واقع ہونا۔ اور خلق اللہ تعالےٰ قدیم کے ساتھ خاص ہے۔ اور افعال کے وقوع میں قدیم و محدث یعنی خالق و مخلوق دونو شریک ہیں اور کسب محدث یعنی مخلوق کے ساتھ خاص ہے۔ میں کہتا ہوں اِس کلام کا مطلب یہ ہے کہ لفظ خلق کا اطلاق صرف اللہ تعالےٰ کی نسبت صحیح ہے۔ اور لفظ کسب کا اطلاق مخلوق کے ساتھ خاص ہے اور لفظ فعل کا اطلاق اللہ تعالےٰ

اور مخلوق دونوں کی نسبت درست ہے۔ اسفرائینی نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ جو فعل ایک دوسرے کی مدد سے
بطور پیوستگی ہو تو وہ مدد پہنچانے والے کا کسب ہوتا ہے میں کہتا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے
کہ خالق تو خلق اور ایجاد میں مستقل ہے۔ اس کو کسی کی حاجت نہیں اور کاسب سے تو دوسرے
کی معاونت و مشارکت کے بغیر کوئی فعل واقع نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی وہ کسی شے کے ایجاد میں ہرگز
مستقل ہو سکتا ہے۔ ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اپنے مقدور کے ساتھ
ایک وجہ سے متعلق ہوتی ہے۔ اور بندے کی قدرت اس کے ساتھ دوسری وجہ سے متعلق ہوتی
ہے۔ اُن کا یہ بھی قول ہے کہ فعل کا کسب ہونا بھی ایک ایسے حال کا نام ہے جنہیں معتزلہ کہتے ہیں اس
نے ان حالتوں میں سے نہیں ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں بلکہ یہ ایک ایسی صفت ہے جو فعل کو
عارض ہوتی ہے برخلاف اس کے معتزلہ کہتے ہیں کہ مخلوق کی حرکت مخصوصہ خالق کا ایک لطف
ہے اور اس کا خاص فعل بھی اس کا لطف ہے اور صیغہ افعل ارادہ کرنے سے امر ہو جاتا ہے
کیونکہ وہ ارادہ سے حادث ہوا ہے۔ اور کسی چیز کو اس کی واقعی حالت پر سمجھنا جب نفس اس
پر مطلع ہو جائے علم ہو جاتا ہے یہ نہیں ہے کہ ابتداءً ہی کیفیت علمی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور کئی
چیزیں وجود میں مقترن ہوتی ہیں۔ تو ان کے اوصاف اور احکام بدل جاتے ہیں مثلاً حرکت
ایک خاص صورت پر واقع ہونے سے سباحت[1] کہلاتی ہے۔ اور اسی طرح کبھی لطم[2] مشی[3] اور
رقص[4] سے موسوم ہوتی ہے۔ ابوالحسن اشعری اور ابن الباقلانی کا قول ہے کہ قدرت حادثہ
سے فعل کا کسب ہونا واقع ہوتا ہے اور اس کا موجود و محدث ہونا قدرت حادثہ سے واقع
نہیں ہوتا۔ پس فعل کا کسب اس کا ایک ایسا وصف ہے جیسا اس کا معلوم ہونا۔ بعض متاخرین
نے ان عبارات کا یہ خلاصہ بیان کیا ہے کہ کسب اس معیت و اقتران عادی کا نام ہے۔ جو
قدرت محدثہ اور فعل کے درمیان پایا جاتا ہے کیونکہ اللہ سبحانہ کی عادت اس طرح جاری ہے
کہ بندے کے ارادے و قدرت کے وقت اللہ تعالے فعل پیدا کر دیتا ہے یہ نہیں ہے کہ بندے
کے ارادے و قدرت سے فعل پیدا ہوتا ہے۔ پس اسی معیت و اقتران کا نام کسب ہے اسی
واسطے بہت سے اہل عقل کا قول ہے کہ یہ مسئلہ علم کلام کے لاحل مسائل میں سے ہے۔ اور
طفرہ نظام اور احوال ابی ہاشم اور معنی قائم بالنفس کو کلام کہنا۔ غرض ایسے مسائل کی طرح یہ مسئلہ
بھی ادراک عقل سے باہر اور بے دلیل ہے۔ اشعری کی رائے اس بابت پر ٹھیری ہے۔ کہ

---

[1] تیرنا ۱۲ [2] طمانچہ مارنا ۱۲ [3] چلنا ۱۲ [4] ناچنا ۱۲

قدرت حادثہ اپنے مقدور میں مؤثر نہیں ہوتی۔ اور مقدور اور اُس کی کسی صفت کو واقع نہیں کرتی۔ بلکہ مقدور اپنے جمیع صفات کے ساتھ قدرت قدیمہ سے واقع ہوتا ہے۔ اور اس میں قدرت حادثہ کی کوئی تاثیر نہیں۔ اشعری کے اکثر اصحاب اُس پر اُن کے تابع ہیں۔ اور قاضی ابو بکر کبھی تو اشعری کے مطابق ہو جاتا ہے اور کبھی کہتا ہے کہ قدرت حادثہ ذات کے اثبات و احداث میں مؤثر نہیں ہوتی۔ لیکن وہ مقدور میں ایسے وصف کی مقتضی ہوتی ہے جو اُس کی ذات پر زائد اور اُس کا حال ہوتا ہے۔ پھر کبھی کہتا ہے کہ یہ وصف جو قدرت حادثہ کا اثر ہے۔ اللہ تعالٰی کی مقدور ہے۔ اور اس طور پر ایک مقدور کا دو قدرتوں سے متعلق ہونا اس کے نزدیک محال نہیں۔ ابو الحسن اشعری کے متبعین کے آرا و عبارات کسب کے بارے میں نہایت مضطرب اور باہم بہت مختلف ہیں۔ ان سب کو ابو القاسم سلیمان بن ناصر انصاری نے شرح ارشاد میں ذکر کیا ہے۔ اور انکے طریقوں کا اختلاف و اضطراب بھی بیان کیا ہے۔ اور اس سب کے بعد کہا ہے کہ ہمارے استاد نے مختصر میں کہا ہے۔ کہ کسب کے باب میں اہل حق کے قول کا حاصل یہ ہے کہ وہ بندے کے لئے فعل میں کسی قدرت کو ثابت نہیں کرتے۔ یہ نہیں کہ فعل سے جس طرح بندے کا علم متعلق ہے اور وہ اس کا معلوم ہے اِس طرح قدرت بھی اس سے متعلق ہے اور وہ اس کا مقدور ہے۔ مگر امام نے استاذ کی نسبت یہ کہا ہے کہ وہ قدرت حادثہ کے حدوث میں مؤثر ہونے کے قائل ہیں کیونکہ جب استاذ احوال کی نفی کرتے اور قدرت حادثہ کے لئے اثر ثابت کرتے ہیں تو اس کا مطلب اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ قدرت حادثہ حدوث افعال میں مؤثر ہو۔ اس کے بعد امام نے اپنا مذہب بیان کیا ہے جس کو اُس نے کتاب نظامیہ میں ذکر کیا ہے اور وہ اس مذہب میں اپنے اصحاب سے علیحدہ ہے۔ اور اس کا یہ مذہب معتزلہ کے مذہب کے قریب ہے معتزلہ اور اُس کے درمیان صرف نام کا اختلاف ہے۔ ابو القاسم نے کہا ہے۔ کسب کے باب میں یہ عقدہ جس میں بڑے بڑے عقلمند چکرا گئے ہیں۔ اُس عقدہ کے مشابہ ہے۔ جو ائمہ کے درمیان قرأت اور مقرو کے بارے میں واقع ہے۔ اور امام نے جو کچھ اپنی کتاب نظامیہ میں ذکر کیا ہے وہ بے دلیل نہیں لیکن وہ اس قول میں اور لوگوں سے متفرد ہے۔ ہر شخص کی اپنی اپنی رائے ہوتی ہے۔ اللہ تعالٰی ہم پر اور اُس پر رحم فرمائے۔ میں کہتا ہوں امام نے جو کچھ نظامیہ میں ذکر کیا ہے وہ ابو الحسن اشعری ابن الباقلانی اور انکے متبعین کے اقوال کی

بنسبت اقرب الی الحق ہے۔ اور ہم اُس کے کلام کا لفظ بلفظ ذکر کرتے ہیں۔ امام کا قول ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالے نے عقل سے بہرہ دیا ہے اور وہ تقلید کے درجہ سے نکلکر قواعد توحید پر نظر ڈالے تو اُسے صاف معلوم ہو جائیگا کہ اللہ سبحانہ وتعالے اپنے بندوں پر اُنکی حیاتی دنیا کے اعمال اور ان کے اسباب کی بابت مطالبہ فرمائیگا اور آخرت میں اُن پر اُن کو ثواب یا عذاب دیگا۔ اور اُن نصوص سے کہیں تاویل کی گنجائش نہیں یہ بات ثابت کہ اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کو اُن افعال پر قدرت دے رکھی ہے جنکی بابت وہ اُن سے مطالبہ کریگا اور اپنے اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے باز رہنے کے لئے اُنکے واسطے اسباب پیدا کردئے ہیں اور اگر میں اس مضمون کی آیات کو ذکر کرنے لگوں۔ تو یہ مضمون طویل ہو جائیگا۔ چونکہ سمجھدار اور منصف آدمی کو اس مسئلہ کا یقین حاصل ہوتا ہے لہذا ان آیات کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور جو شخص کلیات شرایع پر نظر ڈالے۔ اوامر کی بجا آوری کی طرف ترغیب دلانے والے اور مہلک گناہوں فواحش سے باز رکھنے والے کلمات پر غور کرے اور اُن حدود اور شرعی سزاؤں کو دیکھے جو بعض گناہوں کے لئے مقرر کی گئی ہیں۔ پھر وعدہ وعید کی طرف توجہ کرے اور سرکش نافرمانوں کے مآل کار کے متعلق جو کچھ انبیا علیہم السلام نے حساب۔ عذاب رسوائی وغیرہ بیان فرمایا ہے اُس کو یقین کرے اور یہ سمجھے کہ اللہ تعالے اُن سے قیامت کے دن فرمائیگا تم نے حد سے تجاوز کیوں کیا۔ تم نے میری نافرمانی کیوں اختیار کی۔ تم نے میرے احکام کا کس لئے انکار کیا۔ میں نے تو تمہاری رسی کو ڈھیلا کر دیا تھا۔ اور تمہیں مہلت دیدی تھی۔ تمہارے پاس اپنے رسول بھیجے تھے اور تم پر حق کا راستہ بالکل واضح اور روشن کر دیا تھا۔ تاکہ لوگوں کے لئے مجھ پر حجت قائم کرنے کا موقع نہ رہے۔ اور ان سب باتوں کو سمجھ کر پھر بندوں کے فعل اُن کے ارادہ۔ قدرت اختیار سے صادر ہونے میں شک کرے تو وہ ضرور مخبوط الحواس فاتر العقل ہے یا تقلید کے جال میں پھنسا ہوا اور اپنی جہالت پر اڑا ہوا ہے۔ غرض اس بات کا قول کرنے میں کہ بندے کے فعل میں اُس کی قدرت کا کچھ دخل نہیں شرائع کے مقاصد کی نفی کرنا اور اُن احکام کی تکذیب کرنا ہے جن کو انبیا علیہم السلام اللہ جلشانہ کی طرف سے لائے ہیں جو لوگ توفیق رشد سے بے بہرہ ہیں اگر وہ یہ کہیں کہ بندے کی قدرت کو اُس کے فعل مقدور میں کوئی دخل نہیں اور جب اُن سے پوچھا جائے کہ جب بندے کو کسی فعل پر قدرت نہیں تو پھر اللہ تعالے نے اس پر بعض فعل حرام اور بعض فرض کس لئے کئے ہیں تو ملیے چوڑے

جواب پیش کریں اور کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جو چاہے وہ کرے کوئی اس پر اعتراض نہیں کر سکتا
لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (وہ جو کرے اس سے سوال نہیں کیا جاتا اور بندوں سے ان کے
اعمال کے بابت باز پرس ہوگی) تو ان کو یہ جواب دیا جائیگا کہ تمہاری تمام تقریر لاحاصل ہے۔
جو آیت تم نے پیش کی ہے اُس کا مطلب بجائے خود صحیح ہے مگر تم غلط سمجھتے ہو۔ بیشک یہ
صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے اور جس کام سے اُس کا ارادہ متعلق ہو اُس کا حکم
صادر فرماتا ہے مگر ساتھ ہی اُس کی یہ بھی صفت ہے کہ خلاف وعدہ اور جھوٹ کہنے سے
منزہ اور پاک ہے۔ یہ بات ہم کو شرع کی قطعی دلیلوں سے معلوم ہو چکی ہے کہ اللہ جلشانہ نے
اپنے بندوں کو ایسے افعال و اعمال کی بجا آوری کا حکم دیا ہے جن کو وہ بجا لا سکتے ہیں اور ان
کو احکام شرعی کے بارے میں کسی ایسی بات کی تکلیف نہیں دی جو ان کی طاقت اور وسعت
سے باہر ہو۔ اور جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ قدرت حادثہ کا اپنے مقدور میں کوئی اثر نہیں
جیسا کہ علم کا اپنے معلوم میں کوئی اثر نہیں تو ان کے نزدیک بندے سے اُس کے
افعال کی بجا آوری کا مطالبہ کرنا بالکل ایسا ہے جیسا اُس سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ
اپنے نفس میں مختلف حالات اور ادراکات پیدا کرے۔ یہ لوگ جبر اعتدال سے نکلکر باطل
اور محال کے قائل ہو گئے ہیں۔ اس سے شریعت کا ابطال اور احکام الٰہی کی تردید لازم آتی
ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس امر کا اقرار کیا جائے کہ قدرت حادثہ اپنے مقدور میں کچھ اثر
پیدا کرتی ہے اور نیز یہ کہ بندہ اپنے افعال کا خالق نہیں اس کا خلاف کرنا سلف اُمت کے
مسلک سے باہر نکلنا اور گمراہی کے گرداب میں پڑنا ہے۔ اور یہ کہنا بھی جائز نہیں۔ کہ
بندے کا فعل اُس کی قدرت حادثہ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت قدیمہ دونوں سے وقوع میں آتا
ہے کیونکہ ایک فعل کا دو قدرت والوں سے صادر ہونا محال ہے۔ اسلئے کہ ایک فعل
میں انقسام تو ہو نہیں سکتا۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وقوع میں آئیگا۔ تو صرف اللہ تعالیٰ
کی قدرت اُس کے صدور کے لئے کافی ہے اور بندے کی قدرت کا اسمیں کوئی اثر نہ ہوگا
اور یہ بھی محال ہے کہ کچھ حصہ اُس کا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صادر ہو کیونکہ ایک فعل کے
لئے حصہ اور بعض نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اسکو صحیح طور پر وہی سمجھ
سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رشد اور توفیق عنایت ہو۔ بندے کو ان دونوں کے
بیچ میں رہنا چاہیئے۔ نہ تو اپنے آپ کو اپنے افعال پر قادر مطلق سمجھے اور نہ اپنے آپ کو ایسا

ہوئے نہیں ٹھیرائے گئے جس سے احکام شرعی کا اس سے مطالبہ کرنا بیکار ٹھیرے۔ اور انبیاء علیہم السلام
کی دعوت کا بطلان لازم آئے اور نہ یہ کہ ایک فعل کے پیدا کرنے میں بندہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا
شریک بنائے کیونکہ یہ سب شرک ہیں۔ الخ اور اسی گرداب سے بچنے کیلئے ہم نے مخلوق بقدرۃ اللہ کی صراحت
اور ذکر کر دینا کافی نہیں۔ اور قابلیت یعنی اور عنوان کو مخلوق بقدرۃ کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر یوں
یوں کہا جائے کہ بندہ کا سبب ہے اور اسکی قدرت کو اثر کسب ہے۔ استعمال کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ
بندے کے مکتسب فعل کا خالق ہے تو اس سے یہ پوچھا جائیگا کہ کسب کیا چیز ہے اور اس کے کیا معنی
ہیں اور پہلے ریب تمام اس قائل کے سامنے پیش کئے جائینگے۔ اور اس کو اس سے بچانے
کے لئے کوئی راستہ نہ ہوگا سوا اس کلام کے جو امام نے کہا ہے کہ ہم یہی کہتے ہیں کہ جو لوگ
صانع کو مانتے ہیں وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ بندے کی قدرت اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور
بندے کے فعل خود اسکی قدرت حادثہ سے وقوع میں آتے ہیں لیکن وہ مخلوق اور مقدر ہونے
کے لحاظ سے اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کئے جاتے ہیں۔ اور اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی
پیدا کی ہوئی قدرت سے جو بندے میں رکھی گئی ہے وقوع میں آتے ہیں بندے کے افعال
کہلاتے ہیں۔ اور وہ قدرت بندے کی صفت اور وہ اللہ کی مملوک اور مخلوق ہے اور جب
فعل اس قدرت سے جو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے وقوع میں آتے ہیں۔ لہذا وہ فعل بھی اللہ
سبحانہ کے مخلوق اور مقدر کئے ہوئے ثابت ہوئے۔ اور اللہ سبحانہ نے بندے کو اختیار دیا ہے
کہ وہ اس کے مطابق اپنی قدرت میں تصرف کرتا ہے سو جب وہ کسی فعل کو اپنی قدرت سے پیدا
کرتا ہے تو وہ فعل اللہ تعالیٰ کے حکم سے واقع ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی
قدرت کے ذریعہ سے وقوع میں آتا ہے اگر گمراہ فرقہ اس بات کو مان لیتا تو انکے اور ہمارے
درمیان کچھ اختلاف باقی نہ رہتا لیکن چونکہ وہ افعال کے پیدا کرنے میں بندے کو مستقل اور منفرد
سمجھتے ہیں اسلئے وہ خود بھی راہ راست سے دور ہو گئے۔ اور اپنے متبعین کو بھی گمراہ کیا۔
دونو مذہبوں کے عقائد میں اختلاف معلوم ہونے سے ہمارے اور انکے درمیان امتیاز حاصل
ہو گیا۔ کیونکہ ہم نے جب بندے کے فعل کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی طرف منسوب کیا۔ اس لئے ہم
نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر کے مطابق جسکو وہی جانتا ہے بندے میں قدرت
پیدا کی ہے اور اس کے افعال کے لئے ایسے اسباب مہیا کئے ہیں جن کی تفصیل سے بندہ
بے خبر ہے۔ اور نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے سے افعال کے صادر کرنے کا ارادہ کیا ہے

اس وجہ سے اُس میں وہ دواعی و اسباب جو اسکو اُن افعال کی طرف کشش کریں اور ارادہ اور اختیار پیدا کیئے ہیں اور اللہ تعالےٰ کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ افعال ایک معلوم انداز پر واقع ہونگے سو جبکہ وقوع میں آتے ہیں تو وہ اس قدرت سے پیدا ہوتے ہیں جسکو بندہ اپنے علم اور ارادے کے مطابق ظاہر کرتا ہے اس وجہ سے بندے اختیار اور قدرت رکھنے کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں اور اس قدرت کو پہلے اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا تھا اور اس قدرت کے تمام مقدورات چونکہ اللہ تعالےٰ کی مشیت، علم، قضا اور خلق سے صادر ہوتے ہیں اس لیئے وہ اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ اس قدرت کا نتیجہ ہیں جس کا خالق وہی ایک اللہ سبحانہ ہے۔ اور اگر اللہ سبحانہ اس قدرت کے مقدورات کے وقوع کا ارادہ نہ فرماتا تو بندے کو اُن پر قدرت نہ دیتا اور نہ اُنکے پیدا ہونے کے اسباب کو مہیا کرتا۔ جو شخص اس بات کو سمجھ لیگا وہ سیدھے راستے پر رہیگا۔ غرض بندہ فاعل مختار ہے۔ افعال کے صادر کرنے کا اُس سے مطالبہ کیا گیا ہے بعض کاموں کی بجاآوری اور بعض سے باز رہنے کا اُسے حکم دیا گیا ہے۔ اور اُسکے فعل اللہ تعالےٰ کی تقدیر سے واقع ہوتے ہیں۔ اور یہ منجملہ اولۂ خلق بالقضا سے ہے۔ اور ہم اس مضمون (کی توضیح) کے لیئے ایک ایسی شرعی مثال بیان کرتے ہیں جس کو صاحب نظر سمجھ کر خوش ہوگا۔ یعنی ہم کہتے ہیں کہ غلام اپنے مالک کے مال میں تصرف کرنے کا مالک نہیں ہوتا اور اگر وہ بدوں اجازت اپنے مالک کے بذات خود تصرف کرے تو اُس کا تصرف نافذ نہیں ہوتا۔ اور اگر مالک اُس کو تصرف کرنے کی اجازت دیدے تو اسکا تصرف نافذ ہو جاتا اور اُس کا یہ تصرف مثلاً بیع شرا اُس کے مالک کی طرف منسوب ہوتا ہے اُسکی وجہ یہ ہے کہ اس تصرف کا سبب مالک کی اجازت اور اسکا اذن ہے کیونکہ اگر اُس کی اجازت نہ ہوتی تو یہ تصرف نافذ نہ ہوتا لیکن غلام کو باوجود اس کے تصرف کرنے کا امر اور اُس سے ممانعت کی جاتی ہے۔ اور اُس کی مخالفت کرنے پر سرزنش اور سزا کا مستحق ہوتا ہے پس اللہ سبحانہ اور اُس کے بندے کے افعال کے متعلق بعینہ یہی حال ہے۔ اس میں کوئی شک شبہ نہیں اور جو اس مثال کو پوری طرح سمجھ لے اُس پر یہ بات بالکل واضح ہو جائیگی مگر گمراہ فرقہ کا یہ اعتقاد ہے کہ بندہ مستقل طور پر اپنے افعال کا خالق ہے پھر جب نافرمانی کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ بندے نے مستقل طور پر اپنا فعل کیا اور پروردگار اُس فعل پر اُس سے ناخوش تھا۔ اس لیئے وہ نافرمان ٹھیرا۔ گویا کہ بندہ اُنکی رائے فاسد کے مطابق اپنی تدبیر میں اپنے پروردگار کا مزاحم اور مقابل ہوتا ہے اور پروردگار کی مشیت ہو یا نہ ہو وہ اپنے ارادہ کے موافق اپنے فعل کو پیدا کرتا

سبب سے مگر یہ سوال کیا جائے کہ قرآن کریم کی اُن آیات کا جن میں طبع ختم اور اضلال کا بیان ہے کیا مطلب ہے۔ حالانکہ اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اشقیا کو اُنکی گمراہی اور ضلالت پر مجبور کرتا ہے تو اُس کے جواب میں ہم یہ کہینگے کہ اللہ تعالیٰ نے اِن اشکال اور اس سوال کے جواب کو ایسا حل کر دیا ہے کہ اُس کے بعد عقلمندوں پر کوئی بات مخفی نہیں رہی۔ سو اوّلاً ہم یہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں کی نسبت اللہ سبحانہٗ نے خبر دی ہے کہ اُس نے اُنکے دلوں پر طبع اور ختم کر دیا ہے وہ لوگ ایمان کے ساتھ مخاطب تھے۔ اور اُن سے اسلام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اور احکام اسلام کی بجاآوری کی اُنکو تکلیف دی گئی تھی۔ اور اُنکی طرف انکو منسوب کیا گیا تھا۔ اور اسکے ساتھ ہی قبول اسلام اور اس کے احکام کے بجالانے کی قدرت اور اختیار اُن کو دیا گیا تھا جیسا کہ یہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور جو شخص یہ اعتقاد کرتا ہے کہ وہ اُنکے بجالانے سے پہلے ہی روکے گئے تھے۔ تو اُس کے نزدیک اُنکی تکلیف کی بالکل یہ مثال ہوگی۔ کہ ایک شخص کے ہاتھ پاؤں مضبوط باندھ کر اُسے دریا میں ڈال دیا جائے اور پھر اُسے یہ کہا جائے کہ دیکھنا اپنے دامن کو یا اپنے آپ کو پانی سے تر نہ ہونے دینا اور یہ ایسا معنی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے شرائع کو اس معنی پر وہی شخص محمول کرتا ہے جو بالکل بیوقوف اور اپنے رب پر جرأت کرنے والا ہو اور اس شخص کے نزدیک امر تکوین میں جیسا اِس آیت میں ہے اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۔ اُس کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس وہ اُس سے (اتنا ہی) فرما دیتا ہے کہ ہو۔ وہ وہ ہو جاتی ہے۔ اور امر تسخیر جیسا كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ (بندر بن جاؤ (کہ جہاں جاؤ) دھتکارے جاؤ) ایسا ہے اور امر تکلیف کے درمیان کچھ فرق نہ ہوگا۔ پس اِن آیات کا صحیح مطلب جس سے اکثر فرقے بے خبر ہیں۔ یہ ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے حق میں بہتری کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اُس کی عقل کو کامل اور اسکی بصیرت کو درست کر دیتا اور اُس سے تمام عوائق اور موانع کو ہٹا دیتا اور نیک لوگوں کو اس کا رفیق بنا دیتا اور حصول خیر کے راستے اُس پر آسان کر دیتا اور لہو میں ڈالنے والی چیزیں اور اسباب غفلت کو اُس سے منقطع کر دیتا اور اُس کے لئے وہ چیزیں مہیا کر دیتا ہے جو اُسے خیر اور عبادت کی طرف قریب کر دیتی ہیں پس وہ اُس خیر کو کرنے لگتا اور وہ اُسکا عادی و خوگر ہو جاتا ہے اور اسکے برخلاف جب کسی بندے کے حق میں شر اور برائی کا ارادہ ہو تو اُسکے لئے وہ اسباب مہیا ہوتے ہیں جو اُسکو خیر سے دور کر دیتے ہیں اور ایسے اسباب موجود ہو جاتے ہیں جن سے وہ اپنی سرکشی میں روز بروز ترقی کرتا رہتا ہے۔ شہوات کی محبت اُس پر غالب آجاتی ہے اور گناہوں میں پڑنا اُسکو بھلا معلوم ہوتا ہے اور جب نفسانی خواہشیں اُس پر پورا قبضہ کر لیتی

میں۔ تو مضمون خیر کے اسباب کمزور ہو جاتے ہیں اس لئے وہ ہمیشہ شرارت اور برائی میں پڑا اور اپنی نفسانی خواہش
میں ڈوبا رہتا ہے جو مسادی ہیں۔ اور شیطان اور نفس امارہ ان کے مساعد ہو جاتے ہیں رفتہ رفتہ اس
کے دل پر ظلمت کا پردہ چڑھ جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ہوتا ہے۔ یہ مقدر تھا۔ یہی غفلت
اس آیت میں طبع ختم اور رین ہے۔ اور میں اس مضمون کو ایک مثال سے اور پر بیان کرتا ہوں۔
مثلاً ایک نوجوان جس نے ابھی کسی مذہب کی پابندی سے تہذیب کا سبق حاصل نہیں کیا اور
نہ وہ تجربہ کار ہے اور امیر ہے اور اس کے پاس نوکر غلام اور عیش و عشرت کے سامان موجود ہیں۔ اور
باوجود ان سب باتوں کے وہ حسین اور خوبصورت بھی ہے اور کوئی اس کا ایسا نگران حال نہیں ہے
جو اسکو گرداب ہلاکت میں پڑنے اور شہوات کے جال میں پھنسنے سے بچا سکے اور اسکے ساتھ برے
خیالات کے لوگ رفیق ہیں اور وہ اپنے جوانی کے نشہ میں یہ خیال کرتا ہے کہ وہ دیر تک زندہ رہیگا۔
تو ایسا شخص اگر برے لوگوں کی خصلتیں اختیار کرے اور بالکل بے باک اور مطلق العنان ہو جائے۔ تو
کیا بعید ہے مگر باوجود اسکے کہ اس کو اختیار اور قدرت حاصل ہے اور وہ بدکاریوں گناہوں اور افعال
قبیحہ کے کرنے پر مجبور نہیں اور نہ طاعات اور اچھے کام کرنے سے جبراً ہٹا دیا گیا ہے بلکہ وہ اپنی عقل
سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ اگر وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کریگا تو وہ ملامت اور سزا کا مستحق ٹھیریگا۔ پس ایسے
شخص کو اگر احکام کی تکلیف دی جائے تو عقل کی رو سے کوئی محال نہیں کیونکہ وہ خیرات کرنے سے روکا
نہیں گیا۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی قضا سابق میں اس کے حق میں برائی ہے۔ تو اس کا خاتمہ اللہ تعالیٰ
کے حکم سابق اور اسکی قضائے فیصل کے موافق برائی پر ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی حجت اس پر قائم ہوگی
ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اسے ڈھانپ لے جو ارحم الراحمین ہے تو اس کی نجات بھی ہو سکتی ہے
جو کچھ ان آیات کے مضمون کے متعلق میں نے بیان کیا ہے بالکل صاف اور واضح ہے جس کو اللہ تعالیٰ
کی توفیق راہنما ہو وہ اس میں شک نہیں کریگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ
بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ (پھر اس کے بعد تمہارے دل ایسے سخت ہو گئے کہ گویا وہ پتھر ہیں
بلکہ ان سے بھی سخت تر) اللہ تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ یعنی کفار مخالفت پر جمے اور نافرمانی
کرنے پر اڑے رہے۔ اسلئے ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور مقام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا
تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا (اور ایسے شخص کا کہا ہرگز نہ مان جس کے دل کو ہم نے اپنی
یاد سے غافل کر دیا ہے) تمام امور نفع اور ضرر خیر اور شر کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے اور تکالیف و
احکام کے اثبات اور اصول و قواعد شریعت کے بیان کے بارے میں نہایت معقول طور پر ہم بحث کر چکے

ہیں۔ کیا ہی اس شخص کی نسبت جو طبع اور ختم۔ کے یہ معنی قرار دیتا ہے کہ وہ لوگ یعنی کفار نیرات کے کرنے سے جبراً روکے گئے۔ اور اپنے زعم میں تکالیف شرع کو بیکار ٹھیرا تا ہے راہ راست پر نہیں اور دیرا قول اسکے قول سے صحیح نہیں ہے ضرور صحیح ہے۔ اس مسئلہ میں لوگوں کے کئی مذہب اور معتقد فرقے ہیں۔ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ کفار ایمان لانے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبراً روکے گئے ہیں وہ اعیانِ حق کی بات سننے پر قدرت نہیں رکھتے۔ اور اوجود اس کے وہ ملزوم ہیں۔ انہوں نے یہ بات بڑی اور نہایت غلط بات کہی ہے۔ شرع الٰہی پر طعن اور دعوات انبیاء کا ابطال کیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ الآیہ (اور جب لوگوں کے پاس (خدا کی طرف سے) ہدایت آپہنچی تو ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا اور کوئی بات مانع نہیں ہوئی۔ آخر آیت تک) اور ابلیس سے فرمایا تھا وَمَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ (تجھ کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے باز رکھا) خطرات کے مقام میں اللہ تعالیٰ کی نسبت سوءِ ظن کرنے سے ہم اسکی پناہ مانگتے ہیں اور کئی گمراہ لوگ اس طرف گئے ہیں۔ کہ بندہ نافرمانی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ اس سے ناخوش ہوتا ہے مگر بندہ جو چاہے کر گزرتا ہے۔ گو خدا کی مشیت نہ ہو۔ یہ بات بھی نہایت غلط اور بحکام الٰہی میں خبط کرنا ہے۔ اور پروردگار کے ساتھ مقابلہ اور مزاحمت کی صورت ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کفار و فجار سے اُن افعال کے صدور کا ارادہ نہ کرتا جن کو وہ ازل میں جانتا تھا۔ تو سرے سے انکو پیدا ہی نہ کرتا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ یہ لوگ پیدا ہو کر میرے حکم کے برخلاف ایسے افعال کرینگے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو پیدا کر کے اُن کے قویٰ کو کامل بنایا۔ اور ہر قسم کے سامان و اسباب ان کاموں کے واسطے انکے لئے مہیا کئے اور ان پر ان کاموں کے کرنے اور حق سے دور رہنے کے راستے آسان کر دئے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادے کے برخلاف ان سے یہ کام کیسے صادر ہوئے۔ اگر کوئی یہ کہے۔ کہ ایسے لوگوں کو اس لئے پیدا کیا اور انکے قویٰ کامل بنائے۔ کہ وہ اسکی اطاعت کرینگے۔ ہم کہتے ہیں یہ بات ہرگز کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اُسے تو پہلے معلوم تھا کہ یہ لوگ پیدا ہونے کے بعد میری نافرمانی کرینگے۔ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالینگے۔ میرے انبیاء و اولیاء کی مخالفت کرینگے۔ اور ایسے شقی ہونگے۔ جو کبھی راہِ راست پر آئینگے۔ اگر کسی آقا اور مالک کو کسی نبی کے بتلانے یا وحی کے ذریعہ سے معلوم ہو کہ اگر وہ اپنے غلام کی مال سے مدد کریگا تو وہ سرکش ہو جائیگا اور بھاگ کر راہزنی کرنے لگیگا۔ باینہمہ اس کے وہ اپنے غلام کو اس ارادہ سے بہت سا مال دیدے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا غلام

مال سے مسجدیں اور پل بنوا دے اور ساتھ ہی یہ بھی کہے۔ کہ مجھے معلوم ہے کہ میرا غلام کوئی نیک کام نہیں کریگا۔ بلکہ مال کو بُرے کاموں میں برباد کریگا۔ تو کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ یہ مالک اپنے غلام کی اصلاح چاہتا ہے بلکہ وہ اُس کو بگاڑنا چاہتا ہے۔ یہ دو گروہ حق سے دور اور راہِ صواب سے بھٹک گئے ہیں۔ ایک نے تو قواعد شرعیہ پر اعتراض کیا دوسرے نے احکام خدائی کا مقابلہ کیا۔ اور جن لوگوں کی توفیق ایزدی نے دستگیری کی اُنہوں نے میانہ روی اختیار کی۔ اور کہا کہ جو افعال بد بندوں سے صادر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالےٰ کو پہلے سے معلوم ہیں۔ اور وہ اسکے ارادے و مشیت سے وقوع میں آتے ہیں۔ لیکن باوجود اسکے انکو قدرت دی ہے کہ اُن کو چھوڑ کر نیک کاموں کو اختیار کریں۔ اس طرح کہنے میں شریعت بھی قائم رہتی ہے۔ اور احکام الٰہیہ کے متعلق عقیدہ بھی ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے۔ کہ اللہ تعالےٰ جو حکیم ہے وہ ایسے بیہودہ اور لغو کاموں کا ارادہ کس طرح کرسکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ نفس افعال اُس شخص کی نسبت جو ان سے منتفع و متضرر نہیں ہوتا یکساں ہیں لیکن جب اللہ تعالےٰ نے بتلادیا ہے کہ اُس نے اپنے بندوں کو مکلف بنایا اور اُن سے بجا آوری احکام کا مطالبہ کیا اور اُن کے عذروں کو دُور کر دیا ہے تو پھر اللہ تعالےٰ کا فرمان بجا اور اُس کا کلام برحق ہے۔ اور ان لوگوں کی نہایت قوی دلیل جس سے معارضہ کرتے ہیں یہ ہے کہ اگر کوئی داتا آدمی اپنی لونڈی غلاموں کو دیکھے۔ کہ وہ آپس میں خلط ملط ہوتے ہیں اور وہ انکی ناشائستہ حرکات کو بچشم خود دیکھ رہا ہے۔ تو وہ ان کو اُس حالت پر چھوڑ دینا پسند نہیں کرتا۔ اور اللہ سبحانہٗ بدکاروں کی عام بدکاریوں پر مطلع ہو کر اُن کو ان سے باز نہیں رکھتا۔ بلکہ ان کو دن بدن ترقی اور استدراج حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد امام نے کہا ہے۔ کہ اپنے فہم کے مطابق جو کچھ معلوم ہوا تھا میں نے ظاہر کر دیا ہے۔ اور اگر مجھے اس علم کے حاصل کرنے میں کوئی ایسا شخص ملجائے جو اِس باب کو تفصیل سے سمجھا دے۔ تو مجھے اُس اللہ کی قسم ہے جو ہر نفس کے اعمال پر حافظ ہے۔ کہ وہ شخص تمام دُنیا کی سلطنت سے میرے نزدیک زیادہ محبوب ہو گا امام کا کلام بالفاظہٖ ختم ہوا۔ امام کا مسلک دونو فریق کے مسلک کے مابین ہے اور یہ بہت اچھا مسلک ہے۔ مگر اس کے اکثر شاگردوں نے اِس مذہب کو ناپسند کیا ہے۔ جن میں سے انصاری شارح ارشاد وغیرہ بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام کا مذہب معتزلہ کے مذہب کے قریب قریب ہے معتزلہ کے مذہب اور امام کے مذہب میں صرف لفظی فرق ہے۔ اور یہ مذہب صرف امام کا مذہب ہے اس کے ساتھ اور کوئی شخص موافق نہیں۔ امام کے مذہب کے متعلق چند امور قابل ذکر ہیں۔ اوّل یہ کہ

اُس نے اپنے اس قاعدہ کی بنا پر (کہ اللہ تعالےٰ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہ اُس کی محبوب ہوتی ہے۔
اور نیز اگر اُس نے کفر۔ فسق اور عصیان کو مقدر کیا ہے تو یہ بھی اُس کے مراد و محبوب ہیں اور اُن کو وہ ناپسند
نہیں رکھتا گو بندے کی اپنی قدرت اور اختیار جبکہ اللہ سبحانہٗ اُس کو قدرت دیدے۔ اُس کے فعل
کے ایجاد میں مؤثر ہیں) یہ کہا ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے جن معاصی کو مقدر کیا ہے اُن کو وہ ناپسند نہیں
رکھتا۔ اس قاعدے میں اتنی بات تو صحیح ہے کہ بندے کی قدرت اور اُس کا اختیار جب اللہ اُسے
قدرت دیدے اُسکے فعل کے ایجاد میں مؤثر ہیں۔ لیکن یہ کہنا کہ اللہ سبحانہٗ کفر۔ فسق اور عصیان
کو جب وہ واقع ہوں محبوب رکھتا ہے اور یہ اُسے ناپسند نہیں نہایت باطل اور بالکل غلط اور
صریح عقل اور نقل کے خلاف ہے اور امام کے اس امر کے قائل ہونے کا باعث یہ ہے کہ اُس نے
محبت اور ارادہ اور مشیت کو ایک سمجھا ہے اور یہ خیال کیا ہے کہ جس چیز سے اللہ سبحانہٗ کی مشیت
متعلق ہو وہ اسکی مراد و محبوب ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص محبت اور مشیت میں فرق نہ سمجھیگا
وہ باطل اور غلط باتوں میں سے ایک بات کا وہ ضرور قائل ہوگا یا تو یہ کہیگا اللہ سبحانہٗ کفر۔ فسق
اور عصیان کو محبوب رکھتا ہے یا یہ کہیگا کہ جو کفر۔ فسق اور معاصی وقوع میں آتے ہیں۔ یہ اللہ کی
مشیت اور قدرت سے باہر ہیں۔ چنانچہ اِن دونو باتوں میں سے ہر ایک بات کا ایک گروہ
قائل ہے ایک گروہ تو کہتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ اِن امور کو محبوب و پسند نہیں رکھتا۔ اور نہ اُس نے
ان کو مقدر کیا ہے اور نہ اُن سے اُس کی مشیت متعلق ہے۔ اور ایک جماعت کا قول ہے کہ
یہ اُس کی مشیت اور ارادہ سے واقع ہوتے ہیں۔ اور وہ اُن کو محبوب و پسند رکھتا ہے۔ اِس قاعدہ
میں کہ مشیت ارادہ اور محبت ایک چیز ہیں۔ یہ دونو گروہ متفق ہیں۔ لیکن اِس کے ثمرہ اور لازم میں
باہم مختلف ہیں۔ حالانکہ اللہ سبحانہٗ نے اُن لوگوں پر جو اُس کی مشیت سے اُسکی محبت پر استدلال
کرتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ جس چیز سے اُس کی مشیت متعلق ہو وہ اُس کی محبوب ہوتی ہے۔ اپنی
کتاب میں تین جگہ رَدّ فرمایا ہے یعنی سورۂ انعام۔ نحل اور زخرف میں فرمایا ہے سَیَقُولُ الَّذِینَ
اَشْرَکُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ کَذٰلِکَ
کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَکُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ
لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ (مشرکین سے کچھ بعید نہیں کہ یہ
حجت پیش کریں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا (ایسا کرتے) اور نہ ہم کسی (حلال)
چیز کو (از خود اپنے اوپر) حرام کرتے اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں (پیغمبروں کو) جھٹلاتے

رہے یہاں تک کہ آخرکار ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) پوچھو کیا تمہارے پاس کوئی (کتابی) سند بھی ہے کہ اس کو ہمارے (دکھانے کے) لئے نکالو۔ اور میش اگر سند تو تمہارے پاس کچھ ہے نہیں (بڑے) وہموں پر چلتے اور نری اٹکلیں ہی دوڑاتے ہو۔

اور سورہ نحل میں ہے۔ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۔ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں انہوں نے بھی ایسا ہی حیلہ حوالہ کیا۔ تو پیغمبروں پر بس اس کے سوا کہ احکام خدا کو صاف طور پر پہنچا دیں اور کچھ ذمہ واری نہیں)۔

اور زخرف میں ہے۔ وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَٰنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ ۗ مَا لَهُمْ بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ (اور کہتے ہیں کہ (خدائے) رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے۔ ان کو معاملہ تقدیر کی کچھ خبر تو ہے نہیں نری اٹکلیں دوڑا رہے ہیں)۔

مشرکین نے اس بات پر کہ اللہ ان کے شرک کو محبوب و پسند رکھتا ہے اس طرح استدلال کیا کہ اللہ سبحانہ نے انکو اس فعل پر ثابت رکھا ہے اور اگر وہ اس فعل کو محبوب و پسند نہ رکھتا تو ہم سے اس کی مشیئت متعلق نہ ہوتی اور نہ ان سے صادر ہو سکتا۔ مشرکین نے اپنے اس باطل اعتقاد کو اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کا خلاف اور معارضہ کیا اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو نہ مانا اور کہنے لگے کہ نبی ہم کو ایسی چیز کا کس طرح حکم کرتا ہے جو اس چیز کی ضد اور مخالف ہے کہ جس کے ساتھ ہماری نسبت اللہ تعالیٰ کی مشیئت متعلق ہو چکی ہے۔ اور نیز وہ ایسی چیز کو کیسے ناپسند سمجھتا ہے جس کے وقوع کے ساتھ اس کی مشیئت اس طرح متعلق ہو چکی ہے کہ وہ ہم سے وقوع میں آئیگا۔ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ کام پسند نہ ہوتا تو وہ ہم کو اس پر قادر نہ کرتا۔ اور ہمارے اور اس کام کے درمیان حائل ہو جاتا۔ پس اللہ سبحانہ نے انکے اس خیال باطل کی تکذیب فرمائی۔ اور بتلایا کہ یہ میرے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں۔ میرے سب رسول اس امر پر متفق ہیں کہ اللہ سبحانہ کے نزدیک مشرکین کا شرک نہایت ناپسند اور مبغوض اور بری چیز ہے اگر وہ اس کو ناپسند نہ رکھتا۔ تو وہ مشرکین کو معذب نہ کرتا کیونکہ وہ اپنے بندے کو ایسے کام پر عذاب نہیں دیتا جو اسے محبوب و پسندیدہ ہو۔ پھر اللہ سبحانہ نے ان سے دلیل کا مطالبہ کیا ہے کہ اگر تم اپنے اس زعم باطل میں کہ اللہ تعالیٰ نے شرک کی اجازت دی ہے اور وہ اس کو محبوب و پسند رکھتا ہے سچے ہو تو کوئی دلیل اور سند لاؤ۔ رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس فعل پر اپنی تقدیر کے موافق ثابت رکھا۔ اس سے کوئی عقلمند یہ استدلال نہیں کر سکتا۔ کہ شرک، معاصی اللہ کے نزدیک محبوب و پسندیدہ ہیں ورنہ ظلم۔ فواحش فساد فی الارض فتنہ انگیزی بغاوت وغیرہ تمام برائیاں اللہ کے نزدیک محبوب و پسند ہو جائینگی پھر اللہ سبحانہ

نے یہ بتلایا ہے۔ کہ انکو نہ ان کی بنا صرف ظن پر ہے۔ اور ظن اکذب الحدیث ہے۔ اسلئے وہ کاذب اور اٹکل سے باتیں بنانے والے ہیں۔ اسکے بعد اللہ سبحانہ نے بتلایا ہے کہ میری حجت ان پر دو طرح سے ثابت ہے۔ اول اس لئے کہ میں نے انکو وہ عقل عطا فرمائی ہے جس سے وہ بھلی بری چیز جھوٹ اور سچ کے درمیان تمیز کر سکتے ہیں پھر انکو کان سب قویٰ دیئے ہیں جو اشیاء کے ادراک کا ذریعہ ہیں اور جن سے حق و باطل کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں۔ دوسرا اس لئے کہ میں نے انکے پاس اپنے رسول بھیجے۔ اپنی کتابیں نازل کیں اور ان کو ایمان لانے اور اسلام اختیار کرنے کی قدرت دی۔ اللہ سبحانہ نے صرف ایک وجہ سے ان کو مستحق مواخذہ و عذاب نہیں ٹھیرایا بلکہ اپنے کمال عدل اور ان کے ہر طرح کے عذر دور کرنے کیلئے دونوں قسم کے ذرائع مہیا کرنے کے بعد ان کو معذب بنایا اور اسی لئے اللہ سبحانہ نے اپنی حجت کا نام حجت بالغہ رکھا ہے یعنی وہ بیان اور وضاحت کے منتہی کو پہنچ گئی ہے جس کے ہوتے کسی شخص کے لئے کوئی بات کہنے کی گنجائش اور کسی عذر کرنے والے کے لئے کوئی عذر پیش کرنے کا موقع نہیں ہے۔ اور جو شخص اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں اپنا واقعی اور سچا عذر پیش کرے۔ اللہ سبحانہ اس کو قبول فرمالیتا ہے۔ پھر اللہ سبحانہ نے آخری آیت کو جملہ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (اگر وہ چاہتا۔ تو تم سب کو راہ راست پر لگا دیتا) پر ختم کر دیا ہے۔ کہ کوئی شے اس کی مشیت بغیر وقوع میں نہیں آتی۔ اور یہ بھی اس کی حجت بالغہ کا تتمہ ہے کیونکہ جب کوئی چیز اس کی مشیت نہ ہونے کے سبب ظہور میں نہ آئی یعنی مشیت کے عدم سے اس کا عدم ہوا۔ تو اس کی مشیت کے وجود سے اس کا وجود ضروری ہوگا۔ پس جس چیز سے اللہ تعالےٰ کی مشیت متعلق ہوگی۔ وہ ظہور میں آئیگی اور جس سے اس کی مشیت متعلق نہ ہوگی وہ ظہور میں نہ آئے گی۔ یہ دلیل توحید کے اثبات اور شرک اور بت پرستی کے ابطال کی بڑی بھاری اور کھلی دلیل ہے پس مشرکین نے جس دلیل سے اللہ کی مشیت سے اپنے شرک کرنے پر استدلال قائم کیا تھا۔ وہی دلیل انکے استدلال کے بطلان اور فساد کو کھلے طور پر ظاہر کرتی ہے۔ اگر وہ اللہ تعالےٰ کی تقدیر اور مشیت کو اس کی توحید ماننے اور اس کی بارگاہ میں اپنا احتیاج اور التجا اور اپنی طاقت و قوت سے براءت اور اس کی طرف اس بات کی رغبت ظاہر کرنے کے طور پر ذکر کرتے کہ وہ ان سے وہ قصور معاف کر دے جن کے وقوع سے اگر اس کی مشیت متعلق نہ ہوتی تو وہ کبھی وقوع میں نہ آتے تو یہ امر ان کے لئے نافع ہوتا اور ان کے واسطے ہدایت کا دروازہ

کھول دیتا لیکن مشرکین نے تو اللہ کی تقدیر و مشیت کو اُس کے امر کا مقابلہ کرنے اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے ابطال کی غرض سے ذکر کیا۔ جس سے وہ اور زیادہ گمراہ ہوئے مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے اپنی محبت اور مشیت میں فرق بتلا دیا ہے۔ ابو الحسن اشعری نے اس امر پر کہ اللہ سبحانہٗ کی محبت اور مشیت میں فرق ہے۔ اپنے مقالات میں اہل سنت اور حدیث کا اتفاق نقل کیا ہے۔ اور ابن فورک نے اپنی کتاب تجرید میں ابو الحسن اشعری سے نقل کیا ہے کہ وہ محبت اور مشیت میں فرق بتلاتے تھے۔ اور دوسرے حبّت۔ ارادہ۔ مشیت۔ اور رضا میں کچھ فرق نہیں کرتے تھے اور وہ اس بات کے قائل نہ تھے۔ ان میں سے کوئی صفت کسی کام سے متعلق ہو۔ اور دوسری اُس سے متعلق نہ ہو بلکہ یہ سب ایک ہی ہیں۔ اور ایک دوسری کی ہم معنی و مرادف ہیں مگر ان کے کسی چیز سے متعلق ہونے کے ساتھ ایک ایسی قید ہوتی ہے جس سے ابہام دور ہو جاتا ہے مثلاً یہ کہ مومن اللہ کا محبوب ہے جبکہ اُس کے علم میں اُس کا مومن اور اہل خیر سے ہونا ہے اور اسی طرح جب کافر کا اُس کے علم میں کفار اور اہل شر سے ہوتا ہے۔ تو اُس کا کفر ہی مراد ہے۔ غرض ہر ایک چیز کو وہ یہی چاہتا ہے کہ جس طرح وہ اُس کے علم میں ہے اسی طرح وقوع میں آئے۔ رضا۔ اصطفا۔ اور اختیار کے متعلق بھی ابو الحسن کی یہی رائے تھی کہ ان میں کچھ فرق نہیں۔ مگر قید مذکور کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ مطلب میں غلطی واقع نہ ہو۔ صاحب تجرید مقالات اشعری کا کلام ختم ہوا۔

تمام اہل سنت۔ محدثین۔ فقہاء۔ جمہور متکلمین اور صوفیہ کا یہ مذہب ہے۔ کہ اللہ سبحانہٗ کے نزدیک بعض اشیاء۔ افعال۔ صفات مکروہ و ناپسندیدہ ہیں۔ گو وہ اسکی مشیت ہی سے وقوع میں آتے ہیں۔ مگر وہ اُس کی بارگاہ میں مبغوض و ناپسندیدہ ہیں جیسے ابلیس اور اُس کے لشکر سے اللہ تعالےٰ کو عداوت اور دشمنی ہے۔ اور نیز اُن کے اعمال سے بغض و نفرت ہے۔ گو وہ اُس کی مشیت سے وقوع میں آتے ہیں مگر وہ انکو پسند نہیں رکھتا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (اللہ فساد کو پسند نہیں رکھتا) اور فرمایا ہے وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا) وقال تعالےٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔ (اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اترانے (اور) بڑائی مارنے والے ہیں) وقال تعالےٰ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (اللہ کو پسند نہیں کہ کوئی کسی کو منہ پھوڑ کر برا کہے مگر جس پر کسی طرح کا ظلم ہوا ہو) وقال تعالےٰ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (اور زیادتی نہ کرنا اللہ کسی طرح زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا) وقال تعالٰی اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (اگر تم (خدا کی) ناشکری کرو تو اللہ تم سے بے نیاز (مطلق) ہے اور اپنے بندوں کے لئے ناشکری کو پسند نہیں کرتا) ❖

اللہ سبحانہ نے ان آیات میں بتلا دیا ہے کہ وہ ان اشیاء وصفات وافعال کو پسند نہیں رکھتا۔ اور نہ ان کے وقوع کے بعد وہ ان سے خوش و راضی ہوتا ہے۔ اور ان آیات سے اس شخص کے قول کا صریح ابطال ہو جاتا ہے۔ جو ان آیات کا یہ معنی قرار دیتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ ان چیزوں کے صدور کو جس شخص سے ابھی صادر نہیں ہوئیں پسند نہیں کرتا اور یہی چیزیں جب وقوع میں آ جائیں تو اسکی محبوب و پسندیدہ ہو جاتی ہیں یعنی یہی چیزیں جب کسی شخص سے وقوع میں آ جائیں تو اللہ کی محبوب و پسندیدہ ہیں اور جس شخص سے وقوع میں آئی ہوں تو قبل وقوع اللہ انکو محبوب و پسندیدہ نہیں رکھتا۔ اس شخص کا یہ قول باطل اور اللہ تعالٰی پر افتراء ہے بلکہ یہ چیزیں قبل از وقوع اور بعد وقوع ہر حال میں اللہ تعالٰی کے نزدیک مبغوض و ناپسندیدہ ہیں۔ کیونکہ یہ اشیاء قبائح وخبائث ہیں۔ اور اللہ سبحانہ قبیح اور خبیث کی محبت سے منزہ و پاک ہے بلکہ قبیح وخبیث اللہ تعالٰی کو نہایت ناپسند ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے۔ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا (اے پیغمبر ان سب باتوں میں جو بُری ہیں سب ہی تو تمہارے پروردگار کے نزدیک ناپسند ہیں) اللہ سبحانہ نے تو یہ بھی بتلا دیا ہے کہ وہ منافقین کی طاعات بھی پسند نہیں رکھتا۔ اسی لئے ان کو ان سے باز رکھتا ہے۔ پس وہ ان کے نفاق کو کیسے پسند رکھیگا۔ اور منافقین اس کے محبوب و برگزیدہ کیسے ہونگے اسی باطل قاعدہ کی بنا پر اس شخص نے یہ کہا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کے نزدیک سب افعال یکساں ہیں اور افعال بجائے خود حسن اور قبیح کی طرف منقسم نہیں۔ پس اللہ سبحانہ کے نزدیک شکر اور کفران میں کوئی فرق نہیں۔ اسی واسطے اس خیال کے لوگوں نے کہا ہے کہ عقل کے رو سے اللہ تعالٰی کی نعمتوں کا شکر واجب نہیں۔ اور اسی قاعدہ کی بنا پر کہا ہے کہ اس کی مشیت عین محبت ہے اور جس چیز سے اس کی مشیت متعلق ہو تو وہ اسکی محبوب و پسندیدہ ہے۔ اس قاعدہ کے گھڑنے کے بعد وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالٰی ان اشیاء وافعال کو جو اس نے پیدا کئے ہیں مبغوض و ناپسند رکھتا ہے اور بعض چیزوں کو پسند و محبوب۔ بلکہ جو چیز اس نے بنائی اور پیدا کی ہے وہ اس کی محبوب پسندیدہ ہے۔ اور جس چیز سے اس کی مشیت متعلق نہیں ہوتے اور نہ اسکو پیدا کیا ہے۔ تو وہ اس کے نزدیک مبغوض و ناپسندیدہ ہے۔ یہ قاعدہ ان لوگوں نے اس لئے گھڑا ہے کہ وہ اپنے زعم میں اس قاعدہ کے رو سے تقدیر کی محافظت کرتے یعنی اس کے ماننے میں سر مو فرق نہیں کرتے۔ مگر انہوں نے اس

قاعدہ سے شرع اور تقدیر دونوں پر ہاتھ صاف کیا۔ اور اسکی رو سے ایسے امور کا التزام کیا کہ جس سے تقدیر
اور حکمت دونوں سے انکار ثابت ہوا۔ اور شرع و عقل کا خلاف کیا۔ سب سے بڑے اور سب سے اچھے
کام کی فی الواقع مساوات کے قائل ہوئے اور کہا کہ ان دونوں میں سے اسکے کہ ایک کے کرنے
کا حکم ہے اور دوسرے سے منع ہے۔ سو بجز رسم شرع کا امر ہے کوئی فرق نہیں۔ پس ان کے نزدیک جھوٹ۔
ظلم۔ تعدی اور بغاوت فی الواقع صدق۔ عدل اور احسان کے مساوی ہیں۔ صدق۔ عدل اور احسان
میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی وجہ سے ان کو حسن کہا جائے۔ اور ظلم۔ جھوٹ میں کوئی
ایسی چیز نہیں ہے جس کی رو سے انکو قبیح قرار دیا جائے۔ اور اس مذہب کو اہل سنت کی علامت ٹھیرایا
ہے۔ اور جو لوگ اس کے برخلاف قائل ہیں انکو اہل بدعت قرار دیا ہے۔ جیسے فرقہ معتزلہ وغیرہ
مگر حق یہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ قول تمام اقوال سے زیادہ باطل اور عقل۔ شرع اور فطرۃ اللہ سے جس
پر اللہ تعالے نے مخلوق کو پیدا کیا ہے نہایت سخت مخالف ہے اور میں نے اپنی کتاب مفتاح میں
قریباً پچاس دلیلوں سے اسے باطل کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب اس قاعدہ کے ساتھ امور ذیل
ذیل سو شامل ہوگئے (ا) اللہ سبحانہ کسی چیز کو مبغوض و محبوب نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کے نزدیک ہر موجود
محبوب اور ہر معدوم مکروہ ہے (ب) اللہ سبحانہ کے افعال کے لئے نہ کوئی غایت مطلوب ہے
اور نہ وہ کسی حکمت پر مبنی ہیں۔ (ج) اللہ سبحانہ نے کسی چیز کو کسی چیز کا سبب نہیں بنایا۔ اور نہ اشیاء
وافعال کے لئے کوئی اسباب بنائے ہیں (د) قوی طبائع۔ غرائز کوئی چیز نہیں اور نہ ہی کسی
شئے کے واسطے سبب ہوتے ہیں۔ اور نہ ان کا کوئی اثر و فعل ہے۔ تو ان لوگوں پر مسائل
تقدیر میں صواب تک پہنچنے کا راستہ بند ہوگیا۔ اور ان اصول باطلہ کی بنا پر ایسی صریح۔ باطل اور
ظاہر الفساد امور کو مانا اور اقرار کیا کہ یہی امور ان اصول کے غلط اور فاسد ہونے کی نہایت
زبردست دلیل ہیں۔ کیونکہ لازم کا فساد ملزوم کے فساد کو مستلزم ہے۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے۔ کہ
کراہت اور محبت کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز سے طبیعت کو نفرت یا کسی چیز سے موافقت اور الفت
ہو پس یہ صفات اللہ سبحانہ کے حق میں جو طبع اور نفرت اور موافقت طبع سے منزہ ہے کس
طرح متصور ہو سکتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نصوص صریحہ میں آچکا ہے کہ بعض اشیاء سے محبت
رکھنا اور بعض چیزوں کو مکروہ جاننا اللہ سبحانہ کے صفات میں سے ہے۔ پس ان آیات کے حقیقی
معنی کو منافرت طبع یا ملائمت یعنی موافقت طبع کے ساتھ تعبیر کرنا باطل ہے اور یہ تعبیر درحقیقت اسکی
صفت محبت و کراہت کا انکار کرنا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو اللہ تعالے کے اسماء و صفات کے

حقائق سے منکر ہیں۔ اور ان کو ایسی عبارات اصطلاحی سے تعبیر کرتے ہیں جن سے اُن صفات کی نفی لازم آتی ہے جن کے ساتھ اللہ سبحانہ نے اپنی ذات مقدس کو موصوف فرمایا ہے۔ جیسے معطلہ نے کلام اللہ تعالیٰ کے لئے۔ کہ صفات کا نام اعراض رکھا۔ اور پھر انکے اعراض ہونے کی وجہ سے انکا انکار کیا۔ اور جیسے کہ اس کے افعال قائمہ بالذات کا نام حوادث ٹھیرایا اور پھر اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ محل حوادث نہیں ہو سکتا اسکے افعال کے منکر ہو گئے۔ معطلہ اس خیال سے کہ اعراض اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتے اللہ تعالیٰ کے صفات کے منکر ہو گئے اللہ کے صفات عُلو علی الخلق۔ استواء علی العرش۔ اور اپنے بندوں پر غالب ہونے کا نام تحیز اور تجسم (یعنی مکان میں ہونا اور صاحب جسم ہونا) ٹھیرایا۔ اور پھر صفات مذکورہ یعنی عُلو علی الخلق و استواء علی العرش کا انکار کیا۔ اور اللہ سبحانہ نے جو الفاظ اپنی ذات مقدس کی نسبت جیسے وجہ۔ یدین۔ اصبع (چہرہ۔ ہاتھ۔ اُنگلی) بیان فرمائے ہیں ان کا نام اعضا اور جوارح ٹھیرایا۔ پھر ان صفات کا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے ثابت فرمائے ہیں۔ ایسا نام ٹھیرانے کی وجہ سے جو درحقیقت ان کا یہ نام نہیں ہے انکار کیا۔ اِنْ هِيَ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى (یہ تو نرے نام (ہی نام) ہیں جو تم نے اور تمہارے بڑوں نے (اپنی طرف سے) رکھ لئے ہیں خدا نے تو اُن کے معبود ہونے کی کوئی سند اُتاری نہیں۔ یہ لوگ تو بس اٹکل اور (اپنی) نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں۔ اور طرہ یہ ہے کہ) ان کے پروردگار کی طرف سے انکے پاس ہدایت بھی آچکی ہے (اس پر بھی نہیں مانتے)۔ غرض تشبیہ۔ تجسیم۔ ترکیب۔ حوادث۔ اعراض اور تحیز کی وجہ سے اُسکے صفات کمال و نعوت جلال کے منکر ہو گئے اور کہا کہ ایسے الفاظ جو اللہ کے صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کا کوئی معنی نہیں۔ اور نہ اُنکے مفہوم کی کوئی حقیقت ہے۔ پس ہم اُس شخص سے جو میل اور نفرت طبع کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی صفت محبت و کراہت کا انکار کرتا ہے یہ پوچھتے ہیں کہ تمہارے مذہب اور منکرین صفات الٰہی کے مذہب میں کیا فرق ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے صفت ارادہ نہیں ہے کیونکہ ارادہ دفع ضرر یا حصول نفع کے لئے نفس کے متحرک ہونے کو مستلزم ہے علی ہذا القیاس اُنکی صفت سمع اور بصر کا انکار کرتے ہیں۔ کہ صفت سمع اور بصر کے لئے ضروری ہے کہ مسموع اور مبصر سے سامع متاثر ہو اور نیز بصر کے لئے یہ ضروری ہے کہ مرئی کی صورت رائی کے جو اسی میں منتقش ہو۔ اور سمع کے لئے لازم ہے کہ ہوا الصوت کو سامع کے کان تک پہنچائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم کے اس لئے منکر ہیں۔ کہ علم کے لئے ضروری ہے کہ عالم کے نفس ناطقہ میں معلوم کی صورت حاصل ہو۔ اور

اُس کے غضب اور رضا کا اسلئے انکار کیا ہے کہ یہ دو تو حرکت قلب اور ناخوش کرنے والی یا خوشی پیدا کرنے والی چیز سے دل کے متاثر ہونے کو چاہتے ہیں۔ اور اُس کے صفت کلام کا اسلئے انکار کیا کہ کلام ایسے محل کو چاہتا ہے۔ جس کے ساتھ وہ قائم ہو۔ اور ہونٹ اور زبان اور لہوات (کوتے) سے اُس کا ظاہر ہونا ضروری ہے۔ اور چونکہ اُن لوگوں کے لئے جو رب العالمین کے وجود کے قائل ہیں۔ اِن شبہات کا دفع کرنا سوائے اسکے ممکن نہ تھا۔ کہ منکرین صفات جو اِن الفاظ کے معانی ٹھہراتے ہیں اُن کا انکار کیا جائے۔ اور یہی ضروری تھا کیونکہ اگر ان معانی کو تسلیم کیا جائے۔ تو جس صفت کا ثبوت مانا جائیگا۔ تو اُسکے لوازم ضرور ماننے پڑینگے۔ جیسے کہ منکرین صفات کہتے ہیں۔ اور اس میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ اسی واسطے امام احمد وغیرہ آئمہ اہل سُنت نے فرمایا ہے کہ ہم طعن تشنیع کرنے والوں کے طعن و تشنیع کے خوف سے اللہ سبحانہ کی کسی صفت کا انکار نہیں کرتے۔ غرض ہم اللہ تعالےٰ کی صفت محبت و کراہت کو اس خیال سے کہ منکرین اس کو اُلفت طبع یا نفرت طبع نام رکھتے ہیں انکار نہیں کرتے۔ اس مقام کو اچھی طرح سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ صفاتِ الٰہی کا انکار گمراہی کی مضبوط جڑ اور اسکے قوی اسباب میں سے ہے۔ پس ہم عرش کا نام حیز (مکان) اور استوا کا نام تحیز نہیں رکھتے۔ اور نہ اسکے صفات کو اعراض اور نہ اسکے افعال کو حوادث اور نہ وجہ۔ یدین۔ اصابع کو اعضاء و جوارح کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور نہ اُسکے صفات کمال کے اثبات کو تجسیم و تشبیہ کہتے ہیں۔ اگر ہم بھی ایسا کرینگے تو دو بڑے بھاری گناہوں کے ہم بھی مرتکب ہونگے۔ ایک لفظ کے معنی کو بگاڑنا دوسرا معنی کو معطل و بیکار قرار دینا اور یہ بالکل ویسا ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ کے افعال عباد کو پیدا کرنے اور اُس کے قضائے سابق کو جبر کہا جائے۔ اسی لئے آئمہ اہل سنت جیسے اوزاعی۔ سفیان ثوری۔ عبد الرحمٰن بن مہدی۔ امام احمد وغیرہ نے لفظ جبر کا انکار کیا ہے۔ اوزاعی اور زبیدی کہتے ہیں۔ کہ کتاب اور حدیث میں کہیں لفظ جبر نہیں آیا۔ البتہ لفظ جبل حدیث میں آیا ہے۔ چنانچہ صحیح میں مروی ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اشج عبد القیس کو فرمایا۔ کہ تجھ میں دو اچھے خلق ہیں جنکو اللہ سبحانہ پسند رکھتا ہے۔ ایک حلم اور دوسرا کام آہستگی کرنا عبد القیس نے عرض کیا۔ کہ دو نو خلق میری سرشت میں رکھے گئے تھے یا بعد میں حاصل ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا تیری فطرت اور جبلت میں رکھے گئے تھے۔ اُس نے کہا اللہ کا شکر ہے۔ کہ اُس نے مجھے اُن اخلاق پر پیدا کیا۔ جو اُسکو محبوب ہیں۔ اِس حدیث میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ جتلادیا ہے کہ اللہ نے عبد القیس کو حلم اور اناۃ پر پیدا کیا اور یہ دونو افعال اختیاریہ سے ہیں۔ گویہ ایسے خلق ہیں جو بندے کے ساتھ قائم ہیں۔ کیونکہ اخلاق دو قسم ہوتے ہیں بعض کسبی یعنی کوشش کرکے

سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور بعض فطرتی جو کسب اور کوشش سے حاصل نہیں ہوتے۔ اور اخلاق کے دو قسم یعنی کسبی و فطرتی کو اللہ سبحانہ بندے میں پیدا کرتا ہے۔ جو نیک اور عمدہ اخلاق بندے کی فطرت میں اللہ سبحانہ نے پیدا کئے ہیں وہ اُسے محبوب و پسندیدہ ہیں۔ اور جو بُرے اور گندہ عادات اُس میں پیدا کئے ہیں۔ اُن سے ناخوش و بیزار ہوتا ہے۔ مگر مخلوق سب اسی کے ہیں۔ گو ایک قسم کے اُسے محبوب اور دوسرے قسم کے مبغوض ہیں۔ جیسے جبرائیل علیہ السلام بھی اللہ کے مخلوق ہیں۔ اور ابلیس علیہ اللعنۃ بھی اسی کا مخلوق اور پیدا کیا ہوا ہے۔ مگر جبرائیل اللہ کے محبوب و برگزیدہ ہیں اور ابلیس تمام مخلوق میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ مبغوض ہے۔ اس امر کی وضاحت اس طرح ہو سکتی ہے کہ لفظ جبر ایک مجمل لفظ ہے۔ کیونکہ محاورے میں بولتے ہیں۔ کہ باپ نے اپنی بیٹی کو نکاح پر مجبور کیا۔ اور حاکم نے فلاں شخص کو بیع کرنے پر مجبور کیا۔ ان صورتوں میں جبر کا یہ معنی ہے کہ زبردستی سے لڑکی کا نکاح کیا گیا۔ اور حاکم نے خلاف مرضی اُس شخص کے اُس سے بیع کرا دی۔ اور یہاں یہ معنی نہیں ہو سکتا۔ کہ لڑکی کو نکاح کرنے پر راضی کر دیا۔ اور اُس کی محبت اُس کے دل میں ڈال دی۔ جس سے وہ با اختیار و رضا اُس پر آمادہ ہو گئی۔ اور اسی طرح حاکم کی نسبت بھی یہ معنی متصور نہیں ہو سکتا۔ کہ اُس نے اس شخص کو بیع پر راضی کر دیا۔ اور اسکی محبت اُس کے دل میں ڈال کر اُسکو بیع کرنے پر مستعد بنا دیا۔ بخلاف اسکے اللہ سبحانہ جب کسی بندے کا کوئی فعل پیدا کرتا ہے۔ تو وہ اُس کو اس فعل کا مختار بناتا اور اُس کے دل میں اُسکی محبت ڈال دیتا ہے۔ جس سے وہ اپنی خوشی و رضا اور اختیار سے اُس فعل کو وقوع میں لاتا اور اُسکی ضد کو ناپسند کرتا ہے۔ پس اللہ سبحانہ کی نسبت لفظ جبر استعمال کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ اللہ عزوجل کی شان اس سے اعلےٰ ہے کہ وہ کسی بندے سے کوئی فعل اُسکی مرضی کے خلاف صادر کرائے ایسا کام تو وہ کرے۔ جو اس بات سے عاجز ہو کہ وہ جس شخص پر جبر کرنا چاہتا ہے وہ اُسکو اُس کا پابند کرنے کے جب اللہ تعالیٰ بندے کا فعل اُسکے ارادہ و اختیار سے صادر کراتا ہے تو اللہ کی نسبت یہ کہنا صحیح نہیں کہ اللہ سبحانہ اپنے بندے کو کسی کام پر مجبور کرتا ہے یعنی اس سے زبردستی کراتا ہے بلکہ جب بندے کے کسی فعل سے اسکی مشیت متعلق ہوتی ہے تو وہ اپنے بندے کو اُس پر قدرت دے دیتا اور اُس کے دل میں اسکی محبت ڈال دیتا ہے۔ جس سے وہ اس کام کو اپنے ارادے اور اختیار سے صادر کرتا ہے۔ اور اللہ کو یہ بھی قدرت ہے کہ وہ اُس کام کو اپنے بندے سے اُس کے اختیار و ارادہ سے صادر کرائے گو وہ اُس کام سے ناخوش اور متنفر ہو۔ پس بندوں سے جس قدر افعال ان کے ارادہ اور مشیت سے صادر ہوتے ہیں سب کا خالق اللہ ہے۔ اور اُس نے اپنے بندوں کو ان افعال کا فاعل بالارادہ بنا دیا ہے۔ گو وہ بندے ان افعال کے صدور پر خوش ہوں یا ناخوش۔ مگر اللہ سبحانہ

سے نے دونوں صورتوں میں یہ کام اُن سے اِسطرح زبردستی صادر نہیں کرائے۔ جیسے باپ اپنی بیٹی کو نکاح پر مجبور کرے یا حاکم کسی شخص سے زبردستی بیع کرادے۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ لفظ جبر اِس معنی کے سوا ایک اور معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے جو اسی معنی سے عام ہے۔ اور وہ اُس صورت کو بھی شامل ہے کہ کوئی شخص کسی شخص سے کوئی کام زبردستی صادر کرائے۔ اور اُسے اِس بات کی بھی قدرت حاصل ہو کہ وہ جس کام کو صادر کرانا چاہتا ہے۔ اُس کام کا اس کو فاعل بالارادہ بنا سکتا ہے۔ اور جس کام سے منع کرنا چاہتا اُس سے اُسکو اسی کے ارادہ کے ساتھ روک سکتا ہے۔ اور اِس عام معنی کے لحاظ سے اللہ سبحانہ کی نسبت لفظ جبر کا استعمال صحیح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بندے کے ارادہ و قدرت کو اُس کام پر پیدا کرنے والا ہے۔ محمد بن کعب قرظی نے اللہ تعالےٰ کے اسم جبار کی معنی میں کہا ہے۔ کہ اللہ سبحانہٗ نے اپنے بندوں کو اِن افعال پر مجبور کیا ہے۔ جن سے اس کی مشیت وارادہ متعلق ہوا یعنی وہ کام انکے ارادہ سے صادر کراتے ہیں۔ نہ کہ زبردستی۔ دعائے معروف میں حضرت علیؓ سے مروی ہے۔

اَللّٰهُمَّ دَاحِيَ الْمَدْحُوَّاتِ وَبَارِئَ الْمَسْمُوكَاتِ جَبَّارَ الْقُلُوبِ عَلٰى فِطْرَتِهَا شَقِيِّهَا وَسَعِيدِهَا

(اے اللہ زمینوں کو بچھانے والے اور آسمانوں کے پیدا کرنے والے دلوں کو انکی فطرت یعنی شقاوت یا سعادت پر مجبور کرنے والے) یہاں لفظ جبر بمعنی قہر و قدرت ہے۔ اور اللہ سبحانہ کو قدرت ہے۔ کہ وہ اپنے بندے کے ساتھ جو چاہے کرے۔ اور جب اُسکی مشیت کسی چیز کے وقوع سے متعلق ہو جاتی ہے۔ تو وہ چیز ضرور واقع ہو جاتی ہے۔ اور اگر اُس کی مشیت کسی چیز کے وقوع سے متعلق نہ ہو تو وہ ہرگز وقوع میں نہیں آتی۔ اللہ سبحانہٗ کی ذات عجز سے منزہ و پاک ہے۔ لہذا یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ کسی چیز کے وقوع سے اللہ تعالےٰ کی مشیت متعلق ہو۔ مگر وہ وقوع میں نہ آئے۔ اور جس چیز کا وقوع وہ نہ چاہے۔ وہ وقوع میں آجائے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالےٰ کی صفت جبر اور مخلوق کے جبر (یعنی کسی سے کوئی کام اُسکے خلاف مرضی وارادہ کے زبردستی صادر کرا لینے) میں کئی وجوہ سے فرق ہے (۱) کسی مخلوق کو یہ قدرت نہیں کہ وہ دوسرے کو کسی فعل کا محب و مرید بنا دے۔ جس سے وہ شخص اُس فعل کو اپنے ارادہ محبت سے کرے۔ اور اللہ سبحانہ کو ان سب باتوں پر قدرت ہے (۲) مخلوق اپنے جبر کرنے میں کبھی ظالم اور متعدی ہوتی ہے۔ اور پروردگار ظلم سے پاک و منزہ ہے۔ اور اپنی کسی مخلوق پر ظلم نہیں کرتا۔ بلکہ اُس کی مشیت عدل و احسان کے ساتھ اکیدیناً نافذ ہے۔ بلکہ اس کا عدل بھی اُسکا احسان ہے اور یہ مضمون عنقریب بیان ہوگا (۳) مخلوق جابر ہونے کی صورت میں سفیہ معیوب اور نادان و جاہل ہوتی ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ جب کسی بندے کو کسی کام پر مجبور کرتا ہے۔ تو وہ سراسر حکمت۔ عدل احسان

اور رحمت پر مبنی ہوتا ہے جس سے من کل الوجوہ اللہ سبحانہ محمود ہوتا ہے (۴) مخلوق میں سے کوئی شخص دوسرے کو اسلئے مجبور کرتا ہے کہ وہ اُس کام کی طرف محتاج اور اُس سے منتفع ہوتا ہے۔ کیونکہ بندہ محتاج بالذات ہے اور اللہ سبحانہ کو کسی کام کی حاجت نہیں بلکہ سب اُس کے محتاج ہیں۔ اور وہ بذات خود ہر چیز سے غنی ہے (۵) مخلوقات میں سے کوئی شخص دوسرے کو اسلئے مجبور کرتا ہے کہ اُس میں کوئی نقصان ہوتا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ اس فعل سے اُس کا وہ نقصان جاتا رہے اور درجہ کمال کو پہنچ جائے اور اللہ سبحانہ جمیع وجوہ سے کامل مطلق ہے اور اُس کا کمال اُسکی ذات کے لوازم سے ہے۔ اُس نے اپنے کمال کو مخلوق کے ذریعہ سے حاصل نہیں کیا بلکہ اُس نے ہر ایک کو اُسکے مناسب حال کمال عطا کیا ہے۔ غرض مخلوق جبر کرتی ہے کہ اُسے کمال حاصل ہو۔ اور اللہ سبحانہ ہر قسم کے نقص سے منزہ اور پاک ہے پس اُس کا کمال دلالت کرتا ہے کہ وہ کسی پر جبر مذموم نہیں کرتا (۶) مخلوق میں سے کوئی شخص جب دوسرے کو کسی فعل پر جبر کرتا ہے تو وہ اُسے ایسے فعل پر مجبور کرتا ہے۔ کہ مجبور اُس فعل کے ذریعہ جابر کے حصول مطالب میں اُس کا معاون ہو۔ کیونکہ وہ اُس کی معاونت کے بغیر اپنے مطلب تک پہنچنے سے عاجز ہوتا ہے۔ اور مجبور کا فعل اور جابر کا جبر و اکراہ دونو ملکر جابر کے حصول مطلب کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اور اس شرکت سے یہی صورت ہو جاتی ہے جیسے کوئی شخص اپنے اختیار سے کسی کام میں دوسرے کی مدد کرتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ من کل الوجوہ اپنے غیر کی مدد اور کسی کام کے حصول میں اوروں کی شرکت سے مستغنی ہے۔ پس اللہ سبحانہ کی ذات کی نسبت اِس قسم کا جبر محال ہے (۷) جو شخص کسی کام پر مجبور کیا جائے تو اُس کام کے کرنے اور اپنے اختیاری کام کے کرنے میں اُسے ضرور فرق معلوم ہوتا ہے اور اِن دونو میں مساوات ہرگز نہیں ہو سکتی۔ مثلاً ایک شخص کا بدن مرض رعشہ کے سبب کانپتا اور متحرک ہوتا ہے اور اسکے علاوہ وہ اپنے کام وکاج کے وقت بھی ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے۔ تو اِن دونوں میں فرق ظاہر ہے۔ اور یہ دونو حرکتیں یکساں نہیں ہوتیں۔ مگر اُن افعال کے درمیان جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے جبراً صادر کرائے ہیں۔ اور بندوں کے اپنے اختیاری افعال میں فرق ہرگز محسوس نہیں ہوتا (۸) اللہ سبحانہ نے بندوں کی فطرت میں یہ بات رکھدی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ جس شخص کو کسی کام پر مجبور کیا جائے تو وہ اُس میں معذور ہوتا ہے۔ اور وہ اُسکے صادر کرنے میں کسی مذمت یا عذاب اور سزا کا مستحق نہیں ہوتا۔ وہ لوگ جن کو مجبور کیا جائے اپنی معذرت میں یہی کہتے ہیں۔ کہ یہ کام ہم سے جبراً کرایا گیا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص سے بادشاہ نے جبراً وہ کام کرایا ہے۔ اور اُس کے ساتھ یہ بات بھی اُنکی فطرت میں رکھدی ہے۔ کہ جو شخص اپنے اختیار سے بُرے

کام کرتا ہے اُس کی مذمت کرتے اور اُسے بدکردار کہتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ کی شریعت اِس امر میں
عین فطرت کے مطابق ہے۔ پس جو شخص افعال اختیاری اور افعال جبریہ کو یکساں خیال کرتا ہے وہ
عقل۔ فطرت اور شریعت کا خلاف کرتا ہے (۹) جو شخص کسی دوسرے کو ایسا کام کرنے کا امر کرے
جس میں مامور کی مصلحت ہو اور وہ اس کا محتاج ہو اور اسکی سعادت و فلاح کی مدار اسی کام پر ہو۔ تو
ایسا کام بتلانے والے کو جابر نہیں کہا جاتا۔ بلکہ اُس کو ناصح۔ ہادی۔ مرشد وغیرہ ایسے
صفات کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے۔ اور اگر مامور ایسے کام کو اپنے اختیار اور مرضی سے
بجا نہ لائے۔ تو جس شخص کو اُس پر جبر کرنے کا اختیار ہو چونکہ وہ اُس کا ناصح ہوتا ہے۔ تو وہ
اُسے اس کام پر مجبور کرتا ہے۔ مگر یہ جبر بیجا اور ناحق نہیں ہوتا۔ بلکہ اس قسم کا جبر شریعت میں جائز
اور ثابت ہے اور اللہ سبحانہٗ کی قدرت۔ حکمت۔ رحمت۔ اور احسان اس کے مانع نہیں۔
(۱۰) اللہ سبحانہٗ کی ذات۔ صفات اور افعال میں کوئی اُس کا شریک وسہیم نہیں۔ پس بندے کو اُس
کی قدرت مشیت اور ارادہ سے اُسکے افعال کا اُسے فاعل بنانا خاص اسی کا کام ہے۔ مخلوق میں
سے کوئی شخص کسی دوسرے کو کسی فعل کا فاعل سوائے جبر و اکراہ کے ہرگز نہیں بنا سکتا۔ اگر جبر نہ کریگا۔
تو زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہے کہ کسی دوسرے کو کسی کام کا امر کرے۔ یا اُسے اُس کام کی ترغیب دے اور
اِس طرح وہ اُس کا جابر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُسکے جبر کی صورت یہی ہے کہ زبردستی سے اُس سے وہ کام
کرائے۔ پس اللہ سبحانہٗ کی طرف جبر کی نسبت کرنا اُس کے افعال میں مخلوق سے تشبیہ دینا ہے۔
جن کے جبر کی یہی صورت ہے کہ کسی سے کوئی کام زبردستی کرایا جائے۔ غرض اللہ سبحانہٗ کی قدرت۔
علم مشیت۔ عدل۔ احسان۔ غنا اور ملک کا کمال اور اسکی حجت کا انتہا درجے کو پہنچنا۔ اُس کے جابر
ہونے کے خلاف ہیں۔ اِسلئے اُس کی ذات پاک کی طرف جبر کی نسبت کرنی درست نہیں۔

فصل - تمام مذاہب بندے کے کاسب افعال ہونے پر متفق ہیں۔ لیکن کسب افعال کی حقیقت
میں اختلاف ہے۔ قدریہ یہ کہتے ہیں کسب کا یہ معنی ہے کہ بندہ مستقل طور پر اپنی قدرت و ارادہ سے اپنے
فعل کو پیدا کرتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ کو بندے کے افعال میں کوئی دخل نہیں۔ نہ وہ بندے کے افعال کا خالق
ہے اور نہ یہ اسکے مخلوق ہیں اور نہ یہ اُس کے ارادے سے صادر ہوتے ہیں۔ جبریہ یہ کہتے ہیں
کسب کا یہ معنی ہے کہ صدور فعل کے وقت اللہ تعالےٰ بندے میں ایک قدرت پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے
افعال صادر ہوتے ہیں۔ اور اس میں بندے کا کوئی دخل نہیں۔ یہ دونو گروہ کسب اور خلق میں فرق مانتے
ہیں۔ مگر وجہ فرق میں باہمی دونو کا اختلاف ہے۔ اشعری نے اپنی اکثر تصانیف میں لکھا ہے کہ

کسب کا معنی یہ کہ قدرت حادثہ سے فعل کا واقع ہونا — پس فعل وقوع میں آئے اس بنا پر جس فاعل کا فعل قدرت قدیمہ سے واقع ہوگا وہ اُسکا فاعل اور خالق ہوگا اور جس کا فعل قدرت حادثہ سے واقع ہوگا وہ کاسب۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جس کا فعل آلات اور اعضا کے واسطے اور ذریعہ کے بغیر وقوع میں ہے وہ خالق ہے اور جو شخص اپنے انجاز کے صدور میں آلات اور اعضا کا محتاج ہے وہ کاسب ہے۔ اِس کافی اور کئی معتزلہ کا یہی قول ہے۔ اشعری نے کہا ہے کہ اِس امر میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ انسان کو فاعل حقیقی کہنا جائز ہے یا نہیں؟ ناشی کے سوا تمام معتزلہ اِس بات کے قائل ہیں۔ کہ انسان کو حقیقتہً فاعل۔ اور موجد کہہ سکتے ہیں نہ یہ کہ اُسکو مجازاً فاعل کہا جاتا ہے بلکہ وہ درحقیقت فاعل اور موجد ہے۔ اور ناشی کا قول ہے کہ انسان درحقیقت کسی فعل کا فاعل نہیں۔ اور وہ یہ کہا کرتا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ۔ نے انسان کے کسب یعنی صدور افعال کو پیدا کیا ہے۔ مگر اُس پر یہ الزام ہوگا۔ کہ انسان کو بغیر فاعل ہونے کسی فعل کے فاعل کہا جائے۔ اور اس کے افعال کو جو درحقیقت اس کے افعال نہیں ہیں انسان کے افعال کہا جائے۔ وجہ الزام یہ ہے کہ وہ اِس بات کا قائل ہے کہ انسان کسی فعل کا فاعل نہیں مگر اسکے افعال اُسی کے افعال ہیں حالانکہ وہ ان افعال کا فاعل نہیں اور نہ یہ افعال اللہ تعالےٰ کے افعال ہیں اس پر یہ دوسری قباحت پیدا ہوتی ہے کہ جبکہ افعال کا فاعل نہ تو خود بندہ ہے اور نہ اللہ سبحانہ تو یہ افعال بدوں فاعل کیسے؟ پیدا ہوئے۔ اور یہی الزام ابوالحسن اشعری اور جبریہ پر بھی قائم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ بندہ درحقیقت اپنے افعال کا فاعل نہیں ہے بلکہ اس کے افعال کا فاعل اللہ ہے اور یہ افعال بندے کے ساتھ قائم ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ قائم نہیں۔ پس جب بندہ باوجودیکہ یہ افعال اُس کے ساتھ قائم ہیں۔ ان کا فاعل نہ ہوا تو اللہ سبحانہٗ جس کی ذات کے ساتھ یہ افعال قائم نہیں اُن کا فاعل کیسے ہوگا؟ اگر اللہ سبحانہٗ اِن افعال کا فاعل ہو تو ضرور ہے کہ اُن کے احکام بھی اُسی کی طرف عائد اور راجع ہوں۔ اور اِن افعال سے جو الفاظ مشتق ہیں اُس پر بولے جائیں مثلاً کہا جائے کہ اللہ تعالےٰ مصلے[1]۔ صائم۔ شارب۔ آکل[2] وغیرہ ہے حالانکہ اس قسم کے الفاظ کو اللہ تعالےٰ کی نسبت استعمال کرنا ناجائز ہے۔ پس اس سے لازم آیا کہ بندے کے افعال کا کوئی فاعل نہیں مگر یہ افعال موجود ہیں کیونکہ اُنکے خیال کے مطابق نہ تو بندہ ان کا فاعل ہے اور اللہ سبحانہ کا ان کا فاعل ہونا بھی باطل ہے کیونکہ اگر وہ فاعل ہو تو انکے مشتقات اُس پر بولے جائیں۔ اور نیز اُنکے احکام اُسکی طرف عاید ہوں اور یہ نا ممکن ہے۔ اگر کوئی شخص یہ استفسار کرے کہ تمہارا یعنی اہل سنت کا اِس مسئلہ کے متعلق کیا قول ہے۔ تو ہم یہ جواب دینگے کہ ہم اِن دونوں باتوں کے قائل نہیں۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ افعال درحقیقتہً بندوں کے فعل ہیں۔ مگر

---

[1] نماز پڑھنے والا۔ [illegible] روزہ دار۔ [illegible] پانی پینے والا۔ [2] کھانا کھانے والا ۱۲ +

یہ افعال اللہ سبحانہ کے مفعول یعنی مخلوق ہیں۔ اور ہمارے نزدیک فعل اور مفعول میں فرق ہے اور تمام اہل سنت کا بالاتفاق یہی قول ہے چنانچہ حسین بن مسعود بغوی نے اس مسئلہ پر اہل سنت کا اجماع نقل کیا ہے۔ پس بندہ اپنے افعال کا حقیقۃً فاعل ہے اور اللہ سبحانہ ان کا خالق ہے اور وہ چیزیں جن سے بندہ اپنے افعال پیدا کرتا ہے مثلاً قدرت، ارادہ وغیرہ سب کا خالق اللہ سبحانہ ہے۔ بلکہ اس کی فاعلیت کی صفت کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے۔ اس مسئلہ کا راز یہ ہے کہ بندہ دو اضافتوں کا جامع ہے۔ یعنی ایک لحاظ سے تو وہ فاعل افعال ہے اور دوسرے لحاظ سے منفعل ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی صفت فاعلیت میں بھی اللہ سبحانہ کی طرف سے منفعل ہے یعنی اسکی قدرت و خلق کے اثر کو قبول کرتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے اسے اپنی قدرت و مشیت سے فاعل افعال بنایا ہے اور اسے فعل کے صادر کرنے پر قدرت اور ارادہ دے دیا ہے۔ اشعری کا قول ہے کہ بہت سے وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے قائل اور افعال عباد کو بندوں کے افعال کہتے ہیں۔ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ انسان درحقیقت فاعل یعنی کاسب ہے۔ اور انسان اپنے افعال کا موجد اور پیدا کرنے والا نہیں میں کہتا ہوں۔ ان لوگوں نے کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ کے الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ کتاب اور حدیث میں بندوں کی طرف احداث کی نسبت کرنے کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔ اول تو عام اور مطلق افعال کی نسبت موجود ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول تعملون تفعلون تکسبون دوسرے خاص افعال کی نسبت جیسے یُقِیمُونَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ یُؤْمِنُوْنَ یَخَافُوْنَ یَتُوْبُوْنَ یُجَاهِدُوْنَ وغیر ذلک اور احداث کا لفظ صرف مذمت کے موقع میں آیا ہے۔ چنانچہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَحْدَثَ حَدَثًا اَوْ اٰوٰی مُحْدِثًا (اللہ تعالیٰ اُس پر لعنت کرے جو (دین میں) کوئی بدعت نکالے یا کسی بدعتی کو پناہ دے) اور وہ اس مقام میں بمعنی فعل و کسب نہیں ہے۔ اور ایسا ہی عبداللہ بن مغفل نے جو اپنے بیٹے کو ارشاد کیا اِیَّاكَ وَالْحَدَثَ فِي الْاِسْلَامِ (اسلام میں بدعت ایجاد کرنے سے بچنا)، تو اس میں بھی بمعنی کسب و فعل نہیں، اور لفظ مذکور کو فعل خیر پر بھی بصورت تقیید اطلاق بولنا درست ہے۔ چنانچہ بعض سلف کا مقولہ ہے اِذَا اَحْدَثَ اللّٰهُ لَكَ نِعْمَةً فَاَحْدِثْ لَهَا شُكْرًا وَاِذَا اَحْدَثْتَ ذَنْبًا فَاَحْدِثْ لَهٗ تَوْبَةً (جب اللہ تیرے لئے نعمت پیدا کرے تو تو اس کا شکر پیدا کر اور جب تو گناہ پیدا کرے تو اس کے لئے توبہ پیدا کر) اور اسی طرح یہ بھی آیا ہے هَلْ اَحْدَثْتَ تَوْبَةً (کیا تو نے توبہ کو پیدا کیا) اور اَحْدِثْ لِلذَّنْبِ اِسْتِغْفَارًا (گناہ کے لئے استغفار پیدا کرو) اشعری کا قول ہے۔ میں نے سنا ہے کہ بعض لوگ انسان کو اپنے افعال کا محدث بمعنی مکتسب

کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ اِسی مقام میں کئی ایک الفاظ ہیں۔ جیسے فاعل۔ عامل۔ مکتسب۔ کاسب۔ صانع
محدث۔ جاعل۔ مؤثر۔ منشی۔ موجد۔ خالق۔ باری۔ مصور۔ قادر۔ مرید وغیرہ اور یہ الفاظ تین قسم کے ہیں۔
(۱) وہ کہ صرف اللہ سبحانہٗ پر بولے جاتے ہیں جیسے باری۔ بدیع۔ مبدع (۲) وہ جو کہ صرف بندے پہ بولے
جاتے ہیں۔ جیسے کاسب۔ مکتسب (۳) وہ جن کا اطلاق اللہ سبحانہٗ پر اور نیز بندے پر آیا ہے۔ جیسے صانع
فاعل۔ عامل۔ منشی۔ مرید اور قادر۔ باقی لفظ خالق اور مصور اگر مطلق ہوں۔ تو وہ صرف اللہ سبحانہٗ
پر بولے جاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالے کا قول ہے۔ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ اور اگر مقید طور
پر مستعمل ہوں۔ تو بندے پر بھی بولے جاتے ہیں چنانچہ اُس شخص کی نسبت جو اپنے جی میں کوئی بات
ٹھہرا لے۔ عرب کہتے ہیں۔ اِنَّہٗ خَلَقَہٗ یعنی اُس نے فلاں بات کو جی میں ٹھان لیا۔ شعر

وَلَاَنْتَ تَفْرِیْ مَا خَلَقْتَ وَبَعْضُ الْقَوْمِ یَخْلُقُ ثُمَّ لَا یَفْرِیْ

یعنی تجھے ایسی قدرت اور طاقت حاصل ہے کہ جو بات تو اپنے جی میں ٹھہرا لے اُسکو پورا کرتا ہے
اور دوسرے لوگ کئی امور کے ارادے اور منصوبے کرتے ہیں۔ مگر اُنکے پورا کرنے سے ناکام
رہتے ہیں) اور اسی لحاظ سے لفظ خالق کو بندے پر اطلاق کرنا اللہ تعالے کے قول فَتَبَارَكَ اللّٰهُ
اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ میں صحیح اور درست ہے یعنی خالقین بمعنی مصورین اور مقدرین ہے۔ عرب اپنے
محاورے میں کہتے ہیں خلقت الادیم وخلقتہ یعنی میں نے چمڑے کو مشکیزہ وغیرہ بنانے کے
لئے اندازہ کیا۔ مجاہد کا قول ہے بندے بھی صنعت کرتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ بھی صنعت کرتا ہے اور
اللہ تعالے خیر الصانعین ہے۔ لیث کا قول ہے کہ رجل خالق کا معنی ہے صانع آدمی اور اسی طرح چند
عورتوں کو خالقات یعنی صانعات کہتے ہیں۔ مقاتل کا قول ہے کہ اللہ تعالے احسن الخالقین اُن لوگوں
سے جو ایسی تصاویر وغیرہ بناتے ہیں۔ جو بے حس و حرکت ہوتی ہیں فرمائیگا۔ اور لفظ باری کا اطلاق
سوائے اللہ سبحانہٗ کے کسی پر درست نہیں۔ کیونکہ اسی نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اور نیستی سے ہستی میں اُسکو
لایا ہے۔ اور بندے کی قدرت کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ بندہ زیادہ سے زیادہ اتنا کر سکتا ہے
کہ اللہ تعالے کی موجودات کی کسی صفت میں تصرف کرے اور اپنی قدرت کے مطابق ایک خاص
طور پر کسی مخلوق کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متغیر کردے۔ اور لفظ باری بَرَيْتُ الْقَلَمَ
(میں نے قلم کو تراش کر بنایا) سے مشتق نہیں ہے کیونکہ یہ ناقص ہے اور لفظ باری مہموز ہے اور بَرِئْتُ
مِنَ الْمَرَضِ (میں مرض سے اچھا ہوگیا) سے بھی ماخوذ نہیں کیونکہ یہ فعل لازم ہے اور لفظ باری متعدی
ہے اور ایسا ہی لفظ بدیع اور مبدع کا اطلاق بھی اللہ سبحانہٗ کے سوا کسی پر درست نہیں کقولہ تعالی

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا) ابداع کا معنی یہ ہے کہ سوائے مثال سابق کے کسی چیز کو پیدا کرنا اور بنانے کو جیسا۔ وہ دین میں ایسی بات پیدا کرے کہ جو سنت کے خلاف ہو مبتدع کہا جاتا ہے پھر جو اس کا پیرو ہو اس کو بھی مبتدع کرتے ہیں۔ اور لفظ موجد اللہ سبحانہ کے اسماء میں ثابت نہیں ہوا۔ اگرچہ تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا وہی ہے مگر اس لفظ کا اطلاق شرعاً ثابت نہیں ہوا البتہ واجد بمعنی غنی اللہ سبحانہ کے اسماء میں ثابت ہے اور لفظ موجد جو باب افعال کا اسم فاعل ہے۔ اس کے دو معنی ہیں ایک شئے کو موجود کرنیوالا دوسرا کسی کو غنی کرنے والا پس یہ جائز ہے۔ کہ جو شخص اپنی قدرت محدثہ کے ساتھ کوئی کام کرے تو اسکو کہا جائے کہ اس نے اپنے مقدور کا ایجاد کیا۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے فعل کا فاعل اپنے عمل کا عامل اور اپنی صنعت کا صانع اور اپنے کام کا محدث پیدا کنندہ ہے۔ گو یہ صفت مستقل طور پر اسے حاصل نہیں ہے۔ اور اسی طرح لفظ مؤثر کا اطلاق اللہ سبحانہ کے اسماء میں ثابت نہیں ہوا۔ بندے کے فعل پر اثر اور تاثیر کا اطلاق پایا جاتا ہے لقولہ تعالیٰ اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَ نَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَھُمْ (بیشک ہم ہی مردوں کو جلائینگے اور جو عمل آگے بھیجے ہیں اور جو آثار انکے مرے پیچھے دنیا میں باقی رہ جاتے ہیں ہم سب کو لکھ رہے ہیں) ابن عباس کا قول ہے جو کچھ خیر و شر کے آثار انہوں نے چھوڑے ہے چونکہ بندوں کے اعمال انکی تاثیر سے پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا یہ انکے آثار ہوئے۔ تعجب کی بات ہے۔ کہ متکلمین تاثیر اور مؤثر کا اطلاق اس شخص کی نسبت تو ناجائز سمجھتے ہیں جیسکی نسبت قرآن کریم اور حدیث میں آچکا ہے۔ چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سلمہ سے فرمایا کہ تم اپنے گھروں کو مت بدلو تمہارے آثار قدم لکھے جاتے ہیں۔ اور اس ذات کے ساتھ اسکو خاص کرتے ہیں۔ پس پر اس کا اطلاق کتاب اور سنت سے ثابت نہیں ہوتا۔ گو اللہ سبحانہ کی نسبت ایثار اور استیثار کا استعمال پایا جاتا ہے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا لَقَدْ اٰثَرَکَ اللّٰہُ عَلَیْنَا (کچھ شک نہیں کہ تم کو اللہ نے ہم پر (بڑی) برتری دی) اور حدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا استیثار کرتا یعنی اس کو پسند کرتا ہے اور کسی شاعر کا قول ہے ؎

اِسْتَأْثَرَ اللّٰہُ بِالثَّنَآءِ وَ بِالْحَمْدِ   وَوَلِّی الْمَلَامَۃَ الرَّجُلَا

یعنی اللہ سبحانہ نے ثنا اور حمد کو پسند کیا ہے الخ جبکہ تاثیر باب تفعیل کا مصدر ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں آثرت فی کذا (یعنے فلاں چیز میں تاثیر کی) انا مؤثر (میں تاثیر کرنے والا ہوں) تو اس کا اطلاق بندے پر بھی جائز ہے صحاح میں کہا ہے تاثیر کسی شئے میں اثر کو باقی رکھنے کو کہتے ہیں۔ اور لفظ صانع اللہ سبحانہ کے اسماء میں ثابت نہیں ہوا۔ اور نہ اس کا اطلاق اللہ سبحانہ کی ذات پر درست ہو سکتا ہے کیونکہ

کیونکہ صانع کا معنی ہے کوئی چیز بنانے والا خواہ اسکے بنانے میں عادل ہو یا ظالم سفیہ ہو یا حکیم اور اسی طرح جو الفاظ
ایسے ہیں کہ انکے معنی مدح اور ذم دونو ہو سکتے ہیں۔ تو بغیر ذکر قید مدح کے اللہ سبحانہ پر وہ اطلاق نہیں کئے جاتے۔
جیسے فاعل۔ عامل۔ صانع۔ مرید اور متکلم کیونکہ انکے معانی مدح اور ذم دونوں کے محتمل ہو سکتے ہیں۔ بخلاف عالم۔
قادر۔ حی۔ سمیع۔ اور بصیر کے کہ ان میں مذمت کا احتمال نہیں ہے۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بندے
کو صانع ٹھیرایا ہے۔ چنانچہ بخاری سند کے ساتھ حذیفہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالے ہی ہر ایک صانع اور اسکی صنعت کو بناتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے
خود اپنے فعل پر صنعت کا اطلاق فرمایا ہے قال اللہ تعالے صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ (یہ
بھی اللہ کی کاری گری (ہے) جس نے ہر چیز کو خوب مستحکم طور پر بنایا ہے) اس آیت میں لفظ صنع ترکیب
نحوی کے لحاظ سے مفعول مطلق ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے اللہ تعالے کا قول وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا
جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (اور اے مخاطب) تو پہاڑوں کو دیکھ کر خیال کرتا ہے کہ اپنی
جگہ جمے ہوئے ہیں۔ (اور ہل نہیں سکتے مگر یہ قیامت کے دن بادل کیطرح اڑے اڑے پھر ینگے)
صنعت پر دلالت کرتا ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ فعل محذوف کا مفعول ہے یعنی انظروا صنع اللہ
(خدا کی صنعت کو دیکھو) پہلی صورت میں لفظ صنع بمعنے مصدر ہو گا۔ اور دوسری صورت میں بمعنی مصنوع یعنی
اسم مفعول ہو گا۔ کیونکہ مصنوع ہی کیطرف نظر کر سکتے اور اسکو دیکھ سکتے ہیں۔ اور لفظ انشا کے افعال کا
اطلاق اللہ سبحانہ کی ذات پر ثابت ہوا ہے۔ جیسے اللہ تعالے کا قول ہے وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ
(اور بوجھل بادلوں کو ابھارتا ہے) وقولہ تعالے فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ (پھر اس پانی) کے ذریعے
سے تمہارے باغ بنا کھڑے کئے۔ وقولہ تعالے وَنُنْشِئَكُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (اور ایک اور ہستی میں
جس کو تم نہیں جانتے تم کو بنا کھڑا کریں) اور قرآن مجید میں کثرت سے انکی مثالیں موجود ہیں۔ اور اسکے اسم فاعل
یعنی منشی کا اطلاق اللہ سبحانہ پر ثابت نہیں ہوا۔ اور لفظ یعنی انشا بندے پر ایک دوسرے لحاظ سے
بولا جاتا ہے یعنی کسی کام کے شروع کرنے کے لحاظ سے کہا جاتا ہے۔ کہ بندے نے فلاں کام کو انشا
یعنی شروع کیا جیسے اَنْشَاَ يُحَدِّثُنَا (ہم سے باتیں کرنی شروع کیں) اور اَنْشَاَ السَّيْرَ (سیر شروع کی) اور
یوں بھی کہتے ہیں کہ فلاں شخص اس کام کا منشی یعنی شروع کرنے والا ہے۔ غرض جو انشا بندے کی صفت واقع
ہوتا ہے وہ کسی فعل کے ساتھ مقید اور مخصوص ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالے کی صفت ہے وہ مطلق اور یہ لفظ
بمعنے ابتدا یعنی از سر نو پیدا کرنا آتا ہے جیسے اَنْشَاَهُ اللّٰهُ یعنی اللہ تعالٰی نے اس کی خلقت کو پیدا کیا۔ اور
اَنْشَاَ يَفْعَلُ كَذَا۔ اس شخص نے فلاں کام کو نئے سرے سے شروع کیا۔ اور فُلَانٌ يُنْشِئُ الْاَحَادِيْثَ۔

یعنی فلاں شخص نئے سرے سے حدیثیں (یا باتیں) بناتا ہے۔ ناشی اُس بادل کو کہتے ہیں۔ جو پہلے
پیدا اور نمودار ہو۔ جوہری نے کہا ہے ناشئۃ اللیل رات کی پہلی ساعت کو کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں بہت سے
سلف رحمہم اللہ نے یہی معنی لئے ہیں۔ اشئۃ اللیل اول شب کو کہتے ہیں۔ کرتے ہیں۔ یہ رات پیدا ہونی ہے۔ اور صحیح معنی یہ
ہیں۔ ناشئۃ اللیل رات کی پہلی ساعت کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ ہر ایک ساعت کو ناشئہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ
یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی ہیں۔ جب ایک گزر جاتی ہے تو دوسری پیدا ہوتی ہے۔ ابو عبیدہ کا قول ہے
کہ ناشئۃ اللیل رات کی تمام ساعات اور اُسکے جملہ اوقات کو کہتے ہیں۔ کہ یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی ہیں۔ زجاج
کا قول ہے کہ ناشئۃ اللیل رات کے ہر ایک حصہ کو جو پیدا ہو چکا ہو کہہ سکتے ہیں۔ ابن قتیبہ نے کہا ہے ناشئۃ اللیل
رات کے اوقات اور ساعتیں ہیں۔ اور یہ لفظ نشاء بمعنی یکے بعد دیگرے پیدا ہونے سے لیا گیا ہے۔ صاحب
صحاح کا قول بہت سے سلف سے منقول ہے۔ علی بن حسین کا قول ہے کہ ناشئۃ اللیل وہ وقت ہے
جو مغرب سے عشا تک ہے۔ اور انس۔ ثابت۔ سعید بن جبیر۔ ضحاک۔ حکم کا بھی یہی قول ہے اور کسائی نے بھی
اسی کو پسند کیا ہے ان لوگوں نے ناشئہ میں اولیت کے معنی کو ملحوظ رکھا ہے اور بعض کا یہ قول ہے۔ کہ
تمام رات ناشئہ ہے۔ عکرمہ۔ ابو مجلز۔ مجاہد۔ سدی۔ ابن الزبیر اور ایک روایت میں ابن عباس کا بھی یہی
قول ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے کہا ہے میں نے ابن الزبیر اور ابن عباس سے ناشئۃ اللیل کے معنی کی نسبت
سوال کیا۔ تو ان دونوں نے کہا کہ ناشئۃ اللیل تمام رات کو کہتے غرض یہ اُن لوگوں کے اقوال ہیں۔ جو
ناشئۃ اللیل کو زمان اور ظرف کہتے ہیں۔ اور جو لوگ ناشئۃ اللیل اُس کام کو کہتے ہیں۔ جو رات میں
پیدا ہو پس لفظ ناشئہ جو قرآن کریم میں ہے۔ انکے نزدیک بمعنی قیام شب ہے۔ ابن مسعود معاویہ بن قرہ
اور ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ اور ایک دوسری جماعت جس میں حضرت عائشہ بھی ہیں یہ کہتی ہے
کہ ناشئۃ اللیل خاص اس قیام شب کا نام ہے۔ جس سے پہلے آدمی سو چکا ہو۔ ابن اعرابی کا بھی یہی قول ہے
پہلے دو قول کے مطابق ناشئۃ اللیل میں اضافت بیانیہ یعنی اضافت نوع بسوئے جنس ہوگی۔ اور آخری
قول پر اضافت بمعنی فی ہوگی۔ اور ناشئۃ اللیل بمعنی عبادت شب ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ انشاء بمعنی پیدا
کرنا ہے۔ خواہ اُس کے لئے پہلے مثال موجود ہو جیسے نشأۃ ثانیہ یا اُسکے لئے مثال سابق وجود نہ ہو
جیسے نشأۃ اولیٰ۔ اور لفظ جعل اللہ سبحانہ پر دو معنی کے ساتھ اطلاق کیا گیا ہے۔ اول بمعنی ایجاد و خلق۔
دوم بمعنی تصییر یعنی کسی چیز کو کسی صفت کے ساتھ موصوف کرنا۔ پہلے معنی کی صورت میں ایک مفعول کی
طرف متعدی ہوتا ہے کقولہ تعالیٰ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرَ (اور اندھیرے بنائے اور (نیز) چاندنا
اور دوسرے معنی کی صورت میں اکثر دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے کقولہ تعالیٰ اِنَّا جَعَلْنٰہُ قُرْاٰنًا

عَرَبِيًّا (ہم نے اس کو صاف اور سلیس عربی زبان کا قرآن بنایا ہے) اور یہ لفظ بنانے پر بطرف دوسرے معنی
کے بھی اطلاق سے بولا گیا ہے کہ قولہ تعالیٰ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا (اور
دیہ کافر خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی (اور اسی کے پیدا کئے ہوئے) چوپایوں میں اللہ کا بھی ایک حصہ
ٹھہراتے ہیں) اور آخر تمام ٹھہرانے یا اعتقاد کرنے کے موقع میں بنانے پر بولا گیا ہے جہاں مجعول کے
پیدا کرنے میں اس کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ کقولہ تعالیٰ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ
اِنَاثًا (اور ان لوگوں نے فرشتوں کو کہ وہ بھی اور مخلوقات کی طرح خدا کے) رحمٰن کے بندے ہیں،
عورتیں ذات قرار دے رکھا ہے) وقولہ تعالیٰ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ
فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ بھلا دیکھو تو سہی خدا نے تو تم پر روزی
اتاری۔ اب تم نے انہیں سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال ٹھہرا لیا) اور یہ ایک مفعول کی طرف متعدی
ہوتا ہے اور اس کو جعل اعتقادی اور تسمیہ کہتے ہیں۔ اور لفظ فعل اور عمل کا اطلاق بنانے پر کثرت سے ثابت ہے
جیسے لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (البتہ برا ہے جو کچھ وہ کرتے تھے) اور لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔
(البتہ برا ہے جو کچھ وہ کرتے تھے) اور بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (بسبب اس کے جیسے عمل تم کرتے تھے) اور یہ لفظ اللہ
سبحانہٗ پر فعل اور اسم دونوں صورتوں میں اطلاق کئے گئے ہیں۔ اول جیسے وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (خدا جو
چاہتا ہے کرتا ہے) دوم جیسے فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے) اور وَكُنَّا فَاعِلِيْنَ جو قرآن کریم
میں دو جگہ فرمایا ہے۔ ایک تو آیت وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فَاعِلِيْنَ۔
(اور ہم نے پہاڑوں کو داود کے تابع کر دیا تھا۔ کہ ان کے ساتھ خدا کی تسبیح و تقدیس کرتے اور اسی
طرح پرندوں کو بھی ان کا تابع کر دیا تھا) اور ہم قادر مطلق ہیں ایسے ایسے عجائبات کیا ہی کرتے ہیں
اور دوسری آیت يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا
اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (یہ وہ دن ہوگا جب کہ ہم آسمان کو اس طرح لپیٹیں گے جیسے خطوں کا مکتوب لپیٹ لیا جاتا
ہے اور جس طرح ہم نے اول (بار مخلوقات کو) پیدا کیا تھا۔ اسی طرح ان کو دوبارہ بھی (پیدا) کرینگے (یہ ایک)
وعدہ ہے جس کا پورا کرنا ہم نے اپنی ذات پر لازم کر لیا ہے اور ہم اس کو ضرور کر کے رہینگے) ہیں۔ اللہ تعالیٰ
کے قول وَكُنَّا فَاعِلِيْنَ کو ان دونوں مقام میں سوچنا چاہئے کہ ان دونوں مقام میں اس صنعت عجیب کا بیان
ہے جو طاقت بشری سے خارج ہے اور یہ جملہ اس کی دلیل ہے اور نیز اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ
اس فاعل حقیقی کے نزدیک کوئی کام دشوار نہیں۔ جیسے کہ اس عالم الغیب پر کوئی کھلی اور چھپی بات مخفی نہیں
اور نیز اس غافر الذنوب کی بارگاہ میں گناہوں کا بخشنا کوئی بڑی بات نہیں۔ جیسے کہ اس رزاق عباد پر ہر چیز

کو روزی پہنچانا کوئی مشکل نہیں۔ زجاج نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے کہ کُنّا فَاعِلِیْنَ کا یہ معنی ہے کہ ہم جو چاہتے ہیں کر سکتے ہیں ✤

اٹھارھواں باب

قضا و قدر اور کسب کے بارے میں صیغہ فُعِّلَ اور افعل کے بیان اور فعل اور انفعال کے ذکر میں

اِس بات کی پوری تشریح اور اس کے معنی کی تحقیق نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے قدریہ اور جبریہ کے بہت سے وہ شبہے حل ہو جاتے ہیں۔ جو انکو بے سمجھی کی وجہ سے پیش آئے ہیں۔ معلوم کرنا چاہیئے کہ اللہ سبحانہٗ کی ذات فاعل ہے اور وہ منفعل نہیں ہو سکتی۔ اور بندہ فاعل اور منفعل یعنی ان دونوں صفتوں کے ساتھ موصوف ہو سکتا ہے۔ مگر وہ فاعل ہونے کی حالت میں بھی اُس فاعل حقیقی سے منفعل ہوتا ہے۔ جو ہر طرح انفعال کی صفت سے پاک ہے۔ پس فرقہ جبریہ نے بندے کی حالت انفعال کا لحاظ کر کے اُسکو فاعلیت سے خارج کر دیا۔ اور ایک آلہ اور واسطہ فعل کے قائم مقام ٹھیرایا اور بندے کی حرکت کو درختوں کی حرکت کے مشابہ بنایا۔ اور بندے کو محض مجاز کے طور پر فاعل شمار کیا ہے۔ اور اُنکے خیال میں کھانے پینے اُٹھنے بیٹھنے۔ نماز و روزہ ادا کرنے اور بیمار پڑنے اور مرنے میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ سب یکساں ہیں۔ کہ بندہ ان میں محض منفعل ہے۔ اُسکے خلاف قدریہ نے بندے کی صفت فاعلیت کو لحاظ کیا۔ اور اُس کے منفعل ہونے کی وصف کو نظر انداز کر دیا۔ اِن دونو گروہ نے ایک آنکھ کو بند کر لیا۔ اور صرف ایک آنکھ سے دیکھا۔ پس بندے کی دو صفتوں فاعلیت و منفعلیت میں سے ایک کو تو دیکھ لیا۔ اور دوسری سے غافل رہے اور اہل علم و اعتدال یعنی اہل سنت نے دونوں صفتوں کو لحاظ کیا۔ اور ایک کی وجہ سے دوسری کا انکار نہیں کیا۔ پس انکی نظر صحیح ہوئی اور تقدیر اور شریعت کو انہوں نے اپنے موقع پر رکھا اور بندے کو ثواب و عقاب کا مستحق ٹھیرایا۔ مثلاً بندے کے لئے صفت نطق حقیقةً ثابت ہے۔ اور اللہ سبحانہ کے لئے صفت انطاق حقیقةً ثابت ہے۔ اللہ تعالے نے فرمایا ہے وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ (اور یہ لوگ اپنے (گوشت) پوست سے پوچھیں گے۔ کہ بھلا تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی ہوگی؟ وہ جواب دینگے کہ جس (خدا) نے ہر چیز کو گویا کیا ہے اُسی نے ہم کو بھی (اپنی قدرت سے) گویا کیا) پس انطاق اللہ سبحانہٗ کا وہ فعل ہے جس کو معطل قرار دینا جائز نہیں۔ اور نطق

بندے کا فعل ہے جس کا انکار درست نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے (فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ
اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ (تو آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم کہ یہ (قرآن) برحق (کلامِ الٰہی)
ہے جس طرح کہ تم کلام کرتے ہو) اس سے معلوم ہوا کہ ناطق ہونا بندوں کی حقیقی صفت ہے یہاں تک کہ
اللہ سبحانہٗ نے دوسری چیز کے وقوع کے حقیقت کو اس سے تشبیہ دی ہے اور اس کا وقوع حقیقی ہے نہ مجازی
اور جو شخص بندے کو مجازاً ناطق قرار دیتا ہے تو اس کے نزدیک اس تشبیہ سے مشبہ کا وجود حقیقۃً ثابت نہ ہوگا۔
بلکہ جیسا کہ نطق مجازی ہے اسی طرح اس چیز کا وقوع بھی مجازی ہوگا اور یہ باطل ہے کیونکہ اس کا وقوع حقیقی
ہے۔ اور اس آیت کے موافق اور مؤید یہ دوسری آیت ہے۔ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى (اور یہ کہ وہی ہنساتا
اور رلاتا ہے) پس اللہ سبحانہٗ حقیقۃً بندے کو ہنسانے اور رلانے والا ہے اور بندہ حقیقۃً ہنسنے اور رونے
کے ساتھ موصوف ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا۔
(تو ایک دن ہوگا کہ یہ لوگ ہنسیں گے کم اور روئیں گے بہت) اور نیز فرمایا ہے۔ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ
تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ (تو کیا تم (لوگ) اس بات سے تعجب کرتے ہو اور (قیامت کا ذکر سن
کر) ہنستے ہو اور تم کو رونا نہیں آتا) پس اگر اللہ تعالےٰ نے جو ناطق کرنے اور ہنسانے اور رلانے کی صفت سے
موصوف ہے اگر حقیقۃً منطق مضحک اور مبکی نہ ہو۔ تو بندہ ضاحک۔ باکی اور ناطق نہیں ہو سکتا۔ جب کوئی
بندہ اللہ تعالےٰ کا محبوب ہوتا ہے تو اسے اللہ سبحانہٗ ان باتوں کے نطق پر قادر کرتا ہے۔ جو اس کو پسند اور محبوب
ہیں۔ اور پھر ان پر اسکو ثواب عطا فرماتا ہے اور۔ اسی طرح جب کوئی بندہ اسکی بارگاہ میں مبغوض ہوتا ہے۔ تو
اسے ان باتوں کے کرنے پر قدرت ہوتی ہے۔ جو اللہ سبحانہٗ کو ناپسند ہیں۔ اور پھر ان پر اسکو عذاب ہوتا
ہے۔ مگر اس میں کچھ فرق نہیں کہ دونوں کو گویا بنانے والا اللہ سبحانہٗ ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کی زبان
پر جو کلمات پسندیدہ یا ناپسندیدہ جاری کئے ہیں۔ یہ اللہ تعالےٰ ہی نے جاری کئے ہیں۔ جیسے کسی کے دل
پر اللہ سبحانہٗ وہ باتیں جاری کرتا ہے۔ جو اس کے ہنسنے کا باعث ہوتی ہیں۔ اور کسی کے قلب پر وہ باتیں
لاتا ہے۔ جو اس کے رونے کا سبب بنتی ہیں۔ اور آیت هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (وہی
(خدا تو) ہے جو تم لوگوں کو خشکی اور تری میں لئے لئے پھرتا ہے) اور قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ (اے پیغمبر
ان لوگوں سے) کہو کہ ملک میں چلو پھرو) اسی مضمون پر دلالت کرتی ہیں۔ تسییر (چلانا) اللہ سبحانہٗ کا فعل
حقیقی ہے۔ اور سیر بندے کا فعل اور اس کی صفت حقیقی ہے۔ تسییر تو محض فعل ہے اور سیر میں فعل اور انفعال
دونوں پائے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کا قول فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (پھر جب زید نے
(عورت) سے بے تعلقی کر چکا (یعنی طلاق دے دی اور عدت کی مدت پوری ہو گئی)۔ تو ہم نے تمہارے ساتھ

اس (عورت) کا نکاح کردیا) اسی کا موید ہے۔ اللہ سبحانہٗ مزوج (نکاح کردینے والا) اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم
متزوج (نکاح کنندہ) ہیں۔ اور اسی طرح وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ (ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں کو
انکی زوجیت میں دینگے) بھی اُس کے موافق ہے۔ یعنی اللہ تو مزوج اور مومنین متزوج ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ نے
اپنے اس قول فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ (تو جب یہ لوگ ٹیڑھی چال چلے خدا نے انکے دل بھی
ٹیڑھے کردیے) میں اپنے اور بندوں کے فعل دونو کو جمع کردیا ہے۔ ازاغت تو اللہ سبحانہٗ کا فعل ہے اور زیغ (ٹیڑھا
ہونا) بندوں کا فعل ہے۔ اگر کوئی شخص شبہ پیش کرے کہ تمہارے بیان سابق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء کے تعلق بعد بندوں کے فعل کے ہوا ورنہ ہوتا۔ یعنی اگر
اللہ سبحانہٗ بندوں کو گویا نہ کرتا۔ تو وہ کبھی گویا نہ ہوسکتے۔ اور اسی طرح اگر وہ نہ ہنساتا یا وہ نہ رولاتا۔ تو وہ کبھی
کبھی نہ ہنستے اور نہ روتے۔ اور اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہٗ کا فعل انکے فعل کے بعد
ہوتا ہے۔ یعنی جب کفار کے دل پہلے ٹیڑھے ہوگئے۔ تو اللہ تعالےٰ نے انکو ٹیڑھا کردیا۔ اور اس سے یہ
سمجھا جاتا ہے کہ ازاغت ٹیڑھا کرنے کے معنی میں مستعمل نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ
اللہ تعالےٰ نے انکے دلوں کے ٹیڑھا ہونے کا حکم کردیا نہ یہ کہ انکو ٹیڑھا کردیا کیونکہ ٹیڑھے تو وہ خود ہو گئے تھے
علیٰ ہذا القیاس أَنْطَقَنَا اللَّهُ کا یہ معنی ہوگا کہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے لئے آلۂ نطق پیدا کیا اور اسی طرح أَضْحَكَ
اور أَبْكَى کا مطلب بھی یہی ہوگا۔ کہ ہمارے واسطے آلۂ ضحک وبکا بنایا تو اس شبہے کا جواب یہ ہے۔ کہ
وہ ازاغت جو کفار کے فعل زیغ کے بعد وقوع میں آئی ہے۔ یہ اس ازاغت کے علاوہ ہے جس پر اُن کا
فعل زیغ مترتب اور صادر ہوا۔ اور یہ دوسری ازاغت انکے فعل زیغ کی سزا و عقوبت کے طور پر ظہور
میں آئی۔ اللہ تعالےٰ نے بدی کی سزا اسی کی مثل سے دینا اور نیکی کا بدلہ نیکی عطا فرماتا ہے۔ پس اس
ازاغت ثانیہ سے کفار کے دلوں میں زیغ اول کے سوا ایک دوسرا زیغ پیدا ہوگیا۔ غرض اُن کے
دل ٹیڑھے ہوئے پس اللہ نے ان کو انکے زیغ کی سزا یہ دی کہ انکی کجی پر اور کجی بڑھا دی۔ پھر اگر کوئی
یہ شبہ پیش کرے۔ کہ زیغ اول کفار کا فعل ہے۔ اور یہ فعل اللہ تعالےٰ نے بدون سزا کے انکے فعل سابق کے
اُن میں پیدا کیا ہے۔ ورنہ اگر ہر فعل کا عقوبت اور سزا کے طور پر پیدا کرنا سمجھا جائے۔ تو اس طرح تسلسل[1]
لازم آئیگا۔ جو محال ہے۔ تو اس شبہے کا جواب یہ ہے۔ کہ زیغ اول انکے ایمان اور تصدیق کے ترک کرنے
کی سزا میں واقع ہوا اور یہ ترک ایک عدمی امر ہے۔ جو تاثیر فاعل کو نہیں چاہتا۔ کیونکہ تاثیر فاعل وجود میں ہوا
کرتی ہے نہ کہ عدم میں۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اس ترک عدمی کا بھی کوئی سبب ہوتا ہے یا اُس کا کوئی
سبب نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی ضعف کے سبب کا نہ ہونا ہے۔ اس کا سبب ہے۔ پس اپنے

لہ ایک سلسلہ ایسا جاری ہوجائیگا جس کی کوئی نہایت نہ ہوگی جسکو منطقیوں کی اصطلاح میں وجود اور غیر متناہیت بالفعل سے تعبیر کرتے ہیں۔

اصلی عدم پر رہی۔ اور اللہ تعالے کا قول وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ۔ اور اُن لوگوں
جیسے نہ بنو جنہوں نے خدا کو بھلا دیا۔ تو خدا نے انکی ایسی مت ماری کہ اپنے آپ کو بھی بھول گئے،
اسی کے مشابہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی سزا میں کہ انہوں نے اللہ تعالے کو بھولا یا تھا۔ انکو خود انکی
ذات اور جہان بھی بھلا دیا۔ پس وہ اپنے مصالح کو عمل میں لانا اور معائب کی درستی اور مدارج کا حاصل
کرنا بھول گئے۔ سب سے زیادہ نافع اور مفید کام انکے لئے یہ تھا کہ وہ اپنے رب اور خالق کو یاد کرتے۔ اور
خالق کی یاد۔ اسکی محبت۔ اطاعت اور اسکی طرف توجہ کرنے اور ماسوا سے منہ پھیرنے جیسی کوئی نعمت
اور نفوس کے لئے اس جیسی کوئی چیز باعث خوشی نہیں ہو سکتی۔ اور صلاح و فلاح اور نجات کا دارومدار اسی
پر ہے۔ مگر کفار جب خدا کو بھول گئے۔ تو اس نے یہ سب چیزیں انہیں بھلا دیں۔ اور پہلے نسیان کے
باعث اُن کے لئے ایک دوسرا نسیان پیدا ہو گیا۔ اور جو لوگ خدا کو نہ بھولے بلکہ اس کو یاد کیا۔ تو اللہ تعالے
نے ان کو ان کے مصالح یاد دلا دئے۔ سو وہ انکو عمل میں لائے۔ اور انکے معائب پر انکو مطلع کر دیا۔ پس
انہوں نے انکی اصلاح کر لی۔ اور ان کو اپنے مدارج و حظوظ حاصل کرنے کی طرف راہ نمائی فرمائی۔ سو
انہوں نے انکے حاصل کرنے میں کوشش اور سعی کی۔ غرض کفار کو تو انکے نسیان کی یہ سزا دی کہ انکو ایمان
اپنی محبت۔ ذکر و شکر سب کچھ بھلا دیا۔ اور جب انکے دل ان چیزوں سے خالی ہو گئے۔ تو انکی بجائے
انکی اضداد کفر وغیرہ انکے دلوں میں جاگزین ہو گئے۔ اور اس سے انکے لئے کفر اور ذنوب کے مقدر
کرنے میں اللہ تعالے کا کمال عدل ظاہر ہوتا ہے۔ اور جب انکے لئے کفر و ذنوب کا عدل ہوا۔ تو
ان کے واسطے عذاب کا مقدر کرنا تو نہایت کمال درجہ کا عدل ثابت ہوا۔ اسی واسطے کہا گیا ہے کہ بندہ
کے بارے میں اللہ تعالے کا حکم نافذ اور اسکی قضا اس کے حق میں عادل ہے۔ اور بندے کی نسبت اللہ تعالے
کی قضا و تقدیر دو قسم پر ہے ایک سبب کا مقدر کرنا۔ دوسرے مسبب کا۔ اور ہر ایک میں اللہ تعالے کا کمال
عدل پایا جاتا ہے۔ مثلاً جب بندے نے خدا کی یاد اور ان کاموں کو چھوڑ دیا۔ جو اس کو محبوب و پسندیدہ
ہیں۔ تو اللہ تعالے نے بندے کو یہ سزا دی کہ اسکو خود اس کی جان کا نفع و نقصان بھلوا دیا۔ اور یہ نسیان
اس کے لئے ان گناہوں اور برائیوں کے کرنے کا سبب بنا جو اس کے لئے مقدر ہو چکے تھے۔ اور
وہ تقدیر عین انصاف ثابت ہوئے۔ اور جب وہ معاصی اور ذنوب کا مرتکب ہوا تو اس پر اس کے
لئے طرح طرح کے عذاب اور تکلیفیں قرار پائیں۔ مگر ان تکالیف کا سبب وہی اسکے گناہ اور معاصی ہیں۔
پس اللہ تعالے کی طرف سے یہ محض عدل ہے۔ غرض بندے کی نسبت اول اور آخر ہر حال میں اللہ تعالے
کا کمال عدل پایا جاتا ہے۔ اور یہ عدل اس کا احسان ہے اور وہ اس کی وجہ سے محمود ہے۔ اور ہر شخص

طوشادکر یا اُس کے عدل کی تعریف کرتا ہے۔ حسن بصری کا قول ہے۔ کہ کئی لوگ دوزخ میں جائینگے اور اللہ تعالےٰ کی حمد اُنکے دلوں میں موجود ہوگی۔ اُس سے اُن کے دل انکار نہیں کرسکینگے۔ ہم انشاءاللہ اِس مسئلہ کو باب دخول الشر فی القضا میں زیادہ بسط اور توضیح کے ساتھ بیان کرینگے۔ یہاں تو یہ بیان کرنا مقصود ہے۔ کہ بندہ فاعل اور منفعل ہونے کی دو نو صفتوں سے موصوف ہے۔ اور نیز فَعَلَ اور اَفْعَلَ کے درمیان فرق بتلانا مقصود ہے۔ کہ اللہ سبحانہٗ اَفْعَلَ کا مصداق ہے۔ اور بندہ پر فَعَلَ صادق آتا ہے مثلاً اللہ سبحانہٗ بندے کو کھڑا کرتا اور بندہ کھڑا ہوتا ہے۔ اور اللہ مارتا اور گمراہ کرتا ہے۔ اور بندہ مرتا اور گمراہ ہوتا ہے اور یوں کہنا کہ اَنْطَقَ اَضْحَکَ۔ اَبْکیٰ کا یہ مطلب ہے۔ کہ اللہ نے بندے کے لئے آلہٗ نطق وضحک وبکا پیدا کئے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ صرف آلہٗ نطق وغیرہ پیدا کرنے سے فعل کا صدق نہیں ہوسکتا۔ مثلاً اگر زید دن بھر خاموش رہا۔ اور کسی نے یوں قسم کھائی تھی۔ کہ اللہ نے زید کو آج گویا کیا۔ یعنی محاورہ عرب میں کہا اِنَّ اللّٰہَ اَنْطَقَ الْیَوْمَ زَیْدًا۔ تو قسم کھانے والا جھوٹا اور حانث ہوگا۔ اور اسی طرح اگر کفار کو اسلام کی طرف دعوت کی جائے اور اُن میں سے ایک شخص کلمہ شہادت زبان پر لائے۔ تو یہ کہنا صحیح نہیں ہوسکتا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے سب کفار کو ناطق بالشہادت کیا حالانکہ آلہٗ نطق سب کو دیا ہوا ہے۔ امر ونہی اور ثواب وعقاب بندے کے فعل سے متعلق ہیں۔ نہ اللہ تعالےٰ کے بندے کو فاعل افعال بنانے سے۔ اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ بندے کے تمام افعال کفر۔ زنا۔ چوری وغیرہ کی نسبت یہ کہنا جائز ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے بندے کو ان افعال کا فاعل بنایا ہے یا یہ قاعدہ بندے کے بعض افعال کے ساتھ خاص ہے۔ تو تمہارا یہ قاعدہ کہ اللہ تعالےٰ بندے کو فاعل افعال بناتا ہے علی العموم صحیح نہ ہوگا۔ تو اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ اس مقام میں دو باتیں ہیں ایک لغت کے متعلق ہے اور دوسری مطلب اور معنی سے تعلق رکھتی ہے۔ لغت کے قاعدہ کے رو سے تو بیشک یہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ کہ اللہ نے بندے سے صدور زنا کرایا۔ یا اُس سے چوری کرائی یا اُسے شراب پلائی یا اُس سے قتل کو سرزد کرایا۔ کیونکہ لغت عرب میں اَزْنَی اللّٰہُ الرَّجُلَ اَسْرَقَہٗ۔ اَشْرَبَہٗ۔ اَقْتَلَہٗ کہنا ثابت نہیں ہوا۔ گو بعض افعال کی نسبت ایسا کہنا صحیح ہے جیسے اَقَامَ اللّٰہُ عَبْدَہٗ۔ اَقْعَدَہٗ۔ اَضْحَکَہٗ۔ اَبْکَاہٗ۔ اَنْطَقَہٗ وغیرہ صحیح ہے۔ باب افعال کے صیغے کے علاوہ باب تفعیل کا صیغہ بھی مستعمل ہے۔ فَهَّمَهٗ۔ عَلَّمَهٗ۔ سَیَّرَہٗ۔ وغیرہ یعنی اللہ نے بندے کو سمجھا دیا۔ یا اس کو علم دیا یا اُس کو سیر کرایا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ یعنی وہ واقعہ ہم نے سلیمانؑ کو پوری طرح سمجھا دیا۔ ایسے ہی فهم یعنی

سمجھانا اللہ سبحانہ کا فعل ہے اور فہم یعنی سمجھنا اس آیت میں اللہ کے نبی سلیمانؑ کا کام اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا یعنی ہم نے اسکو اپنے پاس سے علم سکھلایا پر تعلیم اسی طرح تیسیر یعنی چلانا اللہ سبحانہ کی صفت ہے اور سیکھنا اور چلنا بندے کا کام ہے۔ اور سطلب اور مفہوم کے لحاظ سے تمام افعال کی نسبت یہ امر صحیح ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ بندے کو فاعل جملہ افعال بناتا ہے۔ گو بعض افعال کی نسبت لغت کے رو سے یہ امر صحیح نہ ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا (اور ہم نے اُن کو (لوگوں) کا پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے (انکو) ہدایت کرتے تھے) دوسرے مقام میں فرمایا ہے وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ (اور ہم نے اُن کو سردار (تو) کیا مگر ایسے جیسے سردار کہ (جب تک دنیا میں رہے لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے رہے) پس اللہ سبحانہ نے ائمہ ہدایت بنائے ہیں۔ جو اس کے امر سے لوگوں کو خیر اور جنت کی طرف ہدایت کرتے ہیں۔ اور اسی نے ائمہ ضلال بنائے ہیں۔ جو لوگوں کو گمراہی اور بدعات اور دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔ غرض بعض افعال کی نسبت تو لغت کے رو سے ایسا کہنا صحیح نہیں جیسے کَلَّمَهُ فَتَكَلَّمَ یعنی اللہ نے بندے کو متکلم بنایا پس وہ کلام کرنے لگا۔ اور بعض کی نسبت صحیح ہے۔ جیسے أَنْطَقَهُ فَنَطَقَ اور اسی طرح أَهْدَاهُ بِأَمْرِهِ اور أَدْعَاهُ إِلَى النَّارِ کہنا صحیح نہیں۔ اور یوں کہنا صحیح ہے جَعَلَهُ يَهْدِي بِأَمْرِهِ اور يَدْعُو إِلَى النَّارِ یعنی اللہ نے بندے کو ہادی الی الخیر یا اُسے داعی الی النار بنایا۔ اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے۔ کہ تمہارے نزدیک یہ کہنا درست ہے کہ مرد و عورت جو آپس میں زنا کرتے ہیں۔ تو یہ کام اُن سے اللہ تعالیٰ کراتا ہے۔ اور وہی اُن دونوں کو اس کام کے لئے اٹھا کرتا اور ایک کو دوسرے کی طرف پہنچاتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر لوگ ایسے الفاظ مجملہ کی وجہ سے جن کا مطلب حق و باطل دونوں طرح ہو سکتا ہے غلطی میں پڑے ہیں۔ پس جو شخص ان کا صحیح مطلب ارادہ کرتا ہے تو وہ شخص جو ان کا غلط اور باطل مطلب سمجھتا ہے اُس پر انکار کرتا اور اُس کی تردید کرنے لگتا ہے۔ اگر سمجھدار آدمی اس امر کو غور سے دیکھیگا۔ تو اُس کو عجیب و غریب اسرار علمی معلوم ہو جائینگے۔ اور جس بلا میں اکثر لوگ مبتلا ہیں۔ اس سے بچ جائینگے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ جعل جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے دو قسم پر ہے۔ ایک پسندیدہ اور محبوب چیزوں کا جعل اور بنانا ہے اور دوسرا وہ جعل جو یعنی قضا و قدر ہے جعل اول کی مثال یہ ہے مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ (نہ تو) بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام (ان میں سے) کوئی چیز خدا نے نہیں ٹھیرائی) پس اس مقام میں جعل شرعی اور دینی کی نفی فرمائی ہے یعنی اللہ سبحانہ نے ان چیزوں

کو مشروع نہیں کیا اور نہ اُن کا حکم دیا اور نہ یہ چیزیں اُسے محبوب و پسندیدہ ہیں۔ جعل دوم کی مثال یہ ہے۔
وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ (اور ہم نے ان کو سردار (تو) کیا (مگر) ایسے بُرے سردار)
کہ جب تک دُنیا میں رہے لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے رہے) اس آیت میں جعل کونی اور قدری
مراد ہے یعنی ہم نے کفار کے لئے آئمہ ضلال ہونا کہ لوگوں کو دوزخ کی طرف بلائینگے مقدر کیا۔ اور قضا و قدر
میں اُن کے لئے یہ ثابت ہو گا۔ اور اللہ تعالےٰ کا کسی بندے کو امام ضلالت بنانا کہ وہ لوگوں کو دوزخ
کی طرف بلائے۔ زانی۔ سارق۔ قاتل وغیرہ بنانے سے کچھ کم نہیں۔ بلکہ اُس سے زیادہ ہے۔ غرض لفظ
جعل۔ جو اللہ تعالےٰ کی طرف نسبت کیا جاتا ہے یہ ایک مجمل لفظ ہے۔ اگر اس سے یہ مراد لیا جائے۔
کہ اللہ تعالےٰ نے بندے کو کسی فعل کا فاعل بایں معنی بناتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اُس کام پر اُس بندے کو
مجبور کرتا ہے جس سے وہ فعل بلا اختیار اضطراراً اُس بندے کے لئے صادر ہوتا ہے۔ تو یہ معنی تو بالکل
غلط ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی ذات مقدس کی نسبت ایسا خیال کرنا محال اور باطل ہے اور جیساکہ پہلے
بیان ہو چکا ہے اُس کے صفات کمال کے مخالف ہے۔ اور اگر یہ مطلب ہو کہ اللہ سبحانہ نے بندے کو
اس کے افعال پر بدوں کسی قسم کے اکراہ و اجبار کے قادر کرتا اور اُسکو اُنکے صدور کے لئے وہی
قوت اور قدرت دیتا ہے تو یہ صحیح اور درست ہے۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ ہم یہ پوچھتے ہیں۔
کہ گناہوں اور معاصی کا موجد اور اُنکو عدم سے وجود میں لانے والا کون ہے۔ بندہ یا کہ اللہ سبحانہٗ۔
تو اس شبہے کا جواب یہ ہے کہ معاصی کا موجد اور اُنکو عدم سے وجود میں لانے والا وہی شخص ہے۔
جو ان کا فاعل ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ ان کو اُنکے صادر کرنے پر بغیر کسی قسم کے اکراہ و اجبار کے
قدرت دیتا ہے۔ اب یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ معاصی کا خالق کون ہے۔ خود بندہ ہے یا کہ اللہ تعالےٰ
تو ہم اس پر یہ سوال کرینگے۔ کہ تم یہ بتلاؤ۔ کہ ان کا فاعل کون ہے۔ اگر تم معاصی اور گناہوں کا فاعل اللہ سبحانہٗ
کو قرار دیتے ہو۔ تو یہ بات عقل فطرت اور تمام آسمانی کتابوں اور جملہ انبیا علیہم السلام کی ہدایت اور تعلیم کے خلاف
اور نیز اللہ سبحانہٗ کی حکمت اور رحم اور دیگر صفات کمال کے مخالف ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ کے تمام افعال خیر ہیں
اور وہ کسی قسم کے شر کا فاعل ہرگز نہیں۔ اسکی ذات شر سے پاک اور منزہ ہے پس شر اس کی طرف منسوب
نہیں ہو سکتی۔ اور اسکی طرف محض خیر منسوب ہے۔ وہ خیر ہی کا ارادہ کرتا اور خیر ہی کو ظہور میں لاتا ہے
اگر وہ چاہے تو شر کو بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اُس کی ذات پاک شر کے کرنے بلکہ اُسکے ارادے اور مشیت
سے بھی منزہ و مقدس ہے جیسے کہ وہ شر کے وصف کے ساتھ موصوف ہونے اور ایسے اسما کے ساتھ موسوم
ہونے سے پاک و منزہ ہے۔ اسی طرح وہ شر کے کرنے سے بھی پاک اور منزہ ہے ۔

اور اگر تم یہ کہو کہ معاصی اور گناہوں کا فاعل بندہ ہے۔ مگر اللہ نے اُنکے کرنے پر اُسے قدرت دی ہے۔ اور
اُن کے کرنے کا ارادہ اور مشیت اُس میں پیدا کیا ہے۔ تو ہم یہ جواب دینگے۔ کہ اس طور پر بندے کے افعال
کا خالق اللہ سبحانہ ہے۔ اور اگر فرقہ جبریہ اپنے مقابل فرقہ قدریہ کے جواب کے لئے اس طرز کو اختیار کرتا
تو اُس کو بھی آرام ہوتا اور دوسرے کو بھی راحت پہنچتی اور اسی طرح فرقہ قدریہ جبریہ کے جواب کے
لئے اگر اس پہلو کو لیتا تو دونوں کو سہولت ہوتی۔ لیکن دونو فریق نے سیدھے راستے کو چھوڑ دیا۔ اور دونو
میں بہت بڑا اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور شاعر کے اس شعر کا مصداق ہوئے۔ شعر

سَارَتْ مُشَرِّقَةً وَّ سِرْتُ مُغَرِّبًا   شَتَّانَ بَيْنَ مُشَرِّقٍ وَّ مُغَرِّبِ

یعنی میری محبوبہ مشرق کی طرف روانہ ہوئی اور میں مغرب کو چلا۔ سو مشرق اور مغرب (دو مختلف جہتوں)
کی طرف جانے والوں کے درمیان بہت بُعد اور نہایت دوری واقعہ ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی یہ استفسار
کرے کہ بندہ گناہوں اور معاصی کے کرنے سے جبکہ وہ گناہ یا اُنکے اسباب موجبہ (یعنی جن کے
وجود سے مسبب کا وجود ضروری ہوتا ہے) اُس کے لئے پیدا کئے گئے ہیں بچ سکتا۔ اور اُن سے باز
آسکتا ہے یا نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سوال کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ سائل کا مطلب یہ
ہو کہ بندہ اُس صورت میں کہ جب گناہ یا اُنکے اسباب موجبہ اُس کے لئے پیدا کئے گئے ہیں گناہوں
کے کرنے میں مجبور اور مضطر ہو جاتا ہے۔ اور اُنکے صدور میں اُس کے لئے کوئی اختیار و ارادہ باقی
نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ اُس کی حرکت کو حرکت بالارادہ نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اُس کی حرکت اس وقت
حرکت قسریہ ہو جاتی ہے۔ دوم یہ کہ بندے کے ارادہ، اختیار اور قدرت کو اُنکے صدور میں کچھ دخل
ہوتا ہے۔ یا محض اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ان کا صدور ہوتا ہے۔ اور وہی اُنکا سبب
موجب ہوتا ہے۔ پس اگر پہلی صورت کی بنا پر سوال کیا جائے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بندے کو
گناہوں کے کرنے اور نہ کرنے دونو پر قدرت ہے اور وہ اُنکے یا ان کے اسباب کے مخلوق ہونے
کی وجہ سے اُنکے کرنے پر مجبور و مضطر نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ وہ ایسے طور پر پیدا کئے جاتے ہیں۔ کہ بندہ
اپنے افعال کے کرنے اور نہ کرنے دونو پر قادر رہتا ہے۔ اور اگر اُن کے نہ کرنے پر بندے کو قدرت
نہ ہو۔ تو اجتماع نقیضین لازم آئیگا۔ یعنی یہ لازم آئیگا۔ کہ بندہ ارادہ کرنے والا اور ارادہ نہ کرنے والا۔
فاعل اور غیر فاعل مجبور اور غیر مجبور ہو۔ اور یہ ناجائز ہے۔ اور اگر دوسری صورت کے مطابق سوال
کیا جائے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ معاصی کے صدور میں بندے کے ارادہ۔ قدرت اور اختیار
کو کسی قدر دخل ہے۔ اور یہی چیزیں اُسکے صدور کا سبب ہیں جن کی وجہ سے اُنکو اللہ تعالیٰ نے بندے

میں پیدا کر دیا۔ یہ بات کہنا کہ بندہ انکے صادر کرنے پر قادر تھا اور بعض یہی خیال کرتا ہے کہ انکے ترک کرنے پر قادر نہیں دو مخالف باتوں کو جمع کرنا
ہے یعنی جب انکے کرنے پر قادر ہے۔ نہیں تو انکے صادر کرنے پر بھی اُسے اختیار ہے یہ کہ انکے ترک کرنے سے تو مجبور ہے۔
مگر کرنے کے لئے مختار ہے۔ ظاہر ہے کہ جب انکے کرنے پر اُسے قدرت حاصل ہے۔ تو یہ اُس کے اختیاری
افعال ہیں۔ اگر چاہے تو انکو صادر کرے۔ اور اگر نہ چاہے تو انکو صادر نہ کرے۔ غرض یہ کہنا صحیح نہیں
ہو سکتا۔ کہ بندہ فعل اختیاری کے ترک کرنے پر قادر نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر بندہ انکے ترک کرنے
کا ارادہ کرے تو وہ انکو ترک کر سکتا ہے لیکن وہ انکے ترک کرنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ غرض ترک کرنا
اِس کے ارادہ پر موقوف ہے۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جب بندہ ترک کرنے کا ارادہ نہیں کرتا۔
تو لازم آیا۔ کہ بندہ انکے ترک کرنے سے معذور و مجبور ہے۔ تو اُس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس سے
صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ بندہ مجبور نہیں کیونکہ یہ بات اُسکے ارادہ سے لازم آتی ہے۔ جو مجبور
ہونے کے خلاف ہے۔ اگر ارادہ کے سبب فعل کا صدور ضروری ہونے سے مجبور ہونا لازم آئے تو
چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ بھی اپنے افعال میں مجبور ہو۔ کیونکہ اُس کے افعال اسکے ارادہ و مشیت سے ضروری
ہوتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ کا اپنے افعال میں مجبور ہونا محال ہے۔ اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے۔ کہ
اللہ تعالےٰ کے ارادہ سے اُسکے افعال کے ضروری ہونے اور بندے کے ارادہ سے بندے کے افعال
ضروری ہونے میں فرق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کو کوئی دوسرا شخص مُرید یعنی ارادہ کرنے والا نہیں بناتا۔ اور
بندے کے تو مُرید یعنی ارادہ کرنے والا بھی اللہ تعالےٰ بناتا ہے۔ اِسلئے کہ بندے کا ارادہ بھی خدا تعالےٰ
کا مخلوق ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اِسی مقام میں بہت سے لوگوں کو اضطراب واقع ہوا
ہے۔ قدریہ تو ایک گرداب میں پڑے اور جبریہ دوسرے بھنور میں پھنسے۔ پس قدریہ نے یہ کہا کہ
بندہ خود اپنے ارادے کو پیدا کرتا ہے اور اس کا ارادہ اللہ تعالےٰ کا مخلوق نہیں۔ اِتنی بات ہے
کہ اللہ سُبحانہٗ نے بندے کو ارادہ پیدا کرنے پر قدرت دی یعنی اُس کی خلقت ایسی بنائی ہے۔ کہ وہ
ارادہ پیدا کر سکتا ہے۔ اور جبریہ نے یہ کہا کہ بندے کے تمام ارادوں کو وقتاً فوقتاً اللہ سبحانہ
پیدا کرتا ہے۔ اور بندے کے باقی صفات مثلاً رنگ یعنی سیاہی و سفیدی قد کی لمبائی یا چھوٹا ہونا
وغیرہ جن کے پیدا کرنے میں بندے کو کوئی دخل نہیں۔ ان میں اور بندے کے ارادے میں کوئی
فرق نہیں کہ سب یکساں بدون اختیار بندے کے اللہ سُبحانہٗ کے پیدا کئے ہوئے ہیں پس اگر
بندہ عدم ارادہ یعنی ارادہ نہ کرنے کا ارادہ کرے تو یہ اُس سے ممکن نہیں اور یہ بالکل ایسا ہوگا۔ جیسا کہ
وہ اس بات کا ارادہ کرے کہ اُس کے قد کی لمبائی یا چھوٹائی یا رنگ بدل جائے۔ تو جس طرح یہ نہیں

بدل سکتے۔ اسی طرح وہ اپنے ارادہ کو بھی نہیں بدل سکتا۔ غرضیکہ بندہ اپنے ارادہ میں مجبور محض ہے۔ یعنی جس چیز
کا ارادہ اللہ نے اس میں پیدا کر دیا ہے اس کو وہ ہٹا نہیں سکتا اور بندے کے تمام ارادے اللہ سبحانہ کے ارادہ و مشیت پر موقوف ہیں یعنی جس
طرح کہ اسکے تمام افعال اللہ تعالیٰ کو معلوم اور اسکی قدرت میں ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے متعلق اور اس پر موقوف ہیں۔ پس
ایک تو اس وجہ سے وہ جبریہ کے قائل ہوتے۔ اور دوسرے اس وجہ سے کہ بندہ کے ارادہ و قدرت
کو اسکے افعال کے صادر ہونے میں کوئی دخل نہیں۔ پس اس مقام میں اگر کوئی شخص یہ استفسار کرے کہ
ان دونو فریق کے مسلک کے علاوہ تمہارا کیا مسلک ہے۔ جو ان دونوں سے جدا اور علیحدہ ہے۔ تو اس کو
یہ جواب دیا جائیگا۔ کہ یہاں ایک تیسرا مسلک ہے جس کو دونو فریق نے اختیار نہیں کیا۔ اور نہ انکو اس تک
رسائی ہوئی ہے۔ اور اگر یہ ایک فریق حق کی پیروی کرتا اور اسکے لوازم پر ثابت و قائم رہتا۔ تو وہ اس
سیدھے رستے کو ضرور پہنچ جاتا۔ اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اسکی اعانت سے وہ تیسرا مسلک بیان
کرتے ہیں۔ پس کہتے ہیں کہ بندے کا جسم۔ روح۔ صفات۔ افعال اور احوال سب کچھ اللہ تعالیٰ کا مخلوق
ہے۔ غرضیکہ بندہ جمیع وجوہ سے اللہ تعالیٰ کا مخلوق ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بات ہے کہ اس کی خلقت
ایسی بنائی گئی ہے۔ اور اس کے صفات ایسے پیدا کئے گئے ہیں۔ کہ وہ اپنے ارادہ اور افعال کے صادر
کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ اور اس کی خلقت کا اس طور پر ہونا اللہ سبحانہ کی مشیت۔ قدرت اور اس
کی تکوین یعنی اس کے بنانے سے ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے ہی تو اس کو ایسا بنایا اور پیدا کیا ہے۔ اور
بندے کا اس میں کوئی دخل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ارادہ و افعال کا محدث و صادر کرنیوالا
بنایا ہے۔ اور اسی واسطے اسکو امر و نہی سے مخاطب بنایا اور اس پر اپنی حجت کو قائم کیا۔ اور ثواب و
عقاب کا مستحق ٹھیرایا ہے۔ پس ان کاموں کو کرنیکا حکم فرمایا جن کو وہ کر سکتا ہے۔ اور ایسے امور سے
منع فرمایا جن سے وہ باز آ سکتا ہے۔ اور اپنی افعال مامورہ کے بجا آوری اور ممنوع کاموں کی ترک پر
ثواب و عقاب کو مرتب فرمایا۔ جن کے کرنے اور نہ کرنے پر بندے کو قدرت ہے۔ اور یہ بات اپنی
مخلوقات کی فطرت میں رکھدی ہے کہ جو شخص اسکے احکام کو بجا لاتا اور منہیات سے باز رہتا ہے۔ اس
کی ہر شخص مومن (شریعت کا ماننے والا) اور کافر (منکر شریعت) غرض سب کوئی تعریف اور مدح کرتا ہے
اور جو اسکے احکام کا خلاف کرتا ہے ہر کوئی اسکی مذمت و برائی کرنے لگتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا
کہ بندہ اپنے افعال کو اپنے ارادہ و مشیت سے کرتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہوتی۔ تو وہ بذاتہ خود
ارادہ نہیں کر سکتا۔ غرض اللہ تعالیٰ نے ہی نے اس کو مشیت ارادہ اور قدرت سب کچھ دیا ہے۔ اور اسے
اس کے نفع اور ضرر سے آگاہ فرمایا ہے۔ اور اسے یہ حکم دیا ہے۔ کہ وہ اپنے ارادہ مشیت اور قدرت

واختیار سے ایسے راستے کو اختیار کرے اور اُس طریق پر چلے جس سے وہ اپنی بہتری کے اعلےٰ درجہ کو حاصل کرے۔ اور اپنی نہایت فلاح اور بہبودی کو پہنچ جائے۔ اور بندے کے ان اشیاء یعنی ارادہ و سببیت اور قدرت کے ذریعہ سے پہنچنے یا کسی کے راستے میں چلنے کی یہ مثال ہے۔ کہ کوئی شخص اپنے غلام کو ایک گھوڑا سوار ہونے کے لئے دے اور ساتھ ہی یہ بتا دے کہ اگر فلاں راستے سے جاؤ گے تو سلامت رہو گے۔ اور اگر فلاں راستے سے جاؤ گے تو ہلاکت میں پڑو گے۔ اور یہ بھی حکم کر دے کہ اُسی راستے سے جانا جس میں سلامت رہو۔ مگر وہ غلام اُس سلامتی کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ میں اسی گھوڑے کو چلاتا ہے اور وہ گھوڑا اپنی قوت اور تیز رفتاری سے اُس پر غالب ہو جاتا اور اُس کو اس راستے سے ہٹانا غلام پر دشوار ہو جاتا ہے اور اُس کو دوسری طرف پھیر نہیں سکتا۔ پس اگر اس مقام میں یہ کہا جائے کہ اُس گھوڑے کو اس راستے سے پھیرنا غلام کی قدرت و اختیار میں تھا تو صحیح ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اس حالت میں اُس کو اس راستہ سے ہٹانے پر غلام کو کوئی قدرت و اختیار نہیں رہا۔ تو یہ بھی صحیح ہے بلکہ یہ کہا جائیگا۔ کہ اس فعل سے غلام کو اس ذات پاک نے روک دیا ہے۔ جو بندے اور اُسکے دل کے ارادوں میں حائل ہوتی اور معاندین کے قلوب اور ابصار کو پھیر دیتی ہے۔ اگر حقیقت حال کو پوری طرح سمجھنا چاہتے ہو تو اُس شخص کی حالت پر غور کرو کہ جو ایک نہایت بدیع الجمال خوبصورت شکل کو اور اس کا حسن اپنے عشق و محبت کی طرف اُسے کشش کرے مگر اُس کی عقل اس سے اس طور مانع ہو۔ کہ اُسکو عشق کے انجام و نتیجہ پر آگاہ کر دے کہ اس کا انجام ہلاکت۔ بربادی اور تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ اور پہلے عاشقوں کے حالات کو اُس کے سامنے پیش کر کے سمجھا دے کہ دیکھو تمہارے واسطے آگے اور پیچھے اس ظالم کے کئی شہید مدفون ہیں۔ مگر وہ شخص بار بار اُس شکل کی طرف اپنی نگاہ دوڑاتا اور اپنے نفس کو اُس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے پر اُبھارتا اور اپنے ارادہ کو مضبوط کرتا اور اسباب محبت کو بڑھاتا اور ایندھن کو آگ کے نزدیک کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب عشق کی آگ بھڑک اُٹھتی اور شعلہ زن ہو جاتی اور ادھر اُدھر اپنی چنگاریاں ڈالتی اور ہر طرف سے اُسے محیط ہو جاتی ہے تو اُس وقت اُس سے اپنی خلاصی چاہتا ہے۔ پس ایسے وقت میں اس کا دل اور اُسکی عقل یہ کہتے ہیں کہ اب خلاصی پانا محال ہے۔ اور اُسے یہ شعر سناتے ہیں۔ شعر

تولع بالعشق حتی عشق   فلما استقل به لم یطق

رأی لجة ظنها موجة   فلما تمکن منها غرق

یعنی پہلے تو عشق کو اپنی حرص سے بڑھا لیا۔ یہاں تک کہ جب پوری طرح عاشق ہو گیا اور عشق کے بوجھ کو سر پر اٹھا لیا۔ تو اُس کی برداشت نہ کر سکا۔ دریائے عشق کو دیکھ کر اُس کو ایک موج سمجھا۔ مگر جب

تموج میں پاؤں رکھا۔ تو اس میں ڈوب جانا۔ غرض ابتدائی حالت میں چونکہ اسباب تام اور ارادہ مصمم جو موجب فعل ہے موجود نہیں ہوتے۔ لہذا اس سے باز آجانا اور اس کو چھوڑ دینا بندے کی قدرت و اختیار میں تھا۔ مگر جب اسباب کامل اور ارادہ مستحکم ہو جاتے۔ تو اس وقت اس کو چھوڑنا محال ہو جاتا اور عاشق زار اپنے ملامت کرنے والے کو یہ شعر سناتا ہے ؎

یَا عَاذِلِی وَالْاَمْرُ فِی یَدِہٖ ؟ هَلَّا عَذَلْتَ وَفِی یَدِی الْاَمْرُ

یعنی اے مجھے ملامت کرنے والے اب تو مجھے ملامت کرتا ہے حالانکہ اب تو یہ معاملہ معشوق کے ہاتھ میں ہے جبکہ یہ معاملہ میرے اختیار میں تھا اس وقت تو نے کیوں نہ سمجھایا۔ عشق کے تین حالات ہیں ابتدا میں تو ارادہ و اختیار اور محبت سے ہوتا ہے۔ درمیان میں اضطرار اور مجبوری پیدا ہو جاتی ہے اور آخر کار عذاب و بلا بن جاتا ہے۔ حافظ شیرازی نے کہا ہے ؎

که عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلها

اور بعینہ یہی مثال اس آدمی کی ہے جو ایک ایسے سرکش گھوڑے پر سوار ہو جسے وہ اس راستے سے ہٹا نہ سکے جو اس کو ہلاکت کی جگہ میں پہنچا دے۔ کہ سوار ہونے سے پہلے اس آدمی کو اختیار تھا۔ کہ اس پر سوار نہ ہوتا۔ مگر جب سوار ہو کر اس کو میدان میں دوڑایا۔ تو اب اس کے قابو سے باہر ہو گیا۔ اور اسے کچھ اختیار نہ رہا۔ اور وہ ضرور اس کو ہلاکت کی جگہ میں پہنچائیگا۔ اور اسی طرح اس مست و مدہوش کا حال ہے جس کی عقل زائل ہو گئی ہو۔ اگر وہ اس حالت میں اپنا کوئی نقصان کر ڈالے۔ تو وہ اس صورت میں معذور نہیں سمجھا جائیگا۔ کیونکہ جب اس نے اس سبب کو جان بوجھ کر اختیار کیا۔ تو اس پر جو کچھ مرتب ہوگا گو وہ اس کے خلاف مرضی اور اس کے اختیار سے باہر ہو اس میں وہ معذور نہ ہوگا معاصی اور انکے اسباب کے مرتکب کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ جو علماء کہ ان (مست) کی طلاق کو نافذ قرار دیتے ہیں انکی دلیل یہی ہے اسی واسطے وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کی عقل ایسے سبب سے زائل ہو گئی ہے جو اس کے اختیار سے باہر ہو تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور مست کی طلاق کو اسلئے نافذ کہتے ہیں کہ اس کو پوری طرح سے سزا ہو جائے اور جو یہ کہتے ہیں کہ مست کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ انکی دلیل (میرے خیال میں) زیادہ پختہ ہے چنانچہ حضرت عثمان رض نے اسی پر فتوے دیا اور صحابہ میں سے کسی شخص نے ان کا خلاف نہ کیا۔ امام احمد رح نے اسی قول کی طرف رجوع کیا۔ اور کہا ہے کہ طلاق خواہش اور ارادہ سے واقع ہوتی ہے اور مست آدمی ارادہ اور خواہش سے خالی ہوتا ہے لہذا اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ بستگی عقل اور مجبوری کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ چنانچہ اکراہ تو

جنون کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اسی طرح حالت غضب میں بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔ امام احمد اور ابو عبید
اور ابو داؤد وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے [illegible] خلاف [illegible]
میں امام احمد سے لفظ اغلاق کی تفسیر [illegible] غضب ہے۔ اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد کا
مذہب یہ ہے کہ غضب کی حالت میں [illegible] طلاق واقع نہیں ہوتی [illegible] اور یہی [illegible] ہے۔ کہ اگر
غصہ کی [illegible] شدت پیدا ہو [illegible] زیادہ [illegible] تو [illegible] اس کی طلاق واقع
نہ ہوگی۔ بلکہ بطریق اولیٰ واقع نہ ہونی چاہئے۔ کیونکہ شدت غضب کی حالت میں آدمی ایسے کام کر لیتا ہے
اور وہ باتیں کہہ دیتا ہے جو [illegible] سے وقوع میں نہیں آتے۔ حضرت [illegible] نے فرمایا ہے کہ وہ اس حالت میں اس
کی [illegible] نہیں فرمایا۔ اگر اس کی بددعا قبول ہو جائے۔ تو اس کا خاتمہ
ہو جاتا۔ اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے عذر کو قبول فرمادیا ہے۔ جو ایک مہلک
بیابان میں سواری کے ملنے سے ناامید ہونے کے بعد اسکے پا لینے پر نہایت خوش ہوا اور خوشی کی حالت
میں یہ کلمات کہہ گیا۔ اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ان
کلمات [illegible] اس کو کافر نہیں قرار دیا بلکہ اس کا عذر بیان کیا ہے۔ کمال خوشی کی وجہ سے اس سے
[illegible] کے کمال رحمت و احسان [illegible] اس کے وجود کا مقتضی ہے۔ کہ شدت غضب
کی حالت [illegible] اسی طرح بیوی کو طلاق بھی واقع
نہ ہوگی [illegible] غضب [illegible] بالکل عقل جاتی رہے تو [illegible] امت کا اتفاق ہے کہ ایسی حالت میں
طلاق [illegible] نہیں ہوتی۔ اور [illegible] کلمات کو کفر [illegible] جو ایسی حالت میں اس کی زبان پر جاری
ہو [illegible]

انیسواں باب

سنی اور جبری کے اس مناظرہ کے بیان میں جو ایک مجلس علمیہ میں واقع ہوا تھا

جبری نے کہا کہ توحید کے ماننے کے لیے ضرور کہنا پڑتا ہے کہ بندہ اپنے تمام افعال میں مجبور محض ہے
[illegible] توحید کامل اور درست نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب بندہ مجبور محض نہ سمجھا جائے۔ بلکہ اس کو فاعل
[illegible] کہا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کے سوا کئی ایک اشخاص کو فاعل حوادث کہنا پڑیگا۔ جو اپنے ارادہ سے

چاہیں تو اُن حوادث کو صادر کریں اور اگر نہ چاہیں تو نہ صادر کریں اور یہ صاف شرک ہے۔ قول بالجبر کے سوا
اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ سُنّی نے جواب دیا کہ قول بالجبر توحید کے مخالف ہے۔ اور توحید کے
مخالف ہونے کے علاوہ تمام آسمانی شرائع اور ادیان۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت۔ ثواب و عقاب کے
خلاف ہے۔ اگر قول بالجبر صحیح ہو تو تمام شرائع لغو اور بیکار ہو جائیں گے۔ اور امر و نہی بے سود اور فضول ٹھہریں گے
اور اس سے لازم آئیگا کہ ثواب و عقاب بھی کوئی چیز نہ ہو۔ جبری نے جواب دیا کہ جبر کو امر و نہی اور ثواب
و عقاب سے مخالف کہنا تو کوئی عجیب اور نئی بات نہیں کیونکہ ہم ہمیشہ سے یہی جواب دیا کرتے ہیں لیکن
تمہارا یہ دعویٰ کرنا کہ یہ توحید کے بھی مخالف ہے۔ ایک عجیب بات ہے کیونکہ جبر تو توحید کی نہایت
نہایت زبردست اور قوی دلیل ہے بس جو چیز کسی چیز کے اثبات کے لئے قوی دلیل ہو۔ وہ اس کے
منافی اور مخالف کیسے ہو سکتی ہے۔ سُنّی نے جواب دیا کہ جبر کا توحید سے مخالف ہونا نہایت ظاہر
اور روشن ہے۔ بلکہ امر و نہی سے مخالف ہونے کی نسبت توحید سے اس کا مخالف ہونا زیادہ واضح
ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ توحید کا اصل یہ ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ
کا اقرار کیا جائے۔ اور اعتقاد تیرا ان دونوں جملوں کے خلاف ہے کیونکہ اللہ اُس ذات مقدس کا اسم
پاک ہے جو تمام صفات کمال اور نعوت جلال سے موصوف ہے۔ اور قلوب تمام اُس پر فریفتہ۔
اُس کے شیدائی۔ اور اُس کے خوف و رجا میں ہراساں اور امیدوار ہیں۔ وہ توحید جس کو انبیاء علیہم السلام
نے تعلیم فرمایا وہ یہی ہے کہ ایک خدائے پاک سے نہایت کمال درجہ کی محبت کی جائے۔ ذلت اور تذلل اسی کی
کی جائے۔ اور نہایت محبت۔ تواضع اور پوری پوری عاجزی کے ساتھ اُس کے احکام کی پیروی کی جائے۔ اور
اُس کی اطاعت اور رضا جوئی اور اس کی ... میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا جائے۔
اور ان کاموں کو کیا جائے جو اس کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب ہیں۔ کسی مخلوق کی محبت اور خوف خودی
سدِ راہ نہ ہو۔ غرض اُس کی اطاعت میں کسی کی پرواہ نہ ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا موضوع یہی
ہے۔ اور اسی کی طرف اُنہوں نے تمام اُمتوں کو ہدایت کی۔ اور یہی وہ توحید ہے جس کے سوا
اللہ تعالےٰ کسی شخص سے کوئی دین قبول نہیں فرماتا۔ اسی توحید کا اپنے انبیاء علیہم السلام کو حکم دیا۔
اور اسی توحید کے لئے اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ اور اسی کی طرف اپنے بندوں کو بلایا۔ اور اسی توحید
کی وجہ سے دوزخ و بہشت بنائے کہ جو لوگ اس کو قبول کرینگے ان کو بہشت میں جگہ ملیگی۔ اور جو انکار
کرینگے۔ اُن کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ اور اسی توحید کی تکمیل و تحصیل کے لئے مختلف شریعتیں بنائیں
اور اے جبری تمہارا یہ خیال ہے۔ کہ بندے کا اس میں کوئی دخل نہیں اور نہ وہ کچھ کر سکتا ہے اور نہ اُسے

کسی چیز پر کچھ قدرت ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا بندے کو کسی کام کا حکم کرنا تمہارے خیال میں ایسا ہی ہے جیسا
کسی مجہول کام کی بجاآوری کا حکم کرنا جو اسکی طاقت سے باہر ہو بلکہ تم تو یوں کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اپنی ذات مقدس کے افعال ایجاد کرنیکا
حکم کرتا ہے جو بندہ کی وسعت سے باہر ہیں اور یہ بھی کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو تو جس کام کا امر فرماتا ہے اور منع فرماتا ہے اسکے کبھی بعض انکے متعلقہ کاموں کے
کرنے پر مجبور کر دیتا ہے اور ان احکام کی بجاآوری میں خود آڑے آجاتا اور اس سے مانع اور حاجب ہوجاتا
ہے غرض انکی بجاآوری کے لئے اس کے واسطے کوئی صورت اور سبیل باقی نہیں چھوڑتا۔ سب
راستے بند کر دیتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی شخص محبت نہیں کرسکتا۔ تو بتاؤ کہ
اب قلوب عباد اس کی محبت شوق۔ طلب اور اس کی ذات کی طرف توجہ کرنے میں کیونکر فریفتہ اور
شیدائی ہونگے۔ توحید ایک ایسا مفہوم ہے جو الوہیت اور عبودیت دونوں کے اثبات کو شامل ہے۔
پس اے جبری تمہارے اس کلام سے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کا محبوب نہیں ہو سکتا۔ تا کہ قلوب عباد کو
اس کی محبت کا ولولہ پیدا ہو اور اس کی ذات پاک کی طلب اور اس کے دیدار پر انوار کا شوق ان میں
جاگزین ہو صاف طور پر الوہیت کا انکار ثابت ہوتا ہے۔ اور ادھر اس قول سے کہ کوئی بندہ
در حقیقت فاعل۔ عابد۔ اور محب نہیں ہو سکتا صرف مجاز کے طور پر ان صفات سے موصوف کیا
جاتا ہے کھلم کھلے عبودیت کا انکار لازم آتا ہے۔ پس جبر کا قول کرنے اور اللہ سبحانہ کی ذات کے
محبوب اور مطلوب ہونے سے انکار کرنے سے توحید کی بنیاد منہدم ہو جاتی ہے۔ خاصکر جب تم نے
اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی صفت بیان کی ہے جس سے قلوب عباد کو خدا سے تنفر پیدا ہوتا اور وہ اللہ تعالیٰ
کی محبت اور انکے دلوں کے درمیان حائل اور حاجب ہو جاتی ہے یعنی تو نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ
بندے کو ایسے کام کا حکم کرتا ہے جو اسکی قدرت سے باہر ہوتا ہے اور اس کو ایسی چیز سے منع کرتا ہے۔
جس کا چھوڑنا اس کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ بلکہ تم تو یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے افعال پیدا
کرنے کا اور ان سے باز رہنے کا حکم کرتا ہے اور باوجود اسکے بندے کو ترک امتثال یعنی احکام کے بجالانے
پر سخت معذب کریگا بلکہ یوں کہتے ہو کہ اللہ کی انہی افعال پیدا نہ کرنے پر بندہ کو معذب کریگا اور تم نے اسی بات کی بھی تصریح کردی ہے کہ اللہ کا بندہ کو
ترک امر اور فعل منہیات پر عذاب کیا جائیگا کہ وہ آسمان کی طرف کیوں نہ اڑ گیا اپنے پہاڑوں کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ کیوں نہ رکھ لیا سمندر
پانی کو اپنی جگہ سے منتقل کیوں نہ کر دیا اور تمہارا عذاب ایسا ہوگا۔ جیسا کہ بندے کے ان صفات پر اسے عذاب کیا
جائے۔ جن میں اس کو کوئی دخل نہیں۔ مثلاً اس بات پر عذاب کیا جائے۔
کہ وہ اپنے قد میں چھوٹا یا بڑا کیوں ہوا یا اپنے رنگ میں گورا یا سیاہ کیوں نہ بنا۔ اور تم یہ بھی کہتے
ہو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی جائز ہے۔ کہ وہ ایسے شخص کو سخت عذاب میں مبتلا فرمائے جس نے

کبھی ایک لمحہ بھی اُس کی نافرمانی نہ کی ہو۔ اور اُن کی عظمت اور رحمت اس کے مخالف نہیں۔ اور نہ وہ اس سے
مانع ہو سکتی ہیں۔ بلکہ ایسا کرنا اللہ سبحانہ کے نزدیک (تمہارے خیال میں) جائز ہے۔ اور تم یہ بھی کہتے
ہو کہ اگر اللہ سبحانہ یہ بیان نہ فرماتا کہ وہ ایسا نہیں کریگا۔ تو ہم اُس کو اس سے منزہ نہ سمجھتے اور تم بھی یہ
کہتے ہو کہ اللہ سبحانہ کے اپنے بندوں کو تکلیف احکام دینے کی مثال ایسی ہے۔ جیسے اندھے کو لکھنے کی
تکلیف دی جائے یا لنجے کو اُڑنے کے لئے کہا جائے۔ پس جس شخص کو تم نے یہ اعتقاد سکھلا دیا۔ تو
اُس کے دل میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے نفرت اور اس کی بغض و عداوت کو خوب بھر دیا۔
باوجود اس کے تمہارا یہ گمان ہے۔ کہ تم اس طور سے توحید کو ثابت کرتے ہو اور یہ نہیں سمجھتے ہو
کہ تم نے تو شجرہ توحید کو جڑ سے اکھاڑ دیا ہے۔ جبر کا ادیان اور شرائع سے مخالف ہونا تو بالکل ظاہر
ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ اور خفا نہیں کیونکہ شرائع کا دارومدار امر و نہی پر ہے۔ اور
ظاہر ہے کہ آمر کا امر اور نہی کرنا بے فائدہ ہی ہے اگر امر اور نہی کے افعال سے تعلق نہ ہو۔ بلکہ وہ امر
اور نہی خود آمر اور ناہی کے افعال ہی سے متعلق ہیں تو ایسے امر اور نہی بالکل لغو و فضول اور عبث
ہیں حقیقۃ الامر یہ ہے کہ امر و نہی بندے سے تعلق ہے۔ اُس کی طاعت و معصیت سے متعلق ہیں۔ پس جب
(تمہارے خیال کے مطابق) بندہ کسی فعل کے صادر کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ طاعت یا معصیت کس
طرح کر سکتا ہے۔ جب طاعت و معصیت کا وجود نہ رہا۔ تو ثواب و عقاب بھی باطل ہوا۔ اور اس کا
لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ اللہ سبحانہ قیامت کے دن بعض بندوں میں سے بعض کو بہشت میں داخل
فرما کر طرح طرح کی نعمتوں سے مالا مال کریگا۔ اور بعض کو دوزخ میں ڈال کر گوناگون عذاب میں مبتلا
کریگا۔ تو یہ فعل اُس کی مشیت اور ارادہ سے واقع ہوگا۔ اور دنیا میں جو کسی نے طاعت میں عمر گذار دی
اور کوئی نافرمانی پر کمر بستہ رہا۔ تو ان امور کو بہشت و دوزخ میں داخل ہونے سے کوئی واسطہ و تعلق نہیں
ہوگا۔ اور نیز جبر کا اعتقاد کرنا جس طرح کہ امر و نہی کے مخالف ہے اسی طرح اللہ تعالےٰ کی صفت خلق
کے خلاف ہے۔ اور اللہ سبحانہ خلق و امر دونوں صفتوں سے موصوف ہے کیونکہ آسمان و زمین کا قیام
محض اُس کے عدل سے ہے پس خلق کا ظہور اور قیام اللہ تعالےٰ کے عدل سے ہے جیسے کہ امر کا وجود
اور ظہور بھی اُس کے عدل ہی سے ہے۔ غرض خلق اور امر دونوں کا سبب اور ان کی علت غائی عدل
ہے۔ اور جبر عدل کے، شرع اور توحید سب کے خلاف ہے۔ جبری بولا کہ بھائی تم نے بہت بڑی بات
بیان کی ہے۔ اور تم نے دو موافق چیزوں کو باہم متناقض قرار دیا اور دو متلازم ہستیوں کو آپس میں مخالف
ٹھیرایا ہے۔ کیونکہ ادلہ عقلیہ اور نقلیہ اور شرائع یہ سب جبر کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں۔ ہم جس چیز

کے ثبوت پر عقل و نقل دلالت کرتے ہیں تو وہ عقل یا شرع کے مخالف کیسے ہو سکتی ہے بہتر ہے کہ تم دونوں کی ایک ظاہر یا باہر دلیل میں بیان کرتا ہوں جس کو کان لگا کر سنو۔ اس کے بعد میں چند مثالیں بیان کروں گا۔ وہ دلیل یہ ہے کہ اسباب اور قدرت کے موجود ہونے کے وقت فعل کا وجود واجب اور ضروری ہے یا نہیں اگر واجب اور ضروری ہے تو بندے کے فعل کا صدور اضطراری ہوا۔ اور جبر کا یہی معنی ہے کیونکہ قدرت اور اسباب کا وجود بندے کی قدرت اور اختیار میں نہیں ہے ورنہ تسلسل لازم آئیگا اور تسلسل کا محال ہونا بدیہی اور ظاہر ہے۔ اور جب قدرت اور اسباب کا وجود بندے کے اختیار اور قدرت سے باہر ہے اور انکے محال ہونے کے وقت فعل کا صدور اور وجود ضروری اور انکے موجود نہ ہونے کے وقت اس کا صدور محال ہے تو لازم آیا کہ بندہ افعال کے صدور میں مجبور محض ہے۔ اور اگر قدرت اور اسباب کے موجود ہونے سے فعل کا موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کا موجود ہونا اور نہ ہونا دونوں یکساں ہیں۔ تو اب فعل کے وجود کے لئے کسی مرجح کا ہونا ضروری ہے یا نہیں اگر مرجح کا ہونا ضروری ہے تو جب وہ مرجح موجود ہوگا تو مرجح سے فعل کا وجود ضروری ہوگا ورنہ تسلسل لازم آئیگا۔ اور تسلسل محال ہے۔ پس جب مرجح کے موجود ہونے کے وقت فعل کا وجود ضروری ہوا۔ تو لازم آیا کہ اس کا صدور اضطراری ہے اور جبر کا یہی معنی ہے۔ اور اگر اس کے وجود کے لئے کسی مرجح کی ضرورت نہیں تو اس کا موجود ہونا اور نہ ہونا دونوں جائز ہوں گے۔ اور جب بدون کسی مرجح کے موجود ہوگا تو لازم آئیگا۔ کہ اکثر بدون مؤثر کے موجود ہو اور یہ محال ہے۔ اور اگر تم یہ جواب پیش کرو۔ کہ فعل کے وجود کے لئے بندے کا ارادہ مرجح ہوتا ہے تو ہم یہ کہینگے کہ بندے کا ارادہ بھی تو حادث ہے۔ اس کے پیدا ہونے کے لئے بھی کسی مرجح کا ہونا ضروری ہے۔ اور اس طرح تسلسل لازم آئیگا اور وہ محال ہے ✦

سنی نے جواب دیا کہ تمہارا انکار یعنی تمہاری بڑی دلیل یہی ہے مگر بحمد اللہ تمہارا یہ تیر پھل اور پر سے خالی ہے اور اس کے ساتھ ہی ٹیڑھا اور غیر مستقیم ہے اور ہم تجھ سے ان الفاظ مجملہ کے معانی دریافت کرتے ہیں جن کو تم نے بنی اس دلیل میں استعمال کیا ہے۔ اور اس کے بعد اس دلیل کا سقم ظاہر کرینگے۔ تمہارے اس کلام کا کیا مطلب ہے (کہ اگر قدرت اور اسباب کے موجود ہونے کے وقت فعل کا وجود ضروری ہے . . . . تو بندے کے فعل کا صدور اضطراری ہے۔ اور جبر کا یہی معنی ہے) آیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ قدرت اور اسباب کے موجود ہونے کے وقت صدور افعال میں بندہ ایسا مضطر ہو جاتا ہے جیسا وہ شخص بدون اختیار حرکت کرتا ہے جسے مرض رعشہ عارض ہو یا وہ شخص جسکو تپ لرزہ آئے یا وہ شخص جو اونچی جگہ سے نیچے کو گرا دیا جائے یا تمہارا یہ مطلب ہے کہ

قدرت اور اسباب کے موجود ہونے کے وقت فعل کا موجود ہونا ضروری ہوگا۔ مگر وہ بندے کے اختیار اور
ارادہ سے صادر ہوتے ہیں۔ اگر پہلا معنی ارادہ کرتے ہو۔ تو یہ بات عقل۔ فطرت۔ حس اور مشاہدہ اور تجربہ
کے خلاف ہے۔ کیونکہ کوئی نادان سے نادان یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ جو شخص پہاڑ سے نیچے گرا دیا جائے
اور جو اپنے ارادہ سے اس کے اوپر چڑھ رہا ہو۔ دونوں کی حرکت یکساں ہے۔ اور کوئی بے وقوف سے
بے وقوف یہ بات نہیں کہتا کہ مریض رعشہ اور اپنی مرضی سے ہاتھ ہلانے والے کی حرکت میں کچھ فرق نہیں
اور اسی طرح یہ بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ زانی۔ سارق۔ مجاہد۔ نمازی کے افعال و حرکات اور اس شخص کی
حرکت جبریہ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر زمین پر گھسیٹا جاتا ہے۔ دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ بلکہ اللہ سبحانہ نے بندوں
کی فطرت میں یہ بات رکھدی ہے کہ ہر شخص اپنی فطرت سے ان چیزوں کے درمیان بیّن تفاوت اور
ظاہر فرق ظاہر پاتا ہے پس جو شخص ان چیزوں کی مساوات کا قائل ہو۔ تو وہ شریعت کے خلاف ہونے
کے علاوہ عقل اور فطرت کا مخالف اور مشاہدہ اور تجربہ کا منکر ہے۔ اور اگر دوسرا معنی مراد ہے۔ تو یہ معنی
بندے کے مختار ہونے کے منافی اور مخالف نہیں اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بندہ صدور افعال
میں مجبور اور مضطر ہے اور اسکے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر تمہاری یہ دلیل صحیح ہو تو لازم آتا ہے کہ اللہ سبحانہ بھی اپنے افعال کے صدور میں مجبور
مضطر ہو کیونکہ یہ دلیل بعینہ مشیت باری تعالیٰ کی نسبت بھی جاری ہو سکتی ہے مگر اللہ جل شانہ کا اپنے افعال میں مجبور و مضطر ہونا تو محال ہے کیونکہ وہ
تو اپنی قدرت ارادہ اور مشیت سے اپنے افعال صادر کرتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے۔ کہ بعض ہمارے
ہم خیال لوگ اس الزام کو مان کر اس کا جواب بھی بیان کرتے ہیں۔ مگر ان کا جواب بالکل بیہودہ اور فضول
ہے۔ چنانچہ ابن خطیب نے اس شبہ کے ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے۔ کہ اس سے بھی
اللہ تعالیٰ کے فاعل مختار ہونے کا بطلان لازم آتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اور
بندے کے ارادہ کے درمیان یہ فرق ہے کہ بندے کا ارادہ تو حادث ہے۔ اس لیئے وہ اپنے حدوث
اور صدور میں دوسرے ارادہ کا محتاج ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے کا مخلوق اور محدث کہنا پڑیگا۔ ورنہ
تسلسل لازم آئیگا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ قدیم ہے۔ وہ دوسرے ارادہ کا محتاج نہیں ہوگا۔ اور اس فرق اور
تفاوت کو صاحب تحصیل نے اصلاح پسند نہیں کیا۔ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ اس فرق کرنے سے وہ
تقسیم جو دلیل مذکور میں بیان کی گئی ہے مندفع نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس تقسیم کا ماحصل یہ ہے کہ قدرت
اور اسباب کے موجود ہونے کے وقت فعل کا وجود ضروری ہے۔ اور ان کے نہ ہونے کے وقت اس کا
عدم ضروری ہے۔ پس یہ تقسیم بندے اور اللہ تعالیٰ دونوں کی نسبت یکساں جاری ہو سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ
کے ارادہ کا قدیم غیر مخلوق اور ذات باری کے لوازم سے ہونا اس سے مانع نہیں ہو سکتا کیونکہ

یہاں بھی یہ کہا جائیگا۔ کہ اللہ تعالےٰ کا ارادہ جس چیز سے متعلق ہوگا۔ اُس کا وجود ضروری ہوگا۔ اور جس سے
متعلق نہیں ہوگا۔ اس کا عدم ضروری ہوگا۔ اور باوجود اس کے اللہ سبحانہٗ فاعل مختار ہے۔ تو بندے کی
نسبت کیا کہتے ہو کہ وہ مجبور اور مضطر ہے۔ اسکے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ جبر کے معنی جو تم سمجھ بیٹے ہو یہ غلط
ہے۔ جبر کا یہ معنی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اُس کے اختیار و ارادہ اور اُس کی رضا و محبت
کے سوا کسی فعل کے کرنے پر مجبور کرے۔ اور بندے کے صادر فعل کی نسبت یہ معنی ہرگز موجود نہیں
کیونکہ اللہ سبحانہٗ تو بندے کے دل میں اُس کے فعل کا ارادہ اور محبت پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ اپنی
خوشی اور رضامندی سے اس فعل کو صادر کرتا ہے پس ایسی حالت میں بندے کو مجبور کہنا لغت عقل اور
شرع کے مخالف ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ تم نے اپنی دلیل میں یہ بیان کیا ہے کہ قدرت و اسباب
کے موجود ہونے کے سبب بندے کے فعل کا وجود ضروری ہے۔ حالانکہ تمہارے خیال میں نہ انکے
سبب فعل کا وجود ہوتا ہے اور نہ یہ فعل جو موجود ہوا بندے کا فعل ہے۔ بلکہ یہ فعل تو عین اللہ تعالےٰ
کا فعل ہے جس کا وجود بندے کی قدرت اور اسباب حادثہ سے متعلق نہیں اور نہ اُن پر موقوف ہے
بلکہ بندے کی قدرت اور اسباب حادثہ کا وجود اور عدم اللہ تعالےٰ کے فعل کے صدور کے لئے دونو
یکساں ہیں۔ غرض جب تمہارے نزدیک بندے کا فعل عین اللہ تعالےٰ کا فعل ہے۔ تو اُس کے صدور
کے لئے بندے کی طرف سے کسی مرجح کی ضرورت نہیں۔ اور نہ بندے کی تاثیر کو اس میں کچھ
دخل ہے۔ فرقہ قدریہ نے تمہاری اِس دلیل کے کئی ایک جواب دئے ہیں۔ چنانچہ ابو ہاشم اور اس کے
متبعین نے یہ جواب دیا ہے کہ صاحب قدرت کے افعال اسباب پر موقوف نہیں ہوتے بلکہ محض اُسکی
قدرت اُن کے لئے کافی ہے پس تمہارا یہ کہنا کہ اسباب کے وجود کے وقت فعل کا وجود ضروری ہوگا یا نہیں
اس کا جواب ہم (قدریہ) یہ دینگے کہ اسباب کے وجود سے افعال کا وجود ضروری نہیں اور نہ وہ ان پر موقوف
ہیں۔ اور تم اِن لوگوں (قدریہ) پر رد نہیں کر سکتے۔ کیونکہ تمہارے نزدیک بھی تو اسباب کو صدور افعال
میں کوئی دخل نہیں۔ اور نہ وہ اسباب پر موقوف ہیں۔ بلکہ تمہارے نزدیک تو قدرت عباد پر بھی وہ موقوف
نہیں۔ پس جب تمہارا یہ خیال ہے کہ قدرت حادثہ کا مقدورات یعنی افعال میں کوئی دخل نہیں تو اسباب
اُن میں کیسے مؤثر ہونگے۔ غرض یہ دلیل تو تمہارے اپنے اصول کے مطابق بھی صحیح نہیں۔ ہاں اگر مخالف
کو محض الزام دینا مقصود ہے تو یہ دوسری بات ہے۔ اور ابو الحسین بصری اور اُنکے اصحاب کا یہ جواب ہے
کہ بیشک افعال اسباب پر موقوف ہیں۔ اور جب اسباب موجود ہونگے تو افعال کا وجود ضروری ہوگا۔
لیکن اس سے یہ نہیں لازم آتا۔ کہ وہ افعال اختیاری نہ ہوں۔ اور محمود خوارزمی نے کہا ہے کہ اسباب سے افعال

کا وجود ضروری تو نہیں لیکن انکی وجہ سے اُن کا وجود اولیٰ ضرور ہو جاتا ہے۔ قدریہ اِن دونوں مذہبوں کے مطابق تمہاری اس دلیل کا جواب بیان کرتے ہیں۔ پس ابو ہاشم کے مذہب کی بنا پر یوں کہتے ہیں کہ بندے کے افعال کے صدور کے لئے کسی مرجح کی ضرورت نہیں بلکہ صاحب قدرت کی شان سے یہ بات ہے کہ وہ کسی کام کو بغیر کسی مرجح کے پیدا کر سکتا ہے اور عقل کی رو سے اس میں کوئی استحالہ نہیں کہ اللہ تعالےٰ کی مخلوق کو افعال کے کرنے پر قدرت ہو اور اُنکے لئے کوئی مرجح نہ ہو جیسا کہ نائم (سونے والا) اور ساہی (بھول کر کام کرنے والا) بغیر کسی داعی مرجح اور ارادہ کے حرکت کرتے ہیں۔ اگر تم یہ جواب دو کہ نائم اور ساہی کے اندر ارادہ موجود ہے۔ لیکن اُس کی قوت انکے خیال میں نہیں ہوتا۔ تو یہ بداہت کا انکار ہے۔ اور اس قول کے قائلین یوں کہتے ہیں۔ کہ قادر وہ ہوتا ہے جو کام کر سکے اور نہ کرنا بھی ممکن ہو۔ اور پہلے قول والے یہ کہتے ہیں کہ قادر وہ ہے جو کام کر سکے۔ اور اُس کا کرنا ضروری ہو اور محمود خوارزمی کا مذہب ان دونو مذہبوں کے بیچ بیچ میں ہے یعنی قادر وہ ہے جو کام کر سکے اور اُس کا کرنا اولیٰ اور بہتر ہو۔ مگر اُس کی اَولویت ایسی نہ ہو کہ اُس کا کرنا ضروری ہو۔ غرض اس بارے میں پانچ اقوال ہیں (۱) یہ کہ بندے کے افعال کا صدور اسباب پر موقوف ہے اور جب اسباب کے ساتھ قدرت علی الفعل بھی حاصل ہو۔ تو اِن دونو چیزوں کی وجہ سے فعل کا صدور ضروری ہو جاتا ہے۔ جمہور عقلا کا یہی قول ہے۔ اور ابن خطیب نے اس قول کو فلاسفہ اور ابوالحسین بصری معتزلی کی طرف نسبت کرنے میں غلطی کی ہے۔ (۲) یہ کہ اللہ تعالےٰ اور نیز بندے کی قدرت سے افعال کا صدور ضروری ہے۔ اور یہ اُن لوگوں کا قول ہے جو کہ بندے کی قدرت کے اُس کے مقدور میں مؤثر ہونے کے قائل ہیں۔ اور جن چیزوں پر بندے کو قدرت ہے اُن پر اللہ تعالےٰ کو قادر جانتے ہیں۔ ابو اسحاق کا یہی قول ہے اور نیز جوینی نے نظامیہ میں اسی کو راجح ٹھیرایا ہے۔

(۳) یہ کہ افعال عباد کا صدور صرف اللہ تعالےٰ کی قدرت سے ضروری ہے اور اشعری اور قاضی ابوبکر کا یہی قول ہے مگر انکے درمیان باہم اتنا اختلاف ہے کہ قاضی ابوبکر کا یہ قول ہے کہ مطلق فعل کا صدور تو اللہ تعالےٰ کی قدرت سے ضروری ہوتا ہے لیکن اُس کی خصوصیات مثلاً اس کا حج ہونا یا نماز ہونا۔ زنا یا چوری ہونا بندے کی قدرت سے واقع ہوتا ہے یعنی اللہ تعالےٰ کی قدرت کی تاثیر تو نفس فعل میں ہے اور بندے کی قدرت کی تاثیر فعل کی صفت میں ہے اور اشعری کا قول ہے کہ اصل فعل اور اس کا وصف دونو اللہ تعالےٰ کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔ اور بندے کی قدرت کے لئے نفس فعل یا اُسکے وصف میں کوئی تاثیر اور دخل نہیں (۴) اُن لوگوں کا قول ہے جو یہ کہتے ہیں

کہ صاحب قدرت سے فعل کا صدور ضروری نہیں بلکہ قادر وہ ہے۔ جو کام کر سکے اور اُس کا نہ کرنا بھی اُس سے
ممکن ہو۔ ان کے نزدیک قادر اس کو فعل کا صدور کسی حالت میں ضروری نہیں۔ ابو ہاشم اور اس کے
ہم خیال لوگوں کا یہی قول ہے۔ (۲) یہ کہ اسباب کے موجود ہونے کے وقت افعال کا صدور اولیٰ اور
بہتر ہوتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں ہوتا۔ خوارزمی کا یہی قول ہے۔ اور ابوالحسین بصری کا قائل ہے
کہ اسباب کے وجود کے وقت افعال کا صدور ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اسباب اللہ تعالیٰ کے مخلوق اور
پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اور بندہ یہ جانتا ہے کہ بندہ اپنے افعال کے ایجاد میں مستقل طور پر قدرت رکھتا ہے
ابوالحسین کا دعویٰ ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں یہ بدیہی اور ظاہر ہے۔ ابن خطیب نے کہا ہے
کہ ابوالحسین نے قدریہ میں غلو کیا۔ اور اپنے یہ کہنا کہ افعال کا صدور اسباب پر موقوف ہے۔ اور
اسباب اللہ تعالیٰ کے مخلوق ہیں۔ جبر ثابت ہے۔ پس ابوالحسین جبر اور قدر دونوں کا قائل اور ان میں
غلو کرنے والا ہے۔ مگر ابن خطیب نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ ابوالحسین کا مذہب ایسا ہے۔ کہ نہ
تو اس نے قدر میں غلو کیا ہے اور نہ جبر میں۔ افعال کا اسباب پر موقوف ہونا اور ان کے وجود کے
وقت بندے کی قدرت سے ان کا صادر ہونا اس میں ہرگز کوئی جبر نہیں پھر جبر میں غلو کیسا۔ اور
بندے کا اپنے افعال کا اس قدرت اور اختیار سے موجد ہونا جو اللہ تعالیٰ نے اس میں پیدا کر دئے
ہیں۔ قدریہ کے قول کے موافق نہیں۔ چہ جائیکہ ابوالحسین نے اس میں غلو کیا ہے ٭

فصل - جبری نے کہا۔ جب ہمارے افعال کے اسباب ہمارے اختیار سے باہر ہیں۔ اور وہ
اسباب یہ ہیں۔ کہ ہم جانتے ہیں۔ کہ مثلاً فلاں کام کرنے میں ہمارا نفع ہے۔ اور فلاں کام نہ کرنے میں
ہمارا نقصان ہے۔ اور یہ بات ہماری طبیعت اور فطرت میں پیدا کی گئی ہے۔ اور خالق نے ہماری
خلقت ایسی بنائی ہے۔ کہ یہ اسباب اسمیں پیدا کر دئے ہیں۔ اور انکے وجود سے افعال کا صدور
ضروری ہے تو یہ جبر نہیں تو اور کیا ہے۔ جبر کا یہی معنی ہے ٭

سُنی نے کہا کہ فرقہ قدریہ والے اس کا جواب یوں دے سکتے ہیں۔ کہ ایسے اسباب کبھی جہالت اور
غلطی کبھی ثابت ہوتے ہیں۔ اور یہ وہ امور ہیں جن کو انسان اپنے دل میں خود بخود پیدا کرتا اور اپنے
خیال کے مطابق جس کام میں مصلحت سمجھتا اس کو کر گذرتا ہے۔ گو واقع میں اس کام میں اسکی مصلحت
ہو یا نہ ہو۔ پس افعال کے اسباب صرف علم مصالح اور منافع میں منحصر نہیں ٭

جبری بولا کہ یہ جواب تو بالکل لغو اور بیہودہ ہے۔ دیکھو پیاسے کو پانی پینے کی طرف یہ امر داعی
اور محرک ہوتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس سے میری پیاس بجھ جائیگی۔ اور اس میں میرا نفع ہے۔ ایسا ہی کا

اس بات کو جاننا اور پانی پینے کی طرف اُس کا میلان ہونا انہی تینوں کے خلق تھا ہیں پس قدری کو لازم
ہے کہ ذلت و خواری کے ساتھ اپنے مذہب سے باز آ جاوے۔ اور یہ بات کا اعتراف کرے کہ بندے
کے افعال اُسی ذات کی طرف منسوب ہیں جس نے بندے میں اُن کا موجب یا یہ دو داعی پیدا کئے ہیں ✤

قدری نے جواب دیا اور یہ اسباب اگرچہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں مگر اسباب کا فاسد کر افعال کے سبب پیدا کیجو
وہ انکو اثر کے باطل کرنے پر بندہ قادر ہوتا ہے مثلاً اس شخص کے خیال سے کہ وہ داعی درحقیقت [illegible] پانی پینے سے رک جاتا
تو پھر کے خیال سے پرے ہٹ جاتا اور [illegible] جب پہلے داعی [illegible] کے معارض [illegible] ہے پس زندہ شخص اس سے جیل
کرنے اور داعی اوّل کو بدستور باقی رکھنے پر قادر ہے۔ پس داعی اول کو بدستور باقی رکھنا اور اس
کے معارض کو موجود نہ کرنا آدمی کے اختیار میں ہے اور جب تک ایسا نہ کریگا پانی کا پینا ممکن نہیں
پس اس وجہ سے پانی کا پینا بندے کا فعل ہوا۔ کیونکہ وہ ایسے مختلف اسباب کے حاصل کرنے
پر قادر ہے جن سے افعال و آثار ظہور میں آتے ہیں۔ اور اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص نے
کسی کو بھڑکتی ہوئی آگ میں دیکھا۔ اور وہ اس آگ کو کسی آسان تدبیر سے بجھا سکتا ہو اور اسکو کوئی
مانع بھی پیش نہ ہو تو ایسی حالت میں اگر وہ اس آگ کو نہ بجھائیگا تو گو جلانا آگ کا کام ہے مگر وہ ضرور
مذمت کا مستحق ٹھیریگا ✤

اور ابن ابی الحدید نے ایک اور طرز سے جواب دیا ہے یعنی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب اسباب
کے وجود سے افعال کا وجود ضروری ہو جیسا کہ تم (فرقہ جبریہ) بیان کی صورت میں بیان کرتے ہو تو
لازم آئیگا کہ انسان بعض افعال کے کرنے اور بعض کے نہ کرنے کے ساتھ مکلّف نہ ہو۔ کیونکہ اس صورت
میں تو وہ تو مجبور سے بھی بدتر حالت میں ہے۔ اور تمام مذاہب کے اصول کے لحاظ سے یہ جواب نہایت
ردّی اور خراب ہے کیونکہ تکلیف احکام کا منشا موجود ہے پس عقل اور قدرت کے موجود ہوتے
تکلیف کیسے ساقط ہو سکتی ہے ✤

اور اس قدری نے یہ ایک چوتھی قسم اُن لوگوں کی ثابت کر دی ہے جو مرفوع القلم و غیر مکلّف
ہیں۔ اور یہ اجماع اُمّت کے خلاف ہے۔ اور اگر صرف اسباب کے موجود ہونے سے تکلیف ساقط
ہو جاوے۔ تو ہر شخص کی نسبت یہ صحیح ہو سکتا ہے کہ جب اس سے لئے اس کام کے اسباب موجود
ہو جاویں جس کا بجا آوری کا اُسے حکم دیا گیا ہے۔ تو اُس سے تکلیف ساقط ہو جاوے۔ اور یہ قول
تکلیف ما لا یطاق کے قول سے بھی زیادہ قبیح اور بیہودہ ہے۔ [illegible] تکلیف ما لا یطاق کے قائل
تو گنتی کے قائل ہیں۔ اور تکلیف کے ساقط ہونے کا صرف ابن ابی الحدید ہی قائل ہے اور قائلین تکلیف ما لا یطاق

کا قول کتابوں میں منقول بھی ہے اور اُس پر بحث کی گئی ہے ۔

جبری بولا جب داعی اور محرک کا وجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ۔ اور
یہی فعل کا سبب ہے اور اُسکے موجود ہونے کے وقت فعل کا وجود ضروری ہے ۔ تو فعل کا خالق بھی اللہ تعالیٰ
ہُوا۔ جو داعی اور محرک یعنی سبب کا خالق ہے ۔

سُنی نے جواب دیا یہ بات صحیح ہے کہ داعی اور محرک اللہ تعالیٰ کا مخلوق ہے اور یہی فعل کے
وجود کا سبب ہے ۔ مگر فعل اپنے فاعل یعنی بندے کی طرف منسوب ہوگا کیونکہ فعل کا صادر ہونا ۔ بندے کی قدرت
مشیئت اور اختیار سے ہوتا ہے اور مجاز کے طور پر اُسکی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہو سکتی ہے ۔ جو تمام
اشیا کا خالق اور ہر چیز پر قادر ہے ۔ اس کے علاوہ داعی اور محرک فعل کی علت تامہ اور مؤثر نہیں ۔ بلکہ وہ فعل
میں بندے کی تاثیر کی شرط ہے ۔ جیسے اپنے مقدور پر قدرت حاصل ہے ۔ اور شرط کے خارج از اختیار
ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بندہ اپنے فعل کا فاعل نہ ہو زیادہ سے زیادہ اتنا ہوگا کہ بندے کا ارادہ
مسلم جو فعل کا محرک ہے اسکی شرط یا جزو سبب ہوگا۔ اور اس کا فعل کئی ایک ایسے شروط و اسباب
پر موقوف ہے جو بندے کے اختیار سے بالکل باہر ہیں۔ مثلاً سب سے زیادہ آسان اور چھوٹا کام کسی
چیز کے دیکھنے کے لئے آنکھ کا اُٹھانا ہے پس فرض کیا کہ آنکھ کا کھولنا بندے کا فعل ہے ۔ مگر اُس
چیز کے دیکھنے اور اُس کے ادراک کرنے میں بندہ فاعل مستقل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُس چیز کا ادراک کئی
ایک شروط پر موقوف ہے ۔ اوّل یہ کہ بندے کے اندر خالق نے قدرت مدرکہ پیدا کی ہو۔ دوم یہ کہ
وہ چیز ایسی ہو جس کو آنکھ سے دیکھ سکے ۔ سوم یہ کہ آلہ ادراک یعنی آنکھ صحیح و سالم موجود ہو۔ چہارم یہ کہ
اُس چیز کے دیکھنے سے کوئی شے مانع اور حاجب نہ ہو وغیرہ ذالک ۔

غرض جن اسباب و شروط پر رویت موقوف ہے ۔ اور وہ بندے کے اختیار اور قدرت سے
باہر ہیں۔ بندے کے فعل آنکھ کے کھولنے سے کئی گنے زیادہ ہیں۔ پس کوئی صاحب عقل کس طرح کہہ سکتا
ہے کہ سبب کا جزو یا شرط فعل کے وجود کے لئے علت مستقلہ اور مؤثر تام ہیں ۔ اور اسی مقام میں دونو
گروہ یعنی قدریہ اور جبریہ راہِ حق سے بھٹک گئے ہیں۔ قدریہ نے یہ کہدیا کہ شرط اور جزو سبب فعل
کے وجود کے لئے مؤثر تام اور علت مستقلہ ہیں ۔ اور جبریہ نے یہ کہا کہ سبب اور شرط کو فعل کے صدور
میں کوئی دخل نہیں۔ پس دونو فریق نے صریح عقل اور نقل کا خلاف کیا۔ اور ادلہ نقلیہ اور عقلیہ کو پس
پشت ڈالدیا حقیقۃ الامر یہ ہے کہ بندے کی قدرت و ارادہ اور دوسرے دواعی اور محرک فعل کے سبب
تام کی جزو ہیں۔ اور سبب تام کے موجود ہونے کے وقت فعل کا وجود ضروری ہوتا ہے ۔ پس جو شخص

یہ کہتا ہے کہ بندہ باوجودیکہ اُس کے فعل کے اکثر اسباب اُس کے اختیار اور قدرت سے باہر ہیں۔ مگر وہ اپنے
افعال کا فاعل مستقل ہے تو یہ عقل اور شرع کے مخالف ہے۔ فرض کیا کہ فعل ضرب کے دواعی میں بندہ مستقل ہے
تو کیا ضارب کے اعضا و آلات کا صحیح و سالم ہونا۔ اور محل ضرب کا قابل ضرب ہونا۔ اور اس کا فعل ضرب
کو قبول کرنا اور مضروب اور ضارب کے درمیان فضا خالی کا موجود ہونا۔ اور وہاں کسی مانع کا موجود نہ ہونا
اور مضروب سے اُس قوت اور طاقت کا مسلوب ہونا جس سے وہ ضارب کے مقاومت کرسکے۔ اور ضارب
کا اُس پر غالب آنا اور ضارب کے ہاتھ۔ رگوں اور پٹھوں میں قوت کا موجود ہونا وغیرہ وغیرہ یہ سب
اشیا بندہ کے اختیار میں ہیں ہرگز نہیں اور جو یہ سمجھتا ہے کہ بندے کیلئے صدور فعل میں کسی قسم کا کوئی دخل نہیں۔ صدور فعل کی نسبت
اُسکی قدرت اور ارادہ کا ہونا اور نہ ہونا دونوں یکساں ہیں تو یہ شخص عقل اور حس کا انکار کرتا ہے جبری بولا کہ صدور افعال کیلئے کسی
مرجح کا ہونا ضروری ہے پس اگر یہ مرجح بندے کی طرف سے ہو تو ضرور ممکن ہوگا۔ پھر اس مرجح میں کلام
کرینگے۔ کہ اسکے وجود کا کوئی مرجح ہے یا نہیں۔ اگر اس کا وجود بدوں مرجح ہوا تو اس قاعدہ کی وجہ سے کہ
ممکن کی ایک جانب یعنی وجود یا عدم کو بغیر کسی مرجح کے ترجیح ہوسکتی ہے۔ اثبات صانع کی دلیل کی اساس
منہدم ہوجائیگی۔ کیونکہ اُس کا دار و مدار اس مقدمہ پر ہے کہ ممکن کی ایک جانب یعنی وجود یا عدم کو بغیر کسی علت
مرجح کے ترجیح نہیں ہوسکتی۔ اور اگر اس کا وجود کسی اور مرجح پر موقوف ہے تو اس کا وجود بھی کسی اور
مرجح پر موقوف ہوگا اس طرح تسلسل لازم آئیگا۔ چونکہ تسلسل محال اور باطل ہے۔ لہذا یہ کہنا پڑیگا
کہ بندے کے فعل کے صدور کا مرجح اللہ تعالے کا مخلوق ہے اور بندے کا اُس میں کوئی دخل نہیں۔
سُنّی نے جواب دیا کہ تمہارے بھائی قدریہ تو اس کا یہ جواب دیسکتے ہیں کہ بندہ قادر اور مختار ہے وہ
اپنا ارادہ جو محرک افعال ہوتا ہے بغیر کسی مرجح کے خود بخود پیدا کرسکتا ہے۔ اور فطرت کو اس کا شاہد
بتلاتے ہیں کہ دیکھو جس کام کا ہم ارادہ نہ کریں اُس کو وجود میں نہیں لاتے۔ اور جب تک کہ کسی کام کا نفع اور
اُس کا ضرر نہ سمجھ لیں اس کا ارادہ نہیں کرتے اور اس ارادہ سے پہلے ایک دوسرا ارادہ جو اس ارادہ کا موجب
ہو۔ اور اس علم سے پہلے ایک اور علم جو اس کا باعث ہو ہرگز موجود نہیں ہوتا۔ پس مرجح بندے کا اپنا ارادہ
اور اُس کی وہ صفات جو خالق نے اُس کی فطرت میں پیدا کردی ہیں۔ غرض اللہ سبحانہ نے بندے
کی خلقت اس طرز پر بنائی ہے کہ وہ بالطبع حرکت کرسکتا ہے پس اپنے ارادہ اور مشیت سے جو حرکت
کرتا ہے تو یہ اس کے خلقت اور ذی روح اور حیوان ہونے کے لوازم سے ہے اور اسی طرح ارادہ
اور میلان قلب بھی اُسکے زندہ اور ذی روح ہونے کے لوازم سے ہیں۔ اور بندے کے افعال خاص یہی
اُس کے ارادات اور حرکات افعال ہیں اور جو افعال اُن کے ذریعہ سے صادر ہوتے ہیں وہ اسکے

ساتھ صرف اس بات میں مشابہ ہیں کہ دونوں بندے کی طرف منسوب ہیں گو ارادات بندوں کی طرف بلا واسطہ منسوب
ہیں اور دوسرے افعال ارادات کے واسطہ سے منسوب ہیں۔ پس یہ جو کہا کہ قدریہ کا یہ جواب بالکل غلط
اور باطل ہے۔ معاذ اللہ کیا قدریہ خدا کی شان یہی سمجھتے ہیں کہ بندے کے ارادہ میں کوئی ایسی چیز ہو سکتی
ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہ ہو اور نہ اس کی قدرت و مشیت میں داخل ہو۔ اللہ اکبر۔ اللہ سبحانہ کی شان
کو وہ ہرگز نہیں سمجھتے۔ اور اسکو جیسا پہچاننا چاہیے ایسا نہیں پہچانا۔ اور نہ اس کی تعظیم کا پورا حق ادا کیا۔
حقیقت الامر یہ ہے کہ بندے کا ارادہ تسمیہ صفات۔ افعال۔ ارادات۔ غرض کہ بندے کا ہر ذرہ اور ہر جز
مخلوق ہے اور اس میں اللہ سبحانہ کی تدبیر جاری ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بندے کی
قدرت ارادہ اور دیگر دواعی و محرکات صدور فعل کے سبب تام کے اجزا ہیں اور بندہ کو فعل صادر کرنے
میں مستقل طور پر اختیار حاصل نہیں۔ اور باوجود اس کے یہ سب اجزا اللہ سبحانہ کے مخلوق ہیں۔ غرض بندہ
بکمال وجوہ اور تمام اعتبارات کے لحاظ سے اللہ سبحانہ کا مخلوق ہے اور اپنے خالق کی طرف محتاج
ہونا اس کے لوازم سے ہے۔ اور اس کا قلب اپنے خالق کے ہاتھ اور اس کی دو انگلیوں کے بیچ میں
وہ جس طرف چاہے اس کو پھیر دیتا ہے۔ پس اسکو ایسے کام کا ارادہ کرنے والا بنا دیتا ہے کہ جس کے وقوع
کے ساتھ اس کی مشیت متعلق ہو اور اس کو ایسے کام سے متنفر کر دیتا ہے کہ جس کے وقوع کے ساتھ
اس کی مشیت متعلق نہ ہو۔ غرض جس کام کو اللہ سبحانہ چاہتا ہے وہ وقوع میں آتا ہے اور جس کو نہیں
چاہتا وہ ہرگز واقع نہیں ہوتا۔ اور بیشک مرجحات کا سلسلہ اللہ سبحانہ کے امر کونی اور اس کی اس
مشیت پر ختم ہوتا ہے جو تمام مخلوق میں نافذ ہے اور کسی کو اس سے نکلنے کی مجال نہیں لیکن لفظ
جبر جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ایک مجمل لفظ ہے۔ حق اور باطل دونوں اس سے مراد ہو سکتے ہیں۔
پس اگر تمہارا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال میں ایسا مضطر اور مجبور ہے کہ اپنی چھت سے سیڑھی پر
چڑھنا اور اس سے بدون اختیار نیچے گرنا دونوں یکساں ہیں۔ تو یہ عقل اور فطرت کے بالکل خلاف ہے۔ اور
اگر تمہارا یہ مطلب ہے کہ بندہ کسی کام کو اللہ تعالیٰ کی توفیق بغیر نہیں کر سکتا تو یہ بیشک صحیح ہے۔ اور یہ عام
قاعدہ ہے کہ بندہ مستقل طور پر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ قوت۔ قدرت سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے
ہے۔ بندہ بذات خود کسی کام پر قدرت نہیں رکھتا۔ اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق بغیر کوئی کام کر سکتا
ہے۔ ہم اس قاعدہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس خیال سے کہ فرقہ قدریہ جبر کہتے ہیں ہم اس کا انکار
نہیں کرتے۔ بلکہ ہم ان کے اسماء کے متعلق یہ ارشاد کہیں گے إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَ
آبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ (یہ نرے نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے

بتوں کے (اپنی طرف سے) رکھ لئے ہیں۔ خدا نے تو ان کے موجود ہونے کی کوئی سند نازل نہیں کی یعنی
جس طرح کہ انہوں نے اپنی طرف سے نام تجویز کر لئے تھے اسی طرح قدریہ نے بھی ایک تجویز کر لیا ہے۔ پس تم
اُن کے اس قاعدہ کو جبر کے سامنے موہوم کرنے کی وجہ سے عقل و ایمان سے مستغنی کی تمنا درست نہیں کرتے
سب سے بڑی خرابی کی بات یہ ہے کہ ہم اس بات کے قائل ہو جائیں۔ کہ اللہ سبحانہ بندے کو ان کاموں پر
عذاب کریگا۔ جن میں اس کا کوئی دخل نہیں۔ اور نہ وہ ان کے کرنے پر قادر ہے اور نہ ان کے صادر
ہونے میں کسی طرح کی اس کی کوئی تاثیر ہے۔ بلکہ اللہ سبحانہ اس کو خود اپنے افعال پر معذب کریگا۔ اور نیز
اس کو ایسے حرکات پر معذب کریگا۔ جو اس سے بلا اختیار صادر ہوئے ہیں جیسا کہ اوپر سے بغیر
قصد و ارادہ کے نیچے گر جانا وغیرہ وغیرہ۔ ہاں یہ جائز ہے کہ اگر بندے نے ایسی حرکات کے
اسباب کو اپنی مرضی اور خواہش سے مہیا کیا اور اس کے بعد غیر اختیاری حرکت کا صدور ہوا۔ تو ایسی
حرکت پر بھی جو خلاف شرع ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معذب ہو سکتا ہے۔ جس طرح کہ کسی شخص
سے حالت مستی اور نشہ میں کوئی حرکت خلاف شرع بغیر اختیار صادر ہو۔ تو چونکہ اس نے مستی اور نشہ کو
باختیار خود پیدا کیا اور اس کا مرتکب ہوا تھا۔ لہٰذا وہ اس غیر اختیاری حرکت پر بھی معذب ہوگا اور
جس طرح کہ اس عاشق کو کہ جس کے صبر اور عقل پر عشق غالب آگیا۔ اور وہ اپنے اختیار میں نہ رہا ہو۔
اس وجہ سے عذاب ہوگا۔ کہ پہلے اس نے اپنے ارادہ اور خواہش سے عشق کو اختیار کیا۔ اور اس
کے اسباب کو عمل میں لایا۔ اور جس طرح اس شخص کو عذاب ہوگا جو پہلے باختیار خود حق سے پھرا۔ اور اسنے
اس کو برا سمجھا۔ یہاں تک کہ اس کے دل پر مہر اور قفل لگا دئیے گئے۔ اور اسکے قلب پر پردہ غفلت
ڈالا گیا۔ پس اسکے اور ہدایت اور حق کے درمیان یہ چیزیں حائل ہوگئیں اور ہدایت کا پانا اس کے اختیار
میں نہ رہا . . . . اور اسی ہدایت کے حاصل
نہ کرنے پر جو کہ اس کے اختیار اور قدرت سے باہر ہے وہ اس سے روکا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس
کو معذب کریگا۔ کیونکہ پہلے اس نے خود بخود ہدایت سے اعراض کیا۔ اور ایسے شخص کو معذب کرنا
محض عدل ہے کسی طرح کا ظلم نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ایسا شخص جو مامور بہ کے بجالانے
اور ہدایت کے پانے سے روک دیا گیا ہے۔ تو ایسی حالت میں وہ مکلف احکام کیسے ہو سکتا ہے
وہ تو مجبور ہے۔ تو اس کو یہ کہا جائیگا کہ تمہارا سوال بیشک ٹھیک ہے اور اس کا جواب شافی انشاء اللہ
باب تکلیف ما لایطاق میں عنقریب مذکور ہوگا۔ یہاں صرف لفظ جبر اور اس کے معنی کے متعلق کہ کونسا
صحیح اور کونسا غلط ہے کلام کرنا مقصود ہے ⁂

فصل - جبری نے کہا کہ جب بندے سے کوئی حرکت مخصوص صادر ہوتی ہے تو اس کی نسبت ہم پوچھتے
ہیں کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہوتی ہے یا محض بندے کی قدرت میں داخل ہے یا اللہ تعالیٰ
اور بندہ دونوں کی قدرت کے تحت میں ہے یا ان دونوں میں سے کسی کی قدرت میں نہیں ہوتی۔ صورت
آخیر تو یقیناً باطل ہے۔ اور پہلی تینوں صورتوں میں سے ہر ایک صورت کے بعض لوگ قائل ہیں۔ پس اگر
وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے۔ اور بندے کی قدرت سے باہر ہے۔ تو ہم اسی کے
قائل ہیں۔ اور جبر کا یہی معنی ہے۔ اور اگر صرف بندے کی قدرت میں ہے۔ تو اس سے یہ لازم آئیگا کہ
بعض اشیا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج ہیں اور اس طرح اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ
(اللہ ہر چیز پر قادر ہے) کہنا صحیح نہ ہوگا۔ اور نیز یہ لازم آئیگا کہ بندہ جو ایک ضعیف مخلوق ہے۔ وہ
ایسے کاموں پر قادر ہو کہ جن پر اُس کا خالق قدرت نہیں رکھتا۔ اور اسی بات سے قدریہ توحید
سے علیحدہ ہو کر مجوس کے ساتھ مشابہ ہو گئے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ اور بندہ دونوں کی قدرت میں واقع
ہو تو اس کے صدور میں دونوں کی شرکت لازم آئیگی۔ اور اس طرح ایک مفعول کا دو فاعل اور ایک
مقدور کا دو قادر اور ایک اثر کا دو مؤثر سے صادر ہونا لازم آئیگا۔ جو اس وجہ سے محال اور
باطل ہے کہ جب دو مستقل مؤثر ایک اثر کے صادر کرنے میں مجتمع ہوں۔ تو ہر ایک کی وجہ سے دوسرے
کی ضرورت نہیں رہتی۔ پس یہ کہنا پڑیگا کہ وہ اُن دونوں کی طرف محتاج بھی ہے۔ اور دونوں سے مستغنی
بھی ہے۔ سنی نے جواب دیا کہ اس مقام میں لوگوں کے مختلف فرقے ہیں۔ بعض تو یہ کہتے
ہیں۔ کہ بندے کی کوئی سی حرکت ہو یا اس کا کوئی سا فعل ہو صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے
واقع ہوتا ہے۔ اور بندے کی قدرت کی تاثیر صرف اُس کے طاعت یا معصیت ہونے میں ہوتی
ہے۔ غرض اُس کے وجود کی مقتضی تو اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور اس کی صفت میں بندے کی قدرت
مؤثر ہے۔ قاضی ابوبکر اور اس کے متبعین کا یہی قول ہے مگر یہ جواب کافی اور شافی نہیں۔ اسلئے
کہ بندے کی قدرت جس چیز میں مؤثر قرار دیگئی ہے۔ اگر وہ وجودی چیز ہے اور بندے کی قدرت
وجودی چیز میں اثر کر سکتی ہے۔ تو نفس فعل میں بھی اُسکی قدرت مؤثر ہو سکتی ہے جو کہ ایک وجودی
چیز ہے۔ اور اگر وہ صفت جس میں بندے کی قدرت مؤثر ہے عدمی چیز ہے۔ تو لازم آئیگا۔ کہ
اُس کی قدرت متعلق عدم ہے اور یہ درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قدرت کا متعلق اور اُس کا اثر عدم
محض نہیں ہو سکتا۔ اور بعض کا یہ قول ہے کہ خود فعل اور اُسکی صفت دونوں صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت
سے واقع ہوتے ہیں۔ اور بندے کی قدرت کا ان دونوں میں کوئی اثر نہیں۔ ابوالحسن اشعری اور اس کے

متبعین کا یہی قول ہے اور بعض کا یہ قول ہے کہ بندے کی حرکت اور اس کا فعل محض اسی کی قدرت سے
واقع ہوتے ہیں۔ مگر اس قول کے قائلین میں باہم اتنا اختلاف ہے۔ کہ ان میں سے بعض تو یہ کہتے
ہیں کہ بندے کے افعال میں اگرچہ اسی کی قدرت موثر ہوتی ہے لیکن اس کے افعال پر اللہ تعالے کو
بھی قدرت حاصل ہے اور بندے کے تمام مقدورات پر اللہ تعالے قادر ہے۔ ابوالحسین البصری اور
اس کے متبعین فرقہ حسینیہ کا یہی خیال ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ بندے کے افعال میں اسی کی قدرت
مؤثر ہے اور جن کاموں کے کرنے پر بندہ قادر ہے۔ اللہ تعالے ان سب کے کرنے پر قادر نہیں
مشائخیہ ابی علی اور ابی ہاشم کے پیرو اسی کے قائل ہیں۔ ابن خطیب اور جمہور متکلمین انہی اقوال کو بیان
کرتے ہیں۔ مگر ان سے کسی طالب تحقیق کو سیرابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ اقوال آپس میں باہم متناقض ہیں۔
ابوالحسین کے بعض اصحاب نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ اس دلیل میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک
مقدور کا دو قادر سے صادر ہونا لازم آئیگا۔ یہ اس صورت میں محال ہے۔ جب دونوں سے معاً صادر
ہوا اور جبکہ ان دونوں سے یکے بعد دیگرے صادر ہو تو یہ محال نہیں جس طرح کہ ایک وقت میں
ایک مکان کے اندر دو جسم کا موجود ہونا محال ہے۔ مگر دو مختلف وقتوں میں آگے پیچھے ایک مکان
کے اندر دو جسم کا موجود ہونا محال نہیں۔ مگر یہ جواب بالکل غلط ہے کیونکہ اس کا تو یہ مطلب ہے
کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو اس پر اس وقت قدرت حاصل ہوتی ہے۔ جب دوسرا اسے چھوڑ
دے اور مستدل کا یہ مطلب ہے کہ جب اس فعل کو بندہ اپنی قدرت اور ارادہ سے کرتا ہے۔ اس
وقت اللہ تعالے کو اس پر قدرت ہے اور اس کی قدرت اس میں مؤثر ہے یا نہیں۔ اگر مؤثر ہے
تو لازم آئیگا۔ کہ ایک مقدور کا دو قادر سے صدور ہوا۔ اور اگر اللہ تعالے کو اس پر قدرت نہیں۔ تو
لازم آیا۔ کہ بعض ممکنات اللہ تعالے کی قدرت سے باہر ہیں۔ اگر کوئی شخص یوں جواب دے
کہ اللہ تعالے اس فعل کے کرنے پر قادر ہے بشرطیکہ بندہ اپنی قدرت سے اسکو صادر نہ کرے۔ تو
اس کو یہ کہا جائیگا۔ کہ تم نے تو صراحۃً مان لیا۔ کہ بندے کی قدرت کے وقت اللہ تعالے اس کے
کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ پس یہ کہنا کہ اللہ تعالے اور بندہ یکے بعد دیگرے اس کام کے کرنے پر قادر
ہوتے ہیں کچھ مفید اور نافع نہیں ہو سکتا۔ اسکے علاوہ جب اللہ تعالے کی قدرت بندے کی عدمی قدرت
کے ساتھ مشروط ہوئی۔ تو جس وقت یہ شرط نہ پائی جائیگی۔ تو اللہ تعالے کی قدرت بھی نہ پائی جائیگی
اور اس بات کا کوئی اہل توحید ہرگز قائل نہیں۔ بلکہ سب کے سب اسی قول میں تمہارے مخالف
اور تم پر معترض ہیں۔ اور تمہارا یہ قول محض اہل سنت کے لئے دھوکا ہی ہے۔ ورنہ حقیقۃً اس کا

مطلب یہ ہے کہ بندہ اُن اشیاء اور امور پر قادر ہے جن پر اللہ تعالےٰ قادر نہیں۔ اور اس باطل خیال کی خرابی بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کی خرابی اظہر من الشمس ہے۔ اگر کوئی شخص یہ جواب دے کہ جس طرح ایک چیز دو عالم کی معلوم اور دو ارادہ کرنے والوں کی مراد ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ایک چیز دو قادر کی قدرت میں داخل ہو سکتی ہے۔ تو اُس کو یہ کہا جائیگا۔ کہ تمہارا یہ قیاس صحیح نہیں۔ کیونکہ چیز معلوم اور مراد میں عالم اور ارادہ کرنے والے کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے اسمیں دو شخص کا اشتراک ہو سکتا ہے جیساکہ ایک چیز کو دو آدمی دیکھ سکتے یا ایک آواز کو دو شخص سُن سکتے ہیں۔ اور ایک مقدور چیز دو قادر کی قدرت میں اس معنی سے آسکتی ہے کہ اس کو دو نوں یکے بعد دیگر کر سکیں اور اس معنی سے کہ دونوں کی قدرت اس شے کے وجود کی موجب اور اُس کے مقارن ہو یہ محال ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک کی قدرت کی تاثیر دوسرے کی تاثیر کے لئے شرط ہو۔ ابوالحسین نے جب اس شبہ کو سمجھا تو کہنے لگا۔ کہ یہ نہیں ہوتا کہ اُس کی نسبت جو ایک کی طرف ہے وہی بعینہ دوسرے کی طرف ہے جیساکہ ایک چیز دو عالم کی معلوم ہوتی ہے اور ایک کا علم بعینہٖ دوسرے کا علم نہیں ہوتا اور ایک مفعول جب دو فاعل سے صادر ہو۔ تو یہ نہیں کہا جاتا کہ ایک کا فعل بعینہٖ دوسرے کا فعل ہے۔ پس اسی طرح ایک مقدور جو دو قادر سے متعلق ہو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اُس پر جو ایک کو قدرت حاصل ہے وہی بعینہٖ دوسرے کی قدرت ہے۔ بلکہ میرے اس قول کا کہ یہ اس کا فعل ہے اور اسمیں اُسکی تاثیر کو دخل ہے۔ یہ مطلب ہے۔ کہ اُس کی قدرت اور ارادہ سے پیدا ہوا ہے۔ اور اس کا یہ معنی نہیں کہ ایک کی قدرت بعینہٖ دوسرے کی قدرت ہے اور ایک چیز کو دو شے کی طرف نسبت کرنا عقلاً کوئی محال نہیں۔ ہاں یہ محال ہے۔ کہ جو ایک کی طرف نسبت ہو وہی بعینہٖ دوسرے کی طرف نسبت ہو۔ مگر ابی الحسین کی اس تقریر سے کچھ کام نہیں چلتا۔ کیونکہ یہ تقسیم اس صورت میں بھی جاری ہو سکتی ہے۔ اور ہم کہتے ہیں۔ کہ ادلہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ کہ اللہ سبحانہٗ کی قدرت تمام ممکن اشیاء، ذوات۔ صفات اور افعال کو حاوی ہے کوئی مقدور چیز اُس کی قدرت سے باہر نہیں۔ اور نیز یہ امر بھی ادلہ سے ثابت ہے کہ بندہ اپنے ارادہ اور قدرت سے اپنے افعال کا فاعل ہے۔ اور اُس کے افعال درحقیقت اسی کے افعال ہیں۔ جن پر وہ عقل، شرع، عرف اور فطرت کے رُو سے قابل مدح یا ذم ہوتا ہے۔ بندے تو بجائے خود حیوانات کی فطرت میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے کہ بندے کے نیک افعال پر اس کو قابل تحسین اور بُرے افعال پر اُسکو قابل مذمت سمجھتے ہیں۔ اور نیز یہ بات بھی ادلہ سے ثابت ہوتی ہے کہ ایک معین فعل دو مستقل فاعل اور ایک خاص اثر دو مستقل اثر سے صادر ہونا محال ہے۔ اور نیز یہ امر بھی دلیل

سے ثابت ہے کہ کوئی حادث محدث کے سوا پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور کسی چیز کی ترجیح سوائے کسی مرجح کے موجود نہیں ہو سکتی۔ اور یہ سب امور ایسے ہیں جو ادلۂ عقلیہ و فطرت سے ثابت ہیں۔ یہ بھی قاعدہ ہے کہ دلائلِ عقلیہ آپس میں باہم متعارض اور متناقض نہیں ہوتے اور یہ جائز نہیں کہ ایک دلیل کی وجہ سے دوسری دلیل کو باطل قرار دیا جائے بلکہ یہ ضروری ہے کہ سب کے مطابق عمل کیا جائے۔ اور سب کا مقتضیٰ تسلیم کیا جائے۔ کیونکہ وہ باہم ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور ان کے درمیان باہم کوئی تعارض نہیں۔ ان کے درمیان تعارض صرف وہ شخص سمجھتا ہے جس کی سمجھ قاصر اور ناقص ہو۔ اور جس کی طبیعت میں محض ان کے شکوک اور شبہات پیدا ہوں۔ اور اِدھر اُدھر کی فضول باتیں بنایا کرے۔ شکوک و شبہات کا نکالنا اور چیز اور علم اور فہم دوسری چیز ہے۔ اسی فہم کی کمی کے سبب متخاصمین جھگڑے میں پڑ جاتے ہیں متکلمین کے اقوال کا ماحصل یہی ہے مگر حق ان میں منحصر نہیں۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ بندے کا فعل اور اس کی حرکت اسکی اس قدرت اور ارادہ سے واقع ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ نے اس میں پیدا کی ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ جب بندے سے کسی فعل کے صدور کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے قدرت اور اس کے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ ۔۔۔ اس لحاظ سے تو بندے کی قدرت کی طرف نسبت کیا جاتا ہے کہ اس کی قدرت اس کے صدور کا سبب ہے اور اللہ سبحانہٗ کی قدرت کی طرف اس وجہ سے منسوب ہوتا ہے کہ وہ اس کا خالق ہے پس اسطرح ایک مقدور کو دو قادر کی طرف نسبت کرنے میں کوئی خرابی نہیں۔ کیونکہ ایک کی قدرت دوسرے کی قدرت کا اثر ہے اور وہ صدورِ فعل کا جزء سبب ہے اور دوسرے یعنی اللہ تعالےٰ کی قدرت مستقل بالتاثیر ہے اور یوں کہنا کہ ایک مقدور دو قادر کے درمیان واقع اور ان سے صادر ہوا۔ یہ محض وہم کا سبب ہے کیونکہ اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ وہ دونوں قدرت میں یکساں ہیں جس طرح کہا جاتا ہے کہ یہ کپڑا دو آدمیوں کے درمیان یا یہ مکان دو شخصوں کے مابین مشترک ہے۔ تو اس سے دونوں کا اشتراک بالاستقلال سمجھا جاتا ہے اور صدورِ فعل عبد میں اس قسم کا اشتراک بالاستقلال نہیں بلکہ اس کا فعل اسکی اپنی قدرت حادثہ سے واقع ہوتا ہے جو اس کے صدور کا سبب ہے اور یہ سبب اور فاعل یعنی بندہ اور صدورِ فعل کے دیگر اسباب و آلات سب کے سب اللہ تعالےٰ کی قدرت قدیمہ کے آثار ہیں۔ اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تمام ممکنات کو شامل اور حاوی ہے اور جناب باری کی قدرت تمام اشیاء میں مؤثر اور ان کا سبب ہے۔ اور درحقیقت سلسلۂ ہستی میں اللہ سبحانہٗ کی مشیت اور اسکی قدرت کے سوا کوئی چیز مستقل بالتاثیر نہیں تمام چیزیں اسکی مخلوق اور اسکی قدرت اور مشیت کا اثر ہیں اور اگر اس بات کا انکار کیا جائے۔ تو اسکی

دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا خالق قرار دیا جائے۔ دوسرا یہ کہ ایسی مخلوق کو مانا جائے جو بغیر خالق کے پیدا ہو۔ کیونکہ جب بندے کا فعل اللہ تعالیٰ کا مخلوق ہوا۔ تو تین صورتوں سے خالی نہیں یا تو بندہ مستقل طور پر اس کا خالق ہو یا اللہ تعالیٰ اور وہ دونوں ملکر اُسکے خالق ہوں۔ یا ان دونوں میں سے کوئی بھی اُس کا خالق نہ ہو تو ضرور یہ ماننا پڑیگا کہ یا تو اللہ کے سوا ایک دوسرا خالق ہے یا یہ کہنا پڑیگا۔ کہ بعض اشیا بغیر خالق کے پیدا ہوتی ہیں۔ اور یہ دونوں صورتیں ناجائز اور محال ہیں۔ اور جو شخص افعال عباد کو اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے خارج قرار دیگا وہ اس خرابی سے ہرگز بچ نہیں سکتا۔ جب یہ معلوم ہو چکا۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ بندے کے افعال اس لحاظ سے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔ کہ وہ ان کا خالق اور مکون ہے جسطرح کہ تمام مخلوقات اُسکی قدرت اور تکوین اور خلق سے دنیا میں آتی ہے۔ اسی طرح بندے کے افعال بھی اُسی کی قدرت خلق اور تکوین سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور بندے کی قدرت سے اِس لحاظ سے واقع ہوتے ہیں کہ وہ اُنکے صدور کا سبب اور بندہ ان کا مباشر ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ خالقِ افعال اور بندہ اُن کا فاعل اور مباشر ہے۔ اور بندے کی قدرت حادثہ اور اس کا اثر دونوں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت سے پیدا ہوتے ہیں +

فصل۔ جبری نے کہا۔ اگر انسان اپنے افعال کا فاعل ہو۔ تو وہ انکی تفاصیل سے ضرور واقف ہوگا ورنہ یہ ممکن ہوتا کہ جو کام وہ کرے اور جس مقدار پر کرے کبھی اُس سے زائد اور کبھی اُس سے کم ہو جایا کرے اور جب ایسا نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ وہ ضرور انکی تفاصیل سے واقف ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے۔ کہ نائم اور غافل کبھی کام کرتے ہیں اور اُنکو کام کی کیفیت اور مقدار سے خبر نہیں ہوتی۔ اور اسی طرح متحرک مسافت کو طے کرتا ہے اور اُسے تفصیل حرکت اور اجزائے مسافت کی مطلقاً خبر نہیں ہوتی۔ اور اسی طرح انگلی ہلانے والا انگلی ہلاتا ہے۔ اور اُسکو اُسکے اجزا اور اُنکے احیاز و مکانات کا شعور نہیں ہوتا اور اسی طرح سانس لینے والا سانس لیتا ہے۔ تو اکثر اوقات اُس کو اپنے سانس لینے کا پتہ بھی نہیں ہوتا پھر اُس کی نسبت کیفیت مبدا اور منتہیٰ کا علم کیسے حاصل ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس غافل شخص کبھی کوئی بات کہتا یا کوئی کام کر چکتا ہے اور بعد میں یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اس کا قصد اور ارادہ نہیں کیا تھا۔ غرض ہم کو یقیناً معلوم ہے کہ ہم کو نشست۔ برخاست۔ چلنے۔ پھرنے میں اپنے بہت سے حرکات اور سکنات کی خبر تک نہیں ہوتی۔ اور اگر ہم چلنے پھرنے اور تیز رفتاری کی حالت میں اجزائے حرکت کو ایک دوسرے سے علیحدہ اور ممتاز اور اُن کو معلوم کرنا چاہیں۔ تو یہ ہرگز ممکن نہیں۔ بلکہ جو شخص سب سے زیادہ عقلمند ہو اُس سے بھی یہ بات نہیں ہوسکتی۔ پس دوسرے حیوانات۔ پرندے وغیرہ اپنے چلنے۔ اُڑنے یا

سونے کے وقت اپنے حرکات و سکنات کی تفصیل کو کس طرح معلوم کر سکتے ہیں۔ چیونٹی اور مچھر تک یہی
قاعدہ جاری ہے کہ کسی چیز کو اپنی حرکات و افعال کی تفصیل کا علم نہیں۔ چنانچہ جو شخص نشہ یا غصہ کی
حالت میں ہوں۔ اُن کی نسبت دیکھا جاتا ہے۔ کہ انکو اپنے حرکات و افعال کی بالکل خبر نہیں ہوتی
اسی واسطے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى
حَتّٰى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ (مسلمانو) جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے پاس بھی نہ جانا۔
یہاں تک کہ نشہ اُتر جائے اور جو کچھ منہ سے کہتے ہو اس کو سمجھنے لگو) اس آیت سے
صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ مست آدمی یعنی جو شخص نشہ کی حالت میں ہو اس کو اپنے اقوال کا علم نہیں
ہوتا۔ اور جب اس کو اُن اقوال کا علم نہیں جو اس سے بدون اختیار صادر ہوتے ہیں تو
ان کا موجد اور ارادہ سے پیدا کرنے والا کس طرح ہو سکتا ہے کیونکہ ارادہ شعور اور علم پر موقوف
ہے۔ لہذا صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا یہ فتویٰ ہے کہ سکران (یعنی وہ شخص جو نشہ کی حالت
میں ہو اس) کی طلاق واقع نہیں ہوتی یعنی صحابہؓ نے اسکی حرکات لسانی کو ایسا سمجھا کہ گویا اسکی
زبان کو اُسکے ارادہ و اختیار کے بغیر کوئی دوسرا شخص ہلاتا ہے۔ اور اسلئے رسول خدا صلے اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اغلاق یعنی دیوانگی اور جنون کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی
کیونکہ اغلاق کی حالت میں علم اور ارادہ موجود نہیں ہوتے اور اسی واسطے جمہور فقہاء کا یہ قول
ہے کہ ناسی (بھول کر کوئی کام کرنے والے) پر مواخذہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا فعل اس کے اختیار
سے باہر ہوتا ہے۔ اور اسی واسطے اسکی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ گو اس کے اختیار سے
صادر ہوتا ہے۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں کہ جو شخص بھول کر کوئی چیز
کھالے یا کوئی چیز پی لے۔ تو اُس کو اپنا روزہ پورا کرنا چاہیئے (یعنی بھول کر کھا لینے یا پی لینے
سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ بلکہ بدستور قائم رہتا ہے) کیونکہ اُس نے اپنے اختیار سے یہ کام نہیں
کیا۔ بلکہ اس کو اللہ تعالےٰ نے کھلایا پلایا ہے۔ اسی مضمون کی طرف اشارہ فرمایا ہے دیکھو آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسکے فعل کو اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اُس شخص کی طرف منسوب
نہیں کیا۔ اِس سے صاف معلوم ہوا کہ کھانا یا پینا اُس کا فعل نہیں۔ اسی واسطے اس کا روزہ
نہیں ٹوٹا۔ بلکہ بدستور قائم رہا۔ سنی نے جواب دیا کہ اس مقام میں تفصیل کی ضرورت ہے۔
یہاں اجمال مناسب نہیں۔ لہذا ہم یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ جو افعال بندوں سے صادر ہوتے
ہیں۔ وہ قدرت۔ علم۔ اسباب۔ ارادہ کے لحاظ سے کئی اقسام پر منقسم ہیں۔ پس کبھی تو ایسا

ہوتا ہے۔ کہ انسان اپنے فعل میں مجبور محض ہوتا ہے۔ اور اسکے ارادہ کو اسکے صدور میں کسی طرح کا کوئی
دخل نہیں ہوتا جیسا کہ کسی کے ہاتھ کو پکڑ کر اس سے کسی دوسرے کو پیٹ دیا یا اسکی انگلی کو پکڑ کر اس کے ہاتھ
کسی کی آنکھ پھوڑ دی تو ایسے افعال درختوں کی اس حرکت کے قائم مقام ہیں جو ہوا کے چلنے سے پیدا ہوتی
ہے۔ اسی واسطے ان پر کوئی حکم مترتب نہیں ہوتا اور نہ ان کا فاعل مدح یا ذم اور نہ ثواب یا عقاب کا
مستحق سمجھا جاتا ہے۔ اور ایسے شخص کو عقل شرع اور عرف میں فاعل نہیں کہا جاتا۔ اور تیسری صورت یہ ہوتی ہے کہ جب کسی
کام کے کرنے پر اکراہ کیا جاتا ہے اس صورت میں وہ فعل اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اس صورت میں یہ شخص مجبور محض نہیں ہوتا اور
صورت میں اتنا اختلاف ہے۔ کہ ایسے شخص کو فاعل بالاختیار کہنا صحیح ہے یا نہیں اور حق بات یہ ہے
کہ یہ ایک لفظی نزاع ہے۔ کیونکہ یہ شخص اپنے ارادہ سے فعل کرتا ہے۔ جس پر وہ مجبور کیا گیا ہے پس
یہ شخص ایک لحاظ سے فاعل بالاختیار ہے۔ اور ایک لحاظ سے فاعل بالاضطرار ہے۔ پس اگر فاعل مختار
کا صرف یہی معنی ہے کہ فاعل اپنے ارادہ سے فعل کرے تو اس لحاظ سے تو یہ شخص فاعل مختار ہے
گو ناخوشی سے اس فعل کو کرتا ہے۔ اور نیز اس لحاظ سے وہ مختار ہے کہ وہ جس کام پر اکراہ کیا گیا ہے۔
اس کو اسلئے کرتا ہے تاکہ وہ خرابی سے بچے جو اس سے زیادہ بری ہے۔ یعنی اس کو دو مکروہ
باتیں پیش آتی ہیں۔ ان میں سے وہ اسکو پسند کرتا ہے جو آسان ہوتی ہے تاکہ زیادہ مشکل میں نہ
پڑے۔ اور اسی وجہ سے اگر کسی کو حالت اکراہ میں مار ڈالے تو جمہور علماء کے نزدیک قاتل سے
قصاص لیا جائیگا یعنی چونکہ اس نے اپنے اختیار سے دوسرے کو مار ڈالا۔ لہذا اس سے مواخذہ
شرعی ہوگا۔ اور مجبور محض سے بالاتفاق قصاص نہیں لیا جاتا۔ اور اس بات کی توضیح اس طرح
ہو سکتی ہے کہ جس شخص کو کسی بات کے کہنے پر اکراہ کیا جاتا ہے۔ تو وہ بات اس کے ارادہ و اختیار کے
بغیر اسکی زبان سے نکل نہیں سکتی اسیواسطے بعض علماء کے نزدیک اسکی طلاق و عتاق نافذ ہو جاتے ہیں اور جمہور کا یہ مذہب ہے کہ اکراہ کی
طلاق اور عتاق نافذ نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالی نے اس شخص کے کلمات کفر کو جو کلمات کفر کو زبان سے نکالنے
پر اکراہ کیا گیا ہو معاف فرمایا ہے۔ اور ان پر کوئی اثر مترتب نہیں۔ کیونکہ اس نے اگرچہ اپنے بچاؤ کے
لئے ایسے کلمات زبان سے نکالے ہیں۔ مگر انکے معانی اس کے نزدیک مقصود و مراد نہیں۔ لہذا
وہ معاف سمجھے گئے ہیں۔ بعض فقہاء کا قول ہے کہ اگر اکراہ کی حالت میں دل سے بھی طلاق کا
قصد اور ارادہ کیا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس کے اقوال اللہ تعالے کے نزدیک لغو
اور بے معنی ہیں۔ لہذا شرعاً ان کا وجود کالعدم ہے۔ اور جب اس کے الفاظ کا اعتبار نہ ہوا۔ تو اب
صرف ارادہ قلبی باقی رہا۔ اور محض ارادہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ مگر یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ

اللہ تعالیٰ نے مکرہ کے اقوال کو اُس وقت لغو اور بے معنی قرار دیا ہے جب وہ ارادہ اور قصد سے خالی
ہوں اور اس کا دل اُنکی ضد اور اُنکے خلاف پر قائم ہو اور مطمئن ہو۔ اور جب الفاظ کے ساتھ ارادہ
بھی شامل ہو گیا اور دل اور زبان متفق ہو گئے۔ تو ایسی حالت میں وہ شخص معذور نہیں سمجھا جائیگا۔
اگر کوئی یہ استفسار کرے کہ کسی شخص کا یہ خیال ہو کہ اکراہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔
اور اسی حالت میں اُس نے طلاق کا ارادہ کیا۔ اور اُسے یہ مسئلہ معلوم نہیں کہ اکراہ کی حالت میں
طلاق واقع نہیں ہوتی۔ تو ایسے شخص کی طلاق واقع ہوگی یا نہیں تو اس کو یہ جواب دیا جائیگا۔ کہ
ایسے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ اُس کا جب یہ خیال ہے کہ اکراہ سے طلاق واقع ہو جاتی
ہے۔ اور پھر اُس کو زبان سے نکالا۔ تو اس کا ارادہ اُس کے الفاظ کے قائم مقام ہوگا۔ کہ اپنے بچاؤ
کے لئے اس کا ارادہ کیا اُس نے یہ سمجھا کہ ارادہ طلاق کے بغیر خلاصی نہیں ہو سکتی اور وہ یہ جانتا
ہے کہ الفاظ بدوں ارادہ کے حالتِ اکراہ میں لغو اور بے معنی ہوتے ہیں۔ غرض اُس نے بچنے کیلئے
ارادہ کیا درحقیقت اُسے طلاق واقع کرنا مقصود نہ تھا لہذا اسکی طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور پہلے
شخص کی طلاق اسلئے واقع ہو جائیگی۔ کہ جب اُس کو طلاق دینے پر اکراہ کیا گیا۔ تو اُس کے دل میں
ارادہ پیدا ہوا کہ جس عورت کے طلاق دینے پر مجبور کیا جاتا ہوں اُس کے پاس رکھنے سے کیا فائدہ
ہے۔ ایسی کو طلاق ہی دینا اچھا ہے۔ لہذا اُس نے اپنے ارادہ سے طلاق دی۔ اگرچہ وہ جبر نہ
کیا جاتا تو وہ اُس کو طلاق نہ دیتا۔ غرض یہ کہ مکرہ اپنے فعل کو اپنے ارادہ سے کرسکتا ہے۔

فصل۔ اس میں شک نہیں کہ نائم رسونے والا) سے بھی بعض افعال اور بعض کلام ایسے صادر
ہوتے ہیں جو مفید مطلب ہو سکتے ہیں۔ اس امر پر تمام مذاہب کا اتفاق ہے کہ ایسے افعال و اقوال پر
مواخذہ اور تکلیف نہیں مگر اس میں اختلاف ہے کہ یہ افعال و اقوال اُس کی قدرت اور کسب سے صادر
ہوتے ہیں یا کہ قدرت اور کسب سے خارج ہیں معتزلہ اور بعض اشعریہ کا قول ہے۔ کہ یہ افعال نائم کی قدرت
میں داخل ہیں اور سونے سے قدرت زائل نہیں ہو جاتی گو علم اور ادراک اس حالت میں موجود نہیں ہوتے
ابو اسحاق وغیرہ کا قول ہے کہ یہ افعال اُس کی قدرت میں داخل نہیں ہوتے۔ کیونکہ نیند کی حالت
میں جسطرح علم اور ادراک نہیں پائے جاتے اسی طرح قدرت بھی نہیں پائی جاتی۔ قاضی ابوبکر اور بہت
سے اشعریہ کا یہ قول ہے کہ نائم کی حرکت اور فعل کی نسبت کوئی قطعی حکم نہیں ہو سکتا۔ کہ اس کی قدرت
میں داخل اور اُس کا مکتسب ہے یا اُس کی قدرت سے خارج اور اضطراری ہے بلکہ دونو باتیں ہو سکتی ہیں
قائلین قدرت یہ کہتے ہیں کہ نائم میں ابتدا کے وقت قدرت موجود تھی۔ اور اب بھی اُس کی قدرت

باقی ہے سونے کی وجہ سے قدرت زائل نہیں ہو جاتی۔ لہذا یہ کہا جائیگا کہ نائم کا فعل بدستور اسکی قدرت سے
واقع ہوتا ہے۔ اور نیز یہ کہتے ہیں کہ نائم جب بیدار ہوتا ہے تو اُس میں سوائے نیند کے دور ہونے کے
اور کوئی نئی چیز پیدا نہیں ہوتی اور بیدار ہونے پر اُس میں قدرت موجود ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نیند
کی حالت میں بھی قدرت موجود تھی۔ اور نیز وہ یہ کہتے ہیں کہ نائم سے کبھی ایسے افعال صادر ہوتے ہیں
کہ اگر وہ حالت بیداری میں موجود ہوں تو اختیار اور ارادہ کے بغیر موجود نہیں ہو سکتے۔ غرض نوم
گو ارادہ اور قدرت کے منافی اور مخالف ہے مگر قدرت کے منافی نہیں۔ منکرین قدرت جواب
میں یہ کہتے ہیں۔ کہ تمہارا یہ دعوے کہ نوم قدرت کے منافی نہیں صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نائم مِن منفعل اور متاثر
ہوتا ہے۔ اِسی لئے جو شخص اُس کو کچھ تکلیف پہنچائے اُس کو ہٹا نہیں سکتا اور مؤثر کا اثر قبول کرنے سے
وہ رک نہیں سکتا۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ بیدار ہونے پر نیند کے دور ہونے کے سوا کوئی نئی چیز پیدا نہیں ہوتی
یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ قدرت کے مانع یعنی نیند کا دور ہونا یہی نئی چیز کا پیدا ہونا ہے۔ پس مانع دور ہونے
سے قدرت بدستور سابق موجود ہو جاتی ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی دوسرے
کو رسی سے باندھ کر اُس کو حرکت سے روک دے۔ پھر جب رسی کو کھول دیگا۔ تو زوال مانع پیدا ہو جائیگا
اور وہ بدستور حرکت کرنے لگیگا۔ قائلین قدرت یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ نائم۔ اور مرتعش اور مفلوج کی
حرکت میں ظاہر فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور اِس فرق کی یہی وجہ ہے کہ نائم میں قدرت موجود ہوتی ہے
اور اُس کی حرکت قدرت سے واقع ہوتی ہے اور مرتعش اور مفلوج کی حرکت اُنکی قدرت اور اختیار کے
بدوں صادر ہوتی ہے۔ حق بات یہ ہے کہ نائم کی حرکت اضطراری اُس کے کسب اور قدرت سے
واقع نہیں ہوتی۔ اور جسطرح کہ اپنے اختیار سے تالی بجانے اور مرض رعشہ سے ہاتھوں کے حرکت کرنے
میں ظاہر فرق معلوم ہوتا ہے۔ اِسی طرح نائم اور بیدار کی حرکت میں تفاوت پایا جاتا ہے ؏

فصل۔ وہ شخص جس کی عقل جنون یا نشہ پینے سے زائل ہوگئی ہو اُس کے افعال نہ تو ایسے اضطراری
ہیں۔ جیسے مجبور اور مکرہ شخص کے ہوتے ہیں۔ اور نہ ایسے اختیاری ہیں کہ اُن کو اپنے علم و ارادہ سے
کرتا ہے بلکہ اس کے افعال اضطراری افعال کا ایک دوسرا قسم ہے اور یہ افعال حیوانات اور بے تمیز
بچے کے افعال کی مانند و مشابہ ہیں۔ اور ان مذکورہ اشخاص میں سے ہر ایک شخص کے فعل کے لئے ایک
داعی اور باعث ہوتا ہے جس کو وہ پہلے تصور کرتا اور سوچتا ہے اور نیز ان میں سے ہر ایک شخص کے
لئے ارادہ اور قدرت موجود ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے اُس فعل کو صادر کرتا ہے۔ گو ان کے افعال
کے دواعی عاقل اور عالم کے افعال دواعی و اسباب کے سے علیحدہ اور دوسرے قسم کے ہیں۔ غرض یہ

اشخاص اپنے افعال کی اغراض کو پہلے سوچتے۔ اور اسکے بعد ان افعال کے صادر کرنے کا ارادہ کرتے اور ارادہ کے بعد انکو صادر کرتے ہیں۔ اور یہ افعال طبعی افعال ہیں جو دواعی۔ اسباب۔ ارادہ اور قدرت سے صادر ہوتے ہیں۔ گو دواعی اور اسباب یکساں نہ ہوں۔ چونکہ ان کے دواعی ایک دوسرے سے قسم کے ہوتے ہیں۔ لہذا کوئی شخص یہ نہیں کہتا۔ کہ ایسے اشخاص اپنے افعال پر ماخوذ و معذب ہونگے۔ بلکہ ان کے افعال دائرہ تکلیف سے خارج ہیں۔ اور نیز یہ افعال مکروہ کے افعال کے مشابہ نہیں ہوسکتے۔ اور ان افعال کا اپنے فاعلین کی طرف منسوب ہونے کی حیثیت سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف جو خالق ذوات و صفات ہے منسوب ہونے کے لحاظ سے منسوب کرتے ہیں۔ اور سہو یا بھول کر کام کرنے والا جو غفلت اور ذہول سے کسی کام کو کرتا ہے اس میں بھی اس کام کی قدرت موجود ہوتی ہے اگر اس میں اس کام کی قدرت نہ ہو تو وہ کام۔ اگر اس سے صادر نہ ہو سکے۔ اور نیز اس میں ارادہ بھی موجود ہوتا ہے گو وہ اپنے ارادہ سے اس وقت غافل ہوتا ہے۔ کیونکہ ارادہ کا وجود اور اس کا علم دونو ایک چیز نہیں بلکہ یہ دونو دو مختلف چیزیں ہیں پس ایک کے نہ ہونے سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی۔ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی شخص کے جی میں کسی کام کا ارادہ ہو مگر وہ اس وجہ سے اسکے علم سے غافل ہو کہ اسکی قوت مدرکہ کسی دوسری طرف متوجہ ہو اور وہ دوسری جانب کے ارادہ کے شعور سے مانع ہو۔ اور اسی حالت میں وہ شخص اس کام کو اپنے ارادہ سے باوجودیکہ اُسے اس کا شعور نہیں صادر کرسکتا ہے۔ اگرچہ فعل کے ہر ایک جزو کے صدور کے لئے شعور کا ہونا ضروری ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک جزو کا شعور تفصیلاً حاصل ہو بلکہ اُن کا اجمالی علم اور شعور بھی صدور کے لئے کافی ہے

فصل۔ جبری بولا کہ قدریہ کے نزدیک کافر کی گمراہی اور اس کا کفر اور جہل بھی اسکے اختیار سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا۔ اگر صحیح ہو تو لازم آئیگا۔ کہ وہ انکو اپنے ارادہ اور قصد سے پیدا کرتا ہے کیونکہ افعال اختیاریہ کے لئے قصد اور ارادہ ضروری ہے اور یہ جائز نہیں ہوسکتا کہ وہ ان چیزوں کو اپنے ارادہ اور قصد سے اپنے لئے پیدا کرے۔ کیونکہ کوئی صاحب عقل اپنے قصد اور ارادہ سے اپنے لئے جہالت اور گمراہی پسند نہیں کرتا لہذا یہ ضروری ہوا۔ کہ وہ ان اشیاء کو اپنے اختیار سے نہیں کرتا۔ اور یہی جبر کا معنی ہے

سنی نے جواب دیا کہ تمہاری عقل پر نہایت تعجب آتا ہے۔ کہ بندوں کو تو اس عیب سے منزہ ٹھیراتے ہو کہ وہ اپنے لئے گمراہی اور جہالت کو پیدا نہیں کرتے اور اللہ تعالےٰ کی نسبت یہ جائز رکھتے ہو کہ وہ ان سب اشیاء کا فاعل وموجد ہے۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ کوئی صاحب عقل اپنے لئے گمراہی اور جہالت

پسند اور پیدا نہیں کرتا سراسر غلط ہے تم بہت سے ایسے لوگ دیکھتے ہوگے جو محض عناد۔ ضد ہٹ دھرمی اور حسد کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے باوجودیکہ ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ہدایت اور حق کے وہ خلاف ہیں گمراہی نفسانی خواہش اور کجروی کے باعث اُسکو اختیار نہیں کرتے اور ہدایت اور رشد کے اسباب کی مخالفت اور گمراہی کے راستہ پر چلنا اور دیدہ و دانستہ دیکھ بوجھ کر ہدایت سے کنارہ کشی کرنا۔ اچھا سمجھتے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ نے ایسے اشخاص کی نسبت فرمایا ہے سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ (اور جو لوگ ناحق (ناروا) ملک میں اکڑتے (پھرتے) پھرتے ہیں۔ (یعنی فرعون اور اُس کی قوم کے لوگ ہم اُن کو اپنے احکام سے برگشتہ کئے رہینگے اور اُنکے دلوں کو ایسا سخت کردیں گے کہ) اگر (دنیا جہان کے) سب معجزے بھی دیکھیں تاہم اُن پر ایمان نہ لائیں۔ اور اگر سیدھا رستہ دیکھ پائیں تو اس کو (اپنا) مسلک (یعنی طریقہ) نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ پائیں تو اس کو (اپنا) مسلک بنالیں یہ کجروی اُن میں اس سے پیدا ہوئی کہ اُنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور اُن سے بے پرواہی کرتے رہے) ✦

ایک اور مقام میں فرمایا ہے وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْهُدٰی (اور رہے ثمود تو ہم نے اُن کو (سیدھا) رستہ دکھا دیا تھا۔ مگر اُنہوں نے سیدھا رستہ چھوڑ کر گمراہی اختیار کی) ✦

اور قوم فرعون کی نسبت فرمایا ہے فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (توجب اُنکے پاس ہمارے معجزے آئے آنکھیں کھول دینے والے تو لگے کہنے یہ تو صریح جادو ہے۔ اور باوجودیکہ اُن کے دل اُن (معجزوں) کا یقین کرچکے تھے (مگر) اُنہوں نے ہیکڑی اور شیخی کے مارے اُن کو نہ مانا) ✦

اور نیز فرمایا ہے۔ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ (اور شیطان نے اُنہیں اُنکے عملوں کو اچھا کر دکھایا تھا۔ اور (اسی تدبیر سے) ان کو راہِ (راست کے اختیار کرنے) سے روکا بھی تھا اور (وہ شامت اعمال سے شیطان کے بہکانے میں آگئے ورنہ یوں تو) وہ (بڑی) سوجھ بوجھ کے لوگ تھے) ✦

ایک اور جگہ فرمایا ہے وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (باوجودیکہ جان چکے تھے کہ جو شخص اِن باتوں کا خریدار ہوا وہ آخرت میں بے نصیب ہے) ✦

اور نیز فرمایا ہے بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (دیکھو تو بُرا ہے وہ جس کے بدلے ان لوگوں نے (اپنے نزدیک) اپنی جانوں کو خرید لیا کہ ذاتی سی بات پر کہ خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتے اپنے فضل سے وحی بھیجے بارہ سرکشی خدا کی اتاری ہوئی کتاب سے لگے انکار کرنے) ؛

ایک اور جگہ میں فرمایا ہے يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (اے اہل کتاب اللہ کی آیتوں سے کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم دل میں قائل ہو۔ اے اہل کتاب کیوں حق و باطل کو گڈمڈ کرتے اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم حقیقۃ الحال سے واقف ہو) ؛

اور نیز فرمایا ہے يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ (اے اہل کتاب دیدہ و دانستہ اللہ کے رستے میں ازراہ کجی کی کجیاں نکال کر ایمان لانے والوں کو اس سے کیوں روکتے ہو) ؛

اسکے علاوہ قرآن کریم میں اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ تعالےٰ نے بیان فرمایا ہے کہ کفار نے دیدہ و دانستہ اپنے اختیار سے کفر اور گمراہی کو پسند کیا ہے۔ اور بہت سے آدمی ایسے ہیں جو کسی بات کو ہدایت اور رشد سمجھتے ہیں مگر وہ درحقیقت گمراہی ہوتی ہے ؛

فصل۔ جبری نے کہا اگر بندے کی قدرت اپنے اقوال و افعال کے ایجاد کرنے میں مؤثر ہو سکے تو اسکے علاوہ دوسری اشیا کے پیدا کرنے میں بھی مؤثر ہو سکے گی۔ کیونکہ تمام ممکنات اپنے امکان میں یکسان اور جملہ موجودات ممکنہ اپنے وجود میں برابر ہیں۔ گو ان کے محل اور جہات متفاوت اور مختلف ہیں۔ پس جب بندے کی قدرت بعض اشیاء میں مؤثر ہے تو تمام اشیاء میں بھی مؤثر ہو سکتی ہے۔ اسلئے کہ وہ سب یکساں اور برابر ہیں اور جو چیزیں یکساں اور برابر ہوں۔ ان میں سے بعض کے لئے جو صفت ثابت ہو وہ باقی کے لئے بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ غرض بندے کی قدرت کے مؤثر ہونے کے دارومدار ممکنات کے امکان پر ہے پس جب تمام ممکنات صفت امکان میں شریک ہیں۔ تو ضرور ہوا کہ اسکی قدرت سب میں مؤثر ہو سکے۔ مگر یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ بندے کی قدرت کو اجسام اور اکثر اعراض کے ایجاد اور پیدا کرنے میں ہرگز کوئی دخل نہیں بلکہ اس کی قدرت تمہارے نزدیک بھی صرف بعض اعراض میں مؤثر ہے۔ جو اسکے محل قدرت سے قائم ہوتے ہیں ؛

سنی نے جواب دیا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے مذہب کی بُرائی کو ظاہر کر دیا۔ تمہارا مذہب ایسی

ہی واہیات اور خرافات دلیلوں پر مبنی ہے۔ اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر آدمی کو زمین میں سے
ایک سنگریزہ اُٹھانے پر قدرت ہو تو لازم نہیں کہ وہ پہاڑ کے اکھاڑ ڈالنے پر بھی قادر ہو اور نیز اگر وہ ایک سیر
بوجھ اٹھا سکے تو ضرور ہے کہ وہ لاکھ سیر اُٹھانے پر بھی قادر ہوگا۔ اور اگر وہ اپنے اُن افعال پر جو اسکی
ذات کے ساتھ قائم ہیں جیسے کھانا پینا۔ نماز پڑھنا وغیرہ پر قادر مانا جاوے۔ تو ضرور ہوگا کہ آسمان
و زمین کے پیدا کرنے پر بھی اس کی قدرت ماننی پڑیگی۔ ایسی لچر اور بیہودہ۔ لیکن کبھی کسی سے نہ سنی ہوگی
اور تمام موجودات کے وجود میں شریک ہونے سے یہ ضروری نہیں کہ جو امر ایک موجود اور ممکن چیز
کی نسبت جائز یا وقوع ہو وہ تمام موجودات اور ممکنات کی نسبت جائز ہو جاوے۔ اور یہ مقدمہ دلیل کے
پہلے مقدمہ سے بھی زیادہ بے تہذیب اور بیہودہ ہے۔ اگر اس مقدمہ کو صحیح کہا جاوے۔ تو لازم آئیگا کہ مچھر
اور ہاتھی اور نیز اعراض اور اجسام یکساں اور برابر ہوں ﴿

اور فرقہ جبریہ میں سے جو لوگ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ بندے کی قدرت حادثہ کو اُس کے
فعل سے ایک گونہ تعلق ہوتا ہے۔ وہ اجسام اور اعراض کے درمیان تفاوت اور فرق مانتے ہیں اور
کہتے ہیں کہ بندے کی قدرت بعض اعراض سے تعلق رکھتی ہے اور اجسام سے ہرگز اُسے کوئی تعلق نہیں
اور اعراض میں سے صرف بعض اعراض کے ساتھ اس کو تعلق ہے۔ تمام اعراض سے نہیں۔ اگر وہ ایسی ہی
اور بیہودہ دلیل یا شبہ سے اپنے مدعا یعنی بندے کی قدرت کی تاثیر کے ابطال پر استدلال قائم کریگا۔ تو اسی
شبہ کے سامنے اس کو الزامی جواب سے ساکت کیا جاویگا کہ تم جب بندے کی قدرت کے بعض اعراض
میں مؤثر ہونے کو تسلیم کرتے ہو تو یہ شبہ بعینہ تم پر وارد ہوگا ﴿

فصل۔ جبری نے جواب دیا کہ توحید باری تعالےٰ کی دلیل بندے کے فاعل افعال اور اُن میں
اُس کی قدرت کے مؤثر ہونے کے منافی اور مخالف ہے یعنی دلیل توحید سے جس کو برہان تمانع
کہتے ہیں۔ بندے کا فاعل افعال اور اس کی قدرت کا اُن میں مؤثر ہونا باطل ہو جاتے ہیں ﴿

سُنی نے جواب دیا کہ توحید کی دلیل سے دوسرے رب کے وجود کی نفی اور بطلان لازم آتا
اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ برحق کے سوا کوئی دوسرا رب موجود نہیں۔ اور اس سے یہ نہیں ثابت
ہوتا۔ کہ کوئی ایسی مخلوق بھی موجود نہیں جس میں خالق نے ارادہ اور قدرت پیدا کئے ہوں۔ جن سے
وہ افعال صادر کرسکے۔ اور وہ مخلوق خود اسکے افعال۔ ارادہ اور قدرت سب اللہ تعالےٰ کے مخلوق
ہوں۔ غرض دلیل توحید کے طول طویل مقدمات (جن پر نقض اور معارضہ بھی کیا جاتا ہے اور تمہارے علماء
انکے جواب دینے اور صاف طور پر اس کے بیان کرنے سے عجز اور قصور کا اعتراف کرتے ہیں) سے

سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ دو ایسے صاحب قدرت موجود نہیں ہو سکتے جو قدرت میں دونو یکساں ہوں۔ اور ہر ایک کی قدرت خود اس کی ذات کے لوازم سے ہو۔ دوسرے سے مستفاد نہ ہو۔ یہ دلیل بجائے خود بیشک صحیح ہے۔ گو تم اس کو صاف طور پر بیان نہیں کر سکتے۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بندے کی قدرت اور اس کا ارادہ اسکے مقدور کے وجود کے لئے سبب نہیں ہو سکتا۔ اور اسکے ارادہ اور قدرت کے لئے اسکے افعال میں ایسی تاثیر نہیں ہو سکتی جیسے اسباب کی اپنے مسببات میں تاثیر ہوتی ہے۔ غرض برہان تمانع کے ساتھ توحید اور جبر میں سے کسی کو بھی تم ثابت نہیں کر سکتے تمہارے متاخرین فضلا خود اس کے قائل ہیں۔ کہ یہ دلیل متنافی اور متخالف نتائج کو مستلزم ہے اور اس پر معارضات اور منع وارد ہو سکتے ہیں۔

جبری نے جواب دیا۔ ان سب امور سے قطع نظر کرکے اور ان تمام ادلہ کو چھوڑ کر یہ بتلاؤ کہ جب تم بندے کی قدرت کو اس کے افعال اور مقدورات میں مؤثر مانتے ہو اور یہ بھی کہتے ہو کہ اسکے افعال ومقدورات اللہ تعالےٰ کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔ تو یہ ضرور لازم آئیگا کہ ایک فعل دو فاعل یا ایک مقدور چیز دو صاحب قدرت سے صادر ہو اور یہ دلیل کے رو سے محال اور نا جائز ہے۔

سنی نے جواب دیا کہ تمہارے اس قول کا کہ ایک مقدور کا دو صاحب قدرت سے صادر ہونا لازم آئیگا کیا مطلب ہے۔ اگر یہ مطلب ہے کہ ایک مقدور کا دو ایسے صاحب قدرت سے صادر ہونا لازم آتا ہے جو دونو اپنی قدرت میں مستقل اور یکساں ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ دو ایسے صاحب قدرت سے صادر ہونا لازم آتا ہے کہ جن میں سے ایک یعنی اللہ تعالےٰ تو مستقل بالقدرت ہے اور دوسرا یعنی بندے کی قدرت اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی قدرت ہے۔ اگر پہلا معنی مراد ہے تو لازمہ مسلم نہیں اور اگر دوسرا معنی ارادہ کرتے ہو تو لازم کا باطل ہونا تسلیم نہیں۔

مثبتین کسب اس کا جواب اس طرح بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک مقدور کا دو ایسے صاحب قدرت سے صادر ہونا جن میں سے ایک کی قدرت تو اس کے ایجاد میں مؤثر ہو اور دوسرے کی قدرت اس کی صفت میں تاثیر کرے کوئی محال نہیں۔ چنانچہ قاضی ابوبکر اور انکے متبعین اسی کے قائل ہیں۔ اور اشعری اپنے اصول کی بنا پر اس کا جواب یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک مقدور کا دو صاحب قدرت سے صادر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت تو اس کے صادر کرنے میں مؤثر ہوتی ہے اور بندے کی قدرت کو صرف اس سے ایک گونہ تعلق ہوتا ہے۔ جیسا کہ عالم کو اپنے معلوم کے ساتھ ایک قسم کا لگاؤ ہوتا ہے۔ اور ایک مقدور کا دو صاحب قدرت سے صادر ہونا

تو یہ محال ہے کہ دو ذاتوں کی قدرت ایک شے میں مؤثر ہو۔ گر اشعری کا یہ جواب بھی مردود اور غلط ہے۔ جبریہ کے
عقیدہ تک پہنچاتا ہے اور یہ جواب بیہودہ ہے اور بیکار ہے ۔

اور فرقہ معتزلیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ہم تجویز کرتے ہیں کہ ایک مقدور کا دو مختلف قدرتوں سے
علی سبیل البدل یعنی یکے بعد دیگرے واقع ہونا محال نہیں ہے بلکہ علی سبیل الاجتماع یعنی دونوں قدرتوں کا
اکٹھے اور یکجا مؤثر ہونا محال ہے۔ اس جواب اور اس کے سقم اور فساد کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ۔

اور فرقہ مشائخیہ اس کا جواب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بندے کے افعال اس کی قدرت
سے صادر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ باہر ہیں ۔

تمام جوابات سے بڑھ کر غلط اور بیہودہ جواب فرقہ مشائخیہ کا جواب ہے یہ لوگ اس بات کے
قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کئی اشیاء کا ارادہ کرتا ہے مگر ان کا وجود اور ظہور نہیں ہوتا۔ اور بہت سی
چیزیں اس کی مشیت اور ارادہ کے بغیر پیدا ہوتی ہیں ۔ غرض جن کا ارادہ کرتا ہے وہ وجود میں
نہیں آتیں اور جن کا ارادہ نہیں کرتا وہ پیدا ہو جاتی ہیں ۔ یہ عقیدہ نہایت باطل سراسر بیہودہ غلط
اور فاسد ہے ۔

جبری نے جواب دیا کہ مرجح تام کے وقت فعل کا وجود ضروری ہوتا ہے۔ اور مرجح تام یعنی
پورے طور پر ترجیح دینے والی چیز بندے کے اختیار میں نہیں ورنہ تسلسل لازم آئیگا۔ بلکہ مرجح تام منجانب اللہ
ہوتا ہے۔ اور جب مرجح تام کے موجود ہونے پر فعل کا وجود ضروری ہے ۔ اور وہ بندے کے اختیار
میں نہیں تو یہ جبر نہیں تو اور کیا ہے ۔

سنی نے جواب دیا کہ یہ دلیل اور اس کا سقم پہلے بیان ہو چکا ہے لیکن جب تم نے مختصر الفاظ
کے ساتھ اسکو دوبارہ ذکر کر دیا ہے تو ہم بھی اختصار کے ساتھ اسکے جواب دوبارہ ذکر کر دیتے ہیں تمہارا
یہ کہنا کہ ایک ایسے امر کا ہونا جو فعل کو ترک پر یا ترک کو فعل پر ترجیح دے ضروری اور لازمی ہے ۔
بیشک ہم تسلیم کرتے ہیں مگر تمہارا یہ کہنا کہ ایسے امر کا وجود اگر بندے کی طرف سے ہو گا۔ تو تسلسل
لازم آئیگا۔ اور اگر خدا تعالیٰ کی جانب سے ہو تو جبر پایا جائیگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسے
امر کا وجود بندے کے اختیار سے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ تسلسل لازم آتا ہے کیونکہ اس
کا وجود اس طور پر ہوتا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے فعل کو ترک کرنا بندے کے اختیار میں نہیں ہوتا۔
اور امر مرجح کے وجود کی نسبت بندے کے مسلوب الاختیار ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ
تمام کاموں میں مسلوب الاختیار ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امر مرجح کا وجود اللہ تعالیٰ کی

جانب سے ہو اور جبر بھی نہ پایا جاتا ہے کیونکہ جبر کا معنی اگر یہ ارادہ کرتے ہو کہ بندہ اُس کام کے کرنے میں بے اختیار بنایا جاتا ہے۔ اور اس کے ارادہ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ تو یہ لازم نہیں آتا کیونکہ اللہ سبحانہ نے بندے کو اختیار دیا اور اُسکے ارادہ و مشیت ہی کو فعل کا مرجح بنایا ہے۔ لہذا جبر نہ ہوا۔ اور اگر جبر کا یہ معنی ہے کہ وہ فعل بندے کے ایجاد کے بغیر پیدا ہوتا ہے تو اس معنی کے لحاظ سے بھی جبر لازم نہیں آتا اور اگر جبر کا یہ معنی لیتے ہو کہ مرجح کے موجود ہونے پر فعل کا وجود ضروری ہو جاتا ہے۔ تو اس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر اس کو جبر کہنا تمہاری اپنی گھر کی اصطلاح ہے یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کے افعال بھی مرجح تام کے موجود ہونے کے وقت ضروری اور واجب ہیں۔ اور اور اللہ سبحانہ کی نسبت یہ کہنا کہ مرجح کے وجود کے وقت وہ افعال اُس سے جبراً صادر ہوتے ہیں سراسر غلط ہے۔ اور نیز یہ شبہ اُن لوگوں پر بھی وارد ہوتا ہے جو تم میں سے کسب کے قائل ہیں۔ کیونکہ جو شبہ اصل فعل کی نسبت وہ پیش کرینگے ہم وہی شبہ کسب کی نسبت پیش کر سکتے ہیں۔ اور تم میں سے جو لوگ کسب کے قائل نہیں تو اُن سے یہی کہا جائیگا کہ اسطرح تو باری تعالےٰ کے افعال بھی اُس سے جبراً صادر ہونگے اور یہ بالکل غلط ہے ✦

اگر تم یہ فرق بیان کرو کہ اللہ سبحانہ کے افعال کا صدور تو اُسکے اپنے ارادہ پر موقوف ہے اور بندے کا ارادہ محدَث اور مخلوق ہے جس کو محدِث اور پیدا کنندہ کی ضرورت ہے۔ پس اگر اپنے ارادہ کا محدِث بندہ قرار دیا جائے۔ تو تسلسل لازم آئیگا اور چونکہ تسلسل کا محال ہے تو لامحالہ بندے کے تمام ارادوں کا انتہا ایسے ارادہ پر ہوگا جس کو بندے کے اختیار کے بغیر اللہ سبحانہ نے اُسکے دل میں پیدا کر دیا ہو۔ اور جبر کا یہی معنی ہے اور اللہ سبحانہ کے ارادوں میں تسلسل لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اس کا ارادہ قدیم اور دوسرے ارادہ سے مستغنی ہے ✦ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فرق اور تفاوت الزام کے دفع کرنے میں تمہیں کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ارادہ قدیم کے ہوتے ہوئے فعل اور ترک دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا صحیح ہوگا یا نہیں۔ اگر یہ جائز ہے کہ ارادہ قدیم کے ہوتے ہوئے باری تعالےٰ فعل اور ترک دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر سکتا ہے۔ تو اسکے لئے مرجح کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ارادہ قدیم تو کسی جانب کا مرجح نہ تھا اور پھر اس مرجح کے لئے دوسرے مرجح کی ضرورت ہے۔ اور اسی طرح تسلسل لازم آئیگا۔ اور اگر باری تعالےٰ کے لئے بھی ایک جانب ضروری ہو جاتی ہے تو وہ بھی مجبور ٹھیرا ✦

جبری بولا کہ اثبات جبر کے لئے میرے پاس ایسی قوی دلیل ہے جس کا تم کوئی

جواب نہیں دے سکتے۔ اور جبر کے ماننے بغیر نہیں کوئی چارہ نہیں وہ دلیل یہ ہے۔ کہ اگر انسان اپنے افعال کا فاعل ہو تو وہ ان کا مُحدِث ہوگا۔ اور جب مُحدِث ہوا۔ تو وہ ان کا خالق ٹھہریگا۔ اور یہ بات شریعت اور عقل کے خلاف ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہو۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ (لوگو! اللہ کے احسان جو تم پر ہیں ان کو یاد کرو۔ بھلا اللہ کے سوا کوئی (اور بھی) پیدا کرنے والا ہے۔ جو آسمان و زمین سے تم کو روزی دے (تو) اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم (لوگ) کدھر بہکے چلے جا رہے ہو:

سنی نے جواب دیا کہ عقل۔ شرع اور حس و مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ بندہ اپنے افعال کا فاعل ہے۔ اور وہ برے کام کرنے پر مذمت اور لعنت کا مستحق ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک گدھے کو دیکھا کہ اس کے چہرے پر داغ دیا ہوا ہے۔ تو اس پر آپ نے فرمایا۔ کیا مجھے اس کام سے ممانعت نہیں کی گئی۔ (یعنی جانوروں کو بغیر ضرورت داغ دینا منع ہے) اس پر خدا کی لعنت ہو جس نے یہ کام کیا ہے ؛

اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَلُوطًا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَت تَّعْمَلُ الْخَبَائِثَ (اور لوط کو بھی ہم نے پیغمبری کے اختیارات دئے اور علم (بھی دیا) اور ہم نے لوط کو اس بستی سے جہاں کے لوگ ناپاک کام کیا کرتے تھے نجات دی) ؛ وقال تعالےٰ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (یہ جو تم کو سزا دی جا رہی ہے تمہارے اپنے ہی کرتوت کا بدلہ ہے اور بس)) وقال تعالےٰ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ (اور جس نے جیسے عمل کئے ہیں سب کو پورے پورے بھر دئے جائینگے) ؛

ان کے علاوہ اس قسم کی آیات قرآن کریم میں اس کثرت سے موجود ہیں کہ یہاں پر اسب کا ذکر کرنا دشوار ہے اور حس بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان اپنے افعال کا فاعل ہے پس ایسے شبہات جو حس کے برخلاف پیش کئے جائیں وہ قابل سماع نہیں ہو سکتے اور دراصل ایسے شبہات نکالنا بدیہیات اور محسوسات کا انکار کرنا ہے اور جو شخص بدیہیات اور محسوسات کا منکر ہو اسکے قول کی طرف التفات اور توجہ کرنا بھی مناسب نہیں اور عالم دین کے ذمہ یہ امر ضروری اور فرض نہیں۔ کہ وہ ہر ایک شبہے کا جو کسی شخص کو پیش ہو جواب دیا کرے کیونکہ شبہات کا سلسلہ تو کبھی ختم نہیں ہو سکتا اور تمہارا یہ کہنا کہ اگر انسان اپنے افعال کا فاعل ہو تو وہ ان کا مُحدِث ہوگا۔ محدث ہونے کا یہ مطلب ہے۔

کہ اُس سے افعال کا صدور ہوگا۔ تو اس صورت میں لازم و ملزوم دونو ایک ہی نتیجہ ٹھہرتے۔ کلام کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ فاعل ہوگا تو فاعل ہوگا اور یہ کلام لغو ہے اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلسکتا اور اگر محدثین یعنے خالق بیتے ہو۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ خالق کا کیا معنی ٹھیراتے ہو خالق یعنے فاعل ہے یا کوئی اور معنی مراد ہے۔ اگر خالق بمعنی فاعل ہے تو پھر وہی خرابی پیدا ہوئی۔ کہ لازم و ملزوم دونو ایک ہوتے۔ اور اگر کوئی دوسرا معنے مراد ہے۔ تو اُسکو بیان کرنا چاہیئے۔ پس اگر خالق کا یہ معنی مراد ہو کہ وہ موجد فعل یعنی فعل کو عدم سے وجود میں لانے والا ہوگا۔ تو ہم یہ جواب دینگے۔ کہ یہی معنی فاعل کے ہیں تمہیں اختیار ہے کہ تم اپنی زبان سے اس کو محدث موجد یا خالق کہو تمہاری زبان کو کون پکڑ سکتا ہے۔ تم جو چاہو نام رکھو نام رکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ حقیقۃ الامر یہ ہے کہ انسان کا مستقل طور پر موجد افعال ہونا جائز نہیں۔ لیکن اُس کے فاعل افعال ہونے سے بالاستقلال موجد افعال ہونا لازم نہیں آتا۔ اسلئے کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔ کہ انسان کی قدرت۔ ارادہ۔ حرکت وغیرہ زیادہ سے زیادہ جزو سبب ہو سکتے ہیں۔ اور اُس کا فعل کئی ایک ایسے اسباب پر موقوف ہوتا ہے جو اُسکی قدرت سے باہر اور وہ اس سبب کے علاوہ ہیں جنکی یہ چیزیں واقع ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ انسان کے افعال کے اسباب جب اُسکی قدرت سے باہر ہیں اور اُنکا وجود اُسکے اختیار میں نہیں بلکہ وہ اُسکے فعل کے بغیر پیدا ہوجاتے ہیں اور اُن پر افعال کا وجود مترتب ہوجاتا ہے تو یہ جبر نہیں تو اور کیا ہے تو اسکا جواب یوں ہوسکتا ہے کہ یہی سبب جس کے اندر قدرت و ارادہ شامل ہیں انسان کو مجبوریت سے نکال کر با اختیار بنا دیتا ہے۔ اور چونکہ اس سبب کا وجود اُسی خالق اور پیدا کرنے والے کی جانب سے ہے لہذا اس عقیدے والا شخص شرک اور تعطیل کے گرداب سے بچکر بارگاہ توحید میں باریابی کا شرف حاصل کرتا ہے۔ پہلا مسئلہ یعنی انسان کو اپنے افعال میں مختار ماننے سے اللہ جلشانہ کے عدل اور دوسرا مسئلہ یعنی خالق اسباب اُسی کی ذات مقدس کو تسلیم کرنے سے اس کی توحید کا قائل ہوجاتا ہے۔ اور اس طرح عقیدہ رکھنے سے نہ تو اللہ سبحانہ کے عدل کے ماننے کی نسبت کوئی نقص پیدا ہوتا ہے۔ اور نہ اُسکی توحید کے اقرار میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔ پس قدریہ نے تو اس کی توحید کو کما حقہٗ نہیں مانا۔ اور جبریہ نے اُسکے عدل کو نہیں سمجھا۔ اور اللہ سبحانہ نے اہل سنت کو عدل اور توحید دونو کی طرف راہ نمائی فرمائی۔ اور ہدایت اُسی کے اختیار میں ہے جسے چاہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت فرمائے۔

بیسواں باب

قدری اور سنی کے مناظرہ کے بیان میں

قدری نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اعمال کو اضافت عامہ اور اضافت خاصہ دونو طرح سے انکی طرف مضاف اور منسوب فرمایا ہے پس کسی مقام پر تو انکو اسناد ذاتی کے ساتھ انکی طرف منسوب کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ (اور تم میں سے جس کو مسلمان بیبیوں سے نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو) اور کہیں مشیت کے ساتھ منسوب فرمایا ہے کقولہ تعالیٰ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ (جو تم میں سے سیدھے رستے پر چلنا چاہے) اور کسی جگہ پر ارادہ کے ساتھ نسبت کیا ہے چنانچہ خضر علیہ السلام کے ذکر میں ہے فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا (تو میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کردوں) اور کہیں لفظ فعل و کسب اور صنع کے ساتھ منسوب فرمایا ہے کقولہ تعالیٰ يَفْعَلُوْنَ - يَعْمَلُوْنَ - بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (ان اعمال کے بدلہ جن کو تم کماتے تھے) اور لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (البتہ بہت ہی برے فعل تھے جو وہ لوگ کیا کرتے تھے)۔

مندرجہ بالا تمام مثالوں میں اضافت عامہ ہے۔ اور اضافت خاصہ کی مثالیں یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ۔ صوم۔ حج۔ طہارت۔ زنا۔ سرقہ۔ قتل۔ کذب۔ کفر۔ فسق وغیرہ تمام افعال کو بندوں کی طرف مضاف اور منسوب کیا ہے۔ اور اس اضافت خاصہ کے ساتھ ان افعال کو باری تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا درست نہیں جسطرح کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کو بندوں کی طرف منسوب و مضاف کرنا جائز نہیں۔ پس بندوں کے افعال کو نہ تو بندوں کے ساتھ اور نہ تنہا اللہ سبحانہٗ کی طرف مضاف کرنا جائز ہو سکتا ہے پس بندوں کے افعال انہی کی طرف مضاف ہونگے اور اللہ سبحانہٗ کی طرف وہ مضاف نہیں ہو سکتے۔

سنی نے جواب دیا کہ تمہارے بیان کا کچھ حصہ تو صحیح ہے مگر کچھ بالکل غلط ہے۔ اتنی بات کہ اللہ سبحانہٗ نے افعال عباد کو انکی طرف مضاف و منسوب فرمایا ہے صحیح اور درست ہے اور جبریہ کے مقابلہ کے لئے تمہارے پاس یہی دلیل کافی ہے۔ گو جبریہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ یہ نسبت

اور اضافت حقیقی لوریت نہیں ہوگی۔ پس چونکہ افعال اپنے فاعل کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔ لہذا مجازاً اُنکی طرف
منسوب اور مضاف کئے گئے ہیں جیسے کہ پانی کا جاری ہوتا، ٹھنڈا یا گرم ہونا پانی کی طرف نسبت
کیا جاتا اور کہا جاتا ہے کہ پانی جاری ہوا اور ٹھنڈا یا گرم ہوا۔ اور اسی طرح کسی آدمی یا حیوان کا مرنا اُس کی
طرف نسبت کیا جاتا اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص یا فلاں جانور مرگیا۔ حالانکہ یہ افعال یعنی جاری ہونا۔ ٹھنڈا
یا گرم ہونا پانی کے افعال نہیں ہیں اور اسی طرح مرنا مرنے والی چیز کا فعل نہیں۔ اور یہ بھی تمہارے ساتھ
ہی ثابت و متحقق ہیں۔ اگرچہ یہ کہا جائے سراسر غلط۔ اور عقل و شرع اور فطرت کے خلاف ہے۔ لیکن
تمہارا یہ قول کہ افعال کا اللہ سبحانہ کی طرف مضاف و منسوب کرنا درست اور صحیح نہیں اس میں دھوکا اور
اجمال ہے۔ اللہ سبحانہ کی طرف اسکے مضاف نہ ہونیکا اگر یہ مطلب ہے کہ یہ افعال اللہ تعالےٰ کے ساتھ
قائم اور اسکے وصف نہیں ہوسکتے ورنہ اُنکے احکام اُس پر جاری ہوسکتے ہیں۔ اور نہ اس سے اسما مشتقات
کو اللہ سبحانہ پر اطلاق کرنا اور لوٹانا درست ہوسکتا ہے۔ تو بیشک ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ان اعتبارات اور وجوہ
میں سے کسی لحاظ سے یہ افعال اللہ سبحانہ کی طرف مضاف اور منسوب نہیں ہوسکتے۔ اور اگر عدم اضافت سے
یہ مطلب ہے کہ اسکے علم۔ قدرت مشیت عامہ اور صفت خلق سے انکو تعلق نہیں تو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ
یہ افعال اللہ سبحانہ کے معلوم۔ مقدور اور مخلوق ہیں۔ اور ان افعال کے بندوں کی طرف مضاف ہونے سے
یہ لازم نہیں آتا کہ یہ افعال اللہ تعالےٰ کی طرف مضاف نہ ہوسکیں۔ بلکہ انکی اضافت ایسی ہی جائز ہے جیسے
اموال کو اللہ تعالےٰ کی طرف مضاف کرنا درست ہے۔ دیکھو اموال اللہ سبحانہ کی مخلوق چیزیں اور حقیقۃً اُسی
کی ملک ہیں مگر باوجود اسکے انکو بندوں کی طرف مضاف و منسوب کیا ہے۔ غرض اعمال اور اموال دونو یکساں
اُس کے مخلوق اور اُسکے ملک ہیں۔ اور وہ انکو اپنے بندوں کی طرف منسوب فرماتا اور وہی انکو مالک
اموال اور عامل اعمال بناتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اعمال اور اموال دونو یکساں اللہ سبحانہ اور عباد کی طرف
منسوب و مضاف ہوسکتے ہیں اور جسطرح کہ اموال بندوں کے کسب اور ارادہ سے حاصل ہوتے ہیں اسی طرح اعمال بھی انکے کسب و ارادہ سے
موجود ہوتے ہیں۔ اموال اور ان کے کمانے والے اسی طرح اعمال اور ان کے کرنے والے سب کے سب اللہ تعالےٰ کے
مخلوق ہیں۔ اور نیز جملہ اموال و اعمال اللہ سبحانہ کے ملک اور اسکے قبضہ میں ہیں جیسے کہ بندوں کے
نیز اعضا۔ کان۔ آنکھ۔ بلکہ انکے نفوس اللہ تعالےٰ کی ملک اور اُس کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور اللہ تعالےٰ
ہی نے انکو سمیع و بصیر اور فاعل افعال بنایا ہے۔ اور سننے اور دیکھنے کے لئے حواس اور قوتیں عطا فرمائی
ہیں۔ اور دوسروں کو سنانے اور دکھانے پر قدرت بخشی ہے غرض جملہ اعمال کے آلات اور انکے لئے
قوت اور خود اعمال سب کچھ اسی کے مخلوق ہیں۔ اور جس طرح کہ ہاتھ سے کام کرنے کی قوت کو ہاتھ کی طرف اور

بولنے کی قوت کو زبان کی طرف نسبت کرنا اور سماع کی قوت کو کان کی طرف، اور دیکھنے کی قوت کو آنکھ کیطرف منسوب کرنا یکساں اور برابر ہیں، اسی طرح رویت اور استماع اختیاری کو اسکے محل کیطرف منسوب کرنے اور بولنے اور پکڑنے کو اسکے محل کی طرف منسوب کرنے میں کچھ تفاوت نہیں۔ رویت اور سمع کے فاعل تو چشمے ہیں۔ لیکن آنکے محل اور آنکے قوی اور وہ تمام اسباب جن پر سمع اور رویت موقوف ہیں۔ سب کے سب اللہ سبحانہ کے مخلوق ہیں۔ جو تمام اشیاء کا خالق احد واحد اور قہار ہے ؛

قدری بولا کہ اگر افعال عباد کا فاعل اللہ سبحانہ کو قرار دیا جائے تو یہ جائز ہوگا کہ ان افعال کے اسماء مشتقہ کا اطلاق اور استعمال اس کی ذات پر درست ہو بلکہ بندوں کی نسبت وہ ان اسماء کا زیادہ مستحق ہوگا سب لوگ خواہ وہ کسی ملک کے باشندے ہوں اور ان کا کوئی سا دین ہو اور کسی طرح کے عادات و اطوار رکھتے ہوں۔ باوجود زبانوں اور عادات اور مذاہب و ادیان کے مختلف ہونے کے اس بات کو سمجھتے ہیں کہ قائم اسی شخص کو کہا جاتا ہے جس میں صفت قیام موجود ہو اور کھانے والا بھی کہا جا سکتا ہے۔ جس میں کھانے کا فعل پایا جائے۔ اور چور اسی پر بولا جاتا ہے جو چوری کرے۔ جملہ افعال لازمی و متعدی کا یہی قاعدہ ہے کہ جس میں وہ افعال پائے جائیں۔ اسی پر آنکے اسماء مشتقہ کو بولا جاتا ہے۔ مگر تم نے یہ الٹا قاعدہ نکالا اور حقیقت امر کو بدل دیا یعنی یوں کہہ دیا ہے کہ ان افعال کا جو حقیقی فاعل (یعنی اللہ سبحانہ) ہے۔ اس پر تو انکے اسماء مشتقہ کا اطلاق و استعمال درست نہیں اور اُن لوگوں پر انکے اسماء مشتقہ بولے جاتے ہیں جو درحقیقت انکے فاعل و موجد نہیں۔ تمہارا یہ قاعدہ لغت۔ عرف اور عقل کے خلاف ہے ؛

سنی نے جواب دیا۔ کہ یہ الزام تو تمہارے ہم جنس اور مد مقابل جبریہ پر قائم ہو سکتا ہے کیونکہ وہ عباد کو فاعل افعال نہیں کہتے۔ مگر ہم پر یہ الزام ہرگز قائم نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ ہم تو بندوں کو اپنے افعال کا فاعل حقیقی کہتے اور اللہ سبحانہ کو ان کا اور انکے ظاہری اور باطنی آلات کا خالق مانتے ہیں۔ اور قاعدہ یہی ہے کہ جو شخص فاعل فعل ہو۔ اسی پر اسم مشتق بولا جاتا ہے پس قائم۔ قاعد۔ مصلی۔ سارق۔ زانی وغیرہ صفات سے ساتھ حقیقۃً انکے فاعل یعنی بندے موصوف ہونگے۔ کیونکہ جس کے ساتھ کوئی فعل قائم ہو۔ اس کا حکم اسی کی طرف عائد ہوتا ہے۔ اور اسی پر اسم مشتق کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ اور جس کے ساتھ وہ فعل قائم نہ ہو اس پر مشتق کا اطلاق درست نہیں۔ ان افعال کے نفی و اثبات کے متعلق چار چیزیں ہیں۔ جن میں سے دو معنوی اور دو لفظی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب یہ افعال مثلاً کھانا پینا، چوری۔ زنا وغیرہ بندے کے ساتھ قائم ہوتے ہیں تو انکے احکام بھی اسی کی طرف راجع ہونگے۔ اور اسی پر انکے اسماء مشتقہ یعنی آکل شارب سارق۔ زانی وغیرہ کا استعمال و اطلاق کیا جائیگا۔ اور اللہ سبحانہ کی طرف نہ تو انکے احکام راجع ہونگے۔ اور نہ انکے

اسمائے مشتقہ اُس پر بولے جائینگے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ افعال اُسکے مقدور معلوم مخلوق بھی نہ ہوں۔ اور بندوں سے اُسکی قدرت وتکوین کے ساتھ واقع نہ ہوں ٭

قدری بولا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ان افعال کا خالق مانا جاسکے۔ تو اسکے احکام اُسکی طرف عائد ہونگے اور ان کے اسماء مشتقہ کو اُس پر اطلاق واستعمال کرنا جائز ہوگا ٭

سُنّی نے جواب دیا۔ کہ تمہارا یہ دعوےٰ بالکل غلط، اور سراسر باطل ہے دیکھو کہ اعمال کے علاوہ اور تمام اشیا کا خالق اللہ سبحانہٗ ہی ہے (اس کو تم بھی تسلیم کرتے ہو) مگر ان اشیاء کے اسمائے مشتقہ کا اطلاق اُن ہی چیزوں پر آتا ہے جہاں وہ اشیاء موجود وقائم ہوں۔ اور اللہ سبحانہٗ پر نہ تو اسمائے مشتقہ کا اطلاق کیا جاتا ہے اور نہ اسکے احکام اُسکی طرف عاید ہوتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے مختلف اقسام کے رنگ۔ ذائقے اور طرح طرح کی بوئیں، اور کئی طرح کی حرکتیں اپنے اپنے محل میں پیدا کی ہیں۔ مگر ان سے کوئی اسم مشتق اس پر اطلاق نہیں کیا جاتا اور نہ اسکے احکام اُس کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ افعال کے احکام کسی کی طرف راجع ہونے کا یہ مطلب ہے۔ کہ اُن افعال کے ساتھ اُس سے خبر دی جائے۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ وہ کھاتا ہے یا پیتا ہے وغیرہ ذالک ٭

سُنّی نے یہ بھی کہا کہ میرے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ معتزلہ جو قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل ہیں یہ اُنکی غلطی ہے۔ وہ یوں کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کو ایک محل میں پیدا کیا اور اسی صفت خلق کی وجہ سے اس کے واسطے صیغہ متکلم مشتق ہوکر اُس پر بولا گیا۔ اور اس کا حکم اُسکی طرف عائد ہوا۔ اور یہ کہا گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کیساتھ تکلم کیا ہو معتزلہ کی غلطی اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ سبحانہٗ اجسام کے تمام صفات۔ اعراض اور قوی کا خالق ہے اور جب یہ سب چیزیں اُس کی مخلوق ہیں۔ اور ان سے کوئی اسم مشتق اس پر اطلاق نہیں کیا جاتا۔ تو صفت کلام کو غیر میں پیدا کرنے سے اُس کے لئے اِس سے اسم مشتق بنانا اور اُس پر اطلاق کرنا کس طرح درست ہوگا۔ یہی جواب ہم تم کو بھی دیسکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم نے خود اپنے قاعدہ کا خلاف کیا۔ اور اپنے ایک مسئلہ سے دوسرے مسئلہ کو توڑ دیا ہے۔ یعنی جو کچھ مسئلہ کلام میں کہتے ہو۔ اُس سے مسئلہ تقدیر کا خلاف کرتے ہو اور جو کچھ مسئلہ تقدیر میں کہتے ہو۔ اُس سے مسئلہ کلام کا خلاف ثابت ہوتا ہے مسئلہ کلام میں تو یہ کہتے ہو کہ اللہ سبحانہٗ اُس کلام کے ساتھ جو اُسکے غیر کے ساتھ قائم ہے متکلم ہے اور یہاں اس قاعدہ کو توڑ دیا کہ فاعل فعل وہی ہوتا ہے جس کے ساتھ وہ فعل قائم ہو۔ اگر تم نے مسئلہ کلام میں صحیح کہا ہے تو مسئلہ تقدیر میں اس اصول کو چھوڑ دیا ہے اور اگر مسئلہ تقدیر کا قاعدہ صحیح ہے تو مسئلہ کلام میں

تھی کی کمائی سے پیدا ہوتا ہے ۔ [illegible] اہل سنت کیا کہتے ہیں ۔

سنی نے جواب دیا ہے کہ ان دونوں [illegible] اللہ سبحانہ تعالیٰ ان صفات سے موصوف کئے جاتے ہیں جو [illegible] قائم ہیں ۔ [illegible] اس کے ساتھ قائم نہیں ان کے ساتھ موصوف نہیں کئے جاتے ۔

شیعہ کی بولا اب تو [illegible] تمام مسلمان [illegible] اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو خالق رازق [illegible] کہتے ہیں [illegible] خالق مخلوق اور ہستی کے ساتھ قائم ہیں ۔ [illegible] کے ساتھ قائم نہیں ۔ کیونکہ اگر [illegible] اللہ سبحانہ کے ساتھ قائم ہوں تو ان میں سے مثلاً خلق کی نسبت [illegible] کہ یہ خلق جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے ۔ قدیم ہے یا حادث ۔ اگر قدیم ہو تو مخلوق کا قدیم ہونا لازم ہوگا ۔ کیونکہ خلق تو خالق اور مخلوق کے درمیان ایک نسبت ہے جس کا وجود ان دونوں کے بغیر ممکن نہیں ۔ اور جب [illegible] قدیم ہے تو ضرور ہے کہ جن پر ان کا وجود موقوف ہے وہ دونوں بھی قدیم ہونگے ۔ اور اگر حادث ہو تو اللہ سبحانہ کے ساتھ حوادث کا قیام لازم آئیگا ۔ جو ناجائز ہے ۔ اسکے علاوہ یہ خلق ایک دوسرے خلق کی طرف محتاج ہوگی اور وہ دوسرے کی طرف کیونکہ جتنے حوادث ہیں وہ سب اللہ کے مخلوق ہیں ۔ اور اس طرح تسلسل لازم آئیگا جو باطل ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلق اللہ سبحانہ کے ساتھ قائم نہیں ۔ اور اس کا اسم مشتق یعنی خالق اللہ سبحانہ پر بولا جاتا ہے ۔

سنی نے جواب دیا کہ جو محالات تم نے پیش کئے ہیں ان میں سے کسی ایک کو مان لینا جائز بلکہ بہتر ہے مگر خدا تعالیٰ کی صفت خالقیت کا انکار کرنا درست نہیں ۔ تمہارے کلام کا مطلب یہی ہے کہ اللہ سبحانہ خالق نہیں کیونکہ جب تم اسکے واسطے صفت خلق نہیں مانتے ۔ تو پھر اس کو خالق کہنا بے معنی ہے ۔ یہ اس طرح ہے کہ کسی شخص میں قوت [illegible] اسے [illegible] کہا جائے یا گونگے کو متکلم [illegible] دیا جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہو [illegible] ہیں ۔

دہریہ اور زندیق لوگ یہ کہتے ہیں کہ وجود عالم کے لئے کسی صانع کی ضرورت نہیں ۔ اور بعض لوگ صانع عالم کو تو مانتے ہیں مگر [illegible] سے معطل اور بیکار ٹھہراتے ہیں ۔

اور یہ بھی بتایا ... ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ... [illegible] ... افعال ... [illegible]
... [illegible] ... افعال کی ... [illegible] ... لوگوں ... [illegible]
... [illegible] ...
... [illegible] ... یہ کہا کہ اس کی ذات کے
ساتھ کوئی صفت قائم ... [illegible] ... اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ فعل قائم نہیں
ہوسکتا۔ حق بات یہ ہے کہ ان ... [illegible] ... پیش آتے ہیں ان میں کسی ایک کو مان لینا جائز
بلکہ بہتر ہے مگر باری تعالیٰ کو صفات و افعال سے معطل یا خالی ماننا ہرگز جائز نہیں۔ فرقہ جہمیہ کی گمراہی
اور بدعت فرقہ معطلہ سے کم ہے اور وہ ان سے اچھے ہیں۔ اور اسی طرح معطلہ صفات منکرین ذات
سے بہتر ہیں۔ گو دونوں مذہب حقیقت میں ایک ہی ہیں کیونکہ ایسی ذات کا وجود محال ہے جس کے
ساتھ کوئی صفت قائم نہ ہو۔ ذہن اور خارج کسی طرف میں اس کا وجود ممکن نہیں۔ پس منکرین صفات کا
مذہب درحقیقت وہی مذہب ہے۔ جو منکرین ذات صفات کا ہے۔ مگر چونکہ ظاہر میں فرق ہے لہٰذا منکرین
صفات منکرین ذات سے اچھے ہیں۔ اور معطلہ افعال منکرین صفات سے اچھے ہیں۔ کیونکہ یہ صفت فعل کا
انکار کرتے ہیں اور منکرین صفات خود ذات کی صفات کو نہیں مانتے۔ و قرآن و حدیث پر چلنے والے
جن کو حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ ناجیہ فرمایا ہے اور ... [illegible] ... فرقہ ناجیہ ان کا لقب اور خطاب ہے ان
سب تعطیلات سے بری اور بیزار ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ذات۔ صفات۔ افعال اور اسماء حسنیٰ کے حقائق
میں سے ہر ایک کو ثابت مانتے ہیں۔ اور فرقہ معطلہ اس کے اسماء حسنیٰ کو مجاز قرار دیتے ہیں۔ گمراہ
فرقے بہترین فرقہ اہل سنت پر فدا ہو جائیں۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جو تمام خرابیاں یہ پیش کرتے ہیں ان میں
سے کسی ایک کو مان لینا جائز بلکہ بہتر ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی صفت خالقیت کا انکار اور اسکو اس
صفت سے معطل و بیکار ٹھیرانا جائز نہیں عقل سلیم کے نزدیک جس طرح یہ بات محال ہے کہ کوئی مفعول
بلا فاعل موجود نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ کوئی مفعول بدون فعل فاعل وجود میں نہیں
آسکتا۔ ان دونوں کے محال ہونے میں کوئی فرق نہیں جس طرح مفعول بلا فاعل کا وجود محال ہے اسی
طرح مفعول بلا فعل کا وجود ناممکن ہے۔ عاقل کو ضروری ہے کہ وہ ان سب امور میں غور کرے۔ یعنی
تسلسل حوادث۔ قیام افعال بذات باری۔ مخلوق حادث کا وجود جو اس خلق قدیم کا اثر ہے جو ذات باری
کے ساتھ قائم ہے۔ مفعول کا بلا فعل فاعل موجود ہونا پھر دیکھئے کہ ان میں سے کونسی بات عقل اور شرع
سے زیادہ خلاف اور کونسا امر انکے موافق ہے۔ جو امر عقل اور شرع کے موافق اور قریب معلوم ہو

اُس کو اختیار کرے۔ اور اس سوال کے مختلف اور متعدد جواب جو لوگوں نے بیان کئے ہیں۔ ہم سب کو
ذکر کرتے ہیں۔ پس ایک جماعت نے تو یہ جواب دیا ہے کہ ہم اس بات کو اختیار کرتے ہیں۔ کہ خلق اور
تکوین قدیم اور ذات باری تعالےٰ کے ساتھ قائم ہے۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ مخلوق
اور مکون بھی قدیم ہوں دیکھو تم اور ہم سب اس بات کو مانتے ہیں کہ باری تعالےٰ کا ارادہ قدیم ہے
مگر ارادہ کے قدیم ہونے سے مراد کا قدیم ہونا ضروری نہیں۔ پس جو کچھ جواب تم ارادہ کی صورت میں
بیان کرو گے وہی جواب ہم تکوین اور خلق کے مسائل میں ذکر کر دینگے۔ اور یہ جواب نہایت عمدہ
ہے۔ جمہور حنفیہ اور صوفیہ اور متقدمین آئمہ کا یہی مذہب ہے۔ اگر تم یہ جواب بیان کرو گے
کہ ارادہ کے قدم سے مراد کا قدیم ہونا اسلئے لازم نہیں آتا۔ کہ ارادہ کا تعلق مراد سے اس طرح
ہوتا ہے کہ مثلاً فلاں چیز فلاں وقت معین میں پیدا ہو گی۔ تو اب تعلق ارادہ کے وقت اُس چیز کا
موجود ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ وہ چیز اپنے وقت معین پر موجود ہو گی۔ اور تکوین اور خلق کا تعلق
مخلوق اور مکون سے اس طرح پر ہے کہ مخلوق اور مکون کے وجود کے بغیر خلق اور تکوین موجود
ہی نہیں ہو سکتی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ باری تعالےٰ نے اشیاء کو انکے
موجود ہونے کے وقت سے پہلے تکوین قدیم سے پیدا کر دیا ہے۔ بلکہ تکوین قدیم کا یہ مقتضی ہے
کہ وہ تمام چیزوں کو اپنے اپنے وقت پر پیدا کرے گا جس طرح کہ ارادہ قدیم کا یہ مقتضی ہے۔ کہ
فلاں چیز فلاں وقت میں پیدا ہو گی۔ اسی طرح تکوین قدیمہ کا بعینہٖ یہی مقتضی ہے۔ اور اگر
تم یہ شبہ کرو کہ خلق اور تکوین کا وجود بدون مخلوق و مکون کیونکر ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہی
ہے کہ جس طرح ارادہ کا وجود بغیر مراد درست ہے اسی طرح خلق اور تکوین بھی بغیر مخلوق و مکون
ہو سکتی ہے۔ اگر تم یہ فرق بتلاؤ کہ ارادہ کا وجود تو مراد کے بغیر ہو سکتا ہے کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ
ارادہ کنندہ کبھی کسی چیز کے وجود سے پہلے اس کا ارادہ کرے لیکن کسی چیز کو پیدا کرنا اُس کے وجود
کے بغیر ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ہم اُس ارادہ کی نسبت کلام کرتے
اور پوچھتے ہیں۔ جو مراد کے وجود کو مستلزم ہو۔ کہ اس کا وجود قبل وجود مراد درست ہے یا نہیں۔
یا اُس ارادہ کی نسبت جو مراد کے وجود کو مستلزم نہ ہو اور اللہ سبحانہٗ کا ارادہ اُس کی مراد کے وجود کو
مستلزم ہوا کرتا ہے۔ پس اگر یہ درست ہے تو تکوین کا وجود بھی قبل وجود مکون درست ہو سکتا ہے
اس کی توضیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ تکوین قدرت۔ ارادہ اور کلمہ تکوین کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور یہ
سب چیزیں قدیم ہیں۔ اور اس سے مکون کا قدم لازم نہیں آتا۔ اس بات میں اور مفعول کے بلا فعل

موجود ہونے میں اگر موازنہ کیا جائے اور عقول سلیمہ سے کام لیا جائے تو تقاضا ہے کہ عقول سلیمہ ذی ہوش کے
قدیم ہونے کو تسلیم کرینگی اور مفعول سے بلا فعل کو ہرگز نہیں قبول کرینگی۔ جواب اول کی تقریر ختم ہوئی۔

فرقہ کرامیہ کا یہ جواب ہے کہ ہم اس جانب کو لیتے ہیں کہ خلق اور تکوین حادث ہے۔ اور تمہارا یہ کہنا
کہ خلق کے حادث ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ ذات باری تعالے کے ساتھ حوادث قائم ہوں۔ اور یہ
جائز نہیں بالکل غلط ہے کیونکہ ہمارا خیال ہے کہ تکوین جب اس کا فعل ہے تو یہ اسکے ساتھ قائم ہوگا
اور اسکے قیام سے قیام حوادث بذات باری لازم آئیگا ہم کہتے ہیں کہ ذات باری کے ساتھ وہ حوادث
جو اس کے افعال ہیں قائم ہوسکتے ہیں اس میں کوئی خرابی نہیں۔ یہی تو ہمارا کہنا ہے کہ تم نے جو اللہ
تعالے کو حوادث محل الحوادث کہا تو تمہارا ذہن اسی طرف گیا ہے کہ بعض لوگوں نے اسکے صفات کو
اعراض سمجھ کر ان سے انکار کر دیا ہے اور جس طرح بعض لوگ اسکے استوی علی العرش کو تحیز
وتمکن ومکان میں موجود ہونا خیال کرکے اس سے منکر ہو گئے ہیں۔ اور اسی طرح اسکے وجہ اور یدین
کو اعضاء اور جوارح سمجھ کر ان کا انکار کیا ہے مگر ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ ہم خالق السموات والارض وما بینہما
کے تمام افعال۔ کلام۔ تکلیم۔ نزول الی السماء۔ استواء علی العرش۔ قیامت کے دن بندوں کے درمیان فیصلہ
اور قضا کے لئے تشریف لانا۔ انبیاء۔ رسل اور ملائکہ کو پکارنا وغیرہ تمام کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ اور جو
شخص ان صفات افعال کا منکر ہے وہ درحقیقت خدا تعالے کی ربوبیت کا منکر ہے عقل اور فطرت بھی
اس بات کو ثابت کرتے ہیں۔ کہ رب العالمین وہی ذات ہوسکتی ہے جس کے لئے افعال وصفات اختیاریہ
ثابت ہوں۔ اور وہ ذات جو محض بیکار ہو ربوبیت اور معبودیت کا کبھی استحقاق نہیں رکھتی۔ پس ایسی جاہلانہ
تعطیل اور لغو تنزیہ سے خدا تعالے کی تعظیم و تنزیہ ضروری ہے یعنی جو تمہارا خیال ہے اسکو قرار دینا ربوبیت
اور مملکت سے بے بہرہ ٹھہرانا ہے لہذا تنزیہ افعال سے دینا ضروری ہے اور اس مسئلہ کی صحت پر ہمارے
پاس ہزار سے زیادہ دلائل نقلیہ جو قرآن وحدیث سے مستنبط ہیں موجود ہیں اور عقلی دلیلیں انکے علاوہ ہیں۔
اور خود تمہارے افضل المتاخرین نے اس مسئلہ کے انکار پر تمہارے تمام شبہات کے غلط ہونے کو تسلیم کرلیا
ہے اور ایک ایک شبہے کو ذکر کرکے سب کا غلط ہونا ثابت کیا ہے۔ اور اس مسئلہ کو تمام فرقوں یہاں تک
کہ فلاسفہ نے بھی جو کہ صفات وافعال کے انکار میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں تسلیم کرلیا ہے۔ اور سب
نے یہ کہا ہے کہ عالم کا حادث اور باری تعالے کا رب۔ خالق۔ متکلم۔ سامع۔ بصیر۔ مجیب الدعوات۔
مدبر مخلوقات۔ قادر مرید وغیرہ صفات کمال کے ساتھ موصوف ہونا سوائے اسکے ثابت نہیں
ہوسکتا کہ اسکو ان افعال کے ساتھ جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں موصوف مان لیا جائے۔ اور اگر

اُس کی ذات کے ساتھ کسی کا فعل ہونا ناجائز اور اُس کی ذات کے ساتھ امور متجددہ اور حوادث کا قیام باطل ہو تو پھر نہ حدوث عالم ثابت ہو سکتا ہے اور نہ باری تعالیٰ کے لئے کوئی صفت کمال پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے۔

فصل عبدالعزیز بن یحییٰ کنانی نے اپنی کتاب حیدہ میں اِس جواب کی نسبت یوں بیان کیا ہے۔ کہ اس نے مریسی سے یہ سوال کیا۔ بتاؤ کہ سلسلۂ کائنات کس طرح پیدا ہوا۔ اُس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت قدیمہ سے اسے پیدا کیا ہے کہ پوچھا گیا تم صرف یہ بات کہتے ہو کہ اُس نے قدرت قدیمہ سے اسے پیدا کیا ہے یا یہ بات بھی کہتے ہو کہ وہ ہمیشہ از قدیم سے صاحب قدرت ہے۔ مریسی نے جواب دیا کہ اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ وہ ہمیشہ سے صاحب قدرت ہے۔ عبدالعزیز نے پھر سوال کیا بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کو قدیم سے فاعل فعال مانتے ہو یا نہیں اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے فاعل قدیم ہونے کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ عبدالعزیز نے کہا کہ تم کو ماننا پڑیگا کہ اللہ تعالیٰ قدیم سے خالق۔ فاعل اور صاحب قدرت ہے۔ اور میرا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خالق قدیم ہے تو قدیم سے خلق مخلوقات کرتا رہا ہے یا فاعل قدیم ہے۔ تو ہمیشہ سے افعال کرتا رہا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ فعل اسکی ایک صفت ہے اور اسکی ذات اُس پر قادر ہے اور کوئی شخص سبب کو اس سے روک نہیں سکتا۔

عبدالعزیز کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ فعل کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی صفت مانتا ہے جو اس کی قدرت کے تحت میں داخل و غیر مخلوق ہے بلکہ مخلوقات کو اسکے ذریعہ سے پیدا کیا ہے۔ اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبدالعزیز کا مذہب سلف صالحین اور اہل حدیث کے مذہب کے بالکل موافق ہے۔ کیونکہ خلق اور مخلوق اور فعل اور مفعول کے درمیان تمام اہل سنت باجماع فرق بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ البغوی نے ذکر کیا ہے اور عبدالعزیز کے کلام سے بھی یہی فرق ثابت ہوتا ہے۔ اس نے صاف طور پر یہ کہا ہے کہ اللہ سبحانہ کا فعل خلق اس کے ساتھ قائم ہے اور اسی فعل سے اس نے مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری نے بھی اپنی صحیح کے آخر میں اس کی تصریح کی ہے اور صحیح کے کتاب خلق الافعال میں یہ مضمون اس عنوان سے ذکر کیا ہے باب ما جاء فی تخلیق السموت والارض وغیرها من الخلائق وهو فعل الرب وامره فالرب سبحانه بصفاته وفعله وامره وكلامه هو الخالق المكون غير مخلوق وما كان بفعله وامره وتخليقه وتكوينه فهو مفعول مخلوق مكون۔ امام السنہ امام بخاری نے تصریح کر دی ہے کہ صفت تخلیق اللہ سبحانہ کا فعل اور اس کا امر ہے اور یہ بھی فعل اور کلام سے خالق مخلوق کا [illegible]۔ اور تمام اہل حدیث امام بخاری کے ساتھ اس مسئلہ میں متفق ہیں اور قرآن کریم میں اسکے ثبوت کے اور جا بجا کثرت سے موجود اور عقل و فطرت بھی اسکے موید ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ

عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (کیا جس (خدا) نے آسمان و زمین پیدا کئے وہ اس (بات) پر قادر نہیں کہ (قیامت میں) ان جیسے (آدمیوں کو دوبارہ) پیدا کرے) پھر خود ہی اس کا جواب بیان فرمایا ہے بَلٰی وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ (ہاں (ضرور قادر ہے اور وہ (تو) بڑا پیدا کرنے والا (اور) ماہر ہے)۔

پس اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے نفس فعل یعنی خلق پر قادر ہے اور نفس مخلوق اس کا فعل ہے اور وہ اس پر قادر ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل نہیں یا فعل عین مفعول ہے تو درحقیقت یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے فعل پر جو اسکے ساتھ قائم ہو قادر نہیں بلکہ وہ اس مفعول پر قائم ہے جو اس کی ذات سے جدا اور اللہ تعالیٰ کے فعل کے سوا وہ حادث ہے اور یہ قول سراسر غلط اور باطل ہے بغیر قدرت کے کسی چیز کے پیدا کرنے سے بھی زیادہ محال ہے بلکہ یہ ایسا محال ہے جیسا کسی فعل کا بدون فاعل پایا جانا محال ہے کیونکہ مفعول کا وجود فاعل کی قدرت پر لزوم عقلی سے دلالت کرتا ہے۔ اور اس کے فعل پر دلالت تضمنی سے دلالت کر رہا ہے۔ پس جب یہ شخص دلالت تضمنی کا انکار کرتا ہے۔ تو دلالت عقلیہ کا نہ ماننا تو اس سے آسان ہے۔ اور فاعل اور فعل پر مفعول کی دلالت یکساں ہے۔ اور فاعل کی قدرت و ارادہ پر دلالت کرنے سے یہ دلالت زیادہ واضح ہے۔ اور اللہ سبحانہ کے اپنے افعال اور تکوین پر قادر ہونے کا بیان قرآن کریم میں متعدد جگہ آیا ہے۔ کقولہ تعالیٰ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ (اے پیغمبر ان سے) کہو کہ وہی (خدا) اس پر قادر ہے کہ تمہارے اوپر کی طرف سے کوئی عذاب تمہارے لئے نکال کھڑا کرے) بعث عذاب اللہ سبحانہ کا نفس فعل ہے اور عذاب اس کا مفعول ہے جو اس کی ذات سے جدا ہے۔ وکقولہ تعالیٰ اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی (کیا وہ (خدا جس نے یہ سب کچھ کیا قیامت میں) مردوں کے جلا اٹھانے پر قادر نہیں ہے؟) پس احیاء موتیٰ اللہ سبحانہ کا فعل ہے اور حیات اس کا مفعول اور یہ دونوں اللہ سبحانہ کی قدرت میں داخل ہیں وقال تعالیٰ بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ (اور ہم) اس بات پر قادر ہیں کہ اس کی پور پور (اس کے اصلی) ٹھکانے سے بٹھا دیں) تسویہ بنان اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور ان کا مستوی ہونا اس کا مفعول ہے منکرین افعال یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کو ان پیدا کردہ چیزوں پر قدرت حاصل ہے جو اس کی ذات سے مباین اور جدا ہیں اور کسی فعل لازم یا متعدی پر جو اسکی ذات کے ساتھ قائم ہو ہرگز قدرت نہیں۔ اور اہل سنت کا یہ قول ہے کہ اللہ سبحانہ کو افعال اور مفاعیل سب پر قدرت ہے۔ اور خلق اور امر سب کچھ اسی کے اختیار اور قدرت میں ہے۔ پس جہمیہ تو اللہ تعالیٰ کی صفت خلق اور امر کے منکر ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ خلق عین مخلوق ہے اور اسی طرح اس کا امر بھی اس کی مخلوق کے ہے پس انکے نزدیک مخلوق کے علاوہ کوئی خلق

وامر نہیں ہے۔ اور جو شخص باری تعالیٰ کے لیے صفت کلام کو جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے مانتا
ہے لیکن ایسے افعال قائمہ بالذات تسلیم نہیں کرتا تو وہ امر کو مانتا ہے لیکن صفت خلق کا منکر ہے
اور اس بات کا کوئی شخص قائل نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ افعال تو قائم ہیں لیکن اس
کے لیے صفت کلام ثابت نہیں۔ کیونکہ امر بدون خلق ثابت ہو۔ اور اہل سنت اور تمام صفات افعال
خلق۔ امر وغیرہ کو باری تعالیٰ کی اپنی ذات کے لیے ثابت اور بیان فرماتے ہیں مانتے اور ان پر
ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی خلق اس کا فعل ہے اور امر اس کا قول ہے اور اللہ تعالیٰ قائل اقوال اور فاعل افعال
ہے۔ [illegible] جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ قدیر ہے۔ ہمیشہ کا [illegible] اس طرح دیا ہے۔ کہ ہم
اس صورت کو اختیار کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ کے افعال ہیں [illegible] جائز ہے۔ اور شرعاً اور عقلاً کوئی
ایسی دلیل موجود نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ ازل سے لے کر افعال کا دوام اور زمانہ ماضی میں لا الی النہایۃ
ایک کے بعد دیگرے تحقق ہونا جائز نہیں۔ جس طرح کہ زمانہ آئندہ میں اس کے افعال کا تحقق ایک کے بعد دیگرے الی
غیر النہایۃ جائز ہے اسی طرح زمانہ ماضی میں بھی جائز ہے۔ غرض باری تعالیٰ کے افعال قدیم اور ازلی ہیں۔ اور
افعال باری تعالیٰ کی صفت کمال ہیں۔ ظاہر ہے کہ عاجز بیکار پر صانع مدبر کو فوقیت اور کمال حاصل ہے
صریح عقل کا بھی یہی مقتضی ہے۔ اور جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ پہلے ایک غیر متناہی زمانے میں باری تعالیٰ
سے افعال کا صادر ہونا محال تھا۔ اور اس کو کسی فعل کے صادر کرنے پر قدرت نہ تھی۔ اس کے بعد بغیر
کسی سبب کے پیدا ہونے کے اور بدون کسی تغیر کے ذات باری میں افعال کا صدور جائز اور ممکن ہوا
ان لوگوں کی کمال حماقت و نادانی ہے۔ جسے ذرہ سی عقل ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ محض حماقت ہے۔ انکی
دلیل یہ ہے کہ جب عقلاً یہ ہو سکتا ہے کہ سلسلہ عالم بغیر کسی فاعل اور صانع کے نیستی سے خارج ہو کر
وجود میں آجائے۔ تو اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ پہلے افعال کا صدور محال ہو اور بعد میں بدون کسی
سبب کے ممکن ہو جائے۔ اگر کوئی کہے کہ عالم کا بغیر فاعل پیدا ہونا تو ممکن ہے مگر افعال کا بغیر سبب
ممکن ہونا جائز نہیں۔ تو وہ متناقض ہے عقل کی مخالفت کرتا ہے۔ ان کا یہ بھی بیان ہے کہ تسلسل ایک
مجمل لفظ ہے۔ [illegible] اثبات یعنی بطلان دونوں کے متعلق قرآن اور حدیث میں کہیں ذکر نہیں پس ہم
کو اس کی حقیقت پر غور کرنا چاہیئے۔ غور کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تسلسل تین قسم ہے۔ واجب یعنی ضروری۔
ممتنع و محال اور ممکن و جائز۔ تسلسل ممتنع کی مثال یہ ہے کہ ایسے غیر متناہی مؤثر موجود ہوں کہ ہر ایک اپنی
صفت تاثیر میں دوسرے کا محتاج ہو۔ اس قسم کے مؤثر امور کا الی غیر النہایۃ موجود ہونا محال ہے۔ اور
تسلسل واجب وہ ہے جس پر شرع اور عقل دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً زمانہ آئندہ میں باری تعالیٰ کے

افعال کا دائم و مستمر ہونا چنانچہ اہل جنت کے لئے جب کوئی نعمت ختم ہوگی تو اُنکے لئے اللہ تعالےٰ دوسری
نعمت پیدا کر دیگا۔ اسی طرح نعمتوں کا پیدا کرنا دائم و مستمر رہیگا۔ اہل جنت کے لئے اعطائے نعمات کا سلسلہ کبھی
ختم نہیں ہوگا اور اسی طرح زمانہ ماضی میں بھی اُس کے افعال کا سلسلہ کسی حد پر ختم نہیں ہوتا۔ اُس کے ہر
فعل سے پہلے اُس کا دوسرا فعل سابق موجود ہے۔ اور اُس کے ہر کلام سے پہلے اس کا دوسرا کلام موجود
ہے۔ وہ ازل سے صفت کلام کے ساتھ موصوف ہے اسطرح نہیں ہے کہ کسی وقت میں صفت کلام
موجود نہ ہو اور بعد میں موجود اور حادث ہو اور اسی طرح اُسکے تمام افعال جو حی کی حیات کے لوازم سے ہیں
ازل سے موجود اور قدیم ہیں۔ حی یعنی زندے اور میت میں فرق ہی یہ ہے کہ حی سے وہ افعال صادر
ہوتے ہیں جو مُردے سے صادر نہیں ہوتے اور جب اللہ شانہٗ ازل سے حی اور موجود ہے تو اسکے افعال
بھی ازلی اور غیر متناہی موجود ہیں۔ کسی حد پر ختم نہیں ہوتے۔ اسی واسطے اکثر سلف صالحین نے کہا
ہے کہ باری تعالےٰ حی فعال ہے۔ عثمان بن سعید کا قول ہے کہ ہر زندہ فاعل افعال ہوتا ہے۔ اور
اللہ سبحانہٗ کسی وقت میں اپنے افعال کمالات یعنی کلام۔ ارادہ وغیرہ سے معطل نہ تھا۔ اور وہ تسلسل جو ممکن
اور جائز ہے وہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ زمانہ ماضی کی طرف اللہ تعالےٰ کے موجودات کا سلسلہ کسی
حد پر ختم نہ ہو جسطرح کہ آئندہ کو کسی حد پر ختم نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب وہ قدیم سے حیات۔ قدرت۔ ارادہ کلام
وغیرہ صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے اور یہ صفات اُس کے لوازم ذات سے ہیں۔ تو اُنکے
لزوم اور وجوب کے لحاظ سے افعال کا وجود بھی ممکن ہے اور صدور افعال میں ایک کمال ہے۔ جو عدم صدور
میں نہیں پایا جاتا ہے۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تعالےٰ کی ذات کی طرح مخلوق بھی قدیم ہو
جائے۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ کو مخلوق کے ہر فرد سے تقدم حاصل ہے جس کی کوئی ابتدا نہیں۔ اور ہر مخلوق
سے پہلے ایک دوسری مخلوق موجود ہے مگر اللہ سبحانہٗ سے پہلے کوئی چیز موجود نہیں۔ اور وہ واحد
خالق ہے۔ اور اُس کے ماسوا تمام چیزیں مخلوق اور موجود بعد العدم ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ اس
قول کے سوا تمام اقوال عقل کے خلاف ہیں۔ اور عقل صراحتًہ انکی تردید اور اُنکے بطلان کا حکم کرتی ہے
جو لوگ اس بات کے معترف ہیں کہ اللہ سبحانہٗ ازل سے قادر علی الافعال ہے اُنکو دو باتوں میں سے
ایک بات ضرور ماننی پڑیگی۔ یا تو یہ کہینگے کہ ازل سے صدور افعال ممکن ہے یا ازل سے افعال کا وجود
ہے ورنہ انکے کلام میں تناقض لازم آئیگا کیونکہ ادھر تو یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہٗ ازل سے صدور افعال
پہ قادر ہے اور اُدھر یہ کہتے ہیں۔ کہ صدور افعال محال ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ صدور افعال کا ارادہ بھی کرے
تاہم ان کا وجود ممکن نہیں بلکہ ارادہ کرنا ہی محال ہے اور یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ افعال اُس کے مقدور ہیں۔

تو صریح تناقض ہے ایک دوسری جماعت نے ایک اور طرز سے جواب دیا ہے اُن کا جواب یہ ہے کہ تسلسل آثار ممکن ہے یا محال۔ اگر ممکن ہے تو اسکے تسلیم کرنے میں کوئی خرابی نہیں اور اگر محال اور باطل ہے تو اسکے بطلان سے اُس فعل کا بطلان لازم نہیں آتا جس سے مخلوق کا وجود ہوا۔ ہم کو قطعی طور پر معلوم ہے کہ مفعول کا وجود بدون فعل محال ہے اور مخلوق کا بغیر خلق پایا جانا ناممکن ہے تسلسل کے ثبوت یا بطلان کا ہم کو علم ہو یا نہ ہو مگر یہ قطعاً معلوم ہے کہ مفعول بدون فعل اور مخلوق بدون خلق ہرگز موجود نہیں ہو سکتے۔ اِسی واسطے بہت سے لوگ اِس بات کے قائل ہیں کہ خلق اور مخلوق اور اسی طرح فعل اور مفعول ایک چیز نہیں بلکہ دو متغایر چیزیں ہیں۔ یہ لوگ باوجودیکہ تسلسل کو باطل کہتے ہیں مگر خلق اور مخلوق کو اور اسی طرح فعل اور مفعول کو باہم متغایر مانتے ہیں۔ آئمہ اربعہ کے مقلدین۔ اکثر اہل حدیث صوفیہ اور متکلمین کا بھی مسلک ہے۔ کہ خلق اور مخلوق اور اسی طرح فعل اور مفعول میں تغایر ہے۔ پھر ان میں سے بعض لوگ تو اِس بات کے قائل ہیں کہ خلق جس کو تکوین بھی کہتے ہیں۔ اللہ سبحانہ کی ایک ایسی صفت قدیمہ ہے جیسی صفت ارادہ ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں۔ کہ صفت خلق ایک صفت حادثہ ہے جو پہلے موجود نہ تھی اور اسی طرح کلام اور ارادہ بھی صفات حادثہ ہیں۔ اور یہ سب اللہ سبحانہ کے ساتھ قائم ہیں کرامیہ اور انکے موافقین کا یہی مسلک ہے کہ وہ باری تعالےٰ کے صفات کو حادث اور انکو اُس کی ذات کے ساتھ قائم مانتے ہیں۔ اور صفات کے دوام کے اس خیال کی بنا پر منکر ہوئے ہیں کہ دوام ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ حوادث کے وجود کے لئے کوئی ابتدا نہ ہو۔ اور یہ دونو اس بات پر متفق ہیں کہ صفت خلق اور تکوین اللہ تعالےٰ کی مخلوق نہیں۔ بلکہ قدرت کی طرح مخلوق کا وجود اس کے ذریعہ سے ہوا ہے۔ اور جب اُن تمام لوگوں کو جو اللہ تعالےٰ کو ازل سے قادر علی الخلق مانتے اور یہ کہتے ہیں کہ ہمیشہ سے اُسے یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ افعال کو بلا کسی مانع کے صادر کر سکتا ہے۔ تسلسل کا ماننا ضروری ہے تو اسی طرح تم کو بھی تسلسل ضرور ماننا پڑیگا۔ جس طرح تم اپنے مخالفین کو لزوم تسلسل کا الزام دیتے ہو۔ اسی طرح خود تم پر بھی یہ الزام قائم ہوتا ہے۔ پس اس الزام کا جواب جس طرح اُنکے ذمہ ہے اِسی طرح تمہارے ذمہ بھی ضروری ہے اور وہ الزام جو اُنہوں نے تم پر قائم کیا ہے کہ مفعول کا بلا فعل اور مخلوق کا بدون خلق وجود لازم آتا ہے اس کا جواب صرف تمہارے ذمہ لازم ہے۔ ان کا بیان ہے کہ ہم صرف یہ کہتے ہیں۔ کہ فعل ایک ایسی صفت ہے جو ذات باری تعالےٰ کے ساتھ قائم ہے اور وہ اِس پر قادر ہے کوئی شخص اُسے روک نہیں سکتا۔ اور صفت فعل جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے وہ عین مخلوق نہیں جو کہ اس سے منفصل اور جدا ہے۔ پس ہم پر یہ الزام ہرگز قائم نہیں ہو سکتا۔ کہ باری تعالےٰ کی مخلوق بھی ازلی اور

قدیم ہو جائے۔ البتہ اگر یہ بات ثابت ہو جائے۔ کہ فعل لازم فعل متعدی کو مستلزم ہوتا ہے اور فعل متعدی مفعولات کے نوع کا دوام چاہتا ہے اور دوام نوع اس بات کا مقتضی ہے کہ اللہ سبحانہ کے ساتھ ازل میں مخلوق موجود ہے تب بیشک یہ الزام ہم پر قائم ہو سکتا ہے۔ مگر ان امور کے ثبوت پر تمہارے پاس بلکہ کسی شخص کے پاس کوئی دلیل نہیں اور اللہ تعالیٰ کے افعال کے ثابت کرنے سے جو نسا امر لازم آئے اس کا تسلیم کر لینا اچھا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے افعال کی نفی کرنا اور اس کو معطل ٹھیرانا درست نہیں پس اگر اس کے افعال کا قیام اس طور پر ثابت ہو کہ حوادث کا قیام بھی اُس کے ساتھ نہ ہو۔ چنانچہ بہت سے لوگ اسی کے قائل ہیں۔ تو تمہارا قول بالکل باطل ہو جائیگا۔ اور اگر اسکے افعال کا اثبات اس طور پر کیا جائے۔ کہ امور اختیاریہ کا قیام اسکی ذات کے ساتھ تسلیم کیا جائے۔ اور کہا جائے کہ یہ امور حادثہ ہیں۔ اور ان کے وجود کے لئے ابتدا ہے جیساکہ کرامیہ کہتے ہیں۔ تب بھی تمہارے قول سے تو ہزارہا درجہ بہتر ہے۔ اور اگر اُن کا تسلسل لازم آئے اور افعال لازمہ کے وجود کے لئے کوئی ابتدا ثابت نہ ہو تاہم تمہارے قول سے کئی درجہ اچھا ہے۔ اور اور اگر تسلسل آثار اور یہ بات لازم آئے۔ کہ اللہ سبحانہ ازل سے خالق ہے جیساکہ نص اور عقل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے تو یہ بھی تمہارے قول سے بہتر ہے۔ اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے۔ کہ اللہ سبحانہ کے خالق ازلی ہونے سے مخلوق بھی ازل سے اللہ سبحانہ کے ساتھ موجود اور قدیم ہے۔ تاہم تمہارے باطل مذہب سے تو بہتر ہے۔ گو یہ بات لازم نہیں آتی۔ اور اہل اسلام بلکہ تمام آسمانی دین رکھنے والے اقوام میں سے کوئی اس بات کا قائل نہیں۔ بلکہ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ سبحانہ واحد خالق ہے اور ماسوا اُس کے تمام چیزیں مخلوق اور موجود بعد العدم ہیں۔ اور مخلوقات میں سے کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ جو اپنے وجود میں اللہ سبحانہ کے ساتھ اور اُس کا وجود اللہ سبحانہ کے وجود کے مساوی ہو۔ اس کے بعد تمام امور خلق۔ امر۔ صفات کمال۔ نعوت جلال۔ ربوبیت وغیرہ جتنے امور لازم آتے ہیں۔ ہم سب کو مانتے اور ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کا کمال اس کی ذات مقدس کے لوازم سے ہے۔ جس طرح کہ ہم اُن سب امور کو مانتے ہیں جو اُس کے حیّ۔ علیم۔ قدیر۔ سمیع۔ بصیر۔ متکلم۔ آمر۔ ناہی۔ مستوی علی العرش ہونے سے اور نیز ان مسائل سے لازم آتے ہیں۔ کہ وہ مخلوق سے اپنی ذات وصفات میں ممتاز اور جُدا ہے۔ مومنین اپنی آنکھوں سے جنت میں اور عرصات قیامت میں اُس کے دیدار سے مشرف ہونگے۔ وہ مومنین کے ساتھ کلام فرمائیگا۔ اور

مومن اُس سے باتیں اور اپنا عرض معروض کرینگے۔ کیونکہ یہ سب کچھ حق ہے اور جو کچھ حق سے لازم آئے وہ بھی حق ہوتا ہے۔ اور وہ غلط خیالات جو ناقص عقلوں نے تراش رکھے ہیں۔ ہم اُنکے منکر اور اُنکے ماننے سے برکنار اور بیزار ہیں۔ اور توفیق خیر اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے۔ قدری نے کہا کہ بندے کا اپنے افعال کا موجد اور فاعل ہونا نہایت بدیہہ اور واضح ہے۔ ہر صاحب عقل اِس بات کو سمجھتا ہے۔ کہ جو افعال اُسکے ارادے اور قصد کے ساتھ اس سے صادر ہوتے ہیں۔ وہ اُن کا فاعل ہوتا ہے ہر شخص اُس چیز کی حرکت کے درمیان جو چیز اُسکی جانب کو حرکت دی جائے اور اپنی اختیاری حرکت اور ارادی افعال میں بداہتہً فرق سمجھتا ہے۔ کوئی صاحب عقل اُسمیں شک وشبہ نہیں کر سکتا اور کوئی دلیل اُسکو توڑ نہیں سکتی۔ اسکے برخلاف استدلال قائم کرنا بدیہی چیز کے بطلان پر استدلال قائم کرنا ہے جو نامقبول اور مردود ہے ✦

سُنی نے جواب دیا۔ کہ تمہارے مقابل فریق یعنی جبریہ اس کا جواب یوں بیان کرتا ہے۔ کہ ہر صاحب عقل یہ بات سمجھتا ہے۔ کہ اُس کے افعال کا وقوع اُسکی قدرت کے مقارن ہوتا ہے یعنی وقوع افعال اور وجود قدرت معًا پائے جاتے ہیں۔ مگر ہر شخص یہ نہیں سمجھتا۔ کہ اُس کے افعال اُس کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔ اور دو نوامر میں فرق ظاہر ہے۔ اگر ہر ایک شخص کو بداہتہً معلوم ہوتا کہ اُسکے افعال اُس کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔ تو عقلا کی ایک ایسی جماعت عظیم جن کی نسبت یہ خیال کرنا غلط ہے کہ وہ سب کے سب بدیہیات کے منکر ہیں اِس مسئلہ میں خلاف نہ کرتی۔ مگر یہ جواب کافی اور شافی نہیں بلکہ صحیح طور پر اس کا کچھ ماحصل بھی معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر صاحب عقل یہ بات بالبداہتہ سمجھتا ہے۔ کہ اُسکے افعال اُسکی قدرت۔ ارادہ اور قصد سے واقع ہوتے ہیں اور یہی امور اُسکے افعال کے صدور میں مؤثر ہیں۔ اور افعال کے ساتھ ارادہ اور قدرت کے مقارن ہونے اور اپنے دوسرے صفات مثلاً طول۔ قد۔ رنگ۔ شکل وغیرہ کے اُنکے ساتھ مقارن ہونے میں ظاہر طور پر فرق سمجھتا ہے۔ مگر جبری کے نزدیک ارادہ۔ قدرت اور دیگر صفات مثلاً رنگ شکل وغیرہ سب یکساں ہیں۔ یعنی جس طرح دوسرے صفات مثلاً رنگ وغیرہ صدور افعال کے ساتھ محض مقارن فی الوجود ہیں۔ اور ان صفات کو صدور افعال میں کوئی دخل اور تاثیر نہیں۔ اِسی طرح ارادہ اور قدرت کو بھی صدور افعال میں کوئی دخل اور تاثیر نہیں۔ محض مقارن فی الوجود ہیں۔ اور جبریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ عادت اللہ اس طرح جاری ہے کہ ارادہ اور قدرت کے وقت اللہ سبحانہٗ افعال کو پیدا کر دیتا ہے مگر وہ افعال ارادہ اور قدرت سے واقع نہیں ہوتے۔ جبریہ کا

قول بدیہیات کے مخالف ہے اسمیں ذرا شک نہیں ہوسکتا کہ جو شخص عقلا کے باہمی معاملات اور کاروبار تعلقات
و تصرفات پر نظر ڈالے تو اُسے یقینی طور پر معلوم ہوجائیگا۔ کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے اُن افعال کا
مطالبہ کرتے ہیں۔ جو ہر ایک کے حال کے موافق اور اُسکے شان کے لائق ہیں اور قطعی طور پر اس سے
یہ نتیجہ نکل آئیگا کہ جس شخص سے جو کام طلب کیا جاتا ہے وہ اُسکو اپنی قدرت اور ارادہ سے صادر کرتا ہے
اسی واسطے اُس سے وہ کام کرنے کے لئے طرح طرح کے حیلے اور قسم قسم کی تدبیریں کی جاتی ہیں
کبھی لالچ اور طمع اور رشوت سے کام کرایا جاتا ہے۔ کبھی دھمکی اور دباؤ سے مطلب نکالا جاتا ہے غرض
جس تدبیر سے کام نکلے خواہ امید دلانے یا دھمکی یا تنبیہ سنانے سے اُس کے عمل میں لانے
میں دریغ نہیں کیا جاتا۔ کبھی اُس کو یوں ابھارا جاتا ہے کہ دیکھو فلاں شخص نے یہ کام کیا ہے
تم کو کیا ہوا ہے کہ اس سے گریز کرتے ہو۔ یہ باتیں شب و روز محسوس اور مشاہد ہوتی ہیں۔ اور
انکے وجود میں ہرگز شک نہیں ہوسکتا۔ غرض جملہ اہل عقل اس بات پر متفق ہیں۔ کہ افعال عباد اُن کی
قدرت و ارادہ سے صادر ہوتے ہیں۔ اور اس میں کسی کو شک نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی انگلی ہلائے
اور دوسرا شخص اُنگلی ہلانے والے کو گالیاں دینے لگے۔ تو وہ اُنگلی ہلانے والا غیظ و غضب میں آجائیگا
اور کہیگا ارے تو مجھے کیوں گالیاں دیتا ہے اور یوں نہیں کہیگا کہ میرے رب کو کیوں گالیاں دیتا ہے
اِس مسئلہ کیلئے چنداں مثالیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ انکو زیادہ بسط کے ساتھ بیان کرنے
کی حاجت ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ نہایت واضح اور ظاہر ہے۔ اور اس کے متعلق جتنے شبہات پیدا
ہوتے ہیں وہ محض ملمع کاری اور دھوکے پر مبنی ہیں۔ تمام عقلاء فطرةً یہ سمجھتے ہیں کہ بُرے کام کرنیوالا
مستحق مذمت اور بھلے کام کرنے والا قابل مدح ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فطرةً یہ سمجھتے
ہیں۔ کہ انسان فاعل افعال ہے۔ کیونکہ مذمت اور مدح فاعل افعال ہونے پر متفرع اور موقوف ہے
اور یہ نہیں ہوسکتا کہ فرع کے متعلق تو فطرةً اور اضطراراً علم حاصل ہو اور اصل کا پتہ ہی نہ ہو۔ ہر
صاحب عقل سمجھتا ہے کہ کاتب جب ارادہ کتابت کرتا ہے۔ تو وہ لکھنے شروع ہوجاتا ہے۔ اور جب
چاہتا ہے تو قلم کو روک لیتا ہے۔ اور اسی طرح معمار اور دوسرے اصحاب صنعت و حرفت جب
چاہتے ہیں۔ اپنے کام میں مصروف ہوتے ہیں اور جب جی چاہتا ہے چھوڑ کر آرام کرتے ہیں۔ اور یہ
بھی معلوم ہے کہ جب کسی شخص کا کسی کام پر ارادہ نہ ہو یا اُس میں کسی وقت اُس کام کی قدرت نہ ہو۔ تو وہ
کام خود بخود یا ایسی حالت میں اُس سے واقع نہیں ہوتا۔ اور جب دوبارہ قدرت حاصل ہوجائے اور
اُس کے متعلق ارادہ پایا جاتے تو وہ کام پھر وقوع میں آنے لگتا ہے۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ اگر یہ مسئلہ پیدا ہو

ظاہر ہوتا تو کسی صاحبِ عقل کو اس میں خلاف نہ ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمام بدیہیات اور ضروریات میں
اب جیسا کہ اتفاق ضروری نہیں۔ بہت سے اہلِ عقل کئی ضروری اور بدیہی امور کے اسلئے منکر ہیں کہ اُن کو کوئی
شبہ پیش آگیا اور وہ بدیہی امور کے شک میں پڑ گئے بالخصوص جبکہ کسی ایسے اعتقاد کو کچھ شبہ مشتبہ کر دیں باتوں اور اپنی تقلید [illegible]
لگتی دیکھو فلاسفہ مسائل ایسا ہی چند بدیہی امور کے مخالف ہیں، باوجودیکہ ان کی عقل بھی اچھا ہی اور سب کے سب ایک ہی بیوقوف ہیں اور
نصاریٰ کئی ایسے مسائل کے قائل ہیں جو بداہتہً معلوم ہوتا ہے کہ غلط اور باطل ہیں مگر وہ باوجود اس کے
ان مسائل میں دوسرے لوگوں کے ساتھ مناظرہ کرنے کو تیار اور اُن بیہودہ لغویات کی مدد و حمایت کے
لئے مستعد اور کمربستہ ہیں۔ روافض کو دیکھو معاذ اللہ یہ کہتے ہیں کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ اور
خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ ایک لمحہ بھی اللہ و رسول کے ساتھ ایمان نہیں لائے۔ وہ ہمیشہ حضرت
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت کرتے اور آپ کے قتل کرنے کے منتظر رہے اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہؓ کے روبرو حضرت علی المرتضیٰ کو کھڑا کرکے فرمایا کہ یہ میرا وصی اور میرے
بعد میرا ولیعہد ہے۔ تم سب کو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری ضروری ہے۔ تمام صحابہ نے حضرت کی
اس وصیت کو سنا اور اس واقعہ کو بچشم خود دیکھا۔ مگر سب نے حضرت کے اس فرمان کے پوشیدہ رکھنے اور حضرت علیؓ
کی نافرمانی کرنے پر اتفاق کر لیا۔ غرض روافض ایسے ہیں جن کے مذہب کی بنا ہی جھوٹ پر ہے۔ اس قسم کی بہت
سی بے اصل اور سراسر جھوٹی باتیں بنا رکھی ہیں۔ اور قرآن کریم اور صریح صحیح احادیث کے مخالف اور منکر
ہیں۔ اور اسی طرح جہمیہ اور اُنکے موافقین کئی ایک بدیہی اور صریح امور کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ
مفعول بلا فاعل اور مخلوق بلا خالق موجود ہو سکتے ہیں۔ اور فلاسفہ جن کو اپنی عقلوں پر بڑا ناز ہے۔ اس
بات کے قائل ہیں کہ صورت معقولہ بدون ذہن بذاتِ خود قائم ہیں۔ اور وہ نہ تو عالم کے اندر داخل اور
نہ اُس سے خارج ہیں۔ اور نہ اُسکے ساتھ متصل اور نہ اُس سے منفصل ہیں۔ اور نہ اُس سے مبائن اور نہ
اُس سے متحد ہیں۔ فلاسفہ کی یہ ایسی بات ہے جو صریح عقل کے مخالف ہے۔ اور وہ جماعت جو وحدت
وجود اور ہمہ دوست کی قائل ہے یہ کہتی ہے کہ صرف ایک اللہ کی ذات موجود ہے اور یہ جتنے متعدد
امور اور اشیاء کثیرہ نظر آتی ہیں۔ محض ہمارا خیال ہے درحقیقت کوئی چیز سوائے اللہ کے موجود نہیں۔
اور وہ گروہ جو اس بات کا منکر ہے۔ یوں کہتا ہے کہ آگ میں وہ حرارت نہیں جو اشیاء کو جلاتی ہے۔ اور پانی
میں وہ رطوبت جس سے سیرابی حاصل ہوتی ہے ہرگز موجود نہیں۔ اور اجسام کے اندر کوئی قوت یا
طبیعت ودیعت نہیں رکھی گئی۔ اور سلسلہ عالم میں کوئی چیز کسی دوسری چیز کے لئے سبب نہیں ہو سکتی۔
اگر ان امور کے انکار کو تم بدیہیات اور ضروریات کا انکار نہیں سمجھتے تو دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا۔

جو بدیہیات کا منکر ہو۔ اور اگر ان امور کا انکار بدیہیات کا انکار ہے۔ تو تمہارا یہ قول رد ہے اگر یہ مسئلہ بدیہیہ ہوتا تو
عقلا میں سے کوئی اس کا مخالف نہ ہوتا۔ باطل اور غلط ثابت ہوا۔ اور وہ بدیہیات جن کا متکلمین نے
انکار کیا۔ ان کو مذکورہ بالا امور سے بھی درجہ زیادہ ظاہر ہیں۔ زیادہ بدیہیات اور ضروریات عقل کی مخالفت
اور انکار متکلمین کی جماعت نے عقل سلیم کے نزدیک اس طرح کی ہے۔ کہ سمیع بدون سمع اور بصیر بلا بصر اور
حی بغیر حیات موجود ہو اور بغیر جہت کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک مرئی چیز آنکھوں کے سامنے دکھی جائے۔ مگر
نہ دیکھنے والے کے اوپر۔ نیچے۔ داہنے۔ بائیں۔ آگے۔ پیچھے کسی طرف نہ ہو۔ اور نیز یہ کس طرح جائز
ہو سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے لئے صرف ازلی اور قدیم کلام ثابت کی جائے۔ حالانکہ کلام الٰہی کی یہ صفت
ہے۔ کہ اگر بحر محیط کے برابر اور سات سمندر فرض کئے جائیں۔ اور انکو روشنائی بنایا جائے۔ اور
تمام روئے زمین کے درخت چھوٹے بڑے سب جمع کر کے قلمیں بنائے جائیں اور کلام الٰہی کو لکھنا
شروع کیا جائے۔ تو تمام سمندر اور قلمیں ختم ہو جائینگے اور کلام الٰہی ختم نہ ہوگا۔ اور متکلمین یہ بھی کہتے
ہیں۔ کہ یہ کلام معنی واحد ہے اور یہ منقسم نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اس کا کوئی جزء ہے۔ اس میں نہی عین امر۔
نفی عین اثبات۔ خبر عین استفہام۔ توراۃ عین انجیل و قرآن ہے۔ اور یہ سب ایک ہی چیز ہے صرف
مختلف اضافات اور نسبتوں اور متعدد مدلولات کی وجہ سے مختلف نام سے موسوم ہے۔ ان مسائل
پر اہل عقل یعنی متکلمین کی ایک جماعت عظیم متفق ہے اور اپنے مخالفین کو کافر سمجھتی ہے۔ اور انکی ایذا
رسانی کے درپے ہو۔ جو خون اللہ حرام ہے حلال جانتی ہے۔ اور جہمیہ کا یہ قول ہے کہ عالم کے لئے ایک
ذی صانع ہے جو بذاتہ قائم ہے۔ اور وہ نہ تو عالم کے اندر داخل اور نہ اس سے خارج ہے۔ اور
نہ عالم کے اوپر اور نہ اس کے نیچے ہے۔ اور نہ آگے۔ پیچھے۔ داہنے۔ بائیں۔ غرض کسی طرف بھی
موجود نہیں۔ اور نہ عالم سے مبائن اور نہ اس سے متحد۔ جہمیہ نے واجب الوجود کو ایسے صفات
کے ساتھ موصوف قرار دیا ہے جن کا وجود ممکن نہیں اور یہ بھی اپنے مخالفین کو کافر اور انکے قتل کرنے
کو حلال سمجھتے ہیں۔ اگر ہم ان تمام بدیہیات کا ذکر کریں جن کے یہ اہل عقل مخالف و منکر ہیں تو کتاب میں بہت
طول ہو جائیگا۔ نیز یہ نصاریٰ ہی کو دیکھو کہ تمام روئے زمین میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور سب سے
زیادہ بدیہیات اور ضروریات عقل کے منکر اور مخالف ہیں۔ فلاسفہ پر نظر ڈالو جو اپنے آپ کو معقولی
کہلاتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر بدیہیات و ضروریات عقل کا انکار کرتے ہیں۔ غرض کسی جماعت کے
کسی مسئلہ میں اختلاف کرنے سے ثابت نہیں ہوتا۔ کہ وہ مسئلہ بدیہیہ و ضروری نہ ہو ۔

وصل۔ قدری نے جواب دیا۔ اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ

اللّٰہِ وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ (اے بندے) تجھ کو کوئی فائدہ پہنچے تو سمجھ کہ اللہ کی
طرف سے ہے اور تجھ کو کوئی نقصان پہنچے تو (سمجھ کہ) تیرے نفس کی طرف سے ہے) اور جبریہ کا تو یہ عقیدہ
ہے کہ نیکی بدی سب کچھ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ بندے کی جانب سے کوئی چیز نہیں۔ جبری نے جواب دیا۔
کہ اس آیت میں حرف استفہام حذف کیا گیا ہے اصل عبارت اس طرح پر ہے اَفَمِنْ نَّفْسِکَ اور استفہام
انکار کے لئے ہے یعنی برائی کا پہنچنا (بھی) تمہاری طرف سے نہیں بلکہ وہ بھی من جانب اللہ ہی
ہے۔ اور بعض نے قرات نے فَمَنْ نَّفْسُکَ یعنی نفس بضم و فتحہ میم پڑھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تم کون ہو کہ
کسی چیز کے فاعل ہو سکو سب کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس آیت کے معنی میں ضرور تاویل کرنی
پڑے گی۔ ورنہ اس پہلی آیت کے مخالف اور معارض ہوگی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاِنْ تُصِبْهُمْ
حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ
كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (اے پیغمبر ان لوگوں) کو کچھ فائدہ پہنچ جاتا ہے تو کہنے لگتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف
سے ہے اور اگر ان کو کچھ نقصان پہنچ جاتا ہے تو کہنے لگتے ہیں کہ (اے پیغمبر) یہ تمہاری طرف سے ہے (سو اے
پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ (نفع ہو یا نقصان) سب اللہ کی طرف سے ہے) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان
فرما دیا ہے۔ کہ نیکی اور بدی سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بندے کا کسی چیز میں کوئی دخل نہیں
سنی بولا کہ تم دونوں نے آیت کا معنی سمجھنے میں بڑی غلطی کھائی ہے اور تمہاری غلطی کا منشا اور باعث یہ ہے
کہ آیت میں حسنات اور سیئات سے تم نے طاعات اور معاصی مراد لیے ہیں۔ کہ اختیاری افعال
ہیں اور وہ کسب ہیں۔ اور یہاں یہ معنی ارادہ کرنا صحیح نہیں۔ بلکہ حسنات اور سیئات سے یہاں نعمتیں اور مصائب
مراد ہیں۔ حسنات اور سیئات قرآن کریم میں کبھی طاعات اور معاصی پر بولا گیا ہے اور کبھی نعمتوں اور مصائب
پر اطلاق کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ
يَّفْرَحُوْا بِهَا (مسلمانو!) اگر تم کو کوئی فائدہ پہنچے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تم کو کوئی گزند پہنچے۔ تو اس سے
خوش ہوتے ہیں) و قولہ تعالیٰ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا
قَدْ اَخَذْنَا اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ (اے پیغمبر) اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچ جائے تو ان (منافقوں) کو برا لگتا ہے اور
اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو کہنے لگتے ہیں کہ (اپنے خیال سے) ہم نے پہلے ہی اپنا کام (ٹھیک ٹھاک) کر لیا تھا
و قولہ تعالیٰ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ (اور ہم نے انکو سکھ اور دکھ دونوں طرح سے آزمایا)
و قولہ تعالیٰ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ (اور اگر
لوگوں کو ان کے اپنے ہی کرتوت کے بدلے میں کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے (تو خدا کی شکایت کرنے

لگتے ہیں اور انسان نرا امتی [illegible] (ترجمہ) وقولہ تعالے فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا
هٰذِهٖ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ (تو جب ان کو کوئی فائدہ پہنچتا تو کہتے یہ ہمارا
حق ہے اور ہماری وجہ سے ہے اور اگر ان پر کوئی مصیبت آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست
سمجھتے) وقولہ تعالے مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ
نَّفْسِكَ (اے مخاطب) تجھ کو جو فائدہ پہنچے تو سمجھ کہ اللہ کی طرف سے ہے اور تجھ کو کوئی نقصان
پہنچے تو سمجھ کہ تیرے نفس کی طرف سے ہے) ان تمام آیات میں حسنات سے نعمتیں و برکتیں اور سیئات
سے [illegible] مراد ہیں۔ اور [illegible] قولہ تعالے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا
وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا (جو شخص نیک بات کے ساتھ) نیکی لیکر آئیگا۔ تو اس کو دس گنا
اس کو ثواب ملیگا اور جو بدی لیکر آئیگا تو بس اتنی ہی سزا کھینچیگا۔ وقولہ تعالے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ
السَّيِّاٰتِ (بیشک نیکیاں گناہوں کو دور کرتی ہیں) وقولہ تعالے فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ
حَسَنٰتٍ (تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دیگا) ان تینوں آیات میں حسنات
سے طاعات اور نیک اعمال اور سیئات سے معاصی اور برے کام مراد ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ
ان آیات میں جہاں حسنات سے نعمتیں اور سیئات سے مصائب مراد ہیں اللہ سبحانہ نے لفظ مَآ
اَصَابَكَ فرمایا ہے اور مَآ اَصَبْتَ یا مَا كَسَبْتَ (جس کام کو تو کرے) نہیں فرمایا اور جن کاموں کو بندہ
کرتا ہے ان میں اس قسم کے الفاظ یعنی مَا كَسَبْتَ وغیرہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ کقولہ تعالے فَمَنْ
يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ (تو جو شخص نیک کام کرے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو) و
قولہ تعالے مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (تو جو شخص برا کام کریگا اس کی سزا پائیگا) وقولہ تعالے وَمَنْ
يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا (اور جو شخص کہ خطا یا گناہ کا مرتکب ہو) اور حدیث شریف میں مذنب
تائب کے یہ الفاظ ہیں اَذْنَبْتُ ذَنْبًا (یعنی اے رسول خدا صلعم میں نے گناہ کیا ہے آپ مجھ پر حد
شرع قائم فرمائیں۔ اور ایسے موقع پر اَصَابَنِیْ ذَنْبٌ یا اَصَابَتْنِیْ سَيِّئَةٌ نہیں کہا جاتا بلکہ جو امر
انسان پر ارادہ و اختیار کے بغیر آتا ہے اس موقع پر اس قسم کے الفاظ بولے جاتے ہیں کقولہ تعالے
وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (اور (لوگو) تم پر جو مصیبت پڑتی ہے تو تمہارے
اپنے ہی کرتوت سے) وقولہ تعالے وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ
(اور اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچ جاتی تو کہنے لگتے ہیں کہ اسی خیال سے ہم نے پہلے ہی اپنا کام ٹھیک
ٹھاک کر لیا تھا) وقولہ تعالے اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا (کیا جب تم (مسلمانو)

پر (جیسا کہ) اُحد میں شکست کی مصیبت آپڑی حالانکہ تم اِ جنگ بدر میں اس سے دوگنی مصیبت اپنے دشمنوں پر
ڈال چکے ہو) وغیرہ آیات میں دونوں قسم کے الفاظ موجود ہیں جو مصیبت کہ ارادہ و اختیار کے بغیر انسان کو پہنچتی ہے اُسکی
نسبت تو مَا اَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ فرمایا اور جو کام انسان نے اپنے ارادہ و اختیار سے کیا ہو اُسکے متعلق اَصَبْتُمْ فرمایا یعنی جو تمنے اپنے ارادہ سے کیا۔ اور اللہ تعالیٰ
کے قول وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖ (اور ہم تمہارے حق میں
اِسی بات کے منتظر ہیں کہ خدا اپنے پاس سے کوئی عذاب نازل کرے) و قوله تعالیٰ وَلَا يَزَالُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ (اور جو لوگ کافر ہیں یعنی کفار مکہ ان کو ان کے کرتوت
کی سزا میں کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی ہی رہیگی) اور ان سب کو کھڑکھڑاتی رہیگی) وقوله تعالیٰ فَاَصَابَتْكُمْ
مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ (اور تم پر موت کی مصیبت آپڑے۔ تو) غرض مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ اور وَمَا اَصَابَكُمْ
مِّنْ مُّصِيْبَةٍ اس قسم کے الفاظ ایسے امور پر بولے جاتے ہیں جو ارادہ و اختیار کے بغیر انسان کو پیش آتے ہیں تمام سلف صالحین
ان آیات کے اس معنی و تفسیر پر متفق ہیں۔ ابو العالیہ نے کہا ہے کہ وَاِنْ تُصِبْكُمْ حَسَنَةٌ میں حسنہ سے
نعمت اور وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ میں سیئہ سے تکلیف مراد ہے۔ سدی کا قول ہے کہ حسنہ سے فراخ سالی
مراد ہے جس میں مواشی چوپائے فربہ رہتے اور موٹے تازے ہو کر باہم جفتی کرتے اور کثرت
سے بچے دیتے ہیں۔ اور آدمی خوشحال پائے جاتے ہیں۔ ایسے سال میں عورتیں اکثر لڑکے جنتی
ہیں۔ منافقین اُن نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے تھے اور وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ میں
سیئہ یعنی تکلیف ہے۔ اور اسکو حضرت محمد صلعم کی طرف منسوب کرتے اور آپکی نحوست کا ثمرہ بتلاتے۔ اور
کہتے تھے کہ ہم نے جو اپنا دین چھوڑ کر محمد کا دین اختیار کیا ہے۔ اسی شامت سے ہم پر یہ وبال پڑا ہے
اللہ تعالیٰ نے اُنکے اِس خیال باطل کے رد کرنے کے لئے فرمایا قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (اے
محمد کہدے کہ سب (نعمت اور تکلیف) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) والبی نے ابن عباس رض
سے روایت کیا ہے کہ مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ میں حسنہ سے فتح بدر اور غنیمت مراد
ہے۔ اور سیئہ سے وہ تکلیف مراد ہے۔ جو احد کے دن پیش آئی آپکا دانت مبارک شہید ہوا
اور آپکے چہرۂ انور پر کچھ زخم پہنچا۔ غرض حسنہ سے نعمت اور انعام اور سیئہ سے تکلیف اور امتحان مراد
ہے۔ اور ابو صالح کی تفسیر میں ابن عباس سے مروی ہے کہ اِنْ تَمْسَسْكَ حَسَنَةٌ میں حسنہ سے
فراخ سالی اور وَاِنْ تُصِبْكَ سَيِّئَةٌ میں سیئہ سے قحط سالی اور تکلیف مراد ہے۔ اسی آیت کی تفسیر
میں ابن قتیبہ کا یہ قول ہے کہ حسنہ سے نعمت اور سیئہ سے مصیبت مراد ہے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ
پیش کرے کہ ابو الفرج بن جوزی نے ابو العالیہ سے جو کہ ایک جلیل الشان تابعی ہیں نقل کیا ہے کہ اس

آیت میں حسنہ سے طاعت اور سیئہ سے معصیت مراد ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابوالفرج نے اس
نقل اور روایت کی کوئی سند ظاہر نہیں کی۔ اور جیسا ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں
ابو سنان کہتے تھے کہ حسنہ سے نعمت اور سیئہ سے مصیبت مراد ہے [illegible] یہی تفسیر ابن ابی حاتم نے [illegible] سے منقول ہے
نعمت اور کامیابی [illegible] یعنی نقص [illegible] اور ابن [illegible] جیسی [illegible] ایک یہی تفسیر نقل کی ہیں جو ابن ابی حاتم نے روایت
کئے ہیں اور ان سب قول کا نتیجہ [illegible] ابوالفرج کی [illegible] صحیح ہو تو قابل اعتبار نہیں بعض نے یہ کہا ہے کہ دونوں مراد ہو سکتی ہیں
یعنی اس اعتبار سے کہ حسن طاعات اور عبادات کو بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق ہوتی ہے
وہ اس کے حق میں نعمت خداوندی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ
اللّٰهِ پس اس میں دین اور دنیا کی سب نعمتیں داخل ہیں۔ اور جو گناہ اس سے سرزد ہوتے ہیں وہ اس
کے حق میں مصیبت ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔ گو اس کا سبب خود بندے کے
افعال بد ہوتے ہیں۔ اس مسئلہ کی تفہیم اس سے ہو سکتی ہے کہ جیسا کہ سمجھا گیا ہے کہ معصیت کی جزا
اور بدلہ اس سیئہ کو ٹھیرایا ہے جو بندے کی طرف سے واقع ہوتی ہے۔ تو وہ معصیت جو موجب
جزا ہے لامحالہ اولیٰ بندے کی جانب سے واقع ہوگی پس عمل بد اور جزائے بد دونوں کا باعث
خود بندہ ہے۔ اور اسی کی طرف [illegible] ان کا وقوع ہوتا ہے۔ اس میں کوئی خرابی اور منافات
نہیں اور اس معنے کے لحاظ سے کہ یہ سب کچھ من جانب اللہ مقدر ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے
ہے۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدل، حکمت، مصلحت اور حسن ہے۔ اور بندے کی طرف
سے سیئہ اور برائی ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ اس آیت کو اس طرح پڑھا کرتے تھے
وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ وَأَنَا قَدَّرْتُهَا عَلَيْكَ (اور تم کو جو مصیبت پیش آئے
تو سمجھ کہ تیرے نفس کی طرف سے ہے اور میں نے اس کو تجھ پر مقدر کیا ہے) اور اس قراءت سے محض
زیادت بیان اور توضیح مفہوم ہوتی ہے ورنہ یہ مضمون تو اس سے پہلے جملہ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ
سے بھی سمجھا جاتا ہے کہ تقاضائے سابق میں سب کچھ مقدر ہے۔ معاصی کا صدور کبھی اس طرح ہوتا
ہے کہ وہ کسی دوسرے گناہ کی سزا ہوتے ہیں۔ غرض معصیت من جانب اللہ دو قسم کی عقوبت ہوا کرتی
ہے۔ ایک تو معصیت کے ذریعہ سے جس کا باعث پہلے معاصی ہوتے ہیں۔ اور دوسرے تکلیف
اور عذاب سے چنانچہ متفق علیہ حدیث میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے الصدق (سچائی) اختیار کرو کیونکہ
سچائی نیکی کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کا راستہ بتلاتی ہے۔ اور جو آدمی ہمیشہ سچ بولتا
اور سچائی کا خیال رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت راست گو لکھا جاتا ہے۔ اور جھوٹ

سے پرہیز کرو۔ کہ جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے اور برائی جہنم میں ڈالتی ہے اور جو آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا اور اسی کوشش میں رہتا ہے تو اللہ کے نزدیک نہایت جھوٹا اور کذاب لکھا جاتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے قرآن کریم میں بہت سے مقامات میں فرمایا ہے۔ کہ دوسری نیکی کبھی پہلی نیکی کا بدلہ اور اسی طرح دوسرا گناہ کبھی پہلے گناہ کی سزا ہوتی ہے۔ پہلی صورت یعنی حسنہ ثانیہ کا حسنہ اولیٰ کا بدلہ ہونا مندرجہ ذیل آیات میں بیان فرمایا ہے وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا وَإِذًا لَّآتَيْنَاهُم مِّن لَّدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا۔ (اور جو کچھ ان کو سمجھایا جاتا ہے اگر اس کی تعمیل کرتے تو انکے حق میں بہتر ہوتا۔ اور اس کی وجہ سے (دین پر بھی) مضبوطی کے ساتھ قائم رہتے اور اس صورت میں ہم ان کو ضرور اپنی طرف سے بڑا (اچھا) بدلہ دیتے اور ان کو راہ راست پر (بھی) ضرور لگا دیتے) وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (اور جن لوگوں نے ہمارے دین (کے کام) میں کوششیں کیں ہم (بھی) ان کو اپنے رستے دکھا دینگے) يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (جو لوگ خدا کی رضا مندی کے طلبگار ہیں ان کو اللہ قرآن کے ذریعے سے سلامتی کے رستے دکھاتا ہے اور اپنے فضل (وکرم) سے ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لاتا اور ان کو راہ راست دکھاتا ہے) لیکن اللہ تعالےٰ کے قول وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ (اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے اُن کے عملوں کو خدا ہرگز رائگاں نہیں ہونے دیگا (بلکہ) اُنہیں (منزل) مقصود کو پہنچا دیگا اور ان کو خوش حال کر دیگا) میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ معنی یہاں مراد نہ ہوں بلکہ یہاں ہدایت سے یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالےٰ آخرت میں انکو جنت کی طرف راہ نمائی فرمائیگا یعنی وہ جنت میں داخل ہونگے۔ کیونکہ اس جزا کو انکے شہید فی سبیل اللہ ہونے پر مرتب فرمایا ہے جو اس بات کا قرینہ ہے کہ ہدایت فی الآخرت مراد ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ (پہلی آیات کی طرح) یہاں بھی یہی معنی مراد ہے اور جملہ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ میں انکے اس انعام کا بیان ہو جو اللہ تعالےٰ انکے شہید ہونے سے پہلے دنیا میں اُن پر فیضان فرمائیگا۔ اور اس کو الفاظ مستقبل کے ساتھ اسلئے تعبیر فرمایا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ انعام اُن پر ہمیشہ وقتاً فوقتاً یعنی ہدایت و اصلاح حال فیضان ہوتا رہیگا۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے۔ کہ اُن شہیدوں کے حال کا بیان جو شہید ہو چکے ہوں مستقبل کے الفاظ کے ساتھ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ یعنی

یہ خبر دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ان کو اپنی مرضیات کی ہدایت اور انکی اصلاح حال کرتا ہوگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ شہداء کے شہید ہونے کے بعد جو اُن کا حال بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکے اعمال کو ضائع نہیں فرمائیگا۔ بلکہ ان کا پورا پورا اجر اور بدلہ اُن کو عطا فرمائیگا۔ اور اسکے بعد یہ ایک بڑی بشارت ایسے لوگوں کو سنائی گئی ہے جن کی نسبت اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ میری راہ میں شہید ہونگے اور اُنہوں نے ہر طرح سے اسکے دین میں کوشش اور سعی دکھلائی۔ پس ایسے لوگوں کے لئے دو بدلے اور دو بڑے انعام ہیں۔ ایک تو دنیا میں ہدایت جیسی نعمت ملی دوسرے آخرت میں جنت کے مالک ہوئے۔ قرآن کریم کے مضامین پر نظر ڈالنے والے کو ضرور ہے کہ ہر ایک جملہ کو اسکے موقع پر محمول کرے مطلب واضح و صاف ہے اور اس قسم کی آیات قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں۔ اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ (اسی طرح (ہم نے یوسف کو ثابت قدم رکھا) تاکہ ہم بدکاری اور بے حیائی کے کام ان سے دور رکھیں) وقال تعالیٰ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (اور جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچے ہم نے انکو دانائی عطا فرمائی اور نیز فضیلت علم اور ہم نیکوکاروں کو اسی طرح (انکی نیکی کا) بدلہ دیا کرتے ہیں) وقال تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (مسلمانو اللہ سے ڈرتے رہو اور بات (بھی) کہو تو راستی کی اور سیدھی (کہو) (ایسا کروگے) تو (خدا) تم کو اعمال صالحہ کی توفیق دیگا اور تمہارے گناہ (بھی) بخشدیگا) وقال تعالیٰ وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا (اور اگر رسول کے کہے پر چلو گے تو راہ سیدھا لگوگے) وقال تعالیٰ ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَی الَّذِیْۤ اَحْسَنَ (پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب (توراۃ) عطا فرمائی جس سے نیکوکاروں پر ہماری نعمت پوری ہوئی)۔ ان تمام آیات میں بھی یہ بیان فرمایا ہے کہ پہلے اعمال صالحہ کے بدلے حسنات اور نیک کاموں کی توفیق ہوتی ہے۔ رہا یہ امر کہ معاصی اور گناہوں کے عوض یہ سزا ملتی ہے کہ انسان پہلے سے زیادہ معاصی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور وہ پہلے گناہوں کی سزا ہوتی ہے۔ اس کا بیان ان آیات میں ہے فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (تو جب یہ لوگ ٹیڑھی چال چلے تو خدا نے ان کی سمجھ بھی ٹیڑھی کردی) وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ (اور ان لوگوں جیسے نہ ہوں جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے انکی ایسی مت ماری کہ اپنے آپ کو بھی بھول گئے) وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ (یہ لوگ جیسے پہلی دفعہ قرآن پر ایمان نہیں لائے تھے نئے معجزے آنے پر بھی ایمان نہیں لائینگے اور ہم ان کے دلوں اور انکی آنکھوں کو الٹ دینگے اور

ہو انکی سرکشی (کی حالت) میں ہی بنے رہینگے کہ وہ پڑھے بیشک کریں اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ
اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا (جس دن احتمام احد میں مسلمانوں اور کافروں کی (دو
جماعتیں آپس میں) بر سر پیکار ہوئیں (اس دن) تم میں سے جو لوگ بھاگ نکلے تھے تو (ان کا بھاگنا
گھر (ان کا) اپنی وجہ سے نہ تھا بلکہ) ... یہ وجہ ہوئی کہ انکے بعض گناہوں (مثلاً حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کی خلاف ورزی) کی وجہ سے شیطان نے ان کے پاؤں ڈگمگا دیے) وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ
لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِکُفْرِهِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ (اور کہتے ہیں ہمارے دل محفوظ ہیں (نہیں) بلکہ
ان کے کفر کی وجہ سے خدا نے ان کو پھٹکار دیا ہے پس شاذ و نادر ہی ایمان لاتے ہیں) وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ
اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ
وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ (اور (خاص کر) حنین (کی لڑائی) کے دن جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو مغرور کر دیا تھا
(کہ ہم بہت ہیں) تو وہ (کثرت) تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور (اتنی بڑی) زمین باوجود وسعت کے تم پر تنگی کرنے
(لگی) پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے) انکے علاوہ اس قسم کی آیتیں قرآن کریم میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ اس بنا پر
سیئات کے دو قسم ہیں یعنی مصائب و تکالیف، اور فجور و معاصی کا صدور انسان کی طرف سے ہے اور اُسی
بُرے نفس کا اثر دونوں کا موجب و باعث ہے۔ گو وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے واقع ہوتے ہیں۔ حضرت
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اس پر دال ہیں (وہ یہ ہیں) نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ
اَعْمَالِنَا یعنی اپنے نفسوں کے شر اور اپنے اعمال کی برائیوں سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں) نفس کا شر
دو قسم پر ہے۔ ایک صفت، دوسرا عمل۔ اور عمل صفت سے پیدا ہوتا ہے اور صفت عمل کے ذریعے سے مضبوط
اور قوی ہوتی ہے۔ غرض ہر ایک دوسرے کا مدد و معاون ہے۔ سیئات اعمال بھی دو قسم ہیں جنکی تفسیر
خود حدیث میں آتی ہے۔ ایک ... وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا میں لفظ سیئات کی اضافت
اضافت نوع الی الجنس ہے۔ ... اضافت ... بمعنی مِن کہتے ہیں ... تقدیر اس طرح
ہوگی: اس سیئات من اعمالنا۔ دوم اعمال کے ... نتائج ... جن سے عامل کو رنج و غم پیدا ہو یعنی وہ
عذاب و تکالیف جو اعمال بد پر انسان کو پہنچتے ہیں۔ اس صورت میں سیئات اعمالنا میں اضافت سبب الی
سبب اور مسبب ... ہیں۔ اور بعض لوگ پہلے معنی کو اس وجہ سے ترجیح دیتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم نے صفت اور اس عمل سے جو صفت سے پیدا ہوتا ہے دونوں سے استعاذہ اور پناہ طلب کی
ہے۔ اور ان میں انجام بد جو اعمال بد پر مترتب ہوتا ہے داخل اور شامل ہے۔ غرض اس استعاذہ میں تین
چیزوں سے استعاذہ اور طلب پناہ مقصود ہے۔ عذاب، سبب عذاب یعنی عمل، سبب عمل یعنی صفت نفس کی

سے استعاذہ مطلوب ہے۔ اور بعض لوگ دوسرے معنی کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ شر نفس جیسے کہ
پہلے بیان ہو چکا ہے دونوں قسم کو شامل ہے۔ پس سیئات اعمال سے مراد جزائے اعمال ہو گی جو اعمال بد پر
مترتب ہوتی ہے۔ اور حدیث میں بوجہ اضافت سیئات الی الاعمال اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ یہ
جزا ان اعمال ردیہ پر مترتب ہوتی ہے جو انسان سے اختیار سے صادر ہوتے ہیں نہ ان صفات پر جو کہ
کے ارادہ و اختیار سے باہر ہیں۔ لیکن چونکہ وہ صفات بد باعث خود شر ہیں لہذا ان سے بھی آنحضرت صلعم
نے پناہ طلب کی اور ان کو شر نفس میں شامل کیا۔ صدیق اکبر رضہ نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض
کیا کہ آپ مجھے ایسی دعا بتلا دیں جو میں نماز کے اندر مانگا کروں آپ نے فرمایا کہ یہ کلمات کہا کرو اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَّمَلِيْكَهٗ اَشْهَدُ اَنْ
لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَشَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ وَاَنْ اَقْتَرِفَ
عَلٰى نَفْسِيْ سُوْٓءًا اَوْ اَجُرَّهٗ اِلٰى مُسْلِمٍ صبح شام اور سوتے وقت یہ کلمات پڑھا کرو۔ چونکہ شر کے
لئے ایک منبع اور مصدر ہے جہاں سے وہ پیدا ہوتا ہے اور ایک غایت ہے جس کی طرف اس کا انتہا
ہوتا ہے۔ منبع یا تو خود نفس انسان ہے یا شیطان ہے اور غایت اس کی یا تو خود اپنی جان پر وبال پڑتا ہے
یا کسی مسلمان بھائی کو ضرر پہنچتا ہے لہذا نہایت مختصر مگر واضح الفاظ کے ساتھ ان چاروں مراتب سے آپ نے
استعاذہ کی تعلیم فرمائی ۔

فصل سُنی نے قدری سے کہا کہ آیت مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ الآیہ سے تم اپنے مذہب پر چند وجوہ
سے استدلال نہیں کر سکتے۔ اول یہ آیت تمہاری دلیل نہیں ہو سکتی۔ کہ تم تو اس بات کے قائل ہو کہ
بندے کا فعل خواہ نیکی ہو یا بدی سب کچھ بندے کی جانب سے ہے۔ اللہ سبحانہ کی جانب سے کوئی چیز نہیں
بلکہ اللہ سبحانہ نے ہر ایک آدمی کو قدرت دے دی ہے جس سے وہ نیکی اور بدی دونوں کماتا ہے۔ پس کوئی نیکی
کا ارادہ کرتا اور اس میں مشغول رہتا اور کوئی بدی کے خیالات پیدا کرتا اور اس میں مصروف ہوتا ہے۔ اور
نیک ارادہ ہو یا برا ارادہ دونوں اپنے اختیار سے پیدا کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ کو اس کے ارادہ میں کوئی
تصرف نہیں اور اس آیت میں تو نیکی اور بدی کے درمیان فرق بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ تم ان دونوں یعنی
نیکی و بدی میں کچھ فرق ثابت نہیں کرتے۔ تمہارا تو یہ عقیدہ ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کی مشیت نیکی یا بری کسی چیز
سے متعلق نہیں ہوتی ۔

قدری نے جواب دیا۔ کہ نیکی اور بدی دونوں کا فاعل تو بندہ ہی ہے۔ مگر آیت میں بدی کو بندے کی
طرف اسلئے منسوب کیا ہے کہ وہ اس کا فاعل و موجد ہے۔ اور نیکی کو اللہ سبحانہ نے اپنی جانب اس واسطے

نسبت کیا ہے کہ اُس نے نیکی کا حکم دیا اور اس کو مشروع فرمایا ہے ۔

سُنی نے جواب دیا کہ اللہ سبحانہ نے اُس برائی کو جو انسان کو پہنچی ہے اُس کی ذات کیطرف کیا اور جو نیکی اُسے پیش آتی ہے اُس کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے ۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ انسان کو وہی چیز پیش آتی ہے جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہو اور امر بندے کی ذات کے ساتھ قائم نہیں ۔ بلکہ اس کے ساتھ مامور بہ قائم ہوتا ہے اور وہی مامور بہ اُس کو پیش آتا ہے پس وہ چیز جو انسان کو پیش آتی جو نکہ وہ اسکو ساتھ قائم ہوتی ہے لہذا تمہارے نزدیک اللہ سبحانہ کیطرف اسکو منسوب کرنا درست نہیں ۔ جو چیز اللہ سبحانہ کی طرف منسوب ہے وہ بندے کی ذات کے ساتھ قائم نہیں ۔ پس اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ نیکی یا بدی جو کچھ انسان کو پیش آتا ہے وہ اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے پس اگر اس سے افعال اختیار یہ یعنی طاعات و معاصی مراد ہوں تو وہ دونوں یکساں اُس کی طرف مضاف و منسوب ہو سکتے ہیں ۔ اور ان میں فرق کرنا درست نہیں ۔ گو ان میں اتنا فرق ہو سکتا ہے کہ طاعات مامور بہ اور معاصی منہی عنہ ہیں مگر اس فرق سے نسبت اور اضافت میں فرق نہیں ہو سکتا ۔ اِسکے علاوہ جس طرح کہ اوامر اللہ تعالےٰ کی جانب ہیں ۔ اسی طرح نواہی بھی اُسی کی جانب سے ہیں پس اگر منجانب اللہ ہونے کی وجہ سے اضافت درست ہو سکتی ہے تو اس میں بھی دونوں یکساں ہیں کیونکہ اوامر سے ایجاد افعال مطلوب ہے اور نواہی سے اعدام افعال مقصود ہے پس دونوں کی اضافت اللہ تعالےٰ کی جانب صحیح ہونی چاہئے ۔

قدری نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک یہ جائز ہے کہ طاعات اور معاصی کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی مشیت و ارادہ اس طور پر متعلق ہوں کہ انکو بندے کے اعمال کی جزا و سزا کی صورت میں پیدا کرے ۔ اور یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ بندے کی طرف سے تو کوئی اُن کا موجب اور باعث نہ ہوا اور بغیر دخل اُس کے محض ابتداءً اُن کو پیدا کر دے اور جزا و سزا کے طور پر اسلئے پیدا کر سکتا ہے ۔ کہ اللہ سبحانہ کو اختیار ہے کہ جس چیز کے ساتھ چاہے بندے کو معذب کرے یا جو چیز چاہے انعام فرمائے ۔ جس طرح عذاب و ثواب کے ساتھ سزا و جزا دے سکتا ہے اسی طرح طاعات و معاصی کے ساتھ بھی جزا و سزا کر سکتا ہے ۔ اور یہ اُس کا عین عدل ہے لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ بندے کیطرف سے تو کوئی موجب اور باعث نہ ہو اور ابتداءً اللہ تعالےٰ انمیں کفر یا معصیت کو پیدا کر دے یہ عدل و انصاف کے خلاف ہے ۔

سنی نے جواب دیا کہ اتنی بات تو تمہاری بیشک صحیح ہے کہ اللہ سبحانہ جزا و سزا کے طور پر بندے میں طاعات و معاصی پیدا کر دیتا ہے اور نیز یہ بات عقل اور شرع دونو کے موافق ہے ۔ لیکن ہم یہ پوچھتے ہیں کہ پہلے اعمال جن کے یہ طاعات و معاصی جزا و سزا قرار دیتے ہو کس نے پیدا کیا ہیں ۔ تمہارے نزدیک تو وہ اللہ تعالےٰ کی قدرت سے باہر اور اُسکی مشیت سے خارج ہیں ۔ جس سے یہ لازم آتا ہے کہ باری تعالےٰ

کے ملک میں ایسی چیزیں بھی موجود ہیں۔ جو اس کی قدرت سے باہر اور اُس کی مشیت سے خارج ہیں اور نیز تمہارا بیان خود تمہارے اصول کے خلاف ہے کیونکہ تمہارا اصول یہ ہے کہ بندے کے افعال اختیاریہ اُسکی قدرت مشیت اور اختیار سے واقع ہوتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہٗ کی قدرت و مشیت سے خارج ہوتے ہیں ابتدائی افعال ہوں یا افعال ایسے جو جزا و سزا کے طور پر واقع ہوں دونوں میں کوئی فرق نہیں ٭

قدریہ نے جواب دیا کہ قرآن مجید نے ان دو قسم کے درمیان فرق بتلایا اور کفر و فسق ثانی کو پہلے کی سزا ٹھیرایا ہے۔ پس تم دونو قسم کے درمیان فرق کا انکار کیسے کر سکتے ہو۔ بلا شبہ قرآن نے کفر و فسق ثانی کو پہلے کی سزا ٹھیرایا ہے۔ تو یقیناً معلوم ہوا کہ پہلا کفر و فسق ضرور بندے کا فعل ہے ورنہ دوسرے کو پہلے کی سزا ٹھیرانا صحیح نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ قرآن مجید میں صراحتہً وارد ہے کہ کفر ثانی پہلے کفر و فسق کی سزا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً (پس اُن ہی لوگوں کے اپنے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے اُن کو پھٹکار دیا اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا) ٭

اللہ سبحانہٗ نے نقض میثاق کو تو کفار کی طرف منسوب کیا ہے اور تقسیہ قلوب (دلوں کے سخت کر دینے) کو اپنی طرف نسبت فرمایا ہے سو ان کا فعل موجب اور باعث ہے اور اللہ سبحانہٗ کا فعل اس کی سزا ہے۔ اور مقام میں فرمایا ہے وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (یہ لوگ جیسے پہلی دفعہ قرآن پر ایمان نہیں لائے معجزے آئے پر بھی ایمان نہ لائینگے۔ اور ہم ان کے دلوں اور انکی آنکھوں کو اُلٹ دینگے۔ اور ہم انکو انکی سرکشی (کی حالت) میں رہنے دینگے کہ پڑے بھٹکا کریں) یہاں بھی عدم ایمان کو کفار کی طرف نسبت کیا ہے۔ کہ پہلے وہ ایمان نہ لائے جو اس کا باعث ہوا۔ کہ ہم نے سزا کے طور پر اُنکے دلوں کو قبول حق سے پھیر دیا۔ اور ان کو گمراہی میں بہنے دیا۔ اور آیت فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (تو جب یہ لوگ ٹیڑھی چال چلے تو خدا نے انکی سمجھ بھی ٹیڑھی کر دی) بھی اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے۔ ان آیات کے علاوہ اور بہت سی آیات سے یہی مطلب ثابت ہوتا ہے ٭

سنی نے جواب دیا۔ کہ ہم بیشک تسلیم کرتے ہیں کہ کفر ثانی پہلے کی سزا ہے۔ لیکن ان آیات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا پہلا کفر و فسق اللہ تعالےٰ کی قدرت سے خارج اور اسکی مشیت سے باہر ہے بلکہ اگر اللہ سبحانہٗ چاہتا تو بندے اور کفر کے درمیان حائل ہو جاتا۔ اور اسکو قبول حق کی توفیق عطا فرما دیتا۔ ہمارے اور تمہارے درمیان اسی بات کا اختلاف ہے اور یہی بات جس کے تم قائل ہو انکار تقدیر ہے۔ چنانچہ اسباب کے وجود اور ان پر مسببات کے مترتب و موجود ہونے کا جبریہ انکار کرتے ہیں

اور ان سے بھی صرف اپنی بنا میں اختلاف ہے کہ وہ منکر اسباب ہیں۔ تم دونو فریق بوجہ صواب پر ہو۔ مگر بوجہ غلطی پر اگر اس غلطی سے تم بچ جاؤ۔ تو سب کے سب آپس میں موافق اور حق پر قائم ہو جائیں اور توفیق خیر اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے ❊

قدری نے کہا کہ اہل سنت فعل اول کی نسبت جبکہ وہ کسی فعل سابق کی سزا نہیں کیا کہینگے۔ وہ تو اللہ سبحانہ کو حکیم اور نفی ظلم (یعنی درحقیقت ظلم ہونے) ظلم جس سے جبر یہ مفر یہ کے قائل ہیں کیونکہ وہ تو جمع نقائص سے منزہ قرار دیتے ہیں یعنی جب بندے کی طرف سے کوئی موجب و باعث صادر نہیں ہوا۔ اور اللہ تعالےٰ ظلم سے منزہ اور حکیم ہے۔ تو ابتداءً بندے میں کفر و فسق کیوں پیدا کیا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ اہل سنت اس کو بیان کریں ❊

سنی نے جواب دیا۔ کہ اس مقام پر اس کا بیان کرنا میرے ذمہ ضروری نہیں اور نہ اصول مناظرہ کے لحاظ سے میرا یہ منصب ہے میرا منصب صرف یہ ہے کہ تم نے جو اپنے باطل مذہب پر آیت سے استدلال کیا ہے اس کا جواب بیان کروں۔ سو وہ جواب میں نے کافی و شافی بیان کر دیا ہے۔ خیر مختصر طور پر اس کا جواب بھی بیان کئے دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ بندے کے ابتداءً کافر ہونے میں حکیم مطلق کی وہ حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جن کو اہل عقل کی عقلیں نہیں پا سکتیں۔ اور اہل فہم کی سمجھ وہاں تک پہنچنے سے قاصر ہے مجملاً اتنا کہنا کافی ہے۔ کہ جو شخص اُسکے فضل۔ توفیق و انعام کے قابل اور مناسب ہوتا ہے۔ اُس پر ابر رحمت و فیض برسا دیتے ہیں۔ اور جس شخص کا وہ اس کے قابل نہیں ہوتا وہ ہدایت اور توفیق خیر سے محروم رہتا اور وہ اپنی طبیعت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ (اور اگر اللہ ان میں کچھ بھی بہتری پاتا تو ان کو سننے کی قابلیت بھی ضرور عطا فرماتا لیکن (یہ ایسے کج سرشت ہیں کہ) اگر خدا ان کو سننے کی قابلیت بھی دیتا تاہم بڑی ہوتی بات ہے کہ یہ لوگ منہ پھیر پھیر کر اُلٹے بھاگتے) ❊

قدری بولا کہ جب اللہ سبحانہ نے آغاز میں کفر و فسق کا ارادہ پیدا کر دیا۔ جو انکے کفر و فسق کا موجب ہے تو گویا اللہ تعالیٰ نے جس طرح مومنین و اہل ہدایت میں ہدایت و ایمان کو پیدا کیا۔ اسی طرح کفار و فجار میں کفر و فسق کو پیدا کر دیا ❊

سُنی نے جواب دیا کہ یہی مسئلہ تو معرکۃ الآرا اور دُنیا کے مختلف فرقوں میں متنازعہ فیہ ہے اللہ سبحانہ فر بندے کو ارادہ و مشیت و قدرت عطا فرماتے ہیں جن سے اُس کو کفر و ایمان دونو کے لئے صالح بنا دیا ہے اور یہ امور سب میں یکساں مشترک پیدا کرتے ہیں۔ اسکے بعد جو لوگ اُس کے فضل کے صالح ہوتے۔ اُن کے ایسے

اسباب مہیا کردئے۔ جو اُن کے لئے قبول ایمان و ہدایت کا موجب ہوئے۔ اور جو لوگ اُس کے علم میں اس نعمت عظمےٰ کے قابل و لائق نہ تھے۔ انکی اعانت و امداد کو چھوڑ دیا۔ پس ایسے لوگ اپنے اختیار اور مرضی سے کفر، گمراہی اور جُرم کے کاموں کی طرف جُھک پڑے۔ ان باتوں پر اللہ تعالےٰ نے انکو مجبور نہیں کیا۔

قدری بولا کہ ایسے لوگ ایمان و ہدایت کا ارادہ کرنے پر جبکہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے انکی اعانت و امداد نہیں ہوتی قادر ہوتے ہیں یا نہیں ؟

سُنی نے جواب دیا کہ بیشک وہ ایمان کے ارادہ کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ ارادہ کرتے تو ضرور مشرف بہ ایمان ہوتے لیکن ایمان کا وقوع اللہ تعالےٰ کی مشیت و ارادہ پر موقوف ہے جو چیز اُس کی مشیت میں ہوتی ہے اُس کا وقوع ضروری ہے۔ اور جس چیز سے اُس کی مشیت متعلق نہ ہو اُس کا وقوع محال ہے ؟

قدری بولا کہ پس اب تو تم نے مان لیا کہ اگر کسی چیز کا صدور اللہ تعالےٰ کی مشیت میں نہ ہو تو اس کا صدور ناممکن او محال ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ چیز بندے کی قدرت سے خارج ہے۔ اور اُس پر یہ لازم آئیگا۔ کہ بندے کو ایسے کام پر عذاب دیا جائیگا جس کا کرنا اُس کی قدرت سے باہر تھا ؟

سُنی نے جواب دیا۔ کہ کسی فعل کے صدور سے اللہ سُبحانہٗ کی مشیت کے متعلق نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فعل بندے کی قدرت سے خارج ہو اللہ سبحانہٗ کی مشیت کے نہ متعلق ہونیکا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی طرف سے اُس کام میں بندے کی اعانت نہیں فرماتا۔ مگر باوجود اس کے اس کام پر بندے کو قدرت دے رکھی ہے اور اُس کے قدرت عطا فرمانے سے یہ ضروری نہیں۔ کہ اس کام کا وقوع بھی ہو جائے۔ وقوع اُس وقت ہوتا ہے جب اُس کی طرف سے قدرت کے علاوہ دوسری اعانت و امداد ہوتی ہے۔ تو اب اعانت کے ترک کرنے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ فعل بندے کی قدرت سے خارج ہو۔ بندہ بہت سے کام کرسکتا ہے۔ لیکن کبھی تو سُستی اور کاہلی کی وجہ سے انکو نہیں کرتا اور کبھی انکی ضد کو اختیار کرکے اُن کو چھوڑ دیتا ہے پس اللہ سبحانہٗ یہ نہیں کرتا کہ بندے نے جو کام ارادۃً چھوڑا ہے جبراً وہی کام اُس سے صادر کرائے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بندہ اُس کام سے عاجز ہے۔ اللہ سُبحانہٗ کو معلوم ہے کہ میں نے بندے کو اُس کام پر قدرت دے رکھی ہے اور اُس کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ بندہ باوجود قادر ہونے کے اُس کام کا ارادہ نہیں کرتا۔ اور جب ان سب باتوں کا اللہ سبحانہٗ کو علم ہے۔ تو اب بندہ جو اُس کام کا خلاف کرتا ہے تو وہ بھی اللہ سُبحانہٗ کے ارادہ سے باہر نہیں۔ غرض کفر، فسق وغیرہ۔ ایسے امور کا صدور بندے سے

ہوتا ہے اور اللہ سبحانہٗ کی طرف سے یہ ہوتا ہے کہ ایمان و ہدایت کے لئے امداد و اعانت نہیں فرماتا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایمان و ہدایت بندے کی قدرت سے خارج ہو جائیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ارادہ و مشیت اس سے متعلق نہیں ہوتے۔

اس مسئلے کا راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ایک تو افعال عباد سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کے علاوہ باری تعالیٰ کے اپنے افعال کے ساتھ بھی اسکے ارادہ کو تعلق ہے جس کا وقوع افعال عباد کے خلق کے بعد ہوتا ہے۔ پس جو شخص اس راز کو نہیں سمجھتا اس پر یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا۔

جبری بولا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ کو اس بات کا علم ہے کہ بندہ فلاں کام نہیں کریگا یا اس کا علم نہیں۔ اگر یہ کہو کہ اللہ تعالےٰ کو اس کام کا علم نہیں تو یہ بالکل غلط اور ناجائز ہے اور اگر یہ کہتے ہو کہ اللہ سبحانہٗ کو اس بات کا علم ہے کہ بندہ یہ کام نہیں کریگا۔ تو وقوعاً محال ہے ورنہ باری تعالیٰ کا علم قدیم غلط ثابت ہوتا ہے۔

سُنی نے جواب دیا کہ تمہارا یہ بیان چند وجوہ سے غلط ہے۔ اوّل یہ کہ یہی دلیل بعینہٖ اُن افعال میں جاری ہو سکتی ہے جو کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت کے تحت میں داخل ہیں اور ان کی نسبت باری تعالےٰ کو یہ علم ہے کہ وہ ان افعال کو صادر نہیں کریگا پس جو کچھ تم اس کا جواب بیان کروگے وہی جواب ہم اس کا بیان کر دینگے۔ دوم یہ کہ اللہ سبحانہٗ کا علم ایسا محیط ہے کہ وہ جملہ امور اور تمام اشیا کے ہر پہلو کو حاوی ہے۔ پس اللہ سبحانہٗ کو یہ علم ہے کہ فلاں بندہ فلاں کام نہیں کریگا۔ مگر ساتھ ہی اُس کو یہ بھی علم ہے کہ وہ اس کام کے کرنے پر قادر ہوگا۔ مگر باوجود قادر ہونے کے چونکہ وہ اس کام کا ارادہ نہیں کریگا۔ لہٰذا وہ کام اُس سے ظہور میں نہ آئیگا۔ سوم یہ کہ اللہ سبحانہٗ کا علم اشیا کے وقوع یا عدم وقوع کا کاشف ہے نہ کہ موجب علم تو صرف حقائق معلومات کا کاشف ہوتا ہے۔ اُنکے وجود یا عدم کی موجب تو اسکی مشیت ہے۔ ہم دوبارہ اس آیت کے تعلق کچھ بیان کرتے ہیں جس سے قدری نے اپنے مذہب باطل پر استدلال کیا ہے ہم کہتے ہیں کہ مَآ اَصَابَكَ الایۃ سے مذہب قدریہ پر استدلال کرنا تین وجہ سے باطل ہے۔ اول یہ کہ اللہ تعالےٰ نے مَآ اَصَابَكَ فرمایا ہے مَآ اَصَبْتَ نہیں فرمایا۔ دوم یہ کہ حسنہ سے نعمت اور سیئہ سے معصیت مراد ہے۔ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی تو فرمایا ہے قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (اے پیغمبر تم ان سے کہدو کہ نفع و نقصان سب اللہ کی طرف سے ہے) خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیئات کا فاعل انسان ہے اور وہ ان کے کرنے پر مستحق عذاب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو حسنات ہے جزاء اعمال حسنہ ہوں جو توفیق ایزدی کے ساتھ پہلے سے مقدر ہو چکے ہیں وہ بالتحقیق وہ جزا اعمال حسنہ کی

جزا ملتی ہیں۔ اور سیئات جو اس سے سرزد ہوتے ہیں خواہ وہ ابتداءً واقع ہوں یا کہ سزا کے طور پر پیدا ہوں اللہ سبحانہ کے عدل کا مقتضے ہیں۔ اور اگر اعمال صالحہ بھی یعنی بندے کی طرف سے واقع ہوتے جیسے کہ سیئات اس کی جانب سے صادر ہوتے ہیں۔ تو دونوں قسم یعنی حسنات اور سیئات یکساں اُسی کی طرف منسوب ہوتے حالانکہ آیت میں دونوں قسم میں فرق بیان کیا گیا ہے۔ اور صحیح حدیث قدسی میں آیا ہے کہ جو کچھ تمہیں پیش آتا ہے۔ وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ ہم تمہارے اعمال کو لکھوا دیتے ہیں پھر انہی کے مطابق بدلہ و جزا دیتے ہیں۔ سو جس کو بہتری پہنچ جائے وہ اللہ تعالےٰ کا شکر بجالائے۔ اور جس کو کوئی مکروہ امر پیش آئے وہ فقط اپنے آپ کو ملامت کرے (اللہ تعالےٰ کی طرف سے کسی پر کوئی ظلم نہیں) ؎

فصل۔ جبری نے کہا کہ آیت کا پہلا جملہ یعنی كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (سب کچھ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے) تو محکم ہے اور آیت کا آخر یعنی مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (اے بندے) تجھ کو کوئی فائدہ پہنچے تو سمجھ کہ اللہ کی طرف سے ہے اور تجھ کو کوئی نقصان پہنچے تو سمجھ کہ تیرے نفس کی طرف سے ہے) متشابہ ہے۔ اور قدری نے کہا یوں نہیں بلکہ آیت کا آخر محکم اور اس کا اول متشابہ ہے۔ سُنّی نے کہا تم دونوں غلطی پر ہو حق بات یہ ہے۔ کہ آیت کا اول اور آخر سب محکم اور واضح المعنی ہے۔ تم دونوں نے قرآن کریم کا مطلب نہیں سمجھا اور اس میں تدبر اور غور نہیں کیا۔ آیت کے اول و آخر میں کسی قسم کا لفظی یا معنوی کوئی تناقض یا اختلاف نہیں۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ سبحانہ نے اُن منافقین کا ذکر فرمایا ہے جو جہاد سے جی چراتے تھے۔ اور اگر وضعداری کے خیال سے کبھی شامل ہو گئے۔ اور اللہ کے فضل سے مسلمانوں کو فتح و غنیمت حاصل ہوئی۔ جس میں سے انکو بھی حصہ ملا۔ تو کہتے کہ یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے اور اگر تکلیف پیش آتی تو رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو نشانہ ملامت بناتے اور کہتے کہ یہ مصیبت تمہاری شامت سے پیش آئی۔ کہ ہم نے اپنے اباو اجداد کے دین کو چھوڑ کر تیرا دین اختیار کیا۔ اور تم نے ہمیں جہاد کے لئے حکم کیا۔ جس پر یہ تکالیف و مصائب پیش آئے۔ غرض سیئات سے یہاں وہ مصائب مراد ہیں جو انکو پیش آتے۔ اور نیز وہ اعمال مراد ہیں جن کو وہ تکالیف کا باعث خیال کرتے تھے اور جس سیئہ کو وہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اس میں وہ تمام مصائب جو کبھی جہاد میں جانے سے پیش آجاتے مثلاً شکست۔ ہزیمت۔ بعض لوگوں کا زخمی ہونا بعض کا مقتول ہو جانا وغیرہ شامل کرتے تھے۔ اور نیز دوسرے مصائب مثلاً تنگی رزق۔ قحط سالی وغیرہ کو بھی بدفالی کے طور پر آپ کی طرف نسبت کرتے۔ اور کہتے تھے کہ تمہارا دین اختیار کرنے کے سبب سے یہ سب مصیبتیں ہمیں پیش آئیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے قوم فرعون کا ذکر فرمایا ہے کہ اُن کا بھی یہی شیوہ تھا فَاِذَا جَآءَتْهُمُ

الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗ (تو جب اُن کو کوئی فائدہ پہنچتا۔ تو کہتے یہ ہمارا حق ہے (اور ہماری وجہ سے ہے) اور اگر اُن پر کوئی مصیبت آتی تو موسےٰ اور اُن کے ساتھیوں کی نحوست سمجھتے) یعنی جب اُنکو وہ نعمتیں پہنچتیں جو ارزانی رزق سے خوش ہوتے۔ تو کہتے کہ ہم اسکے مستحق و سزاوار تھے۔ اور اگر تکلیف پیش آتی۔ تو کہتے کہ یہ موسےٰ کا دین اختیار کرنے کی شامت ہے۔ اور انطاکیہ کے لوگوں نے عیسےٰؑ کے حواریوں سے بھی کہا تھا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ (ہم نے تو تم کو (تمہاری) منحوس پایا) اور صالح علیہ السلام کی قوم نے بھی اُن سے یہی کہا اَطَّيَّرْنَا بِكَ وَ بِمَنْ مَّعَكَ (ہم نے تو تجھکو اور اُن لوگوں کو جو تیرے ساتھ ہیں بڑا ہی منحوس پایا) غرض اکثر لوگوں کا یہی اصول تھا کہ جو مصائب جہاد کے سبب یا اُس کے علاوہ دوسرے مصائب قلت رزق۔ قحط سالی۔ وغیرہ ان کو پیش آتے۔ تو انکو رسول کی طرف نسبت کرتے اور کہتے کہ اپنے آباواجداد کا دین چھوڑنے اور تمہارا دین اختیار کرنے سے یہ مصائب ہمیں پیش آئے۔ اب بھی اسلام کے لباس میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ کہ جب انکو کوئی تکلیف پیش آتی ہے تو بیساختہ کہتے ہیں کہ اصول اسلام کی پابندی کی وجہ سے یہ خرابی پیش آ رہی ہے۔ اس قسم کے لوگ دنیا میں بہت ہیں ایسے لوگ درگاہ الٰہی میں نہایت ذلیل و حقیر ہونگے مگر یاد رہے کہ یہ لوگ رسول سے یہ نہیں کہتے کہ تم نے ان مصائب کو پیدا کیا ہو جب یہ بات معلوم ہو چکی تو آب آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے اللہ تعالے کا قول مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ اللہ تعالے کے قول قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ کے مخالف نہیں۔ بلکہ دوسرا جملہ پہلے کلام کی تاکید ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ نعمتیں اور مصیبتیں سب اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہیں وہی ان کا خالق اور مقدر ہے اور انکے ذریعہ سے اپنی مخلوق کی آزمائش و امتحان فرماتا ہے پس یہ سب چیزیں نعمتیں ہوں یا مصائب اُسکی مخلوق ہیں یہ نہیں کہ بعض چیزیں تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور بعض کسی دوسرے شخص کی پیدا کردہ ہیں۔ جب تمام چیزیں اسی کی مخلوق ہیں تو بعض کو رسول کی طرف اور

سنت آجکل کی نئی روشنی والوں کا عام مقولہ ہے۔ کہ اسلام نے حصول معاش کے طریقے نہ بتائے۔ بنک کر کے پر سود لینا جائز ہے نہ لاٹری کی اجازت ہے۔ نہ بنک قائم کرنے کی رخصت ہے مسلمانوں پر نکبت۔ ادبار اور افلاس نہ آئے تو اور کیا ہو۔ افسوس کہ انہوں نے اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ اسلام وہ نعمت عظمیٰ ہے کہ جب تک مسلمان اصولِ اسلام کے پابند رہے تو انکو دنیا میں بھی وہ شوکت و عظمت نصیب رہی کہ قیصر و کسریٰ جیسی بیابانی عظیم الشان سلطنتوں کو فتح کر لیا۔ حقیقۃ الامر یہ ہے کہ مسلمانوں پر جو نکبت و ادبار آرہا ہے۔ وہ اسلامی اصول کی پابندی چھوڑنے اور انکی عظمت و وقعت نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ اگر آج مسلمان اصولِ اسلام کے پابند ہو کر غمی و شادی کی ناجائز رسوم۔ اور بدعات کو جن میں لاکھوں روپیہ برباد ہوتا ہے چھوڑ دیں۔ منبع شریعت نبی اُمی فداہ ابی و امی جانیں تو انشاء اللہ بہت کچھ اصلاح ہو سکتی ہے مؤلف و مترجم عرض کرتا ہے کہ میں نے یہ کلمات بعض خیر خواہی کے طور پر لکھے ہیں اگر کسی کو ناگوار معلوم ہو تو وہ انصاف سے کام لے تنہا سعید جانیں باللہ التوفیق مترجم

بعض لوگ ان کی طرف نسبت کرنا درست نہیں۔ ظاہر ہے کہ منافقین کا بھی یہ خیال تھا کہ ان مصائب کا خالق اور
شامت رسول ہے بلکہ وہ خیال کرتے تھے کہ رسول کا ان میں موجود ہونا باعث مصیبت ہے یہ خیال عام طور پر
جہلا کا ہے تکالیف پیش آتی ہیں مثلاً آفات، زلزلہ وغیرہ کے متعلق یہ عقائد کہ خیر و شر ستاروں یا دیوتاؤں یا کسی اور کے تعلق سے ہیں جو قدیم سے چلے آتے ہیں
انکی نسبت پیدا ہو سب کو اللہ سبحانہ نے باطل کر دیا کہ یہ محض وہم کاذب اور خیال باطل ہے۔ رسول کا اتباع ہرگز
موجب شر و برائی نہیں بلکہ وہ سراپا خیر و برکت ہے۔ شر و برائی جو کچھ پیش آتی ہے وہ تمہارے اپنے اعمال بد اور
خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اہل انطاکیہ کے جواب میں یہی کہا
تھا طٰٓئِرُکُمْ مَّعَکُمْ (یہ تو) تمہاری (ہی) شامت (اعمال) ہے؛ اور یہ جملہ صالح علیہ السلام کے کلام سے
جو انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا تھا یعنی طٰٓئِرُکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ (تمہاری نحوست (سب) خدا کی طرف سے ہے)
اور نیز اللہ تعالیٰ کے اس قول سے جو قوم فرعون کی نسبت فرمایا ہے یعنی وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا
بِمُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ (اور اگر ان پر کوئی مصیبت آتی تو موسیٰ اور
ان کے ساتھیوں کی نحوست سمجھتے سنو جی! انکی نحوست تو بس خدا کے ہاں (انکی تقدیر میں لکھی جا چکی) تھی)
کے مخالف نہیں۔ بلکہ یہ دونوں نسبتیں ایسی نسبت و اضافت کے موافق ہیں جو اس آیت میں ہے کہ سیئہ کو بندے
کی طرف نسبت کیا گیا اور حسنہ اور سیئہ دونوں کے متعلق یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ یہ دونوں من جانب اللہ ہیں۔
قرآن کریم کے مضامین میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض آیات بعض کی تصدیق کرتی ہیں اور
اول سے لیکر آخر تک کہیں تناقض و اختلاف نہیں معلوم ہوتا۔ پس جن آیات میں طائر اور سیئہ کو عباد
کی طرف منسوب کیا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہے کہ بد شگونی و شوم جو تمہیں پیش آیا ہے۔ یہ خود تمہاری طرف سے
ہے کیونکہ اس کے اسباب تم میں موجود اور تمہارے ساتھ قائم ہیں۔ اور جہاں یہ فرمایا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ
کی جانب سے ہے تو اس کا یہ معنی ہے کہ سب کا خالق وہی ہے جو اپنے عدل و حکمت کے مطابق جزا و سزا
کے طور پر پیدا کرتا ہے۔ لفظ طائر کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک عمل اور دوسرا جزا۔ پس جو بندے کی طرف
منسوب ہے وہ بمعنی عمل ہے اور جو اللہ سبحانہ کی طرف مضاف ہے وہ بمعنی جزا ہے پس طٰٓئِرُکُمْ مَّعَکُمْ
کا یہ معنی ہے کہ تمہارے اعمال بد تمہارے ساتھ ہیں اور طٰٓئِرُکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ کا یہ مطلب ہے۔ کہ اعمال بد کی
سزا من جانب اللہ ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کا اتباع ہرگز موجب تکالیف و باعث آفات و مصائب
نہیں بلکہ اللہ و رسول کی اطاعت تو دنیا اور آخرت میں باعث خیر و برکت ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اطاعت
میں کمی یا قصور واقع ہو۔ جس سے مخلص مومنین کو بھی مصیبت پیش آجاتی ہے جیسا کہ اُحد اور حنین کے
دن اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں قصور واقع ہونے سے اہل اسلام کو بعض تکالیف پیش آئے۔

اور وہ ایذا اور تکلیف جو کفار کی طرف سے مومنین کو پیش آتی ہے اسکا باعث ایمان و اطاعت الٰہی ہرگز نہیں ہوتا بلکہ وہ محض امتحان اور آزمائش کے مراتب ہوتے ہیں تاکہ نفوس تمام علائق شر سے پاک و صاف ہوکر مورد انوار و عرفان ہو جائیں۔ اور اس امتحان کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے سونار چاندی اور سونا کو پاک اور خالص بنانے کے لئے آگ میں ڈالتا ہے جس طرح چاندی و سونا آگ میں ڈالنے پر آلایش اور کھوٹ سے نکھر جاتے ہیں۔ اسی طرح امتحان اور آزمائش کے سبب گناہوں سے مومنین بھی پاک و صاف ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ۔ (اور نیز یہ منظور تھا کہ اللہ مسلمانوں کو (شک شبہ کے میل کچیل سے) نکھار دے اور کافروں کو زور توڑ دے) وقال تعالےٰ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ (خدا کو منظور تھا کہ تمہارے مافی الضمیر کو آزمائے اور تمہارے دلی خیالات کو (وسوسوں کے میل کچیل سے) صاف کردے) غرض اللہ تعالےٰ کی اطاعت تو محض خیر و برکت کا سبب ہے اور اسکی نافرمانی شر و نکبت کا باعث ہے اسیواسطے اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا (تو ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ بات کی سمجھ (یعنی عقل) کے پاس بھی ہوکر نہیں پھٹکتے) کیونکہ اگر ان کو سمجھ ہوتی تو وہ یقین کرتے کہ وہ احکام جو اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں ہرگز موجب شر نہیں بلکہ وہ سراسر خیر و برکت کا سبب ہیں۔ اور انکو چشم بصیرت ہوتی تو سمجھ لیتے کہ عقل و فطرت اس بات کے شاہد ہیں۔ کہ احکام اسلام وہ بے بہا نعمت ہیں کہ معاش و معاد دونو کے مصالح ان سے وابستہ اور متعلق ہیں۔ اور نیز یہ معلوم کر لیتے کہ قرآن خیرات کے کرنے اور منکرات کے چھوڑنے کا حکم دیتا ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ جن احکام کے بجالانے کا حکم فرماتا ہے۔ ان کا حسن و خوبی عقل سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ اور نیز جو ان احکام میں انسان کے لئے سراپا مصلحت۔ رحمت۔ منفعت۔ مقصود ہوتی ہے اور اپنے خالق کی جانب سے اس کے ساتھ احسان ہوتا ہے۔ مگر بعض اہل باطل یوں کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کبھی ایسے احکام صادر فرماتا ہے۔ جن میں انسان کے لئے کوئی مصلحت نہیں ہوتی۔ بلکہ ان میں اس کا ضرر و نقصان ہوتا ہے۔ ان لوگوں کا قول ان کفار کے خیالات کی تصدیق کرتا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے اتباع کو باعث تکلیف و مضرت قرار دیتے تھے +

فصل۔ اس مسئلہ کی توضیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ جب اللہ سبحانہ نے مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ فرمایا تو اسکے بعد یہ ارشاد کیا ہے وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (اور اے پیغمبر! ہم نے تم کو لوگوں کی طرف پیغام پہنچانے والا (بناکر

بھیجا ہے۔ اور (تمہارے پیغمبر ہونے کے لئے اللہ کی گواہی بس کرتی ہے) اور اس سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔
اول یہ کہ امت رسول کو اسی بات پر متنبہ کرنا مقصود ہے کہ جب وہ رسول کہ جس کی رسالت کی خود اللہ سبحانہ
نے شہادت دی ہے۔ اس کو کوئی تکلیف پیش آئے۔ تو وہ بھی اسکے اپنے اعمال کے سبب پیش آتی ہے
پس عام آدمیوں کی نسبت کیا خیال ہو سکتا ہے کہ جو تکالیف انکو پیش آئیں تو وہ انکے اعمال کا ثمرہ نہ ہوں۔ دوم یہ
کہ جب اللہ سبحانہ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجکر اپنے احکام سے آگاہ فرمادیا اور اپنی حجت کو اپنے بندوں
پر قائم کر دیا۔ تو اس کے بعد اگر ان کو کوئی تکلیف پیش آئے۔ تو اس میں اللہ سبحانہ کا کوئی ظلم و بے انصافی
نہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام نے نفع و نقصان کے سب کام بتلا دئیے ہیں۔ پس جسکو خیر اور بہتری
پیش آئے۔ تو وہ اللہ سبحانہ کا شکر بجالائے اور جسے تکلیف کا سامنا ہو تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت
کرے۔ سوم یہ کہ جب اللہ سبحانہ نے اپنے رسول کی صداقت اور اسکی رسالت کی حقانیت پر خود شہادت
بیان فرمادی ہے۔ اور اسکے ہاتھ پر وہ معجزات و آیات ظاہر فرمائے ہیں جو اسکی رسالت کی صداقت
پر شاہد ہیں۔ تو اب ان ظالمین کا انکار جو اس کی رسالت کو باعث شامت خیال کرتے ہیں رسول کے لئے
کچھ مضر نہیں۔ چہارم یہ کہ کفار نے یہ چاہا تھا کہ وہ اپنے تکالیف اور مصائب کو آپ کی رسالت کے ابطال
کے لئے دلیل اور حجت بنائیں کہ اگر تم سچے رسول ہوتے تو تمہارے سبب یہ مصائب پیش نہ آتے پس
اللہ سبحانہ نے آپ کی رسالت کی شہادت بیان فرمائی۔ اور یہ بھی بتلادیا کہ صداقت رسالت کے لئے
صرف میری شہادت کافی ہے اور اسی کے ضمن میں انکے اس خیال باطل کو رد فرمایا کہ یہ مصائب
رسول کی پیروی کے سبب پیش نہیں آئے۔ بلکہ یہ خود تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ پنجم یہ کہ اس آیت
میں جہمیہ اور انکے موافقین کے اس خیال کی تردید ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی بغیر کسی قصور اور گناہ کے بندوں کو
عذاب کرتا ہے۔ ششم یہ کہ اس آیت میں قدریہ کے اس قول کا ابطال ہے کہ حسنات اور سیئات کے
اسباب من جانب اللہ نہیں ہوتے بلکہ ان کا موجد محض بندہ ہے۔ ہفتم اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت
ہے جو قرآن میں تدبر اور غور نہیں کرتے۔ اور بتایا ہے کہ قرآن میں تدبر اور غور نہ کرنے کا یہ نتیجہ ہے کہ ایسے
لوگ جو تدبر نہیں کرتے۔ گمراہی اور شقاوت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہشتم یہ کہ اس آیت میں اشیاء کے
اسباب کا ثبوت اور ان لوگوں کے خیال کی تردید ہے جو وجود اسباب کے منکر ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ
کوئی چیز کسی چیز کے لئے سبب نہیں۔ اور اسباب اور مسببات کے درمیان کوئی تعلق اور لگاؤ نہیں
نہم یہ کہ تمام خیرات منجانب اللہ اور تمام شر بندے کے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔ کیونکہ شر کی دو
ہی قسم ہیں اول ذنوب اور معاصی دوم عقوبت یعنی انکی سزا سو دونو بندے کی جانب سے ہیں۔ کیونکہ

گناہ خود بندہ کرتا ہے اور سزا اسکے اعمالِ بد کا ثمرہ ہے ۔ اور چونکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے وقوع میں آتا ہے ۔ اِس لحاظ سے یہ سب کچھ منجانب اللہ ہے ۔ گو اس کا سبب خود بندہ ہی ہے ۔ اسکے برخلاف خیرات اور حسنات کا سبب محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان اور اسکی توفیق ہے ۔ وہم یہ کہ جب اللہ سبحانہ نے کفار کے اس خیال کو کہ بہتری اللہ کی طرف سے ہے اور تکلیف رسول کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اپنے قول قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ سے رد فرما دیا تو ان لوگوں کے وہم کو بھی دور فرما دیا جو یہ کہتے ہیں کہ سیئات کے صدور میں بندے کا کوئی دخل و تاثیر نہیں بلکہ یہ بھی محض اللہ کی جانب سے واقع ہوتے ہیں ۔ اور اسلئے فرمایا مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ ۔ اور اپنے رسول کو اسلئے مخاطب بنایا ۔ تاکہ دوسرے لوگوں کو تنبیہ حاصل ہو کہ جب رسول کی یہ حالت ہے تو ہماری کیا حقیقت ہے ۔ نیز اس آیت میں یہ نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ فرمایا ہے اور یوں نہیں فرمایا مِنَ اللَّهِ اس کی وجہ یہ ہے ۔ کہ جب اللہ سبحانہ نے حسنات اور سیئات دونوں کو معاً اپنی طرف منسوب فرمایا ۔ حالانکہ حسنات تو من کل الوجوہ اللہ سبحانہ کی طرف منسوب ہیں اور سیئات صرف اِس لحاظ سے اُس کی طرف منسوب ہیں کہ وہ اُن کا خالق ہے اور اُس کے قضا و قدر سے واقع ہوتے ہیں ۔ لہذا مِنْ عِندِ اللَّهِ فرمایا ۔ اور چونکہ اللہ سبحانہ نے سیئات کو اپنی حکمت و عدل کے مطابق پیدا کیا ہے ۔ لہذا وہ اِس لحاظ سے سیئات نہیں ۔ اور نہ سیئات ہونے کی جہت سے اسکی طرف منسوب ہیں ۔ اور نفوس عباد چونکہ اُنکے باعث ہیں اسلئے اِس جہت یعنی سیئات ہونے کے لحاظ سے اُنکے نفوس کی طرف منسوب ہیں ۔ اور جب حسنہ کو سیئہ سے علیحدہ اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور اُسکی نسبت مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ فرمایا ہے اور یہاں مِنْ عِندِ اللَّهِ نہیں فرمایا کیونکہ حسنہ من کل الوجوہ اُس کی طرف منسوب ہے ۔ غرض جملہ خیرات اللہ سبحانہ کی جانب سے ہیں ۔ اور یہ اُس کے اسماء و صفات کا مقتضیٰ اور ثمرہ ہیں اور تمام شر جو کہ بندے کی نسبت شر ہیں ۔ اِس لحاظ سے اللہ کی جانب سے ہیں کہ اس نے اپنی حکمت و عدل کے موافق انکو پیدا کیا ہے ۔ اور نیز اللہ سبحانہ نے وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ فرمایا ہے اور مِنْ عِندِكَ نہیں فرمایا اسکی وجہ یہ ہے کہ چونکہ نفس کی طبیعت کے مقتضیٰ سے صدور شر ہوتا ہے ۔ لہذا وہ نفس کی جانب سے ہے ۔ غرض حسنات اور سیئات سب من عند اللہ ہیں ۔ مگر سیئات بلاشک بندے کے نفس سے ہیں ۔ اور حسنات بلا شبہ اور من کل الوجوہ اللہ سبحانہ کی طرف سے ہیں ۔ اور خلق ۔ قضا ۔ قدر کے لحاظ سے سب من عند اللہ

ہیں۔ غرض من اللہ اور من عند اللہ ہونے کے درمیان فرق ظاہر ہے۔ اور شر کو ارادہ بحیثیت فعل وصف اور اسم کے لحاظ سے اللہ سبحانہ کی طرف منسوب کرنا ہرگز درست نہیں کیونکہ وہ صرف خیر کا ارادہ فرماتا ہے اور بغیر خیر سے اسکو محبت ہے اور خیر ہی کو کرتا ہے۔ اور خیر ہی سے موصوف کیا جاتا ہے۔ اور سب اسم اسی کے خیر کے متعلق ہیں۔ عنقریب قضاء الٰہی میں شر کے داخل ہونے کے باب میں تمام عنائی بطرف شر منسوب ہونے کی وجہ کو ہم انشاء اللہ بیان کرینگے ۔

فصل ۔ مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۔ میں جو کاف حرف خطاب ہے۔ اس میں علمائے مفسرین کا یہ اختلاف ہے کہ آیا یہ خطاب خاص حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر ایک آدمی شامل ہے۔ بروایت والبی ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ حسنہ سے فتح بدر اور اس دن میں غنیمت کا ہاتھ آنا مراد ہے اور سیئہ سے وہ تکلیف مراد ہے جو احد کے دن آپکو پیش آئی کہ آپ کے چہرہ مبارک پر کچھ زخم ہوا۔ اور ایک دانت مبارک آپ کا شہید ہوا۔ مفسرین کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ یہ خطاب عام ہے اور اس سے جنس ابن آدم مراد ہے جس طرح کہ اس آیت میں خطاب عام ہے یَا اَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ (اے آدم زاد تجھ کو کس چیز نے اپنے پروردگار کریم کی جناب میں گستاخ کر دیا) سعیدؒ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ مَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ کا یہ مطلب ہے کہ اے ابن آدم یہ سزا تیرے گناہ کے سبب تم کو پیش آئی۔ وہ خود تیرے اپنے نفس کی جانب سے ہے۔ ایک جماعت نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور انہوں نے اپنے مدعا پر وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا (اور اے پیغمبر ہم نے تم کو لوگوں کی طرف پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے) سے استدلال کیا ہے کہ اس میں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے لہذا مَا اَصَابَكَ الآیہ میں بھی آپ ہی مخاطب ہیں۔ اور یہ بیان کیا ہے کہ مضمون کے سلسلے میں اس سے پہلے انسان کا کہیں ذکر نہیں اور نہ اس کو کسی جگہ مخاطب بنایا ہے۔ البتہ اس سے پہلے اس جماعت کا ذکر ہے۔ جو حسنہ کو من جانب اللہ سمجھتے اور سیئہ کو رسول کی جانب منسوب کرتے تھے۔ پس اگر یہ لوگ مراد ہوتے تو مَا اَصَابَھُمْ یا مَا اَصَابَكُمْ فرمایا جاتا۔ اور نیز کہا ہے کہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب سید ولد آدم صلعم کا یہ حال ہے۔ تو اوروں کی کیا حقیقت۔ اور ایک جماعت نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور انکی دلیل یہ ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات با برکات معاصی اور ذنوب سے معصوم ہے پس آپ سے وہ گناہ جو معصیت کے پہنچنے کا موجب ہو صادر نہیں ہوسکتا اور گو بظاہر خطاب آپ کو

ہے مگر اس سے امت مراد ہے۔ چنانچہ اس آیت یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ (اے پیغمبر (مسلمانوں سے کہو کہ) جب تم اپنی بیبیوں کو طلاق دینی چاہو) میں خطاب آپ کو ہے مگر مراد امت ہے اور چونکہ اول آیت میں آپ کو خطاب کیا گیا ہے لہٰذا اس کے موافق باقی الفاظ میں بھی لفظ خطاب مفرد لایا گیا۔ مگر مراد جمع ہے۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے بنی آدم! جو تکالیف تم کو پیش آتی ہیں وہ خود تمہاری جانب سے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ میں تو خطاب آپ کو ہے اور وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ میں امت کو خطاب ہے اسی واسطے جس مقام میں سیئۃ کو علیحدہ ذکر فرمایا ہے تو وہاں صیغہ خطاب کو جمع لایا گیا ہے چنانچہ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ (اور (لوگو) تم پر جو مصیبت پڑتی ہے تو تمہارے اپنے ہی کرتوت سے) اور نیز فرمایا ہے اَوَلَمَّاۤ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ (کیا جب تم (مسلمانوں) پر (جنگ احد میں شکست کی) مصیبت آ پڑی حالانکہ تم (جنگ بدر میں) اس سے دونی مصیبت (اپنے دشمنوں پر ڈال چکے ہو) اور نیز فرمایا ہے وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ (اور (خاص کر) حنین (کی لڑائی) کے دن جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو مغرور کر دیا تھا (کہ ہم بہت ہیں) تو وہ (کثرت) تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور (اتنی بڑی) زمین باوجود وسعت لگی تم پر تنگی کرنے پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور (نیز) مسلمانوں پر اپنی (طرف سے) تسلی نازل فرمائی) اللہ سبحانہ نے اس آیت میں بیان فرما دیا ہے کہ جنگ حنین میں اولاً مسلمانوں کو ہزیمت اور شکست اسلئے پیش آئی۔ کہ وہ اپنی کثرت تعداد پر مغرور ہوئے اور امداد اور نصرت الٰہی سے ایک گونہ اپنے آپ کو مستغنی سمجھا۔ لہٰذا اس قصور کی وجہ سے دشمن سے مغلوب ہونے کی سزا ملی۔ اور دوبارہ جو نصرت الٰہی شامل حال ہوئی۔ تو اس کا باعث وہ سکون ہوا جو اپنے حبیب کو عطا فرمایا اور انہی کی بدولت تائید ایزدی و امداد الٰہی سے سرفراز ہوئے۔ اور آپ اس قصور سے بری اور منزہ تھے جو دوسرے مسلمانوں سے بمقتضائے بشریت سرزد ہوا۔ ایک اور جماعت کا قول ہے کہ بظاہر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں مگر اس میں سب لوگ شامل ہیں اور یہ حکم سب کے لئے یکساں عام ہے۔ چنانچہ اسکے نظائر قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں مثلاً یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ (اے پیغمبر خدا (ہی) سے ڈرتے رہو اور کافروں اور منافقوں (سے ڈر کر ان) کے کہنے میں نہ آ جانا) اور وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (اور (اے پیغمبر) تمہاری

طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے جو وحی بھیجی جاتی ہے اسی پر چلے جاؤ) اور وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ (اور اللہ پر توکل کرو) اور وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ بَلِ اللهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ (اور اے پیغمبر بلاشبہ تمہاری طرف اور اُن (پیغمبروں) کی طرف جو تم سے پہلے ہوگذرے ہیں (ایک ایک کی طرف) وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو ضرور تمہارے (سارے) عمل اکارت جائینگے اور ضرور تم گھاٹے میں آجاؤ گے (تو کا فروں کا کہنا مانو) بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور اُسکے شکرگذار بندوں (کے زمرے میں رہو) - اور فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَاسْأَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ (تو اے پیغمبر یہ قرآن) جو ہم نے تمہاری طرف اتارا ہے اگر (بہ تقاضائے بشریت) اس کی نسبت تم کو کسی قسم کا واہمہ ہو تو تم سے پہلے (بھی کتابیں اتری ہیں) جو لوگ (ان) کتابوں کو پڑھتے ہیں ان سے پوچھ (دیکھو) اور اُن کا یہ قول سب ہے کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو جو اس طرح کا خطاب ہوتا ہے تو یہ دو قسم ہے ایک وہ جس کا لفظ تو آپ کے ساتھ خاص لیکن معنے کے لحاظ سے تمام اُمت کو بطریق اولی شامل ہوتا ہے۔ کقولہ تعالٰی يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ (اے پیغمبر جو چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال کی ہیں۔ تم اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (اپنے اوپر) کیوں حرام کرو) اور اس کے بعد فرمایا ہے قَدْ فَرَضَ اللهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ (تم مسلمانوں کے لئے خدا نے تمہاری قسموں کے توڑ ڈالنے کا (بھی) ٹھیراؤ کر دیا ہے) دوم یہ کہ جناب سرور کائنات اور امت دونو یکساں مخاطب ہوتے ہیں۔ لیکن صیغہ خطاب اسلئے مفرد لایا جاتا ہے۔ کہ چونکہ آپ مواجہ دمخاطب وحی ہیں اور نیز آپ اُمت اور اللہ تعالٰے کے درمیان سفیر اور اُنکے لئے مبلغ احکام الہٰی ہیں لہذا صیغہ خطاب اصل مخاطب کلام کے لحاظ سے مفرد لایا جاتا ہے۔ اور اکثر مفسرین کے اس کلام کا (کہ خطاب آپ کو ہے اور مراد اُمت ہے) یہی مطلب ہے اور اُن کے اس کلام کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا۔ کہ آپ اس خطاب میں داخل اور شامل نہیں بلکہ صرف اُمت مراد ہے۔ بلکہ انکے کلام کا مطلب یہی ہے کہ چونکہ آپ خلق کے امام۔ پیشوا۔ متبوع اور اصل ہیں۔ لہذا خطاب تو صرف آپ کو کیا گیا اور اُمت بالتبع اس خطاب میں داخل ہوگئی چنانچہ بادشاہ کسی سپہ سالار اور افسر فوج کو یہ حکم دیتا ہے۔ کہ تم فلاں تاریخ کو فلاں مقام پر پہنچو اور فلاں وقت میں دشمن پر حملہ کرو۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا۔ کہ تم تنہا اور اکیلے جاؤ۔ بلکہ یہ حکم تمام فوج کو جو اسکے ماتحت ہے شامل اور حاوی ہوتا ہے۔ اور فوج کا ہر شخص اُس حکم کا یکساں مخاطب ہوتا ہے

غرض اللہ تعالیٰ کا قول وَمَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ میں خطاب تو آپ کو ہے۔ مگر تمام اُمت اسمیں بطریق اولیٰ داخل ہے۔ اور وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا میں صرف آپ ہی مراد ہیں اور اُس شبہے کا جواب کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسے امور کا سرزد ہونا جائز نہیں جو باعث اصابت سیئہ ہوں۔ ان لوگوں نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ جملہ شرطیہ میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ شرط و جزا دونوں کا وقوع بھی پایا جائے بلکہ ایک کا دوسرے سے تعلق بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ گو وہ دونوں بحقیقت معدوم ہوں اور اعتبار اور لحاظ میں فرضی طور پر اُن کا وجود مان لیا جاتا ہے۔ اِسی طرح یہاں بھی آپکے حق میں اصابت سیئہ کا وجود فرضی ہے اور اُمت کے حق میں حقیقی اور واقعی مراد ہے ؛

قدری نے کہا کہ جب طاعات اور معاصی اور نعمتیں اور تکالیف سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقدر ہیں۔ تو اللہ سبحانہ نے حسنات یعنی نعمتیں اور سیئات یعنی تکالیف کے درمیان یہ فرق کس لئے بیان فرمایا ہے۔ کہ حسنات تو اللہ سبحانہ کی طرف سے ہیں اور سیئات خود بندے کی جانب سے ؛

سُنّی نے جواب دیا کہ اِن دونوں میں مفصلہ ذیل وجوہ سے تفاوت اور فرق ہے۔ لہذا اللہ سبحانہ نے اِن دونوں کے درمیان فرق بیان فرمایا ہے۔ اول یہ کہ اللہ سبحانہ کی نعمتیں اور اسکے احسانات بندوں کے کسی کسب پر موقوف نہیں۔ بلکہ وہ محض اپنے فضل و کرم سے عافیت۔ رزق۔ نصرت۔ وغیرہ طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے چنانچہ منجملہ اس کی انھی نعمتوں کے یہ بات بھی ہے کہ اُس نے خلق کی ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا کتابیں نازل فرمائیں اور معجزات وغیرہ مختلف اسباب کو پیدا کیا اور نیز اپنی بعض مخلوق کو جنت کے لئے پیدا کیا جن کو عیش و آرام کے ساتھ وہاں بسائیگا اور اسی طرح مومنین کے اطفال اور مجانین کو جنت میں داخل فرمائیگا حالانکہ اُن سے کوئی ایسا عمل نہیں ہوا۔ جو اِس اکرام و انعام کا باعث اور سبب ہو۔ اور کسی بندے کو عذاب و تکلیف نہیں دیتا جب تک اُس سے ایسے کام صادر نہ ہوں۔ جو موجب عقاب ہوں۔ دوم یہ کہ اعمال حسنہ محض اللہ تعالیٰ کے احسان۔ منت اور اُس کے فضل سے ایمان و ہدایت کے ملنے سے صادر ہوتے ہیں۔ چنانچہ اہل جنت دخول جنت کے بعد یہ کہینگے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ (خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو اس بہشت میں آنے کا رستہ دکھایا اور اگر خدا ہم کو ہدایت نہ کرتا تو ہم کسی طرح پر جنت کا رستہ ڈھونڈھنے نہ پاتے)

اللہ سبحانہ نے محض اپنے فضل سے اپنے ان بندوں کو طرح طرح کی نعمتیں عطا فرما کر ممتاز فرمایا۔ سب سے اول نعمت حیات عطا فرمائی اسکے بعد کان۔ آنکھیں عقلیں۔ دل عطا کئے جن سے بھلے برے کی تمیز کریں پھر انبیاء علیہم السلام کو بھیجکر انکو اپنے احکام و مرضیات سے آگاہ فرمایا جن کے طفیل وہ راہ راست پر آ گئے۔ اور ہدایت کو پایا۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انکے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اور ایمان کو انکی نظروں میں مزین کر دیا۔ اور انکے دلوں کو کفر وغیرہ برائیوں سے متنفر کر دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (مگر بھلے کو خدا نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی ہے اور اسکو تمہارے دلوں میں عمدہ کر دکھایا ہے۔ اور کفر اور خود سری اور نافرمانی سے تم کو نفرت دلا دی ہے یہی لوگ ہیں جو خدا کے فضل و کرم سے نیک چلن ہیں اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے) غرض دنیا و آخرت کی جس قدر نعمتیں ہیں سب کی سب محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ہیں۔ بندوں کے اعمال انکے سبب و موجب نہیں اور نہ کسی کی طاقت و قوت کو انکے ملنے میں کچھ دخل ہے اور وہی تمام چیزوں کا خالق ہے۔ بندے۔ انکے اعمال اور انکی جزا سب چیزیں اسی کی مخلوق ہیں۔ اور یہ سب اسی کی جانب سے ہیں۔ بخلاف شر اور سیئات کے کہ ان کا باعث بندوں کے معاصی اور گناہ ہیں۔ جو ان سے صادر ہوتے ہیں۔ اور جب انسان اس مسئلہ میں غور کریگا۔ تو سمجھ لیگا کہ جتنی نعمتیں اسکو ملی ہیں وہ سب اللہ کے فضل سے ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیگا تو اللہ سبحانہ اپنے فضل سے اسکے اعمال صالحہ میں ترقی دیگا اور اس پر طرح طرح کی نعمتیں فیضان فرمائیگا۔ اور جب اس بات کو سمجھیگا کہ شر اور برائی خود اسکی اپنی جانب سے ہے اور اس کے گناہوں کا ثمرہ ہے اور اس پر اپنے گناہوں سے توبہ اور استغفار کریگا۔ تو اللہ سبحانہ اسکے گناہ معاف کر دیگا۔ اور اس طرح سے بندہ ہمیشہ شاکر اور اپنے گناہوں سے تائب رہیگا۔ لہذا خیر و برکت سے مالامال اور شر و برائی سے دور اور بری ہو جائیگا۔ چنانچہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم خطبے میں یہ کلمات کہا کرتے تھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یعنی اللہ سبحانہ کا شکر ہے نَسْتَعِيْنُهٗ اس کی عبادت و اطاعت میں ہم اسکی اعانت و مدد چاہتے ہیں۔ وَنَسْتَغْفِرُهٗ اور گناہوں سے اس کی مغفرت مانگتے ہیں وَنَحْمَدُهٗ اور اس کے فضل و احسان کا شکر بجا لاتے ہیں۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا اور اپنے نفسوں کے شر اور برائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

(ف) پہلے گذشتہ گناہوں اور غلطیوں سے استغفار کیا۔ اس کے بعد آئندہ گناہوں سے

سے خدا تعالےٰ کی پناہ کی طلب اور درخواست کی۔ وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا اور اپنے اعمال کی برائیوں سے بھی خدا تعالےٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ اِس جملے میں اعمال شر کے عذاب اور انکی سزا سے خدا کی پناہ کا سوال کیا ہے مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔ جس کو اللہ تعالےٰ ہدایت کرے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کرے اس کے لئے کوئی ہادی نہیں۔ اِن جملوں میں آپ نے بتلا دیا ہے کہ اللہ سبحانہٗ اپنی مشیت۔ قدرت۔ حکمت۔ اور علم کے ساتھ اپنی مخلوق میں تصرف کرنے والا ہے۔ اس میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔ وہ جسے چاہے ہدایت کرتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کرتا ہے۔ جس کو وہ ہدایت کر دے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کر دے اُس کو کوئی راہِ راست پر نہیں لا سکتا۔ اور اِس کلام میں اللہ سبحانہٗ کی ربوبیت۔ قدرت۔ علم۔ حکمت اور اُس کی قضا و قدر کا ثبوت ہے جو کہ توحید کی جڑ اور بنیاد ہے اور یہ تمام جملے آپ کے قول وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔ کے لئے تمہید اور مقدمات ہیں۔ کیونکہ شہادتین کا وجود اور تحقیق اللہ سبحانہٗ کی حمد۔ اور اُس سے اعانت و مغفرت مانگے اور اُسکی طرف التجا کرے اور اسکی تقدیر پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے حسنات اور سیئات میں فرق بیان فرمادیا ہے۔ گو وہ دونو اِس امر میں یکساں ہیں کہ سب کچھ اُس کی قضا و قدر اور مشیت سے واقع ہوتا ہے اور تمام چیزیں اُسی کی مخلوق ہیں۔ اور اسی پر ایمان لانا بھی ضروری ہے ورنہ ایمان درست نہ ہوگا۔ اور بندوں کے اُن سے منتفع ہونے کی جہت سے ان میں فرق بیان فرمادیا ہے۔ کہ حسنات اُس کی نعمت ہیں۔ اُس کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ وہ اپنے فضل سے اور زیادہ نعمتیں عطا فرمائیگا۔ اور شر اور سیئات تمہارے اپنے گناہوں کے سبب سے ہیں تم گناہوں سے مغفرت طلب کرو۔ تو وہ شر کو تم سے ہٹا دیگا۔ اور سب خرابیوں کی جڑ نفس کا شر اور برائی ہے۔ پس اُسکے شر سے خدا کی پناہ مانگو وہ تم کو اُس سے نجات بخشیگا۔ اور یہ سب باتیں اللہ وحدہٗ کے ساتھ ایمان لانے اور اس امر کا یقین کرنے پر موقوف ہیں کہ وہی ہدایت کرتا اور وہی گمراہ کرتا ہے اور تمام امور اُس کے اختیار میں ہیں۔ اور یہی ایمان بالقدر ہے جو اللہ سبحانہٗ تک پہنچنے کا رستہ ہے۔ غرض جب یہ سب باتیں موجود ہوں۔ تب توحید اور آپکی رسالت کی شہادت صحیح طور پر درست ہو سکتی ہے۔ یہ خطبہ عظیمہ اسلام و ایمان کے اصول عقائد پر حاوی ہے۔ اگر طاعات اور معاصی میں فرق بیان نہ کیا جاتا۔ بلکہ صرف یہ بیان ہوتا کہ دونو منجانب اللہ ہیں۔ تو مذنبین اور گناہگار اپنے آپ کو مذمت نہ کرتے۔ اور گناہوں کی مغفرت اور اُنکے شر سے

خدا کی پناہ کا سوال نہ کرتے بلکہ اُنکے دل میں یہ حجت بیٹھ جاتی ۔ کہ ہم اپنے آپ گناہ نہیں کرتے بلکہ خدا کی تقدیر اسی طرح پر ہے کہ ہم سے گناہ صادر ہوں اور یہ وہی فضول حجت ہے جو ابلیس نے اللہ سبحانہٗ کی بارگاہ میں پیش کی تھی ۔ شقی لوگ اس حجت میں ابلیس کی پیروی اختیار کرتے ہیں جس سے انکی شقاوت اور عذاب میں اور زیادتی ہوتی ہے جس طرح کہ اُسکے پیش کرنے سے ابلیس کو اللہ سبحانہٗ کی جناب سے پہلے بھی زیادہ بعد حاصل ہؤا ۔ اور اس کی بارگاہ سے بالکل دُور کر دیا گیا ۔ اور جب مشرکین نے اس حجت کو پیش کیا اور کہا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا (اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے) تو انکی گمراہی اور شقاوت میں اور ترقی ہوئی ۔ اور وہ شخص جو قیامت میں یوں کہیگا ۔ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں شامل ہوتا) اِس کہنے پر اُس کی حسرت اور عذاب زیادہ کئے جائینگے ۔ اور اگر حسنات و معاصی میں صرف فرق بیان ہوتا اور یہ بیان نہ ہوتا کہ سب جانب اللہ ہیں تو اللہ سبحانہٗ کے بندے اُس کی توحید ۔ ایمان بالقدر ۔ ہدایت اور توفیق کے لئے اُس سے التجا کرنے اور شر نفس اور اعمال بد سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگنے اور اسکی اعانت و فضل کی طرف اپنا احتیاج ظاہر کرنے میں کمی کرنے لگتے ۔ دونو باتوں یعنی حسنات و معاصی کے درمیان فرق بیان کرنے اور مخلوق ہونے کے لحاظ سے انکی مساوات ظاہر کرنے میں عبودیت کے مراتب کو بیان فرمایا ہے اور اس عظیم الشان مسئلہ کے متعلق انشاء اللہ عنقریب دوبارہ بحث کرینگے ۔ سوم یہ کہ حسنات کو اللہ سبحانہٗ مضاعف فرماتا اور اُنکو بڑھاتا ہے ۔ اور بندے کی ادنےٰ سعی اور محض ارادہ کرنے سے حسنات لکھے جاتے ہیں ۔ اور ان پر ثواب ملتا ہے ۔ اور برائی کے ارادہ کرنے پر عذاب اور مواخذہ نہیں اور نیز ایک برائی کرنے سے ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے ۔ اور توبہ کرنے اور بعض اعمال حسنہ کے سبب اللہ تعالےٰ برائیوں کو مٹا دیتا ہے اور مصائب اور تکالیف کو ان کا کفارہ کر دیتا ہے ۔ پس اِن وجوہ سے حسنات کو اللہ سبحانہٗ کی طرف مضاف و منسوب کرنا اولیٰ و انسب تھا ۔ اور سیئات کو بندے کی طرف نسبت کرنا مناسب و لائق ٹھیرا ۔ چہارم یہ ہے کہ حسنہ یعنی طاعت و نعمت ہے ۔ اور یہ دونو اللہ تعالےٰ کے نزدیک محبوب و پسندیدہ ہیں ۔ کیونکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اُس کے بندے اُسکی اطاعت کریں اور وہ اُن پر انعام ۔ احسان اور جود و بخشش فرمائے ۔ گو اُس نے گناہوں کو بھی مقدر کیا ہے ۔ مگر وہ اُن سے روکنا چاہتا ہے ۔ غرض طاعت ۔ عطا ۔ بذل اور جود اُسکے نزدیک نہایت پسندیدہ ہیں ۔ لہذا حسنہ کو دونو معنی یعنی طاعت و نعمت کے لحاظ سے اللہ سبحانہٗ

کی طرف منسوب کرنا اولیٰ اور سیئۃ کو دو معنی یعنی اعمال بد و تکالیف کے رو سے نفس کیطرف نسبت کرنا مناسب ہوا۔ اسی واسطے اس کے عارف بندوں نے اسی ادب کو ملحوظ رکھ کر تمام خیرات اور نعمتوں کو اللہ سبحانہ کیطرف نسبت کیا۔ اور شرور کو اسکے محل یعنی نفس کیطرف مضاف کیا ہے۔ چنانچہ امام الحنفا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ (جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی دنیا و دین کی مشکلات میں میری رہنمائی کرتا ہے اور جو مجھ کو کھانا کھلاتا اور مجھ کو پانی پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے) ابراہیم علیہ السلام نے مرض کو تو اپنی طرف منسوب کیا اور شفا کو اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کیا اور خضر علیہ نے کہا اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا (کہ کشتی تو ملاحی پیشہ غریبوں کی تھی وہ اسکو دریا میں مزدوری پر چلاتے تھے تو میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کر دوں) اور اسکے بعد پھر اُن کہا وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا (اور رہی دیوار سو شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ اور دیوار کے نیچے انہی (لڑکوں) کا خزانہ (گڑا ہوا) تھا اور ان لڑکوں کا باپ (ایک) نیک (آدمی) تھا پس تمہارے پروردگار نے چاہا کہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچیں اور (دیوار کے تلے سے) اپنا خزانہ نکال لیں) اور مومنین جن نے اس طرح کہا وَاَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (اور ہم نہیں جانتے کہ (اس انتظام سے) زمین کے رہنے والوں کو کچھ نقصان پہنچانا منظور ہے یا انکے پروردگار کا ارادہ انکے حق میں بہتری کرنے کا ہے) پنجم یہ ہے کہ حسنات اللہ سبحانہ کی طرف اسلئے مضاف و منسوب ہیں کہ وہ تمام وجوہ اور جمیع اعتبارات سے اس کا احسان ہیں لہذا وہ ہر طرح سے اسکی طرف مضاف و منسوب ہونے کے لائق ہیں۔ اور سیئات کو اللہ سبحانہ نے اپنی کسی حکمت سے مقرر و مقدر فرمایا ہے سو وہ بھی اس حکمت کے لحاظ سے منجملہ اسکے احسانات کے ہیں۔ اللہ سبحانہ جو کچھ کرتا ہے وہ خیر ہے اس کا کوئی فعل شر نہیں۔ نہ وہ شر کے ساتھ موصوف اور نہ وہ اس قسم کے ساتھ موسوم ہے۔ بلکہ سب کام حکمت اور خیر ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے بِیَدِهِ الْخَیْرُ (تمام خیرات اسی کے ہاتھ میں ہے) اور اعرف الخلق یعنی خاتم النبیین حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْكَ (اور اے اللہ) شر تیری طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ غرض اللہ سبحانہ محض

شر کو جو کہ جمیع وجوہ سے شر ہو پیدا نہیں کرتا بلکہ جو کچھ پیدا کیا ہے اُس کے پیدا کرنے میں کوئی نہ کوئی مصلحت اور حکمت ضرور ہے گو بعض اشیاء میں کسی وجہ سے کچھ شر ہو مگر شر محض کے پیدا کرنے سے اللہ سبحانہ منزہ اور پاک ہے ۔ ششم یہ کہ جو اعمال حسنہ انسان سے صادر ہوتے ہیں ۔۔ وہ وجودی امور ہیں جن سے اللہ تعالےٰ کی مشیت ۔ قدرت ۔ رحمت اور حکمت کو تعلق ہے ۔ اور وہ عدمی امور نہیں جو غیر اللہ کی طرف منسوب ہوں بلکہ وہ سب وجودی یعنی موجود امور ہیں ۔ اور جملہ موجودات حادث ہیں ۔ اور تمام حادث چیزوں کا خالق اور پیدا کرنے والا اللہ سبحانہ ہے ۔ اِس دعوے کی دلیل کہ حسنات اور اعمال حسنہ موجود امور ہیں یہ ہے کہ حسنات دو قسم کی ہیں ۔ اول وہ کام جن کے بجا لانے کا حکم ہے ۔ دوم وہ کام جن کے نہ کرنے یعنی ترک کرنے کا امر ہے ۔ اور خود ترک ایک وجودی امر ہے ۔ اور نیز گناہ کو گناہ جاننا اور اُسکو قبیح اور عذاب کا سبب سمجھ کر اُس سے نفرت اور کراہت کرنا ۔ اور پھر نفس کو جب اُسکی خواہش اور طلب کرے اُس سے ہٹانا اور باز رکھنا یہ سب وجودی امور ہیں جس طرح کہ حسنات مثلاً عدل ۔ صدق وغیرہ کو حسنہ اور نیکی سمجھنا اور پھر اُنکو وجود میں لانا وجودی امر ہیں ۔ اِسی طرح یہ تمام امور مذکورہ بھی وجودی ہیں ۔ انسان کو ترک سیئات پر ثواب کا استحقاق اُس وقت حاصل ہوتا ہے ۔ جب اُنکو نفرت اور کراہت سے ترک کرے اور نفس کے خواہش کرنے پر اُسکو اُن سے ہٹائے اور باز رکھے ۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے مومنین کے حق میں فرمایا ہے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ (مگر بھلے کو خدا نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں عمدہ کر دکھایا ہے ۔ اور کفر اور خودسری اور نافرمانی سے تم کو نفرت دلا دی ہے) وقال تعالےٰ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (اور جو اپنے پروردگار کے حضور میں (جواب دہی کیلئے) کھڑے ہونے سے ڈرا اور (اپنے) نفس کو خواہشوں سے روکتا رہا) وقال تعالےٰ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی (کے کاموں) اور ناشائستہ حرکتوں سے روکتی (رہتی) ہے) اور صحیحین میں حضرت رسول خدا صلعم سے مروی ہے کہ جس شخص میں یہ تین خصلتیں موجود ہوں اُس کو ایمان کی حلاوت اور چاشنی معلوم ہوتی ہے ۔ ایک یہ کہ اللہ تعالےٰ اور اس کا رسول تمام چیزوں سے اُس کے نزدیک زیادہ محبوب ہوں ۔ دوسرا یہ کہ جس آدمی سے دوستی کرے ۔ تو اُسکی دوستی محض اللہ کے واسطے ہو ۔ تیسرا یہ کہ جب کفر سے ایک دفعہ اللہ تعالےٰ نے اُس سے نجات بخشی ہے ۔ تو اب دوبارہ اسلام کو چھوڑ کر

نفرت میں عبادت کرنے کہ نہ دیکھا ایسا برا اور ناپسند ہے جیسا کہ آیت بریء الا ... سے براءت ثابت معلوم ہوتا
ہے۔ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغض فی اللہ کو ایمان سے گنا ہے اسے ایمان میں سے قرار دیا
ہے کہ دوسری طرح منع کیا گیا کمال ایمان بتایا ہے اور بغض اور منع و فرمایا ترک میں ... آپ نے
فرمایا ہے کہ جس نے کسی سے محبت کی تو اللہ کے لئے اور جس سے دشمنی کی تو بھی اللہ ہی کے لئے
لئے اور کسی کو کچھ دیا تو بھی اللہ ہی کے لئے اور نہ دیا تو بھی اللہ ہی کے لئے تو اس نے اپنے
ایمان کو کامل اور پورا کر لیا۔ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے کاموں ... سے
یعنی امور سے بغض و کراہت کو جو ان کے ترک کا باعث ہو مراتب ایمان سے قرار دیا ہے۔ اور بُرے
کام کا ترک کرنا اور اس سے باز آنا جیسا کہ بغض و کراہت سے ہو منجملہ امور ایمان کے ہے۔ اسی طرح
ابراہیم علیہ السلام کا اپنی مشرک قوم اور ان کے معبودوں سے بری و بیزار ہونا ترک محض نہ تھا۔ بلکہ وہ
براءت بغض۔ عداوت اور کراہت پر مبنی تھی۔ اور یہ چیزیں یعنی بغض۔ عداوت وغیرہ وجودی امور
اور قلب کے اعمال میں سے ہیں۔ ان کا ثمرہ یہ ہے کہ جب کسی چیز کی نسبت دل میں بغض۔
عداوت پیدا ہوگا۔ تو وہ چیز اعضائے ظاہری سے صادر نہ ہوگی جس طرح کہ تصدیق اللہ و رسول
اور طاعت کے ارادہ اور اسکی محبت پر یہ اثر مترتب ہوتا ہے کہ اعضائے بدن طاعت الٰہی
میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور یہی حب اور بغض کلمۂ شہادت کا مضمون ہے کہ باطل معبودوں
سے بغض اور اللہ سبحانہ کے ساتھ دل میں محبت پیدا ہو۔ اور جب تک باطل معبودوں سے پوری
نفرت نہ ہو۔ گو اللہ سبحانہ کی عبادت کرے۔ اس سے محبت رکھے۔ اسی پر توکل کرے۔ اسی سے
خوف و امید رکھے۔ اور اسی کی طرف متوجہ ہو۔ مگر جب تک غیروں کی عبادت اور ان پر بھروسا کرنا
اور ان کی طرف توجہ نہ چھوڑے اور دل سے انکے خوف اور امید کو بھی نہ نکال دے اور ان سے
کامل بغض و عداوت نہ رکھے ایمان درست نہیں ہوتا اور یہ سب وجودی امور اور حسنات ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ
ثواب عطا فرماتا ہے سیئات اور برے اعمال کا اس طور پر صدور نہ ہونا۔ کہ نہ تو انکی برائی معلوم اور نہ دل میں
انکی برائی اور کراہت و نفرت پیدا ہو اور نہ اپنے آپ کو ان سے بچانے کا قصد و ارادہ ہو۔ بلکہ ان کا عدم
صدور صرف اس وجہ سے ہو کہ وہ خیال ہی میں نہ آئے ہوں۔ اس طور پر ترک معاصی موجب ثواب
نہیں بلکہ اس قسم کا ترک ایسا ہے جیسا کہ بچے اور سوئے ہوئے آدمی سے گناہ سرزد نہیں ہوتے لیکن
اگر انکی حرمت کا اعتقاد ہو گو ان کا صدور فطرۃً کسی سے ناممکن ہو مثلاً عنین یا نہایت بوڑھا آدمی
جس کو جماع کی خواہش ہی نہیں جب زنا کی حرمت کے معتقد ہوں تو اس پر ثواب کے مستحق ہو سکتے ہیں

غرض یہ کہ ترکِ شے کی تین قسمیں ہیں۔ اول وہ جس پر ثواب ملتا ہے۔ دوم وہ جس پر عذاب ہوتا ہے۔ سوم وہ جس پر عذاب یا ثواب کچھ مرتب نہیں ہوتا۔ تو قسم اول جس پر ثواب ملتا ہے اس کی یہ صورت ہے کہ انسان برے کام کو حرام سمجھے اور باوجودیکہ اس کے کرنے پر قادر ہو محض اللہ کی رضامندی کے لئے اسے چھوڑ دے۔ اور قسم دوم جس پر عذاب ہوتا ہے اس کی یہ صورت ہے کہ کوئی کسی برے کام کو غیر اللہ کے خوش کرنے کے لئے چھوڑ دے اور اللہ کی خوشنودی مقصود نہ ہو۔ غیر اللہ کی رضامندی کے لئے گناہ کے ترک کرنے پر ایسا ہی عذاب ہوتا ہے جیسا کہ غیر اللہ کے خوش کرنے کے لئے عبادت اور اعمال حسنہ کے کرنے پر عذاب ہوتا ہے کیونکہ غیر اللہ کے خوش کرنے کے لئے نیک کام کرنا یا برے کام سے باز آنا ایک قسم کا شرک ہے جس پر انسان مستحق عذاب ہوتا ہے اور قسم سوم جس پر ثواب یا عذاب کچھ مرتب نہیں ہوتا اس کی یہ صورت ہے کہ کسی کے دل میں کسی برے کام کی نہ تو محبت ہے اور نہ اس سے نفرت ہے بلکہ وہ کام اس کے خیال میں بھی نہیں پس ایسے کام کا متروک ہونا نہ تو باعث ثواب ہے اور نہ موجب عذاب۔ بلکہ یہ ایسا ہے جیسا کہ طفل صغیر اور نابالغ صغیر اور قوم کی حالتیں برے کاموں سے محفوظ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اگر کوئی شخص فواحش اور برے کاموں سے خلقت سے حیا کرنے اور ان کے درمیان اپنی وجاہت اور وضعداری قائم رکھنے۔ اور ان کی نظروں میں ذلت سے محفوظ رہنے کے لئے باز رہتا ہے۔ تو اس پر وہ کس طرح معذب ہوگا حالانکہ اللہ سبحانہ نے ایسا کرنے کی ممانعت اور ہدایت نہیں فرمائی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان مذکورہ بالا وجوہ کے باعث گناہ اور برائیوں سے باز رہتا ہے۔ تو بیشک وہ اس پر معذب نہ ہوگا۔ بلکہ وہ معذب اسی صورت میں ہوگا کہ محض ان کی خوشنودی اور رضامندی کے لئے گناہوں سے باز رہے اور بظاہر یہ دکھلائے کہ اس نے ایسے کاموں کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے ترک کیا ہے اور درحقیقت غیر اللہ کی رضامندی مقصود ہو۔ غرض اگر گناہوں کو غیر اللہ کے تقرب اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے اور ریا کی غرض سے چھوڑتا ہے تو اس پر مستحق عذاب ہے اور اگر حیا مخلوق کی نظروں میں ذلت سے محفوظ رہنے اور ان کی ایذا و تکلیف سے بچنے کے خیال سے چھوڑتا ہے تو اس پر مستحق عذاب نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر اپنی وجاہت قائم رکھنے میں کوئی اچھی غرض ملحوظ ہو جو کہ عند اللہ محبوب و پسندیدہ ہو جیسے کہ کوئی شخص ہادی اور پیشوا ہو جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام۔ علمائے کرام۔ صوفیائے عظام۔ اور وہ اس خیال سے کہ لوگوں کی نظروں میں میری عزت اور وقعت رہنے سے تبلیغ احکام الٰہی میں سہولت یا کامیابی حاصل ہوگی۔ گناہوں سے باز رہے تو یہ امر باعث ثواب اور رضائے الٰہی ہے۔ ترک یعنی کسی کام کے نہ کرنے کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض وجودی کہتے ہیں اور بعض عدمی مگر اکثر کی رائے یہی ہے کہ وجودی امر ہے۔ ابوہاشم اور اس کے متبعین کا قول ہے کہ ترک عدمی امر ہے اور مامور کو محض مامور بہ کے نہ کرنے پر عذاب ہوگا۔ گو اس کے دل میں اس کے

ترک کا قصد و ارادہ نہ ہو مگر جب اُس نے مامور بہ کو پورا نہیں کیا۔ تو وہ محض اسی عدم فعل پر معذب ہوگا۔ یہ لوگ مذمت اور عقاب کو عدم محض پر مرتب قرار دیتے ہیں۔ مگر اکثر اہل علم کا یہ قول ہے کہ منہی عنہ کے ترک کرنے پر جو ثواب پاتا ہے اُس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس صورت میں بھی ایک وجودی چیز کو ترک کیا جاتا ہے یعنی وہ ارادہ جو اُس منہی عنہ کام کے کرنے کے متعلق دل میں متحکم ہوتا ہے اُسکے ترک کرنے اور چھوڑنے پر ثواب ملتا ہے۔ اور مامور بہ کے ترک کرنے کی صورت میں بھی ایک وجودی چیز کے ترک کرنے اور مامور بہ سے اپنے آپ کو بچانے پر مواخذہ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ وہ حسنات جن پر ثواب مرتب ہوتا ہے سب کی سب وجودی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے بعض بندوں کے دل میں ایمان و طاعت کی محبت اور اُنکے مخالف اشیاء کی کراہت و نفرت ڈال دی ہے اور سیئات کا منشاء اور سبب جہالت اور ظلم ہے۔ کیونکہ انسان کوئی بُرا کام دو وجہ سے کرتا ہے یا تو اُسکی برائی سے ناواقف اور بیخبر ہوتا ہے یا دیدہ دانستہ خواہش نفس کی پیروی سے بُرے کام کرتا ہے پس ناواقفی سے کرنا جہالت اور جان بوجھ کر کرنا ظلم ہے۔ اور نیکی اور اچھے کام کو یا تو جہالت کی وجہ سے چھوڑتا ہے یا اس وجہ سے ترک کرتا ہے کہ اُس کے خلاف میں خواہش نفس کا پورا ہونا ملحوظ رکھکر اس کی طرف راغب ہوتا ہے۔ غرض تمام سیئات کا مرجع اور مآل جہالت ہے۔ اگر انسان کو پورا علم ہو۔ جس سے بُرے کاموں کے ضرر و منافع میں تمیز کر سکے تو وہ کبھی بُرے کام کا نام نہ لے۔ کیونکہ اُنکے ضرر اُنکے منافع سے کئی درجہ زیادہ ہیں۔ اور عقل کا یہی خاصہ ہے کہ نفع اور ضرر سوچنے کے بعد جس کام میں نفع کی بہ نسبت ضرر زیادہ معلوم ہو اس کام کے کرنے کی کبھی اجازت نہیں دیتی۔ ظاہر ہے کہ چونکہ اُونچے مینار اور بلند پہاڑ سے نیچے گرنے میں انسان کو ضرر پہنچنے کا یقین ہے۔ لہذا کوئی صحیح العقل ایسا کام نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر کوئی دیوار گرنے لگے تو اُس کے نیچے کھڑا نہیں ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس سمندر میں کود پڑنا یا زہر کو کھانا چونکہ یقیناً مضر ہے لہذا کوئی عاقل بھول کر بھی ایسے کام نہیں کرتا اور یہ ایک فطرتی امر ہے جو انسان کے علاوہ دوسرے حیوانات میں بھی موجود ہے کہ جہاں اُنکو ضرر و تکلیف پہنچتی ہے تو وہاں نہیں جاتے۔ اور ضرر رساں چیزوں سے بھاگتے اور نفرت کرتے ہیں۔ اور جس شخص کو ضرر معلوم نہیں ہوتا جیسے بالکل نادان بچہ یا مجنوں اور مست جنکی عقل بالکل زائل ہوگئی ہے تو وہ ایسے کام کر گذرتا ہے۔ اور جو شخص ضرر اور نقصان کو سمجھتا ہے اور پھر مضر کام کو اختیار کرتا ہے۔ تو وہ اپنے خیال میں یہ سمجھتا ہے کہ اگرچہ اس کام میں کسی قدر ضرر بھی ہے۔ مگر اس کا نفع ضرر سے بہت زیادہ ہے۔ لہذا وہ نفع اُس کام کے کرنے کے لئے مرجح ہو جاتا ہے۔ اگر بحری سفر کرنے والے تاجر کو یہ معلوم ہو کہ وہ خود بھی سمندر میں ڈوب کر مر جائیگا اور اس کا تمام مال و اسباب بھی غرق ہو جائیگا۔ تو وہ کبھی بحری سفر کو اختیار نہ کرے لیکن وہ اپنے خیال میں

سمجھتا ہے کہ مجھے اِس سفر میں بہت سے منافع اور فوائد حاصل ہونگے گو یہ خیال اُس کا غلط ہو۔ اِسی طرح گناہوں اور معاصی کا حال ہے۔ اگر چور کو یہ یقین ہو کہ وہ پکڑا جائیگا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائیگا تو وہ کبھی چوری نہ کرے لیکن وہ اپنے خیال میں سمجھتا ہے کہ مجھے کون دیکھیگا۔ بلکہ میں بہت سامال لیکر صحیح و سلامت واپس آجاؤنگا قاتل۔ شرابی۔ زانی سب کا یہی حال ہے۔ اگر گناہ کرنے والے کو یہ یقین ہو کہ اسکو گناہ کرنے میں ضرور وہ ضرر لاحق ہوگا۔ جو نفع موہوم سے کئی گنے زیادہ اور یقینی ہے تو وہ کبھی گناہ کا نام نہ لے۔ بلکہ گناہگار اس لئے گناہ کرتا ہے کہ یا تو اس کی حرمت کا اُس کو یقین نہیں ہوتا یا اُس کی سزا اور عقوبت کی نسبت یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی مغفرت اور معاف فرمانے سے عقوبت اور سزا ٹل جائیگا یا یہ خیال کرتا ہے کہ توبہ کر لونگا یا اُسکے بعد ایسے نیک کام کرونگا جن سے گناہوں کا اثر مٹ جائیگا۔ اور کبھی خواہشِ نفس کے غلبہ کے سبب ان سب باتوں سے غافل اور بے خبر ہوتا ہے۔ شہوتِ نفس اُس پر ایسی غالب آجاتی ہے کہ گناہ کی مضرت کا اُسے خیال بھی نہیں ہوتا۔ اور غفلت کا پردہ اُس کے دل پر چھا جاتا ہے۔ حقیقۃ الامر یہ ہے کہ شہوت نفس کی پیروی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا اور ایسے شخص کا کہا ہرگز نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہے اور اُسکی دنیا داری حد سے بڑھ گئی ہے۔ یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ محض خواہشِ نفس گناہوں کے صدور کے لئے مستقل اور کافی سبب نہیں بلکہ جہالت کے ساتھ ملکر موجب صدور معاصی ہوتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ خواہشِ نفس کے پیرو کو اگر یہ بات یقیناً معلوم ہو کہ اتباع ہوائے نفس میں اُسکو ضرور ضرر اور نقصان پہنچیگا۔ تو وہ فطرۃً اپنی نفس کی اطاعت نہ کریگا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ذی روح کی خلقت میں اپنے منافع کی محبت اور مضار سے نفرت و عداوت پیدا کر دی ہے۔ پس ضرر کا یقین ہونے پر دیدہ و دانستہ مضر کام کو ہرگز نہیں کرتا۔ غرض معاصی میں مبتلا ہونے کے لئے دو چیزیں موجب اور باعث ہیں ایک تو اغوائے شیطان و اتباع نفس۔ دوسرے جہالت۔ شیطان کا یہ کام ہے کہ وہ معاصی اور سیئات کو منافع۔ لذات اور طیبات کی صورت میں انسان کو دکھلاتا ہے اور نفس اُسکے مضرت کے سوچنے سے جاہل اور غافل ہو جاتا ہے۔ پس اس اغوا اور غفلت سے ایک ارادہ اور شہوت پیدا ہو جاتی ہے جس میں ترقی ہوتے ہوتے عزم بالجزم کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے جس کے بعد فعل کا صدور متحقق ہوتا ہے جس طرح کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حوا کی نظر میں شجرہ کے کھانے کو ایک ایسی عمدہ اور خوبصورت ... [illegible] ... کی مضرت کے سوچنے سے غافل ہو گئے۔ غرض تزیین اعمال نیکی اور برائی کے کرنے [illegible] ... نے انسان کی نظر میں بُرے اعمال کو مزین

کر دیا تو وہ انہی کو کرنے لگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ (اور جو (اعمال) بد کرتے تھے شیطان نے (ان کی نظروں میں) ان کو آراستہ کر دکھایا تھا)۔
وقال تعالیٰ أَفَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا (تو کیا وہ شخص جس کو اس کا عمل بد (اغوائے
شیطانی کی وجہ سے) اچھا کر دکھایا گیا اور اس کو عمدہ سمجھنے لگا (اس شخص جیسا ہے جس نے) نیک اعمال کو اپنے
کے دل میں مزین کر دیا تو وہ ان کا عامل بن گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ
إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ (لیکن خدا نے تمہیں ایمان کو محبوب بنا دیا اور اس
کو تمہارے دلوں میں عمدہ کر دکھایا ہے) اور دونوں قسم کے اعمال کے متعلق فرمایا ہے كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ
أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (اس طرح ہم نے
ہر فرقے کے اعمال انکو عمدہ کر دکھائے ہیں پھر آخر کار ان سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ
کر جانا ہے تو جیسے جیسے اعمال (دنیا میں) کرتے تھے (خدا ان کا برا بھلا) ان کو بتا دیگا) خیر اور
ہدایت کی تزیین ملائکہ اور مومنین کے واسطہ اور ذریعہ سے ہوتی ہے اور شر اور ضلال کی تزیین
کے موجب جن و انس میں سے برے اور شیطان لوگ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَ
كَذَٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ (اور اسی طرح بہت سے
مشرکین کو ان کے ریاست ہوئے شریکوں نے انکے اپنے بچے مار ڈالنے ان کی نظروں میں عمدہ کر دکھایا
ہے) حقیقۃ الامر یہ ہے کہ شیطان اور برے لوگوں کے اغوا اور فریب میں جاہل ہی پھنستا ہے۔ باطل
مضر اور موذی چیزیں اس کو حق نافع اور موافق مطلب معلوم ہوتی ہیں۔ غرض تمام خرابی کی جڑ جہالت اور
نادانی ہے۔ اسی واسطے صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقولہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ تو وہ جاہل ہے۔ اور
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ
مِن قَرِيبٍ (اللہ توبہ (تو) قبول کرتا ہی ہے مگر انہیں لوگوں کی جو نادانی سے کوئی بری حرکت کر بیٹھے
پھر جلدی سے توبہ کر لی قال تعالیٰ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ
رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِن بَعْدِهِ وَ
أَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (اور اے پیغمبر جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جب تمہارے
پاس آیا کریں تو تم بھی دل دہی کرو اور کہو کہ خدا کی طرف سے تم کو سلامتی (کی خوشخبری) ہو (اور) تمہارے
پروردگار نے (بندوں پر مہربانی) کرنا از خود اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ جو کوئی تم میں سے براہ نادانی کوئی گناہ
کر بیٹھے پھر اس کے پیچھے توبہ اور (اپنی حالت کی) اصلاح کر لے تو (خدا اس کو) بخشدیگا کیونکہ وہ بخشنے والا مہربان ہے)

ابو العالیہ کا قول ہے کہ انہوں نے صحابہ کرامؓ سے آیت اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ
بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ کا مطلب پوچھا تو صحابہؓ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالے کی نافرمانی
کرے وہ جاہل ہے۔ اور جو موت سے پہلے توبہ کر لی تو اس نے قریب ہی توبہ کی۔ قتادہ کا قول ہے
کہ تمام صحابہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خدا تعالے کی کوئی نافرمانی کرنا خواہ عمداً ہو یا نہ جہالت اور نادانی ہے اور
ابن جریر کا بیان ہے کہ مجاہد کا قول ہے کہ ہر وہ شخص جو کوئی نافرمانی کرے وہ جہالت ہے اور جو شخص خدا کی نافرمانی کرے جب تک
معصیت کا مرتکب ہو نادان ہے۔ [illegible] اور جو شخص اس کی [illegible]
[illegible] کو ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے اور نیز یہ کہا ہے کہ قتادہ اور عمرو بن مرہ
اور ثوری سے بھی ایسی روایت مروی ہے کہ عمداً ہو یا خطاً خدا تعالے کی نافرمانی جہالت ہے۔ مجاہد اور ضحاک
سے مروی ہے کہ حلال یا حرام تو صرف نہ جاننا جہالت نہیں بلکہ حرام کا ارتکاب کرنا جہالت ہے۔ عکرمہ
کا قول ہے کہ ناحق کسی کا خون کرنا جہالت ہے۔ ان اقوال کی تصدیق آیت اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ
عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (خدا سے تو بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو خدا کے آثار قدرت کا علم رکھتے ہیں) سے
ہوتی ہے کیونکہ جو شخص خدا تعالے سے ڈریگا وہ اسکے احکام بجا لائیگا اور ممنوعات سے باز رہیگا۔ وہی
عالم درحقیقت عالم ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالے نے ایک دوسرے مقام میں فرمایا ہے اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ
اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ
يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (بھلا جو شخص رات کے اوقات (تنہائی) میں (خدا کی) بندگی میں لگا
ہے (کبھی) اس کی جناب میں سجدہ کرتا اور کبھی اسکے حضور میں دست بستہ کھڑا ہوتا آخرت اور اپنے
پروردگار کے فضل کا امیدوار رہتا ہے کہیں ایسا شخص (بندہ نافرمان) کے برابر ہو سکتا ہے (اے پیغمبر ان لوگوں
سے) کہو کہ کہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے بھی برابر ہو سکتے ہیں) ایک آدمی نے شعبیؒ سے یوں کہا
اے عالم تو شعبی نے کہا اے بھائی ہم عالم نہیں بلکہ عالم وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ ابن مسعودؓ کا قول
ہے کہ کافی علم یہ ہے کہ بندہ [illegible] اور جہالت یہ ہے کہ [illegible] نافرمانی یہ ہے کہ اس کے عذاب سے غافل
ہو۔ جملہ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا دو جانبین سے حصر ہے۔ کہ اللہ سے وہی ڈرتے
ہیں۔ جو عالم ہیں۔ اور عالم وہی ہیں جو اللہ تعالے سے ڈرتے ہیں۔ پس اس سے یہی نکلیگا جو عالم ہوگا
اور جو عالم ہوگا وہ اس سے ضرور ڈریگا۔ اس میں جو [illegible] ہوگا اس میں اللہ کی خشیت نہ ہوگی۔ اور جس میں خشیت
نہ ہوگی وہ درحقیقت عالم نہیں بلکہ جاہل ہے۔ ہاں اتنا اشتباہ ہوتا ہے کہ بعض آدمی احکام الٰہی اور مسائل
کو جانتے ہیں پورے ماہر ہوں [illegible] لیکن اُن میں خشیت الٰہی موجود نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم

ہوتا ہے۔ کہ علم خشیت کے بدون بھی حاصل ہو سکتا ہے مگر یہ غلطی ہے علم بدون خشیت موجود ہونا ناممکن اور محال ہے کیا خطرہ یہ بات ثابت نہیں۔ کہ آدمی آگ یا شیر یا اور کسی اپنے ایسے دشمن کو دیکھ کر جس سے اس کو ضرر کا اندیشہ ہو خوف نہ کرے ہرگز نہیں بلکہ اس سے ضرور ڈریگا۔ اور وہاں سے بھاگنے اور جان بچانے کی کوشش کریگا۔ یا کوئی شخص اپنے آپ کو بلند پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرانے میں موت کا خوف نہ کرے ضرور خوف کریگا۔ اور اگر ایسے مواقع میں بھی کوئی شخص خوف نہ کرے۔ تو وہ ضرور بے خبر اور پورا نادان ہے۔ لیکن اگر ایسے مواقع میں تو خوف کرے۔ اور گناہوں کے ارتکاب میں خوف الٰہی نہ کرے تو عالم نہیں بلکہ عقلمند جاہل ہے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ ابلیس کو تو پورا علم اور تمام چیزوں یعنی بہشت و دوزخ کا مشاہدہ حاصل ہو چکا تھا پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی۔ کس طرح کی جن کو علم حاصل ہوتا ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ . . . . . اور نیز یہ مضمون کہ جن کو علم حاصل ہو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل آیات کے مخالف معلوم ہوتا ہے جیسے وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (اور رہے ثمود تو ہم نے انکو (سیدھا) رستہ دکھا دیا تھا مگر انہوں نے سیدھا رستہ چھوڑ کر گمراہی اختیار کی) وقال تعالیٰ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً (ہم نے (قوم) ثمود کو اونٹنی (کا کھلا ہوا) معجزہ دیا تھا) اور فرعون کی قوم کی نسبت فرمایا ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (اور باوجودیکہ انکے دل ان (معجزوں) کا یقین کر چکے تھے (مگر) انہوں نے ہیکڑی اور شیخی کے مارے ان کو نہ مانا) اور قوم عاد اور ثمود کی نسبت فرمایا ہے وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ (اور (ہم نے قوم) عاد اور ثمود کو (بھی ہلاک کیا) اور (اے اہل مکہ ملک شام کو آتے جاتے) تم کو انکے (اجڑے ہوئے) گھر (بھی) دکھائی پڑتے ہیں اور شیطان نے انہیں انکے عملوں کو اچھا کر دکھایا تھا اور (اسی تدبیر سے) انکو راہ (راست کے اختیار کرنے) سے روکا بھی تھا۔ اور (وہ شامت اعمال سے شیطان کے بہکانے میں آ گئے ورنہ یوں تو) وہ (بڑی) سوجھ بوجھ کے لوگ تھے) اور موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ (کہ آپ (اتنی بات دل میں) ضرور جان چکے ہیں کہ آسمان و زمین کے پروردگار ہی نے (یہ معجزے) اتارے ہیں (اور لوگوں کے لئے یہ سوجھ کی باتیں ہیں) وقال تعالیٰ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ (اور اللہ کی شان

سے بعید ہے کہ ایک قوم کو ہدایت دے پیچھے گمراہ قرار دے تاوقتیکہ انکو وہ چیزیں نہ بتا دے جن سے وہ بچتے رہیں) وقال تعالےٰ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ (جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توراۃ وغیرہ) دی ہے وہ جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (اسی طرح ہمارے) اِن (پیغمبر محمد) کو بھی پہچانتے ہیں) وقال تعالےٰ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (اے اہل کتاب کیوں حق و باطل کو گڈ مڈ کرتے اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم (حقیقۃ الحال سے) واقف ہو) وقال تعالےٰ فَاِنَّھُمْ لَا یُکَذِّبُوْنَکَ وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ (کیونکہ یہ تم کو نہیں جھٹلاتے بلکہ (یہ) ظالم (حقیقت میں) اللہ تعالےٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں) جحود کا یہ معنی ہے کہ حق کو معلوم کرنے کے بعد دیدہ دانستہ اُس کا انکار کیا جائے۔ اِسکے علاوہ اِس قسم کی آیات قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں کہ جن کا مضمون اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا کے مخالف معلوم ہوتا ہے۔ تو اب اس کا کیا جواب ہے۔ تو ہم اِسکے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ آیاتِ قرآن کریم باہم متناقض و مخالف نہیں بلکہ سب درست اور صحیح ہیں۔ اور ایک کا مضمون دوسری کے مخالف و معارض نہیں بلکہ باہم ایک دوسری کی تصدیق کرتی ہیں۔ جب اللہ سبحانہٗ نے اُس شخص کو جس نے خدا کی توحید اور رسول کی رسالت کا اقرار کرنے اور معاصی کو حرام اور موجب عذاب جاننے کے بعد ارتکاب معاصی کیا ہو جاہل قرار دیا ہے تو مشرکین اور کفار جو آیاتِ الٰہی کے منکر اور انبیاء علیہم السلام کے جانی دشمن تھے وہ کس طرح جاہل نہ ہونگے۔ بلکہ وہ تو سب جاہلوں سے جہالت میں بڑھے ہوئے اور زیادہ اجہل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اقامت حجت کے بعد منکرین کو جاہل قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ (اے پیغمبر) درگذر (کا شیوہ) اختیار کرو اور (لوگوں سے) نیک کام (کرنے) کو کہو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو) اقامت حجت اور صداقت رسول کا یقین ہونے کے بعد جب کفار نے انکار پر اصرار کیا تو اللہ سبحانہٗ نے انکو جاہل قرار دیا۔ ایک اور مقام میں مومنین کے حق میں فرمایا ہے وَاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (اور جب جاہل اُن سے (جہالت کی) باتیں کرنے لگیں تو (انکو) سلام کریں) جاہلوں سے مراد وہ کفار ہیں جن کو رسول کی رسالت کی حقانیت کا یقین حاصل تھا۔ مگر ہٹ دھرمی کے مارے انکار سے باز نہ آتے تھے۔ غرض اس قسم کے علم سے آدمی عالم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بظاہر اور صورۃً تو عالم ہے مگر درحقیقت جاہل اور کور باطن ہوتا ہے۔ اِسی واسطے ایسے لوگوں کے حق میں علم کا ثبوت اور نفی دو نوں ایک مقام میں وارد ہیں چنانچہ اللہ تعالےٰ

نے ساحرین یہود کی نسبت فرمایا ہے وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ
وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (باوجودیکہ وہ جان چکے تھے کہ جو شخص ان
باتوں کا خریدار ہوا وہ آخرت میں بے نصیب ہے اور البتہ (بہت ہی) بُرا (معاوضہ) ہے جس کے
بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا ہے کاش انکو (اتنی) سمجھ ہوتی) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے
ساحرین یہود کے لئے وہ علم جس سے ان پر حجت قائم ہو ثابت فرمایا ہے۔ اور اس علم کو جو نافع
اور مضر چیزوں سے بچنے کا ذریعہ ہو ان سے نفی کیا ہے۔ اس سے [illegible] ہے کہ جو لوگ
بُرے کاموں سے باز نہیں آسکتے۔ گو وہ عالم کیوں نہ ہوں۔ مگر علم نافع سے خالی۔ بے بہرہ اور جاہل
ہیں۔ پس ایسے عالم جو درحقیقت جاہل ہیں دوزخ میں جھونکے جاوینگے۔ علم نافع اور جہالت دونو ایک
آدمی میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ ہوائے نفس غفلت اور اعراض عن الحق نافع
چیز کے سوچنے اسکے حاضر کرنے اور کمال علمی سے مانع ہو کر آدمی کے دل میں طرح طرح کے شبہات
اور ایسی فضول تاویلات پیدا کر دیتے ہیں جو حق کے سمجھنے کے معارض ہو جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ ایسی
چیز کا خیال ہی جاتا رہتا اور آدمی بالکل جاہل ہو جاتا ہے۔ اگر ابلیس کو یقیناً معلوم ہوتا کہ آدم علیہ السلام
کو سجدہ نہ کرنے سے وہ درگاہ الٰہی سے بالکل نکال دیا جائیگا۔ اور وہ سب سے زیادہ عذاب میں گرفتار
و مبتلا ہوگا تو وہ آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے سے ہرگز انکار نہ کرتا۔ لیکن اس کے اور ان باتوں
کے سوچنے کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہو گیا۔ تاکہ اس کا امر جاری اور اسکی تقدیر نافذ ہو۔ اور اگر
آدم اور حوا کو یہ معلوم ہوتا۔ کہ وہ اس درخت کے پھل کھانے سے جنت سے نکال دئے جاوینگے
اور گوناگون مصائب و تکالیف انکو پیش آوینگے تو وہ کبھی اسکے پاس نہ جاتے۔ اسی طرح منکرین انبیاء
اور کفار کو اگر ان تکالیف کا جزم و علم ہو جو قیامت میں انکو پیش آوینگی تو وہ ہرگز انبیاء علیہم السلام کی مخالفت
نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی نسبت فرمایا ہے وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا
بِالنُّذُرِ (اور لوط نے ان لوگوں کو ہماری پکڑ سے ڈرا بھی دیا تھا مگر وہ (ان کے) ڈرانے میں لگے
حجتیں نکالنے) وقال تعالیٰ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِنْ
قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُرِيبٍ (اور (اب) ان میں اور انکی توقعات میں ایک روک
کر دی جائیگی کہ ایسا ہی (سلوک) ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا جو انکے ہم جنس تھے (اور) ان سے پہلے
(کفر کر چکے تھے) وہ (بھی ان ہی کی طرح) شک در شک میں (پڑے) تھے) اور منافقین کی نسبت یوں
فرمایا ہے وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ (اور ان کے دل شک میں

پڑے ہیں تو وہ اپنے شک کی حالت میں حیران ہیں (وقال تعالےٰ وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ (لیکن تم نے آپ اپنے تئیں بلا میں ڈالا اور اس بات کے منتظر رہے کہ مسلمانوں پر کوئی آفت نازل ہو اور اسلام کی طرف سے شک میں (پڑے) رہے) وقال تعالیٰ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (انکے دلوں میں پہلے ہی سے کفر کا مرض تھا) مرض سے مراد شک ہے کیونکہ منافقین کو صداقت رسول میں کسی قسم کا شک وشبہ تھا کیونکہ انہوں نے آپکی صداقت کے معجزات باہرہ اور نشانات ظاہرہ کو چشم خود دیکھ لیا تھا۔ اور ان پر حجت الٰہی قائم ہو چکی تھی۔ مگر باوجود اس کے وہ شک وشبہ میں پڑے رہے۔ اسلئے دوزخ میں سب سے بری جگہ میں رکھے جاوینگے۔ انکے شکوک وشبہات ایسے تھے جو علم نافع سے انکو مانع اور حاجب ہوئے ورنہ صداقت رسول کا انکو یقین حاصل تھا اور حجت الٰہی پوری ہو چکی تھی۔ وہاں مرتاب یعنی شک کرنے والے اس لئے قرار دئیے گئے ہیں کہ علم نافع سے خالی اور بے بہرہ تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ غفلت۔ اعراض عن الحق۔ اتباع ہوائے نفس۔ شہوات کی پیروی سے انسان علم نافع اور حق یقین سے محروم رہتا ہے اور پیدا ہو اس کے دل میں ایسے شبہات اور باطل تاویلات پیدا کر دیتے ہیں۔ جو علم نافع کے مخالف اور اسکو روکنے والے ہو جاتے ہیں۔ اس مقام کو خوب سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ مسئلہ تقدیر۔ شرع اور عدل الٰہی کے اسرار میں سے ہے۔ پس وہ علم جس سے خشیت الٰہی حاصل ہوتی ہے اس سے معرفت کامل اور علم نافع مراد ہے جس پر اس کا ثمرہ مرتب ہو۔ اور جس علم سے حجت الٰہی قائم ہوتی ہے وہ علم غیر نافع ہے۔ جس کا وجود کالعدم ہے بلکہ ایسا عالم جاہل سے بدتر ہے۔ اور علم کی قسم دوم یعنی غیر نافع جہل کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ اور قسم اول جہل کے ساتھ جمع نہیں ہوتی۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ سیئات اور برائیوں کی دار مدار جہالت اور عدم علم پر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عدم علم وجودی چیز نہیں۔ جس کے لئے فاعل موثر کی ضرورت ہو بلکہ عدم علم محض عدم کا نام ہے جو سمع۔ بصر۔ قدرت۔ اور ارادہ کے نہ ہونے سے حاصل ہوتا ہے اور عدم محض اللہ سبحانہ کی طرف اسلئے مضاف نہیں ہو سکتا کہ وہ شر ہے اور شر سے اللہ کی ذات منزہ اور پاک ہے۔ پس جب انسان کسی اچھے کام کے ارادہ سے غافل ہو اور ارادۂ خیر اس میں موجود نہ ہو تو چونکہ اس کا نفس بالطبع شہوت وہوی کیطرف مائل ہے لہذا علم نافع سے محروم اور جاہل رہتا اور شر اور خرابی میں پڑ جاتا ہے ۔

فصل ۔ اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں پر طرح طرح کے انعام واحسان فرمائے ہیں منجملہ اپنے احسانات کے دو ایسی جلیل القدر نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ جو تمام سعادات اور خوبیوں کی جڑ اور اصل ہیں۔ اول یہ کہ انکو اصل خلقت میں فطرت سلیمہ پر پیدا کیا ہے کہ ہر ایک بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔ اسکے بعد اس کے ماں باپ اس کو

فطرت سلیمہ سے نکالتے (یا اسی پر قائم رکھتے) ہیں چنانچہ یہ مضمون پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور آپ نے اس کی تمثیل یوں بیان فرمائی ہے کہ جس طرح اونٹ بکری وغیرہ حیوانات کا بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان وغیرہ سب اعضاء صحیح وسالم ہوتے ہیں اسکے بعد اسکے رکھنے والے کبھی اسکے کان دُم وغیرہ اعضا کاٹ دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے اس کے بعد اُس کے ماں باپ اُس کے عقائد۔ اخلاق۔ اعمال میں یا تو خرابی پیدا کرتے ہیں یا اُسکے معاون و مددگار ہوکر اُسے فطرت سلیمہ پر قائم رکھتے ہیں جس سے اُس کے تمام حالات حسب فطرت درست اور صحیح پائے جاتے ہیں۔ اور نیز پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے یوں فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا۔ پھر شیطان نے انکو طرح طرح کے فریب دیکر اُس فطرتی توحید وجبلی دین سے دور کر دیا اور جو چیزیں میں نے اپنے بندوں پر حلال کر دی تھیں شیاطین نے انکو اُن چیزوں سے ایسا ہٹا دیا کہ انہوں نے اُن چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور انکو یہ سوجھایا کہ میری ذات کے ساتھ اُن چیزوں کو شریک ٹھیرائیں۔ جنکی نسبت میری طرف سے کوئی دلیل وسند نہیں۔ اگر نفس انسانی کو اپنی فطرت پر چھوڑا جاتا تو وہ اپنے خالق اور پیدا کرنے والے کی محبت اور اسکی عبادت پر کسی چیز کو ترجیح نہ دیتا۔ اور اسکی ذات کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہ کرتا۔ اور اسکے کمال ربوبیت کا کبھی منکر نہ ہوتا۔ بلکہ توحید اور عبادت الٰہی اُسکے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہوتیں۔ لیکن شیاطین جن وانس کی مقارنت اور مصاحبت سے جو بُرے کاموں کی طرف اُسکو ترغیب اور توجہ دلاتے ہیں۔ اُسکی اصلی حالت بدلجاتی اور شر اور خرابی میں پڑ جاتا ہے۔ دوسری نعمت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے اول تو اپنے بندوں کو جوہر عقل وعلم عطا فرما کر ہدایت عامہ سے سرفراز کیا ہے۔ اور اسکے اسباب مہیا کر دئے ہیں۔ اسکے علاوہ انکی ہدایت کے لئے انبیا علیہم السلام کو بھیجا اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں اور جو باتیں معلوم نہ تھیں اُن سے آگاہ فرمایا۔ غرض ہر ایک نفس میں وہ چیزیں رکھدی ہیں۔ جو حق کے سمجھنے اور اسکی محبت کے لئے کافی ہیں اور ہر ایک بندے کو وہ علم عطا کیا ہے جس سے وہ سعادت آخرت کیطرف پہنچ سکتا ہے۔ اور یہ چیزیں اُس کی فطرت میں داخل ہیں لیکن کبھی ایسے عوارض اور موانع اُسکو پیش آجاتے ہیں جو منافع اور حق کے سمجھنے سے باز رکھتے ہیں۔ لہذا وہ حق کے سمجھنے اور اُس کا ارادہ کرنے سے غافل ہوجاتا ہے۔ حق کو نہ سمجھنا اور اس کا ارادہ نہ کرنا یہ ایک عدمی امر ہے جو اللہ سبحانہ کی طرف مضاف نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ عدم محض ہونے کی حیثیت سے یہ شر ہے اور شر سے اللہ تعالےٰ کی ذات پاک ہے۔ ہاں اللہ سبحانہ کیطرف اُس کا علم منسوب ہے اور نیز اس کی قضا بایں معنی اُس کی طرف مضاف ومنسوب ہے کہ اُس نے اُس کی ضد کا ارادہ نہیں

فرمایا اور اُس کو اپنی حالت پر رہنے دیا اور شر کا جاننا شر نہیں بلکہ اس کے جہل سے اچھا ہے۔ اور اُس کی ضد کو پیدا کر کے اُسکو نابود اسلئے نہ کیا کہ اُس کی حکمت کا یہی مقتضا تھا۔ اور جب مقتضائے حکمت یہی تھا۔ تو اس لحاظ سے یہ بھی خیر ہوا۔ گو اپنے محل کیلئے شر اور خرابی کا موجب ہو۔ اور انشاء اللہ قضا الٰہی میں شر داخل ہونے کے باب میں اس مسئلہ کے متعلق ہم پوری تقریر بیان کرینگے ۔

فصل انسان میں طبعی اور حیوانی حیات کے علاوہ ایک دوسری زندگی موجود ہے جس کو دل سے وہی نسبت ہے جو حیوانی زندگی کو بدن سے نسبت ہے۔ اللہ سبحانہٗ جب اپنے بندے کے دل کو اس حیات سے زندہ فرما دیتا ہے تو اس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ بندے کے دل میں اللہ سبحانہ کی محبت عظمت اور جلال پوری طرح سما جاتے ہیں۔ اور اپنے اللہ تعالےٰ سے حیا اور خوف کرتا اور اُسکی طاعت و عبادت میں مصروف رہتا ہے جس طرح کہ بدن کی زندگی کا یہ ثمرہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان کام کاج کر سکتا ہے اسی طرح حیات قلب کا یہ ثمرہ ہے کہ بندہ ہمہ تن اپنے مالک کا پورا مطیع ہو جاتا ہے۔ نجات۔ فلاح اور سعادت کی دار و مدار اسی حیات پر ہے اور یہی جاودانی ہمیشگی اور دائمی زندگی ہے اور جب قلب میں یہ حیاتی موجود نہ ہو اور اس کے عوض حیوانی اور طبعی حیات کے مقتضی اور خواہش کے پورا کرنے میں انسان مصروف ہو تو وہ دنیا میں گمراہ شقی اور آخرت میں ایسا معذب ہوگا۔ کہ اُس کو نہ تو زندوں کیطرح عیش و آرام حاصل ہوگا اور نہ مردوں کی طرح راحت و سکون چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَخْشَىٰ وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (جو (خدا سے) ڈرتا ہے تو وہ جلد سمجھ لیگا مگر بدبخت (ازلی) تو اُس سے گریز ہی کرتا رہیگا۔ جو آخرکار بڑی (سخت) آگ (یعنی دوزخ) میں پڑیگا پھر وہاں اُس کو نہ تو موت ہی آئیگی اور نہ چین سے جینا ہی ملیگا) اس قسم کا عذاب اس لئے ہوگا کہ سزا قصور کے موافق اور عمل کی جنس سے ہوتی ہے۔ چونکہ وہ دنیا میں حیات نافع سے دور رہا اور بہائم کی طرح خورد و نوش میں اپنی زندگی کو بسر کیا۔ حالانکہ اللہ سبحانہ نے عقل کان آنکھیں سب کچھ دے رکھی تھیں اور جمادات کیطرح بے حس و حرکت یا حیوانات کی طرح لایعقل نہیں بنایا تھا لہٰذا آخرت میں یہ سزا ملیگی کہ اُس کو ویسی حیاتی نصیب ہوگی۔ کہ نہ مریگا اور جینے کا کوئی مزہ ہوگا۔ جینے کا مزہ تو اسلئے نہ ہوگا کہ منافع اور لذات سے جو زندگی کا مقصود ہے محروم ہوگا۔ اور چونکہ گوناگوں اور طرح طرح کے مصائب و آلام میں گرفتار ہوگا۔ لہٰذا موت کو پسند اور اختیار کریگا۔ مگر چونکہ موت آنے کی نہیں لہٰذا نہ مردوں میں شمار ہوگا۔ اور نہ زندوں میں داخل ہوگا۔

اس بیان سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ غیر حیات قلب کے لوازم سے ہے اور اُس کا نہ ہونا شر ہے۔ مگر چونکہ یہ ایک عدمی امر ہے لہٰذا یہ مخلوق الٰہی نہیں اللہ سبحانہٗ خالق اشیاء ہے نہ خالق اعدام۔ اگر اللہ سبحانہ کسی

چنانچہ کہ یہ بات عطا نہ کرے تو یہ اللہ سبحانہ کا ظلم یا اسکی جانب سے شر نہیں کیونکہ یہ محض فضل ہے اور اللہ سبحانہ پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ اور بیشک بعض کے لحاظ سے ان صفات کا نہ ہونا شر ہے کیونکہ وہ اسلئے مفقود ہونے سے تمام فضائل سے محروم رہتا ہے۔ بس خلاصہ یہ ہے کہ تمام شر ہو یا خیر کی جانب سے ہے اور یہ سب خیر و شر اللہ سبحانہ کی طرف سے اور سب چیزوں کا خالق وہی ہے اور سب کی قضا و قدر اور حکمت سے واقع ہوتی ہیں ؛

فصل - قدری نے کہا کہ ہم بھی ان سب باتوں کو مانتے ہیں اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے انسان کو صاحب ارادہ بنایا ہے لیکن اس میں یہ قابلیت رکھدی ہے کہ وہ خاص افعال کا ارادہ کر سکتا ہے پس کسی خاص فعل اور جزئی کام کا ارادہ اللہ تعالےٰ کا مخلوق نہیں بلکہ اس کو انسان خود پیدا کرتا ہے - جبری نے کہا - یہ بات ظاہر ہے کہ کسی خاص کام کا ارادہ حادث اور نو پیدا ہوگا - اور کوئی حادث محدث کے بدون پیدا نہیں ہو سکتا ہے پس اس ارادہ کا محدث یا تو خود انسان ہوگا یا کوئی دوسری مخلوق چیز یا وہ ذات جو تمام اشیاء کی خالق اور پیدا کرنے والی ہے - پہلی دو صورتیں محال اور باطل ہیں - لہذا تیسری صورت متعین ہوئی کہ اس ارادہ کا پیدا کرنے والا اللہ سبحانہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا - اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خود انسان اپنے ارادہ کا محدث اور پیدا کنندہ نہیں ہو سکتا - کیونکہ وہ اس ارادہ مخصوص کو ارادہ اور اختیار سے پیدا کریگا یا بدون ارادہ و اختیار کے اس سے صادر ہوگا - دونوں صورتیں ناجائز ہیں کیونکہ ارادہ مخصوص کا پیدا کرنا اگر دوسرے ارادہ پر موقوف ہے تو اس میں کلام کیا جائیگا کہ اس کا پیدا کرنے والا کون ہے اگر خود انسان ہے تو پھر اس کا پیدا کرنا ایک دوسرے ارادہ پر موقوف ہے - تو اس طرح تسلسل لازم آئیگا جو محال اور باطل ہے - اور اگر اس ارادہ کا صدور کسی دوسرے ارادہ پر موقوف نہ ہو - تو انسان سے اس ارادہ مخصوص کا صدور بھی ناممکن اور محال ہے کیونکہ فاعل مختار سے حادث چیز کا بلا ارادہ صادر ہونا محالات سے ہے - جب دونوں صورتیں یعنی انسان کا ارادہ مخصوص کو بالارادہ یا بغیر ارادہ صادر کرنا محال ہے - تو ثابت ہوا کہ انسان اپنے ارادہ مخصوص کا محدث اور پیدا کنندہ نہیں ہو سکتا - اور جب خود انسان اپنے ارادہ کا محدث نہ ہوا تو اب اس ارادہ کا پیدا کرنے والا اللہ سبحانہ ہوگا یا اس کی مخلوقات میں سے کوئی دوسری چیز اس کی خالق ہوگی - خالق تعالےٰ کے سوا اگر کوئی چیز محدث ارادہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں یا وہ صاحب ارادہ ہوگی یا نہ - اگر وہ صاحب ارادہ نہ ہو تو وہ انسان کو صاحب ارادہ نہیں بنا سکتی - جس میں خود ارادہ نہیں وہ دوسرے کو صاحب ارادہ کیسے بنا سکتی ہے ؎ آنکہ خود گمرہ است کرا رہبری کند
اور اگر وہ صاحب ارادہ ہوگی تو اس کے ارادہ کے متعلق سوال کیا جائیگا - کہ اس کے پیدا کرنے والا کون ہے اور یہ سلسلہ تمام شقوق کو باطل کیا جائیگا پس جب نہ تو خود انسان اپنے ارادہ کا محدث ہو سکتا ہے اور

نہ کوئی دوسری مخلوق چیز اُس کی پیدا کرنے والی ہو سکتی ہے تو لامحالہ انسان کے ارادہ مخصوص کا خالق اور مُحدِث بھی اللہ تعالٰے کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ قدریہ نے یعنی ہماری جماعت نے اس شبہہ کے مختلف جواب دئے ہیں۔ جاحظ کا قول ہے کہ انسان اپنے افعال کو بغیر ارادہ پیدا کرتا ہے بلکہ صرف اپنے علم اور قدرت سے انکو پیدا کرتا ہے۔ صرف کسی فعل کا اپنے حق میں مفید اور اپنے لئے مناسب و موافق جاننا اور اس پر قادر ہونا اسکے صدور کے لئے کافی ہے کسی ارادہ پر اس کا صدور موقوف نہیں۔ جاحظ ثبوت ارادہ کا منکر ہے مگر میلانِ قلب اور شہوت کا انکار نہیں کرتا۔ مگر ساتھ ہی یہ کہتا ہے۔ کہ میلانِ قلب اور شہوت پر صدورِ فعال موقوف نہیں۔ کیونکہ انسان کبھی ایسے کام بھی کرتا ہے۔ جن کی طرف اُس کے قلب کا میلان اور طبعی رغبت نہیں ہوتی۔ مگر ہمارے زمرہ کے تمام لوگ انکار ارادہ میں جاحظ کے مخالف ہیں ہماری تمام جماعت بالاتفاق ارادہ حادثہ کو تو مانتی ہے۔ مگر اُس کے سبب حدوث میں باہم مخالف ہے بعض کا یہ قول ہے کہ نفس کا صاحب ارادہ ہونا اُس کی ایک ذاتی صفت ہے۔ اور جو چیز بالذات موجود ہو اُسکے وجود کے لئے کسی سبب اور علت کی ضرورت نہیں۔ علت اور سبب کی ضرورت وہاں ہوتی ہے۔ جہاں علت کے ثابت کرنے سے کوئی مانع نہ ہو۔ اور جس طرح کہ ذات کا صفت ذاتیہ کے ساتھ مخصوص ہونا صفت کے علت کے ثبوت سے مانع ہے۔ اسی طرح یہاں نفس کا صاحب ارادہ ہونا چونکہ ایک ذاتی امر ہے۔ لہٰذا یہاں علت اور سبب کا توسط جائز نہیں۔ پس معترضین کا یوں کہنا کہ فلاں ارادہ کیوں کیا یا اِس ارادہ کا موجب کیا چیز ہے گویا یہ کہنا ہے۔ کہ نفس نفس کیوں ہوا۔ اور نفس کے نفس ہونے کا موجب کیا ہے یا آگ کے مُحرِق اور متحرک ہونے کا باعث کیا چیز ہے اور پانی سیال اور رقیق اور ہوا خفیف کس لئے ہے۔ غرض نفس کا صاحب ارادہ اور متحرک ہونا اور نفس کا نفس ہونا دونو یکساں ہیں اور اُسکی حرکت فلک کی حرکت کی طرح خلقی اور فطری ہے اور بعض یوں کہتے ہیں کہ اللہ سُبحانہ نے اُس میں دونو قسم کا ارادہ پیدا کر دیا ہے یعنی انسان کو اِس طور پر پیدا کیا ہے کہ وہ خیر اور شر دونو کا ارادہ کر سکتا ہے۔ پھر وہ اپنی خواہش اور میلان طبع سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے۔ اور اسی طرح اُس میں ایک ایسی قدرت پیدا کر دی ہے جس سے دونو قسم کے احکام یعنی خیر و شر کو کر سکتا ہے۔ پس ارادہ اور قدرت کا خالق تو اللہ تعالٰے ہے۔ اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا یہ انسان کا کام ہے اور قادر مختار دو مساوی امر میں سے ایک کو دوسرے پر بغیر کسی مرجح کے ترجیح دے سکتا ہے۔ جیساکہ پیاسے آدمی کے سامنے جب ایک جیسے دو پیالے رکھ دئے جائیں۔ تو وہ ایک کو اُٹھا لیتا ہے یا کسی بھاگنے والے کو جب دو راستے معلوم ہوں تو وہ

ایک راستے کو اختیار کرتا ہے۔ غرض اللہ سبحانہ نے تو انسان میں ارادہ پیدا کر دیا ہے۔ مگر محض ارادہ سے فعل کا وجود ضروری نہیں بلکہ یہ صرف اس کے امتحان اور آزمائش کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو اُسکے ارادہ کے خلاف پر بھی قدرت دے رکھی ہے۔ اور اُس کو یہ بھی امر کیا ہے کہ اپنی خواہش اور ارادات نفسانی کی پیروی نہ کرے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان اپنے ارادہ کا خلاف کر سکتا ہے پس ارادہ انسانی کے مخلوق الٰہی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ارادہ سے فعل کا وجود ضروری ہو جائے۔ اور انسان اُسکے کرنے میں مجبور اور بے اختیار سمجھا جائے۔ ابوالحسین بصری کا قول ہے۔ کہ انسان کے افعال کا صدور دواعی محرکات اور قدرت پر موقوف ہے اور دواعی یعنی محرکات اور قدرت دونو کو اللہ تعالیٰ نے بندے میں پیدا کر دیا ہے۔ پس قدرت اور دواعی کے ذریعے سے انسان اپنے افعال کا مُحدِث اور پیدا کنندہ ہے۔ ہماری جماعت نے بھی تین جواب بیان کئے ہیں۔ سنی بولا کہ ان جوابات سے جبریہ کے اعتراض سے نجات نہیں ہو سکتی اور نہ تم نے اُنکی دلیل مذکور کے بطلان کو بیان کیا ہے نہ اُس کے کسی مقدمہ پر جرح و نقض کیا ہے اور نہ اُسکے مقابل میں کوئی اُس سے زیادہ قوی اور زبردست دلیل ذکر کر کے اُس کا معارضہ کیا ہے۔ اور نہ ہی اُنھوں نے تمہاری دلیل کے بطلان کو بیان کیا ہے۔ اور وہ بھی تمہارے اعتراض اور الزام کا کافی جواب نہیں دے سکتے۔ زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ تمہارے اور اُنکے اقوال باہم متعارض و مخالف ہیں۔ سو یہ اعانت حق اور ابطال باطل کے لئے کچھ مفید نہیں بلکہ ان سے تم دونو کی غلطی اور راہ صواب سے عدول اور اعراض ثابت ہوتا ہے اس لئے بتوفیق الٰہی ہم اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہیں۔ سو ہم کہتے ہیں کہ تم دونو کا قول من وجہ خطا اور من وجہ صواب ہے۔ جبری کا انتہا کہنا تو صحیح اور درست ہے کہ تمام حوادث اللہ تعالیٰ کی مشیت۔ خلق۔ قضا و قدر سے واقع ہوتے ہیں۔ اور قدری اسکے انکار کرنے میں ہدایت کی مخالفت کرتا ہے۔ کیونکہ بندے کا صاحب ارادہ اور فاعل افعال ہونا ایک حادث اور نو پیدا امر ہے جو پہلے موجود نہ تھا۔ تو اب دو حال سے خالی نہیں یا تو اُس کے لئے کوئی مُحدِث اور پیدا کنندہ ہوگا یا نہیں۔ اگر اس کے لئے کوئی محدث نہ ہو تو حوادث کا بلا محدث پیدا ہونا لازم آئیگا۔ اور اگر اس کے لئے کوئی مُحدِث ہے۔ تو اُس کی تین صورتیں ہیں یعنی یا تو خود بندہ اس کا محدث ہے یا اللہ تعالیٰ اس کا پیدا کرنے والا ہے یا ان دونو کے سوا کوئی تیسرا شخص اس کو پیدا کرتا ہے۔ اگر خود بندہ مُحدِث ہو تو اس احداث کے سبب کے متعلق سوال کیا جائیگا کہ اس کو کس نے پیدا کیا ہے کیونکہ یہ بھی منجملہ اُسکے افعال میں داخل ہے اور اسطرح تسلسل لازم آئیگا۔ اور وہ یہاں بالاتفاق باطل ہے کیونکہ بندہ حادث اور موجود بعد العدم

ہے تو یہ جائز نہیں ہو سکتا۔ کہ غیر متناہی امور جن کی کوئی ابتدا نہ ہو اسکے ساتھ قائم ہو سکیں۔ اور اگر اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی دوسرا شخص ہو۔ تو چونکہ وہ بھی حادث ہوگا۔ لہٰذا یہی دلیل جو خود انسان کے محدث نہ ہونے پہ قائم کی گئی ہے۔ اُنمیں بھی جاری کی جائیگی۔ اور جب یہ دونو صورتیں باطل ہیں تو لامحالہ بندے کے ارادہ۔ قدرت۔ احداث۔ فعل سب کا خالق اور پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالےٰ ہے۔ اور یہ تمام مقدمات یقینی اور بدیہی ہیں۔ ان میں رد و قدح کی گنجائش نہیں۔ پس جو شخص اِس بات کا قائل ہے۔ کہ بندے کا ارادہ اور فاعل افعال ہونا بغیر سبب موجود ہیں۔ اور خود بندہ محدث افعال ہے۔ اور احداث کے وقت اُس میں کوئی جدید امر پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ جس طرح قبل احداث تھا۔ احداث کے وقت بھی بدستور ویسا ہی ہوتا ہے بلکہ بغیر کسی سبب و مرجح کے کبھی خاص وقت کو کسی معین کام کے پیدا کرنے کے لئے مخصوص کر لیتا ہے۔ اور بندہ اگرچہ پہلے موجود نہ تھا۔ مگر موجود ہونے کے بعد صاحب ارادہ۔ محدث اور فاعل افعال ہو گیا۔ اور ان صفات کو کسی غیر نے انہیں پیدا نہیں کیا۔ تو اس شخص کا قول عقل سے بعید بلکہ صریح عقل کے خلاف ہے۔ اور یہ شخص اِس بات کا قائل ہے کہ حوادث کا حدوث بلا محدث ہو سکتا ہے جو تمام اہل عقل کے نزدیک ناجائز ہے۔ اور تمہارا یہ قول کہ ارادہ علت اور سبب کا محتاج نہیں۔ یہ بھی بالکل لغو اور باطل ہے کیونکہ ارادہ ایک حادث چیز ہے اور کوئی حادث چیز بغیر محدث پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور اسی طرح تمہارا یہ قول بھی باطل اور لغو ہے کہ اللہ تعالےٰ کے افعال اُس ارادہ کے واسطے سے صادر ہوتے ہیں۔ جس کو وہ بغیر کسی سبب کے پیدا کرتا ہے۔ اور اس کا کوئی محل نہیں ہوتا۔ تمہارے اِس کلام میں تین استحالے موجود ہیں۔ ایک کسی حادث چیز کا بغیر سبب پیدا ہونا۔ دوسرا کسی حادث چیز کا بغیر ارادہ حادث ہونا۔ تیسرا کسی صفت کا بنفسہ بغیر کسی محل کے موجود ہونا۔ ایسے فضول اقوال اور دعویٰ یہ کہ ہم صاحب عقل اور نظر ہیں۔ کونسی بات اِس سے زیادہ خراب اور کونسی نظر اس سے زیادہ اندھی ہوگی۔ ہم اپنے مدعا پر ایک اور دلیل قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ انسان کا صاحب ارادہ ہونا ایک ممکن امر ہے اور ممکن کا وجود اور عدم دونو مساوی ہوتے ہیں۔ پس جب تک اُسکے وجود کے لئے کوئی مرجح تام نہ ہو وہ موجود نہیں ہو سکتا۔ مرجح کے تین احتمال ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ خود بندہ ہی اس کا مرجح ہو۔ دوم یہ کہ اس کا مرجح اللہ تعالےٰ ہو۔ سوم یہ کہ ان دونو کے سوا کوئی اور مخلوق چیز اُس کی مرجح ہو۔ بندے اور کسی مخلوق کا مرجح ہونا تو باطل ہے کیونکہ ترجیح بھی ایک ممکن امر ہے۔ اس کے لئے پھر اور مرجح کی ضرورت ہے اور اِس طرح تسلسل لازم آئیگا اور جب یہ دونو احتمال باطل ہیں۔ تو لامحالہ اُس کے وجود کا مرجح اللہ تعالےٰ ہوا۔ اور یہی ہمارا دعویٰ تھا

اس دلیل پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کا کوئی جواب ہو سکتا ہے۔ اور یہ بات بھی بداہتہً معلوم
ہے کہ ہمارے اختیاری افعال ہمارے ارادہ اور قدرت سے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اپنی طرف
حرکت کریں تو یہ نہیں ہوتا کہ بائیں جانب واقع ہو۔ اور اگر بائیں جانب کریں تو دائیں جانب واقع نہیں ہوتی
اور اس دلیل کا بھی کوئی جواب نہیں۔ پس دونوں دلیلوں سے واقف قول کا ماننا اور صواب ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ
بندے کے ارادہ اور قدرت کا خالق ہے۔ اور ان دونوں کو اس نے بندے کے افعال کے لئے سبب
بنا دیا ہے اور انکے ذریعہ سے وہ اپنے افعال کو صادر کرتا ہے۔ اور بندہ اپنی قدرت و ارادہ کے ذریعہ
سے اپنے افعال کا محدث ہے۔ اور چونکہ انکے اسباب یعنی ارادہ و قدرت کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور
اسباب کا خالق اور پیدا کرنے والا مسببات کا خالق اور بنانے والا ہوتا ہے۔ لہٰذا افعال عباد کا
خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر اللہ سبحانہ اسکے افعال کا وجود نہ چاہتا تو اس کے لئے اسباب پیدا نہ
کرتا۔ قدری اور جبری دونوں نے شیخ پر یہ اعتراض کیا کہ افعال عباد کا محدث اللہ تعالیٰ اور بندہ دونوں
کس طرح ہو سکتے ہیں۔

شیخ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے محدث ہونے کا یہ معنی ہے کہ اس نے انکو ایسے طور پر پیدا
کیا ہے کہ یہ اس کی ذات سے منفصل اور جدا اور اپنے محل یعنی بندے کے ساتھ قائم ہیں اور بندے میں
قدرت و ارادہ پیدا کر کے اسکو ان کا فاعل بنا دیا ہے۔ اور بندے کے محدث ہونے کا یہ معنی ہے کہ
اس کی ذات کے ساتھ قائم اور اسکی قدرت اور ارادہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ دونوں احداث ایک
دوسرے کو مستلزم ہیں۔ لیکن اضافت اور نسبت میں تفاوت ہے۔ کہ یہ افعال باری تعالیٰ کی طرف
نسبت کرنے سے اسکے مخلوق اور مفعول کہلاتے ہیں۔ اور اسکی ذات سے منفصل ہیں۔ اور بندے
کی طرف لحاظ کرنے سے اسکے افعال کہلاتے ہیں۔ جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ اور جن کے
احکام اسکی طرف عائد اور راجع ہوتے ہیں لہٰذا ان کے اسماء مشتقہ کے ساتھ بندہ موصوف کیا جاتا ہے اور
بہت سے حوادث کو اللہ سبحانہ نے اپنی ذات کی طرف بھی منسوب فرمایا ہے۔ اور نیز ان کو اپنی مخلوق کی طرف
نسبت کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا
(لوگوں کے مرتے وقت اللہ انکی روحوں کو (اپنے پاس) بلا لیتا ہے اور جو لوگ مرے نہیں (انکی روحیں
بھی) انکے سوتے وقت (خدا کے ہاں) بلائی جاتی ہیں)۔ اور نیز فرمایا ہے قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ
الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (اے پیغمبر تم ان لوگوں سے) کہو کہ ملک الموت جو تم پر تعینات ہے (وہی) تمہاری
روحوں کو قبض کرتا ہے) وقال تعالیٰ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (ہمارے فرشتے اس کی روح (پورے طور پر) قبض

کرتے ہیں۔ وقال تعالیٰ اِذْ یُوحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (جب اے پیغمبر یہ وقت تھا کہ تمہارا پروردگار فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تو تم مسلمانوں کو حوصلہ رکھو ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں دہشت ڈال دینگے) وقال تعالیٰ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ (جو لوگ ایمان لائے ہیں انکو پکی بات (یعنی کلمہ توحید) کی برکت سے اللہ دنیا میں بھی (ایمان) پر ثابت اقدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (ثابت قدم رکھیگا) وقال تعالیٰ وَاَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ (وہ اللہ جس نے تم پر یہ کتاب اُتاری) وقال تعالیٰ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ (اے پیغمبر تم ان لوگوں سے) کہو کہ حق تو یہ ہے کہ اس (قرآن) کو تمہارے پروردگار کی طرف سے روح القدس یعنی جبریل لیکر آئے ہیں) وقال تعالیٰ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ (عذاب (الٰہی) نے انکو آپکڑا) فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ (انکو ایک بڑی زور کی آواز نے آلیا) فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ (تو ہم نے سب کو انکے گناہ کی سزا میں دھر پکڑا) فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ (تو ہم نے انکو ایسا (سخت) پکڑا جیسا زبردست صاحب قدرت پکڑتا ہے)۔

پس ان چیزوں کو اپنی ذات کی طرف تو اسلئے منسوب فرمایا ہے کہ ان کا خالق اور جاعل وہی ہے اور اسکی مشیت اور قضاء و قدر سے واقع ہوتی ہیں اور انکو انکے اسباب کی طرف اس لئے نسبت کیا ہے کہ اسی نے انکے اسباب کو پیدا کیا اور انکو ان اشیا کے حصول کے لئے ذریعہ بنایا ہے۔ ان دو نسبتوں میں باہم کوئی منافات و تناقض نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ بندوں کے اختیاری افعال اس لحاظ سے انکی طرف منسوب ہیں کہ وہ انکی ذات کے ساتھ قائم اور انکے ارادہ کے ساتھ واقع ہوتے ہیں۔ اور باری تعالیٰ کی طرف اس لحاظ سے منسوب ہو سکتے ہیں۔ کہ وہ ان کا خالق ہے اور اسکی قدرت اور مشیت سے ظہور میں آتے ہیں۔ دونوں کی طرف نسبت جائز اور صحیح اور قرآن کریم میں اسکی نظائر موجود ہیں۔ قال تعالیٰ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ (لوگو! نوح کے وقت میں) جب پانی کا طوفان آیا۔ تو ہم ہی نے تم کو (یعنی تمہارے بزرگوں کو) کشتی میں سوار کر لیا تھا) اور نوح سے فرمایا اِحْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ (ہر قسم (کے جانداروں) میں سے (نر و مادہ) دو دو کے جوڑے کشتی میں بٹھالو) اللہ سبحانہ نے قوم نوح کو کشتی میں سوار کرنے کو اپنی طرف تو اسلئے نسبت فرمایا ہے کہ یہ کام اسکی مشیت امر اور اذن سے ہوا۔ اور نوح کی طرف اس لئے منسوب کیا۔ کہ وہ اسکے فاعل و مباشر تھے۔

فصل۔ جاحظ کا یہ قول کہ بندہ اپنے اختیاری افعال کو بغیر ارادہ پیدا کرتا ہے۔ اور اسکے افعال کے

صدور کے لئے صرف قدرت کافی ہے۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ بندے کے لئے کوئی صفت یا ارادہ ثابت
نہیں اور جاحظ صفت ارادہ کا بالکل انکار کرتا ہے۔ تو اس کا یہ انکار بالکل مکابرہ یعنی جان بوجھ کر حق صریح
کا انکار ہے۔ جو ایسے لوگوں سے جو بدیہیات کے انکار اور حق کی مخالفت پر کمربستہ نہ ہوں بہت بعید نہیں
اور اگر جاحظ کا یہ مطلب ہے کہ ارادہ ایک عدمی چیز ہے یعنی مغلوب اور مجبور نہ ہونا تو اس کی نسبت
ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ عدمی مفہوم ارادہ کے لوازم سے ہے عین ارادہ نہیں۔ اور ارادہ کو امر عدمی قرار دینا یہ
ایک دوسرا مکابرہ ہے۔ اس طرح تو سب صفات مثلاً قدرت۔ کلام۔ سمع۔ بصر عدمی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ
قدرت کا معنی عاجز نہ ہونا۔ کلام کا معنی گونگا نہ ہونا سمع کا معنی بہرہ نہ ہونا۔ بصر کا معنی اندھا نہ ہونا ہو سکتے
ہیں۔ اور جاحظ کا یہ کہنا کہ بندے کے افعال محض قدرت اور علم سے واقع ہوتے ہیں یہ ایک تیسرا
مکابرہ ہے۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی خاص کام کے کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ اور اس کی مصلحت
سمجھتا ہے۔ مگر اس کے کرنے کا اسلئے ارادہ نہیں کرتا کہ اسکے کرنے میں کوئی تکلیف پیش آنے کا یا کسی
مطلوب چیز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ غرض محض قدرت اور مصلحت کے علم سے فعل کا وقوع
ضرور نہیں بلکہ جب تک اس کا ارادہ نہ کرے واقع نہیں ہوتا۔

فصل۔ قدری جماعت کے ایک دوسرے فریق کا یہ قول کہ نفس کا صاحب ارادہ ہونا اسکی ایک
ذاتی صفت ہے جو کسی سبب اور علت کی محتاج نہیں سراسر غلط ہے۔ فرض کیا کہ نفس کے صاحب ارادہ
ہونے کی علت کو ہم نہیں پوچھتے مگر یہ پوچھتے ہیں کہ یہ صفت مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ اگر مخلوق ہے تو اس کا خالق
خود نفس ہے یا وہ ذات پاک جس نے نفس کو پیدا کیا ہے۔ جب خود نفس کسی چیز کا خالق نہیں ہو سکتا۔ تو تو
اس صفت کا خالق اور پیدا کرنیوالا بھی وہی پروردگار ہے جس نے نفس اور اس کی تمام صفات ہیئات کو پیدا
کیا ہے۔ غرض جب نفس اور اسکے جملہ صفات کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے اور صاحب ارادہ ہونا بھی نفس
کی ایک صفت ہے تو اس کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ صفت فعل کے صدور کا سبب ہے اور سبب
کا خالق اور پیدا کرنیوالا اور پیدا کرنیوالا مسبب کا پیدا کرنے والا ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ افعال عباد اللہ کے مخلوق اور اس کی مشیت۔ قدرت
تکوین سے واقع ہیں۔ اس بات کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو محض ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم ہو۔

فصل۔ قدری جماعت کے ایک تیسرے فریق کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے بندے میں ایک ایسا ارادہ پیدا کیا ہے جس سے بندہ اپنی مرضی
و اختیار سے ایک ارادہ کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے۔ بیشک صحیح ہے۔ مگر بندے کے
اختیار اور ترجیح دینے سے کسی کام کا واقع ہونا اس بات کا مقتضی نہیں کہ وہ کام اللہ سبحانہ کا مخلوق
اور اس کی قدرت میں داخل نہ ہو اور اس کے قضا و قدر سے واقع نہ ہو بلکہ وہ کام اللہ تعالیٰ کا مخلوق و مقدور

اور اس کی قضا و قدر سے واقع ہوتا ہے۔ یہ بندے کو وہی قدرت دیتا ہے اگر اللہ سبحانہ اس کام کا وقوع
نہ چاہتا تو اس نے ارادہ کو اس کی ضد کی طرف پھیر دیتا یہ فرقہ صرف اس بات کا انکار کرتا ہے کہ افعالِ
عباد جب انکے ایک جانب اختیار کرنے اور ترجیح دینے سے واقع ہوتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے مخلوق و مقدور
اور اس کی قضا و قدر سے واقع نہیں ہوتے۔ اگر یہ لوگ افعالِ عباد کے مخلوق و مقدورِ الٰہی ہونے کا انکار نہ کرتے
تو انکے عقائد میں جو غلطی ہے وہ دور ہو جاتی اور اہلِ حق و صواب کی جماعت میں داخل ہو جاتے۔ اس مسئلہ
کی متعلق تحقیق یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے بمقتضی عدل و حکمت بندے کو وہ قدرت اور ارادہ عطا فرمایا ہے کہ جن سے وہ اپنے نافع اور مفید امور کو حاصل کرنے
اور اشیاء کو دفع کرنے پر قادر ہو اور ظاہری و باطنی اسباب سے اسکی اعانت و امداد فرمائی ہے۔ اور قدرت اور ارادہ بھی
منجملہ اُن ہی اسباب اعانت میں ہیں۔ اور خیر و شر کے طریقے اور راستے بتا دیئے اور تمام راہیں سوجھا
دی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے مبعوث فرمانے۔ اپنی کتابیں نازل کرنے۔ ملائکہ کو بھیجنے غرض مختلف ذریعوں
سے انسان کی اعانت فرما کر کوئی حجت باقی نہیں رہنے دی جس سے وہ یہ کہہ سکے۔ کہ مجھے امور خیر کا علم نہ تھا۔
یا اُنکے کرنے پر قدرت حاصل نہ تھی۔ اسکے علاوہ اس کی فطرت میں یہ بات ڈال دی ہے کہ وہ بالطبع اپنے
منافع سے محبت اور مضر اشیاء سے نفرت کرتے ہیں بلکہ یہ بات تو دوسرے حیوانات میں بھی موجود ہے اس
مشترک صفت کے علاوہ چونکہ انسان کو بہت سی نافع اور مفید چیزوں کا علی التفصیل علم نہ تھا۔ اور ان میں کئی ایسے
نافع اور ضروری امور تھے جن کے جاننے سیکھنے اور انکے کرنے پر انسان کی صلاح و فلاح اور سعادت
کا مدار تھا۔ اور تعلیم خاص اور وحی کے بدوں اُن کا جاننا ممکن نہ تھا لہٰذا اُس نے اپنی مہربانی سے انبیاء
علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور اُن پر اپنی کتابیں نازل کر کے اپنے بندوں کو وہ تمام کام بتلا دیئے جن سے اُنکی
سعادت اور فلاح وابستہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام جب دُنیا میں تشریف لائے تو اُنہوں نے بندوں کو ایسی
حالت میں پایا کہ وہ اُن کاموں سے مالوف و مانوس ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اور اُن کاموں
کے نقائص اور ضرر اُن کو پہنچ رہے ہیں۔ لہٰذا انبیاء علیہم السلام نے انکو آگاہ کیا کہ یہ کام تمہارے لئے نہایت
مضر، تمہارے رنج و غم کا باعث۔ اور خوشی اور مقصود اصلی کے فوت ہونے کا سبب ہیں۔ پس انسانی ارادات
میں سعادت و فلاح کی طلب اور جستجو کیلئے ایک تحریک پیدا ہوئی۔ اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت دلوں کانوں
اور آنکھوں کو اپنی طرف کشش کرنے لگی۔ مگر عادات و رسوم اور رواج کی پابندی اور اُن کا دل کی محبت
و الفت کی وجہ سے جن سے طبائع پہلے سے مانوس تھے اسکی مخالفت کرنے لگے۔ نفس کو حیلے بہانے سکھلاتے
اور انہی مالوف و مانوس امور کی طرف رغبت دلاتے اور متوجہ کرتے کیونکہ یہ امور اُس کے مرغوب و موافق
طبع۔ نقد موجود۔ راحت مرغوبہ۔ لذت مطلوبہ۔ لہو و لعب زینت۔ فخر اور بڑھائی کے اسباب اور سامان ہیں

مگر ساتھ ہی داعیٔ فلاح کی کوشش بھی اپنا کام کرتی جاتی تھی جسکی ہدایت یہ بتلاتی تھی کہ اس عالم دنیا کے سوا ایک دوسرے
عالم میں تم کو جانا ہے وہاں کی خوشی اور لذت یہاں کے عیش و آرام کے چھوڑنے دنیا کے لذات و مسرات سے کے
ترک کرنے . آفات و تکالیف کے برداشت کرنے . نفس کی خواہشوں سے منہ پھیرنے اور خلاف طبع احکام کے
بجا لانے پر موقوف ہے اور دوسری طرف یہ خیالات پیدا ہوں . کہ جو چیزیں دنیا میں موجود ہیں ان سے تو
فائدہ حاصل کر لو . آخرت کی کیا خبر ہے پس ارادہ کو دو نو طرف کشش ہو رہی تھی کبھی اس طرف متوجہ ہوتا . اور
کبھی اس طرف . اور یہی میدان جنگ اور جہاد کا مقام ہے جس میں بعض لوگ مقتول ہو جاتے . اور بعض قید
کئے جاتے . اور خوش نصیب لوگ فتحمندی اور غنیمت کو حاصل کرتے ہیں) . جب اللہ سبحانہ اپنے کسی بندے پر اپنی
رحمت کرنی چاہتا ہے . تو اس کے قویٰ اور ارادات کو اسکے نافع امور کی طرف متوجہ کر دیتا اسکو جبلت طیبہ
عطا فرماتا اور اپنے ملائکہ کیطرف وحی فرماتا ہے . کہ میرے بندے کو ثابت قدم رکھو . اور اسکے ارادہ و ہمت
کو میری مرضیات اور طاعت کی طرف پھیر دو . چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ
اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے پیغمبر یہ وقت تھا کہ تمہارا پروردگار فرشتوں کو حکم دے رہا تھا . کہ ہم
تمہارے ساتھ ہیں تو تم مسلمانوں کو جمائے رکھو) اور حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ابن آدم
کے دل پر ایک اثر فرشتے کا ہے اور ایک اثر شیطان کا ہے . فرشتہ تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے خیر کا
وعدہ اور اسکے وعدہ کی تصدیق کی خبر سناتا ہے اور شیطان شر کا پیش آنا بتاتا اور حق کو نہ ماننا سکھاتا ہے
اور اسکی تصدیق میں آپ نے یہ آیت پڑھی اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰہُ
یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلًا (شیطان تم کو تنگدستی سے ڈراتا اور شرم کی بات (یعنی بخل) پر برانگیختہ
کرتا ہے اور اللہ اپنی طرف سے (تقصیروں کی) معافی اور برکت کا تم سے وعدہ فرماتا ہے) اور جب کسی بندے
کو اپنی رحمت سے محروم رکھنا منظور ہوتا ہے . تو اسکی اعانت . تائید . تثبیت (ثابت قدم رکھنا) چھوڑ
دیتا اور اس کو نفس کے سپرد کر دیتا ہے کہ جس طرح چاہے کرے) مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا . کہ اللہ تعالیٰ نے
جبراً اسے گمراہ بنا دیا ہے . کیونکہ اس نے اسکو ارادہ . قدرت عطا فرمایا . خیر و شر سے آگاہ کر دیا .
ہلاکت اور نجات کے سب راستے بتلا دئے ہیں . اور اس کے بعد اس کو اسکے نفس کے سپرد کیا ہے
کہ جو چاہے کرے . اللہ کی طرف سے کسی کام پر جبر نہیں . اب اگر کسی شخص کو اپنے کئے پر کوئی تکلیف
پیش آئے . تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے . قدری نے کہا . کہ ارادہ مخصوص جو خاص کام کے صدور
کو مستلزم ہے اس کا پیدا کرنیوالا اور محدث بندہ ہے یا اللہ تعالیٰ اگر اس کا محدث بندہ ہے تو یہ ہمارا
مذہب ہے . اور اگر اس کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے تو یہ جبریہ کا مذہب ہے اور اگر کوئی شخص اس کا

خالق و محدث نہیں تو حوادث کا حدوث بدون محدث لازم آیا جو ناجائز اور محال ہے تیمی نے جواب دیا
کہ بندے کے خاص خاص ارادے جو مخصوص کاموں سے متعلق ہوتے ہیں اپنے حدوث میں باری تعالے کی
خاص خاص مشیت کیطرف جو انکے حدوث کی موجب ہو محتاج نہیں بلکہ انکے حدوث کے لئے اللہ تعالے
کی ازلی مشیت عامہ کافی ہے جس سے بندہ صاحب ارادہ بنایا گیا ہے کیونکہ ارادہ ایک حرکت نفس کا نام ہے
اور اللہ تعالے نے بندے کو تعلقہ ہی ایسا بنایا کہ اسمیں حرکت نفس پیدا کردی ہے پس یہ ضرورت نہیں کہ
ہر ایک ارادہ اور حرکت نفس علیحدہ علیحدہ مشیت سے پیدا ہوں۔ اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کہ
اللہ تعالے نے جاندار چیزوں کو متنفس بنایا ہے۔ اور حیوانات کا ہر ایک سانس اپنے حدوث میں جداگانہ
مشیت کا محتاج نہیں یا جسطرح کہ پانی میں جاری اور سیال ہونے کی صفت رکھدی ہے۔ اور یہ
نہیں کہ پانی کا ہر ایک قطرہ اپنے جریان اور سیلان میں خاص خاص مشیت کا محتاج ہو یا جس طرح کہ افلاک
کی حرکات ہواؤں کا مختلف اطراف کو چلنا۔ بارش کے قطرات کا برسنا اس طور پر نہیں۔ کہ ہر ایک
قطرہ اپنے برسنے یا ہر جزو فلک یا ہوا اپنے حرکت کرنے میں نئی نئی اور جداگانہ مشیت کا محتاج ہو۔
پس اسی طرح نفس کے ارادے بھی منفرداً اور علیحدہ علیحدہ جداگانہ مشیت کے محتاج نہیں یا جس طرح کہ
خالق نے بندے کو متکلم بنایا ہے۔ پس یہ ضروری نہیں کہ کلام کا ہر ایک حرف نئی نئی مشیت سے پیدا ہو۔
غرض اللہ سبحانہ کی مشیت سے یہ ہوا کہ بندے کو صاحب ارادہ و مشیت بنایا اور یہ مشیت اور ارادہ
ضدین سے متعلق ہوسکتے ہیں یعنی بندہ خیر و شر ہر ایک کا ارادہ کرسکتا ہے۔ اور جب اسکو اپنے کسی
بندے کو راہِ راست پر لانا منظور ہوتا ہے۔ تو اس کے ارادہ مشیت اور دواعی کو معاش و معاد دونو
کی اصلاح کی طرف متوجہ کردیتا ہے۔ اور جبکہ کسی کو گمراہ رکھنا منظور ہوتا ہے۔ تو اس کو اس کے نفس کے
سپرد کردیتا اور اس سے اپنی اعانت و امداد کو روک دیتا ہے۔ اور چونکہ نفس بالطبع متحرک اور صاحب ارادہ
ہے لہذا وہ کسی مراد اور محبوب کو طلب کرتا ہے کہ وہ اس کا معبود اور خداوند ہو پس اگر اللہ سبحانہ کو اپنا معبود و
خداوند نہ سمجھیگا۔ تو ضرور کسی اور چیز کو اپنا معبود اور خداوند ٹھیرائیگا۔ کیونکہ حرکت و محبت اس کی ذات کے
لوازم سے ہے پس اگر اپنے حقیقی رب اور خالق سے محبت نہ ہوگی اور نہ اسکی پرستش اختیار کریگا۔
تو ضرور کسی اور چیز سے محبت پیدا کریگا۔ اور اس کی پرستش کرنے لگیگا۔ اور اسی طرح جب ان کاموں
کی طرف متوجہ نہ ہوگا جن سے اس کی معاد کی اصلاح وابستہ ہے تو چونکہ اسکی فطرت اور خلقت بیکار نہیں
بنائی گئی لہذا ضرور ایسے کاموں میں مشغول ہوگا۔ جو معاد میں اسکے حق میں مضر اور اس کی آخرت کو بگاڑنیوالے
ہونگے۔ یہاں پر اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ بندے کی ہدایت اور گمراہی دونو اللہ تعالے کی مشیت

پر موقوف ہے۔ اور اسکی مشیت بغیر کے نہیں ہو سکتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ گمراہی اور ہدایت کا اسکی مشیت پر موقوف اور اس سے متعلق ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو گمراہ رکھنا چاہتا ہے تو اسکو اسکے اپنے خیالات وارادات میں رہنے دیتا ہے کہ جو چاہے کرے اور جب ہدایت کرنی چاہتا ہے تو اسکے خیالات اور ارادات کو اپنی طرف پھیر لیتا اور قبول ہدایت کے موانع کو اس سے ہٹا دیتا اور اپنی طرف سے اسکی امداد و اعانت فرماتا ہے اور یہ اعانت و امداد اسکے ساتھ خصوص نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ امداد سب کیلئے یکساں ہے کہ ہر ایک کو عقل کان آنکھ عطا فرمائے سمجھ بوجھ بخشی۔ انبیاء علیہم السلام کو سب کی ہدایت کیلئے بھیجا۔ اور اسی طرح اپنی کتابیں سب کی تعلیم و ہدایت کے لئے نازل فرمائی ہیں۔ . . . . اس میں اور

دوسرے گمراہ افراد میں اتنا فرق ہے کہ اس نے قبول ہدایت کے موانع کو روک دیا اور ان کو انکے اپنے خیالات میں رکھا۔ جو انکے واسطے راہ راست پر آنے اور قبول حق سے مانع ہو گئے۔ اور یہ سب کچھ اللہ سبحانہ کی مشیت اور قدرت سے واقع ہے۔ موجودات میں سے کوئی چیز اس کی مشیت۔ قدرت اور تکوین سے باہر نہیں لیکن اس کی عادت یوں جاری ہے کہ تمام چیزوں کو اسباب اور حکمتوں سے پیدا کرتا ہے۔ اگر فرقہ جبریہ اسباب اور حکمتوں کے قائل ہو جاتے تو ان پر اس مسئلے کا عقدہ حل ہو جاتا۔ اور فرقہ قدریہ تمام کائنات کی نسبت اگر یہ کہتے کہ سب کچھ اسکی مشیت قدرت۔ اور خلق سے واقع ہوتا ہے اور اللہ سبحانہ کے افعال کو حکمتوں۔ مصالح اور غایات محمودہ پر مبنی قرار دیتے تو ان پر بھی یہ مسئلہ اضح اور روشن ہو جاتا۔ اور توفیق اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے۔

اکیسواں باب

اس امر کے بیان میں کہ قضائے الٰہی شر سے منزہ اور پاک ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (اے پیغمبر! تم (تو یہ) دعا مانگو کہ اے خدا (سارے) ملک کے مالک تو (ہی) جس کو چاہے سلطنت

دے اور تو ہی جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو ہی جس کو چاہے عزت دے اور تو ہی جسے چاہے
ذلت دے (ہر طرح کی خیر و خوبی تیرے ہاتھ میں ہے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے) اللہ سبحانہ اس
آیت کے شروع میں یہ بیان فرمایا ہے کہ مملکت کلی اور اصلی اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں کسی
دوسرے کو شرکت نہیں۔ اور نیز اس میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ مملکت (ظاہری) جسے چاہے وہی عطا
کرتا ہے اور جس سے چاہے چھین لیتا ہے۔ کسی دوسرے کا اس میں کوئی تصرف نہیں۔ غرض مملکت
حقیقی کا وہی مالک اور مملکت ظاہری کے عطا کرنے اور اسکے چھین لینے میں وہی متصرف ہے۔ اور
نیز اس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ وہی جسے چاہے طرح طرح کی عزت بخشتا اور جس کو چاہے اُس سے عزت
کو دور کر کے ذلت کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے۔ اور تمام خیرات اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔ کسی دوسرے کو
اس میں کوئی شرکت و اختیار نہیں۔ اور اس آیت کو جملہ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پر ختم کیا ہے۔
خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مملکت حقیقی کا وہی مالک اور مملکت
ظاہری میں وہی متصرف ہے اور اُسکی قدرت تمام چیزوں کو حاوی ہے۔ اور یہ تمام تصرفات اسی کے
اختیار میں ہیں۔ اور یہ سب کے سب خیر ہیں۔ اور جس سے چاہے مملکت کو چھین لینا یا جسے چاہے
اُسکو ذلت میں رکھنا اس کی نسبت سب خیر ہیں۔ گو مملکت کا چھین لینا یا ذلت میں رکھنا اُس شخص کی
نسبت جس سے مملکت کو چھین لیا یا اُسکو ذلت میں رکھا ہے شر اور بُرا ہے۔ مگر اللہ سبحانہ کی نسبت
سب خیر ہے کیونکہ یہ تصرفات اُس کے عدل فضل حکمت اور مصلحت ہی کے آثار ہیں پس اُسکی
حکمت و مصلحت کے لحاظ سے سب خیر ہیں۔ ان سب پر وہ قابل حمد اور لائق ثنا ہے۔ اور اُس کی
ذات پاک شر سے منزہ اور مقدس ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم بعد
افتتاح نماز میں ان کلمات کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی ثنا کیا کرتے تھے۔ کہ اے اللہ میں تیری بارگاہ میں
حاضر ہوں اور تیری اطاعت کے لئے موجود ہوں۔ اور تمام خیرات تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اور کوئی شر تیری
طرف منسوب نہیں۔ میں تیری ہی توفیق اور اعانت سے نیک کام کر سکتا ہوں۔ اور تیری ہی طرف متوجہ
ہوتا ہوں۔ تیری ذات بابرکت اور متعالی ہے۔ غرض اللہ تعالےٰ کی نسبت شر سے پاک اور منزہ ہے
اور جو کچھ اُس کی طرف منسوب ہے سب خیر اور برکت ہے اور جو چیز شر ہے وہ اسکی طرف منسوب اور
مضاف نہ ہونے کے سبب سے شر اور برائی ہے۔ اگر اُسکی طرف منسوب ہو تو وہ شر نہ رہیں۔ چنانچہ اس کا
بیان عنقریب آئیگا۔ اور اللہ سبحانہ خیر اور شر دونوں کا خالق ہے مگر شر اُسکے بعض مخلوقات میں ہے۔ نہ اس
کے فعل اور خلق میں کوئی شر نہیں۔ بلکہ اُس کا فعل۔ خلق۔ قضا و قدر سب خیر ہیں۔ اور یہی واسطے

اللہ سبحانہ ظلم یعنی کسی چیز کو ایسے محل میں رکھنے سے جو اس کے لائق نہ ہو پاک ہے۔ پس وہ تمام چیزوں کو اُن کے
مناسب مواقع میں رکھتا ہے لہٰذا یہ سب چیزیں اُس کے کسی فعل میں موجود نہیں کیونکہ شر کا یہی معنی ہے
کہ کسی چیز کو ایسے موقع میں رکھا جائے جو اُس کے مناسب نہ ہو۔ سو جب اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو اُن کے
مناسب موقعوں پر رکھتا ہے۔ لہٰذا اُس کا کوئی کام شر نہیں اور نہ کسی شر کو اسکی طرف نسبت کرنا
جائز ہے۔ اور اُس کے اسمائے حسنیٰ اس پر شاہد ہیں۔ چنانچہ منجملہ اسماء حسنیٰ کے یہ اسماء ہیں۔
سَلَامٌ۔ عَزِیْزٌ۔ جَبَّارٌ۔ مُتَکَبِّرٌ۔ قُدُّوْسٌ کا یہی معنی ہے کہ وہ تمام شرور۔ نقصانات
اور عیوب سے پاک اور منزہ ہے۔ چنانچہ مفسرین لکھتے ہیں کہ وہ تمام عیوب سے پاک اور تمام
ایسی صفات سے جو اُس کی شان کے لائق نہیں منزہ ہے اور اہل لغت کا بھی یہی قول ہے۔
کیونکہ اس کلمہ کے اصلی معنی طہارت اور نزاہت کے ہیں چنانچہ بیت المقدس کو بھی اسی وجہ سے
مقدس کہا گیا ہے کہ اُس میں عبادت کرنے سے آدمی گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص
صرف نماز پڑھنے کے ارادہ سے وہاں جائے اور وہاں نماز پڑھے۔ تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا
ہے جس طرح کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن گناہوں سے پاک تھا۔ اور جنت کو حظیرۃ القدس
اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ آفات و تکالیف دنیا سے پاک ہے۔ اور جبرئیل علیہ السلام کو روح القدس
اسی واسطے کہا گیا ہے کہ وہ تمام عیبوں سے پاک ہے اور ملائکہ کے اس قول وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ
وَنُقَدِّسُ لَكَ (کہ ہم تیری حمد و ثناء کے ساتھ تیری تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں) میں جو
نُقَدِّسُ لَكَ ہے اس کے بعض مفسرین نے یہ معنی بیان کئے ہیں۔ کہ ہم اپنے نفوس کو تیرے سامنے
پاک کرتے ہیں۔ مگر اُس کے صحیح معنی یہ ہیں۔ کہ ہم تیری ذات کو اُن تمام صفات سے جو تیری ذات کے
لائق نہیں منزہ اور پاک جانتے اور تیرا تقدس بیان کرتے ہیں۔ جمہور مفسرین کا یہی قول ہے۔ ابن جریر
کا قول ہے کہ ہم تیری ذات کو اس صفت کی طرف منسوب کرتے ہیں جس کے ساتھ تیری ذات مقدس
موصوف ہے یعنی تیری ذات اُن تمام عیوب اور آلائشوں سے پاک ہے۔ جو کفار تیری طرف نسبت کرتے
ہیں۔ ابو صالح کا قول ہے کہ ہم تیری عظمت اور مجد کو بیان کرتے ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ ہم تیری
عظمت اور کبریا کو بیان کرتے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ ہم تجھے برائی سے پاک ٹھیراتے ہیں اور اس
کو تیری طرف منسوب کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اسی واسطے یہ جملہ دوسرے جملہ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ کے ساتھ ملایا گیا
ہے کیونکہ تسبیح کے یہی معنے ہیں کہ اللہ سبحانہ کو تمام برائیوں سے پاک اور منزہ قرار دینا۔ میمون بن مہران
کا قول ہے کہ سُبْحَانَ اللہِ ایک ایسا کلمہ ہے۔ جو اللہ تعالے کی عظمت پر اور برائی سے اسکے پاک ہونے پر

دلالت کرتا ہے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اُس کا معنے ہے اللہ تعالےٰ کو تمام برائیوں سے پاک ٹھیرانا۔ لغت میں اس کلمہ کا اصلی معنی دور ہونا ہے چنانچہ محاورے میں بولتے ہیں سبحت فی الارض یعنی میں زمین میں دور چلا گیا۔ اور کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ (سب اپنے اپنے مدار (یعنی گھیرے) میں (پڑے ہوئے) تیر رہے ہیں) اسی محاورہ کے موافق ہے۔ غرض جس شخص نے اللہ تعالےٰ کی ثناء اور بُرائی سے اس کا تقدس بیان کیا۔ تو اس نے اللہ تعالےٰ کی تسبیح کی۔ اور اسی طرح اللہ تعالےٰ کا اسم سلام ہے اور اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ تمام عیوب اور نقائص سے سلامت اور بچا ہوا ہے۔ اور لفظ سلام میں یہ خوبی ہے کہ اس میں بہ نسبت لفظ سالم کے مبالغہ ہے یعنی وہ تمام عیوب سے نہایت بچا ہوا ہے۔ اس اسم کے آثار میں سے یہ بات ہے کہ اُسکی مخلوق اُس کے ظلم سے سلامت اور بچی ہوئی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ ظلم اور شر کے ارادہ اسکے ساتھ موسوم ہونے اسکے کرنے اور اسکی طرف منسوب ہونے سے سالم اور بچا ہوا ہے۔ پس وہ صفات اور افعال اور اسمائے نقص سے سالم اور اپنی مخلوق کو ظلم سے بچانے والا ہے اور اسی واسطے اللہ سبحانہ نے لیلۃ القدر کو فرمایا ہے کہ وہ سلام ہے اور جنت کو دارالسلام فرمایا ہے اور اہل جنت کا تحیہ سلام بتایا ہے۔ اور اپنے نیک بندوں کی صفات میں ذکر کیا ہے وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا (اور جب جاہل اُن سے جہالت کی باتیں کرنے لگیں تو انکو سلام کریں) ان سب کے یہی معنی ہیں کہ یہ اشیاء عیوب سے سالم اور بچی ہوئی ہیں اور اسی طرح اس کا اسم کبیر اور متکبر ہے۔ ان کے معنے کے متعلق قتادہ وغیرہ کا یہ قول ہے کہ اُس کی ذات بُرائی اور سیئات سے بزرگ اور برتر ہے۔ مقاتل کا قول ہے کہ وہ ہر بُرائی سے پاک اور برتر ہے۔ ابو اسحاق کا قول ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے سے پاک اور بزرگ ہے اور اسی طرح اس کا اسم عزیز ہے جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ اُس کے لئے عزت کاملہ حاصل ہے۔ اور منجملہ کمال عزت کے یہ بات ہے کہ وہ تمام بُرائیوں شرور اور عیوب سے پاک ہے کیونکہ شر اور عیب کا موجود ہونا کمال عزت کے خلاف ہے اور اسی طرح اس کا اسم علی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر بُرائی عیب اور نقصان سے بلند اور پاک ہے منجملہ اس کے کمال علو اور بلندی کے یہ بات ہے کہ کوئی چیز اُس پر غالب اور کوئی شئے اُسکے اوپر نہیں بلکہ سب چیزوں پر وہی غالب اور تمام اشیاء پر وہی فائق ہے اور اسی طرح اس کا اسم حمید ہے جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ تمام محامد کا مستحق وہی ہے۔ پس اُس کی کمال محمودیت اس بات کی مقتضی اور موجب ہے کہ کسی شر۔ نقص اور بُرائی کو اُس کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔ اُس کے اسماء۔ صفات اور افعال میں سے کسی کیطرف بھی شر کو نسبت نہ ہو۔ غرض اُس کے اسماء حسنے شر۔ ظلم اور بُرائی کو اُس کی طرف منسوب کرنے سے مانع ہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ بات ہے۔ کہ تمام چیزوں کا خالق وہی ہے۔ بندوں کے ذوات۔ صفات۔

افعال۔ حرکات اور اقوال سب کا خالق وہی ہے۔ اور بندہ جب کسی قبیح اور ناپسند کام کو کرتا ہے۔ تو وہ فاعل شر
اور ظلم سب برائی ہوتا ہے۔ اور اس کام کا فاعل اللہ تعالے بھی اسے بناتا ہے تو یہ فاعل بنانا اسکے عدل
حکمت پر مبنی ہے جو ہر ایک چیز کا سبب ہے۔ پس اسکو اس کام کا فاعل بنانا محض خیر ہے گو منسوب شر اور قبیح ہو۔
کیونکہ اللہ سبحانہ نے اسکے فاعل بنانے میں اپنی حکمت کاملہ سے ایک چیز کو اپنے مناسب موقع پر رکھا ہے
جس پر وہ قابل حمد و تعریف ہے۔ غرض فاعل بنانا محض خیر حکمت اور مصلحت ہے گو بندہ سے اس
میں فاسد درجے عیب نقص اور شر ہے۔ اور یہ بات بالکل عقل کے موافق اور مشاہدہ کے مطابق ہے۔ مثلاً دیکھو
کہ کوئی ہوشیار کاریگر ایک ٹیڑھی لکڑی یا ٹوٹا ہوا پتھر یا خراب اینٹ لیکر بعینہ ایسی جگہ پر لگائے جو اسکے
لائق اور مناسب ہو تو یہ کام اسکی حکمت اور عقلمندی پر دلالت کرتا ہے جس پر وہ قابل مدح و تعریف ہے
اگر مکان میں کوئی کجی نقص یا عیب ہو تو اس سے مکان کی خوبی پر دھبا ہے۔ مگر کاریگر کا اس کی کجی میں
ٹیڑھی لکڑی لگانا یا شگاف میں ٹوٹا ہوا پتھر جوڑنا یا دراڑ کو اینٹ کے ریزوں سے بھرنا اسکی کمال حکمت
اور عقلمندی کی بات ہے کیونکہ جو شخص خراب چیزوں کو انکے مناسب موقعوں پر رکھے تو یہ اسکی حکمت اور عدل
ہے۔ بیوقوفی اور ظلم تو یہ ہے کہ اشیاء کو انکے نامناسب مواقع میں رکھا جائے۔ پس جو شخص عمامہ کو سر پر رکھے
جوتا کو پاؤں میں ڈالے سرمہ کو آنکھوں میں لگائے۔ کوڑا کرکٹ کو کوڑے کے ڈھیر پر ڈالے۔ تو اس نے
ہر ایک چیز کو اسکے مناسب موقع پر رکھا یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے جوتے اور کوڑے کرکٹ پر ظلم کیا کہ انکو
ذلیل جگہ میں رکھا کیونکہ سب انکی جگہ پاؤں اور ڈھیر ہی ہے۔ تو انکو اسی جگہ میں رکھنا حکمت اور عدل ہے۔
اللہ سبحانہ کے اسماء حسنیٰ میں سے عادل اور حکیم ہے۔ جس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ وہ ہر ایک چیز کو اس کے مناسب
موقع پر رکھتا ہے۔ غرض اللہ سبحانہ تمام چیزوں کے پیدا کرنے اور ہر ایک کو اس کے مناسب محل میں رکھنے
میں محسن۔ جواد۔ حکیم اور عادل ہے۔ خلق اور امر دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ سبحانہ اسی کام کا حکم
کرتا ہے جو نافع اور مفید ہو۔ اور مصالح کی تحصیل و تکمیل کا ارشاد فرماتا ہے۔ اور مفاسد کی تقلیل اور انکے
چھوڑنے کا حکم کرتا ہے۔ اور جب دو کام باہم متعارض ہوں تو احسن اور اصلح کو ترجیح دیتا ہے۔ شریعت
میں کوئی ایسا مامور بہ کام نہیں کہ جسکے کرنے میں بندے کے حق میں بہ نسبت نہ کرنے کے بہتری نہ ہو اور
کوئی منہی عنہ کام ایسا نہیں ہے کہ اس کے نہ کرنے میں بہ نسبت کرنے کے بھلائی نہ ہو۔ یہاں پر اگر کوئی
شخص یہ شبہ پیش کرے کہ جب مامور بہ کا وجود بہ نسبت عدم کے بندے کے حق میں بہتر ہے۔ اسکی مشیت
اسکے وجود سے کیوں متعلق نہیں ہوتی۔ اور نیز جب منہی عنہ کا عدم اچھا ہے۔ تو اسکے وجود سے اس کی مشیت
کیوں متعلق ہوتی ہے اللہ تعالے کی مشیت عامہ سے تمہارا یہ قاعدہ ٹوٹ جاتا ہے کہ مامور بہ کے کرنے

اور منہی عنہ کے نہ کرنے میں بندے کے حق میں بہتری ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا قاعدہ بالکل صحیح اور اس پر یہ نقض وارد نہیں ہو سکتا کیونکہ مامور بہ کے کرنے میں بہ نسبت نہ کرنے کے بندے کے حق میں ضرور بہتری ہوتی ہے۔ مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسکے علم میں یہ ہوتا ہے کہ اس کام کے کرنے سے ایک دوسرا کام جو زیادہ اچھا ہے فوت ہو جائیگا لہٰذا اسکے وجود سے اس کی مشیت متعلق نہیں ہوتی ورایسی منہی عنہ کا نہ کرنا ضرور اس کے حق میں مفید ہوتا ہے لیکن کبھی اسکے علم میں یہ ہوتا ہے کہ اس کے کرنے سے بندہ فلاں اچھے کام تک پہنچ جائیگا اور یہ اسکے لئے وسیلہ اور سبب ہو جائیگا۔ لہٰذا اس کے وجود سے مشیت متعلق ہو جاتی ہے +

تقدیر اور شرع کے مجتمع اور جدا ہونیکے باب میں انشاء اللہ ہم اس تقریر کو پوری طرح بیان کریں گے

اللہ سبحانہ جس کام کے کرنے کا حکم فرماتا ہے تو وہ اسکے نزدیک محبوب و پسندیدہ ہوتا ہے اور جو کام اس کو محبوب و پسندیدہ ہو اس کا وجود اس کے عدم سے بہتر ہوتا ہے۔ اور جن کاموں سے اللہ سبحانہ نے منع کیا ہے وہ کام اس کے نزدیک برے اور مبغوض ہیں اور جو کام اسکے نزدیک مبغوض ہیں ان کا عدم انکے وجود سے بہتر ہے یہ قاعدہ محض افعال کی ذات کی طرف لحاظ کرنے سے ہے اور اس لحاظ سے کہ بعض کام کسی دوسرے اچھے یا برے کام کی طرف وسیلہ ہو جاتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے ان کا دوسرا حکم ہے۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ان کاموں کو اختیار کریں جو احسن اور اچھے ہیں۔ احسن اور اچھے وہی کام ہیں جن کے بجالانے کا اس نے امر فرمایا ہے۔ پس مامور بہ کام ان کاموں سے اچھے ہیں جن سے اسنے منع فرمایا ہے۔ اور جس طرح کہ امر اور شرع کے متعلق اللہ سبحانہ کا یہ قانون اور عادت جاری ہے۔ اسی طرح خلق۔ قضا و قدر کی نسبت بھی یہی طریقہ اور عادت ہے۔ یعنی جس چیز کے پیدا کرنے یا جس کام کے کرنے کا اللہ سبحانہ نے ارادہ فرمایا ہے۔ اس چیز کا پیدا کرنا اور اس کام کا کرنا بمقابلہ اس چیز کے نہ پیدا کرنے اور اس کام کے نہ کرنے سے بہتر اور اچھا ہے اور اسی طرح جس چیز کے نہ پیدا کرنے یا جس کام کے نہ کرنے کا ارادہ کیا ہے اس چیز کا نہ پیدا کرنا اور اس کام کا نہ کرنا بمقابلہ اس چیز کے پیدا کرنے یا اس کام کے کرنے سے اچھا اور بہتر ہے۔ اور جس چیز کا عدم اس کے وجود سے بہتر ہو تو اس کا وجود شر ہے اور اللہ سبحانہ شر کو نہیں کرتا۔ بلکہ وہ شر سے منزہ اور پاک ہے اور شر اس کی طرف منسوب نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ سوال پیش کرے کہ اللہ سبحانہ نے شر کو پیدا کیوں کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا پیدا کرنا شر نہیں کیونکہ خلق

اللہ سبحانہ کی ایک صفت ہے جو اُسکی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اور شر کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہونا
اور اُس کا اسکے ساتھ موصوف ہونا محال ہے۔ اور مخلوق میں جو شر موجود ہے تو پھر اس لئے ہے۔ کہ یہ
اُس کی طرف مضاف اور منسوب نہیں اور خلق اور فعل اللہ سبحانہ کی طرف مضاف و منسوب ہے لہذا یہ محض
خیر ہے اور جس چیز سے اللہ تعالےٰ کی مشیت متعلق ہو وہ سب خیر ہے۔ اور جس چیز سے اُس کی مشیت
متعلق نہیں ہوتی وہ اپنے عدم اصلی پر باقی اور شر ہے، کیونکہ تمام شر عدم ہیں اور ان کا سبب یا تو بندے کی
جہالت یعنی عدم علم ہے یا ظلم یعنی عدم عدل ہے اور بندے کو شر کے کرنے پر جو تکلیفیں پیش آتی ہیں
اُن کا سبب یہ ہے کہ اُس کا مادہ خیرات اور لذات کے قبول کرنے کے لئے قابل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی
یہ استفسار کرے کہ بعض لوگ یوں کہتے ہیں۔ کہ خیرات سب کے سب وجود اور اُس کے لوازم میں سے
ہیں اور شرور جتنے ہیں وہ سب عدم اور اُس کے لوازم میں سے ہیں۔ اور وجود خیر ہے۔ اور شر محض
عدم ہی کا نام ہے۔ تو ہم یہ کہینگے کہ اس کلام میں اجمال ہے۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ جو کچھ اللہ سبحانہ نے
پیدا کیا ہے۔ اُس کے پیدا کرنے میں خیر ہے اور اُس کا وجود اُس کے عدم سے بہتر ہے۔ اور جس چیز
کو پیدا نہیں کیا۔ تو وہ اپنے اصلی عدم پر باقی ہے اور اُس میں کوئی خیر نہیں کیونکہ اگر اُس میں خیریت اور
بہتری ہوتی تو اس کو ضرور پیدا کرتا۔ اِسلئے کہ تمام خیرات اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔ تو یہ صحیح ہے کیونکہ جو
چیزیں معدوم ہیں۔ اور اُنکے وجود سے اللہ سبحانہ کی مشیت متعلق نہیں ہوتی وہ شر ہیں۔ اور اگر اس کا
مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں وجود کو لازم ہوں وہ سب خیر اور جو عدم کو لازم ہوں وہ تمام شر ہیں۔ تو یہ صحیح نہیں
کیونکہ کبھی وجود کو شر مرجوح اور عدم کو خیر راجح لازم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً آگ۔ بارش۔ گرمی۔ سردی۔
ژالہ باری۔ برف اور حیوانات کا وجود کہ یہ سب موجود چیزیں ہیں۔ کہ ان کو شر جزوی جو بہ نسبت اُن
خیرات کے جو اُنکے وجود میں پائے جاتے ہیں بہت کم اور مرجوح ہوتا ہے۔ لازم آجاتا ہے مثلاً بارش
میں ہزاروں منافع ہیں۔ مگر اس میں یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی بیکس بیوہ کا مکان گر جاتا ہے اور اِسی طرح
مامور بہ کاموں کے ادا کرنے میں تھوڑی سی تکلیف و مشقت پائی جاتی ہے جو بہ نسبت اُن خیرات کے
جو اُنکے اندر رکھے گئے بہت کم ہوتی ہے ٭

فصل۔ اِس مسئلہ کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ شر دو قسم ہے ایک شر محض حقیقی جو من کل الوجوہ شر ہے۔
دوسرا شر اضافی جو من وجہٍ شر اور من وجہٍ خیر ہے۔ اُن میں سے قسم اول کا وجود نہیں۔ کیونکہ اگر اس کا وجود
ہو تو وہ شر محض نہیں ہوگا۔ اور قسم دوم موجود ہوتا ہے۔ اور جن امور کو شر کہا جاتا ہے۔ اُنکے دو قسم ہیں
امور عدمیہ اور امور وجودیہ۔ پھر امور عدمیہ کے چار قسم ہیں اول یہ کہ کسی چیز کے وجود کے لئے جو شر وری

امور ہیں اُن کا عدم ہو۔ دوم یہ کہ کسی چیز کے دوام وجود یا بقا کے لئے جو ضروری امور ہیں اُن کا عدم ہو۔
سوم یہ کہ کسی چیز کے کمال کے لئے جو ضروری امور ہیں اُن کا عدم ہو۔ چہارم یہ
کہ ایسے امور کا عدم ہو جو کسی چیز کے وجود۔ بقا یا کمال کے لئے ضروری نہیں۔ گو اُن کا وجود اُس چیز کے
حق میں اُنکے عدم سے بہتر ہو۔ پس یہ تمام چار قسم ہیں۔ قسم اول یعنی ان امور کی مثال جو کسی چیز کے وجود
کے لئے ضروری ہیں مثلاً حس و حرکت اور تنفس ہے جو حیوانات کے وجود کے لئے ضروری ہے قسم
دوم کی مثال غذا کا کھانا اور نشو و نما پانا جو حیوانات کے بقا کے لئے ضروری ہے۔ قسم سوم کی مثال
قوت صحت۔ سمع و بصر جو حیوانات کے کمال کے لئے ضروری ہے۔ قسم چہارم کی مثال دقائق علوم
کو معلوم کرنا کہ جن کا علم جہل سے اچھا ہے۔ گو یہ ضروری نہیں۔ اور امور وجودیہ جو من وجہ شر ہیں۔ وہ تمام
چیزیں ہیں جو اشیا کے حیات۔ بقا اور کمال کے لئے مضر اور مخالف ہیں مثلاً امراض اور اُنکے
اسباب اور نیز وہ چیزیں جو حصول خیرات اور محل قابل میں اُنکے پہنچنے سے مانع ہوتی ہیں مثلاً
ردی مادے جو غذا کو اعضا سے بدن تک پہنچنے اور اس کا فائدہ حاصل کرنے سے مانع ہوتے ہیں۔ یا
باطل عقیدے اور فاسد خیالات جو صحیح علوم اور سچے فائدے حاصل کرنے سے روک دیتے ہیں۔ اس
تفصیل کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ امور جو کہ اشیاء کے وجود بقا یا کمال کے لئے ضروری ہیں۔ ان کا
عدم اور نہ ہونا شر بالذات ہے۔ اور اس عدم کے لئے کئی ایک لوازم وجودی ہیں جو وہ بھی شر ہیں۔
کیونکہ عدم علم کو جہل اور عدم عدل کو ظلم لازم ہے۔ جو شر اور وجودی امور ہیں۔ اور عدم صحت و اعتدال
کو درد اور تکلیف لازم ہیں۔ جو شر اور وجودی چیز ہیں۔ اور اُن امور کا عدم جو حیات۔ بقا یا کمال
کے لئے ضروری نہیں جیسے کثرت مال یا ایسے علوم کا نہ ہونا جن کا نہ جاننا مضر نہیں تو یہ عدم درحقیقت
شر نہیں اور نہ اُس کا وجود شر کا سبب ہے کیونکہ علم اور کثرت مال بذات خود شر کے سبب نہیں۔ بلکہ
بعض دیگر صفات جو باعث خیر ہیں مثلاً عفت۔ صبر۔ اور عدل انکے نہ ہونے سے غنی اور کثرت
مال وسیلۂ شر ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح حکمت اور سلیقہ دانی کے نہ ہونے سے علم موجب شر ہو جاتا
ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شر صرف عدم پر مترتب ہوتا ہے اور موجود اپنے موجود ہونے کے لحاظ سے
نہ تو شر ہے اور نہ باعث شر ہے۔ بعض امور وجودیہ بذات خود شر نہیں بلکہ وہ بالتبع۔ بالعرض اور
اس وجہ سے شر ہوتے ہیں۔ کہ وہ ایسے امور کے عدم کو متضمن ہوا کرتے ہیں۔ جو کہ نافع یا ضروری
ہوں۔ کوئی فعل شر نہیں ہے جو کسی دوسرے امر کے لئے کمال نہ ہو اور جس لحاظ سے وہ کمال ہے۔
اس لحاظ سے شر بھی نہیں رہا۔ بعض امور کے لحاظ سے وہ شر ہے۔ مثلاً ظلم جو قوت غضبیہ سے صادر ہوتا

ہے۔ اِس قوت کا مقتضی یہی ہے کہ اسکے ذریعہ سے انسان دوسرے پر غالب ہو اور اس کا کمال اسی میں متصور ہے۔ اور اسی واسطے خالق نے اُس کو پیدا کیا ہے۔ پس اس کا اثر یعنی قہر اور غلبہ اگر اس پر مترتب ہو تو موجود ہونے کے لحاظ سے اسمیں کوئی شر نہیں۔ بلکہ اس کے اثر کا اس پر مترتب نہ ہونا شر اور بُرا ہے کیونکہ اس صورت میں یہ قوت عاجز ضعیف اور مقہور ہوگی۔ بلکہ ظلم اس وجہ سے شر ہے کہ اسمیں مظلوم کی جان یا مال کا نقصان پایا جاتا ہے۔ کہ ظالم نے اپنے قوت اور غلبہ کو بیجا موقع پر ظاہر کیا۔ غرض نفس قوت اور غلبہ کے ظاہر کرنے میں کوئی شر نہیں۔ بلکہ اس کو بے موقع ظاہر کرنے میں شر ہے اگر یہی قوت اور غلبہ موذی جانوروں اور تکلیف دینے والے اور ظالم آدمیوں کے زیر کرنے میں خرچ کیا جاتا تو یہی خیر ہوتا لیکن بے موقع خرچ کرنے سے کہ عدل و انصاف کے بجائے قہر و غلبے کو اور رحمت اور شفقت کے بجائے سختی اور تندی کو صرف کیا۔ لہذا اس میں بُرائی پائی گئی۔ قوت غضبیہ بذات خود یا اس پر اس کے اثر یعنی قہر و غلبے کا مترتب ہونا فی نفسہ شر اور بُرا نہیں بلکہ اس کے اثر کو بے موقع ظاہر کرنا بُرا ہے اور اس کی مثال اس طرح پر ہو سکتی ہے۔ کہ ایک نہر کا پانی ایک زمین کو سیراب کرتا ہے جس سے ایسی طرح طرح کی زراعت اور مفید چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور اُن سے آدمیوں اور دوسرے جانوروں کو فائدہ پہنچتا ہے پس اس پانی کا کمال اور خوبی یہی ہے کہ اس نہر کے راستے سے اس زمین کو سیراب کرے۔ اور اگر وہ راستہ چھوڑ کر ایک دوسرے راستے سے جاری ہونے لگے۔ اور ایسی زمین میں پہنچ جائے جس کیلئے اُس پانی کا جانا مضر ہو۔ اور وہاں کے گھروں اور مکانات کو گرادے تو پانی کی ذات میں کوئی شر نہیں۔ بلکہ اپنا راستہ چھوڑنے اور مقرر جگہ پر نہ پہنچنے سے شر پیدا ہوا۔ اِسی طرح پر ارادہ اور قوت غضبیہ ہیں کہ یہ انسان میں اسلئے پیدا کئے گئے ہیں کہ انکے ذریعہ سے اپنی نافع اور مفید چیزیں حاصل کرے اور اپنی مہلک اور موذی چیزوں سے بچے اور اُن پر غالب آئے۔ پس اگر انکو اسی کام میں جس کیلئے یہ پیدا کئے گئے ہیں۔ خرچ کیا تو یہ ان کا کمال اور خیر ہے اور اگر انکو اپنے اپنے موقع پر خرچ نہ کیا تو اس میں شر پایا جائیگا۔ مثلاً آگ کا کام جلانا ہے۔ پس اگر ایسی چیزوں کو جلائے جن کا جلانا ضروری یا مناسب ہو تو یہ خیر اور خوبی ہے اور اگر ایسی چیزوں کو جلادے کہ جن کے جلنے سے آدمی کو نقصان پہونچے تو ان چیزوں کے لحاظ سے یہ شر اور بُرائی ہے۔ اور اسی طرح قتل اور خونریزی میں بذات خود کوئی شر اور خرابی نہیں کیونکہ قتل آلہ تیز اور قاطع کو اس طور پر استعمال کرنے کا نام ہے جس سے بدن کے اجزا متفرق ہو جائیں پس اسمیں بذات خود کوئی چیز شر نہیں۔ قاتل میں اس قوت کا موجود ہونا جس سے وہ آلہ قتل کو استعمال کر سکے اُس کا کمال اور خوبی ہے۔ آلہ قتل کا تیز اور قاطع ہونا اُس کی عمدگی اور کمال

ہے بلکہ قتل میں شر اس جہت سے پیدا ہوا کہ قوت کو اپنے موقع پر صرف نہیں کیا گیا۔ اگر اسی قوت اور اسی آلہ سے کسی موذی چیز کو مارا جاتا تو یہ خیر و خوبی کی بات تھی یہ تو قاتل اور فاعل کے لحاظ سے ہے کہ قتل بذاتہٖ خود شر نہیں بلکہ بوجہ دوسری نسبت کے اس میں شر پایا گیا۔ اور اسی طرح مقتول کے لحاظ سے اس وجہ شر ہے کہ اسکو تکلیف ہوتی۔ اور اسکی جان جاتی رہی لیکن اسکے حق میں کسی دوسری وجہ سے خیر ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح دلی کرنا فی نفسہٖ برا نہیں لیکن اس فعل کو غیر محل میں کرنا برا ہے۔ اسی طرح حرکت لسان اور بولنا بذاتہٖ خود شر اور برا نہیں۔ بلکہ بے موقع اور بے محل کام کرنے سے برائی پیدا ہوتی ہے۔ تمام جوارح اور اعضا کے افعال و حرکات کا یہی حال ہے۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ امور وجودیہ اپنے وجود اور ذات کے لحاظ سے شر نہیں۔ بلکہ اور چیزوں کے لحاظ سے ان میں شر اور برائی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح سجدہ کرنا فی نفسہٖ اور بذاتہٖ خود برا نہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے آگے سجدہ کرنے سے اس میں شر اور برائی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ جب اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے واسطے مخصوص فرمایا ہے تو کسی دوسرے کے آگے سجدہ کرنا ہرگز درست نہیں تمام افعال کفر اور شرک کا یہی حال ہے کہ وہ بذاتہٖ خود برے نہیں مثلاً تعظیم بذاتہٖ خود بری نہیں لیکن جب اس کو بتوں کے سامنے کیا جائے تو یہ کفر اور شرک ہے۔ اور اگر اللہ سبحانہٗ اسکی کتاب رسول اور اسکے دین کی تعظیم کی جائے تو عبادت اور خیر محض ہے۔ اور یہی تعظیم جب شیطان اور بتوں کی ہو تو شر اور کفر ہے۔ غرض محل کے تعلق اور اضافت سے اسمیں خیر یا شر پیدا ہوتا ہے ؀

فصل۔ اس مقام میں یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ ان مادی چیزوں میں جو وقتاً فوقتاً حادث اور پیدا ہوتی ہیں۔ دو طرح کا نقص جسے شر کہا جائے پیدا ہوتا ہے۔ ایک وہ نقصان جو ابتدائے خلقت میں ہوتا ہے۔ دوسرا جو پیدا ہونے کے بعد عارض ہوتا ہے۔ وہ نقص جو ابتدائے خلقت میں ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ انکے مادے کو ایسے عوارض و اسباب لاحق ہوتے ہیں کہ وہ اسکو ردی اور ناقص الاستعداد بنا دیتے ہیں۔ لہٰذا اس کی خلقت میں نقص اور شر پایا جاتا ہے اور اس نقصان کی یہ وجہ نہیں ہے کہ فاعل نے ان کو اپنے فیض سے محروم رکھا۔ اور کسی وجودی چیز کو جس سے ان کا کمال متصور تھا دور کر دیا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مادہ ہی کمال و تمامیت کے قابل نہیں ہوتا۔ اور مادے کا قابل و مستعد نہ ہونا یہ ایک عدمی امر ہے فاعل سے اس کو کوئی تعلق نہیں فاعل کا فعل تو محض خیر ہے۔ جو کچھ نقص اور شر ہے وہ عدم قابلیت سے ہے اور اسی تحقیق سے اللہ تعالیٰ کے اس قول مَا تَرٰى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (اے دیکھنے والے بھلا تجھ کو

(مثلاً سے) رحمٰن کی (رحمت) میں کوئی کور کسر دکھائی دیتی ہے) کا راز معلوم ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فعل اور خلق ایک وجودی چیز ہے جو اس مخلوق کا کمال اور تمامیت مقصود ہے اور جو نقص اور عیب ہوتے وہ اسکے مادہ کی عدم قابلیت سے ہے اور عدم قابلیت اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں یہ ایک عدمی چیز ہے۔ اور خلق جو وجودی ہے اس میں کوئی تفاوت نہیں۔ تفاوت صرف اس قدر ہے کہ بعض اشیاء ہیں۔ کہ مادے قابل رہتے نہ تھے اس لئے اللہ سبحانہ نے استعداد کو پیدا نہیں کیا۔ پس تفاوت عدم تعلق کی وجہ سے پیدا ہوا نہ کہ خلق سے جو کہ اللہ سبحانہ کی صفت اور اس کی طرف منسوب ہے۔ اور عدم خلق کا اللہ تعالیٰ فاعل نہیں تاکہ یہ اسکی طرف منسوب ہو سکے۔ غرض جب نطفہ شکم میں ہو۔ اور اسکے اندر وہ استعداد حاصل نہ ہو جو اسکے کمال سلامت اعضا اور اعتدال کی مقتضی ہے۔ تو اس کی فطرت اور خلقت میں تفاوت اور نقص ہو گا۔ نباتات وغیرہ دوسری چیزوں کا بھی یہی حال ہے۔

فصل — وہ نقصان جو اشیاء کے پیدا ہونے کے بعد ان میں پیدا ہوتا ہے۔ اسکے دو قسم ہیں۔ ایک یہ کہ ان کو وہ امداد نہ پہنچنے سے جو انکے کمال کا باعث تھی نقص پیدا ہو مثلاً نباتات کو پانی اور حیوانات کو غذا نہ ملنے سے ان میں نقص پیدا ہو جائے۔ تو یہ نقص بھی ایک عدمی چیز کا اثر ہے۔ دوم یہ کہ کوئی مخالف اور منافی چیز پیدا ہونے سے نقص پیدا ہو۔ اس کی پھر دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ محل میں کوئی ایسی چیز پیدا ہو جائے جو اسباب صالحہ کی تاثیر کو روک دے جیسے کہ بدن میں وہ ردی اخلاط پیدا ہو جائیں جو غذا کی تاثیر اور اس کے نفع کو روک دیں یا دل میں ایسے فاسد خیالات اور باطل عقائد پیدا ہو جائیں۔ جو ہدایت اور علم سے منتفع ہونے سے مانع ہو جائیں۔ نقص اور شر کا یہ قسم اگرچہ بظاہر خود بھی وجودی ہے اور اس کے اسباب بھی وجودی ہیں مگر درحقیقت یہ بھی اس قوت اور ارادہ کے عدم کا نتیجہ ہے جن سے یہ موانع دفع ہو سکتے تھے۔ اگر وہ قوت اور ارادہ جو ان کو دفع کر سکتے تھے موجود ہوتے تو یہ محل ان موانع سے کبھی متاثر نہ ہوتا مثلاً اخلاط ردیہ کا غلبہ اس وجہ سے ہوا کہ قوت منضجہ یا قوت دافعہ موجود نہ تھی۔ ورنہ اول تو قوت منضجہ انکو نضج دیکر حد اعتدال پر لاتی یا قوت دافعہ انکو بدن سے باہر نکال دیتی اور اسی طرح خیالات فاسدہ اس وجہ سے غالب ہو جاتے ہیں۔ کہ قوت عفت اور صبر میں کمی اور ضعف ہوتا ہے۔ اور باطل عقیدے اس واسطے مستولی ہو جاتے ہیں۔ کہ حقیقی اور واقعی طور پر علم حاصل نہیں ہوتا۔ غرض ہر ایک شر اور نقص کا وجود اس کی ضد کے عدم اور نہ ہونے سے پایا جاتا ہے۔ اور ضد کا معدوم ہونا چونکہ ایک عدمی امر ہے لہذا یہ اللہ سبحانہ کا مخلوق نہیں بلکہ عدم ضد کے وجود کے لئے کسی پیدا کنندہ کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا وجود یہی ہے

کہ ان کا وجود حاصل نہ ہوا اور وہ پیشتر عدم اصلی پر باقی ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خارج سے کچھ ایسے
امور پیدا ہوں یا پیش آجائیں جو ان اشیاء کو کمال سے روک کر ان میں نقص پیدا کر دیں یا بالکل فاسد اور بیکار بنا دیں۔
مثلاً حد سے زیادہ سردی یا گرمی کا لگ جانا۔ پانی میں خوب جل جانا وغیرہ ایسے امور پیش آجاتے ہیں جن سے نباتات
اور حیوانات کو کبھی کبھی نقصان پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ دوسری قسم وجودی ہے اس کا سبب بھی وجودی ہے لیکن یہ شر
من کل الوجوہ شر نہیں۔ بلکہ بعض وجوہ سے شر اور بعض وجوہ سے خیر ہے کیونکہ سردی۔ گرمی۔ بارش میں جو
خوبیاں اور مصالح غالب ہوتے ہیں ان کی نسبت یہ شر بہت ہی کم اور حقیر ہے۔ پس اس جزوی شر سے بچنے
کے لئے ان تمام مصالح و خیرات کو نظر انداز کر دینا اس شر سے زیادہ بڑا اور مذموم ہے۔ کیونکہ آفتاب کی
حرارت۔ ہواؤں کے چلنے۔ بارش برسنے۔ ژالہ باری۔ گرمی اور سردی میں مخلوق کے جو مصالح
و منافع پائے جاتے ہیں وہ بہ نسبت ان جزوی نقصانات کے جو ان ہی چیزوں سے پیدا ہوں کئی گنے زیادہ
ہوتے ہیں پانی کے ایک قطرہ کو سمندر سے کیا نسبت۔ پس ان خیرات و مصالح کے سامنے ان جزئی
نقصانات کو بھی نسبت ہے جو پانی کے ایک قطرہ کو سمندر سے ہے۔ یہ نسبت بھی تب صحیح ہو سکتی ہے
کہ وہ نقصانات شر محض ہوں۔ اور جب ان میں بھی من وجہ خیر موجود ہو تو پھر یہ نسبت بھی صحیح نہیں ان
نقصانات میں جو خیر و خوبی پائی جاتی ہے گو اسکو اکثر آدمی نہیں سمجھ سکتے۔ مگر اللہ سبحانہ نے انکو بھی بیکار
اور فضول نہیں بنایا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اشیائے وجودی کے کئی اقسام ہو سکتے ہیں۔ اول خیر محض جو من کل الوجوہ
خیر ہوں۔ دوم شر محض جو جمیع وجوہ سے شر ہوں۔ سوم وہ جو من وجہ خیر اور من وجہ شر ہوں۔ اس تیسرے
قسم کی پھر تین صورتیں ہیں اول یہ کہ اسکی خیریت اس کی شر پر راجح ہوں۔ دوم یہ کہ اسکی برائی اسکی بہتری
سے غالب اور زیادہ ہو۔ سوم یہ کہ اس کی برائی اور بہتری دونوں برابر اور یکساں ہوں۔ چہارم یہ کہ خیر اور شر
کچھ نہ ہوں۔ اور یہ تمام چھ اقسام ہیں انکے علاوہ کوئی قسم نہیں بعض ان میں سے موجود اور ثابت ہیں اور
بعض موجود نہیں۔ قسم اول جو من کل الوجوہ خیر محض ہے اور اس میں کسی قسم کا شر نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی
ذات مقدس ہے جو تمام چیزوں سے علی الاطلاق اور جمیع وجوہ سے اشرف۔ اکمل اور بزرگتر ہے سلسلہ
ہستی میں جتنے کمالات اور خوبیاں نظر آتی ہیں۔ یہ اسی کے کمال اور جلال کا ظل اور نمونہ اور اسی کے
فیض و عطا کا ظہور اور کرشمہ ہیں۔ تمام چیزیں اس سے امداد و اعانت کی خواستگار ہیں۔ اور اس کو
کسی کی اعانت کی حاجت نہیں سب چیزیں اسی کی محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں تمام مخلوق اس سے اپنے کمال کا سوال کرتی ہے
ملائکہ سے لیکر اشجار و نباتات تک۔ سب اپنے کمال کا اس سے سوال کرتے ہیں۔ ملائکہ عبادت۔ ذکر تسبیح و تہلیل کا سوال کرتے
ہیں۔ جس پر ان کی حیات کا دار و مدار ہے اور نیز یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے۔ ذکر ہست کر

حُسنِ عبادت۔ اور اپنے اوامر کی تنفیذ اور جاری کرتے ہیں اور عالم علوی اور سفلی کے متعلق جو کاروبار انکے سپرد ہیں انکی بجا آوری میں انکی اعانت فرمائے اور نیز بنی آدم کی مغفرت کے لئے اللہ تعالےٰ سے سوال کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام یہ سوال کرتے ہیں کہ اداے رسالت اور تبلیغ احکام میں انکی اعانت فرمائے۔ اور انکے دشمنوں پر انہیں نصرت بخشے اور معاش اور معاد کے تمام مصالح اور ضروریات کا اسی سے سوال کرتے ہیں۔ بنی آدم باوجودیکہ مختلف خیالات اور متفاوت الحالات ہیں مگر سب کے سب اپنے ضروریات کے اسی سے خواستگار ہیں۔ اسی طرح دوسرے حیوانات بھی اپنا رزق۔ غذا۔ قوت۔ اور وہ چیزیں جن سے انکی زندگی کا بقا ہے اسی سے مانگتے ہیں۔ اور نیز اپنی مضر چیزوں کی مدافعت اور ان سے بچاؤ کے لئے خدا تعالےٰ ہی سے سوال کرتے ہیں۔ بلکہ درخت اور نباتات بھی اپنی غذا اور وہ چیزیں جن سے ان کا کمال متصور ہے اسی سے مانگتے ہیں۔ غرض تمام کائنات زبان حال اور قال سے اسی کی اعانت و امداد کی خواستگار ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ (جتنی مخلوقات آسمانوں (میں) اور زمین میں ہے جو اُن کو درکار ہے سب ہی تو اُسی سے مانگتے ہیں (وہ معطل اور بیکار نہیں ہے بلکہ) ہر روز (ایک نہ ایک) کام میں رہتا ہے) جملہ عالم طلب اور سوال کے ساتھ اُسکی طرف اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے۔ اور اُس کا ہاتھ ہر وقت کھلا اور کشادہ ہے یعنی بخشش اور عطا فرما رہا ہے۔ اُس کے ہاتھ میں اس قدر خزانے ہیں کہ دن رات ہر وقت خرچ کرتا اور اپنے بندوں کو نعمتیں عطا فرماتا ہے مگر وہ کچھ کم نہیں ہوتے۔ اُسکی عطا اور بخشش نیک بندوں اور گناہگاروں سب کو شامل ہے۔ اُسی کی ذات جمیع کمالات کی جامع اور اسی کے ہاتھ میں جملہ خیرات ہیں۔ تمام محامد اور تعریفیں اُسی کے واسطے شایاں ہیں۔ سب کاموں کی باگ اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ اُس کے اسماء۔ اوصاف۔ افعال اور ذات سب بابرکات ہیں۔ سب برکتیں اور خیرات اُس کی طرف سے ہیں۔ کوئی شخص کتنا ہی بڑا سوال کرے اُس کی بارگاہ میں اُس کو پورا کرنا کوئی دشوار نہیں۔ اور اُسکے خزانوں میں خرچ کرنے سے کمی نہیں آتی۔ جہان میں جتنے کمالات ہیں اگر سب کے سب ایک جگہ جمع ہوں اور پھر یہ جملہ کمالات ہر ایک شخص میں پائے جاتے ہیں۔ تب بھی انکو باری تعالےٰ کے کمالات سے وہ نسبت بھی نہیں ہو سکتی جو ایک ٹمٹماتے چراغ کو آفتاب سے ہے ٭

فصل۔ شر کی باقی پانچ قسموں میں سے صرف وہ ایک قسم موجود ہے جس کے ایجاد میں خیر مصلحت اور حکمت اُس کے نقصان پر غالب ہے اور باقی چار اقسام کا وجود نہیں۔ اور وہ امور جو شر محض ہیں۔ ان میں کسی وجہ سے خیر نہیں۔ اُن کا کوئی وجود اور حقیقت نہیں بلکہ وہ عدم محض ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے۔

کہ ابلیس کا وجود۔ کفر اور شرک یہ تمام چیزیں شر محض ہیں۔ انکے وجود میں کونسی خیر اور بہتری ہے اور پھر یہ سب چیزیں
موجود ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابلیس کے پیدا کرنے میں وہ حکمتیں مصالح اور خیرات موجود ہیں۔ جو
اللہ تعالےٰ کے سوا کسی دوسرے کو معلوم نہیں۔ اور جو مصالح اُسکے موجود ہونے پر مترتب ہیں۔ خالق کے
سوا کسی کو اُن کا علم نہیں۔ اور ہم بعض اُن مصالح کو جو ابلیس کے وجود میں متصور ہیں۔ انشاء اللہ عنقریب
بیان کرینگے۔ اللہ سبحانہ نے ابلیس کو عبث اور فضول نہیں بنایا اور نہ اُس کے پیدا کرنے سے بندوں
کا ضرر اور انکو تباہ کرنا مقصود ہے۔ اللہ تعالےٰ کی مخلوق میں اس کی بہت سی حکمتیں باہرہ۔ حجج قاہرہ۔
آیات ظاہرہ۔ اور نعمتیں کاملہ مخفی اور پوشیدہ ہیں۔ ابلیس کا وجود دین اور ایمان کے حق میں اگرچہ ایسا
مضر ہے جیسا زہریلی چیزوں اور سمیات کا وجود ابدان کے لئے مضر ہے۔ مگر تاہم سمیات کے پیدا کرنے
میں وہ حکمتیں اور مصالح موجود ہیں جو انکے نہ پیدا کرنے میں متصور نہیں۔ اور اُن مصالح اور حکمتوں کے
لحاظ سے اُن کا وجود انکے عدم سے بہتر اور خیر ہے۔ وہ امور جن میں خیر اور شر دونو مفقود ہیں وہ بھی
موجود نہیں کیونکہ ان کا وجود عبث ہے اور اللہ تعالےٰ عبث کے پیدا کرنے سے پاک ہے۔ اور جب
ایسے امور کا وجود نہیں تو وہ امور جن کے پیدا کرنے میں بہ نسبت خیر کے شر زیادہ ہے تو وہ بطریق اولےٰ
موجود نہیں۔ جو شخص غور اور فکر سے کام لے تو اُس پر ظاہر ہو جائیگا کہ جو امور موجود ہیں گو بعض اُن میں
سے بظاہر شر ہیں لیکن انکے وجود میں بھی (جو بظاہر شر معلوم ہوتے ہیں) بہ نسبت شر کے خیر اور مصلحت
غالب ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ امور خیر کا وجود شر سے زیادہ ہے۔ دیکھو امراض اگرچہ بکثرت موجود
ہیں مگر صحت اُن سے زیادہ موجود ہے۔ لذات بہ نسبت مکروہات اور عافیت بہ نسبت تکالیف و
بلا زیادہ ہے۔ پانی میں ڈوب جانا۔ آگ سے جل جانا۔ دیوار یا کسی اور چیز کے نیچے دب کر مر جانا۔
وغیرہ اس قسم کے عوارض اگرچہ بکثرت موجود ہیں۔ مگر سلامتی بہ نسبت اِنکے زیادہ موجود ہے ایسے امور کا
وجود جن میں بہ نسبت شر کے خیر غالب ہے۔ اگر نہ ہو تو وہ خیر جو انکے وجود پر مترتب اور بہ نسبت شر
کے زیادہ اور غالب ہے فوت ہو جائے۔ اور خیر کثیر کا فوت ہونا شر ہے۔ مثلاً آگ کے وجود میں بہت
سے منافع موجود ہیں اور ساتھ ہی اس کے کچھ نقصان بھی ہیں۔ لیکن جب اُن منافع اور مفاسد کو
باہم مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو یہ مفاسد اُن منافع سے بہت ہی کم ہیں بلکہ انکو اُن سے کچھ نسبت
نہیں۔ اور اسی طرح بارش کے برسنے۔ ہواؤں کے چلنے۔ گرمی۔ سردی وغیرہ کا حال ہے۔ غرض
عالم سفلی کے جملہ عناصر میں خیر اور شر دونو ملے جلے ہیں۔ لیکن انکی خیر شر پر غالب ہے۔ اور عالم علوی محض
خیر پر مشتمل ہے۔ اس میں کسی قسم کا شر نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے۔ کہ خالق حکیم نے عالم سفلی کو

بھی اس طور پر کیوں نہ پیدا کیا کہ اس میں کسی قسم کا شر نہ ہوتا اور سب کی تمام چیزیں خیر محض ہوتیں۔ اور اگر یہ جواب دیا جائے کہ اس کی حکمت کا یہی تقاضا ہوا کہ اس عالم کو اس طور پر پیدا کرے کہ جس میں لذت تکلیف کے ساتھ اور خیر شر کے ساتھ مخلوط ہو۔ تو اس پر اس نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عالم بالا کی طرح ایسے طور پر بھی پیدا کر سکتا تھا کہ جس میں بالکل کوئی شر نہ ہوتا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جس چیز میں کہ وجود میں بہ نسبت شر کے خیر اور خوبی زیادہ اور غالب ہو اس کا وجود اس کے عدم سے بہتر اور اولیٰ ہے لیکن یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ تمام برائیوں کی جڑ جملہ شرور کے منبع۔ اور اہل شر کے اول پیشوا ابلیس کے وجود میں کونسی خوبی اور خیر ہے۔ اور پھر اس کو قیام دنیا تک باقی رکھنے میں کیا خوبی ہے۔ اور نیز ایسے عالم کے قائم کرنے میں جس میں ننانوے فیصدی آدمی تو دوزخ میں جھونکے جائیں۔ اور طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوں۔ اور فیصدی ایک آدمی جنت اور عیش و آرام میں ہو۔ کونسی خوبی اور خیر غالب ہے۔ اور نیز آدم و حوا علیہما الصلوٰۃ والسلام کے جنت سے نکالنے اور ان کی اولاد کو طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کرنے میں کیا خوبی ہے۔ اگر وہ جنت سے نہ نکالے جاتے اور ہمیشہ وہیں رہتے تو کسی شر کا وجود نہ ہوتا۔ اور اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ ان کو جنت سے نکال کر ان میں سے ایک ایسی مخلوق پیدا کرے جو اس کی عبادت کریں۔ تو اس پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر مخلوق کو عبادت کے لئے پیدا کیا۔ تو پھر بہت سے لوگوں کو اپنی عبادت سے کیوں ہٹا دیا۔ اور تھوڑے سے لوگوں کو اپنی عبادت کی توفیق بخشی۔ اور کفر، فسق، عصیان، ظلم، تعدی وغیرہ ایسے امور کے پیدا کرنے میں کیا خوبی اور خیر ہے۔ اور نیز بچوں اور دیوانوں کو جو اہل تکلیف نہیں۔ دنیا میں درد و دکھ پہنچانے میں کیا خیر و خوبی ہے۔ اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ دنیا میں اس لئے ان کو دکھ درد ہوتا ہے کہ آخرت میں انکو اس کا ثواب اور بدلہ حاصل ہو۔ تو اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ان کو جو دنیا میں تکلیف ہوتی ہے اس کا بدلہ ان کو کہاں ملیگا۔ اور نیز دجال کے پیدا کرنے اور اس کو طرح طرح کے خوارق عادت دیکر مسلمانوں کو اس کے فتنے میں مبتلا کرنے میں کونسی خیر و خوبی ہے اور نیز اور اس پر جو مفاسد اور نقصان مترتب ہوتے ہیں انکے پیدا کرنے میں کیا خیر و خوبی ہے اور نیز مخلوق کے متفرق گروہ بنانے اور بعض کے دلوں پر بعض کا خوف ڈال دینے میں کیا خیر و خوبی ہے۔ اور نیز زہر، زہریلے موذی اور حملہ کرنیوالوں جانوروں اور زہریلی چیزوں کے پیدا کرنے میں کونسی خیر و خوبی ہے۔ اور انسان کو ایک اچھی خلقت اور بناوٹ میں پیدا کرنے کے بعد پھر اس کو فنا کر دینا اور مضبوط قوی بنانے کے بعد ضعیف اور کمزور کر دینے میں کیا خیر و خوبی ہے۔ اور اسی طرح اس عالم کو فنا کر دینے اور اس کے اثر کے مٹا دینے میں کیا خیر و

خوبی ہے۔ اگر اس کے وجود میں یہ شبہ ہے کہ خیر غالب اور راجح ہے تو پھر اس کے فنا کرنے میں اس خیر
کو فنا کر دینا ہے جو خیر غالب کا مستلزم ہے اور فنا کا موجب ہے۔ ان سب باتوں کو چھوڑ کر یہ پوچھتے ہیں
کہ دوزخ کیوں پیدا کئے گئے ہیں نیز تمام مصائب، آفات اور تکالیف کی کثرت کو کونسی ترجیح یا مرجح ہے
تمہاری جانب سے ان سوالات کے جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ کہ یا تو حکمت اور تعلیل کو
چھوڑ کر یہ کہا جائے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے جو محض اس کی مشیت ہے اس کی علت اور
لم نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ان چیزوں میں کوئی دوسری مصالح یا حکمتیں موجود نہیں یا یہ کہا جائے کہ اسباب و
شرائط کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے ہر شیء کا پیدا کرنا واجب اور ضروری ہے۔ اور وہ اپنے اختیار و ارادہ
سے اپنے افعال صادر نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ان کے صدور میں مجبور ہے۔ اور یہ سوال ان لوگوں پر وارد ہوتے
ہیں۔ جو اللہ سبحانہ کو فاعل مختار مانتے ہیں۔ اسی واسطے ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے افعال کا حکمت
پر مبنی اور معلل ہونے کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا حکمت پر مبنی ہونا
اور ان مذکورہ اشیاء کا وجود باہم متنافی ہیں۔ پس ان چیزوں کے موجود ہوتے وقت یہ کس طرح صحیح ہو سکتا
ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال حکم اور مصالح پر مبنی ہیں۔ بلکہ یہ کہا جائیگا۔ کہ جو کچھ ہوتا ہے محض
اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔ تو ان تمام شبہات کے جواب میں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ
إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ کہنے کے بعد مندرجہ ذیل آیات کو ہم پیش کرتے ہیں۔ جو ان کا شافی جواب ہے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (اے پروردگار
تو نے اس کارخانہ عالم کو بے فائدہ (تو) نہیں بنایا تیری ذات (ایسے فعل عبث کے کرنے سے) پاک ہے
تو اے ہمارے پروردگار ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیو) وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ
وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ (اور ہم نے آسمانوں (کو) اور زمین کو اور جو چیزیں
آسمان و زمین میں ہیں ان کو کھیل تماشے کیلئے پیدا نہیں کیا۔ ہم نے تو آسمان و زمین کو ایک غرض اور
مصلحت سے پیدا کیا ہے، وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذٰلِكَ
ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ (اور ہم نے آسمان و زمین کو اور جو چیزیں
آسمان و زمین میں ہیں ان کو بیکار نہیں پیدا کیا۔ یہ ان لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں اور دوزخ کے
اعتبار سے کافروں کے حال پر (بڑا ہی) افسوس ہے۔) أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا
وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ
(لوگو!) کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو (یونہی) بیکار پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تم کو ہماری طرف پھر لوٹ کر

آتا نہیں تو خدا، جو بادشاہ برحق (ہے) بیفائدہ کام کرنے سے بری اور بالاتر ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) عرش بزرگ کا مالک (ہے)) اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ (اللہ ہی تو ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ان ہی کی طرح زمین۔ آسمان و زمین میں (انتظامی) احکام وقتاً فوقتاً نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور (نیز) یہ کہ اللہ کا علم سب چیزوں پر حاوی ہے) جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (خدا نے کعبہ کو کہ وہ (خدا کا) معزز گھر ہے لوگوں کے امن و اطمینان کے) قائم رکھنے کا موجب قرار دیا ہے اور (اسی طرح) عزت والے مہینوں کو اور حج کی قربانی (کے جانوروں) کو اور ان (جانوروں) کو (جو خدا کی نیاز کے واسطے خاص کر کے شناخت کے لئے ان) کے گلے میں پٹے باندھ دیتے ہیں یہ اس لئے کہ تم کو معلوم رہے کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ (سب) جانتا ہے) صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (یہ بھی) اللہ کی کاریگری (ہے) جس نے ہر چیز کو خوب پختہ طور پر بنایا ہے) اَلَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ (اس نے جو چیز بنائی خوب ہی بنائی) مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (اے دیکھنے والے بھلا تجھ کو (خدائے) رحمن کی (اس) صنعت میں کوئی کور کسر دکھائی دیتی ہے) بلکہ ان اشیاء کا وجود اور اس عالم کا سلسلہ ان مصالح مطلوبہ اور غایات محمودہ اور حکم مخفیہ کے لحاظ سے جو انکے وجود سے وابستہ ہیں نہایت مناسب اور موزون ہے۔ ان مصالح اور غایات کی تفصیل سے تو صرف اللہ سبحانہ واقف ہے۔ ہاں بعض امور سے اپنے خاص بندوں کو بھی مطلع فرما دیا ہے بلکہ ان مصالح اور ثمرات کے وجود کو جب خالق نے اس عالم کے اسباب و ذرائع سے وابستہ کر دیا ہے تو اس لحاظ سے ان کا وجود ضروری ہوا۔ ملائکہ مقربین نے بھی بارگاہ الٰہی میں اسی قسم کے سوالات پیش کئے تھے۔ تو انکو یہ جواب ملا اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں وہ (مصلحتیں) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) تو ملائکہ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے کمال علم و حکمت کا اقرار کیا۔ اور اس بات کا اعتراف کیا کہ اللہ سبحانہ کے سب کام ٹھیک ہیں۔ اور حکمت سے خالی نہیں۔ اور یوں کہا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (تو پاک (ذات) ہے جو تو نے ہم کو بتا دیا ہے اس کے سوا ہم کو کچھ معلوم نہیں تو ہی جاننے والا (اور) مصلحت کا پہچاننے والا ہے) اور چونکہ اپنی بعض حکمتیں جو ان پر مخفی تھیں۔ ان کے سوال کرنے پر ظاہر فرما دیں۔ اسلئے ان سے یوں ارشاد فرمایا اَلَمْ اَقُلْ

لَكُمْ إِنِّيْ أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (پ ۱)
ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان کی اور زمین کی سب مخفی چیزیں ہم کو معلوم ہیں اور جو کچھ تم (اب) ظاہر کیے دیتے ہو اور جو کچھ تم ہم سے چھپاتے تھے (وہ) ہم کو سب معلوم ہے ۔

فصل : ہم اس مقام پر چند سلیس اصول بیان کرتے ہیں۔ جن سے ان سوالات کے جواب واضح طور پر معلوم ہو جائیں۔ بہت سے متکلمین ایسے تھے جن کو علم فلسفہ اور کلام میں پوری مہارت ہے۔ اس بات کو تسلیم کرلیا ہے۔ کہ ان سوالات کا جواب سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ کہ یا تو اللہ سبحانہ کو فاعل مختار نہ مانا جائے یا یہ کہا جائے کہ اس کے افعال کسی حکمت و مصلحت پر مبنی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو بنانا یا کسی کام کا حکم کرنا کسی مصلحت یا حکمت کیلئے نہیں۔ اور نیز اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے لئے سبب نہیں بنایا بلکہ جو کچھ ہوتا ہے محض اس کی مشیت اور قدرت سے ہوتا ہے۔ اسکی مشیت بلا سبب اور بلا وجہ ایک چیز کو دوسری چیز پر ترجیح دیدیتی ہے۔ اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُسکے افعال کے لئے کوئی لِم کیف یا سببیت ہے۔ اور نہ یہ کہ کسی مصلحت پر مبنی ہیں۔ امام رازی نے اپنی کتاب مباحث مشرقیہ میں کہا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ خالق نے ان اشیاء کو ایسا کیوں نہ بنایا۔ کہ تمام شرور سے یہ خالی ہوتیں۔ تو ہم یہ جواب دینگے۔ کہ اگر انکو خالی از شر پیدا کرتا تو یہ قسم اول یعنی ان چیزوں میں جو خیر محض ہیں داخل ہو جاتیں حالانکہ یہ اُنکے علاوہ ایک دوسرا قسم ہے اور باری تعالیٰ کے افعال میں ایک قسم وہ ہے۔ کہ جس میں بہ نسبت شر کے خیر و خوبی زیادہ اور غالب ہے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ اس قسم کی چیزوں کا وجود اُنکے عدم سے اولیٰ ہے۔ امام رازی خود ہی کہتے ہیں کہ یہ جواب مجھے پسند نہیں کیونکہ کوئی شخص یہ شبہ کرسکتا ہے کہ جب تمام خیرات اور شرور کا وجود اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اختیار سے ہے تو آگ کا جلانا کسی چیز کے جلنے کا موجب نہیں۔ بلکہ مماس اور کسی چیز سے آگ کے مجاور و متصل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے اختیار سے یہ کیفیت پیدا کرتا ہے کہ وہ چیز جل جاتی ہے۔ اور جب اس کا جلنا اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اختیار سے ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسا کیوں نہ کیا کہ جہاں جلا دینے میں خیر و خوبی ہو وہاں یہ فعل پیدا ہو جایا کرے اور جہاں اس میں نقصان اور خرابی ہو وہاں پیدا نہ کرے۔ اور اس شبہے کا جواب سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ کے افعال اُسکے ارادہ اور اختیار سے صادر نہیں ہوتے۔ اور اس مسئلہ کا مآل قدم اور حدوث کے مسئلہ کی طرف ہو جاتا ہے۔ دیکھو رازی جیسے فلسفہ دان نے کیسی سخت غلطی کھائی ہے کہ اس بات کا اعتراف کرلیا ہے کہ ان سوالات کا جواب سوائے اس کے اور کوئی نہیں۔ کہ اول سے آخر تک تمام انبیاء علیہم

کی تکذیب ہے جملہ آسمانی کتابوں کا انکار ہے۔ اور اس امر میں کہ اللہ سبحانہ خالق عالم مرید اور مختار ہے کہ جو چاہتا ہے وہ
ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ اسکے عدم مشیت کے سبب موجود نہیں آتا۔ سلسلہ تو یہاں کوئی چیز
اسکی مشیت کے بغیر موجود نہیں۔ عقل کی بھی مخالفت کیجاتی ہے۔ امام رازی نے جس طرح مان لیا ہے کہ ان سوالات
کا جواب ان دہریوں لوگوں کے پاس بجز تقیہ اختیار کرنے کے ممکن نہیں جو انبیاء علیہم السلام اور دیانت ساری کے دشمن ہیں۔
اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا نہیں کیا۔ اور نہ اس عالم کو عدم سے وجود میں
لایا ہے اور نہ اسکو فنا کریگا۔ اور نیز یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال اسکے ارادہ و مشیت سے صادر
نہیں ہوتے اور نہ اللہ سبحانہ کو مرید و مختار سمجھتے ہیں۔ رازی کے پاس ان سوالات کا یہی جواب ہے۔ یا
جبریہ کا قول ہے جو اسباب اور حکمت کے منکر ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کسی مصلحت و
حکمت پر مبنی نہیں یا معتزلہ کا قول ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جو چیز عقلاً مفید اور بہتر ہو اللہ پر واجب ہے کہ
اس کو پیدا کرے۔ معتزلہ اگرچہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال حکمت سے خالی نہیں۔ مگر یہ حکمت
اس طور پر نہیں کہ اللہ سبحانہ نے اپنے علم میں اسکی حکمت و مصلحت سمجھی۔ اور اسکے پورا کرنے کے واسطے کسی چیز کو
پیدا کیا۔ بلکہ یہ حکمت و مصلحت انسانی عقل کے رو سے ہے۔ معتزلہ نے اللہ سبحانہ کو مخلوق سے تشبیہ دیکر
اپنے عقول سے شریعت کو ثابت کیا اور اللہ پر بھی نافع اور مفید چیزوں کا پیدا کرنا واجب اور مضر اور
نقصان دہ چیزوں کا پیدا کرنا حرام ٹھیرایا ہے۔ یہ تینوں اقوال جو سراسر ردی ہیں۔ رازی کے دل میں
کھٹکتے ہیں۔ اور کوئی عقلمند آدمی ان تینوں میں سے کسی ایک قول کو پسند نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ اقوال
عقل نقل فطرت کے مخالف ہیں۔ اور قول حق ان اقوال میں ایسا مخفی ہے جیسا اہل کتاب پر جمعہ کا روز دوسرے
ایام میں مخفی رہا۔ اور اس امت کو اللہ تعالیٰ نے وہ دن سوجھا دیا۔ چنانچہ یوم جمعہ کی بابت حضرت نبی
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے۔ کہ ہم سے پہلی امتوں کو یہ دن نہ ملا۔ پس یہ دن یعنی یوم جمعہ ہمارے
لئے ہے۔ اور اس کے بعد دوسرا روز یہود کے لئے اور اسکے بعد تیسرا روز نصاریٰ کے لئے۔ اور ہم
بحمد اللہ اسی طرح کہتے ہیں۔ کہ ہم اہل سنت طریق متوسط اور حق پر قائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فاعل مختار
ہونے کا انکار ان لوگوں کا حصہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے دشمن ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے افعال کو خالی
از حکمت و مصلحت کہنا جہمیہ اور جبریہ کا مسلک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت عامہ مشیت تامہ۔
محبت۔ کراہت۔ موجبات حمد۔ اسماء و صفات کے مقتضیٰ اور انکے معانی اور آثار کا انکار کرنا قدریہ
مجوس ہذہ الامۃ کا شیوہ ہے اور ہم ان جملہ اقوال اور انکے قائلین سے بری اور بیزار ہیں۔ ہاں کسی کے
جتنا قدر صحیح ثابت ہو اس کو مانتے اور اس پر یقین کرتے ہیں ❖

فصل - پہلا اصول یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کا علم سب چیزوں پر حاوی اور تمام اشیا کے محیط ہے کوئی چیز اُس سے
مخفی نہیں۔ آسمانوں اور زمین میں ایک ذرہ بھر بھی اُسکے علم سے غائب نہیں بلکہ سب چیزیں اُسکے احاطۂ علم
میں ہیں اور اُسکے نزدیک محصور و معدود ہیں۔ اس اصول میں دو گروہ کا اختلاف ہے۔ ایک تو وہ لوگ
اس اصول کا انکار کرتے ہیں جو انبیا علیہم السلام کے دشمن اور رسالت کے منکر ہیں۔ اور وہ یہ کہتے ہیں
کہ اللہ تعالے کا علم جزئیات پر حاوی نہیں۔ اُنکے اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ وہ کسی موجود چیز کو نہیں جانتا
کیونکہ جو چیزیں موجود ہیں وہ سب جزئیات ہیں اور جب اللہ تعالے جزئیات کو نہیں جانتا تو عالم علوی
اور سفلی میں سے کسی چیز کا اُسے علم نہیں۔ دوسرے فرقہ قدریہ کے لوگ اسمیں مخالف ہیں پہلا صالحین
ان لوگوں کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے اور اُنکے قتل کا حکم دیتے تھے۔ اس فرقہ کا یہ عقیدہ
ہے کہ اللہ تعالے بندوں کے افعال کا عالم نہیں نہ تو ان افعال کے موجود ہونے کے بعد ان کو جانتا ہے
اور نہ قبل وجود اُسے اُن کا علم ہے۔ اور نیز یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالے نے بندوں کے افعال کو اُنکے
موجود ہونے سے پہلے مقدر نہیں کیا اور نہ اُن کو لکھا ہے جو جائیکہ یہ افعال اسکی مشیت اور تکوین سے
ہوں۔ ان کا قول سراسر غلط اور باطل ہے۔ جمیع انبیا علیہم السلام کی شریعتیں اور تمام آسمانی کتابیں اُس
کے بطلان پر شاہد ہیں حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام میں اُنکے قول کے ابطال و تکذیب
اور اللہ سبحانہ کے احاطہ علمی کے اثبات کے بارے میں بکثرت ادلہ موجود ہیں۔ اللہ سبحانہ کا علم اُس کی
خاص صفت ہے جس میں کوئی مخلوق اس کا شریک نہیں اور نہ کوئی اُسکے علم کا احاطہ کرسکتا ہے اگرچہ
بعض امور سے اپنے خاص و ممتاز بندوں کو مطلع کر دیتا ہے۔ مگر جو چیزیں اُن سے مخفی رکھی ہیں۔
اور ان کا علم خاص اللہ تعالے کو ہے اُنکے معلومات کو اُن سے وہ نسبت بھی نہیں ہوسکتی جو پانی کے ایک
قطرہ کو تمام۔ روئے زمین کے دریاؤں اور سمندر کے پانی سے ہے چنانچہ خضر علیہ السلام نے موسےٰ
علیہ السلام سے یوں کہا کہ اے موسےٰ تیرے علم اور میرے علم کو اللہ سبحانہ کے علم سے کیا نسبت ہے۔
اگر ایک چڑیا اپنی چونچ کے ساتھ سمندر سے کچھ پانی اٹھالے۔ تو اس پانی کو سمندر کے پانی سے کیا
نسبت ہے یہی میرے علم اور تیرے علم کا اللہ تعالے کے علم کے سامنے یہی حال ہے۔ باوجودیکہ خضر
خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اُس وقت کے تمام اہل زمین سے زیادہ عالم تھے۔ اللہ تعالیٰ کے
علم کی یہ شان ہے کہ اگر وہ اپنے علم کے مطابق کلام فرمائے اور فرض کیا جائے کہ سمندر کا پانی روشنائی
ہو۔ بلکہ ایسے ہی سات سمندر اُسکے ساتھ اور ملا دئے جائیں اور ابتدائے عالم سے آخر تک جتنے درخت
اور اشجار ہیں سب کے قلم بنائے جائیں اور اللہ تعالے کے کلام کو لکھنا شروع کیا جائے تو یہ تمام روشنائی

اور قلمیں اُسکے لکھنے سے لیئے ناکافی رہ گئے بلکہ یہ سب سمندر اور قلمیں ختم ہو جائینگے۔ اور اُسکے کلمات پاک
ختم نہ ہونگے۔ مخلوق کے علوم کو اللہ سبحانہ کے علم سے وہی نسبت ہے جو اُنکی قدرت کو اُسکی قدرت اور
اُنکے غناء کو اُسکے غناء اور اُنکی حکمت کو اُسکی حکمت سے ہے اور جب اعلم الخلائق یعنی سرور کائنات صلعم کا یہ
قول ہے کہ اے اللہ میں تیری ثناء کو پوری طرح ادا نہیں کر سکتا۔ تیری ذات ویسی ہی ہے جیسی تُو نے
خود اپنی ثنا فرمائی ہے اور دعائے استخارہ میں آپ یہ کلمات کہا کرتے تھے فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ
وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اور جب اللہ سبحانہ ملائکہ کو یوں ارشاد فرماتے اِنِّیْ اَعْلَمُ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں وہ مصلحتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) اور نیز اللہ تعالٰی نے اعلم اور خیر الامم یعنی اُمتہ
حضرت محمد صلعم سے اس طرح فرمائے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا
شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ
(مسلمانو! تم پر جہاد فرض کیا گیا اور وہ تم کو ناگوار بھی گذریگا اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بُری لگے اور تمہارے
حق میں بہتر ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو۔ اور اللہ تعالٰی جانتا
ہے اور تم نہیں جانتے) اور اہل کتاب کو اس طرح خطاب فرمائے وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا
(اور تم لوگوں کو اسرار الٰہی میں سے بہت تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے) اور انبیاء علیہم السلام سے قیامت کے
دن جب اللہ تعالٰی یہ دریافت فرمائیگا کہ لوگوں نے تمہارا کہا مانا یا نہیں تو یہ عرض کرینگے کہ اے اللہ
ہمیں کچھ علم نہیں تو سب پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو اسطرح کا بھی بیان کرنا پس
ادب کے علاوہ حق اور نفس الامر کے مطابق ہے کیونکہ اُنکے علوم بلکہ سب مخلوق کے علوم اللہ سبحانہ کے
علم کے سامنے ہیچ اور لاشئے ہیں جسطرح کہ آفتاب کے سامنے ایک ٹمٹماتے چراغ کی کوئی حقیقت
نہیں اسی طرح اللہ تعالٰی کے علم کے سامنے مخلوق کے علوم کی کوئی ہستی نہیں۔ تو بڑے ظلم نہایت
جہالت۔ کمال بیحیائی۔ اعلٰے درجہ کی بے شرمی اور سخت جرأت کی بات ہے کہ وہ شخص جسکے علم کو
لوگوں کے علوم سے کوئی نسبت نہیں اور انبیاء کے علوم کے سامنے ان لوگوں کے علوم کی کوئی حقیقت نہیں اور انبیاء کے علوم کی اللہ کے علم کے سامنے
کوئی ہستی نہیں۔ اللہ سبحانہ کے علم کی نسبت اعتراض کرے اور اُسکی حکمت میں نقص اور عیب نکالے۔
اور یہ خیال کرے کہ جو کچھ اللہ تعالٰی نے پیدا کیا اور اپنے علم سابق کے مطابق مقدر بنایا ہے وہ حکمت کے
برخلاف ہے اور اولٰی اور بہتر یہ تھا کہ اللہ تعالٰی نے ایسا نہ کرتا۔ سبحان اللہ تعالٰی کی ربوبیت اور الٰہیت
عظمت وجلال ان باتوں سے منزہ اور پاک ہیں جن کو جاہل اور ظالم اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔
کلمہ سبحان اللہ ایک ایسا جامع کلمہ ہے کہ جس کے ساتھ تمام برائیوں نقصانوں اور عیوب سے اللہ سبحانہ

سے جمال و کمال اور تنزیہ و تقدیس بیان کیا جاتا ہے۔ اللہ سبحانہ کی ذات من کل الوجوہ اور جملہ حیثیات سے تمام
نقائص سے پاک اور بالکل منزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کمال محمودیت اور اُن صفات الٰہیہ کے ساتھ
موصوف ہونا جن کے ساتھ کوئی دوسرا موصوف نہیں اور اپنی ذات اور صفات اور افعال میں تمام
چیزوں سے بزرگ اور برتر ہونا منکرین علم الٰہی کے قول کی تردید کرتا ہے۔ جو شخص سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ
لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کے معنی کو اچھی طرح سمجھے اور اُسکے قائل ہیں اُس کا مضمون جاگزیں
ہو جانے بشرطیکہ اُسکے معانی کو تعلیم نبوی کے مطابق سمجھا ہو نہ کہ فلسفہ اور غلط علم کلام اور نا اہل متکلمین سے
سیکھا ہو تو وہ خوب سمجھتا ہے کہ منکرین علم الٰہی کا قول سراسر غلط اور باطل ہے۔ یہی اصول ہے جس کا
اس مقام میں جاننا اور اُسکے مطابق عمل ضروری ہے۔ یہاں یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ تمام مخلوق کے
علوم و حکمتیں اور عقول اللہ تعالیٰ کی اُن حکمتوں کی تفصیل جاننے سے قاصر ہیں جو اُس نے اپنی ایک چھوٹی
سی مخلوق میں رکھی ہیں۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ اللہ سبحانہ حقیقی حی اور زندہ ہے اور اُس کی حیات اور زندگی تمام زندگیوں سے
اعلیٰ اور اکمل ہے۔ اور اسکی زندگی جمیع صفات کمال کے وجود اور انکی اضداد کی نفی کو مستلزم ہے یعنی جملہ
صفات کمال من کل الوجوہ اسمیں موجود ہیں اور وہ تمام نقائص سے منزہ ہے اور منجملہ لوازم حیات یہ امر ہے
کہ اُسکے افعال اختیاری ہوں کیونکہ ہر ایک زندہ چیز کوئی نہ کوئی فعل کرتی ہے اور ہر ایک زندہ چیز
کے افعال اُس کی حیات کے کمال و نقصان کے مطابق اُس سے صادر ہوتے ہیں پس جس چیز
کی حیات سب سے اعلیٰ و اکمل ہوگی اُسکے افعال بھی سب سے زیادہ قوی اور کامل ہونگے۔ اور یہی حال
اُس کی قدرت کا ہوگا۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ ہر ایک چیز پر قادر اور جو چاہے اُس کو کرسکتا ہے۔
امام بخاری نے اپنے شیخ کی کتاب خلق الافعال میں نعیم بن حماد سے نقل کیا ہے کہ حی یعنی فعال ہے اور
[illegible] زندہ اور مردہ کے درمیان یہی فرق ہے کہ زندہ کوئی کام کرسکتا ہے
اور اسکو شعور ہوتا ہے اور مردہ کسی کام کے کرنے پر قادر نہیں ہوتا اور نہ اُسے شعور ہوتا ہے۔ اور جبکہ
حیات فعل کو مستلزم ہے۔

اور یہی تیسرا اصول ہے اور فعل اسی کام کو کہتے ہیں جو فاعل کے اختیار اور ارادہ اور قدرت سے
صادر ہوا اور جو کام کسی سے اُسکے اختیار ارادہ اور قدرت کے بدون سرزد ہو اُس کو کوئی اہل عقل اس کا
فعل نہیں کہتا۔ گو اس کو اس کا اثر کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً آگ کا کسی چیز کے جلانے پانی کا کسی کے
غرق کرنے اور آفتاب کا حرارت پہنچانے میں مؤثر ہونا ان چیزوں کا اثر کہا جاتا ہے۔ اور ان کو ان

اجسام کا فعل نہیں کہہ سکتے اگرچہ ان کا صدور اُن قوی اور طبائع سے ہوتا ہے جو خالق نے اِن میں پیدا کر دی ہیں۔ مگر تاہم ان چیزوں کو ان کے آثار کہا جاتا ہے۔ غرض حق عالم کا فعل وہی ہے۔ جو اسکی مشیت اور قدرت سے صادر ہو۔ اور اللہ سبحانہ کے حق ہے۔ عالم۔ فاعل بالاختیار اور صاحب ارادہ ہونے پر جمیع انبیاء علیہم السلام اور تمام آسمانی کتابیں متفق ہیں۔ اور عقل و فطرت بھی اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور جملہ موجودات ناطق۔ صامت۔ جمادات۔ حیوانات۔ عالم علوی تر سفلی سب اسکے شاہد ہیں۔ پس جو شخص اس بات کا انکار کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال اسکے اختیار اور ارادہ سے صادر ہوتے ہیں تو وہ اپنے رب اور پیدا کرنے والے کا منکر ہے اور اسکے زعم میں اِس عالم کے لئے کسی رب کی ضرورت نہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک +

چوتھا اصول یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی قضا و قدر میں اور نیز شریعت میں بعض چیزوں کو بعض چیزوں کیلئے اسباب ٹھیرایا ہے۔ اور اُن اسباب کو امور شرعیہ۔ دینیہ اور احکام کونیہ قدریہ کے لئے محل حکمت و تصرف قرار دیا ہے پس جو شخص اسباب۔ قوی۔ طبائع کو نہیں مانتا تو وہ ضروریات اور بدیہیات کا انکار کرتا ہے۔ اور نیز عقل فطرت اور مشاہدہ حس کا خلاف کرتا ہے۔ اور نیز شریعت اور جزا و سزا کا صاف منکر ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کے معاش و معاد کے جملہ امور و مصالح۔ ثواب و عقاب۔ حدود۔ کفارات۔ اوامر۔ نواہی۔ حلت۔ حرمت وغیرہ کو اُنکے اسباب سے مربوط اور وابستہ فرمایا ہے۔ بلکہ خود بندے کی ذات و صفات اُن افعال کا مسبب ہیں جو اُس سے صادر ہوتے ہیں غرض تمام موجودات میں یہی علاقہ ہے کہ بعض چیزیں اسباب اور بعض انکی مسبب ہیں۔ اور شریعت کے جملہ امور و احکام بھی اسی طرح ایک دوسرے کے لئے سبب و مسبب ہیں اور قضا و قدر میں بھی اسی طور پر بعض چیزوں کو بعض کے لئے سبب ٹھیرایا ہے اور اِس عالم میں اسی کے مطابق ظہور ہوتا ہے۔ غرض شریعت اور تقدیر میں اسباب اور مسببات کا دستور جاری ہے اور قرآن کریم کی آیات بکثرت اس پر شاہد ہیں چنانچہ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (ان اعمال کی بدولت جن کو دُنیا میں کرتے ہیں یا کرتے تھے) بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ (اپنے کئے کی سزا میں عذاب کے مزے چکھو) ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ (یہ تیرے اُن اعمال کا بدلہ ہے جو تو نے پہلے اپنے ہاتھوں زاد آخرت بناکر بھیجے تھے) بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (ان اعمال کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کئے) كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ (اور اُن کو اجازت ہوگی کہ ایام گذشتہ (یعنی دنیا) میں جو تم نے عمل کئے اور انکو پہلے سے زاد آخرت بناکر بھیجا تھا۔ انکے بدلے کھاؤ پیو اور تمہارے لئے نیک لگے) جَزَاءً وِفَاقًا (پورا بدلہ) فَبِظُلْمٍ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا وَأَخْذِهِمُ

الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (الغرض یہودیوں کی (ان) شرارتوں کی وجہ سے ہم نے (بہت سی) پاک چیزیں جو اُنکے لیے حلال تھیں اُن پر حرام کر دیں اور (نیز) اس وجہ سے کہ اکثر راہِ خدا سے (لوگوں کو) روکتے تھے اور (نیز) اس وجہ سے کہ ہر چند انکو سود کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ اس پر بھی سود لیتے تھے اور (نیز) اس وجہ سے کہ لوگوں کے مال ناحق خورد برد کرتے تھے)۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ (پس انکے قول توڑنے کی وجہ سے اور احکام الٰہی نہ ماننے کی وجہ سے اور ناحق (ناروا) پیغمبروں کو قتل کرنے کی وجہ سے) وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا (اور (نیز) اُنکے کفر کی وجہ سے اور مریم کی نسبت بڑے (سخت) بہتان (کی باتیں) بکنے کی وجہ سے) وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ (اور اُن کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسےٰ مسیح کو قتل کر ڈالا) فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً (پس اُن ہی لوگوں کے اپنے عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے اُن کو پھٹکار دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا) فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (تو اے پیغمبر یہ بھی) اللہ کا بڑا فضل ہوا کہ تم انکو نرم دِل (سے اور) ملے ہو) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ (اور یہ اس سبب سے ہوا کہ اُن کے پیغمبر معجزے لیکر اُن کے پاس آتے رہے اس پر بھی) اُنہوں نے نہ مانا تو اللہ نے اُن کو دھر پکڑا) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (یہ انکے اس کہنے کی سزا ہے کہ جیسا معاملہ بیع ویسا ہی معاملہ سود حالانکہ بیع کو تو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام) ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ (یہ اختلاف حالت) اسلئے ہے کہ جن لوگوں نے (دین حق سے) انکار کیا وہ غلط رستے پر چلے اور جو ایمان لائے وہ اپنے پروردگار کے ٹھیک رستے پر چلے) فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً (تو اُن کی طرف رسول بھیجے گئے اور) اُنہوں نے اپنے پروردگار کے رسول کی (جو اُن کی طرف بھیجا گیا تھا) نافرمانی کی تو اُس نے بھی اُنکو بڑا سخت پکڑا) فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ (غرض اُن لوگوں نے (موسیٰ اور ہارون) دونوں کو جھٹلایا تو (انجام یہ ہوا کہ) ہلاک کر دیئے گئے) فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا (سو فرعون نے (اُن) پیغمبر کی نافرمانی کی تو ہم نے اُسکو بڑے وبال میں دھر پکڑا) فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا (اس پر بھی اُن لوگوں نے صالح کو جھٹلایا اور اونٹنی کو مار ڈالا تو اُنکے پروردگار نے اُنکے گناہ

کے بدلے ہلاکت لازم آئی اور سب کو ڈھانک کر پڑا) وبالعکس فَلَمَّا آسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَا
هُمْ أَجْمَعِينَ فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِلْآخِرِينَ (پھر جب ان لوگوں نے (اپنی نافرمانیوں سے)
ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور ان سب کو ڈبو دیا۔ اور ان کو گیا گزرا کر دیا اور آنے والی
نسلوں کے لئے (ان کو) ضرب المثل بنا دیا) وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ
وَحَبَّ الْحَصِيدِ (اور ہم نے آسمان سے برکت کا پانی اتارا اور (پھر اپنے) بندوں کی روزی کے واسطے
اس پانی کے ذریعے سے باغ اگائے اور کھیتی کا اناج) حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ
لِبَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ (یہاں تک کہ
جب وہ (ہوائیں) بھاری (بوجھل) بادلوں کو لئے اڑتی ہیں تو ہم کسی بستی کی طرف جو (پانی نہ ملنے کی وجہ سے)
گویا مری پڑی تھی بادل کو ہانک دیتے ہیں پھر (وہاں) بادل سے پانی برساتے ہیں پھر پانی سے
ہر طرح کے پھل (زمین سے) نکالتے ہیں) يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ
السَّلَامِ (جو لوگ خدا کی خوشنودی کے طلبگار ہیں۔ انکو اللہ قرآن کے ذریعے سے سلامتی کے رستے
دکھاتا ہے) قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ (ان لوگوں سے جنگ کرو (تاکہ)
خدا تمہارے ہی ہاتھوں انکو سزا دیگا اور انکو رسوا کرے گا) وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا لِنُخْرِجَ
بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا وَجَنَّاتٍ أَلْفَافًا (اور ہم ہی نے بادلوں سے زور کا پانی برسایا تاکہ ہم اس
کے ذریعے سے غلہ اور (ہر طرح کی) روئیدگی اور گھنے گھنے باغ (زمین سے) نکالیں) اور اللہ سبحانہ نے
جس حکم شرعی یا جزا و سزا کو کسی وصف پر مترتب قرار دیا ہے۔ تو اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ وصف
اس حکم کا سبب ہے کقولہ تعالے وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا
نَكَالًا مِنَ اللَّهِ (اور (مسلمانو!) مرد چوری کرے تو اور عورت چوری کرے تو انکے (اس) کرتوت کے
بدلے میں (بطور) استیلاء ہونے کے (دونوں کے) ہاتھ کاٹ ڈالو (یہ) تعزیر (انکے حق میں) خدا کی طرف
سے (قرار پائی) ہے) وقولہ تعالے الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ
جَلْدَةٍ (عورت اور مرد زنا کریں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو (سو) درے مارو) وقولہ تعالے
وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ (اور بنی
اسرائیل میں سے) جو لوگ کتاب (تورات) کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اور نماز پڑھتے ہیں
تو ہم ایسے نیکوکاروں کے ثواب کو ضائع نہیں ہونے دینگے) وقولہ تعالے الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ (جو لوگ کفر

کرتے اور لوگوں کو راہِ خدا سے روکتے رہے اُن کی مفسدہ پردازیوں کی پاداش میں ہم اُن کے
حق میں عذاب پر عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے) اس قسم کی آیات بکثرت موجود ہیں سب کا شمار کرنا
دشوار ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس مقام میں شرط و جزا کو ذکر فرمایا ہے تو اُس کا بھی یہی مطلب ہے
کہ وجودِ شرط جزا کے وجود کے لیے سبب ہے اور اس کی مثالیں اور نظائر بھی بکثرت موجود ہیں
چنانچہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا (مسلمانو! اگر تم خدا سے
ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لیے ایک امتیاز پیدا کر دیگا) و قولہ تعالیٰ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ
وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (اگر (ہمارا) شکر کرو گے تو ہم تم کو اور زیادہ (نعمتیں)
دینگے اور اگر تم نے ناشکری کی تو تم کو معلوم رہے کہ ہماری مار (بھی بڑی) سخت (مار ہے) اور قرآن
کریم میں جو حکم بواسطہ حرف فا کے بافعل پر مرتب کیا گیا ہے تو بافعل اُس کا سبب ہوتا ہے اور اُس کے
نظائر پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ اور آیات مذکورہ میں سے جس مقام پر بالیقین سبب ذکر کر کے
مابعد کو بافعل کی علت قرار دیا ہے تو وہ بھی اسی علاقۂ سببیت کی مقتضی ہے۔ اور اس کے نظائر
اور امثلہ بھی بکثرت موجود ہیں۔ اور جس جگہ پر اللہ تعالیٰ نے صراحۃً بیان فرمایا ہے کہ یہ چیز فلاں
کام کی جزا ہے تو وہ بھی اسی سببیت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ [illegible]
کے سبب ہوا کرتی ہے۔ قرآن اور حدیث میں سے اگر تمام مواقع پیش کیے جائیں۔ جو وجود
اسباب کے ثبوت میں ہیں تو ہم بلا مبالغہ کہتے ہیں کہ دس ہزار سے زیادہ ایسے مواقع موجود ہیں۔ اسکے
علاوہ وجودِ اسباب پر حس، عقل اور فطرت کی شہادت بھی کافی ہے۔ اسی واسطے اہل علم نے
منکرینِ اسباب کے حق میں کہا ہے کہ [illegible]
اپنی عقل کو [illegible] توحید کے معانی ہیں۔ مگر وہ توحید
کے معانی نہیں بلکہ وہ اہل تعطیل کے معانی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال مثلاً فوقیت [illegible]
علو علی الخلق۔ استواء علی العرش۔ تکلم اور ملائکہ اور بندوں سے اُس کے ہمکلام ہونے کے منکر ہیں اہل
تعطیل کا بھی یہی زعم ہے کہ وہ توحید کی حمایت کرتے ہیں مگر یہ حمایت ایسی بیہودہ ہے کہ اس
میں اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کی تکذیب پائی جاتی ہے [illegible]
ذات پاک جملہ صفات [illegible]
[illegible] ہیں۔ اور [illegible] توحید [illegible] حمایت [illegible]
اور [illegible] باری تعالیٰ کے [illegible]

ذات کے ساتھ کسی فعل کا قیام جائز نہیں کیونکہ یہ افعال حادث اور مخلوق اور موجود بعد العدم ہیں۔
اپنے زعم میں تو وہ حدوث عالم اور باری تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کی حمایت کرتا ہے۔ مگر یہ حمایت
بھی ایسی ہی بیہودہ ہے۔ کہ اس میں باری تعالیٰ کے کمال افعال اور خالقیت کا انکار پایا جاتا
ہے۔ شریعت اور نبوت اور توحید پر بڑا حملہ یہ ہے کہ لوگوں کو یہ دھوکا دینا کہ انکار اسباب
کے بغیر توحید کامل نہیں ہوتی ضعیف العقل لوگوں نے انکی اس دھوکا دہی سے جب یہ سمجھا
کہ انکار اسباب کے بدوں توحید کامل نہیں ہوتی۔ اور انکار اسباب عقل، فطرت اور مشاہدہ حس،
کے خلاف ہے تو انکو مسئلہ توحید و نبوت میں شک اور اسکے متعلق بدگمانی پیدا ہوگئی جس طرح
قرآن کریم نے اسباب کے وجود کو ثابت کیا ہے کسی اور کتاب میں اسکی نظیر ملنی ناممکن ہے۔
تعجب کی بات ہے کہ جب اسباب اور مسببات سب کا خالق اور پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ
ہے اور اسی نے بعض چیزوں کو بعض کے لئے سبب بنایا ہے۔ اور اسباب اور مسببات سب
کچھ اسکی مشیت و قدرت کے تابع اور اسکے حکم کے منقاد ہیں۔ وہ جس چیز کی سببیت کو باطل
اور دور کرنا چاہے اس کو باطل کر سکتا ہے جسطرح کہ ابراہیم علیہ السلام کے حق میں احراق نار
اور موسیٰ اور انکی قوم کے حق میں اغراق ماء کو باطل کر دیا۔ اور اگر وہ چاہے تو ان اسباب کے
لئے ایسے موانع موجود کر دے جو باوجود انکی قوت موجود ہونیکے انکی تاثیر کو رد کر دیں۔ اور اگر
وہ چاہے تو انکے آثار اور اُن پر مترتب اور موجود رہیں۔ تو اس سے توحید میں کونسا نقص ہے۔
غرض جب اسباب کا پیدا کرنا اور انکو سبب بنانا اور پھر ان میں تاثیر ڈالنا سب کچھ اللہ سبحانہ
کے اختیار میں ہے تو اسباب کا وجود ماننے میں کونسی شرک کی وجہ پائی جاتی ہے۔ لیکن جنکی
عقلیں ضعیف اور کمزور ہیں انہوں نے جب منکرین اسباب کے اس قول کو سنا کہ آگ محرق نہیں
پانی غرق نہیں کرتا۔ روٹی سے سیری حاصل نہیں ہوتی۔ تلوار کاٹ نہیں سکتی۔ غرض کسی چیز میں
کوئی تاثیر نہیں اور کوئی چیز کسی اثر کا سبب نہیں۔ اور کسی چیز میں کوئی قوت موجود نہیں بلکہ ہر ایک
اثر کا پیدا ہونا خالق مختار کی مشیت پر موقوف ہے۔ تو وہ توحید میں متردد ہو گئے۔ اور اللہ سبحانہ کے
خالق اور موثر ہونے میں انکو شک پیدا ہوگیا کہ یہ کیسی توحید ہے۔ کہ تلوار کاٹ نہیں سکتی۔ روٹی سے
آدمی سیر نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ منکرین اسباب نے توحید پر یہ بڑا حملہ کیا اور منکرین رسالت کو تکذیب
شریعت کے لئے ایک راستہ کھول دیا۔ چنانچہ ان کی کتابوں میں صراحۃً درج ہے کہ ایسی ہی باتیں
سنا کر لوگوں کو ایمان سے متنفر کیا کرتے۔ حق بات یہ ہے کہ جاہل دوست اور خیر خواہ سے وہ

نقصان پہنچتا ہے جو دانا دشمن سے ضرر پہنچتا۔ وجود اسباب کے متعلق اللہ سبحانہ نے ذوالقرنین کے قصہ میں فرمایا ہے وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا (اور ہم نے اسکو ہر طرح کے سازوسامان دے رکھے تھے) اُسکی تفسیر میں علی بن ابی طلحہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہاں لفظ سبب بمعنی علم ہے۔ قتادہ۔ ابن زید۔ ابن جریج اور ضحاک نے کہا ہے کہ وہ علم عطا کیا جو اُسکے لئے اپنے ارادوں کے پورا کرنے میں سبب بنا اور اسحٰق نے کہا ہے کہ وہ علم جو اس کے لئے اُسکے ارادوں کی طرف مخصوص بیان ہوا۔ ابن عمرو کا قول ہے کہ جو چیز کسی چیز کو ایک دوسری چیز کی طرف پہنچاتی ہے تو اس پہنچانے والی چیز کو لغت میں سبب کہا جاتا ہے۔ اور بہت سے مفسرین نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ہم نے ذوالقرنین کو علم وغیرہ وہ چیزیں عطا فرمائیں کہ جن چیزوں کی طرف مخلوق کو حاجت اور اُنکو انکی بڑی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ سبحانہ نے اس جملہ فَأَتْبَعَ سَبَبًا (پس وہ ایک سامان کے پیچھے پڑا) میں راستے کو بھی سبب فرمایا ہے چنانچہ مجاہد نے اسکی تفسیر میں کہا ہے طریقًا یعنی راستہ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں بھی سبب سے وہی سبب مراد ہے جو پہلے مذکور ہے یعنی اُن اسباب میں سے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے عطا فرمائے تھے اور وہ اسکو اُسکے مقاصد تک پہنچانے والے تھے۔ اور اللہ سبحانہ نے آسمان کے دروازوں کو بھی سبب فرمایا ہے کیونکہ وہ آسمان میں داخل ہونے کے رستے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے قول کو بیان کیا ہے اُس نے اپنے وزیر سے یوں کہا لَعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ (تاکہ جو آسمان پر چڑھنے کے رستے ہیں ہم اُن رستوں پر جا پہنچیں) یعنی آسمان کے دروازوں تک جن سے اُس میں داخل ہوتے ہیں۔ اور مشہور شاعر زہیر نے کہا ہے ؎

وَمَنْ هَابَ أَسْبَابَ الْمَنَايَا يَنَلْنَهُ   وَلَوْ رَامَ أَسْبَابَ السَّمَاءِ بِسُلَّمِ

(یعنی جو شخص موت کے اسباب سے ڈرتا ہے تو اُس کا ڈرنا فضول ہے کیونکہ موت کے اسباب تو ضرور پیش آنے والے ہیں گو وہ سیڑھی کے ذریعہ سے آسمان کے دروازوں کی طرف چڑھنے کا قصد کرے) اور رسی کو بھی اسلئے سبب کہتے ہیں کہ وہ مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ (تو اسکو چاہئے کہ اوپر کی طرف ایک رسی تانے) بعض اہل لغت کا قول ہے کہ سبب اصل میں اس رسی کو کہتے ہیں جو نہایت مضبوط اور لمبی ہو اور تیز رسی کو سبب اُس وقت کہا جاتا ہے کہ جب اُس کے ذریعہ سے کسی چیز پر چڑھنا اور اُس سے اترنا پایا جائے۔ اُس کے بعد ہر ایک ایسی چیز کو جس کے ذریعہ سے کسی مقام یا حاجت مقصودہ تک رسائی ہو سبب کہنے لگے۔ چنانچہ بولتے ہیں کہ میرے اور فلاں شخص کے درمیان کوئی سبب یعنی رشتہ قرابت یا تعلق محبت موجود نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اُن تعلقات کو جو انکو آپس میں باہم ایک دوسرے سے وابستہ کئے ہیں اور جن کے ذریعہ سے

وہ ایک دوسرے سے کام نکالتے ہیں اسباب فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ (اس وقت گرو اپنے چیلے چانٹوں سے دست بردار ہو جائینگے اور عذاب آنکھوں سے دیکھ لینگے اور انکے آپس کے تعلقات سب ٹوٹ ٹاٹ جائینگے) یعنی وہ تعلقات جو انکے درمیان دنیا میں قائم تھے۔ ابن عباسؓ اور انکے اصحاب کا قول ہے کہ وہ دوستانہ تعلقات جو انکے درمیان دنیا میں قائم تھے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ لفظ اسباب سے یہاں وہ عمل مراد ہیں جن کی نسبت وہ امید کرتے تھے کہ ان پر اللہ تعالے کی طرف سے ثواب ملیگا۔ بعض کا قول ہے کہ قرابت کے وہ رشتے مراد ہیں جنکے سبب آپس میں ایک دوسرے پر شفقت اور مہربانی کرتے تھے۔ غرض جو کچھ ہو اللہ سبحانہ نے انکو لفظ اسباب سے اسلئے تعبیر فرمایا ہے کہ یہ اپنے مسبب کیطرف پہنچنے کا ذریعہ تھے۔ منکرین اسباب کے نزدیک یہ سب کلام مجاز پر محمول ہونگے۔

پانچواں اصول یہ ہے کہ اللہ سبحانہ حکیم ہے۔ اس کا کوئی کام عبث نہیں بلکہ اسکے تمام کام مصلحت اور حکمت پر مبنی ہیں اور وہ مصلحت اور حکمت جس کے لئے صدور افعال ہوتا ہے اسکو انکی غایت مقصودہ کہہ سکتے ہیں اور جس طرح کہ وہ افعال کے لئے اور اسباب موجب اور باعث ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح اسکی حکمت کاملہ انکے صدور کے لئے باعث ہے۔ اللہ تعالے اور اسکے رسول علیہ السلام کی کلام اس پر شاہد ہیں۔ وہ آیات اور احادیث جو اس مدعا پر دلالت کرتی ہیں۔ چونکہ ان سب کو بالاستیعاب ذکر کرنا دشوار ہے۔ لہذا ہم انکے بعض انواع کو ذکر کر دیتے ہیں :۔

نوع اول۔ وہ آیات ہیں جن میں لفظ حکمت اور اسکے مشتقات بالتصریح مذکور ہیں چنانچہ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ (حکمت کاملہ) وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (اللہ نے تم پر کتاب اتاری ہے اور فہم وسلیم دی ہے) وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (اور جس کو بات کی سمجھ دیگئی تو بیشک اس نے بڑی دولت پائی ہے) حکمت علم نافع اور عمل صالح کو کہتے ہیں اور انکو حکمت اسلئے کہتے ہیں کہ ان کا تعلق اس چیز سے ہوتا ہے جسکے لئے یہ موضوع ہیں اور جو غایت ان سے مقصود ہے اس تک پہنچا دیتے ہیں اور کسی کلام کو حکمت کہنا تب صحیح ہے جبکہ وہ غایات محمودہ اور مطالب نافع کی طرف موصل ہو یعنی وہ علم نافع اور عمل صالح کی طرف راہ نما ہو جس سے غایت مطلوبہ حاصل ہوتی ہے۔ اور جب کسی متکلم نے مخاطبین کی مصلحت کا ارادہ نہ کیا ہو اور نہ وہ انکو سعادت کی طرف راہ نمائی کرے اور نہ انکو سعادت کے اسباب اور مواقع سے آگاہ کرے تو ایسے متکلم کو حکیم نہیں کہہ سکتے پس اسی طرح اگر اللہ تعالے کو اپنے بندوں کی مصلحت۔ ہدایت۔ اور سعادت مقصود نہ ہوتی اور نہ اس نے اس کے

اسباب و موانع بیان فرمائے ہوتے اور نہ اُسکے واسطے اپنے مبلغ اور رسول بھیجتا اور نہ کتابیں نازل فرماتا اور نہ اُس پر ثواب و عقاب کا وعدہ اور وعید فرماتا تو وہ بھی حکیم نہ ہوتا اور نہ اُسکی کلام کو حکمت کہتے۔ اور اللہ سبحانہ کا کلام تو حکمت کیا بلکہ وہ تو حکمت بالغہ ہے کیونکہ اُس نے بندوں کی مصلحت میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔

نوع دہم - وہ آیات ہیں جن میں اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اُس نے فلاں کام کس واسطے کیا اور فلاں حکم کس لئے دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (یہ اسلئے کہ تم کو معلوم رہے کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ (سب) جانتا ہے) و قولہ تعالےٰ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (اللہ ہی تو ہے جس نے اوپر تلے سات آسمان پیدا کئے اور اُن ہی کی طرح زمین۔ آسمان و زمین میں (انتظامی) احکام (وقتاً فوقتاً) نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور (نیز) یہ کہ اللہ کا علم سب چیزوں پر حاوی ہے) و قولہ تعالےٰ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (خدا نے کعبے کو کہ وہ خدا کا معزز گھر ہے لوگوں کے (امن و اطمینان کے) قائم رکھنے کا موجب قرار دیا ہے اور (اسی طرح) حرمت والے مہینوں کو اور (حج کی) قربانی (کے جانوروں) کو اور اُن (جانوروں) جن کے گلے میں پٹے باندھ دیتے ہیں یہ اسلئے کہ تم کو معلوم رہے کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ (سب) جانتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے) و قولہ تعالےٰ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَي اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (یہ سب پیغمبر (نیکوں کو جنت کی) خوشخبری دینے والے اور (بدوں کو عذاب خدا سے) ڈرانے والے (بھیجے) تاکہ پیغمبروں کے (آنے کے) پیچھے لوگوں کو خدا پر (کسی طرح کا) حجت (یعنی الزام) (رکھنے کا موقع باقی) نہ رہے)۔ و قولہ تعالےٰ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (اے پیغمبر) ہم نے کتاب برحق تم پر نازل کی ہے (تو اس لئے) کہ جیسا تم کو خدا نے بتلا دیا ہے اُسکے مطابق لوگوں کے باہمی جھگڑے چکا دیا کرو)۔ و قولہ تعالےٰ لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ (اور یہ تم سے اسلئے کہا جاتا ہے) کہ اہل کتاب یہ نہ سمجھیں کہ مسلمانوں کو خدا کے فضل پر کچھ دسترس نہیں) و قولہ تعالےٰ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰي عَقِبَيْهِ (اور اے پیغمبر جس قبلے پر تم (پہلے) تھے (یعنی بیت المقدس) ہم نے اُس کو اسی غرض

سے قرار دیا تھا کہ (جب قبلہ بدلا گیا ہے تو) جو لوگ رسول کی پیروی کرتے ہیں ان کو ہم ان لوگوں سے (الگ کرکے) معلوم کرلیں جو سرتابی کرتے (اور) اپنے اُلٹے پاؤں پھر جاتے ہیں) وقولہ تعالیٰ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ (ان کے آگے اور اُنکے پیچھے (فرشتوں کا) پہرہ (ان کے ساتھ) رکھتا ہے تاکہ دیکھ لے کہ پیغمبروں نے اپنے پروردگار کے پیغام لوگوں کو (ٹھیک ٹھیک) پہنچا دیے ہیں) اس حفاظت اور نگہبانی سے مقصود یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو تبلیغ رسالت میں آسانی اور قوت حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے کہ انہوں نے تبلیغ رسالت کے فرض کو ادا کر دیا۔ وقولہ تعالیٰ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ (اور آسمان سے تم پر پانی برسا رہا تھا تاکہ اُس کے ذریعے سے تم کو پاک کرے اور شیطانی گندگی کو تم سے دور کرے اور تاکہ تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے) وقولہ تعالیٰ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ (تاکہ حق کو حق اور ناحق کو ناحق کر دکھائے) وقولہ تعالیٰ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ (اور یہ امداد تو خدا نے صرف تمہارے خوش کرنے کو کی ہے اور اس لئے (کی ہے) کہ تمہارے دل اس سے تسلی پائیں) وقولہ تعالیٰ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا (اے پیغمبر تم ان لوگوں سے کہو کہ حق تو یہ ہے کہ اس (قرآن) کو تمہارے پروردگار کی طرف سے روح القدس (یعنی جبریل) لے کر آئے ہیں) وقولہ تعالیٰ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا (اور ہم نے دوزخ کے پاسبان (آدمی نہیں بلکہ) فرشتے ہی بنائے ہیں اور انکی (انہیں کی) گنتی (بھی) اس غرض سے ٹھیرائی ہے کہ جو لوگ (قیامت کے) منکر ہیں ان کو (ان باتوں سے) اور زیادہ پریشانی ہو (اور) تاکہ اہل کتاب (سننے کے ساتھ) یقین کرلیں اور جو مسلمان ہیں (ان باتوں سے) ان کا ایمان زیادہ ہو) وقولہ تعالیٰ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (اور اسی طرح ہم نے تم کو بیچ کی (راس کی) اُمت (بھی) بنایا ہے تاکہ (اور) لوگوں کے مقابلے میں تم گواہ بنو اور تمہارے مقابلے میں (تمہارے) رسول محمد گواہ بنیں۔) وقولہ تعالیٰ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (ہم نے تم پر (بھی) یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو احکام لوگوں (کی ہدایت) کے لئے انکی طرف بھیجے گئے ہیں تم ان کو اچھی طرح سمجھا دو) وقولہ تعالیٰ هَٰذَا بَلَاغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ

اُولُوا الْاَلْبَابِ (یہ قرآن، لوگوں کیلئے ایک اطلاع نامہ ہے تاکہ وہ ڈرائے جائیں) غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو عذاب خدا سے
ڈرایا جائے اور تاکہ سب لوگ معلوم کرلیں کہ خدا ہی ایک معبود ہے اور تاکہ جو لوگ عقل رکھتے ہیں نصیحت پکڑیں) وقولہ تعالیٰ
لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ
بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ
بِالْغَيْبِ (تحقیق ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے معجزے دیکر بھیجا اور انکی معرفت کیلئے کتابیں اتاریں
اور (نیز ہم نے) ترازو (کا رواج) دیا تاکہ لوگ (دینی و دنیاوی دونو طرح کے معاملات میں) انصاف
پر قائم رہیں اور لوہا پیدا کیا کہ (ہتھیاروں کے کام میں لایا جائے تو) اس میں بڑا خطرہ ہے اور (اس
میں) لوگوں کے (بہتیرے) فائدے (بھی) ہیں اور ایک غرض یہ بھی ہے کہ اللہ ان لوگوں کو معلوم
کرلے جنہوں نے اللہ کو دیکھا نہیں (اور پھر بھی اللہ) اور اس کے رسولوں کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں)
وقولہ تعالیٰ وَكَذٰلِكَ نُرِيَ اِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ
(اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کا انتظام دکھانے لگے تاکہ وہ (کامل) یقین کرنے والوں میں سے
ہو جائیں) وقولہ تعالیٰ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔
(اور (اسی نے) گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو (پیدا کیا) تاکہ تم اُن سے سواری لو اور (سواری کے
علاوہ یہ چیزیں موجب زینت بھی ہیں) اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ ان آیات میں لام غایت کیلئے نہیں بلکہ یہاں لام
بمعنی عاقبت ہے جس طرح کہ مندرجہ ذیل آیت میں لام بمعنی عاقبت ہے فَالْتَقَطَهُ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا
وَحَزَنًا (تو فرعون کے لوگوں نے انہیں بہتے کو اٹھالیا کہ (آخر کار یہی موسیٰ) ان کے دشمن اور (انکی)
پریشانی (کے باعث) ہوں) وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِيَقُولُوا اَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
مِنْ بَيْنِنَا (اور اسی طرح (اختلاف حالت سے) ہم نے بعض لوگوں کو بعض سے آزمایا تاکہ (مقدور والے
غریبوں کو دیکھ کر) کہنے لگیں کہ کیا یہی (ذلیل) لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے اپنا فضل کیا ہے)
لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ (ایسے معاملات میں منظور خدا یہ رہا
ہے کہ اس (وسوسے) کو جو شیطان نے ڈالا ہے ان لوگوں کی آزمائش (کا ذریعہ) بنائے جن کے دلوں
میں (بدعقیدگی کا) مرض ہے) لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (تاکہ
جو شخص ہلاک ہونیوالا ہے وہ حجت تمام ہوئے پیچھے ہلاک ہو اور جو زندہ رہنے والا ہے وہ بھی حجت تمام
ہوئے پیچھے زندہ رہے) وَلِتَصْغٰى اِلَيْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ
وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُقْتَرِفُونَ (اور اس لئے کہ جو لوگ روز آخرت کا یقین نہیں رکھتے انکے دل ان

کی باتوں کی طرف مائل ہوں۔ اور انکی باتوں کو پسند کریں اور تاکہ جو بدکرداریاں یہ لوگ کرتے ہیں وہ (بھی) کیا کریں (دیکھو ان آیات میں حرف لام کا مابعد ان افعال کی غایت مقصودہ نہیں۔ بلکہ چونکہ ان افعال پر وہ مترتب ہے اس واسطے حرف لام جو علت کے لئے موضوع ہے۔ اس پر لایا گیا مگر جہاں علت کے معنے کیلئے نہیں بلکہ بمعنی عاقبت ہے۔ تو اس شبہ کا جواب ہم دو طرح پر دے سکتے ہیں۔ اول اجمالی طور پر جو معترض کے تمام پیش کردہ مثالوں کے لئے ایک ہی جواب کافی ہے۔ کہ لام عاقبت اس شخص کی نسبت کہا جاتا ہے جو اس عاقبت اور انجام سے جاہل یا اسکے دفع کرنے سے عاجز ہو۔ جاہل کی مثال اس آیت فَالْتَقَطَهٗ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا (تو فرعون کے لوگوں نے انہیں اٹھالیا کہ (آخر کار یہی موسیٰ) اُنکے دشمن اور (اُنکی) پریشانی (کے باعث) ہوں) میں ہے اور عاجز کی مثال شاعر کے اس قول ؎

لِدُوا لِلْمَوْتِ وَابْنُوا لِلْخَرَابِ فَكُلُّكُمْ يَصِيْرُ اِلَى ذَهَابِ

یعنی تمہاری پیدائش کا انجام موت اور بناء عمارات کی انتہا خرابی اور ویرانی ہے۔ کیونکہ تم سب کو آخر فنا ہونا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کے حق میں جو کہ تمام اشیاء کا عالم اور سب چیزوں پر قادر ہے۔ حرف لام کو بمعنی عاقبت قرار دینا ہرگز صحیح نہیں۔ اُسکے افعال اور احکام میں جو حرف لام وارد ہے وہ بمعنی حکمت اور غایت ہے جس کو لام تعلیل کہتے ہیں۔ دوم یہ کہ ہم ہر ایک مثال کا علیحدہ علیحدہ جواب بیان کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قول فَالْتَقَطَهٗ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا میں حرف لام تعلیل کیلئے ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے اس میں اس واقعہ کے مقدر کرنے کی علت بیان فرمائی ہے یعنی آل فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لینا اسلئے مقدر کیا کہ اُنکے لئے باعث رنج و غم ہوں۔ اور بجائے ذکر کرنے تقدیر کے اُن کا فعل اسلئے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ اُنکے لئے زیادہ موجب حسرت و اندوہ ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اپنی رضی سے کسی چیز کو پسند کرے اور پھر اُس چیز سے تکلیف پہنچے تو یہ زیادہ موجب حسرت و رنج ہوتا ہے۔ بخلاف اُس چیز کو جس میں آدمی کا کوئی دخل نہ ہو تو اُس سے تکلیف پہنچنے میں اتنا افسوس نہیں ہوتا۔ اللہ سبحانہ فرعون۔ اُس کی قوم اور دوسرے لوگوں پر اپنی قدرت۔ علم۔ اور حکمت کاملہ کا کمال ظاہر فرمانا چاہتا ہے کہ دیکھو فرعون جس شخص کے نابود کرنے اور مٹانے کے لئے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا۔ اُسکی تربیت کے لئے خود متولی ہوا اور اپنی خوشی اور مرضی سے اُس کو اپنے گھر میں پالا۔ اور موسیٰ علیہ السلام مدت تک اُس کے قبضے اور تصرف میں رہے۔ مگر اُن کو ذرا نقصان نہ پہنچا سکا۔ غرض آل فرعون کا جو سلوک موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ کہ اُنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو پالا اور اپنے گھر میں بیٹوں کی طرح رکھا چونکہ اس کا ذکر کرنا اُنکے لئے زیادہ موجب حسرت تھا

لہذا قضا وقدر کو ذکر نہیں فرمایا اور اسکے نتیجے انکے سلوک کو ذکر کردیا۔ اور اللہ سبحانہ نے یہ بھی ہم کو بتا دیا ہے کہ بندوں کے تمام افعال اسکی قضا وقدر سے واقع ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے قول وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا میں ظاہر ہے کہ حرف لام علت کے لئے ہے کیونکہ یا بعد لام اللہ تعالےٰ کے فعل مذکور یعنی بعض آدمیوں کو بعض کے ذریعہ آزمانے کی علت ہے جس طرح کہ اس نے شرفا اور سرداروں کو کمزور لوگوں اور غلاموں کے ذریعہ آزمایا۔ کیونکہ جب معزز شریف اور سردار لوگ دیکھتے کہ کمزور ضعیف اور کم رتبہ آدمی اسلام لائے ہیں تو بعض متکبر لوگ اسلام کے اختیار کرنے سے ناک چڑھاتے اور یوں کہتے کہ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ کمینے لوگ تو خیر وخوبی حاصل کریں اور ہم ان سے پیچھے رہجائیں لہذا اسلام میں کوئی خیر وخوبی ہی نہیں ورنہ ہم لوگ جو عزت ووقعت رکھتے ہیں۔ اسی سے محروم نہ رہتے پس ان کا یہ کہنا اس امتحان کی غایت اور حکمت ہے اور یہ خیال بھی انکو دامنگیر ہوتا کہ اگر ہم اسلام لائینگے تو ادنےٰ لوگوں کے ساتھ برابر بیٹھنا پڑیگا۔ ان کا یہ رویہ اور ایسی باتیں صاف طور اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ دیدہ دانستہ تکبر اور غرور کی وجہ سے حق کے منکر ہوئے۔ اور اسلام قبول نہ کیا علت غائی دو قسم ہے ایک وہ جو بذات خود کسی فعل سے مطلوب ہو۔ دوسری وہ جو کسی اور چیز کے لئے مطلوب ہو اور اسکی طرف وسیلہ ہو۔ ان منکرین کا یہ قول اور جو کچھ اس پر مترتب ہوا علت غائی کی دوسری قسم میں سے ہے کیونکہ یہ باتیں اللہ تعالےٰ کی حکمت عدل عزت۔ قہر اور سلطان کے ظاہر کرنے کی طرف وسیلہ ہیں۔ جو مقصود بالذات ہے۔ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی نعمتیں اس شخص کو عطا فرماتا ہے جو ان کا مستحق اور اہل ہو۔ اور جو ان کے لائق وسزاوار نہ ہو وہ اسکی نعمتوں سے محروم رہتا ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ (کیا اللہ شکر گذار بندوں کے حال سے بخوبی واقف نہیں) شاکرین وہ لوگ ہیں جو اسکی نعمت کی قدر سمجھتے اور اپنے منعم کا شکر بجالاتے ہیں۔ غرض اللہ سبحانہ نے یہ امتحان اور آزمائش اسلئے فرمائی تاکہ شکر گذار اور کفران نعمت کرنیوالے ممتاز ہوجائیں۔ کہ کون شکر بجالاتا اور کون کفران اختیار کرتا ہے ٭

فصل۔ اللہ تعالےٰ کے قول لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ میں حرف لام حکمت اور تعلیل کے لئے ہے۔ اس آیت میں اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے شیطان کی اس بات کو جو رسول کے کلام کے بیچ میں اس نے کہدی تھی۔ لوگوں کے امتحان اور آزمائش کا ذریعہ بنایا جس سے منافقین اور وہ لوگ جن کے

دلوں میں روگ اور قساوت یعنی شک و شبہ میں پڑے اور مخلص مومنین نے اس بات کا یقین کیا
کہ قرآن کریم اللہ تعالےٰ کا سچا کلام ہے اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اسکے سچے رسول ہیں اور
شیطان نے جو بات کہی ہے وہ جھوٹ اور باطل ہے مسلمان حضرت علیہ السلام پر ایمان لائے
اور اسکے دل اس پر ثابت اور قائم ہوگئے۔ پس اس امتحان اور اس کے قدر کرنے کی یہ غایت
مقصود ہے۔ اللہ سبحانہ نے بندوں کے قلوب اور دل تین قسم کے بنائے ہیں۔ مریض قاسی۔
مخبت۔ اور یہ تین قسم اس طرح پر ہیں کہ بعض قلوب ایسے خشک اور جامد ہوتے ہیں کہ وہ حق کے قبول
کرنے اور اسکے ماننے کے لئے نرم نہیں ہوتے ایسے قلوب قاسی اور پتھر کی مانند ہیں۔ کہ جو ہدایت
انکو سنائی جائے اس کو قبول نہیں کرتے حق اور علوم نافع ان میں جاگزین نہیں ہوتے۔ اور نہ
اعمال صالحہ کیطرف مائل ہوتے ہیں۔ اور بعض قلوب ایسے ہیں جو حق کو قبول تو کرلیتے ہیں۔ اور
ان میں حق منقش ہو جاتا ہے۔ مگر چونکہ ان میں ضعف ہوتا ہے اس واسطے وہ حق ان میں ثابت
اور قائم نہیں رہتا ایسے قلوب مریض ہیں اور بعض قلوب ایسے ہیں کہ جن میں حق کے قبول کرنے
کی صلاحیت موجود ہوتی ہے اور ساتھ ہی اسکے ان میں قوت اور مضبوطی ایسی ہوتی ہے۔ کہ حق
اور ہدایت ان سے کبھی زائل نہیں ہوتی ایسے قلوب مخبت اور صحیح ہیں۔ ان میں تین صفتیں موجود
ہوتی ہیں۔ صلابت۔ صفائی اور نرمی۔ صفائی کے ذریعہ سے حق کو دیکھتے اور صلابت اور سختی کی وجہ
سے حق پر قائم و دائم رہتے اور نرمی کی وجہ سے حق کو قبول کرتے اور اسی صفت کی وجہ سے خلق خدا
پر رحم کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں مروی ہے کہ بندوں کے قلوب اللہ تعالےٰ کے برتن ہیں۔
جو اس نے اپنی زمین میں رکھے ہوئے ہیں سب سے زیادہ محبوب اللہ سبحانہ کے نزدیک وہ دل ہے
جو ثابت مضبوط۔ اور بہت رقیق اور اعلےٰ درجہ کا صاف ہو۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ان قلوب
والوں کے شان میں فرمایا ہے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (کافروں کے حق میں
بڑے سخت ہیں مگر آپس میں رحمدل) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے ان مومنین کی صفت بیان فرمائی
ہے جنہوں نے اپنی صفائی قلب سے حق اور ایمان کو پہچانا اور دل کی مضبوطی کے سبب کفار پر غالب رہے
اور اس کی نرمی کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے پر رحم کیا۔ اسکی لم یہ ہے۔ کہ دل بدن کے تمام
اعضاؤں کا سردار اور ان کا بادشاہ ہے۔ بدن کے تمام اعضاء اسی طرح تین قسم ہیں۔ مثلاً ہاتھ ہی
کو دیکھو بعضے ہاتھ ایسے خشک ہو جاتے ہیں کہ وہ نہ ادھر ادھر مڑ سکتے ہیں اور نہ کسی چیز کو پکڑ سکتے ہیں۔
پس ایسے ہاتھ قلب قاسی کے مشابہ ہیں اور بعضے ہاتھ ایسے ہوتے ہیں جو چیزوں کو پکڑ تو سکتے ہیں مگر

ضعف کی وجہ سے انکو تھام نہیں سکتے ہیں۔ پس قلب مریض کی مانند ہیں اور بعضے ایسے ہیں جو پکڑنے
کے بعد مضبوطی کے ساتھ تھام سکتے ہیں پس یہ قلب صحیح ہو جاتا ہے اور رحم بد اسے شیطان کو مقتدا بنانے قلب
میں بہت نفرت علم حاصل ہوتی ہے تو اس سے کہ سبب ہو سکے ... کہ مشتبہ ہو سکے اور مشتبہ
سے نجات پاتا ہے اور شفقت رحم کی وجہ سے فتنہ سے بچتا ہے۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ نے
مریض اور قاسی دل والوں سے کہ مراد وہ ... لوگ ہیں جنکو صحیح دل والوں کو علم ایمان اور اثبات کے
ساتھ موصوف فرمایا ہے صحیح القلوب لوگوں یعنی اس امت کے حق میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کا ظہور
غور کرنے کے لائق ہے۔ کہ اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جو علم اور سمجھ رکھتے تھے انہوں نے
تو اس امر کا یقین کیا کہ قرآن کریم اللہ کا سچا کلام ہے جس طرح کہ انکی نسبت یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ آیات
متشابہات کے بارے میں وہ یوں کہتے ہیں اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا (اس پر ہمارا
ایمان ہے (یہ) سب (کچھ) ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے) پس دونوں یعنی آیات متشابہات
کا نازل کرنا اور شیطان کا رسول کے کلام کے بیچ میں غلط بات کا دینا امتحان اور آزمائش کے
لئے ہیں جن میں کم فہموں کو شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ اور اہل ایمان متشابہات پر ایمان لاتے
اور القائے شیطان کو غلط سمجھتے ہیں۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ نے اپنے آیات کے احکام کو القائے
شیطان کے مقابلے میں آیات محکمات کہا جاتا ہے جو متشابہات کے مقابل ہیں قرار دیا ہے پس
یہاں احکام آیات محکمات کے نازل کرنے کے بجائے ہے اور القائے شیطان کو مٹانا اور نسخ
کرنا ایسا ہے جس طرح متشابہ کو محکم کیطرف پھیرنا۔ القائے شیطان کے نسخ کے یہ معنے ہیں کہ جو
بات اس نے کہدی تھی اس کی تردید کرنا اور نسخ بدیں معنی نہیں کہ احکام مشروعہ کو اٹھا دینا اور نسخ
کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ مخاطبین نے جو ظاہر الفاظ سے ایک مطلب سمجھا تھا اور اللہ سبحانہ
کے نزدیک ان الفاظ کا یہ مطلب نہ تھا۔ اسکو انکے قلوب میں سے دور کر دیا۔ چنانچہ صحابہ کرام کہا کرتے
تھے کہ آیہ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ
(اور لوگو!) جو تمہارے دلوں میں ہے اگر اس کو ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب
لیگا پھر جس کے گناہ چاہے بخشدے) کو آیت رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا
(اے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو ہم کو اس کے وبال میں نہ پکڑ) نے
منسوخ کر دیا پس نسخ بدیں معنی ہے کہ جو انہوں نے مضمون سمجھا تھا وہ انکے اذہان میں سے دور کر دیا
نہ کہ حکم ثابت کو مٹا دیا۔ محاسبہ آخرت یا دنیا میں عذاب دینے کو مستلزم نہیں اسی واسطے اللہ سبحانہ

نے اس حکم یعنی محاسبہ کرنے میں سب کو شامل کیا۔ اسکے بعد فرمایا کہ جسے چاہے بخشدے۔ اور جسے چاہے معذب کرے پس اس آیت سے یہ سمجھنا کہ اللہ سبحانہٗ ہرایک کو مواخذہ یعنی عقاب فرمائیگا۔ اللہ سبحانہٗ کے منشا کے خلاف تھا۔ اس واسطے آیت رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا الآیہ کے ساتھ یہ مضمون اُنکے اذہان سے نکالدیا۔ القائے شیطان کے نسخ اور اسمیں اتنا فرق ہے کہ یہ اُس مضمون کا نسخ ہے جو کلام الٰہی کے منشاء کے خلاف سمجھا گیا۔ اور وہ اُس کلام کا نسخ ہے جو غیر خدا نے اُنکے کانوں میں ڈالدی اور پڑھنے کے وقت بیچ میں ملادی تھی۔ صحابہ اور تابعین کے نزدیک نسخ کے ایک تیسرے معنے بھی ہیں کہ آیات کو اُنکے ظاہر الفاظ پر محمول نہ کرنا بلکہ عام کو خاص اور مطلق کو مقید کر لینا یہ بھی بمعنی نسخ ہے اور نسخ بدیں معنے اُنکے کلام میں کثرت سے مستعمل ہے۔ اور نسخ کے چوتھے معنی جو متاخرین کے نزدیک مشہور اور انکی اصطلاح میں مراد ہوتے ہیں یہ ہیں کہ ایک حکم شرعی کو جو پہلے ثابت ہو کسی دلیل سے اٹھادینا۔ غرض نسخ کے چار معنے اور لفظ احکام کے تین معنے ہیں ایک وہ جو متشابہ کے مقابل لے جاتے ہیں کقولہ تعالےٰ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (جس میں سے بعض آیتیں پکی (یعنی صاف و صریح) ہیں کہ وہی اصل کتاب ہیں اور (بعض) دوسری مبہم (کہ اُنکے معنوں میں کئی پہلو نکل سکتے ہیں)) دوسرے وہ جو القائے شیطان کے نسخ کے مقابل مراد ہیں۔ کقولہ تعالےٰ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ (پھر آخرکار خدا نے وسوسہ شیطانی کو دور کردیا اور اپنی آیتوں کو مضبوط کردیا) احکام بدیں معنی تمام آیات میں موجود ہے یعنی سب کی سب مثبت مقرر و مبین ہیں چنانچہ فرمایا ہے۔ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ (وہ کتاب جس کی آیتیں مضبوط ہیں) تیسرے وہ جو آیات منسوخہ کے مقابل ارادہ کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ سلف صالحین کے اس قسم کے اقوال بکثرت موجود ہیں کہ یہ آیت محکم ہے یعنی منسوخ نہیں۔ اور احکام کے معانی متعدد اسلئے ہیں کہ احکام کبھی نفس کلام میں ہوتا ہے۔ جو کہ القائے شیطان کے مقابل ہے۔ یہاں محکم بمعنی مفصل ہے یعنی اللہ سبحانہٗ نے اپنے کلام کو شیطان کے کلام سے اس طرح ممتاز اور علیحدہ کردیا کہ اس کو منسوخ اور باطل کردیا تاکہ کلام منزل من اللہ اور اُسکے درمیان کسی طرح کا اشتباہ نہ پڑے۔ اور کبھی احکام حکم منزل کے باقی اور مستمر رکھنے میں مقصود ہوتا ہے کہ ثبوت کے بعد وہ منسوخ نہیں کیا جاتا۔ اور کبھی کلام منزل کے معنی اور تاویل کے متعلق پایا جاتا ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ معنی مقصود کو غیر مقصود سے ممتاز کردیا کہ اُسکے سمجھنے میں کسی قسم کا اشتباہ نہ پیدا ہو ؞

حاصل مطلب یہ ہے کہ آیہ لِیَجْعَلَ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
میں حرف لام اپنے اصل کے مطابق تعلیل کے لئے ہے۔ اور اس امتحان اور آزمائش سے یہ مطلوب ہے
کہ مختلف قسم کے قلوب یعنی مریضہ۔ قاسیہ اور مخبتہ کے باطنی احوال ظاہر ہو جائیں۔ پس مریضہ اور قاسیہ
کا تو شک اور کفر ظاہر ہو اور مخبتہ کا ایمان۔ ہدایت اور ایمان کی محبت اور کفر و شرک سے بغض اور
نفرت ظاہر ہوئے اور یہی آزمائش القائے شیطان کی بڑی حکمت ہے ۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کے قول لِیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَةٍ حرف
لام قاعدہ کے مطابق تعلیل کے لئے ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اللہ سبحانہ نے اپنی وہ حکمت بیان فرمائی
ہے جو مسلمانوں اور کفار کے آپس میں اچانک مٹھ بھیڑ ہونے اور پھر مسلمانوں کے ایسی حالت میں غالب
اور کامیاب ہونے میں پوشیدہ اور مخفی تھی کہ بظاہر انکے فتحمند اور غالب آنے کی کوئی صورت نہ تھی۔
کیونکہ ایک تو انکی تعداد ہی بہت کم تھی۔ اور پھر انکے پاس کوئی سامان نہ تھا جس سے کفار کے ایک
عظیم الشان اور کثیر التعداد لشکر کا مقابلہ کر سکتے جس کے پاس ہر قسم کے سامان موجود ومہیا تھے۔ انسان کے
وہم میں بھی یہ بات نہ آتی تھی کہ مسلمان ایسی کمزوری کی اور بے سامانی کی حالت میں غالب آ سکینگے پس
مسلمانوں کا ایسی حالت میں منصور و فتحمند ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک بڑی نشانی ہے جس سے
اس نے اپنے رسول اور کتاب کی تصدیق ظاہر فرمائی۔ تاکہ جو شخص اس نشانی کے بعد کفر و عناد
اختیار کریگا۔ تو اُسکے لئے اللہ سبحانہ کے نزدیک کوئی حجت نہ ہوگی۔ اور جو شخص اسلام لائیگا۔ تو اس کے
دل میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہیگا۔ پس یہ کتنی بڑی حکمت ہے اور اسکی نظیر یہ دوسری آیت
بھی موجود ہے اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ لِّیُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَیًّا وَّیَحِقَّ الْقَوْلُ
عَلَى الْكٰفِرِیْنَ (یہ قرآن، تو بس (نری) نصیحت ہے اور پڑھنے کے لائق (اور) عام فہم ہے
(اور اسکے نازل کرنے سے مقصود یہ ہے) کہ جو زندہ (دل) ہوں انکو (عذاب خدا سے) ڈراوے
اور منکروں پر حجت (الٰہی) قائم ہو)

فصل۔ اللہ تعالیٰ کے قول وَلِتَصْغٰی اِلَیْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
میں بھی حرف لام اپنے قاعدہ کے مطابق تعلیل کے لئے کیونکہ اسکے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ اول یہ
کہ لام کا مابعد کفار کے فعل یعنی ایک دوسرے کو بہکانے کی علت ہو۔ اور اس وقت لفظ غرورا
پر یہ معطوف ہوگا۔ اور معطوف اور معطوف علیہ دونو ملکر کفار کے فعل مذکور کا مفعول لہ ہونگے یعنی وہ
ایک دوسرے کو اس لئے بہکاتے ہیں تاکہ انکو دھوکے میں ڈالیں اور اُنکے دل اپنے سابقہ

حیانات کی طرف مائل رہیں اور انہی کو زندہ سمجھ کر انکے مطابق عمل کریں۔ غرض اللہ سبحانہ نے بتلا دیا ہے
کہ شعائر یہ ایسی [illegible] ہے کہ [illegible] ان کا منشا و مدعا یہ تھا۔ چاہیے کہ انہی کی اتباع [illegible] غرض یہ
ہے۔ انکے ذریعے لوگوں کے خیالات کی طرف مائل کرتا تاکہ وہ ان میں انکی محبت و عظمت پیدا کرنا۔ ان
کے مطابق اُن کا عمل ہونا۔ [illegible] تحقیق یہ ہے کہ لام کا مابعد اس امر کی علت ہو کہ اللہ سبحانہ نے
ہر ایک شی کے واسطے ایک وقت کیوں مقرر کر دیا ہے۔ تو اس وقت یہ غایت اور حکمت مقصود
لغیرہ ہو گی یعنی اس سے ایسے امور مطلوب ہیں۔ جو اللہ سبحانہ کے نزدیک محبوب و مطلوب
ہیں اور یہ انکے لئے وسیلہ ہے۔ اور اسکے فوت ہو نے سے وہ مطلوب چیز فوت ہو جاتی ہے جو
اللہ تعالے کے نزدیک زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے۔ غرض دونوں صورتوں میں حرف لام تعلیل کے
لئے ہے۔

فصل۔ نوع ثالث وہ آیات ہیں جن میں حرف کَیْ جو صراحۃً علیت پر دلالت کرتا ہے مذکور
ہے قولہ تعالے مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي
الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ
(جو مال اللہ نے رسول کو (ان) بستیوں کے لوگوں سے مفت میں دلوا دیا سو وہ) اللہ کا (حق)
ہے اور رسول کا اور (رسول کے) قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور (بے توشہ) مسافروں
کا (یہ حکم) اسلئے (دیا گیا) کہ جو لوگ تم میں مالدار ہیں یہ مال) ان (ہی) میں دائر نہ رہے) اس آیت میں
اللہ سبحانہ نے یعنی اس قسم کے مال غنیمت کو ان اصناف کے لئے مخصوص فرمانے کی یہ علت بیان
فرمادی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اس قسم کے مال کو دولتمند اور زور آور لوگ سمیٹ لیں اور محتاج اور
کمزور بے بہرہ رہ جائیں بلکہ اس قسم کا مال خاص کمزور اور محتاجوں کا حق ہے وقولہ تعالے مَا أَصَابَ
مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ
عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ (لوگو! جتنی مصیبتیں
(روئے) زمین پر نازل ہوتی ہیں اور جو (خود) تم پر نازل ہوتی ہیں (وہ سب) انکے پیدا کرنے سے
پہلے ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں لکھ رکھی ہیں اور بیشک یہ اللہ کے نزدیک (ایک) سہل (سی)
بات ہے (اور یہ ہم نے تم کو اس لئے بتا دیا ہے کہ کوئی چیز تم سے جاتی رہے تو اس کا رنج نہ کرو
اور کوئی نعمت خدا تم کو عطا کرے تو اس پر اتراؤ مت) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا
ہے کہ آدمیوں کو جو مصیبت اور تکلیف بدنی پیش آتی ہے۔ وہ براءت اور تندرستی پہلے سے اللہ تعالے

کی تقدیر میں مقدر ہو چکی ہے۔ ضمیر ھا کے مرجع میں مفسرین کے تین قول ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا
مرجع انفسنا انفس ہے اور بعض نے مصیبت اور بعض ارض کہتے ہیں۔ اسکے بعد بیان فرمایا ہے کہ
تکلیف پہنچانے اور مقدر کرنے میں سب باتوں پر اسکو قدرت ہے اور یہ امور اسکے نزدیک کوئی دشوار
نہیں ہیں اور اس کے مقدر کرنے کی علت اور حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ جب بندوں کو یقین ہوگا
کہ جو مصیبت انہیں پیش آتی ہے وہ پہلے سے تقدیر الٰہی میں مقدر تھی تو انکو اپنے مطلوب کے
فوت ہونے پر غم و اندوہ پیدا نہ ہوگا۔ اور نہ کسی مرغوب چیز کے حاصل ہونے پر اترانے لگینگے۔ کیونکہ وہ
سمجھتے ہیں کہ دنیا کی تمام چیزوں میں آنی جانی لگی ہوئی ہے۔ تو پھر ان چیزوں کے حاصل ہونے
پر جنکے ساتھ معیت لگی ہے فرحت اور خوشی ظاہر کرنے کا کیا موقع ہے چونکہ مصیبت کسی محبوب
چیز کے فوت ہونے یا اسکے چھن جانے کے خوف و اندیشہ یا کسی مکروہ چیز کے حصول یا اسکے حاصل ہونے
کے خوف کو متضمن ہوتی ہے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے جملہ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا سے تنبیہ فرمایا ہے کہ جو مرغوب چیز حاصل
ہو اسکی مفارقت پر اور کسی مطلوب چیز کے نہ حاصل ہونے پر غم واندوہ نہ ہونا چاہئے۔ اور جملہ لَا تَفْرَحُوا سے اس
بات پر آگاہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی مطلوب چیز حاصل ہو جائے تو قبل اسکے کہ اسکی مفارقت کا وقت آئے نفس کو پہلے سے اسکی مفارقت کا متحمل
بنا لینا اور پھر مفارقت کے صدمہ پر صبر کرنا ضروری ہے چونکہ جملہ مصائب بدنی اسی قسم کی
ہوتی ہیں۔ اور جب بندے کو یہ یقین ہوگا کہ یہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقدر اور مکتوب
ہیں۔ اور جو مصیبت پیش آئی ہے وہ کبھی ٹلنے کی نہ تھی۔ اور جو ٹل گئی ہے وہ کبھی پیش آنیوالی
نہ تھی۔ تو آدمی کے دل میں ایک سکون اور اطمینان حاصل ہو جائیگا اور ان کا تحمل اور برداشت
کرنا آسان ہو جائیگا۔ اور انکی نسبت یہ سمجھیگا کہ گرمی سردی وغیرہ مقررہ چیزوں کی طرح یہ بھی مقررہ
امور ہیں ؎

فصل — نوع رابع وہ آیات ہیں جنمیں اللہ تعالیٰ کے افعال کا مفعول لہ ذکر کیا گیا ہے۔ چونکہ قاعدہ
مقررہ ہے کہ مفعول لہ اپنے فعل کی علت ہوا کرتا ہے تو یہ آیات صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ
کے افعال حکمت اور غایت سے خالی نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ
تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً (اور اے پیغمبر ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے جس میں
ہر چیز کا بیان شافی ہے) اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت۔ اس آیت میں مصادر تبیانا
ہدی اور رحمۃ کو بنا بر مفعول لہ منصوب قرار دینا راجح اور احسن ہے چنانچہ دوسری آیت لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ
مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ الآیہ اور لِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (اور دوسری) غرض یہ ہے کہ

ہم اپنی نعمت تم پر پوری کریں (اور تیسری غرض یہ ہے کہ تم (قبلے کے بارے میں) ہدایت رستہ پاؤ) سے صراحتہً یہ مضمون ثابت ہے۔ انما نعمت سے حجت مراد ہے۔ وقال تعالےٰ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ (اور ہم نے کسی گاؤں کو بے اسکے ہلاک نہیں کیا کہ آگاہ کرنے کو لوگ اس ڈرسنانے والے (پیغمبر) آئے (اور انہوں نے نہ مانا) اور ہم ظالم نہیں ہیں) وقال تعالےٰ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ (اور البتہ ہم نے قرآن کو لوگوں کے نصیحت پکڑنے کے لئے آسان کر دیا ہے) یعنی ذکر کے لئے چنانچہ دوسری آیت میں ہے فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (تو اے پیغمبر ہم نے اس (قرآن) کو تمہاری بولی میں اس غرض سے آسان کر دیا ہے کہ یہ اہل عرب نصیحت پکڑیں) وقال تعالےٰ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا عُذْرًا اَوْ نُذْرًا۔ (دو لوگوں کے دلوں میں خدا کا خیال ڈالتی ہیں تاکہ حجت تمام ہو اور ڈرایا جائے) یعنی عذر دور کرنے اور ڈرانے کے لئے۔ وقال تعالےٰ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ (پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب (توراۃ) عطا فرمائی جس سے نیکوکاروں پر ہماری نعمت پوری ہوئی اور اسمیں کل باتوں کے تفصیلی احکام موجود ہیں۔ اور (لوگوں کے لئے) ہدایت اور رحمت ہے (اور یہ کتاب موسیٰ کو اس غرض سے دی گئی) تاکہ لوگ اپنے پروردگار سے ملنے کا یقین لائیں) اس آیت میں تمام مصادر تماماً تفصیلاً۔ ہدیً اور رحمۃً مفعول لہٗ ہیں۔ وقال تعالےٰ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۔ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (ہم ہی نے اوپر سے پانی برسایا)۔ (تم لوگوں کو اور تمہارے چارپایوں کو فائدہ پہنچے) تک لفظ متاع تمتیع کے موقع پر استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے سلام تسلیم کے اور عطا اعطاء کے بجائے میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے قول يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا (ڈرانے اور امید دلانے کے لئے بجلی کی چمک تم لوگوں کو دکھاتا ہے) میں دو احتمال ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ خوفاً اور طمعاً بمعنی اخافت و اطماع یریکم کے مفعول لہٗ ہوں اور یہی احسن اور ارجح ہے۔ دوم یہ کہ فعل محذوف کے معمول ہوں یعنی یریکم البرق کے بعد فتخافون تطمعون محذوف ہے جس سے یہ حال واقع ہیں وقال تعالےٰ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا (کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف (نظر بھر کر) نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا) تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ تاکہ جتنے بندے (ہماری طرف) رجوع لانے والے ہیں (وہ ہماری قدرت کا تماشا دیکھیں) تک۔ یعنی تبصرہ اور ذکر کے لئے اور دونو میں فرق یہ ہے کہ تبصرہ توکل اور معرفت کا سبب ہے اور ذکری توجہ الی اللہ اور انقیاد کا موجب

ہے۔ اور ان دونو امر سے ہدایت کا اتمام ہوتا ہے ؎

فصل - نوع خاص وہ آیات ہیں جن میں لفظ اَنْ اور اُسکے بعد فعل مستقبل اسلئے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ اپنے ماقبل کی علت ظاہر کرے۔ کقولہ تعالےٰ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْکِتٰبُ عَلٰی طَآئِفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا (کہ مبادا کل کلاں کو کہیں یہ کہنے لگو کہ ہم سے پہلے (یہود و نصاریٰ) بس دوہی گروہ پر کتاب اتری تھی) و قولہ تعالےٰ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی (کہیں ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی کہنے لگے ہائے افسوس) و قولہ تعالےٰ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰی (کہ اُن میں سے کوئی ایک بھول جائیگی تو ایک دوسری کو یاد دلادیگی) وغیرہ وہ آیات جن میں اَنْ کے بعد فعل مستقبل اسواسطے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ماقبل کی علت ظاہر کرے۔ اِس قسم کی آیات کے متعلق نحویین کوفہ کا یہ مذہب ہے کہ وہ لفظ اَنْ سے پہلے حرف لام ہو اور اسکے بعد لائے نفی محذوف قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ اصل میں لِئَلَّا تَقُوْلُوْا اور لِئَلَّا تَقُوْلَ ہے۔ اور اہل بصرہ کا یہ مذہب ہے کہ وہ اَنْ سے پہلے مفعول لہٗ محذوف ٹھیراتے اور کہتے ہیں کہ اصل میں یوں ہے کَرَاهَةَ اَنْ تَقُوْلُوْا یا حَذَرًا اَنْ تَقُوْلُوْا۔ اگر کوئی شخص یہ استفسار کرے کہ یہ دونو مذہب اللہ تعالےٰ کے قول اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰی میں کس طرح جاری ہوسکتے ہیں کیونکہ اگر لِئَلَّا محذوف مانکر یوں کہا جائے لِئَلَّا تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا کو اس پر عطف کرنا صحیح نہیں ہوسکتا۔ اور اسی طرح اگر حَذَرًا اِنْ تَضِلَّ کہا جائے تب بھی عطف درست نہیں۔ اور اگر لفظ ارادہ محذوف سمجھ کر اِرَادَةَ اَنْ تَضِلَّ کہا جائے تو یہ مطلب بھی ٹھیک نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام کا مطلب ایسا ظاہر ہے کہ اس سے کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ مطلب یہ ہے۔ کہ جب ایک عورت شہادت دینے میں کچھ غلطی کرے یا کوئی بات اُسے بھول گئی ہو۔ تو دوسری عورت اُس کو سمجھا دے۔ اور چونکہ غلطی کرنا یاد دلانے کا سبب ہے اِسلئے اسکو علت کے قائم مقام کیا گیا ہے چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ میں نے اِس لکڑی کو اِسلئے تیار رکھا ہے کہ جب دیوار گرنے لگے گی۔ تو اُسکو ستون بنادوں گا یعنی اس لکڑی کو ستون بنانے کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ نہ کہ دیوار کے گرانے کے لیئے یا یُوں کہا کرتے ہیں۔ کہ یہ دوائیں نے اِسلئے مہیا کر رکھی ہے۔ کہ اگر بیمار ہوگیا تو اُسکو استعمال کروں گا وغیرہ اِس قسم کے اور بھی محاورے ہیں۔ سیبویہ اور اہل بصرہ کا یہ قول ہے۔ اہل کوفہ کا یہ قول ہے کہ یہاں لفظ کَیْ محذوف ہے اور اصل میں یوں ہے کَیْ تُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰی اِنْ ضَلَّتْ۔ مگر چونکہ جزا مقدم ہوگئی۔ اِسلئے اِنْ حرفِ شرط بھی ماقبل کے ساتھ متصل ہوگیا اور

مستفہمہ رکھا جو کہا ہے کہ یہ بات اس محاورہ کے مطابق ہے لَتَعْجَبُنِيْ اَنْ يَّسْأَلَ السَّائِلُ فَيُعْطٰى
اس کا معنی یہ ہے کہ اگر سائل سوال کرے تو اس کو کچھ دے دینا مجھے بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے
کہ سوال کرنا بھلا معلوم ہوتا ہے بلکہ سوال کرنے پر عطا کرنا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اور آیت وَاِذْ اَخَذَ
رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ
بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ اَوْ
تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ (اور اے پیغمبر ان لوگوں کو
وہ وقت بھی یاد دلاؤ) جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی نسلوں
کو باہر نکالا۔ اور ان کے مقابلے میں خود انہی کو گواہ بنایا (اس طرح پر کہ ان سے پوچھا) کیا میں تمہارا
پروردگار نہیں ہوں سب بولے ہاں ہم اس بات کے) گواہ ہیں۔ (اور یہ اس غرض سے کیا کہ ایسا نہ ہو
کہیں قیامت کے دن تم کہنے لگو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر ہی رہے (یعنی کسی نے ہم کو جتایا
بتایا نہیں) یا کہنے لگو کہ شرک ابتداءً تو ہمارے بڑوں ہی نے کیا اور ہم ان ہی کی اولاد تھے (کہ ان
کے بعد دنیا میں آئے جیسا بڑوں کو کرتے دیکھا ویسا ہی ہم بھی کرنے لگے) میں بھی لفظ اَنْ کے بعد
فعل مستقبل ماقبل کی علت بیان کرنے کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ سبحانہ نے اس آیت میں اخذ
میثاق یعنی بنی آدم سے وعدہ لینے کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ قیامت کے دن وہ یہ حجت
نہ کریں کہ ہم اس دین سے جاہل اور ناواقف تھے یا کہ ہم اپنے باپ دادا کی تقلید پر رہے۔ ہمارا کیا قصور
ہے اور اسی طرح آیت وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ (اور قرآن کے ذریعے سے
ان کو سمجھاتے رہو کہ کہیں (ایسا نہ ہو کہ) کوئی شخص (قیامت میں) اپنے کرتوت کے بدلے مبتلائے آفت
ہو جائے) میں بھی لفظ اَنْ کے بعد فعل مستقبل اظہار علت کے لئے مذکور ہے۔ لفظ بِهٖ میں ضمیر مجرور
قرآن کی طرف راجع ہے اور اَنْ تُبْسَلَ بنا بر مفعول لہ ہونے کے منصوب ہے۔ اور اصل میں اس طرح
ہے حَذَرًا اَنْ تُبْسَلَ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس بات سے بچنے کے لئے (ہمارے احکام سمجھا دو کہ
کوئی جان (بے خبری میں) ہلاکت میں پڑے اور اپنی بداعمالی کی سزا میں گرفتار رہے ✦

فصل ۔ نوع سادس۔ وہ آیات ہیں جنمیں حرف علت یعنی مِنْ اَجْلِ بالتصریح موجود ہے چنانچہ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا ہے مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ
فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا (اسی (واقعہ کی) وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو تحریری
حکم دیا کہ جو کوئی جان کے بدلے نہیں اور ملک میں فساد پھیلانے کی سزا کے طور پر نہیں۔ (بلکہ ناحق) کسی

کو مار ڈالے تو اسکی نسبت ایسا سمجھا جائیگا کہ گو یا اس نے تمام آدمیوں کو مار ڈالا بعض مفسرین کا یہ خیال ہے کہ
مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ جملہ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ کی علت ہے یعنی قابیل اپنے بھائی کے قتل کرنے کی وجہ
سے نادم ہوا۔ مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ ایک تو سیاق نظم اور ترتیب کے خلاف ہے۔ دوسرے اس کے ذکر
کرنے میں کچھ ایسا بڑا فائدہ نہیں۔ اور کتابت مذکورہ کے ساتھ علت بیان کرنے کی وقعت اور قتل کی برائی
کی عظمت شان جاتی رہیگی۔ اگر کوئی شخص یہ استفسار کرے کہ ایک شخص کا قتل کرنا ایک دوسری
اُمت درجاعت پر حکم مذکور کے مقرر کرنے کی علت کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور نیز ایک جان کے قتل
کرنے والا تمام لوگوں کے قاتل کے حکم میں کسطرح ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
کبھی اپنے قضا و قدر کو شرع اور امر کے لئے علت اور سبب ٹھیراتا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی تکوینی
اور تقدیری حکم کو شرعی اور دینی حکم کیلئے علت قرار دیا ہے اُسکی تفصیل یہ ہے کہ چونکہ جان کا مار ڈالنا
اُسکے نزدیک اعلےٰ درجہ کا ظلم اور فساد ہے اسلئے اُسکو تمام برائیوں سے بُرا بتایا ہے اور سب کے گناہ سے
اُس کا گناہ زیادہ ٹھیرایا۔ اور ایک جان کے مار ڈالنے والے کو تمام لوگوں کے قاتل کے حکم میں فرمایا ہے
اور تشبیہ کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ مشبہ من کل الوجوہ مشبہ بہ کے موافق ہو۔ اور جبکہ سب نفوس
کا قاتل دوزخ میں داخل ہوگا اور ایک جان کا قاتل بھی اس میں داخل کیا جائیگا۔ اور دوزخ میں داخل
ہونے کی صفت میں دونو یکساں ہیں۔ اس واسطے تشبیہ صحیح اور درست ہے اور من کل الوجوہ موافق ہونا
تشبیہ کیلئے ضروری نہیں جس طرح کہ جو شخص شراب کا ایک قطرہ پی لے وہ بھی گنہگار ہے اور جو
کئی من بھی پی جائے وہ بھی گنہگار ہے اور وہ تو محض گنہگار ہونے میں یکساں ہیں گو مقدار میں تفاوت
اور اختلاف ہے۔ اور اسی طرح جس نے ایک بار زنا کیا وہ بھی گنہگار ہے اور جس نے کئی بار کیا
وہ بھی گنہگار ہے۔ اور دونو گنہگار ہونے میں شریک ہیں۔ اگرچہ گناہ کی مقدار میں فرق ہے مگر گنہگار
تو دونو ہیں۔ مجاہدؒ کے اس قول (کہ جو شخص ایک جان کو مار ڈالے وہ بھی ویسا ہی دوزخ میں داخل ہوگا
جیسا کہ وہ شخص جو سب آدمیوں کو مار ڈالے) کا بھی مطلب ہے غرض نفس ظلم اور تشبیہ ہے دونوں کو عذاب ہوگا [illegible] یہ تو ضرور نہیں کہ
دونوں کو ایک ہی قسم کا عذاب ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیاوی عقوبت دونوں میں تشبیہ ہو۔ کیونکہ
دنیاوی سزا ایک جان کے قاتل اور بہت سی جانوں کے قاتل پر ایک ہی ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص
شراب کا ایک قطرہ پی لے تو دنیا میں اس پر بھی وہی حد قائم ہوگی۔ جو شراب کی ایک مشک پینے والے
پر قائم ہوگی۔ اور جو ایک عورت سے زنا کرے اس پر اور جو ہزار عورتوں سے زنا کرے۔ دونوں پر ایک
ہی حد قائم کی جائیگی حسن اور ابن زید نے بھی یہ مطلب بیان کیا ہے۔ کہ ایک جان کے مار ڈالنے

پر یہی قصد اس آتا ہے جو سب لوگوں کے ذریعہ دفتر پر آئیگا۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جس شخص نے ایک شخص بیجان کو مار ڈالا چونکہ اُس نے سب انسانوں کو صدمہ اور رنج پہنچایا ہے۔ تو گویا اُس نے اس ایذا اور رنج پہنچانے کی وجہ سے سب کو ہلاکت میں ڈالا اور وہ سب کا دشمن ہو گیا ابن انباری کا یہی قول ہے اسکے علاوہ اور بھی تین تاویلیں اور وجوہ ہو سکتے ہیں ؛

فصل نوع سابع وہ آیات ہیں جن میں لفظ لَعَلَّ مذکور ہے لفظ لَعَلَّ کلام الٰہی میں تعلیل کے معنی میں مستعمل اور ترجی کے معنی سے خالی ہوتا ہے اس میں ترجی کے معنی اُس وقت پائے جاتے ہیں جب مخلوق کی جانب سے ہو۔ اور جس کے حق میں ترجی صحیح نہیں ہو سکتی یعنی حق سبحانہ تو اسکے حق میں محض تعلیل کے واسطے مذکور ہے بقولہ تعالیٰ اُعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں پیدا کیا عجب نہیں تم آخر کار پرہیزگار ہو جاؤ) بعض مفسرین کا قول ہے کہ جملہ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ جملہ اُعْبُدُوا رَبَّكُمْ کی علت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جملہ خَلَقَكُمْ کی علت ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ شرع اور خلق دونوں کی علت ہے وقولہ تعالیٰ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (جس طرح تم سے پہلے لوگوں یعنی اہل کتاب پر روزہ رکھنا فرض تھا تم پر بھی فرض کیا گیا تاکہ تم اسکے سبب سے پرہیز گار بنو) وقولہ تعالیٰ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (ہمنے اس قرآن کو زبان عربی میں اسلئے اتارا ہے کہ تم لوگ اسکے ... زبان عربی ہے جسے اس کو بخوبی سمجھ سکو) وقولہ تعالیٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (تاکہ تم نصیحت پکڑو) وقولہ تعالیٰ لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ (شاید وہ سمجھے یا ہمارے عذاب سے ڈرے) ان تمام آیات میں لفظ لَعَلَّ اللہ سبحانہ کی نسبت بمعنی تعلیل ہے اور مخاطبین کے لحاظ سے اس میں ترجی کے معنی بھی پائے جاتے ہیں ؛

فصل نوع ثامن وہ آیات ہیں جن میں حکم کونی یا شرعی کو ایسے وصف کے بعد ذکر کیا گیا ہے جو اسکے ساتھ مناسبت اور اسکی تین قسمیں ہیں اول وہ جن میں لفظ اِنَّ مذکور ہے دوم وہ جن میں حرف فا مذکور ہے۔ سوم وہ جو ان دونوں سے خالی ہیں ؛

قسم اول کی مثالیں وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ (اور زکریا کو یاد کرو جب انہوں نے اولاد کی طرف سے مایوس ہو کر) اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار مجھکو اکیلا یعنی بے اولاد نہ چھوڑ اور یوں تو تو سب وارثوں سے بہتر وارث ہے تو ہمنے انکی (فریاد) سن لی اور ان کو یحییٰ فرزند عنایت کیا اور انکی بی بی کو انکے لئے بھلا چنگا کر دیا یہ لوگ جن کا اوپر مذکور ہوا نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہم کو ہمارے فضل کی توقع اور ہمارے عذاب کے خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے) وقولہ تعالیٰ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ (بیشک پرہیزگار بہشت کے باغوں اور چشموں میں ہونگے اور جو خدا نے انکو دیا ہے لے رہے ہونگے یہ لوگ اس سے پہلے نیکوکار تھے) وقولہ تعالیٰ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ (تاکہ ہم بدکاری اور بیحیائی کے کام اُن سے دور رکھیں کچھ

شامل نہیں وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے) وقولہ تعالیٰ وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ
أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ (اور بنی اسرائیل میں سے) جو لوگ کتاب (توریت) کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں تو ہم نیکوکاروں کے ثواب کو
ضائع نہیں ہونے دینگے)

قسم دوم کی مثالیں وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا (اور مسلمانو جو مرد چوری کرے
اور جو عورت چوری کرے تو انکے (اس حرکت کے بدلے میں بلا امتیاز) دونوں کے داہنے ہاتھ کاٹ ڈالو) وقولہ تعالیٰ الزَّانِيَةُ
وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (عورت اور مرد زنا کریں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو درے مارو)

تیسری قسم کی مثالیں إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ (بیشک پرہیزگار لوگ بہشت کے باغوں میں ہونگے
اور چشموں میں) إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
(جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے ان کے لئے ان کا ثواب ان کے
پروردگار کے ہاں ملیگا) اس قسم کی آیات قرآن کریم میں کئی ہزار سے زیادہ موجود ہیں بلکہ تمام قرآن اسی قسم کی آیات سے
بھرا ہوا ہے اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ ان آیات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صفات و افعال ان احکام کیلئے جو ان پر مرتب
کئے گئے ہیں اسباب ہیں۔ اور ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال اور امر معلل ہیں۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے تو اس کا
جواب یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ نے ان اوصاف کو ان احکام کی علت اور سبب ٹھہرایا ہے تو معلوم ہوا کہ اس نے ان احکام شرعیہ اور
قدریہ کو انہی اوصاف کے سبب سے جاری فرمایا ہے اور اپنے علت اور حکمت کے بغیر ان کو مقرر اور جاری نہیں فرمایا۔ سو اسواسطے جو لوگ
اللہ سبحانہ کے افعال میں تعلیل اور حکمت کے منکر ہیں وہ اسباب کا بھی انکار کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کونی یا دینی کیلئے کوئی
سبب یا حکمت اور علت غائی نہیں ٹھہراتے۔ اور جو شخص اللہ سبحانہ کے احکام شرعیہ، قدریہ اور جزا و سزا کے احکام میں غور کریگا
تو اسے یقین ہو جائیگا کہ منکرین اسباب و حکم کا قول بالکل غلط ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے اپنے احکام کو علل و اسباب پر مرتب فرمایا
ہے اور پھر اس کو اپنے کلام میں بیان بھی فرما دیا ہے۔ اسکے علاوہ حس، مشاہدہ، عقل و فطرت سب کے سب وجود اسباب و علل
پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اگر ہم اس کو تفصیل سے بیان کریں تو صرف اس مضمون کیلئے چند کتابیں درکار ہیں۔

فصل نوع تاسع وہ آیات ہیں جنمیں اللہ تعالیٰ نے کسی حکم شرعی یا قدری کے عدم کی یہ علت بیان فرمائی ہے کہ یہ حکم اسلئے جاری نہ ہوا کہ اس کیلئے فلاں
چیز مانع ہوئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمَٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِنْ فِضَّةٍ
(اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائینگے تو (ساز و سامان دنیا ہمارے نزدیک ایسی حقیر ہے کہ) جو لوگ منکر خدائے رحمن ہیں ان کیلئے
انکے گھروں کی چھتیں ہم چاندی کی کر دیتے) وقال تعالیٰ وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَٰكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَا يَشَاءُ
إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ (اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لئے (انکی) روزی فراخ کر دے تو وہ ضرور سرکشی کرنے لگیں مگر وہ بقدر مناسب جس کی جتنی
روزی چاہتا ہے اتارتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں (کی ضرورتوں) سے خبردار اور (ان کے حال کا) نگران ہے) وقال تعالیٰ وَمَا مَنَعَنَا أَنْ

نُرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (اور ہم کو نشانیوں (معجزوں) کے بھیجنے سے اور کوئی وجہ مانع نہیں ہوئی، مگر یہی
کہ پہلے لوگوں نے ان کو جھٹلایا) آیات سے معجزات مراد ہیں جن کو منکرین لوگ، ضد اور عناد کی وجہ سے اپنی طرف سے سوال کرتے تھے
مراد نہیں۔ جن کو اللہ سبحانہ نے بغیر کسی کے سوال اور درخواست کے انبیاء علیہم السلام کی صداقت کے لئے
ظاہر فرمایا۔ وقال تعالےٰ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّ
عَرَبِيٌّ (اور اگر ہم اس کو عربی کے سوا دوسری زبان کا قرآن بناتے تو یہ کفار (مکہ) ضرور یہ کہتے کہ اس
کی آیتیں (ہماری زبان میں) ہم کو اچھی طرح کھول کر کیوں نہیں سمجھائی گئیں کیا تعجب کی بات ہے قرآن
تو زبان غیر (عربی) اور (ہمارے) عربی) وقال تعالےٰ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ
وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا
وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ (اور (کافر) کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل ہوا
اور اگر ہم فرشتے کو بھیجتے تو جھگڑا ہی چکا دیا جاتا (کہ فرشتے کے آنے پر نہ مانتے تو ضرور فوراً عذاب
نازل ہوتا) پھر انکو (کسی طرح کی) مہلت (بھی) نہ ملتی اور اگر ہم رسول کا مددگار کوئی فرشتہ بناتے تو اس
کو بھی آدمی ہی بناتے (کیونکہ ان کو فرشتوں کے دیکھنے کی صلاحیت ہی نہیں) اور جو شبہہ (یہ لوگ پیدا
کر رہے ہیں۔ وہ شبہہ ہم اس وقت بھی) ان (کے دلوں) پر طاری کر دیتے) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے
اس طرح پر فرشتے کے نہ بھیجنے کے مانع کو کہ لوگ اس کو آنکھوں سے دیکھتے اور مشاہدہ کرتے بیان فرمایا
ہے۔ وہ مانع یہ ہے کہ اس کی حکمت اور مخلوق کی حالت کی رعایت کا یہی مقتضی ہے کہ دنیا میں اس طور
پر فرشتے نہ بھیجے جائیں کیونکہ اگر اللہ تعالےٰ فرشتے کو بھیج دیتا اور لوگ اس کو آنکھوں سے دیکھ کر پھر ایمان
نہ لاتے تو اسی وقت ہلاک کئے جاتے ہیں اور مہلت نہ ملتی۔ رسول کے بشر ہونے میں یہ حکمت ہے کہ
رسول جب ان کا ہم جنس اور ان ہی جیسا آدمی ہوگا تو وہ اس سے کھلے طور بات چیت کر سکینگے اور احکام
الٰہی اور دینی ضروریات کے استفسار و دریافت کرنے میں ہر طرح سے سہولت اور آسانی پیدا ہوگی۔
اور اگر کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ اپنی اصلی ہیئت ملکی میں ہوتا یا
آدمی کی شکل پر۔ اگر اپنی اصلی ہیئت پر ہوتا تو اس کی ہیبت و دہشت کی وجہ سے آدمی اس سے احکام
نہ سیکھ سکتے۔ اور اگر آدمی کی شکل پر ہوتا۔ تو منکرین رسالت کا مقصود حاصل نہ ہوتا۔ کیونکہ ان کا یہ خیال تھا
کہ رسول بشر نہیں ہو سکتا۔ اور وہ فرشتہ جو بشکل آدمی ہوتا اس کی نسبت بھی یہی کہتے کہ یہ تو بشر ہے فرشتہ
نہیں اور بشر رسول نہیں ہو سکتا لہذا یہ بھی رسول نہیں چنانچہ اللہ تعالےٰ نے انکے اس خیال اور اسکے
جواب کو اس طرح بیان فرمایا ہے وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ

اَنْ قَالُوْا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (اور جب لوگوں کے پاس (خدا کی طرف سے) ہدایت آ چکی تو ان کو ایمان لانے سے اسکے سوا اور کوئی بات مانع نہیں ہوئی کہ کہنے لگے کیا خدا نے آدمی (کو) پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اسلئے پیغمبر ان لوگوں کو جواب دو کہ اگر فرشتے (بستے) ہوتے کہ زمین پر اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم فرشتہ ہی کو آسمان سے پیغمبر بنا کر انکے پاس بھیجتے) اس آیت میں اللہ نے فرشتے رسول نہ بنانے کا سبب اور مانع بتلا دیا ہے کہ ملائکہ کے لئے زمین مسکن نہیں بنائی گئی اور نہ وہ اس میں مستقر ہو کر رہ سکتے ہیں۔ بلکہ رہتے وہ آسمان میں ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے اوامر پہنچانے اور اُن کے جاری کرنے کے لئے زمین میں اترتے ہیں اور پھر آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں۔ وقال تعالےٰ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (اور ہم کو (فرمائشی) معجزوں کے بھیجنے سے (کوئی وجہ) مانع نہیں (ہوئی) مگر یہی کہ اگلے لوگوں نے انکو جھٹلایا) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے اس امر کی حکمت اور مانع بتلا دیا ہے کہ منکرین کی طلب اور سوال کے موافق رسول صلعم کو آیات اور معجزے اس لئے عطا نہیں فرمائے کہ ایسے آیات موجب ایمان نہیں کیونکہ امم سابقہ نے جب انبیاء سے معجزات طلب کئے اور انکی خواہش اور سوال کے مطابق انکو دیئے گئے۔ تو امم سابقہ نے انکی تکذیب کی جس پر وہ ہلاک اور تباہ کی گئیں۔ پس چونکہ ایسے معجزات عطا کرنے میں سائلین کے لئے مصلحت نہیں لہذا اپنے پیارے نبی کو وہ معجزات جو منکرین نے طلب کئے ہیں عطا نہیں فرمائے۔ کیونکہ اس کی حکمت کا یہ مقتضیٰ نہیں۔ اسکے بعد اللہ سبحانہ نے قوم ثمود کا ذکر فرمایا ہے کہ جب انہوں نے معجزۂ ناقہ طلب کیا اور انکی طلب کے موافق عطا کیا گیا تو وہ ایمان نہ لائے اور ایمان نہ لانے کے سبب ہلاک کئے گئے۔ پس انکے سوال کے پورا کرنے میں انکی بیخکنی اور بربادی ہوئی۔ اِسکے بعد اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا (اور یہ جو ہم معجزے بھیجا کرتے ہیں تو صرف ڈرانے کی غرض سے بھیجا کرتے ہیں) یعنی معجزات و آیات کو ہم خوف دلانے اور ڈرانے کے لئے ظاہر کرتے ہیں لفظ تخویفًا بنا بر مفعول لہٗ ہونے کے منصوب ہے۔ قتادہؓ کا قول ہے کہ اللہ سبحانہ جن آیات سے چاہتا ہے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ اپنی شرارت سے باز آ جائیں اور عبرت حاصل کر کے اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کریں۔ وہ آیات جن سے اللہ تعالےٰ بندوں کو ڈراتا ہے عام ہیں خواہ نبی کے وقت میں ظاہر ہوں یا اس کے بعد کسی دوسرے زمانے میں واقع ہوں کیونکہ اللہ سبحانہ ہمیشہ ایسے آیات ظاہر فرماتا رہتا ہے جن کے دیکھنے سے بندوں کے دلوں میں خوف اور عبرت پیدا ہو وقال تعالیٰ وَقَالُوْا

لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور کافر کہتے ہیں کہ اس (دعی رسالت) کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشان (یعنی معجزہ جیسا ہم کہتے ہیں) کیوں نہیں اترا (اے پیغمبر تم ان سے کہدو بیشک خدا نشان (یعنی فرمائشی معجزہ) کے اتارنے پر (بھی) قادر ہے مگر ان میں کے اکثر خدا کی مصلحتوں کو نہیں جانتے) یعنی اکثر لوگ اس امر کی حکمت نہیں سمجھتے۔ کہ ایسے آیات و معجزات جو منکرین طلب کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر ظاہر نہ کرنے میں بندوں کی کیا مصلحت ہے۔ اور یہ مطلب نہیں کہ اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اُنکے ظاہر کرنے پر قادر ہے کیونکہ اس بات پر اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے میں جو لوگ اُسکے وجود کے قائل ہیں۔ اُن میں سے کسی کو شک و شبہ نہیں۔ البتہ ایسے معجزات کے ظاہر نہ کرنے کی حکمت و مصلحت کو اکثر لوگ نہیں جانتے ◆

فصل۔ نوع عاشرہ وہ آیات ہیں جن میں اللہ سبحانہ نے اُن حکمتوں اور غایات کو بیان فرمایا ہے جو اُس نے سلسلہ خلق اور امر میں ودیعت رکھی ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ (جس نے تمہارے لئے زمین کا فرش بنایا اور آسمان کی چھت اور آسمان سے پانی برسا کر اس سے تمہارے کھانے کے پھل پیدا کئے) وقولہ تعالےٰ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا۔ (لوگو! کیا ہم نے زمین کو (تمہارا) فرش اور پہاڑوں کو (زمین کی) میخیں نہیں بنایا اور (اس کے علاوہ) ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا (یعنی مرد عورت) پیدا کیا اور ہم ہی نے تمہاری نیند کو (موجب) راحت بنایا اور ہم ہی نے رات کو پردہ پوش بنایا اور ہم ہی نے دن کو روزی (کے دھندوں کا وقت) بنایا) وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا (اور ہم ہی نے بادلوں سے زور کا پانی برسایا تاکہ ہم اس کے ذریعے سے غلہ اور ہر طرح کی روئیدگی اور گھنے گھنے باغ (زمین سے) نکالیں) تک وقولہ تعالےٰ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا (کیا ہم نے زمین کو جیتوں اور مردوں کی سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ بنایا۔ اور اس کے علاوہ اس میں اونچے اونچے اٹل پہاڑ پھیلا دئیے اور تم لوگوں کو میٹھا پانی پلایا) وقولہ تعالےٰ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ

أَثَاثًا وَّمَتَاعًا إِلٰى حِيْنٍ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَأْسَكُمْ (اور اللہ ہی نے تمہارے لئے تمہارے گھروں کو ٹھکانا بنایا۔ اور چوپایوں کی کھالوں سے تمہارے لئے (ایک خاص قسم کے) گھر (یعنی خیمہ وغیرہ) بنائے کہ تم اپنے کوچ کے وقت اور اپنے ٹھہرنے کے وقت اُن کو ہلکا (پھلکا) پاتے ہو اور چارپایوں کی اون اور اُن کی روئیں اور اُنکے بالوں سے (تمہارے لئے) بہت سے سامان اور بکار آمد چیزیں بنائیں (کہ تم) ایک وقت خاص تک (ان سے فائدہ اُٹھاؤ) اور اللہ ہی نے تمہارے لئے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سایہ بنائے اور پہاڑوں سے (از قسم غار وغیرہ) تمہارے چھپ بیٹھنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لئے (کپڑے کے) کرتے بنائے جو تم کو گرمی (سردی) سے بچائیں اور کچھ لوہے کے) کرتے (بنائے یعنی زرہیں) جو تم کو تمہاری (ایک دوسرے کی) زد سے بچائیں) وقولہ تعالےٰ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلٰى طَعَامِهٖ (تو آدمی کو چاہیئے کہ (اور نہیں تو) اپنے کھانے (ہی) کی طرف نظر کرے) مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ (یہ سب) اس لئے کہ تم لوگوں کو اور تمہارے چارپایوں کو فائدہ پہنچے) تک وقولہ تعالےٰ وَمِنْ آيَاتِهٖ أَنْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا إِلَيْهَا (اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے (ایک یہ بھی) ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیبیاں پیدا کیں تاکہ تم کو انکی طرف (رغبت کرنے سے) راحت ملے) وقولہ تعالےٰ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ (اللہ ہی (ایسا قادر مطلق) ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر پانی کے ذریعے سے (درختوں کے) پھل نکالے کہ وہ تم لوگوں کی روزی ہے اور کشتیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا کہ اُسکے حکم سے دریا میں چلیں اور (نیز) ندیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا اور (اسی طرح ایک اعتبار سے) سورج اور چاند کو تمہارے اختیار میں کر دیا کہ دونوں پڑے چکر کھا رہے ہیں اور (ایسا ہی ایک طرح سے) رات اور دن کو تمہارے اختیار میں کر دیا) وقولہ تعالےٰ اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِأَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (لوگو! اللہ وہ (قادر مطلق) ہے جس نے سمندر کو تمہارے بس میں کر دیا تاکہ خدا کے حکم سے اُسمیں جہاز چلیں اور تاکہ تم لوگ اُسکے فضل (یعنی معاش) کو تلاش کرو) انکے علاوہ اس قسم کی بہت سی آیات ہیں۔ اگر کوئی شخص تھوڑا سا غور کرے تو اُسکو اِن آیات سے اِس بات کا یقین

حاصل ہو سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے بیشمار کثیر ایک مصالح اور حکمتوں کے لئے پیدا کیا ہے جن میں سے
صرف بعض کا ذکر فرمایا ہے اور بعض دوسرے ہیں ان کا ذکر ہی نہیں فرمایا۔ وقولہ تعالےٰ وَاَوْحٰی رَبُّکَ
اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ
الثَّمَرَاتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ
شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (اور (اے پیغمبر) تمہارے پروردگار نے
شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور لوگ جو اونچی اونچی ٹٹیاں
بنا لیتے ہیں۔ ان میں چھتے بنا پھر ہر طرح کے پھلوں میں سے (رس) کھا (اور) پھر (مزے
سے) اپنے پروردگار کے تعلیم کئے ہوئے آسان طریقوں پر چلی جا۔ مکھیوں کے پیٹ سے پینے کی ایک
چیز نکلتی ہے (یعنی شہد) جس کی رنگتیں کئی طرح کی ہوتی ہیں (اور) اس میں لوگوں (کی بہت سی بیماریوں)
کی شفا ہے بیشک غور کرنے والوں کے لئے اس میں (بھی قدرت خدا کی ایک بڑی) نشانی ہے)
وقولہ تعالےٰ وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَلَکُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ
کَثِیْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْکُلُوْنَ (اور لوگو! تمہارے لئے چارپایوں میں بھی سوچنے کی جگہ ہے کہ ان کے
پیٹ میں جو (ابلا بھری) ہے اس سے ہم تم کو دودھ پلاتے ہیں اور (دودھ کے علاوہ) چارپایوں میں
تمہارے لئے (اور بھی) بہت فائدے ہیں اور ان میں سے (بعض) کو تم کھاتے (بھی) ہو) وقولہ تعالےٰ
وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَکُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْکُلُوْنَ وَلَکُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ
تُرِیْحُوْنَ وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَکُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَکُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ
اِنَّ رَبَّکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ وَّالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْهَا وَزِیْنَةً وَّیَخْلُقُ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (اور اسی نے چارپایوں کو پیدا کیا جن (کی کھال اور اون) میں تم لوگوں کے لئے جڑاول
ہے۔ اور (اور بھی) بہت طرح کے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے (بھی) ہو اور
جب شام کے وقت (ان کو چرا کر) گھر واپس لاتے ہو اور جب صبح کو جنگل چرانے لے جاتے ہو تو
ان کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے۔ اور جن شہروں تک تم بے جان کاہی کے نہیں پہنچ سکتے
چارپائے وہاں تک تمہارے بوجھ (بھی) اٹھا کر لیجاتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار (تم پر)
بڑی شفقت رکھتا (اور) مہربان ہے اور (اسی نے) گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو (پیدا کیا)
تاکہ تم ان سے سواری لو اور (سواری کے علاوہ وہ چیزیں موجب) زینت (بھی ہیں) اور وہی (اور
بہت چیزیں) جن کو تم نہیں جانتے پیدا کرتا ہے) کیا جس شخص کے افعال کسی حکمت مصلحت اور

اور غایت مقصودہ کے لئے نہ ہوں وہ اس طرح کہہ سکتا ہے کہ ہم نے یہ کام فلاں مصلحت کے لئے کیا اور وہ کام فلاں حکمت کے لئے اور اس کا یوں کہنا کبھی صحیح ہو سکتا ہے ہرگز۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالحکمۃ ہونے کا انکار کرتے ہیں وہ ان آیات کا خلاف کرتے ہیں ✦

فصل ۔ نوع گیارہویں وہ آیات ہیں جن میں اللہ سبحانہ نے اُن لوگوں کے خیال کی تردید کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے مخلوق کو کسی غایت یا حکمت کیلئے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ محض عبث طور پر پیدا کیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا (لوگو! کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو (یوں ہی) بے کار پیدا کر دیا ہے) اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (کیا انسان (ایسا خیال کرتا ہے کہ اس کو بلا باز پرس) یوں ہی چھوڑ دیا جائیگا) وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ (اور ہم نے آسمانوں (کو) اور زمین کو اور جو چیزیں آسمان و زمین میں ہیں اُنکو کھیل بنانے کے لئے پیدا نہیں کیا) ہم نے آسمان و زمین کو (ایک غرض اور مصلحت سے پیدا کیا ہے) حق سے وہ حکم اور غایات محمودہ مراد ہیں جن کے لئے یہ تمام سلسلہ قائم اور پیدا کیا ہے اور ان غایات اور حکمتوں کے بہت سے انواع ہیں۔ منجملہ انکے ایک یہ حکمت ہے کہ مخلوق کو اللہ سبحانہ کے اسماء صفات۔ اور افعال اور آیات کی معرفت حاصل ہو۔ اور ایک یہ حکمت ہے کہ اُنکے دلوں میں اُسکی محبت پیدا ہو۔ اور اُس کی عبادت۔ ذکر۔ شکر اور اطاعت میں مصروف ہوں۔ اور ایک یہ حکمت ہے کہ اُس کا امر اور نہی جاری ہو۔ اور شرائع کو مقرر فرمائے۔ اور یہ کہ اپنی مملکت میں اپنا تصرف و تدبیر اور تنفیذ احکام فرمائے اور یہ کہ فرماں برداروں اور نیک لوگوں کو ثواب اور بدلہ عطا فرمائے اور نافرمانوں اور بدکاروں کو سزا دے تاکہ اُس کے عدل و فضل کا اثر موجود و مشاہد ہو جس پر اسکی تعریف و ثنا کریں اور شکر بجا لائیں۔ اور یہ کہ مخلوق کو معلوم ہو جائے کہ اُس کے سوا کوئی دوسرا لائق عبادت نہیں۔ اور سب کا وہی رب ہے۔ اور یہ کہ صادق کو اسکی صداقت پر عزت بخشے اور کاذب کو اُسکے کذب پر ذلت پہنچائے۔ اور یہ کہ اللہ سبحانہ کے مختلف اسماء اور متعدد اوصاف کے آثار وجود ذہنی اور خارجی میں ظاہر ہوں جس سے بندوں کو ایسا علم حاصل ہو جو واقع کے مطابق ہو یعنی جب بندوں کو اللہ کے اسما و صفات کا اعتقاد ہوا اور انکے مطابق ان اسما و صفات کے آثار ظاہر ہوں تو علم نفس الامر و واقع کے مطابق ہوگا مثلاً اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے پر یقین کیا اور پھر قدرت کے آثار خارج میں پائے گئے۔ تو یہ اعتقاد نفس الامر اور واقع کے مطابق ہوا۔ اور یہ کہ سب مخلوق اُس کی توحید۔ ربوبیت۔ الوہیت۔ معبودیت اور خالقیت اور مالکیت پر

شاہد ہو اور یہ کہ اُسکے کمال کے آثار کا ظہور ہو۔ کیونکہ صنعت اور پیدا کرنا اُسکے کمال کے لوازم سے ہے۔ اسلئے کہ وہ حیّ قدیر ہے اور جو شخص حیّ اور صاحب قدرت ہو وہ اپنے افعال میں فاعل مختار ہوتا ہے اور یہ کہ مخلوقات میں اُسکی حکمت کے آثار ظاہر ہوں۔ کہ اُس نے ہر ایک چیز کو اُسکے مناسب موقع میں رکھا ہے۔ اور اُس نے ہر ایک چیز کو ایسی وجہ پر بنایا ہے جیسا کہ عقل اور فطرت کا مقتضی ہے اور اس سے اُسکی حکمت کاملہ کا حُسن ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ سبحانہ کو یہ بات محبُوب ہے کہ وہ اپنے بندوں پر جود۔ انعام فرمائے اور اُنکے گناہوں سے درگذر کرے۔ اور اُنکی دُعاؤں کو قبول کرے اور بخشے جو خلق اور شرع کے لوازم سے ہیں۔ اور یہ کہ وہ اُس بات کو چاہتا ہے۔ کہ اُس کی ثنا۔ مدح۔ تمجید۔ تسبیح اور تعظیم کی جائے۔ اور یہ کہ اُس کی وحدانیت۔ ربوبیت اور الوہیت کے شواہد کثرت سے موجود ہوں۔ مذکورہ بالا امور کے علاوہ مخلوقات کے پیدا کرنے میں اور بہت سی حکمتیں موجود ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے مخلوق کو حق کے ساتھ اور حق کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور فی نفسہٖ حق ہے اور اس کا صدور حق سے ہے اور اسکی غایت حق ہے اور وہ حق کو متضمن ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے اپنے اُن بندوں کی تعریف فرمائی ہے۔ جو اُسکے خلق اور ایجاد کو عبث اور بدوں غایت ہونے سے منزہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ (اور آسمانوں اور زمین کی ساخت میں غور کرتے ہیں اور بے اختیار بول اُٹھتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو نے اِس (کارخانہ عالم) کو بے فائدہ (تو) نہیں بنایا تیری ذات (ایسے فعل عبث کے کرنے سے) پاک ہے) اور اللہ سبحانہ نے یہ بھی بتلا دیا ہے۔ کہ اُس کے خلق و ایجاد کو عبث اور بلا غایت سمجھنا کفار کا خیال ہے اُسکے پیارے بندے اور مومن لوگ اس کو عبث نہیں سمجھتے چنانچہ فرمایا ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا (اور ہم نے آسمان و زمین کو اور جو چیزیں آسمان و زمین میں ہیں اُن کو بیکار نہیں پیدا کیا۔ یہ اُن لوگوں کا خیال ہے جو کافر ہیں) جو لوگ یُوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے مخلوقات کو کسی حکمت اور غایت کیلئے پیدا نہیں کیا۔ اور اسی طرح اُسکے اوامر اور نواہی کے لئے کوئی حکمت اور غایت نہیں بلکہ سلسلہ خلق اور امر محض اُسکی مشیت اور قدرت سے بدوں کسی حکمت اور غایت مقصودہ کے صادر ہوئے ہیں۔ درحقیقت اُنہوں نے اللہ سبحانہ کی شان کو نہیں سمجھا۔ اور اُسکی صفت محمودیت کے وہ منکر ہیں۔ حق بات یہ ہے کہ خلق اور امر دونوں کے لئے غایات مقصودہ ہیں اور وہ حکمت پر مبنی اور اُس کے محمُود اور حکیم ہونے کے مظہر ہیں۔ پس خلق اور امر کو

بدوں حکمت اور غایت سمجھنا گویا خلق اور امر کی حقیقت کا انکار کرنا ہے۔ منکرین حکمت جس بات کے قائل ہیں یا اللہ تعالےٰ کی ذات اُسکی نسبت کرنے سے منزہ اور متعالی ہے۔ وہ ایسے خلق اور امر کے قائل ہیں جس میں نہ کوئی علت ہے اور نہ حکمت اور نہ مصلحت اُنکے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالےٰ ایسے کام کے کرنے کا حکم کرے جس میں مکلف کے لئے کوئی مصلحت نہ ہو اور ایسے کام سے جس میں اُس کی بہتری اور مصلحت ہو منع کر دیوے۔ اُنکے نزدیک یہ دونو یکساں ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جن کاموں کا اللہ تعالےٰ نے امر فرمایا ہے جائز ہے کہ اُن سے منع کر دیتا اور جن سے منع کیا ہے جائز ہے کہ اُنکے بجالانے کا حکم فرماتا مامور بہ اور منہی عنہ امور میں کوئی فرق نہیں صرف اُسکے امر اور نہی سے بعض مامور بہ اور بعض منہی عنہ ہو گئے ہیں ورنہ سب کام یکساں ہیں اور اُنکے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ جس شخص نے ایک لمحہ بھر بھی خدا کی نافرمانی نہ کی ہو بلکہ اُس نے تمام عمر اللہ کی اطاعت شکر اور ذکر میں صرف کر دی اُسکو عذاب میں ڈالے۔ اور جس نے ایک لمحہ اُسکی اطاعت نہ کی ہو بلکہ تمام عمر کفر شرک ظلم فسق و فجور میں گذار دی ہو اُس کا انعام و اکرام کرے اور اس کا خلاف معلوم ہونے کے لئے رسول صلعم کی خبر کے سوا اور کوئی طریق نہیں۔ اُن کا یہ خیال اللہ تعالےٰ کی نسبت نہایت بدظنی اور بے ادبی ہے اور اس خیال سے اُس کو منزہ سمجھنا ایسا ضروری ہے جیسا ظلم اور جور سے اسکو منزہ جاننا ضروری ہے۔ ایسا خیال کرنا گویا خدا کو ظالم اور جائر سمجھنا ہے۔ نہایت تعجب کی بات ہے کہ اس مذہب کے لوگ اللہ سبحانہ کو بہت سے ایسے صفات کمال اور لغوت جلال سے جن کے ساتھ اُس نے اپنے آپ کو موصوف کیا ہے اِس خیال سے منزہ سمجھتے ہیں۔ کہ ایسے صفات کا ماننا خدا کو جسم اور مشابہ بالخلق جاننا ہے۔ اور اس ظلم اور جور سے اللہ تعالےٰ کو منزہ نہیں سمجھتے بلکہ اس کو عدل اور حق سمجھتے اور یوں کہتے ہیں کہ اُس کے بدوں توحید کامل نہیں ہوتی۔ جیسے کہ استواعلی العرش۔ فوق سموات۔ تکلم۔ تکلیم وغیرہ صفات کمال کے انکار کے سوا توحید کامل نہیں ہوتی۔ غرض اس گروہ کے نزدیک خدا کے صفاتِ کمال کے انکار اور اس ظلم اور جور کے اثبات کے بغیر توحید کامل نہیں ہوتی۔ واللہ ولی التوفیق +

فصل۔ بارہویں نوع وہ آیات ہیں جن میں اللہ تعالےٰ نے دو مختلف چیزوں کے برابر قرار دینے اور ایک جیسی چیزوں میں فرق نکالنے کو رَدّ فرمایا۔ اور یہ بتلایا ہے کہ یہ اُس کے عدل اور حکمت کے خلاف ہے چنانچہ فرمایا ہے أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ (کیا ہم اپنے فرمانبردار بندوں کو گنہگاروں کے برابر کر دینگے۔ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کیسے حکم

حکم لگایا کرتے ہو (اس آیت میں اللہ سبحانہ نے بتلا دیا ہے کہ مطیع اور نافرمان کو یکساں قرار دینا ناجائز اور ظلم ہے۔ اور اللہ تعالٰی کی طرف اس کو نسبت کرنا ایسا ناجائز ہے جیسا کہ فقر حاجت اور ظلم کو اس کی طرف نسبت کرنا ناجائز اور باطل ہے۔ اور منکرین حکمت تعلیل کے نزدیک اسکو اللہ سبحانہ کی طرف منسوب کرنا جائز بلکہ انکے خیال میں یہ مساوات واقع اور موجود ہے۔ وقال تعالٰی اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (کیا جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل (بھی) کئے ان کو ہم ان ہی جیسا کر کے رکھینگے جو ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں) وقال تعالٰی اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۔ (جو لوگ بدکاریوں کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں کیا انہوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ ہم انکو ان ہی لوگوں جیسا کر دینگے جو ایمان لائے اور (ایمان کے علاوہ) انہوں نے نیک عمل (بھی) کئے کہ ان (سب) کا مرنا اور ان (سب) کا جینا ایک ہی طرح کا ہو یہ (لوگ کیا ہی) برے حکم لگایا کرتے ہیں) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے بتلا دیا ہے کہ اس قسم کی مساوات کا حکم کرنا برا ہے۔ اللہ تعالٰی ایسا نہیں کرتا اور نہ اس کو اس کی طرف نسبت کرنا جائز ہے۔ بلکہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے۔ کہ وہ بغیر کسی تکلیف اور امتحان کے جس سے ان کا صبر و شکر معلوم ہو جنت میں داخل کئے جائینگے انکے اس خیال کو اللہ سبحانہ نے رد فرمایا اور بتلایا ہے کہ یہ اسکی حکمت کے خلاف ہے چنانچہ فرمایا ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا (مسلمانو!) کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ (مزے سے) بہشت میں جا داخل ہو گے حالانکہ (ابھی تک) تم کو ان لوگوں کی سی حالت پیش نہیں آئی جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں کہ ان کو سختیاں (بھی) پہنچیں اور تکلیفیں (بھی پہنچیں) اور جھڑ جھڑائے (بھی) گئے) وقال تعالٰی اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (کیا تم اس خیال میں ہو کہ تم جنت میں جا داخل ہو گے حالانکہ ابھی تک اللہ نے نہ تو ان لوگوں کو جانچا جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور نہ ان لوگوں کو جانچا جو ثابت قدم ہیں) وقال تعالٰی اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً (مسلمانو!) کیا تم نے ایسا سمجھ رکھا ہے کہ (سستے) چھوٹ جاؤ گے اور ابھی اللہ نے ان لوگوں کو اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھا تک نہیں جو تم میں سے

برباد کرسکتے اور اللہ اور اسکے رسول اور مسلمانوں کو چھوڑ کر کسی کو اپنا دوست نہیں بناتے (اللہ سبحانہ نے انکے ان خیال
اور گمان کو رد فرمایا ہے کہ یہ انکی حکمت کے خلاف ہے۔ اور وہ آیات جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ
ایک جیسی چیزوں میں فرق نہیں کرنا چاہیئے وہ یہ ہیں۔ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ
أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ
أُولٰئِكَ رَفِيقًا (اور جو اللہ اور رسول کا کہا مانتے تو ایسے ہی (جنت میں) اُن (مقبول بندوں)
کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے (بڑے بڑے) احسانات کئے یعنی نبی اور صدیق اور شہیداور دوسرے
نیک بندے اور یہ لوگ (کیا ہی) اچھے ساتھی ہیں) وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ
بَعْضٍ (اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ایک) اَلْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ
بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ (منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے ہمجنس ایک) فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ
أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ (تو انکے پروردگار
نے انکی دعا قبول کرلی (اور فرمایا) کہ ہم تم میں سے کسی (نیک) عمل کرنے والے کے عمل کو اکارت نہیں جانے
دیتے مرد ہو یا عورت) وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ۔
(اور جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچے ہم نے انکو دانائی عطا فرمائی اور (نیز فضیلت) علم اور ہم نیکوکاروں
کو اسی طرح (انکی نیکی کا) بدلہ دیا کرتے ہیں) أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِنْ أُولٰئِكُمْ (اے اہل مکہ کیا تم میں سے
جو منکر ہیں وہ ان لوگوں سے بھی بڑھ کر ہیں) دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا (خدا نے
اُن کو تہس نہس کردیا اور ایسا ہی کچھ (ان) کافروں کو (بھی پیش آنا) ہے) سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا
قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا (تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں اُن کا
بھی دستور رہا ہے اور (جو) دستور ہمارے ٹھہرائے ہوئے ہیں اُن (میں) تم کبھی بھی ردوبدل ہوتا
ہوا نہ پاؤ گے) سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا (یہ اللہ کا
دستور ہے جو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور اے پیغمبر تم اللہ کے دستور میں کبھی تغیر وتبدل ہوتا ہوا نہ پاؤ گے) سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلُ (یہ اللہ کا دستور ہے جو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے) اللہ سبحانہ کی سنت اور عادت اسطرح جاری ہے کہ اپنے دوستوں اور مطیعوں
کو نصرت و فتح بخشتا اور نافرمانوں کو ذلت و خواری پہنچاتا ہے) إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
(جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کے (حکم کے) برخلاف کرتے ہیں (وہ آخر کار) ایسے ہی ذلیل ہونگے جیسے ان
سے اگلے (زمانوں) ذلیل ہوئے) انکے علاوہ اس قسم کی آیات قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں جن سے یہ
معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ کی حکمت اور عدل کا یہ تقاضا ہے کہ ہر ایک چیز کا حکم وہی ہے جو اُس کی

نظیر اور مماثل چیز کا ہے اور اسکی ضد اور مخالف چیز کے حکم کے برخلاف ہے۔ اگر ہم ان سب آیات کو
بالاستیعاب ذکر کریں تو اس مضمون پر ایک دوسری مستقل کتاب تیار ہو جائے گی۔

فصل - تیرھویں نوع: وہ آیات ہیں جن میں اللہ سبحانہ نے اپنے کلام میں تدبر اور تفکر کرنے کا امر فرمایا اور
اپنے اوامر و نواہی اور زواجر کے متعلق غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر ان چیزوں میں بلیغ حکمتیں مصالح، غایات
مطلوبہ اور عواقب محمودہ نہ ہوں جو غور و فکر کا نتیجہ ہیں، ورنہ یہ تفکر کا منشا اور سبب ہیں تو ان میں تدبر
و تفکر کرنے کا کچھ مطلب نہ ہوگا۔ بلکہ اللہ سبحانہ نے اپنے کلام میں تدبر اور تفکر کا حکم اسلئے دیا ہے کہ
اپنے بندوں کو اپنی حکمت بالغہ اور ان غایات اور مصالح پر جو انہیں موجود ہیں مطلع فرمائے تاکہ ان کے
معلوم کرنے سے وہ اس بات کا اقرار کریں کہ یہ قرآن اللہ حکیم حمید کا کلام ہے اور جیسا کہ منکرین حکمت و
تعلیل کا خیال ہے۔ اگر یہ صحیح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کسی حکمت اور مصلحت پر مبنی نہیں بلکہ
محض اس کی مشیت اور قدرت سے صادر ہیں تو اس لحاظ سے تو یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ معجزات
کے ساتھ کسی کاذب شخص کی تائید و نصرت کرے اور اسکے باطل خیالات کو عروج اور ترقی دے۔ اور
اہل حق کو ذلیل اور خوار کرے۔ اور انکے حق مذہب کو مغلوب رکھے۔ اور اس بنا پر بندوں کے لئے
کوئی ایسی دلیل موجود نہ ہوگی جس سے وہ کسی رسول من اللہ کی رسالت کی تصدیق کرسکیں یا وہ اسکو
انکے سامنے بطور حجت پیش کرسکے کیونکہ جو معجزات انبیاء پیش کرینگے وہ انکے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ
اس مذہب والوں کے نزدیک تو جھوٹے شخص سے بھی ایسے معجزات ظاہر ہوسکتے ہیں تو اب صادق
اور کاذب یا بر اور فاجر کے درمیان تمیز کرنے کا کوئی طریقہ نہیں۔ ان لوگوں نے حکمت اور تعلیل
کا انکار کرنے سے اپنے آپ پر ایمان و ہدایت کا دروازہ بند اور حق کے نہ ماننے اور بدیہیات کے
انکار کا دروازہ کھول دیا ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کے خلق اور امر میں وہ حکمتیں مصالح مقصودہ اور غایات
محمودہ موجود ہیں جن پر فطرت اور عقل شاہد ہیں۔ اور کوئی سلیم الفطرۃ انکا انکار نہیں کرسکتا۔ تعجب یہ
ہے کہ یہ لوگ ان غایات کا ایک طرح اقرار بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال پر مصالح اور
غایات مترتب ہیں لیکن یہ ترتب محض اتفاقی ہے قصد اور ارادہ سے نہیں جیسے کہ کوئی بھاری چیز لکڑی
یا پتھر اوپر سے گرے اور اتفاق سے اس کے محاذی نیچے کوئی موذی جانور گذر رہا ہو اور اس پر پڑے
اور اس کو ہلاک کردے۔ لیکن اس خیال سے صاف ظاہر ہے کہ ان مصالح، منافع اور حکم کے اللہ سبحانہ
کے افعال و اوامر پر مترتب ہونے سے اللہ سبحانہ قابل حمد و تعریف نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ محض اتفاقی طور پر پائے جاتے ہیں اسکے ارادہ
اور قصد سے موجود نہیں ہوتے اور جو چیز فاعل کے ارادہ اور قصد سے موجود نہ ہو اسپر وہ قابل حمد و ثنا نہیں ہوسکتا جبکہ

انکے نزدیک ان مصالح کا وجود اس طرح پر ہے کہ مثلاً کسی نوجی نے ایک روپیہ کسی غرض اور فائدہ کے بغیر محض اپنے ارادہ اور قدرت سے پھینک دیا اور اتفاقاً وہ کسی محتاج کے ہاتھ میں آگیا۔ اور اس کو وہ اپنے کام میں لایا منکرین حکمت اور تعلیل کے نزدیک ان مصالح او منافع کا وجود بھی بالکل اسی طرح محض اتفاقی ہے ٭

فصل چودھویں نوع وہ آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اسکا خلق اور امر کا صدور اسکی حکمت اور علم پر مبنی ہے پس ہم ان دونوں یعنی حکمت وعلم کو جہاں صدور خلق اور امر کے ساتھ مذکور ہیں بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائیگا کہ خلق اور امر کا صدور اس کی حکمت کاملہ اور علم تام پر مبنی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ (اور اے پیغمبر تم کو تو قرآن (خدائے) دانا (اور) باخبر کی طرف سے القا کیا جاتا ہے)۔ قال تعالیٰ تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (یہ فرمان تحریری یعنی پیشگاہ خداوندی سے نازل ہوتا ہے جو زبردست دانا بینش والا ہے) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے اپنی عزت اور حکمت کا ذکر فرمایا ہے جو کمال قدرت وتصرف اور کمال حمد اور علم کو متضمن ہیں وقال تعالیٰ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (اور مسلمانو!) مرد چوری کرے تو اور عورت چوری کرے تو اُن کے (اس) کرتوت کے بدلے میں (بلا امتیاز) دونو کے (دہنے) ہاتھ کاٹ ڈالو منقول ہے کہ کسی اعرابی نے ایک قاری کو وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ کے بجائے وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ پڑھتے سنا تو اس نے کہا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں۔ قاری نے کہا کیا تو قرآن کو نہیں مانتا۔ اس نے جواب دیا کہ میں قرآن کو بیشک مانتا ہوں مگر جملہ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اس آیت سرقہ کے مناسب نہیں۔ قاری نے جب سوچا تو اس کو اپنی غلطی معلوم ہوئی اور کہا کہ بیشک میں نے غلط پڑھا ہے بحال اس کے بجائے وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ہے اس پر اعرابی نے کہا کہ اب صحیح اور درست ہے۔ اللہ سبحانہ نے جو آیات کے اخیر میں اپنے اسماء اور صفات کا ذکر فرمایا ہے اگر ان میں غور کیا جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک مقام میں ایسی صفت کو ذکر فرمایا ہے جو اس کے لئے مناسب اور موزون ہے اور یہ صفات گویا پہلے حکم کے لئے دلیل کے طور پر ذکر کئے گئے ہیں۔ قال تعالیٰ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (اگر تو ان کو عذاب دے تو تجھ کو اختیار ہے) یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کرے تو کوئی تیرا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا کیونکہ بیشک تو ہی سب پر غالب (اور) حکمت والا ہے یعنی تیرا اپنے بندوں کو بخشدینا تیرے کمال عزت اور قدرت سے

ہے نہ کہ عجز اور جہل سے۔ وقال تعالیٰ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (یہ اندازہ خدا کا باندھا ہوا ہے جو زبردست (اور ہر چیز سے) آگاہ ہے) یہ آیت قرآن کریم میں بہت سے مواقع میں مذکور ہے یعنی جہاں جہاں اللہ سبحانہ نے اجرام علویہ۔ ظہور صبح۔ رات کو وقت آرام بنانے۔ سورج اور چاند کی باقاعدہ حرکت آسمان کو ستاروں سے مزین کرنے وغیرہ ایسے امور کا ذکر فرمایا ہے۔ وہاں اس آیت کے ذکر فرمانے سے یہ بتلایا ہے کہ یہ محکم ترتیب اور مضبوط انتظام اللہ سبحانہ کی عزت اور علم سے موجود اور قائم ہے نہ کہ اتفاقیہ امور کی طرح محض اتفاقی طور پر ہے کہ جس کا فاعل قابل مدح اور ثنا نہ ہو۔ اور سورہ شعراء میں انبیائے سابقین علیہم السلام اور انکی امتوں کے حالات ذکر فرمانے کے بعد ہر ایک قصہ کے آخر میں فرمایا ہے وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (اور اے پیغمبر) کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار البتہ وہی زبردست (اور) رحم والا ہے یعنی اللہ سبحانہ نے انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین یا مخالفین کے لئے جو کچھ حکم فرمایا ہے وہ اس کے کمال عزت اور رحمت سے صادر ہوا ہے یعنی جو لوگ رحمت کے مستحق تھے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام اور انکے متبعین ان پر رحمت فرمائی اور جو عذاب کے مستحق تھے یعنی مخالفین انبیاء ان سے اپنی عزت اور قہاریت کے موافق انتقام لیا۔ اور یہ حکمت جو اس پر مترتب ہوئی ہے یہ ایک مقصودی چیز اور مطلوب امر ہے نہ کہ محض اتفاقی۔

فصل ۔ پندرہویں نوع وہ آیات ہیں جن میں اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس کا حکم تمام احکام سے احسن اور اس کی تقدیر نہایت عمدہ تقدیر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر اللہ سبحانہ کے احکام حکمت اور مصلحت کے مطابق نہ ہوں۔ تو پھر وہ احسن نہیں ہو سکتے۔ اور جیسا کہ منکرین حکمت اور تعلیل کا خیال ہے اگر ان کا حسن محض اس وجہ سے ہو کہ وہ اللہ سبحانہ کی قدرت میں داخل ہیں۔ اور اس کے معلومات سے ہیں تو اس طرح تو وہ امور اور احکام بھی جو احکام شرعیہ کے خلاف ہیں احسن ہونے چاہیئے۔ اس لئے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کا علم ان کو بھی محیط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت کامل ہے اور جملہ اشیاء کو اس کا علم حاوی ہے۔ پس اس بنا پر تو تمام مقدورات اور معلومات احسن احکام و احسن تقادیر ہونے چاہیئے۔ اور ایسا ہونا ناجائز اور باطل ہے۔ قال تعالیٰ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ (اور جو لوگ یقین کرنے والے ہیں انکے لئے اللہ سے بہتر حکم دینے والا (اور) کون ہو سکتا ہے) وقال تعالیٰ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (اور اس شخص سے کس کا دین بہتر ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر دیا اور وہ نیکوکار بھی ہے) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس

جیسا سب ظلم سے پاک اور منزہ ہے اسی طرح یہ خیال کرنا بھی جائز نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنے بندوں کے لئے شریعت معلومہ کے سوا کوئی دوسرا دین مقرر اور پسند فرماتا ہے۔ وقال تعالے وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (اور اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہے اور نیک عمل بھی کرتا ہے اور لوگوں سے کہے کہ میں (بھی) خدا کے فرمانبردار بندوں میں سے ہوں) وقال تعالے فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ (پھر ہم نے (اس کا ایک) اندازہ ٹھیرایا تو ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھیرانے والے ہیں) وقال تعالے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (خدا بڑی بابرکت ہے جو سب بنانے والوں میں بہتر بنانے والا ہے) غرض اللہ سبحانہ کی تقدیر اور خلق نہایت عمدہ اور احسن ہے کیونکہ وہ اس کی رحمت حکمت اور علم کے مطابق واقع ہے وقال تعالے مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ (اے دیکھنے والے) (بھلا تجھ کو (خدائے) رحمٰن کی (اس) صنعت میں کوئی نقص دکھائی دیتا ہے) اگر یہ خلق اور تقدیر مکمل اور احسن وجوہ پر واقع اور غایات محمودہ اور حکم مطلوبہ کے مطابق نہ ہوتی۔ تو اس میں ضرور تفاوت موجود ہوتا۔ یا اگر عدم تفاوت محض اتفاقی ہوتا۔ فاعل کے ارادہ اور قصد سے نہ ہوتا۔ تو وہ اس پر قابل حمد و تعریف نہ ہوتا ؁

فصل آٹھویں نوع: در آیت میں جن میں اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ صراط مستقیم پر ہے یہ آیت قرآن کریم میں دو جگہ ہے ایک ہود علیہ السلام کے قصہ میں کہ انہوں نے یوں کہا اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (میں تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھتا ہوں (کہ وہ) میرا (بھی) پروردگار ہے) اور تمہارا (بھی) پروردگار ہے) جتنے جاندار ہیں سب ہی کی چوٹی اُسکے ہاتھ میں ہے بیشک میرا پروردگار (عدل و انصاف کے) سیدھے رستے پر ہے) اور دوسری آیت یہ ہے ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اور خدا ایک دوسری مثال دیتا ہے کہ دو آدمی (ہیں) اُن میں کا ایک گونگا (اور گونگا ہونے کے علاوہ پرایا غلام کہ خود کچھ نہیں کرسکتا (اور گونگے ہونے کی وجہ سے) وہ اپنے آقا کا بارِ خاطر بھی ہے۔ کہ جہاں کہیں اُس کو بھیجے اس سے کچھ بھی نہیں بن آتا کیا ایسا غلام اور وہ شخص (دونوں) برابر ہوسکتے ہیں جو (لوگوں کو) حد اعتدال پر قائم رہنے کو کہتا ہے اور خود بھی (اعتدال یعنی) انصاف کے (سیدھے رستے پر قائم ہے) یہ اتفاق

کا قول ہے کہ اللہ سبحانہ کو اگرچہ اُن تمام چیزوں پر قدرت ہے۔ جن سے اسکی مشیت متعلق ہو لیکن چونکہ وہ عادل ہے لہذا اسکی مشیت عدل ہی سے متعلق ہوتی ہے۔ ابن انباری کا قول ہے کہ چونکہ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا کا یہ معنی ہے کہ اللہ سبحانہ وہ عظیم السلطان قاہر ہے۔ کہ کوئی جانور اُس کے قبضہ سے باہر نہیں اسلئے اسکی مناسبت سے اُس کے بعد اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ذکر فرمایا تاکہ یہ وہم پیدا نہ ہو کہ جب وہ ایسا قہار اور غالب ہے تو ممکن ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر جبر اور ظلم روا رکھتا ہو۔ لہذا یہ جملہ ذکر فرما کر بتلا دیا کہ وہ حق اور انصاف پر ہے۔ اور یہ جملہ عرب کے اُس محاورہ کے مطابق ہے کہ جب انکو کسی آدمی کے حسن سیرت عدل و انصاف کی تعریف کرنی مقصود ہو۔ تو یوں کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص کا طریق حسن ہے اِس جملہ کا یہ مطلب نہیں کہ اُس کا راستہ اچھا ہے۔ بلکہ یہ مقصود ہے کہ وہ نیک سیرت اور عادل و منصف ہے۔ اِس جملہ کے معنے کے متعلق اور بھی چند اقوال ہیں۔ جو اسی معنے کے لوازم اور آثار سے ہیں چنانچہ بعض مفسرین نے اُس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ میرا رب سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرنا اِس بات کو مستلزم ہے کہ وہ خود بھی سیدھے راستے پر ہو اور نیز اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہایت رحیم محسن۔ عادل اور حکیم ہے۔ اور بعض نے کہا ہے۔ کہ کوئی چیز اُس پر مخفی نہیں۔ اور کوئی شخص اُسکی گرفت سے بھاگ نہیں سکتا۔ اور بعض نے کہا ہے۔ کہ سب کا راستہ اُسی کی طرف ہے چنانچہ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (بیشک تمہارا پروردگار (نافرمانوں کی) تاک میں (لگا رہتا) ہے) اُس کے مؤید ہے۔ یہ اخیر معنی گو فی نفسہ صحیح ہو سکتے ہیں لیکن اِس جملہ کے یہ معنی قرار دینا کچھ بعید معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اگر اِس قول کا یہ مطلب ہو کہ اگر سب لوگ صراط مستقیم پہ چلتے ہیں۔ تو چونکہ سب لوگ اِس پر نہیں چلتے پس یہ کہنا کہ سب لوگ اللہ کے راستے پر چلتے ہیں ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ سب لوگ مر کر اُسی کی طرف جائینگے۔ تو اس مضمون کو اللہ سبحانہ نے دوسرے عنوان سے صاف الفاظ میں بیان فرمایا ہے چنانچہ وہ یہ الفاظ ہے اِلَيْنَا رَجْعُهُمْ (ان سب کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے) اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابَهُمْ (بے شک ان (سب) کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے) اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (بیشک تیرا پروردگار (نافرمانوں کی) تاک میں (لگا رہتا ہے)۔ کہ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (اور بیشک (آخر کار سب کو) خدا تک پہنچنا ہے) اور اس جملہ کا تو یہ مطلب ہے کہ اللہ سبحانہ جو کچھ فرماتا ہے وہ سب حق اور جو کوئی کام کرتا ہے وہ تمام درست اور

صواب ہیں۔ اُسکے کلمات صدق اور عدل ہیں غرض اللہ سبحانہ کا ہر قول اور فعل صواب اور خیر ہے چنانچہ فرمایا ہے وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ وہ اپنے تمام اقوال میں جو کہ حق۔ عدل صدق اور حکمت ہیں قابل حمد اور تعریف ہے۔ اور اس جملہ کے یہ معنی کلام عرب میں مشہور ہیں چنانچہ جریر نے خلیفۃ المسلمین عمر بن عبدالعزیز کی مدح میں کہا ہے ؎

اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ　　اِذَا اعْوَجَّ الْمَوَارِدُ مُسْتَقِیْمٖ

امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز تو سیدھے راستے یعنی عدل و انصاف پر قائم ہے۔ جب اور لوگوں کے راستے ٹیڑھے ہو گئے یعنی جب اُنھوں نے ظلم اور بے انصافی کو اختیار کیا تو عمر بن عبدالعزیز انصاف پر قائم رہا جب اللہ سبحانہ کے صراط مستقیم پر قائم ہونے کے معنی معلوم ہو چکے تو یہ بات روشن اور واضح ہو گئی کہ وہ جو کام کرتا ہے وہ کسی ایسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے جس پر وہ قابل حمد اور تعریف ہے اور اُس کا کوئی کام غایت مطلوبہ کے بغیر نہیں۔ غرض اُسکے تمام افعال حکمت۔ مصلحت۔ احسان رحمت۔ عدل و صواب پر مبنی ہیں اور اُسکے تمام اقوال عدل اور صدق ہیں:

فصل ستر ہویں نوع وہ آیات ہیں جن میں اللہ سبحانہ نے اپنے افعال پر خود اپنی حمد فرمائی ہے اور اپنے بندوں کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ اُس کے افعال پر اُسکی حمد اور تعریف کریں۔ اور اس کی یہی وجہ ہے کہ اُس کے افعال کے لئے وہ غایات محمودہ اور عواقب حمیدہ ہیں۔ کہ جن کا فاعل مستحق حمد اور قابل تعریف ہے۔ اللہ سبحانہ خود نفس افعال پر اُنکے غایات کے قصد و ارادہ پر اور اُن کے حصول پر تینوں چیزوں پر محمود ہے۔ اور منکرین حکمت اور تعلیل کے نزدیک غایات کے قصد اور اُنکے حصول پر اللہ سبحانہ قابل حمد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُنکے نزدیک اللہ سبحانہ کا غایات کا قصد و ارادہ کرنا محال ہے اور اُن کا حصول محض اتفاقی ہے۔ پس جس چیز کا اللہ تعالے ارادہ نہیں کر سکتا۔ اُس کے ارادہ اور حصول پر حمد کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ رہا نفس فعل سو ظاہر ہے کہ اگر اسکے لئے کوئی ایسی غایت مقصودہ نہ ہو جس کا حصول بہ نسبت اُسکے عدم حصول کے اولے اور بہتر ہو۔ تو ایسے فعل کا فاعل مستحق حمد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ایسے فعل کا صدور اُس فاعل مختار سے محال ہے جو صاحب قدرت اور حکمت ہے۔ ایسے افعال تو اُن سے صادر ہوتے ہیں جن میں نقص اور عیب ہوں۔ اور اللہ سبحانہ کی ذات مقدس تمام عیوب سے پاک اور منزہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات کی حمد فرمانا اسکی کمال حکمت۔ افعال کے غایات کے ارادہ کرنے۔ اپنے بندوں کے ساتھ احسان اور رحمت فرمانے اور اُن پر طرح طرح کی نعمتیں تمام کرنے کی بڑی مضبوط اور

دلیل ہے۔ اور غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کو غایات و حکم سے خالی سمجھنا اس کی محمودیت کا انکار ہے۔

فصل اٹھارہویں نوع وہ آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ اس نے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اور احسان [illegible]

[illegible] اور اس طرح پر

ہے کہ [illegible] انعام و احسان کا ذکر [illegible] ہے تو اس کے ساتھ ہی ان

حکم و مصالح اور منافع کو بھی ذکر کیا ہے کہ جن کے لیے مخلوق کو پیدا کیا اور شریعت کو مقرر فرمایا

ہے۔ چنانچہ سورۂ نحل کے آخیر میں فرمایا ہے وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُمْ

مِنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُمْ بَأْسَكُمْ كَذَٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ

لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ (اور اللہ ہی نے تمہارے لئے [illegible] چیزوں کے سایے بنائے

اور پہاڑوں سے (اقسام غار وغیرہ) تمہارے چھپنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لئے (لباس

کے) کرتے بنائے جو تم کو گرمی (سردی) سے بچاتے ہیں اور [illegible] کرتے بنائے جیسے زرہیں)

جو تم کو تمہاری (ایک دوسرے کی) زد سے بچاتے ہیں۔ اسی طرح اپنی نعمتیں تم لوگوں پر پوری کرتا ہے

تاکہ تم اس کے آگے (جھکو) یہ تو خلق کے بارے میں ہے اور شریعت کے باب میں نماز کے وقت

کعبہ کی جانب استقبال کرنے اور اس کے وجوہ کے متعلق فرمایا ہے وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا

يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ

نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (اور اے پیغمبر تم کہیں سے بھی نکلو یہاں تک کہ مکے

سے بھی تو جہاں ہو نماز میں اپنا منہ مسجد محترم کی طرف کر لیا کرو اور مسلمانو! تم بھی جہاں کہیں ہوا کرو نماز

میں اسی کی طرف اپنا منہ کر لیا کرو) [illegible] سے ایک غرض یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ لوگوں کو تمہارے خلاف

ربّ کی حمد یا ثنا کا بیان ہے کہ ان میں سے جو بات کہی گئی ہے ایسی ہے (وہ قوم کو الزام دینے کو بڑھتے کے لئے نہیں) تو تم
[illegible] اور دوسری غرض یہ ہے کہ جو اپنی حجت کو پورا پورا کریں اور تیسری غرض
یہ ہے کہ تم [illegible] فرمایا ہے ما
[illegible]
[illegible]
[illegible] اور
[illegible] ٭
فصل انیسویں نوع وہ آیات اور احادیث ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کا صفت رحمت کے ساتھ
موصوف ہونا معلوم ہوتا ہے - آیات اور احادیث [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ وہ صفت
رحمت کے ساتھ موصوف ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہے کہ وہ ارحم الراحمین ہے - اور اس کی رحمت
ایسی وسیع ہے کہ تمام چیزوں کو شامل ہے - اور ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہ کا رحمت کے ساتھ موصوف ہونا
تب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ خلق اور امر میں اپنی مخلوق کے ساتھ رحم کرنے کا قصد اور ارادہ کرے
اور اگر اس کے اوامر حکمت و مصلحت - رحمت اور احسان کے ارادہ سے خالی ہوں تو ان میں اتفاقی طور
پر کوئی مصلحت پائی جائے - مگر رحمت کا ارادہ نہ ہو تو یہ رحمت نہ ہوگی اور نہ اللہ سبحانہ کو ارحم الراحمین
کہنا صحیح ہوگا - غرض اس کی افعال کی حکمت اور غایت مقصودہ کا انکار کرنا درحقیقت اس کی رحمت کا
انکار کرنا ہے - منکرین حکمت اور تعلیل کے مذہب کا بانی جہم بن صفوان کوڑھی آدمیوں کی تکالیف
کو دیکھ کر انکار کے طور پر یوں کہا کرتا - کیا ارحم الراحمین کے یہی کام ہیں کہ ان بیچاروں کو ایسی تکالیف
میں ڈال رکھا ہے - اس کا مطلب یہ تھا کہ درحقیقت اللہ سبحانہ صفت رحمت کے ساتھ موصوف
نہیں بلکہ یہ سب کام محض اس کی مشیت سے بغیر کسی حکمت اور رحمت کے صادر ہوتے ہیں غرض
انکے نزدیک اللہ سبحانہ کے افعال حکمت اور رحمت سے نہیں ہو سکتے کیونکہ رحمت کا مطلب تو
یہ ہے کہ وہ مرحوم کے نفع اور احسان کے واسطے کوئی کام کرنا - اور اللہ تعالیٰ کے افعال جب
کسی غرض - غایت اور حکمت کے واسطے نہیں تو پھر رحمت کا کیا معنی ٭

فصل - بیسویں وہ آیات ہیں جن میں سائلین کے سوال کرنے پر اللہ سبحانہ نے اپنے افعال
کی تخصیص اور تمیز کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ اس میں وہ حکمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے
اور سائلین اسکو نہیں جانتے چنانچہ جب آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے کے ارادہ کو ملائکہ پر ظاہر کیا اور

فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (میں زمین میں (اپنا ایک) نائب بنانے والا ہوں) اور ملائکہ
نے اُس پر سوال کیا اور کہا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ
وَنُقَدِّسُ لَكَ (کیا تو زمین میں ایسے شخص کو (نائب) بناتا ہے جو اس میں فساد پیدا کرے اور خونریزیاں
کرے اور (بناتا ہے تو ہم کو بنا) کہ ہم تیری حمد (و ثنا) کے ساتھ تیری (تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔
تو اُن کو جواب دیا اور فرمایا اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں وہ (مصلحتیں) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)
اگر اللہ تعالیٰ کا فعل حکمت۔ غایت اور مصلحت سے خالی فرض کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ
کی نسبت زیادہ علم رکھتے ہیں۔ کیونکہ انکو تو یہ معلوم ہو گیا کہ آدم کی اولاد زمین میں طرح طرح کے فساد اور خرابیاں کریگی اور اللہ کو آدم کے پیدا
کرنے کی مصلحت سے خبر ہی نہیں۔ اور نیز جب اللہ سبحانہ کو آدم کے پیدا کرنے میں کوئی حکمت و مصلحت مقصود ہی نہیں تو اُس کا یہ جواب دینا
بھی صحیح نہ ہوگا۔ کہ اُسکے پیدا کرنے میں جو حکمتیں اور مصالح ہیں انکو میں ہی جانتا ہوں۔ تم کو وہ معلوم
نہیں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ چونکہ اللہ سبحانہ کے افعال حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔ اسلئے ملائکہ کو یہ
خیال پیدا ہوا کہ آدم کے پیدا کرنے میں بھی کوئی ضرور حکمت ہوگی لہٰذا انہوں نے اسی حکمت کے معلوم
کرنے کے لئے سوال اور استفسار کیا۔ ملائکہ نے اعتراض کے طور پر سوال نہیں کیا تھا بلکہ استفسار اور
دریافت حال کی غرض سے عرض کیا تھا۔ اور اگر مان لیا جائے کہ ملائکہ نے اعتراض کے طور پر سوال
کیا تھا۔ تب بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔ کیونکہ جب
انکو معلوم تھا کہ اللہ سبحانہ کوئی کام بغیر کسی حکمت و مصلحت کے نہیں کرتا اور ادھر دیکھا کہ آدم کی اولاد کے
پیدا کرنے میں فساد اور خرابی موجود ہے جو حکمت کے خلاف ہے تو سوال کیا کہ تیرے کام تو حکمت سے
خالی نہیں ہوتے اور اسکے پیدا کرنے میں ایسی خرابیاں ہیں جو حکمت کے خلاف ہیں تو اُس کے پیدا
کرنے کی کیا وجہ ہے۔ وقال تعالیٰ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ
رُسُلُ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (جب انکے پاس کوئی آیت (قرآنی) آتی ہے تو
کہتے ہیں جیسی (نبوت) پیغمبران خدا کو دی گئی ہے جب تک (اسی طرح کی نبوت) ہم کو نہ دی جائے تو
ہم ایمان لانے والے ہی نہیں) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے منکرین رسالت کے اسی سوال کے
جواب میں کہ انکو بھی ویسا ہی منصب رسالت کیوں نہیں ملا یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ سبحانہ کے علم اور اسکی
حکمت کا یہ مقتضی ہے کہ منصب رسالت ایسے شخص کو عطا کیا جائے جو اُسکے لئے لائق اور اس کا اہل
ہو اور جو شخص اس کا اہل نہ ہو اس کو یہ عظیم الشان منصب عطا کرنا اُس کے علم اور حکمت کے خلاف ہے۔
اور جیسا کہ منکرین حکمت کا خیال ہے اگر منصب رسالت کا عطا کرنا محض اسکی مشیت سے بغیر کسی حکمت و

مصلحت کے صادر ہوتا تو انکے اس سوال کے جواب میں یوں کہنا اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ
صحیح اور درست نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس سوال کے جواب میں یوں کہنا ہے کہ اسکے افعال کے لیے
کوئی علت اور حکمت نہیں بلکہ وہ محض اپنی قدرت اور مشیت سے بغیر کسی مرجح کے ایک قسم کی دو
چیزوں میں سے ایک کو ترجیح دے دیتا ہے۔ وقال تعالیٰ وَکَذٰلِکَ فَتَنَّا بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ
لِّیَقُوْلُوْٓا اَھٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ (اور اسی
طرح (اختلاف حالت سے) ہم نے بعض لوگوں کو بعض سے آزمایا تاکہ (مقدور والے غریبوں کو دیکھ کر)
کہنے لگیں کہ کیا یہی (ذلیل) لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے (اسلام کی توفیق دیکر) اپنا فضل کیا ہے۔
(ان کو اتنا تو سمجھنا چاہیے تھا کہ) کیا اللہ شکر گذار بندوں (کے حال) سے بخوبی واقف نہیں) جب کفار نے
اللہ تعالیٰ کی مشیت کی تخصیص کی وجہ دریافت کی اور اس تخصیص پر معترض ہوئے۔ تو یہ جواب دیا گیا
کہ جو لوگ اسکی مشیت کے لئے صالح اور اسکے اہل ہیں اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے یعنی اسکی مشیت
کے لئے وہ لوگ صالح ہیں جو شکر گذار اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں کے قدر شناس ہیں اور یہ بیان کرنا حکمت
اور تعلیل کا خیال ہے۔ اگر یہ کام محض اسکی مشیت پر مبنی ہوتا تو اس طریق پر جواب بیان کرنا صحیح نہ ہوتا اور
اللہ سبحانہ کا اپنی صفت علم کو ذکر کرنا اسی واسطے ہے کہ یہ تخصیص اور تمیز اس کے علم کے مقتضی سے ہے۔
وقال تعالیٰ وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَۃً تَجْرِیْ بِاَمْرِہٖٓ اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْھَا وَکُنَّا بِکُلِّ شَیْءٍ
عٰلِمِیْنَ (اور ہم نے زور کی ہوا کو بھی سلیمانؑ کے تابع کر دیا تھا کہ وہ انکے حکم سے ملک (شام) کی طرف
کو چلتی جس میں ہم نے طرح طرح کی برکتیں دے رکھی تھیں اور ہم سب چیزوں کے حال سے آگاہ تھے)
اس آیت میں بھی سلیمان علیہ السلام کیلئے ہوا کے مسخر کرنے اور اس زمین کے بابرکت ہونے کی تخصیص
کے بعد اپنے علم کا ذکر فرمایا ہے وقال تعالیٰ جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّھْرَ
الْحَرَامَ وَالْھَدْیَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِکَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَ
اَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (خدا نے کعبے کو کہ وہ (خدا کا) معزز گھر ہے۔ لوگوں کے (امن و اطمینان کے)
قائم رکھنے کا موجب قرار دیا ہے اور (اسی طرح) حرمت والے مہینوں کو اور حج کی (قربانی (کے جانوروں)
کو اور ان (جانوروں) کو جن کے گلے میں پٹے باندھ دیتے ہیں۔ یہ اسلئے کہ تم کو معلوم رہے کہ جو کچھ آسمانوں
میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ سب جانتا ہے اور یہ کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے) اس آیت میں اللہ تعالیٰ
نے کعبہ اور شہر حرام کی ان خصوصیات کے ذکر فرمانے کے بعد جو اور مکانوں اور وقتوں میں نہیں پائی
جاتیں اپنے صفت علم کو اسلئے ذکر فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ تخصیصات اسکے کمال علم کا مقتضی ہیں۔

وقال تعالیٰ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (تو اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں کو اپنی طرف سے تحمل و اطمینان (قلب) عطا فرمایا اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اسی کے سزاوار اور لائق بھی تھے اور اللہ تو ہر چیز سے واقف ہے) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ کہ تقویٰ کے لائق و اہل تھے ان کو اسی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص اس نعمت کا مستحق اور لائق ہے اور کون شخص اس کے قابل نہ۔ لائق نہیں پس کیا اس قسم کی تخصیصات اس شخص کی جناب سے جو کہتے ہیں کہ افعال محض مشیت سے بغیر کسی غایت اور سبب کے صادر ہوں۔ ہرگز نہیں ۔

فصل۔ انیسویں نوع۔ وہ آیات ہیں جن میں اللہ سبحانہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض مقدورات کو اسلئے پیدا نہیں کیا کہ ان کے پیدا کرنے میں خرابی اور فساد ہے اور مصلحت کا یہی تقاضا ہے کہ انکو پیدا نہ کیا جائے اور جیسا کہ منکرین حکمت و تعلیل کا خیال ہے کہ اگر ان کا ترک محض اسکی مشیت سے بغیر کسی مصلحت اور حکمت کے ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا یہ بیان فرمانا کہ انکو مصلحت کی وجہ سے ترک کیا گیا ہے۔ صحیح نہیں ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُونَ (اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات (یہ کافر ہیں) بہرے گونگے جو (کچھ) نہیں سمجھتے اور اگر اللہ ان میں (کچھ بھی) بہتری پاتا تو ان کو سننے کی قابلیت بھی ضرور عطا فرماتا لیکن (یہ ایسے کچھ سرشت ہیں کہ) اگر خدا ان کو سننے کی قابلیت بھی دیتا تاہم یہ بدی ہوئی بات ہے۔ کہ یہ لوگ منہ پھیر پھیر کر الٹے جاتے) اس آیت میں اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے کہ کفار کو حق اس لئے نہیں سنایا یعنی نہیں سمجھایا گیا کہ ان میں کوئی خیر نہیں کہ جس کے سبب وہ اس کے سنانے اور سمجھانے سے منتفع ہو سکیں۔ لہذا انکو حق سنانا اور سمجھانا مناسب اور اچھا نہیں اور اگر انکو حق سنایا اور سمجھایا بھی جاتا تو ان میں ایک ایسا امر موجود ہے جو انکو اس سے منتفع ہونے سے مانع ہے یعنی چونکہ ان میں تکبر اور اعراض عن الحق کا مادہ موجود ہے۔ لہذا وہ اس سے منتفع نہیں ہو سکتے۔ غرض اس آیت میں عدم اسماع کی دو طرح پر علت بیان فرمائی ہے۔ اول یہ کہ ان میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو اسماع حق کی موجب اور مقتضی ہو۔ دوم یہ کہ ان میں اسماع حق کے مانع موجود ہیں۔ اور اس طرح پر علت کا بیان کرنا اسی شخص کی نسبت صحیح ہو سکتا ہے جس کے اوامر نواہی اور افعال حکمتوں اور مصالح

پھیلی ہوئی ہیں اور جس شخص کے افعال ان چیزوں سے خالی ہوں تو اُن کی نسبت یہ کہنا چاہیئے کہ کسی چیز کا عدم یا انکی
محض اس کی مشیت سے ہے۔ اور نیز اللہ سبحانہ کا اپنی ذات مقدس کو ایسے نامناسب امور سے مقدس و مبرا کرنے
سے اُس کے تئیں منزہ قرار دینا کہ ان کا کرنا اس کی حکمت اور حمد کے خلاف ہے اسی مضمون پر دلالت کرتا ہے کہ اُس
کے افعال حکمت سے خالی نہیں چنانچہ فرمایا ہے مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ
حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ (یعنی اللہ ایسا نہیں
ہے کہ جس حال میں تم ہو اچھے برے کی تمیز کے بدوں اسی حال پر مومنوں کو تمہارے ساتھ ملا جلا رہنے دے
اور اللہ ایسا بھی نہیں کہ تم کو غیب کی باتیں بتا دے) و قولہ تعالیٰ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ
يَسْتَغْفِرُونَ (اور اللہ ایسا بے رحم بھی نہیں ہے کہ بعض لوگ گناہوں کی معافی خدا سے مانگتے ہیں
اور وہ ان (سب) کو عذاب دے) و قولہ تعالیٰ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ
حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُم مَّا يَتَّقُونَ (اور اللہ کی شان سے بعید ہے کہ ایک قوم کو ہدایت دے پیچھے گمراہ کرا
دے تا وقتیکہ انکو وہ چیزیں نہ بتا دے جن سے وہ بچتے رہیں) و قولہ تعالیٰ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ
الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ (اور اے پیغمبر تمہارا پروردگار ایسا بے انصاف نہیں ہے کہ
بستیوں کو ناحق ہلاک کرا دے اور وہاں کے لوگ نیکوکار رہیں) و قولہ تعالیٰ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ
الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا (اور اے پیغمبر جب تک تمہارا پروردگار
کسی قصبے میں پیغمبر نہ بھیجے اور وہ انکو ہماری آیتیں پڑھ کر نہ سنا دے اس کی شان انصاف سے بعید
ہے کہ (بے اتمام حجت) بستیوں کو ہلاک کر دیا کرے) اللہ سبحانہ نے ان تمام افعال سے اپنی ذات مقدس
کو اسلئے منزہ فرمایا ہے کہ یہ افعال اس کی حکمت اور حمد کے خلاف ہیں اور اس کے احسان و کمال
کے لائق اور مناسب نہیں۔ اور منکرین حکمت و تعلیل کے نزدیک اللہ سبحانہ کو ایسے کاموں سے منزہ قرار
دینے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ تو اس کی قدرت میں داخل ہیں وہ ایسے امور سے منزہ ہے جو اسکی
قدرت سے باہر ہیں اور ایسے کاموں کی نسبت انکا یہ خیال ہے کہ ان کاموں میں فی نفسہ کوئی قباحت
نہیں۔ اور ان کا صدور محض اس واسطے نہیں ہوا کہ ان سے اسکی مشیت متعلق نہیں ہوئی +

فصل اٹھویں عقلی دلیل ہے۔ وہ یہ ہے کہ کسی فاعل کے افعال کا حکمت اور غایت مطلوبہ سے خالی
ہونا چند امور کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور یہ سب امور اللہ تعالیٰ کی نسبت ناجائز اور محال ہیں لہذا اللہ تعالیٰ
کے افعال کا حکمت اور غایت سے خالی ہونا بھی ناجائز اور محال ہے وہ امور جو کسی شخص کے افعال کے حکمت
اور غایت مطلوبہ سے خالی ہونے کے لئے باعث ہو سکتے ہیں۔ وہ یہ ہیں اول یہ کہ فاعل اس فعل یا اُس

کی تفاصیل سے جاہل ہو۔ اور اللہ سبحانہ جو تمام چیزوں کا جاننے والا ہے اُس کا اپنے افعال سے جاہل ہونا محال اور ناجائز ہے۔ دوم یہ کہ فاعل اور اُس کام کے کرنے سے عاجز ہو اور وہ اللہ جس کو ہر چیز پر قدرت ہے کسی کام کے کرنے سے کسی طرح عاجز نہیں ہو سکتا۔ سوم یہ کہ فاعل کا غیر کو نفع پہنچانے اور اُس کے ساتھ احسان کرنے کا ارادہ نہ ہو اور اللہ سبحانہ کی نسبت جو ارحم الراحمین ہے اور احسان اُس کے لوازم ذات سے ہے یہ خیال کرنا بالکل ناجائز اور محال ہے وہ ہمیشہ محسن منعم اور اپنے ہر کام میں بندوں پر احسان فرماتا ہے چہارم یہ کہ فاعل کیلئے کسی مصلحت یا غایت مطلوبہ کے ارادہ اور قصد کرنے سے کوئی چیز مانع ہو۔ اللہ سبحانہ کو جو فعال لما یرید ہے کوئی چیز اُسکے ارادہ سے مانع نہیں ہو سکتی۔ پنجم یہ کہ غایت حکمت اور مصلحت کا ہونا کسی نقص کے مستلزم یا فاعل کے کمال کے خلاف ہو۔ ظاہر ہے کہ حکمت اور غایت کا سبب باعث نقص اور فاعل کے کمال کے منافی ہے تو حکمت۔ اور غایت کا وجود ہرگز موجب نقص اور خلاف کمال نہیں ہو سکتا عقل و فطرت اس پر شاہد ہیں کہ جو شخص کسی حکمت اور غایت کیلئے کوئی کام کرتا ہے۔ تو وہ اُس پر قابل حمد و تعریف ہو سکتا۔ اور اُسکو صاحب کمال خیال کیا جاتا ہے۔ اور جو شخص کسی غایت کے لئے کام نہیں کرتا وہ فضول اور بیہودہ سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ جو شخص کوئی چیز پیدا کر سکتا ہے وہ بہ نسبت اُس شخص کے جو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتا۔ اور عالم بہ نسبت جاہل کے۔ اور بولنے والا گونگے سے۔ اور صاحب قدرت و ارادہ اس شخص سے جس میں قدرت و ارادہ نہ ہو صاحب کمال سمجھے جاتے ہیں۔ ان باتوں پر عقل و فطرت قطعی شہادت دیتے ہیں پس اللہ تعالے کے افعال کے لئے حکمت کا انکار کرنا گویا ان صفات مذکورہ کے ساتھ کے ساتھ اُس کے موصوف ہونیکا انکار کرنا ہے جس سے لازم آتا ہے کہ وہ ان صفات کے اضداد کے ساتھ موصوف ہے۔ اور اللہ سبحانہ کا ان صفات کے اضداد سے موصوف ہونا اُسکی نسبت نہایت نقص اور عیب ہے۔ اور اسی واسطے بہت سے منکرین حکمت اور تعلیل جیسے جوینی اور رازی نے یہ کہدیا ہے کہ نقلی دلیلوں اور اجماع کے سوا اللہ تعالیٰ کے نقائص سے منزہ ہونے پر کوئی عقلی دلیل قائم نہیں۔ ہم اُن سے یہ پوچھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالے کے افعال کے لئے حکمت ثابت کرنے میں اُس کے لئے کوئی نقص نہیں تو اُس کی نفی درست نہیں اور اگر اُسکے ثابت کرنے میں نقص ہے تو بتلاؤ کہ شرع میں اس نقص سے منزہ سمجھنے کی نقلی دلیل کہاں ہے۔ بلکہ اُمت کا اجماع اس پر ہے کہ تمام اہل اسلام اللہ سبحانہ کے افعال کیلئے حکمتیں مصالح محمودہ اور غایات مطلوبہ کے ثبوت کے قائل ہیں۔ غرض منکرین حکمت و تعلیل کے پاس نہ تو اجماع اور نہ کوئی عقلی یا نقلی دلیل موجود ہے۔ بلکہ اجماع اُمت۔ ادلہ عقلیہ اور صحیح نقلیہ اور فطرت سب کے سب اُن کے قول کے بطلان پر شاہد ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کا کمال۔ جلال۔ حکمت۔ عدل۔ رحمت۔ قدرت

احسان ۔ محموریت ۔ مجد وغیرہ صفات کمال اور اسمائے حسنیٰ کے منافی اسی بات سے مانع ہیں کہ اسکے افعال بغیر کسی حکمت اور غایت مطلوبہ کے صادر ہوں ۔ اور اُس کے تمام اسمائے حسنیٰ منکرین حکمت کے قول کے بطلان پر شاہد ہیں اور ہم نے اس مطلب کے اثبات کے لئے ناظرین کو متنبہ کرنے کے واسطے (اور نمونہ کے طور پر) قرآن کریم کے بعض انواع سے استدلال کیا ہے ورنہ اس مطلب کے اثبات کے لئے قرآن کریم میں اسقدر ادلہ موجود ہیں ۔ جو مذکورہ بالا ادلہ سے کئی گنے زیادہ ہیں ؛

فصل ۔ جب مندرجہ بالا وجوہات اس امر پر شاہد ہیں کہ اللہ سبحانہ کے افعال حکمت سے خالی نہیں اور اُسکو اپنے ہر ایک کام میں مخلوق کی مصلحت ملحوظ ہے تو کوئی شخص جسکی فطرت صحیح ہو کیونکر اس بات کا خیال کرسکتا ہے ۔ کہ اللہ سبحانہ کے افعال حکمت ۔ غایت اور مصلحت سے خالی ہیں ۔ اُسکی مخلوق میں وہ حکمتیں ۔ مصالح ۔ منافع ۔ غایات مطلوبہ اور عواقب محمودہ موجود ہیں جو احاطہ بیان سے باہر اور جن کے سمجھنے سے عقلیں قاصر ہیں ۔ اگر انسان اپنی تمام عمر صرف اپنی ذات ۔ خلقت ۔ اعضا اور اسکے منافع ۔ قویٰ ۔ اور اپنے دیگر صفات اور ہیئت کی فکر میں صرف کر دے ۔ تو جو کچھ ان میں منافع اور حکمتیں رکھی گئی ہیں ۔ تمام عمر بھی انکو سمجھ نہیں سکتا ۔ عالم علوی اور سفلی کی تمام اشیاء کا یہی حال ہے کہ اگر تمام عمر ایک چیز کے منافع کے سمجھنے میں خرچ کردی جائے ۔ تو انسان تمام عمر انکو سمجھ نہ سکے ۔ مگر چونکہ اللہ سبحانہ کے افعال میں حکمت کا موجود ہونا نہایت واضح اور ظاہر ہے ۔ اسلئے منکرین کو اسکے انکار کرنے کا راستہ ملا کیونکہ انکی عقلیں ناقص تھیں اور قاعدہ ہے کہ جس چیز میں خود نقصان ہوتا ہے وہ کامل چیز کو ادراک نہیں کرسکتی جیسے چمگادڑ کہ چونکہ اُس کی بصارت میں نقصان ہے لہذا وہ آفتاب کو نہیں دیکھ سکتی ۔ اور جیسے کہ اللہ سبحانہ صانع عالم کی ہستی کے ادلہ اور علامات ظاہر باہر ہیں کہ ہر ایک مخلوق و موجود چیز میں اُس کی ہستی کے ادلہ اور علامات پائے جاتے ہیں ۔ مگر ظالم اور جاہل لوگ مکابرہ کے طور پر ان کا انکار کرتے ہیں ۔ اور اسی طرح اللہ سبحانہ کے علو علی الخلق کے ادلہ نہایت ظاہر ہیں مگر جہمیہ انکے منکر ہیں ۔ علیٰ ہذا القیاس انبیاء علیہم السلام خصوصاً خاتم النبیین صلعم کی صداقت کے ادلہ اُن لوگوں پر جن کو صحیح اور سلیم عقلیں عطا ہوئی ہیں ۔ ایسے ظاہر اور روشن ہیں جیسا کہ آفتاب کا وجود نہار کے موجود ہونے کی ظاہر دلیل ہے ۔ مگر باوجود اسکے منکرین اور مکابر لوگ انکار سے باز نہ آئے اور اسی طرح اللہ سبحانہ کے صفات کمال کے ثبوت کے ادلہ بھی نہایت واضح ہیں ۔ مگر بعض نے ان کو بھی انکار کردیا ۔ اور موجود و مشاہد ۔ اور بدیہی چیز کا انکار کرنا کوئی نئی بات نہیں دیکھو دنیا میں بعضے آدمی اس قسم کے موجود ہیں کہ وہ طرح طرح کی نعمتوں سے لدے ہوئے ہیں کسی طرح کی انکو کوئی تکلیف نہیں مگر باوجود اسکے اپنے حال کے شاکی اور اپنے گذر اوقات پر ناخوش ہیں ۔ اور اکثر اوقات اُن نعمتوں کا انکار

کرتے ہیں۔ نفس کی گمراہی اور سرکشی کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ تو ایسے جاہل اور ظالم نفوس کا کیا ذکر ہے۔ اور نہایت
تعجب کی بات ہے کہ کوئی شخص اس کے حسن کا تو قائل ہو۔ اور مصالح کا انکار کرے جو اس شریعت کا مدار
ہیں۔ یہ مصالح اور حکمتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ شریعت سچی ہے۔ اور آپ کے لانے والے
کی صداقت اور آپ کی رسالت کی کافی دلیل ہے۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک
پر اور کوئی معجزہ نہ ہوتا تو صرف وہ مصالح حکمتیں۔ غایات حمیدہ اور عواقب سدیدہ جو اس شریعت کے
اندر موجود ہیں اس بات کی کافی دلیل ہیں اور پوری شاہد ہیں کہ یہ شریعت خدائی شریعت ہے۔ اور اس
شریعت کو جاری کرنے والا وہ اللہ تعالےٰ ہے جو احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین ہے۔ اور جیسے مصالح
اور حکمتیں اس میں موجود ہیں ویسی ظاہر ہیں جیسے کہ مخلوقات عالم علوی و سفلی حیوانات نباتات اور
عناصر میں حکمتیں و مصالح بیشمار اور وہ امور اور آثار جن سے مصالح معاش کا انتظام وابستہ ہے۔
ظاہر اور موجود ہیں۔ پھر یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ان مصالح کے انکار کی جرأت کرے۔ یا
اہل عقل کے سامنے انکار تو نہ کرے مگر یہ کہے کہ ان کا صدور محض اتفاقی ہے یہ غایات مقصود اور مطلوب
نہیں سبحان اللہ کسی صاحب عقل کے خیال میں یہ بات کس طرح آسکتی ہے کہ وہ رب العالمین احکم الحاکمین
کی نسبت یوں گمان کرے کہ وہ اپنی ساری مخلوق کو بغیر کسی سبب حکمت اور غایت کے محض اپنی
مشیت سے ہمیشہ عذاب شدید میں مبتلا رکھیگا۔ ایسا خیال کرنا اللہ تبارک و تعالےٰ کے ساتھ نہایت
بدظنی ہے اور نیز کسی صاحب عقل کے نزدیک یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کا
امر و نہی۔ اباحت۔ تحریم بعض کاموں کو پسند فرمانا۔ اور بعض کو ناپسند رکھنا۔ احکام شرع اور حدود
کو مقرر کرنا یہ سب امور بغیر کسی حکمت اور مصلحت مقصودہ سے خالی ہیں اور یہ سب امور محض اس کی
مشیت سے ہیں وہ صرف اپنی مشیت سے بغیر کسی مرجح کے ایک جیسی دو چیزوں میں سے ایک
کو ترجیح دیدیتا ہے جیسا کہ منکرین مصالح و حکم کا خیال ہے ہرگز یہ صحیح مانا جائے تو پھر ایسی شریعت
میں کونسی رحمت ہے اور اس شریعت کے لانے والے رسول کو رحمۃ للعالمین کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا
ہے۔ اور نیز اس بنا پر امر و نہی محض باعث تکلیف۔ عذاب اور عبث ہونگے۔ اور اللہ تعالےٰ کی ذات
مقدس ان سب امور سے جو منکرین حکمت خیال کرتے ہیں یا انکے خیال کے مطابق لازم آتے ہیں۔
منزہ اور پاک ہے۔ اور اگر ہم ان مصالح اور حکمتوں کو جو اللہ سبحانہ کے امر اور خلق میں موجود اور میرے
جیسے لوگوں کو معلوم ہیں بیان کریں تو دس ہزار سے زیادہ شمار کر سکتے ہیں۔ باوجودیکہ اللہ سبحانہ کے
حکم و مصالح کے ادراک سے ہمارے ذہن قاصر اور ہمارے عقول اور علوم ناقص ہیں۔ بلکہ ہمارے

اور تمام مخلوق کے علوم اللہ سبحانہ کے علم کے سامنے ایسے ہیں جیسا کہ آفتاب کے سامنے چراغ۔ بلکہ ہمارے
علوم اور اللہ سبحانہ کے علم کے درمیان یہ نسبت بھی نہیں جو ایک ٹمٹماتے چراغ کو آفتاب سے ہے
محض سمجھانے کیلئے یہ ایک تشبیہ اور تمثیل بیان کی جاتی ہے۔ حکمتوں اور ان مصالح۔ اور صداقت اور
مناسبات کا انکار کرنا جن کے لئے احکام شرع مشروع کئے گئے ہیں گویا شریعت کا انکار کرتا ہے
کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ روئے زمین پر کوئی ایسا فقیہ موجود ہو جو مسائل فقہ کو بیان کرے۔ اور
اس کا یہ اعتقاد ہو کہ شرع کے کسی امر میں کوئی حکمت۔ مناسبت اور علت موجود نہیں اور نہ شارع
نے ان احکام میں بندوں کے مصالح کا ارادہ کیا ہے۔ احکام شرعیہ کی نسبت یوں کہنا ایک
سخت گناہ اور بھاری جرم ہے کیونکہ اسکی خرابی کا بڑا اثر دوسرے اہل عقل پر یہ ہوتا ہے کہ جب وہ دیکھتے
ہیں کہ اسباب علل حکم اور مصالح کا انکار عقل کے خلاف اور ناممکن ہے اور شریعت کے اس غلط مسئلہ
کے ساتھ (جو منکرین حکمت و تعلیل کا قول ہے) اسباب مصالح اور حکم کا ماننا مطابق نہیں ہو سکتا۔ تو وہ
شریعت کو خلاف عقل سمجھ کر چھوڑ دیتے اور اسکی نسبت بدظن ہو جاتے اور یوں کہنے لگتے ہیں۔ کہ ہم کوئی بات
خلاف عقل نہیں کرنی چاہتے اور احکام شرع اور اصول فطرت و عقل آپس میں مخالف ہیں۔ اور مسائل شرع میں یوں
بھی باہم اختلاف سمجھتے ہیں کہ شرع میں ہے کہ اللہ تعالے فاعل مختار ہے اور اس نے کسی چیز کے لئے
کوئی سبب نہیں بنایا اور نہ اس کے کسی کام میں کوئی حکمت ہے اور جتنے طبائع اور قویٰ پیدا کئے
ہیں یہ سب بغیر کسی منفعت اور غایت کے پیدا کئے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسباب کا انکار کرنا
تو بالکل عقل فطرت حس اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ لہذا فاعل مختار کے وجود کا انکار کر دیا۔ اور
منکرین حکمت و تعلیل فاعل مختار کا انکار تو نہ کر سکے مگر یہ دیکھا کہ فاعل مختار کے ماننے کی صورت میں اسباب
حکم۔ علل اور قویٰ کو ماننا گویا ضدین کو جمع کرنا ہے اور یہ دو تو امر باہم متخالف ہیں کہ اللہ تعالے فاعل مختار
ہو اور پھر اس کے افعال کے لئے علل اور حکمتیں اور وجود اشیاء کے لئے اسباب ہوں۔ لہذا
یہ لوگ اسباب علل۔ اور حکم کے منکر ہو گئے۔ اور ان دونو فریق یعنی منکرین حکمت و تعلیل اور فاعل مختار
کے نہ ماننے والوں میں باہم بڑا اختلاف اور تفاوت ہے۔ اور اس مسئلہ کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیئے
بلکہ یہ مسئلہ نہایت عظیم الشان اور ضروری مسئلہ ہے اور اس کے فروعات بہت سے ہیں۔ منجملہ
اس کے فروعات سے یہ مسئلہ ہے کہ جو اہل عقل یعنی فلاسفہ فاعل مختار کا وجود نہیں مانتے وہ تمام حوادث
کے لئے کسی فاعل مختار اور موجد صاحب ارادہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ تمام چیزوں کو انکے اسباب
و علل کیطرف منسوب کرتے ہیں یعنی جتنے حوادث موجود ہوتے ہیں مثلاً بارش کا برسنا۔ نباتات اور حیوانات

کا پیدا ہونا۔ گرمی سردی کا پڑنا۔ رات دن کا بدلنا۔ چاند کا بڑھنا۔ گھٹنا۔ چاند اور سورج کا گہن میں
آنا اور چاند کا بعض تاریخوں میں بالکل نظر نہ آنا۔ کائنات جو یعنی ابر۔ برف۔ ژالہ۔ بخارات۔ بجلی۔ گرج
وغیرہ اشیاء کا پیدا ہونا۔ اور دوسرے کائنات ارضی سب کے سب حرکات فلکیہ۔ قوی طبعیہ۔ نفوس
اور عقول سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور انکے مخالف ایک فرقہ متکلمین یہ کہتے ہیں کہ ان اشیاء کے
حدوث کے لئے کوئی سبب یا غایت اور حکمت یا مصلحت نہیں بلکہ یہ سب چیزیں محض اللہ تعالیٰ کے
کی مشیت اور قدرت سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور فاعل مختار بغیر کسی حکمت و مصلحت کے ایک چیز کو دوسری
پر بلا مرجح ترجیح دیدیتا ہے۔ غرض یہ فرقہ تمام اسباب۔ قوی۔ طبائع۔ حکم۔ غایات اور مناسبات کا منکر
ہے۔ یہاں تک کہ متکلمین میں سے جو لوگ جزو لا یتجزی کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ آسمان اور
چکی وغیرہ وہ چیزیں جو حرکت مستدیرہ کرتی ہیں گردش اور دوران کے وقت انکے اجزا ایک دوسرے
سے منفک اور جدا ہو جاتے ہیں۔ اور قادر مختار ہمیشہ اسکو اپنی اصلی حالت پر لوٹا دیتا ہے۔ اور
اسی طرح الوان یعنی رنگ۔ مقادیر۔ اشکال وغیرہ صفات ہر آن میں معدوم ہوتے رہتے ہیں
اور قادر مختار ہر آن میں انکو دوبارہ موجود کرتا اور پہلی حالت کیطرف لوٹا دیتا ہے۔ اور اسی طرح سمندر
کے پانی میں نمکینی آناً فاناً معدوم ہوتی ہے اور پھر قادر مختار اس کو موجود کرتا اور پہلی حالت کی طرف
لوٹا دیتا ہے اور یہ سب کام بغیر کسی سبب۔ حکمت۔ اور علت غائی کے صادر ہوتے ہیں۔ متکلمین کے
اس فریق نے یہ سمجھا کہ سوائے ان باتوں کے ماننے کے فلاسفہ کے قول سے بچنا ناممکن ہے۔ اور
فلاسفہ نے یہ سمجھا کہ انکے اصول تسلیم کئے بغیر شریعت میں داخل ہونا محال ہے۔ دونو فریق راہ حق سے
بھول گئے وہ حق یہ ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے افعال کو اپنی مشیت اور قدرت و ارادہ سے صادر کرتا ہے
اور اس کے افعال کا صدور اسباب کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور اسکے جملہ افعال حکمتوں اور غایات محمودہ
پر مبنی ہیں اور اس نے کائنات عالم میں وہ قویٰ۔ طبائع۔ اسباب اور مسببات پیدا کئے ہیں جن
سے سلسلہ خلق اور امر قائم ہے۔ جمہور اہل اسلام۔ اکثر اہل نظر اور تمام فقہا کا یہی قول ہے۔ فقہا میں
سے صرف وہ لوگ اسکے خلاف ہیں جو فقہ کو چھوڑ کر منکرین حکمت و تعلیل کے اصول پر کاربند ہیں۔ اور
اصول دین کی مخالفت کرتے ہیں ❖

بائیسواں باب

منکرین حکمت و تعلیل کے شبہات اور انکے جوابات کا بیان

منکرین حکمت و تعلیل مثبتین حکمت و تعلیل سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تم نے اثبات حکمت و تعلیل میں بہت سے دلائل پیش کئے ہیں۔ اب ہماری بات کو بھی ذرہ کان لگا کر سنو کہ اس سے تمہارے تمام دلائل باطل ہو جاتے ہیں۔ اور پھر اگر تم سے ہو سکے تو اس کا جواب بیان کرنا۔ افضل متاخرین محمد بن عمر رازی کا یہ شبہ ہے کہ جو شخص کوئی کام کسی مصلحت کے حاصل کرنے یا کسی خرابی کے ہٹانے کے لئے کرے۔ تو اگر اس مصلحت کا حاصل کرنا اُسکے حق میں نہ کرنے سے بہتر اور اُسکے لئے باعث کمال ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا کمال اس مصلحت کے حاصل کرنیکے بعد ثابت ہوگا اور وہ اپنی ذات کے اعتبار سے ناقص و مستکمل بالغیر ہوگا اور اللہ سبحانہ کے حق میں ایسا کہنا کہ وہ بذات خود ناقص اور اس کا کمال ایک دوسری چیز یعنی مصلحت سے حاصل ہوتا ہے ناممکن اور محال ہے اور اگر اسکا حاصل کرنا اور نہ کرنا اسکے حق میں یکساں ہیں تو کسی جانب کو ترجیح نہیں لہذا اس مصلحت کا حاصل ہونا محال ہوا۔ اسکے بعد رازی نے اپنے شبہ پر ایک اعتراض کیا ہے کہ فاعل حقیقی اللہ تعالے کے حق میں اگرچہ اس مصلحت کا حاصل ہونا اور نہ ہونا دونوں یکساں ہیں۔ مگر اس کا حاصل ہونا بندے کے حق میں مفید اور بہتر ہے اور بندے کی بہتری کے لئے اللہ سبحانہ اس کے وجود کو اسکے عدم پر ترجیح دیتا ہے۔ اور پھر خود ہی اس کا جواب دیا ہے کہ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اس مصلحت کا حاصل کرنا اور نہ کرنا دونوں اللہ سبحانہ کی نسبت مساوی ہیں یا نہیں اور جو پہلو اختیار کیا جائے اس سے محال لازم آتا ہے

مثبتین حکمت نے اس شبہے کا جواب کئی طرح سے دیا ہے اول یہ کہ تم نے جو یوں کہا ہے کہ جو شخص کسی کام کو کسی غرض کیلئے کرے تو وہ فی ذاتہ ناقص اور مستکمل بالغیر ہوتا ہے اس کا کیا مطلب ہے۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ اس میں وہ صفت کمال مفقود ہوگی جس کا حصول اس مصلحت کے حاصل ہونے سے پہلے اسکے لئے ضروری ہے تو تمہارا یہ دعوے غلط اور باطل ہے کیونکہ کسی کام کو کسی ایسی غرض کے لئے کرنے سے جس کا حصول اسکے عدم سے اولیٰ ہے یہ لازم نہیں آتا کہ فاعل میں وہ صفت کمال مفقود ہو جس کا حصول اس مصلحت کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ وہ مصلحت اپنے حصول سے پہلے کمال ہی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ فاعل میں ایک ایسی صفت

مفقود ہوگی جو اس مصلحت کے حاصل ہونے سے پہلے صفت کمال نہیں ہوسکتی۔ تو اس صورت میں اس مصلحت
کے حاصل نہ ہونے سے فاعل میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ کیونکہ وہ غرض اس مصلحت اپنے وجود سے
پہلے کمال نہیں۔ اور جو چیز جس وقت صفت کمال نہ ہو اس وقت اس کا نہ ہونا کوئی نقص نہیں۔ غرض جو چیز
ایسی ہو کہ اس کے موجود ہونے سے پہلے اس کا عدم اولیٰ ہو اور موجود ہونے کے بعد اس کا وجود عدم سے بہتر
تو ایسی چیز کا عدم قبل وجود اور وجود بعد عدم کوئی نقص نہیں بلکہ موجود ہونے سے پہلے اس کا عدم اور موجود
ہونے کا بعد اس کا وجود صفت کمال ہے۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہوچکا تو اب ہم کہتے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ کے
افعال میں جو علتیں اور غایات مطلوبہ ہیں۔ وہ اسی قسم میں سے ہیں۔ کہ موجود ہونے کے وقت انکا وجود
اور وجود سے پہلے ان کا عدم صفت کمال ہیں۔ البتہ وجود کے وقت عدم اور عدم کے وقت وجود نقص
اور عیب ہیں جو لوگ منکر حکمت و تعلیل ہیں۔ وہی اللہ سبحانہ کی طرف نقص کو منسوب کرتے ہیں۔ نہ کہ
مثبتین کے مذہب پر اللہ سبحانہ میں نقص لازم آتا ہے۔ اور اگر اس جملہ کا کہ اگر کوئی شخص کسی غرض کے
لئے کوئی کام کرے تو وہ بذاتہ ناقص اور مستکمل بالغیر ہوتا ہے۔ کا جو اور مطلب ہے تو اسکو بیان کرو تاکہ
اس پر کلام کیا جائے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تمہارا یوں کہنا کہ لازم آتا ہے کہ فاعل کا بذاتہ ناقص اور
مستکمل بالغیر ہونا لازم آتا ہے کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ حکمت جو صفت کمال ہے اور جس کا حصول فاعل کیلئے
ضروری تھا اس کا حصول ایک خارجی چیز سے ہوا یا اس کا یہ مطلب ہے کہ خود وہ مصلحت فاعل کا غیر
ہے اور فاعل کا کمال اس سے حاصل ہوا۔ اگر پہلا معنی مراد ہے تو بالکل غلط اور باطل ہے کیونکہ اللہ سبحانہ
کے سوا کوئی دوسرا شخص کسی چیز کا خالق نہیں۔ ورنہ اللہ سبحانہ نے کسی دوسرے شخص سے اپنی صفت کمال کو
حاصل کیا ہے۔ بلکہ تمام عالم میں جتنے کمالات ہیں سب انہی سے حاصل کئے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ نے جس
طرح کہ اپنا وجود کسی دوسرے سے حاصل نہیں کیا۔ اسی طرح اپنا کوئی کمال کسی غیر سے حاصل نہیں کیا۔ اور اگر
دوسرا معنی مراد ہے تو وہ حکمت اللہ سبحانہ کی صفت ہے اور اس کے صفات اس کا غیر نہیں کیونکہ اس
کی حکمت اس کے ساتھ قائم اور وہ حکیم اور صاحب حکمت ہے جیسا کہ اس کے دوسرے صفات علم۔ سمع و
بصر اسکے ساتھ قائم اور اسکے لئے ثابت ہیں اور وہ علیم۔ سمیع اور بصیر ہے پس اس کی حکمت کا ثبوت اس
بات کو مستلزم نہیں کہ اس کا استکمال ایسی چیز سے ہوا جو اس سے منفصل اور جدا ہے بلکہ یہ استکمال ویسا ہی ہے
جیسا کہ اور صفات کے سبب اس کا کمال حاصل ہے اور اسکو یوں نہیں کہہ سکتے کہ یہ استکمال بالغیر ہے۔
تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال جب ایسے امر کے لئے صادر ہوتے ہیں کہ جس کا وجود اللہ سبحانہ
کو محبوب ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے۔ کہ اس کی مراد جو اس کو محبوب ہے اور جس کے لئے

اس نے گویا کام کو کیا ہے حاصل اور یہ اللہ تعالیٰ کیلئے اعلیٰ درجے کا کمال ہے اور ان کا موجود نہ ہونا
نقص ہے کیونکہ جو شخص اپنی مطلوب و محبوب چیز کے حاصل کرنے پر قادر ہو اور پھر اس کو اسی وقت میں
حاصل کرے جس وقت میں اس کا حصول مطلوب ہو اور اسی طور پر حاصل کرے جس طور پر اس کو حاصل کرنا چاہتا
ہے تو ایسا شخص اعلیٰ درجے کا کامل ہے نہ وہ شخص کامل کہا جاتا ہے جس کے لئے کوئی چیز محبوب
و مطلوب نہ ہو یا کوئی چیز محبوب و مطلوب ہو لیکن اس کے حاصل کرنے پر قادر نہ ہو۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ تمہاری کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ سبحانہ کے نقائص سے منزہ ہونے پر
کوئی عقلی دلیل قائم نہیں ہے اور اس مسئلہ میں تم نے جوینی وغیرہ کی تقلید اختیار کی ہے اور تم یہ بھی کہتے ہو
کہ اللہ عزوجل کے نقص سے منزہ ہونے پر صرف نقلی دلیل یعنی اجماع شاہد ہے۔ تو اب بتلاؤ کہ
جب تمہارے خیال میں اللہ عزوجل کے نقص سے منزہ ہونے پر نہ تو کوئی عقلی دلیل قائم ہے اور
نہ خبر رسول صلعم سے ثابت ہے بلکہ صرف اجماع اس پر دلالت کرتا ہے۔ تو خود تمہارے اپنے
کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کے لئے حکمت و تعلیل کا ماننا اس کے حق
میں نقص نہیں کیونکہ اس بات پر اجماع منعقد نہیں ہوا کہ اللہ سبحانہ کے افعال کیلئے حکمت اور علت
کا ہونا نقص ہے۔ اور اس نقص سے اللہ سبحانہ کا منزہ ہونا ضروری ہے۔ اور اگر تم اپنے زعم کے
مطابق اس امر کو اللہ سبحانہ کے حق میں عیب سمجھتے اور اس کو نقص کہتے ہو تو تمہارے کہنے سے
تو اس کی نفی پر اجماع منعقد نہیں ہو جائیگا۔ اگر تم یہ شبہ پیش کرو کہ امت محمدیہ نے اللہ سبحانہ کے
نقص سے منزہ ہونے پر اجماع کیا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کے افعال کیلئے حکمت و تعلیل کا ہونا
اس کے حق میں نقص ہے لہذا اس سے منزہ ہونے پر اجماع ثابت ہوا۔ تو ہم یہ کہینگے کہ بیشک
امت محمدیہ نے اللہ سبحانہ کے نقص سے منزہ ہونے پر اجماع کیا ہے لیکن اس بات کو ہم
تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کے لئے حکمت و تعلیل کا ہونا نقص ہے تاکہ اس سے
منزہ ہونے پر بھی اجماع ثابت ہو۔ یہی متنازع فیہ مسئلہ ہے جو اس کے اثبات کے قائل
ہیں وہ اس کو نقص نہیں کہتے بلکہ انکے نزدیک یہ عین کمال اور اس کی نفی کرنا نقص ہے پس
ہم پانچویں جواب میں یوں کہہ سکتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کیلئے حکمت کا ثابت ہونا
اس کے حق میں ایک کمال ہے اور اسکی نفی کرنا اس کے لئے نقص ہے۔ اور امت محمدیہ کا
اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ سبحانہ نقائص سے منزہ ہے لہذا حکمت کی نفی سے بھی منزہ ہے۔
بلکہ اس عیب یعنی افعال کے خالی از حکمت ہونے سے اللہ سبحانہ کا منزہ ہونا ایک ایسا بدیہی یقینی

مسئلہ ہے کہ جو دمخترقہ کی فطرت اس پر شاہد ہے پس اگر اللہ سبحانہ کے افعال غایات محمودہ اور حکمتوں
سے خالی ہوں۔ تو اس کے حق میں نقص لازم آتا ہے اور یہ محال ہے۔ حکمت تعلیل کے نفی کرنے پر نقص کا
لازم آنا علوم بدیہیہ میں سے ہے جس پر عقل و فطرت شاہد ہیں ۔ لہٰذا چھٹے جواب میں ہم یوں کہتے ہیں
کہ اللہ سبحانہ کے حق میں نقص جائز ہے یا محال اگر جائز ہے تو تمہاری دلیل باطل ہو گئی۔ اور اگر محال ہے
تب بھی تمہاری دلیل باطل ہے۔ کیونکہ حکمت و تعلیل کا نہ ہونا اللہ تعالیٰ کے حق میں نقص ہے ۔

ساتواں جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے نقص سے منزہ ہونے پر عقل اور نقل دونوں شاہد ہیں۔ اور
نیز یہ دونوں اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے اور نقص وہ چیز
ہے جو صفات کمال اور منافی کے خلاف ہے۔ پس علم۔ قدرت۔ حیات۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر۔ کلام یہ سب
صفات کمال ہیں اور ان کے اضداد نقص ہیں۔ پس اللہ سبحانہ کا ان کے اضداد سے منزہ ہونا ضروری
ہے ورنہ کمال میں نقص لازم آئیگا۔ اور وہ چیز جو اللہ سبحانہ کو محبوب ہو اس کا اس وقت میں اور اس
وجہ پر حاصل ہونا جس وقت اور جس طور پر اس کا حاصل ہونا مطلوب ہو یہ بھی اس کے لئے کمال ہے
مگر اس کا عدم قبل وجود نقص نہیں کیونکہ اس وقت سے پہلے اس کا وجود مطلوب و محبوب نہ تھا ۔

آٹھواں جواب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ جس کمال کا اللہ سبحانہ مستحق ہے کیا وہ ممکن ہے یا محال ہے
اگر ممکن ہے تو یہ بیشک مسلم ہے اور اگر محال ہے تو یہ قطعاً باطل ہے اور تمہارا یہ کہنا کہ حادث کا اپنے
وجود کے وقت سے پہلے موجود ہونا ممکن ہے یہ کس طرح صحیح ہے بلکہ حادث کا وجود ازل میں
ممتنع ہے اور اس کا عدم نقص نہیں ۔

نواں جواب یہ ہے کہ نفس عدم کا عدم نقص اور خلاف کمال نہیں کیونکہ ممتنع کوئی شئے موجود فی الخارج
نہیں۔ اور جو چیز کہ خارج میں موجود ہو اس کا عدم کوئی نقص نہیں کیونکہ اس کا وجود اگر اس طرح مقدر
ہے کہ وہ بتدریج شیئاً بعد شئے پیدا ہو تو ازل میں اس کا موجود ہونا محال ہے پس ازل میں اس کا
موجود نہ ہونا کوئی نقص نہیں بلکہ کمال یہ ہے کہ وہ اپنے وجود کے وقت موجود ہو ۔

دسواں جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی چیزوں کو بعد اس کے کہ وہ موجود نہ تھیں پیدا کیا
ہے جیسے کہ دنیا میں شب و روز حادث ہونیوالی چیزیں اس پر شاہد ہیں۔ یہ مقدمہ ایسا یقینی ہے
کہ جو فلاسفہ فلک کو قدیم مانتے ہیں وہ بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں۔ اور وہ یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے
ان حوادث عالم کو فلک کے ذریعہ اور واسطہ سے پیدا کرتا ہے تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ ان چیزوں کا
پیدا کرنا اللہ سبحانہ کے لئے صفت کمال ہے یا نہیں۔ اگر ان کا پیدا کرنا صفت کمال ہے

تو پہلے یہ صفت کمال اللہ تعالے لئے ثابت موجود نہ تھی تو اس طرح اللہ تعالے کی ذات میں نقص لازم آیا۔ اور اگر یہ صفت کمال نہیں بلکہ موجب نقص ہے تو انکے پیدا کرنے سے اللہ تعالے نے نقص کے ساتھ موصوف ہوا۔ اور اگر تم اس کا یہ جواب پیش کرو کہ ان چیزوں کا پیدا کرنا نہ صفت کمال ہے اور نہ صفت نقصان تو ہم یہ کہینگے۔ کہ ہم بھی حکمت اور تعلیل کے متعلق یہی کہہ سکتے ہیں۔ اور تمہاری دلیل باطل ہوگئی کہ اس سے اللہ تعالے کی ذات میں نقص لازم آتا ہے۔ یہ الزامی جواب ہے۔ اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی نسبت یوں کہنا کہ حوادث کا پیدا کرنا اسکے لئے نہ صفت کمال ہے نہ صفت نقصان یہ غلط اور ناجائز ہے کیونکہ اللہ سبحانہ جو کام کرتا ہے وہ اس پر مستحق حمد اور تعریف ہے اور جو صفات اس کے ساتھ قائم ہیں وہ اسکے لئے صفت کمال ہیں اور انکے اضداد اس کے لئے موجب نقص ہیں ؛

اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ فاعل افعال ہونا اللہ سبحانہ کیلئے صفت کمال ہے یا نہیں۔ جمہور اہل اسلام کا یہ قول ہے کہ یہ صفت کمال ہے اور ایک گروہ یعنی اکثر اشعریہ کا یہ قول ہے کہ فاعل افعال ہونا اللہ سبحانہ کیلئے نہ صفت کمال ہے اور نہ صفت نقصان پس اگر فریق مخالف اشعریہ کے اس قول کو اعتبار کرے تو ہم اسکو دو طرح سے جواب دے سکتے ہیں۔ اول یہ کہ جو شخص کسی چیز کو پیدا کر سکے۔ و بنا سکے وہ اس شخص کی نسبت ضرور کامل سمجھا جاتا ہے جو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتا۔ اور نہ بنا سکتا ہے یہ بات بالکل ظاہر اور اس پر بداہت عقل شاہد ہے۔ اس کے علاوہ یہ مطلب نص قرآنی سے ثابت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (تو کیا جو (خدا اتنی مخلوقات) پیدا کرے وہ ان (بتوں) کے برابر ہوگیا جو (کچھ بھی) نہیں پیدا کر سکتے) اس آیت میں استفہام انکاری ہے اور اس میں ان لوگوں پر رد کیا گیا ہے جو خالق اور غیر خالق میں مساوات سمجھتے تھے۔ اس آیت سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خالق غیر خالق سے اکمل ہے۔ خالق کا غیر خالق سے اکمل و افضل ہونا ایسا امر ہے جو فطرت انسانی میں مرکوز ہے جیسا کہ عالم کا جاہل سے اور قادر کا عاجز سے اور سمیع و بصیر کا بہرے اور اندھے سے افضل و اکمل ہونا ظاہر و بدیہی ہے۔ ایسا ہی خالق کا غیر خالق سے افضل و اکمل ہونا ظاہر اور روشن ہے۔ اور چونکہ یہ امر بنی آدم کی فطرت میں داخل تھا۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ نے اس کو اپنی توحید کا ذریعہ بنایا۔ اور اپنے بندوں کو عقل اور سمع و بصر عطا کرنے سے ان پر اپنی حجت کو پورا کیا ؛

نیز اللہ تعالی نے فرمایا ہے ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَ

مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا هَلْ يَسْتَوٗنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ
كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ
وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ایک مثال خدا بیان فرماتا ہے (کہ) ایک غلام ہے دوسرے کی ملک
کسی بات کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک دوسرا شخص ہے جو خود مختار ہے جس کو ہم نے اپنی سرکار سے
اچھی (معقول) روزی دے رکھی ہے وہ اس میں سے چھپے چھپائے اور کھلے (غرض جس طرح چاہتا
ہے) خرچ کرتا ہے کیا (ایسے دو شخص) برابر ہو سکتے ہیں (یہ مثال سنکر مشرکین ضرور بول اٹھینگے کہ نہیں
برابر ہو سکتے تو اے پیغمبر تم ان سے کہو الحمد للہ (کہ تم کو اتنی تو سمجھ ہے) مگر ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ)
ان میں بہتیرے (اتنا بھی) نہیں سمجھتے اور خدا (ایک دوسری) مثال دیتا ہے (کہ) دو آدمی (ہیں)
ان میں کا ایک گونگا اور گونگا ہونے کے علاوہ پرایا غلام کہ خود کچھ نہیں کر سکتا اور (گونگا ہونے
کی وجہ سے) وہ اپنے آقا کا بار خاطر ہے کہ جہاں کہیں اس کو بھیجے اس سے کچھ بن ٹھیک نہیں بن
آتا کیا ایسا غلام اور وہ شخص (دونوں) برابر ہو سکتے ہیں جو (لوگوں کو) عدل و اعتدال پر قائم رہنے کو کہتا اور خود
بھی (اعتدال یعنی انصاف کے) سیدھے رستے پر (قائم) ہے، وقال تعالیٰ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ
يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (کہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے بھی برابر ہوتے ہیں) و
قال تعالیٰ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا
الْحَرُوْرُ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ (اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہو
سکتے) اور نہ تاریکی اور روشنی اور نہ چھاؤں اور دھوپ اور نہ زندے اور مردے) وقال تعالیٰ
مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ
(کافروں اور مسلمانوں کے) دو فریقوں کی مثال اندھے اور بہرے اور آنکھوں والے اور سننے والے
کی سی ہے کیا دونوں کی حالت یکساں ہو سکتی ہے؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟) جب نصوص قرآنی سے
ثابت ہوا کہ خالق اور غیر خالق یکساں اور مساوی نہیں تو اب جو شخص خالقیت اور عدم خالقیت
کو مساوی ٹھیرائے اور اسکے وجود کو کمال اور عدم کو نقصان نہ سمجھے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حجج اور
اس کی توحید کے ادلہ کو باطل اور بیکار سمجھتا ہے اور ایسی چیزوں کو جن کے درمیان اعلیٰ درجے کا
تفاوت موجود ہے یکساں خیال کرتا ہے +

لہذا ہم گیارھویں جواب میں یوں کہتے ہیں کہ جب تمہارے نزدیک حوادث کا پیدا کرنا اور نہ پیدا

کو نا اور خلق اور عدم خلق اللہ تعالےٰ کی نسبت دونو یکساں ہیں اور پھر حوادث کو انکے عدم کے بعد پیدا کیا ہے تو اسی طرح ہم حکمت اور علت کی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کے افعال ایسی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں کہ جس کا وجود اور عدم باری تعالےٰ کی نسبت دونوں یکساں ہیں۔ با جود یکہ اللہ تعالےٰ کے افعال کے لئے حکمت اور مصلحت کا ہونا تو عقل بھی تسلیم کرتی ہے۔ اور تم نے جو تنا لنسبت اور عدم تناقض میں مساوات سمجھ رکھی ہے اس کو عقل نہیں مانتی۔ تم حوادث حوادث اور انکے عدم کو اللہ تعالےٰ کی نسبت یکساں سمجھتے اور آسکے افعال کو اس سے منفصل اور جدا سمجھتے ہو تو اسکی وجہ تمہارے نزدیک یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کو اس کے ساتھ قائم ماننے سے دو خرابی لازم آتی ہے ایک اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ حوادث کا قائم ہونا۔ دوسرا لزوم تسلسل تو ہم کہتے ہیں کہ حکمت اور مصلحت کو بھی اسی طرح اللہ کی ذات سے جدا اور منفصل مان لو۔ اور جو شبہ تم علت اور معلول کے متعلق پیش کرتے ہو وہی شبہ اللہ تعالےٰ کے افعال کی نسبت تم پر وارد ہو سکتا ہے ؛

بارھواں جواب یہ ہے کہ عقل صراحۃً اس بات کا حکم کرتی ہے۔ کہ جس شخص کے فعل کے لئے کوئی حکمت اور غایت مقصودہ نہ ہو وہ اس شخص کی نسبت ضرور ناقص ہے جس کے افعال کے لئے ایسی حکمتیں اور مصالح ہوں۔ جو افعال کے وجود سے پہلے معدوم ہوں اور اس وقت موجود ہو جائیں کہ جب وہ اپنے علم و حکمت کے مطابق ان افعال کو پیدا کرنا چاہے۔ پس کوئی صاحب عقل یہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کے لئے حکمت اور مصلحت کا ہونا اُسکے نقص کو مستلزم ہے اور اُسکے افعال کے بدون حکمت و مصلحت ہونے میں کوئی نقص نہیں ؛

تیرھواں جواب یہ ہے کہ منکرین حکمت و تعلیل کا قول ہے کہ اللہ سبحانہ بغیر کسی حکمت و مصلحت کے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اُنکے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ ہر امر ممکن کو اللہ سبحانہ کر سکتا ہے یہاں تک کہ شرک۔ کذب۔ ظلم اور فواحش کا امر اور توحید۔ صدق۔ عدل اور عفت سے نہی کر سکتا ہے تو اب ہم کہتے ہیں کہ جب تمہارے نزدیک جائز ہے کہ اللہ سبحانہ ان کاموں کو کر سکتا ہے۔ اور انکے ارادہ کرنے میں کوئی نقص نہیں تو ان میں بھی کوئی نقص نہ ہوا۔ اس پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمہارا یہ مقدمہ کلیہ کہ جو شخص کسی کام کو کسی غرض کے لئے کرے وہ بدوں اُس غرض کے ناقص ہوتا ہے۔ کلی طور پر ہم تسلیم نہیں کرتے اور اُس کو کلی طور پر نہ ماننا ایسا ہی ہے جیسا کہ تم اس مقدمہ کلیہ کو کہ جو شخص جاہلوں۔ ظالموں اور مفسدوں کا اکرام اور اہل علم۔ منصفین اور نیکوکار لوگوں کی اہانت کرے

وہ سفیہ اور ظالم ہوتا ہے تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ہمارا یہ قول ہے کہ اللہ سبحانہ ایسا کرسکتا ہے اور وہ ایسا
کرنے پر ظالم اور سفیہ نہیں ہوگا۔ تو جس طرح تم اس مقدمہ کلیہ کو نہیں مانتے اسی طرح ہم تمہارے اس
مقدمہ کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کا تسلیم نہ کرنا اس کے تسلیم کرنے سے اولی ہے۔ اسکے علاوہ جس طرح
تم اس مقدمہ کلیہ کو نہیں مانتے کہ جو شخص اپنے غلاموں اور کنیزوں کو انکی مرضی پر چھوڑ دے کہ وہ ایک
دوسرے کے ساتھ بدکاری کریں اور ایک دوسرے کو قتل کر ڈالیں۔ اور وہ انکو اپنے کاموں سے
روک بھی سکتا ہو اور پھر انکو منع نہ کرے تو وہ سفیہ اور نادان شمار ہوگا۔ مگر تمہارے نزدیک خدا تعالے
نے ایسا کیا ہے اور وہ اس قضیہ کلیہ سے مستثنی ہے۔ اسی طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمہارا مقدمہ بھی
کلی طور پر مسلم نہیں اسکی کلیت باطل اور منتقض ہے ؛

چودہواں جواب یہ ہے کہ اگر ہم تسلیم کریں کہ اللہ تعالے کا استکمال بالغیر لازم آتا ہے تو اس پر
ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ امر جس سے اللہ تعالے کا استکمال لازم آتا ہے منجملہ ان حوادث کے ہوگا۔ جو
اللہ تعالے کے ارادہ میں داخل ہیں اور جس حادثہ سے اللہ تعالے کا ارادہ متعلق ہو وہ منکرین حکمت
وتعلیل کے نزدیک قبیح نہیں کیونکہ ان کے نزدیک قبیح وہی ہے جو امر یا نہی کے مخالف ہو۔ اور اللہ سبحانہ
پر کسی کا حکم نہیں تا کہ کہا جائے کہ اللہ تعالے نے کسی امر یا نہی کا خلاف کیا۔ پس انکے نزدیک اللہ سبحانہ
ممکنات میں سے کسی چیز سے سوائے ان چیزوں کے کہ جن کے نہ ہونے کی خبر دی ہے منزہ نہیں
اور وہ چیزیں جنکے نہ ہونے کی خبر دی ہے انکے وجود سے اسکو اسلئے منزہ کہتے ہیں کہ ان کا ہونا
اسکی حکمت کے خلاف ہے۔ اور انکے نزدیک قبیح وہ محال چیز ہے جو اللہ کی قدرت میں داخل نہ
ہو۔ اور جو چیز اسکی قدرت میں داخل ہو وہ قبیح نہیں اور نہ انکے نزدیک کسی نقص کو مستلزم ہو۔ اور اس جواب کا
خلاصہ پندرہواں جواب یہ ہے کہ جتنے محذور اور استحالے اللہ سبحانہ کے افعال کے لئے حکمت اور
مصلحت ماننے پر لازم آتے ہیں۔ ان سے زیادہ اسکے افعال کو خالی از حکمت کہنے پر لازم آتے ہیں
پس اگر یہ محذور تمہارے نزدیک جائز ہیں تو وہ محذور جو حکمت ماننے پر لازم آتے ہیں بطریق اولی
جائز ہونگے۔ اور اگر وہ استحالات جو حکمت کا وجود تسلیم کرنے پر لازم آتے ہیں ناجائز ہیں تو جو استحالات
اس کی نفی کرنے پر لازم آتے ہیں وہ بھی ضرور ناجائز ہونگے ؛

سولھواں جواب حی عالم صاحب اختیار کا کوئی فعل بغیر کسی غایت مطلوب اور غرض مقصود کے
صادر ہونا خلاف عقل بلکہ محالات میں سے ہے اور اسی واسطے مجنون نائم اور زائل العقل شخص کے افعال
بغیر کسی غایت اور غرض مقصود کے صادر ہوا کرتے ہیں کیونکہ کوئی صاحب ارادہ بغیر کسی مصلحت اور

غایت کے کسی کام کا ارادہ نہیں کرتا۔ اور جب کسی کام کی مصلحت نفع اور غایت کو معلوم کر لیتا ہے تب اُس کے قلب میں اُس کام کا ارادہ پیدا ہوتا ہے اور جب کسی کام کی مصلحت معلوم نہ ہو اور نہ اُس کے کرنے کے لئے کوئی غرض صحیح اور داعی موجود ہو تو ایسے فعل کا صدور عبث سمجھا جاتا ہے۔ تمام عقلا اس بات کے قائل ہیں۔ غرض احکم الحاکمین کے افعال سے حکمت اور غایت کی نفی کرنا اُس کے افعال اختیاری کا انکار ہے جو اللہ سبحانہ کی ذات کے لئے بھاری نقص ہے۔ یہ مضمون پہلے بھی گذر چکا ہے۔ آئندہ توفیق اللہ تعالے کے اختیار میں ہے۔

فصل۔ منکرین حکمت و تعلیل نے ان جوابات کے سننے کے بعد کہا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ہم نے جو شبہے کے ضمن میں حکمت و تعلیل کی نفی پر دلیل قائم کی تھی وہ باطل ہو گئی۔ مگر ایک دلیل کے باطل ہونے سے دعوے کا بطلان لازم نہیں آتا پس ہم مذکورہ بالا دلیل کے علاوہ ایک دوسری دلیل بیان کرتے اور یوں کہتے ہیں۔ کہ اگر اللہ تعالے کے افعال معلل بالعلۃ ہوں تو وہ علت اگر قدیم ہو تو اُس کے قدم سے افعال کا قدم لازم آئیگا اور افعال کا قدم محال ہے۔ اور اگر حادث ہو تو اُسکے ایجاد میں اللہ تعالے ایک دوسری علت کیطرف محتاج ہوگا کیونکہ یہ ایجاد بھی اللہ تعالے کا ایک فعل ہے اور اُس کا ہر فعل معلل بالعلۃ فرض کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالے کا اپنے فعل میں کسی چیز کی طرف محتاج ہونا محال ہے۔ اور کسی اہل عرفان کے اس مقولہ کا کہ "ہر چیز کی علت اُس کی صنعت ہے اور اُس کی صنعت کے لئے کوئی علت نہیں" یہی مطلب ہے۔ منکرین حکمت و تعلیل کہتے ہیں کہ ہم اسی دلیل کو ایک دوسری بسیط تقریر سے بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالے کے افعال کیلئے کوئی حکمت اور علت ہو تو وہ علت یا قدیم ہوگی یا حادث اگر قدیم ہو تو اس کے قدم سے یا تو فعل کا قدم لازم آئیگا یا نہیں۔ اگر فعل کا قدم لازم آئے تو یہ محال ہے۔ اور اگر فعل کا قدم لازم نہ آئے اور فعل کے وجود سے اُس کا وجود نہ ہو تو وہ حکمت اُس فعل سے حاصل نہ ہوئی کیونکہ حکمت تو پہلے سے موجود تھی اور فعل کا وجود بعد میں ہوا۔ اور جو فعل کہ حکمت کا وجود اُس پر موقوف نہ ہو اُس کا حصول ایسی حکمت پر موقوف نہیں ہو سکتا یعنی ایسی حکمت فعل کی علت اور غایت نہیں ہو سکتی جو فعل کے وجود سے پہلے موجود ہو۔ اور یہی ہمارا مطلوب ہے اور اگر وہ حکمت اور علت فعل کے حادث ہونے پر موجود اور پیدا ہو تو وہ دو حال سے خالی نہیں ہو سکتی اول یہ کہ وہ کسی فاعل کیطرف محتاج ہو۔ دوم یہ کہ کسی فاعل کی طرف محتاج نہ ہو۔ اگر محتاج نہ ہو تو حادث کا حدوث بغیر فاعل لازم آئیگا۔ اور یہ محال ہے اور اگر کسی فاعل کیطرف محتاج ہو تو وہ فاعل یا تو اللہ سبحانہ کی ذات ہے یا کوئی دوسرا شخص اللہ تعالے کے سوا کسی دوسرے شخص کا فاعل ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا خالق نہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ہو تو اس وقت ہم کہیں گے کہ اس علت کے پیدا کرنے کے لئے بھی کوئی غایت، علت اور غرض ہے یا نہیں۔ اگر اس کے لئے بھی کوئی علت ہے۔ تو اس کی نسبت بھی اسی طرح کلام کیا جائے گا۔ اور اسی طرح دیگر ہر علت کے پیدا کرنے کے لئے دوسری علت مانی جائے گی تو تسلسل لازم آئیگا اور یہ محال ہے اور اگر اس علت کے پیدا کرنے کے لئے کوئی علت اور غایت نہیں تو ہمارا دعوے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فعل یعنی علت کو پیدا کرنا بغیر کسی غرض اور غایت کے صادر ہوا اور یہی مطلوب تھا۔ اور اگر کوئی شخص یہ جواب پیش کرے کہ اس علت کے پیدا کرنے کے لئے غرض اور علت ہے۔ مگر وہ اس غرض کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں بلکہ خود ہی علت اس کے پیدا کرنے کی غرض اور غایت ہے۔ اور اس صورت میں نہ تو تسلسل لازم آتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے فعل کا حکمت اور غایت سے خالی ہونا لازم آتا ہے تو اس کا جواب ہم یہ دے سکتے ہیں کہ اس طرح تو کسی مخلوق کے پیدا کرنے کے لئے کسی دوسری غرض و غایت کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہر ایک چیز کی نسبت یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے کی غرض و غایت خود اس چیز کی ذات ہے اور ہمارا یہی دعویٰ ہے ہماری یہ دلیل ظاہر۔ باہر اور ہماری غرض اور مطلوب کے ثبوت کیلئے کافی اور وافی ہے۔ مثبتین حکمت اور تعلیل اسکے جواب میں کہتے ہیں کہ تمہاری یہ دلیل چند وجوہ سے باطل ہے۔ اور کئی طرح سے ہم اس کا جواب دے سکتے ہیں۔

جواب اول یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فعل یا تو بشخصہ یعنی فی نفسہٖ قدیم ہوگا یا اس کی نوع قدیم ہوگی۔ اگر وہ فعل بشخصہ قدیم یا اس کی نوع قدیم ہے تو وہ حکمت جس کے لئے اس فعل کا صدور ہوا ہے۔ وہ بھی بشخصہ قدیم یا اس کی نوع قدیم ہوگی۔ اور اگر وہ فعل بشخصہ قدیم یا اس کی نوع قدیم نہیں۔ بلکہ وہ فعل بشخصہ حادث یا اس کی نوع حادث ہے تو وہ حکمت اور غایت بھی بشخصہ حادث یا اس کی نوع حادث ہوگی۔ غرض حکمت فعل کے مطابق ہوگی۔ اگر فعل کا قدیم ہونا ممکن ہے تو حکمت بھی قدیم ہو سکتی ہے۔ اور اگر فعل قدیم نہیں ہو سکتا بلکہ وہ حادث ہے تو حکمت بھی حادث ہوگی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں اُن چیزوں کی خالقیت اور تکوین کے ساتھ موصوف ہے جو کہ ابھی تک موجود نہیں ہوئیں۔ اُن کا قول ہمارے اس قول کے موافق ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل قدیم ہے گو وہ افعال ابھی تک موجود نہ ہوئے ہوں جس طرح کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو ازل میں اُن چیزوں کی نسبت مرید کہتے ہیں جو ابھی تک موجود نہیں

ہذیل۔ غرض ہمارا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ کا فاعل قدیم ہے۔ ان لوگوں کے اس قول کے موافق ہے۔ کہ
اللہ تعالیٰ کا مرید قدیم ہے۔ تو اس بناء پر ہم یہی یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ حکمت ہے کہ جس کے لئے فعل کا ارادہ
اور صدور ہوتا ہے وہ بھی قدیم ہے اور اس معنی پر حکمت کے قدیم ہونے سے فعل کا قدم لازم نہیں آتا۔
جیسا کہ ارادہ اور صفت خالقیت و تکوین کے قدیم ہونے سے مراد مخلوق اور مکوّن کا قدم لازم نہیں
آتا پس ہمارا حکمت کو قدیم اور فعل کو حادث ماننا ایسا ہی ہے جیسا کہ تم ارادہ اور تکوین کو قدیم اور مراد اور
مکوّن کو حادث مانتے ہو۔ اور جو اعتراض ہم پر قائم کیا جاتا ہے وہی اعتراض تم پر قائم ہوتا ہے پس اس
اعتراض کا جواب جو کچھ تم بیان کرو گے وہی جواب بعینہٖ ہم پیش کر سکتے ہیں اور یہ جواب کسی فریق کے
اصول کے خلاف نہیں کیونکہ فلاسفہ میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے فعل یعنی اشخاص مفعول و مخلوق
کو قدیم کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کو بھی قدیم مانتے ہیں۔ اور ان میں سے جو لوگ اشخاص
افعال کو حادث اور ان کی نوع کو قدیم کہتے ہیں وہ حکمت کو بھی اسی طرح مانتے ہیں اور جو لوگ افعال کی نوع کو
حادث اور انکو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم مانتے ہیں وہ حکمت کو بھی حادث قرار دیتے ہیں۔ بہت سے اہل عقل اسی کے
قائل ہیں غرض اللہ تعالیٰ کے افعال کیلئے حکمت کو ثابت کرنا کسی فریق کے اصول کے خلاف نہیں ؀

تیسرا جواب۔ تمہارا یہ قول ہو کہ اللہ تعالیٰ نے علت کے پیدا کرنے میں ایک دوسری علت کا
محتاج ہوگا۔ مسلّم نہیں یہ تب لازم آئے کہ جب ہر حادث کے لئے علت کا ہونا ضروری ہو اور ہم
اس بات کے قائل نہیں بلکہ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ اُسکے افعال کے لئے علت ضروری ہے۔ دیکھو
مفعول لہ بذاتِ خود فاعل کا مطلوب اور مراد ہوتا ہے یہ نہیں کہ اُسکے لئے کوئی دوسری علت اور
غایت ہوتی ہے بلکہ جو چیز مراد اور مطلوب ہوتی ہے اسکی دو صورتیں ہیں کبھی وہ چیز بذاتِ خود مطلوب
ہوتی ہے اور کبھی دوسری چیز کے حصول کے لئے اور جو چیز کسی دوسری چیز کے حصول کے لئے
مطلوب ہو۔ آخر اُس کا سلسلہ مطلوب بذاتہٖ پر ختم ہو جاتا ہے اور تسلسل جاری نہیں ہوتا۔ اور
یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو خالق بالاسباب کہتے ہیں کہ ایک چیز کو ایک سبب کے
ذریعہ سے پیدا کرتا ہے اور اُسکو ایک دوسرے سبب کے ذریعہ سے اور آخر میں ایسی چیز پر سلسلہ
ختم ہو جاتا ہے کہ اس کے لئے اسکی مشیت کے سوا اور کوئی سبب نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک چیز کو ایک
حکمت کے لئے پیدا کرتا ہے اور اُس حکمت کو ایک دوسرے حکمت کے لئے یہاں تک کہ اُس حکمت
پر سلسلہ ختم ہو جاتا ہے کہ اُس کے لئے کوئی حکمت نہیں ہوتی ؀

چوتھا جواب منکرین حکمت و تعلیل کا قول ہے کہ ہر مخلوق لذاتہٖ مراد ہے۔ تو اس پر ہم یہ کہہ سکتے

ہیں کہ جائز ہے کہ بعض مخلوق بغیرہ مراد ہوں اور یہ سلسلہ مراد لذاتہ پر ختم ہو جائے۔ بلکہ ہر مخلوق کو مراد لذاتہ کہنے سے یہ اچھا اور بہتر ہے۔ اور اسی طرح سبا یسلہ مراد بعض احکام بغیرہ مطلوب اور مراد ہو سکتے ہیں اور یہ سلسلہ بالآخر حکم پر ختم ہو جائے جو لذاتہ مراد و مطلوب ہو ۔

پھر اگر جواب یوں لکھتے ہیں کہ تمہاری تقریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کیلئے حکمت ثابت کرنے پر تسلسل لازم آتا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ تسلسل کی کونسی قسم لازم آتی ہے تسلسل محال یا تسلسل جائز اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تسلسل محال لازم آتا ہے تو ہم تسلسل کے لزوم کو تسلیم نہیں کرتے اور اگر تسلسل جائز لازم آتا ہے تو اس میں کوئی خرابی نہیں کیونکہ حوادث و آثار مستقبلہ میں تسلسل صرف ممکن نہیں بلکہ ضروری اور واجب ہے۔ البتہ افعال و آثار ماضیہ میں دو قول ہیں سلسلہ علل اور فاعلین میں باتفاق اہل عقل تسلسل محال ہے یعنی یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ ایک چیز کیلئے ایک دوسری چیز علت اور فاعل ہو اور پھر اس علت اور فاعل کیلئے ایک دوسری علت اور فاعل ہو اور اسی طرح ہر علت اور فاعل کیلئے ایک دوسری چیز علت اور فاعل ہو اور یہ سلسلہ کہیں ختم نہ ہو اور یہ جائز ہے کہ ایک فاعل جو قدیم اور ابدی ہو اس سے ابد اور ازل میں غیر متناہی افعال صادر ہوں۔ اس میں کوئی استحالہ نہیں۔ جب یہ معلوم ہو چکا تو اب ہم کہتے ہیں کہ وہ حکمت کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کسی فعل کا قصد کیا ہو وہ اس فعل کے بعد موجود ہو گی۔ اور پھر اس حکمت کے پیدا کرنے کے لئے اور حکمت ہوگی اور اس طرح ہر حکمت کے لئے دوسری حکمت ماننے پر غیر متناہی حوادث کا وجود لازم آئیگا اور اس میں کوئی خرابی نہیں کیونکہ یہ صرف ممکن اور جائز نہیں بلکہ باتفاق اہل اسلام واجب اور ضروری ہے۔ اس میں صرف چند اہل بدعت جہمیہ اور معتزلہ مخالف ہیں ورنہ سب اہل اسلام اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ اس بنا کر تو غایت مطلوبہ کبھی حاصل نہ ہوگی۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ غایت مطلوبہ ہمیشہ حاصل رہیگی۔ اور یہ بات عقلی دلیل سے ثابت ہے دیکھو کہ ایک آدمی کسی کام کو ایک غرض اور مطلب کے لئے کرتا ہے اور اس مطلب کے حاصل ہونے پر ایک دوسری غرض پیدا ہو جاتی ہے جس کے لئے دوسرا کام کرتا ہے۔ اور اس کے موجود ہونے پر ایک اور مطلب دل میں آجاتا ہے اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اور اگر آدمی کا ہمیشہ زندہ اور باقی رہنا متصور ہوتا تو یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا اور اس کے مطالب یکے بعد دیگرے حاصل اور پیدا ہوتے رہتے اور اللہ سبحانہ کا یہی کمال ہے کہ اس کی ذات ہمیشہ دائم و باقی ہے اور باوجودیکہ وہ تمام ماسوا سے پورا غنی اور بے نیاز ہے۔ اور سب مخلوق من کل الوجوہ اسکی

محتاج ہے مگر اُنکے ساتھ احسان کرنے اور اُن پر رحمت فرمانے کے لئے ہمیشہ طرح طرح کی چیزیں پیدا کرتا اور مختلف افعال واحکام صادر فرماتا ہے۔ اور اس صفت کا نہ ہونا اللہ سبحانہ کی ذات مقدس کے لئے نقص ہے۔ مخلوق پر رحم اور اُنکے ساتھ احسان کرنا اُسکے لوازم ذات سے ہے اپنی مخلوق پر رحم اور اُنکے ساتھ احسان کرنا۔

اُس نے اپنی ذات پر مقرر کرلیا ہے۔ وہ رحیم اور محسن ہے۔ اور محض اپنی رحمت اور احسان سے اپنے بندوں کو اُن کاموں کی بجا آوری کا حکم دیا ہے جو اُسے محبوب و پسند ہیں۔ لیکن اُن اشیاء و افعال میں جن کو اللہ سبحانہ کسی حکمت اور غایت مطلوب کے لئے پیدا کرتا ہے۔ اور اُن کاموں میں جن کی بجا آوری کا حکم اپنے بندوں کو دیتا ہے اس قدر فرق ہے کہ پہلے قسم کو تو خود پیدا اور صادر کرتا ہے اور ان کا وجود ضروری ہے اور دوسرے قسم کا صدور اپنے بندوں سے کرانا چاہتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے جن چیزوں کے خلق اور پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اُنکو تو پیدا کر دیتا ہے اور جن کاموں کے ساتھ اپنے بندوں کو امر فرمانیکا ارادہ ہو اُنکی بجا آوری کا اُن کو امر فرماتا ہے اور ابھی ان کاموں کی خلق اور تکوین نہیں ہوتی۔ اِسکی مثال یوں ہوسکتی ہے کہ کوئی ایک کام کے کرنے کا تو خود ارادہ کرے اور اُسے کرے اور ایک کام ایک دوسرے شخص کو کرنیکا حکم دے۔ تو ان دونوں میں بالکل ظاہر فرق موجود ہے۔ غرض سلسلہ خلق اور امر دو تو اللہ سبحانہ کے ہاتھ میں ہیں سلسلہ خلق اُسکے افعال ہیں اور سلسلہ امر اس کے وہ اقوال واحکام ہیں۔ جو بندوں کے افعال سے متعلق ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کبھی اپنے بندے کو ایک کام کے بجا لانیکا امر فرماتا ہے۔ اور پھر اُس کی بجا آوری میں خود اپنے بندے کی اعانت فرماتا ہے۔ تاکہ اس کام کی غایت اور حکمت حاصل اور اللہ تعالےٰ کے نزدیک اُس کام کی منظوری ظاہر ہو۔ اور کبھی کسی بندے کو کسی کام کا امر فرماتا اور اسکی بجا آوری میں اسکی اعانت نہیں کرتا تاکہ اللہ تعالےٰ کے امر فرمانے اور بندے کے بجا نہ لانے کی حکمت ظاہر ہو۔ امر تو اسلئے فرمایا تاکہ قیامت کو اُسکے لئے اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں حجت نہ رہے۔ اور وہ یوں نہ کہے کہ میرے پاس تو کوئی خبر دینے والا اور تیرے حکم بتانے والا نہیں آیا۔ اور اگر مجھے تیرا حکم معلوم ہوتا تو میں فی الفور اسکی اطاعت کرتا اور بجا لاتا۔ اور اُسکی اعانت اِسلئے نہیں کرتا کہ وہ اس نعمت کے لائق اور قابل نہیں ہوتا۔ اور اسکی حکمت کاملہ کا یہی مقتضی ہے۔ کہ وہ اپنی نعمت کو بے موقع صرف نہ کرے اور جو اس کے اہل ہوں اُن کو اُس سے محروم نہ رکھے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا (اور انکو پرہیزگاری کی بات پر جما رکھا اور

وہ اس کے سزاوار اور لائق بھی تھے) وقال تعالیٰ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ (کیا اللہ شکرگذار بندوں
کے حال) سے بخوبی واقف نہیں) وقال تعالیٰ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰہُ فِیْھِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَھُمْ (اور اگر
اللہ ان میں کچھ بھی بہتری پاتا تو ان کو سننے کی قابلیت ضرور عطا فرماتا) یہاں پر کوئی شخص یہ شبہ نہیں
کرسکتا کہ اللہ سبحانہ جب سب مخلوق کو ایسا بنا سکتا تھا کہ سب اس کی رحمت کے اہل اور لائق ہوتے تو پھر
سب کو یکساں کیوں نہیں بنایا اور نہ یہ شبہ کرسکتا ہے کہ سب کی صورت شکل عمر، رزق معیشت وغیرہ
جب یکساں بنا سکتا تھا۔ تو پھر ان میں متفاوت کیوں بنایا۔ اس قسم کے شبہے اس لئے فضول ہیں
کہ ہم پہلے بھی بیان کرچکے ہیں کہ اللہ سبحانہ کا اپنے بندوں کو متفاوت بنانا اس کی حکمت کاملہ کمال ملک
اور ربوبیت کا مقتضیٰ ہے۔ اس کی حکمت کا مقتضیٰ یہی ہے کہ سلسلۂ امر اور احکام میں تو سب کو
مساوی کردیا تاکہ کسی شخص کے لئے حجت باقی نہ رہے اور احکام کی بجاآوری میں اعانت کرنے میں
متفاوت کردئے جیسا کہ علوم، مراتب، عزت، غنی، حسن، وجاہت وغیرہ صفات میں اپنے بندوں
کو مختلف مدارج اور متفاوت حالات میں پیدا کیا ہے۔ اور اپنی مخلوق میں اس قسم کا تفاوت و
اختلاف پیدا کرنا اس کی حکمت کے ہرگز خلاف نہیں بلکہ یہ اسکے کمال حکمت کی ایک نہایت زبردست
دلیل ہے۔ اور اگر یہ تفاوت مراتب و اختلاف احوال نہ ہوتا۔ تو اس کے فضل و منت کا اظہار
کس طرح ہوتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ
قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا
مِّنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃً (مگر بھلے کو خدا نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں
میں عمدہ کر دکھایا ہے اور کفر اور خودسری اور نافرمانی سے تم کو نفرت دلا دی ہے یہی لوگ ہیں جو خدا
کے فضل و کرم سے نیک چلن ہیں) اور جو لوگ اس نعمت کے لائق ہیں اللہ تعالیٰ انکو خوب جانتا ہے
اور نیز نعمت کو مستحقین کے عطا فرمانے اور غیر مستحقین کو محروم رکھنے کی حکمت سے بھی پورا واقف
ہے۔ اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ یُؤْتِکُمْ
کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِہٖ وَیَغْفِرْ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ
لِّئَلَّا یَعْلَمَ اَھْلُ الْکِتٰبِ اَلَّا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ
اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچے
دل سے اُس کے پیغمبر (محمد) پر ایمان لاؤ کہ خدا اپنی رحمت میں سے تم کو دوہرا حصہ دے اور تم کو ایسا
نور عنایت کرے جس (کی روشنی) میں چلو اور تمہارے گناہ معاف فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(اور یہ تم سے اسلئے کہا جاتا ہے) کہ اہل کتاب یہ نہ سمجھیں کہ مسلمانوں کو خدا کے فضل پر کچھ بھی دسترس نہیں اور (نیز اسلئے کہا جاتا ہے) کہ فضل اللہ کے ہاتھ ہے جس کو چاہے عنایت کرے اور اللہ کا فضل بہت بڑا ہے) وقال تعالٰی هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (وہ خدا ہی تو ہے جس نے (عرب کے) جاہلوں میں ان ہی میں سے (محمد کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا کہ وہ ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو (کفر و شرک کی گندگی سے) پاک صاف کرتے اور ان کو کتاب (الٰہی) اور عقل (کی باتیں) سکھاتے ہیں ورنہ (اس سے) پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے اور (نیز خدا نے ان پیغمبر کو) اور لوگوں کی طرف (بھی بھیجا ہے) جو ابھی تک (ان عرب کے مسلمانوں) میں شامل نہیں ہوئے (مگر آخر کار ان میں آملینگے) اور خدا زبردست (اور) حکمت والا ہے (یہ پیغمبری) اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عنایت کرے اور اللہ کا فضل (بہت) بڑا ہے) وقال تعالٰی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (مسلمانو! تم میں سے کوئی اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے تو خدا کو اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں وہ) ایسے لوگ (لا) موجود کریگا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اس کو دوست رکھتے ہونگے مسلمانوں کے ساتھ نرم کافروں کے ساتھ کڑے اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑا دینگے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا (کچھ) باک نہیں رکھینگے یہ (بھی) خدا کا (ایک) فضل ہے جس کو چاہے دے اور اللہ (کی رحمت بڑی) وسیع (ہے) اور وہ سب کے حال سے) واقف ہے) اور نیز اللہ سبحانہ نے انبیاء کی طرف سے فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے یوں کہا، إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (کہ بیشک ہم تمہاری ہی طرح کے آدمی ہیں مگر خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (اپنا) فضل کرتا (اور اس کو خدمت پیغمبری سے سرفراز فرماتا) ہے) وقال تعالٰی وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ (اور یہ بھی کہتے ہیں کہ (ان) دو بستیوں (یعنی مکے اور طائف) سے کسی بڑے آدمی پر یہ قرآن کیوں نہ نازل

کہا گیا (اے پیغمبر) کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت (یعنی پیغمبری) کے تقسیم کرنے والے ہیں سو اس (دنیا کی) زندگی میں تو ان کی روزی ان میں ہم تقسیم کرتے ہیں اور ہم نے (دنیاوی) وجاہت کے اعتبار سے ان میں ایک کو ایک پر ترجیح دی ہے) اور اس حدیث میں جس میں مومنین اور یہود و نصاریٰ کی تمثیل بیان کی گئی ہے یوں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل کتاب سے فرمائیگا کیا میں نے تم پر کچھ ظلم کیا اور تمہارے عمل کا پورا بدلہ نہیں دیا وہ عرض کریں گے کہ رب العالمین تو نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا اور ہمارے کام کا پورا اجر عطا فرمادیا ہے اس پر اللہ سبحانہ فرمائیگا کہ کسی کو اُس کے عمل سے زیادہ اجر عطا کرنا یہ میرا فضل ہے۔ جسے میں چاہوں عطا کروں۔ وقال تعالیٰ: وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا (اور جو اللہ اور رسول کا کہا مانے تو ایسے ہی لوگ (جنت میں) اُن (مقبول بندوں) کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے (بڑے بڑے) احسانات کئے ہیں یعنی نبی اور صدیق اور شہید اور (دوسرے) نیک بندے اور یہ لوگ (کیا ہی) اچھے ساتھی ہیں یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ ہی کا جاننا بس کرتا ہے) یعنی اللہ سبحانہ کو اس بات کا علم ہے کہ کون شخص اُس کے فضل کے لائق اور صالح ہے اور کون شخص اُسکے لئے لائق اور سزاوار نہیں اور وہ اپنا فضل اسی کو عطا فرماتا ہے جو اسکے لئے لائق اور صالح ہو اور جو اسکے لئے لائق اور سزاوار نہ ہو اُس کو اپنے فضل سے محروم رکھتا ہے۔ اس مضمون کی آیات قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض بندوں کو اپنی بعض نعمتوں کے ساتھ مخصوص کرنا یہ اُس کا فضل اور رحمت ہے۔ پس اگر سب بندوں کو ہر ایک چیز میں مساوی پیدا کرتا تو اُس کے فضل نعمت اور رحمت کی قدر کہاں معلوم ہوتی۔ اس کے علاوہ اس تخصیص میں اور بھی کئی حکمتیں موجود ہیں اسی میں منحصر نہیں۔ امام احمدؒ کی کتاب الزہد میں مذکور ہے کہ موسیٰؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار تو نے سب بندوں کو یکساں کیوں نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰؑ میں نے یہ چاہا کہ لوگ میری نعمتوں کا شکر کریں۔ غرض منکرین حکمت و تعلیل جن امور کی وجہ سے حکمت کا انکار کرتے ہیں وہی امور اللہ سبحانہ کے کمال کی حکمت کی نہایت قوی اور مستحکم دلیل ہیں۔ اور نیز یہ امور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ اپنا فضل انہی لوگوں کو عطا فرماتا ہے جو اُس کے اہل و مستحق ہیں۔ اور اُن کو اہل و مستحق بنانا اُس کی حکمت علم عزت اور ملک کا مقتضی ہے۔ پس اللہ رب العالمین اور احکم الحاکمین کی ذات بابرکت ہے۔ اور کوئی دوسرا شخص اُسکی حکمت میں شریک نہیں ہوسکتا۔ بلکہ تمام مخلوق کا علم اُس کے علم و حکمت کے سامنے ایسا ہے جیسا کہ ایک چڑیا اپنی چونچ کے

ساتھ سمندر سے پانی اُٹھائے تو اُس پانی کو سمندر کے پانی سے کیا نسبت ہے۔ اسکی حکمت کے شئیًا بعد شیئٍ دائم رہنے میں جیسا کہ اس کا ارادہ۔ کلام۔ افعال۔ احسان۔ جود و انعام دائم ہیں کوئی نقص اور خرابی ہے۔ بلکہ اسکی حکمت کے متسلسل اور دائم ہونے میں اس کا کمال ہے معلوم نہیں کہ منکرین حکمت و تعلیل کس سے کیوں متنفر ہیں کیا اس بات کے کہنے سے متنفر ہیں۔ خدا تعالےٰ حی۔ علیم۔ قدیر۔ حکیم۔ متکلم۔ محسن۔ جواد۔ کمالک تمیع کمالات کے ساتھ موصوف اور تمام ماسوا سے غنی ہے اور اس کے کلمات کبھی ختم اور اس کی کبھی حکمت متناہی اور اسکی قدرت کبھی عاجز نہیں ہوتی۔ اس کے ملک کے لئے کبھی زوال نہیں۔ اور اس کے ارادہ و مشیت کبھی منقطع ہونے والے نہیں بلکہ ازل اور ہمیشہ سے اُسکے لئے خلق۔ امر۔ حکمت اور حکم ثابت ہے اور ہمیشہ ثابت رہیگا۔ اور اُس کا انکار کرنا خدا تعالےٰ کی ذات کیلئے نقص کو قرار دینا ہے۔ اور توفیق اللہ تعالےٰ کے فضل اور اُسکی اعانت سے ہے ۞

چھٹا جواب۔ اللہ تبارک و تعالےٰ جب کسی چیز کو پیدا کرے تو ضروری ہے کہ اُسکے لوازم موجود اور اُسکے اضداد معدوم ہوں۔ کیونکہ ملزوم کا بدوں لازم موجود ہونا اور اسی طرح کسی چیز کا اپنی ضد کے ساتھ موجود ہونا محال اور ممتنع ہے اور جو چیز محال اور ممتنع ہو خارج میں اُس کا موجود ہونا مقدور اور ممکن نہیں بلکہ وہ لاشئے محض ہے۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ جب یہ تسلسل اللہ سبحانہ کے خلق اور اسکی حکمت کے لوازم سے ہے تو اُس کے تسلیم کرنے میں کوئی خرابی نہیں بلکہ اُسکی نفی کرنے میں خرابی ہے اور اسکی توضیح

ساتواں جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال ماضی اور مستقبل میں دائم و مستمر ہونے کی نفی اور محالیت پر کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں۔ اور منکرین حکمت و تعلیل کے تمام ادلہ اول سے لیکر آخر تک سب باطل ہیں۔ رازی اور آمدی وغیرہ نے اپنی اکثر تصانیف میں اُنکے ادلہ کی قلعی کو خوب کھولا۔ اور انکی پوری تردید کی ہے۔ اور اثباتِ حکمت و تعلیل کی صحت پر سب عقلی اور نقلی دلیلیں بفطرت اور وہ تمام انواع و اقسام کے ادلہ جو پہلے بیان ہو چکے ہیں دال اور شاہد ہیں۔ تو اب منکرین کے نفی کرنے سے جس پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ اس یقینی امر میں کس طرح قدح ہو سکتا ہے ۞

آٹھواں جواب یہ ہے کہ تسلسل یا تو ممکن ہے یا محال اگر ممکن ہے تو تمہاری دلیل باطل ہوئی اور اگر محال ہے تو تسلسل کے منقطع ہونے کیلئے اتنا کہنا کافی ہے کہ غایات اور حکمتوں کا سلسلہ ایسی غایت اور حکمت پر ختم ہو سکتا ہے جو فی نفسہ مطلوب اور مراد ہو ۞

نواں جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کی فاعلیت معلل بعلت قدیمہ ہے۔ اور اس میں کوئی خرابی نہیں اور تمہارا یہ قول کہ علت کے قدم سے فعل معلل کا قدم لازم آئیگا خود تمہارے ہی

قول سے منقوض ہے کہ تم ارادہ کو قدیم مانتے ہو اور ارادہ کے قدم سے مراد کا قدم تسلیم نہیں کرتے۔ اور اگر
تم اس کا یہ جواب بیان کرو کہ ارادہ قدیمہ تعلق حادث سے اُسی وقت رکھتا ہے کہ وقت تعلق ہوتا ہے۔ اور
اُسی وقت اُس کے وجود کا مقتضی ہوتا ہے۔ تو اس کی مثل ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ حکمت قدیمہ کا تعلق
بھی اسی طرح تسلیم کرو کہ فعل حادث کے حدوث کے وقت اُس سے متعلق ہوتی ہے۔ ارادہ اور
حکمت کے تعلق میں کوئی فرق نہیں۔ اور اگر تم یہ فرق بیان کرو کہ ارادہ کا کام یہ ہے کہ وہ مراد کو ایک
خاص کے وقت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ حکمت کی بھی یہی شان ہے کہ وہ ایک
شے کو ایک خاص وقت۔ مکان اور صفت خاصہ کے ساتھ مخصوص کرتی ہے بلکہ حکمت۔ ارادہ علم اور
قدرت یہ سب تخصیص کا باعث ہیں۔ پس اگر حکمت کے قدیم ہونے سے فعل کا قدم لازم آتا ہے۔ تو ضرور
ہے کہ ارادہ کے قدم سے بھی اس کا قدم لازم آئیگا۔ اور اگر ارادہ کے قدم سے فعل کا قدم لازم نہیں آتا
تو حکمت کے قدیم ہونے سے بھی فعل کا قدیم ہونا لازم نہیں آئیگا ٭

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ سبحانہ کے افعال کسی غایت مطلوبہ اور حکمت کے لئے نہ ہوں
تو لازم آئیگا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال اُسکے ارادہ سے صادر نہ ہوں کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص اپنے ارادہ
سے کوئی کام کرے اور اُس کام میں کوئی غرض اور غایت مطلوب نہ ہو پس اللہ سبحانہ کے افعال کے
لئے اگر حکمت اور غایت نہ ہوگی تو اُن کے لئے ارادہ بھی نہ ہوگا۔ اور ارادہ کے نہ ہونے سے یہ لازم
آئیگا کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی ذات سے بغیر کسی حکمت و ارادہ کے موجب افعال اور انکی علت تامہ ہو
اور چونکہ قاعدہ ہے کہ معلول اپنی علت تامہ سے مفارق اور جدا نہیں ہوتا لہذا لازم آئیگا کہ جمیع حوادث
ازل میں اللہ کی ذات کے ساتھ مقارن ہوں اور اس طرح تمام حوادث قدیم ہو جائینگے۔ اور یہ خرابی حکمت
کی نفی کرنے سے جو کہ ارادہ کی نفی کو مستلزم ہے لازم آئی ہے کیونکہ ارادہ کی نفی موجب بالذات ہونے
کو مستلزم ہے اور ایجاب بالذات حوادث کے قدم کو مستلزم ہے۔ اس بحث کی تفصیل
و بسط کے لئے اور مقام ہیں ٭

فصل منکرین حکمت کا بیان ہے کہ جمیع اغراض کا مآل دو چیزوں کی طرف ہے لذت و خوشی کو
حاصل کرنا یا رنج و غم کو دفع کرنا۔ اور اللہ سبحانہ اِن دو نو چیزوں کو ابتداءً بغیر واسطہ کسی چیز کے حاصل
کرنے پر قادر ہے اور جو شخص کسی چیز کو بغیر واسطہ دوسری چیز کے حاصل کر سکے تو ایسے شخص کا اُس چیز
کو وسائط کے ذریعہ حاصل کرنا عبث ہے۔ اور اللہ سبحانہ عبث سے منزہ اور پاک ہے مثبتین
حکمت کہتے ہیں کہ اس شبہے کے کئی جواب ہو سکتے ہیں ٭

جواب اول۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں۔ کہ
اگر کوئی چیز ذاتہٖ ممکن ہو تو وہ حکمت اور غایت جو اُس چیز کے حصول سے مطلوب ہو اُس چیز کے عدم حصول
کے وقت حاصل ہو سکے کیونکہ جو چیز کسی دوسری چیز پر موقوف ہو تو اس کا حصول اُس کے بغیر ناممکن
اور محال ہے جیسا کہ بیٹے کا وجود (بیٹا ہونے کی حیثیت سے) بغیر باپ کے ناممکن ہے کیونکہ ملزوم
کا بدون لازم موجود ہونا ناجائز اور ممتنع ہے۔ اور کوئی شخص اس پر یہ شبہ پیش نہیں کر سکتا۔ کہ جب
اللہ سبحانہٗ ایک چیز کو بغیر توسط دوسری چیز کے پیدا نہیں کر سکتا۔ تو اللہ سبحانہٗ کا عجز لازم آیا کیونکہ
ایسی چیز کا سوائے توسط موجود ہونا محال ہے اور محال قدرت کے تحت میں داخل نہیں۔
اور اللہ سبحانہٗ ہر ممکن چیز پر قادر ہے اور کوئی ممکن اُسکی قدرت سے خارج نہیں ۔

دوسرا جواب۔ یہ دعوےٰ کہ جب ایک چیز بغیر وسائط حاصل ہو سکے تو اس کو وسائط
کے ذریعہ حاصل کرنا عبث ہے۔ باطل اور جھوٹا دعوےٰ ہے کیونکہ جب ایک چیز دوسری چیز
کے حصول کے لئے شرط یا سبب ہو تو اس کا توسط عبث نہیں۔ عبث وہ امر ہے جس میں
کوئی فائدہ نہ ہو اور شرط سبب یا مادہ کا توسط عبث اور بیفائدہ نہیں۔ اس کی تفصیل

تیسرا جواب یہ ہے کہ وہ اعراض اور صفات جو مادوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اُنکے مادے
اُنکے حصول کے لئے شروط ہیں۔ مواد کا وجود اُنکے بغیر ممکن نہیں۔ پس ایسے اشیاء کا توسط
ضروری اور لابدی ہے پس تمہاری دلیل تمہارے دعوے کیلئے کافی نہیں۔ ہم تم سے یہ پوچھتے
ہیں کہ اللہ سبحانہٗ ان حوادث کو بغیر توسط اُنکے مادوں کے جن میں یہ موجود ہیں پیدا کرنے پر قادر
ہے یا نہیں۔ اگر قادر ہے تو پھر مواد کا توسط عبث ہوگا۔ اور اگر بغیر توسط پیدا نہیں کر سکتا۔
تو عاجز ہوا۔ اگر تم یہ جواب دو کہ یہ تو ایک محال امر کو فرض کرنا ہے اور محال کوئی چیز نہیں۔ تو
ہم یہ جواب دینگے کہ تم نے بالکل سچ کہا ہے اور ہماری طرف سے بھی یہی جواب ہے۔ جو
تم نے بیان کیا ہے کہ یہ فرض محال ہے ۔

چوتھا جواب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب ان وسائط کے پیدا کرنے میں خالق نے کئی حکمتیں
رکھی ہیں جو اُنکے پیدا کرنے ہی سے حاصل ہوتی ہیں اور نیز وسائط کے لئے بھی منافع و مصالح
ہیں۔ تو ان کا توسط عبث نہیں ہو سکتا۔ اور نہ وہ حکمت اُنکے سوا حاصل ہو سکتی ہے مثلاً جب
اللہ سبحانہٗ نے کسی شخص کی روزی کے لئے تجارت کو وسیلہ اور ذریعہ قرار دیا۔ اور مقدر کیا
ہو۔ تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مالِ تجارت کو ایسے اشخاص کے پاس لائیگا۔ جو اس

سے خوشحال اور ضابطگی نہ ہوں سے ۔ اور اس طرح سے سوداگر روپیہ کما کر اپنی ضروریات کو پورا کریگا اور خریدار تجارتی اشیا کے خریدنے سے اپنے کام چلائینگے ۔ اور اگر سلسلہ ہستی میں غور کر لیا جائے ۔ تو اس کی ہر ایک چیز بتلا دیتی ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ۔ اور ان وسائط میں بندوں کے لئے وہ مصالح و منافع موجود ہیں ۔ کہ اگر یہ وسائط نہ ہوں تو وہ مصالح و منافع کبھی حاصل نہ ہوں ۔

پانچواں جواب تمہارا یہ قول "کہ عبث لازم آئیگا اور عبث اللہ تعالیٰ کی نسبت محال ہے اور وہ اس سے پاک اور منزہ ہے" ہمارے ہی دعوے کی تائید کرتا ہے کیونکہ اگر اللہ سبحانہ کی نسبت عبث محال اور وہ اس سے منزہ ہے تو اُسکے تمام افعال ۔ احکام و اوامر حکمت و مصلحت پر مبنی ہونگے ورنہ عبث لازم آئیگا اور اگر اس کی نسبت عبث محال نہیں تو تمہاری دلیل باطل ہوئی ۔

چھٹا جواب ۔ جائز اور ممکن ہے کہ اللہ سبحانہ بعض چیزیں ایسی پیدا کرے جن کے لئے غایات و اغراض ہوں ۔ اور بعض چیزیں ایسی ہوں جو بذات خود مقصود ہوں ۔ اور جب یہ ہوسکتا ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ وسائط کے لئے کوئی چیز علت نہیں اور تم جب تک کہ اس بات کے قائل نہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل بدوں علت نہیں ہوتا ۔ اس قسم کے اشیاء کو جن کے لئے کوئی دوسری چیز علت نہ ہو نفی نہیں کر سکتے ۔ اور تم اللہ تعالیٰ کے جمیع افعال کے معلل ہونے کے قائل نہیں بلکہ تم تو اس وجہ سے انکار کرتے ہو کہ ان امور کے توسط سے عبث لازم آتا ہے اور بعض افعال میں علت نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی کام کے لئے بھی علت نہ ہو اور نہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُسکے تمام کاموں کے لئے حکمت اور علت ہے اور نہ ہر چیز کے لئے علت کا ہونا ضروری ہے اور تم تو سرے سے جواز تعلیل کے منکر ہو ۔ اگر تمہاری یہ دلیل بالفرض صحیح بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر چیز کے لئے علت کا ہونا ضروری نہیں ۔ اور یہ بات ہمارے خلاف نہیں ۔ پس تمہارا دعوے غلط اور دلیل لاحاصل ہے اس صورت میں ہمارا قول فقہا کے اس قول کے موافق ہے کہ شرع کے بعض احکام معلل نہیں ہوتے اور بعض کے لئے علت ہوتی ہے پس جیسا کہ فقہا سلسلہ امر میں تعلیل کے قائل ہیں اسی طرح سلسلہ خلق میں تم کس لئے قائل نہیں ہوتے ۔ اور یہ الزامی جواب ہے اور حق یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے تمام افعال و احکام کے لئے وہ حکمتیں اور غایات ہیں کہ جن کے لئے وہ موجود اور صادر ہوتے ہیں ۔ گو مخلوق کو ان کی تفصیل کا علم نہ ہو ۔ اور مخلوق کے نہ جاننے سے یہ لازم نہیں

آجاتا کہ نفس الامر میں ان کا وجود نہ ہو ۔

ساتواں جواب۔ اس شبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہٗ ان حکمتوں اور غایات کو
بدوں توسط دوسرے چیزوں کے حاصل کرسکتا ہے تو پھر بذریعہ توسط حاصل کرنا عبث ہے۔ پس
اسکی نسبت ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ بذریعہ توسط اور بغیر توسط دونو طریق سے حاصل کرسکتا
ہے اور جب دونوں باتوں پر اسکو قدرت حاصل ہے تو ایک بات کو اختیار کرنا عبث نہیں ہوسکتا
عبث تب ہو کہ جب دونو امر من کل الوجوہ مساوی ہوں اور کوئی صاحب عقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ
ان وسائط کا وجود اور عدم دونو یکساں ہیں اور اگر کوئی شخص انکے وجود اور عدم کو مساوی سمجھے تو اس
کی کمال حماقت اور نادانی ہے کیونکہ یہ خیال حس عقل اور شرع کے خلاف ہے۔ ظاہر
بات ہے کہ جو شخص انبیاء علیہم السلام کے مبعوث ہونے اور نہ ہونے کو برابر اور آفتاب۔ چاند ستاروں۔
بارش۔ نباتات۔ حیوانات کے وجود اور عدم کو مساوی سمجھے اور ان سب وسائط کا ہونا نہ ہونا اس
کے نزدیک یکساں ہو۔ تو اس سے بڑھکر کوئی شخص زیادہ ہٹ دھرم اور مکابر نہیں ہوسکتا ۔

آٹھواں جواب۔ تمہارا یہ قول کہ "تمام اغراض کا آل دو چیزوں کی طرف ہے لذت کا حاصل
کرنا یا غم کو دور کرنا اس کا کیا مطلب ہے آیا اس کا یہ مطلب ہے کہ حیوانات کے افعال کے اغراض
دو قسم میں منحصر ہیں یا اللہ سبحانہٗ کے افعال کے حکم و غایات ان دو قسم سے خارج نہیں یا عام مراد
ہیں۔ اگر پہلا معنی مراد ہے تو تمہیں کچھ مفید نہیں۔ اور اگر دوسرا یا تیسرا معنی مراد ہے۔ تو یہ دعوٰے
بلا دلیل ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ کے افعال کی حکمتیں تحصیل لذات اور دفع آلام و غموم نہیں بلکہ وہ ان امور
کے علاوہ ہیں اسلئے کہ اللہ سبحانہٗ تحصیل لذات و دفع آلام سے منزہ اور پاک ہے۔ بلکہ مخلوق میں اس
کی حکمت کی کوئی چیز نظیر نہیں ہوسکتی جس طرح کہ وہ صفت ارادہ کے ساتھ موصوف ہے مگر اس
کا ارادہ حیوانات کے ارادہ کی طرح نہیں کہ جلب منفعت یا دفع مضرت کے لئے کسی چیز کا ارادہ
کرے اور اسی طرح صفت غضب کے ساتھ موصوف ہے لیکن اس کا غضب حیوانات کے
غضب کے مشابہ نہیں۔ حیوانات کے غضب کا یہ معنی ہے کہ انتقام کے خیال سے قلب میں
خون جوش زن ہونے لگے۔ اور اللہ سبحانہٗ ان باتوں سے منزہ اور پاک ہے ۔ علیٰ ہذا القیاس اسکی
تمام صفات کا حال ہے غرض جسطرح کہ اسکے ارادہ۔ رضا۔ غضب۔ رحمت وغیرہ صفات میں کوئی اسکی
مثل و نظیر نہیں۔ اسی طرح اسکی حکمت بھی مخلوق کی حکمت کے مشابہ و مماثل نہیں بلکہ اس کو تحصیل لذت
یا دفع حزن کہنا اللہ سبحانہٗ کی ذات کیلئے نقص ثابت کرنا ہے جو اس سے اعلےٰ و بلند اور منزہ و متقدس ہے

مخلوق اپنے احتیاج اور نقص کی وجہ سے تحصیل لذات یا دفع آلام کیلئے افعال کرتی ہے۔ کیونکہ انکی معیشت کے مصالح و سامان ان سے وابستہ ہیں اور اللہ سبحانہ کی ذات تمام ماسوا سے مستغنی ہے۔ اُس نے اپنے کمالات کو کسی مخلوق سے حاصل نہیں کیا بلکہ سب مخلوق نے اپنے کمالات اُس سے حاصل کئے ہیں ۔

نواں جواب۔ وحی اور عقل اس بات پر شاہد ہیں کہ اللہ سبحانہ بعض امور کو پسند اور بعض کو ناپسند رکھتا ہے۔ وحی کی شہادت کیلئے تو اتنا کہدینا کافی ہے کہ اس قسم کی آیات سے کہ قرآن کریم اول سے آخر تک اس قسم کی آیات سے بھرا ہوا ہے۔ اور عقل کی شہادت اس طرح پر ہے کہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ اپنے پیاروں اور اہل طاعت کی عزت فرماتا اور اپنے دشمن اور نافرمانوں کو ذلت پہنچاتا ہے پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو طاعت پسند اور نافرمانی ناپسند ہے اور مطیعین سے راضی اور خوش اور نافرمانوں پر ناخوش ہے اور ظاہر بات ہے کہ جس شخص کو کسی چیز سے اعلیٰ درجہ کی محبت یا کسی چیز سے غایت درجہ کی نفرت و عداوت ہو اور وہ اپنی پسندیدہ اور محبوب چیز کے حاصل کرنے پر قادر بھی ہو تو وہ اس کے حصول کے لئے کامل طور پر حکمت کو کام میں لائیگا۔ غرض اللہ سبحانہ کے افعال کی ایک یہ حکمت ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی مرضیات کی طرف پہنچاتا ہے کہ وہ انکو بجا لائیں۔ اور منہیات سے باز رہیں۔ اور اگر کوئی ایسا فعل صادر ہو جو بذاتہ مکروہ ہو تو اسکی یہ وجہ ہے کہ چونکہ وہ ایک دوسری محبوب چیز کے حاصل کرنے کے لئے ذریعہ ہوتا ہے لہذا وہ اس وجہ سے مکروہ نہیں شمار ہوتا پس لذت و سرور اور غم اور حزن سے اگر حب اور بغض مراد ہے تو اللہ سبحانہ حب اور بغض کے ساتھ موصوف ہے اور اُسکے افعال کے لئے حکمت اور غایت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ لذات اور غم کے ساتھ موصوف ہو ۔

دسواں جواب۔ جب اللہ سبحانہ ان حکم و غایات کو بدون وسائط اور وسائط کے ذریعہ دونوں طرح حاصل کرنے پر قادر ہے تو دونو طرح پر حاصل کرنا اُس کے کمال قدرت عظمت ملک اور ربوبیت پر دال ہے اور اللہ سبحانہ کے افعال کے اختلاف اور تنوع کا یہ سبب ہے کہ اُس کی حکمت۔ کمال قدرت اور ربوبیت کا مقتضی یہی ہے۔ غرض اللہ سبحانہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اس حکمت کو بواسطہ ایک دوسری چیز کے جو مخلوق اور اُس سے منفصل ہو پیدا کرے اور ایسی چیز کے واسطے کے سوا بھی پیدا کرسکتا ہے یعنی یہ حکمت خود اسکے افعال لازمہ کلمات اور اپنی حمد و ثنا کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے غرض اس کا مطلوب دونو طرح حاصل ہے اور اس میں اللہ سبحانہ کا زیادہ کمال ہے کہ وہ مطلوب کے حاصل کرنے پر مختلف طریق سے قادر ہے ۔

گیارھواں جواب۔ اللہ سبحانہ اپنے اوصاف۔ اسماء اور افعال میں کامل ہے اور عالم میں انکے آثار

کا ظاہر ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر انکے آثار ظاہر نہ ہوں تو ان کا کمال تو بجائے خود وجود ہی غیر متصور ہے۔ مثلاً اللہ سبحانہ محسن ہے اور بدون محسن الیہ کے احسان کا وجود محال ہے اور وہ رازق ہے جس کے لئے مرزوق کا ہونا ضروری ہے علی ہذا القیاس اس کے دوسرے اسماء کا حال ہے کہ وہ شفا۔ حلیم۔ جواد۔ لطیف۔ منان۔ وہاب۔ قابض۔ باسط۔ خافض۔ رافع۔ معز۔ ومذل ہے اور ان اسماء کے لئے ان کے متعلقات کا موجود ہونا اور انکے آثار کا ہونا ضروری ہے ورنہ یہ اسماء اور صفات معطل اور بیکار ہونگے۔ غرض ان اسماء وصفات کے معانی کے موجود ہونے کے لئے انکے آثار کا توسط ضروری ہے اور انکے توسط کو عبث اور بے فائدہ کہنا صحیح نہیں۔ اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

فصل منکرین حکمت وتعلیل کا شبہ ہے کہ اگر سلسلہ خلق وامر کا معلل بحکمت وغرض ہونا ضروری ہو تو سلسلہ عالم کو ایک مخصوص وقت میں پیدا کرنے کیلئے بھی کوئی غرض اور غایت ہوگی۔ اور اس غرض ومصلحت کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں ایک تو وہ اس مخصوص وقت سے پہلے موجود ہو یا اس خاص وقت سے پہلے موجود نہ ہو۔ اگر اس وقت سے پہلے موجود ہو۔ تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو اس کے موجود ہونے کے وقت سے پہلے موجود کر دیا ہو۔ کیونکہ عالم کا موجود کرنا تو اس غرض ومصلحت کیلئے تھا اور وہ عالم کے موجود ہونے کے وقت سے پہلے حاصل تھی۔ لہذا عالم اپنے موجود ہونے کے وقت سے پہلے موجود ہوگا اور یہ محال ہے۔ اور اگر وہ مصلحت عالم کے موجود ہونے سے پہلے حاصل وموجود نہ ہو بلکہ وجود عالم کے وقت وہ حادث ہو تو اس کی نسبت یہ پوچھتے ہیں۔ کہ اس غرض کا حصول کسی محدث کا محتاج ہے یا نہیں اگر محتاج نہیں تو لازم آیا کہ ایک حادث بدون کسی محدث وموجد کے موجود ہو اور یہ محال ہے۔ اور اگر کسی محدث کی طرف محتاج ہے۔ تو اگر اس کے خاص وقت میں موجود ہونے کے لئے کوئی دوسری غرض ہوگی۔ تو تقسیم اول پھر جاری ہوگی۔ اور ہر غرض کے لئے دوسری غرض ماننے پر تسلسل لازم آئیگا۔ اور یہ محال ہے اور اگر اس کے حصول کے لئے دوسری غرض کی ضرورت نہیں تو اس کا حصول بدون غرض ہوا۔ اور ہمارا یہی دعویٰ ہے کہ اللہ سبحانہ کے ایجاد وخالقیت کے لئے اغراض ومصالح کی ضرورت نہیں۔ اور یہ دلیل جسطرح کہ عالم کے ایک خاص وقت میں موجود ہونے کے متعلق جاری ہوسکتی ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حادث کو ایک خاص وقت میں پیدا کرنے کے لئے اگر کوئی غرض ہو تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو حادث کے موجود ہونے کے وقت سے پہلے وہ غرض موجود ہوگی یا نہیں۔ اگر اسکے موجود ہونے کے وقت سے پہلے موجود ہو تو لازم آئیگا کہ حادث اپنے حدوث کے وقت سے پہلے موجود ہو اور یہ محال ہے۔ اور اگر پہلے موجود نہ ہو تو اب اس غرض کے پیدا کرنے کے لئے اگر دوسری غرض کی ضرورت ہو اور اسی طرح ہر غرض کے پیدا کرنے کے لئے دوسری غرض

کی ضرورت نہیں تو ہمارا دعوے ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ کے چیزوں کے پیدا کرنے کے لئے کوئی غرض
اور غایت نہیں مثبتین حکمت و تعلیل جواب میں کہتے ہیں۔ کہ یہ دلیل بعینہ دوسری دلیل کے ضمن میں مذکور
ہو چکی ہے مگر تم کو فضول اور باطل دلیلوں کا طومار باندھنے پر کچھ فخر اور ناز ہے۔ سو اس دلیل کے جواب
وہی ہیں جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اس دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آثار اور
حوادث مستقبلہ میں تسلسل لازم آئیگا۔ اور اسمیں کوئی خرابی نہیں۔ جہم اور علاف کے سوا تمام اہل اسلام
کے نزدیک حوادث مستقبلہ اور آثار میں تسلسل نہ صرف جائز بلکہ واجب اور ضروری ہے۔ اور نیز
ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حوادث دو قسم ہیں ایک وہ جو بذات خود مراد اور مطلوب ہیں دوسرے وہ جو کسی
دوسری چیز کیلئے مطلوب اور مراد ہیں۔ تو اس بنا پر جائز ہے کہ وہ حکمت جو بذات خود مطلوب ہو اپنے
پیدا ہونے میں کسی دوسری حکمت کی محتاج نہ ہو۔ اور نیز اول تو اس دلیل کے مقدمات صحیح اور مسلم نہیں
اور بالفرض اگر صحیح ہوں تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کا معلل بالاغراض ہونا ضروری
نہیں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اُنکے لئے علت اور غرض کا ہونا جائز نہ ہو۔ وجوب کی نفی
اور چیز ہے اور جواز کی نفی دوسری چیز۔ ہم نے تسلیم کیا کہ حکمت کا وجود ضروری اور واجب نہیں۔
مگر اس سے جواز کی نفی نہیں ہو سکتی۔ اور نیز زیادہ سے زیادہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس
کے بعض افعال معلل بالاغراض نہیں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے جمیع افعال معلل بالاغراض
نہیں۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ پہلے سب جواب جاری ہو سکتے ہیں زیادہ طول کی ضرورت نہیں۔ اور اس
مسئلہ کا راز یہ ہے کہ مستقبل میں اللہ تعالےٰ کے افعال کا دوام باتفاق اہل اسلام جائز بلکہ واجب ہے
اور ماضی میں صرف چند اہل کلام کا خلاف ہے ✤

فصل منکرین حکمت کا یہ شبہ ہے کہ ادلہ سے ثابت ہے کہ اللہ سبحانہ تمام چیزوں کا خالق
ہے پس ہم پوچھتے ہیں کہ کفر فسق اور عصیان کے پیدا کرنے میں کونسی حکمت اور مصلحت ہے اور نیز
ایسے شخص کے پیدا کرنے میں جسکی نسبت اللہ تعالےٰ کو معلوم ہو کہ وہ پیدا ہو کر کفر و فسق کریگا۔ اور
دُنیا اور دین میں فساد ڈالیگا۔ کونسی حکمت ہے اور بہت سے جمادات پیدا کرنے میں جن کا وجود
اور عدم دونو برابر ہیں کونسی حکمت ہے اور نیز بہت سے بیکار درختوں و نباتات اور حیوانات
خاصکر حملہ کرنے والے اور موذی جانوروں کے پیدا کرنے میں کیا مصلحت ہے اور زہر اور دوسری
مضر اشیاء کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے اور ابلیس اور دیگر شیاطین کے پیدا کرنے میں
کیا مصلحت اور حکمت ہے اور اگر آسکے پیدا کرنے میں کوئی مصلحت اور حکمت ... تو اس کے

ہمیشہ قیامت تک باقی رکھنے اور انبیاء علیہم السلام کو دنیا سے فوت کر دینے میں کونسی حکمت ہے اور آدم اور حوا کے جنت سے نکالنے اور انکی اولاد کو اس بلائے عظیم میں ڈالنے کے اندر جبکہ وہ بہشت کے اندر نہایت آرام سے رہ سکتے تھے کیا مصلحت اور کونسی حکمت ہے۔ اور حیوانات کو دکھ اور تکلیف پہنچانے میں کونسی مصلحت ہے۔ فرض کیا کہ مکلفین کو تکلیف پیش آنے میں انکے لئے کوئی مصلحت ہو لیکن غیر مکلفین مثلاً بہائم اطفال اور مجانین کو دکھ و تکلیف ہونے میں کونسی مصلحت اور حکمت ہے اور اس مخلوق کے پیدا کرنے میں جن کو ہمیشہ کیلئے دوزخ کے طرح طرح کے عذاب میں مبتلا رکھیگا کونسی حکمت ہے۔ اور اپنے دشمنوں اور نافرمانوں کو اپنے دوستوں اور فرمانبرداروں پر مسلط کرنے میں کیا حکمت ہے۔ کہ وہ اُن کو طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے بعض کو قتل کرتے اور بعض کو قید کر لیتے اور بعض کو غلام بناتے اور بعض کو اور قسم کی تکلیف پہنچاتے۔ اور جن و انس کے مکلف بالاحکام بنانے اور طرح طرح کی مشقتوں اور عذاب میں مبتلا کرنے میں کونسی حکمت ہے منکرین حکمت کا یہ بھی شبہ ہے کہ ہم کو قطعی طور پر معلوم ہے کہ اہل دوزخ کو ہمیشہ دوزخ میں رکھنا اللہ تعالےٰ کا فعل ہے اور ظاہر ہے کہ اُن کو ہمیشہ دوزخ میں رکھنے میں نہ تو اللہ تعالےٰ کا کوئی نفع اور فائدہ ہے اور نہ انکے لئے اور نہ کسی دوسرے کے لئے اس میں کوئی فائدہ ہے۔ اور ہمارے لئے ابوالحسن اشعری اور ابوہاشم جبائی کا مناظرہ کافی دلیل ہے۔ ابوالحسن اشعری نے ابوہاشم سے اُن تین بھائیوں کی نسبت سوال کیا جن میں سے ایک تو بلوغ سے پہلے حالت اسلام میں مر گیا۔ اور دو صد بلوغ کو پہنچکر جوان ہوئے پھر ان میں سے ایک تو بحالت اسلام فوت ہوا۔ اور دوسرا الکفر کی حالت میں مرا۔ اور یہ تینوں اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں جمع اور اکٹھے ہوئے ان میں سے وہ شخص جو بلوغ کے بعد حالتِ اسلام میں فوت ہوا تھا۔ اُس کو تو اپنے اسلام اور اعمال حسنہ کی بدولت مراتب عالیہ حاصل ہوئے۔ اُسکے دوسرے بھائی نے جو صغر کی حالت میں مر گیا تھا اُس کی اس حالت کو دیکھ کر یہ سوال کیا کہ اے میرے رب تو نے مجھے وہ مرتبہ کیوں نہیں عطا فرمایا۔ جو میرے بڑے مسلمان بھائی کو عطا فرمایا ہے۔ اللہ سبحانہ نے جواب دیا کہ اُس نے وہ اعمال حسنہ کئے تھے جو تو نے نہیں کئے اس پر اُس نے پھر سوال کیا کہ اے میرے رب تو نے مجھے اتنی عمر کیوں نہ بخشی کہ میں بھی اپنے بھائی مسلمان کیطرح اعمالِ صالحہ کرتا اور تیرے احکام بجا لاتا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اِسلئے کہ مجھے معلوم تھا۔ کہ تیرے حق میں بچپن ہی میں مر جانا اچھا ہے۔ کیونکہ اگر تو بڑا ہوتا۔ تو کفر اختیار کرتا۔ اِس پر تیسرا بھائی دوزخ کے بیچ میں سے چلا اُٹھا کہ اے میرے رب تو نے مجھ کو بلوغ سے پہلے بچپن میں کیوں نہ فوت کر دیا۔ جیسا کہ میرے چھوٹے بھائی کو بچپن میں فوت کر دیا۔ اور وہ عذاب

سے بچ گیا۔ پس اس شخص نے سوال کا کیا جواب ہے۔ شیخ ابو ہاشم خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ دیا۔
اس سے ثابت ہوا۔ کہ سب کچھ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے علت اور غایت کو کوئی دخل نہیں۔
اور یہ امر قطعی اور یقینی امر ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یُعَذِّبُ مَنْ
یَّشَآءُ وَیَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ (جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے اپنی رحمت سے سرفراز
کرے) وقال تعالیٰ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ
یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ (جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین
میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے اور (لوگو!) جو تمہارے دل میں ہے اگر اس کو ظاہر کرو یا اس کو
چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لیگا پھر (دل کے کھوٹ پر) جس کو چاہے بخشے اور جس کو چاہے
عذاب کرے) وقال تعالیٰ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (اور جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں
کر سکتا) ان آیات میں اللہ سبحانہ نے بتلا دیا ہے کہ سب کچھ اس کی مشیت پر موقوف ہے اور تمام
چیزیں محض اس کی مشیت سے صادر ہوتی ہیں۔ اور منکرین حکمت کا یہ بھی قول ہے کہ مخلوق کے
گمراہ ہونے کی اصل وجہ یہی ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کی علتیں اور علل کے جستجو کرنے لگے۔
چنانچہ شیخ الاسلام نے اپنے قصیدہ تائیہ میں کہا ہے ؎

وَاَصْلُ ضَلَالِ الْخَلْقِ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ　　ھُوَ الْخَوْضُ فِیْ فِعْلِ الْاِلٰہِ بِعِلَّۃٍ

مخلوق کے ہر ایک گمراہ فرقے کی گمراہی کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ کے افعال کی علت
میں خوض کرنے لگے کیونکہ جب وہ علت معلوم کرنے کے خیال میں ہوئے اور علت کو معلوم
نہ کر سکے تو مختلف فرقے پیدا ہو گئے۔ پس ایک فریق تو اللہ سبحانہ کے خالق موجد اور
فاعل افعال ہونے سے منکر ہو کر یہ کہنے لگا کہ یا تمام اجسام کے طبائع سے اور یہ حوادث افلاک
کی حرکات اور کواکب کی تاثیرات سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے فریق نے حس
اور عقل کا خلاف اختیار کیا اور یہ کہہ دیا کہ اہل دوزخ کا ہمیشہ دوزخ میں رہنا جنت میں رہنے
سے انکے حق میں زیادہ نافع اور مفید ہے اور شیطان کو قیامت تک زندہ رکھنا کہ وہ مخلوق
کو گمراہ کرتا ہے مخلوق کے حق میں اسکے مار دینے سے زیادہ مفید ہے اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام
کو فوت کر دینا امتوں کے حق میں انکے درمیان انکے زندہ رکھنے سے زیادہ نافع اور اچھا ہے۔ اور
بچوں کو عذاب میں گرفتار کرنا انکے حق میں ان پر رحمت کرنے سے زیادہ اچھا اور بہتر ہے اللہ سبحانہ
کے افعال کے لئے علم نہ تھا۔ اور اسی وجہ سے انکے سوا اسی قسم کی بہت سی مہمل باتوں کے قائل

ہو گئے۔ حالانکہ اللہ سبحانہ کے افعال کے لئے کوئی علت نہیں اور وہ جو چاہتا کرے اس سے کوئی پوچھ اور باز پرس نہیں کرسکتا۔ اسی واسطے ہمارا یہ قول ہے کہ حق یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال کے لئے کوئی علت نہیں۔ اور اس قول کی وجہ سے ہم کو ان تمام خرابیوں سے جن میں منکرین حکمت و تعلیل پڑے ہیں نجات حاصل ہے۔

مثبتین حکمت و تعلیل انکے جواب میں کہتے ہیں کہ تمہارے یہ شبہات اور اعتراض جو تم نے احکم الحاکمین کی حکمت کے متعلق پیش کئے ہیں۔ اُن شبہات اور اعتراضوں سے کچھ زیادہ قوی اور مضبوط نہیں جو ملحدین نے اللہ سبحانہ کے وجود اور ہستی کے بارے میں پیش کئے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے خیال میں صانع کے وجود کی نفی پر بیالیس شبہات قائم کئے ہیں۔ اور اسی طرح نہ ان لوگوں کے اعتراضوں سے قوی ہیں جو رسالت کے منکر ہیں اور تم نے خود انکے اسی اعتراض نقل کئے ہیں اور نیز اللہ سبحانہ کے صفات کمال کے منکرین یعنی فرقہ معطلہ کے شبہات سے جنکے طوفان و طومار کو تم معلوم کر چکے ہو۔ اور جہمیہ کے اُن اعتراضات سے جو انہوں نے اللہ سبحانہ کے علو علی الخلق۔ استوا علی العرش۔ تکلم اور اپنے بندوں سے ہمکلام ہونے پر وارد کئے ہیں۔ اور فلاسفہ کے ان اعتراضات سے جو انہوں نے اللہ سبحانہ کے چھ روز میں عالم کو پیدا کرنے بندوں کو قبروں سے اٹھانے بہشت و دوزخ میں داخل کرنے اور اس عالم کے بجائے ایک دوسرا عالم قائم کرنے پر پیش کئے ہیں۔ تمہارے اعتراضات کچھ زیادہ مضبوط نہیں۔ بلکہ انکے اعتراضات تو تمہارے اعتراضوں سے کئی گنے زیادہ ہیں۔ اور اسی طرح منکرین تقدیر بھی اپنے اعتراضات و شبہات کو نہایت شد و مد کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ احکم الحاکمین کی حکمت کا یہ مقتضی ہے کہ وہ اس عالم میں جو کہ دار تکلیف ہے ہر ایک حق بات کے لئے کوئی نہ کوئی منکر اور ہر ایک صواب کے لئے کوئی نہ کوئی مخالف بنا دیتا ہے جیسا کہ ہر نعمت کے لئے کوئی نہ کوئی حاسد اور ہر حق کے لئے کوئی نہ کوئی باغی پیدا کر دیتا ہے۔ اور یہ اسکی حکمت کاملہ و قدرت باہرہ کا مقتضی ہے تاکہ اس کی حجت اپنے بندوں پر پوری اور اسکی مشیت ان میں نافذ اور اس کی حکمت ان میں ظاہر اور اس کا حکم انکے درمیان جاری ہو اور اپنے علم کے مطابق بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائے۔ اور اس کے صفات علیا اور اسماء حسنیٰ کے آثار اُن میں ظاہر رہیں۔ اور قیامت میں سب پر ظاہر ہو جائیگا کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہ تھا اور اس نے اپنی مخلوق کو عبث نہیں بنایا۔ اور ان کو بیکار نہیں چھوڑا تھا۔ اور نیز یہ معلوم ہو جائیگا کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو فضول نہیں بنایا

تھا اور وہ مخلوق کے پیدا کرنے قضا و قدر، امر و نہی اور ثواب و عقاب غرض ہر ایک بات پر کمال حمد اور ثنا کا مستحق ہے اور اُس نے کسی چیز کو بے موقع اور بے محل نہیں رکھا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَمُوتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ (اور یہ منکر خدا کی بڑی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اُس کو خدا (دوبارہ) نہیں اُٹھا کھڑا کریگا (اے پیغمبر ان سے کہو کہ ضرور (اُٹھا کھڑا کریگا یہ اُس کا) وعدہ برحق ہے (اور اُس کا ایفاء اُس پر لازم ہے) مگر اکثر لوگ (اس کا یقین) نہیں کرتے (مردوں کو جلا اُٹھانا اس لئے (ضرور ہے) کہ جن چیزوں میں یہ لوگ (دنیا میں) اختلاف کرتے رہے ہیں (قیامت کے دن) خدا (اصل حقیقت کو) ان پر ظاہر کرے اور تاکہ کافر جان لیں کہ وہی غلطی پر تھے) اور جب اہل موقف پر سب حقیقت ظاہر ہو جائیگی۔ اور اس کی قضائے فیصل اور حکم عادل اُن میں جاری ہو جائیگا تو سب مخلوق اُس کی حمد کریگی چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (اور لوگوں کے درمیان اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائیگا اور (سب کچھ ہو ہوا کر آخرکار ہر طرف سے یہی) صدا (بلند) ہوگی کہ سب تعریفیں خدا کو سزاوار ہیں جو تمام جہان کا پروردگار ہے) اور منکرین حکمت و تعلیل کے اِن شبہات اور اعتراضات کا جواب کئی طرح سے ہو سکتا ہے ؛

اول یہ کہ اللہ سبحانہ کی حکمت اشیاء کے وجود اور حدوث سے متعلق ہے اور کفر۔ شرک۔ شرور اور معاصی اللہ سبحانہ اور رسول کے احکام کی مخالفت کی طرف راجع ہیں۔ بسبب عدم ایجاد سے اُنکو کوئی تعلق نہیں اور ہمارا دعوےٰ صرف اتنا ہے کہ اللہ سبحانہ نے جو کچھ ایجاد اور پیدا کیا ہے تو اُس میں ضرور کوئی حکمت اور غایت مطلوبہ ملحوظ ہے اور جس چیز کو پیدا نہیں کیا اگرچہ اُس کے پیدا کرنے میں بھی کوئی حکمت ہے مگر اس کو ہمارے دعوے سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اُس سے ہم پر کوئی اعتراض وارد ہو سکتا ہے۔ اور اس کا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شر کسی طرح اللہ سبحانہ کیطرف منسوب نہیں کیونکہ شر کہتے ہیں خیر اور اُس کے اسباب کے عدم اور نہ ہونے کو اور عدم کوئی چیز نہیں تاکہ اللہ تعالےٰ کے خلق اور ایجاد میں داخل ہو۔ پس جب ہمارا دعوےٰ صرف اتنا ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال مثلاً خلق ایجاد وغیرہ حکمت اور غایت محمودہ پر مبنی ہیں تو اب ترک خلق اور عدم ایجاد سے ہم پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا ؛

چنانچہ دوسرا جواب اس کی توضیح کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ کبھی ایک ایسی چیز کو جس کے پیدا کرنے میں کوئی حکمت ہو اسلئے پیدا نہیں کرتا کہ اس کا موجود ہونا اللہ سبحانہ کو پسند نہیں ہوتا یا اسلئے پیدا نہیں کرتا کہ اس کا وجود کسی ایسی چیز کے مخالف ہوتا ہے جو اللہ سبحانہ کو زیادہ محبوب ہے یا اس لئے پیدا نہیں کرتا کہ اسکے پیدا کرنے سے کوئی دوسری محبوب اور پسندیدہ چیز فوت ہو جاتی ہے غرض اسکے نہ پیدا کرنے کی حکمت اسکے پیدا کرنے کی حکمت سے راجح اور غالب ہوتی ہے اور چونکہ ضدین کو جمع کرنا محال ہے اس واسطے اللہ سبحانہ اعلےٰ حکمت کو ترجیح دیتا اور ادنےٰ کو ترک کر دیتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی یہ کمال حکمت ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کے سلسلہ خلق اور امر میں مختلف اور کئی طرح کی حکمتیں اور مصالح پائے جاتے ہیں کبھی تو خالص اور محض مصالح پر مبنی ہوتے ہیں اور کبھی مصالح راجحہ کے پہلو بہ پہلو شامل ہوتے ہیں۔ گو ان مصالح راجحہ کی وجہ سے وہ مصالح مرجوحہ جو انکے ساتھ مجتمع نہیں ہو سکتے فوت ہو جائیں۔ اور کبھی خالص مضار کے دفع کو متضمن ہوتے ہیں۔ اور کبھی ایسے مضار کا دفع کرنا متحقق ہوتا ہے جو دوسرے مفاسد اور مضار سے زیادہ مضر ہوں۔ گو ان میں ایسے مفاسد پائے جائیں جو ان سے کم درجہ ہوں اور ان دونوں کا اکٹھا منعدم ہونا ممکن نہ ہو اور یہی اللہ تعالےٰ کی حکمت کا کمال ہے اور اس کا خلاف ہونا حکمت کے مخالف ہے ۔

تیسرا جواب۔ فرض کیا کہ جو چیزیں تم نے بیان کی ہیں انکے پیدا کرنے یا معدوم کرنے میں اللہ سبحانہ کی کوئی حکمت نہ ہو تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ خلق اور حکم کے تمام سلسلہ میں کوئی حکمت نہیں۔ اللہ سبحانہ کے خلق اور امر میں وہ حکمتیں اور غایات محمودہ موجود ہیں۔ جن سے اس کے وہ خاص بندے کسی قدر واقف ہیں جنہیں علم راسخ عطا ہوا ہے۔ اور اس مضمون کو انشاء اللہ ہم عنقریب بیان کرینگے ۔

چوتھا جواب۔ ہم نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اللہ سبحانہ کی ہر ایک حکمت پر بالتفصیل مخلوق کا مطلع ہونا ضروری یا ممکن ہے۔ جائز ہے کہ اللہ سبحانہ کی بعض حکمتیں ایسی ہوں جن سے اس کے سوا کوئی دوسرا مطلع نہ ہو پس جو صورتیں تم نے بیان کی ہیں ممکن ہے کہ ان میں ایسی حکمتیں موجود ہوں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہ جانتا ہو۔ لہذا ہم سے یہ سوال کرنا کہ بتاؤ ان صورتوں میں کونسی حکمت ہے۔ یہ سوال تب صحیح ہو سکتا ہے کہ ہم دعوے کرتے ہیں کہ ہر ایک حکمت سے ہمارا واقف ہونا ضروری یا جائز ہے۔ اللہ سبحانہ کی بعض حکمتیں ایسی ہیں جن کو وہ آپ ہی جانتا ہے

دیکھو جب ملائکہ نے آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے کی نسبت استفسار کیا۔ تو ان کو یہ جواب ملا انی اعلم
ما لا تعلمون۔ یعنی میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ غرض جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ
[illegible] تمام افعال اور احکام کی [illegible] [illegible] ہے [illegible] ہے وہ یہ نہیں [illegible] ان حکمتوں کے جاننے
[illegible] [illegible] [illegible] ہے ۔

پانچواں جواب یہ اللہ سبحانہ اپنی ذات و صفات اور افعال میں بے مثل ہے۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں
کہ ان باتوں میں جن کو تم نے ذکر کیا ہے اللہ سبحانہ کی وہ حکمت ہے جو مخلوق کی حکمت کے مشابہ
اور اس کی جنس سے نہیں جیسا کہ اس کا فعل۔ ارادہ۔ قدرت۔ مشیت۔ محبت۔ رضا اور غضب
خلائق کی ان صفات کے مشابہ اور مماثل نہیں ۔

چھٹا جواب یہ کہ کسی فعل کی حکمت فاعل کے علم اور قدرت کے موافق اور اسکی تابع ہوتی ہے
پس جس شخص کا علم اور قدرت کامل درجے کے ہونگے اس کے افعال بھی زیادہ کامل اور غایت درجہ
کی حکمت پر مشتمل ہونگے۔ اور اللہ تعالےٰ کمال علم اور قدرت میں منفرد اور یکتا ہے پس اسکی حکمت
بھی اسکے علم اور قدرت کے مطابق کامل اور اعلےٰ درجے کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں سے
اس کا علم اور قدرت متعلق ہیں۔ ان چیزوں سے اسکی حکمت بھی متعلق ہے ۔

ساتواں جواب۔ ادلۂ قطعیہ اس بات پر دال ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ اپنے افعال اور احکام میں حکیم ہے
پس ان ادلہ کے لحاظ سے اسکے تمام افعال اور احکام میں حکمت کا ماننا ضروری ہے اور جو صورتیں تم نے
پیش کی ہیں۔ ان میں حکمت کے معلوم نہ ہونے سے ان ادلۂ قطعیہ کی مخالفت جائز نہیں۔ خاصکر جب کہ
کسی چیز کے نہ جاننے سے اس کا عدم لازم نہیں آتا ۔

آٹھواں جواب۔ جو صورتیں تم نے بیان کی ہیں ان کا حکمت سے خالی ہونا اللہ سبحانہ کے
کمال کے خلاف ہے۔ اور نیز یہ بات بھی اس کے کمال کے خلاف ہے کہ اس کی تمام حکمتوں پر
اس کی مخلوق کو اطلاع حاصل ہو بلکہ یہ بھی اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اس کی تمام حکمتوں پر مخلوق
مطلع نہ ہو۔ دیکھو اگر کوئی آدمی کسی دوسرے کو اپنے تمام امور اور اسرار پر مطلع کر دے تو اسکو غبی اور
نادان سمجھا جاتا ہے۔ پس اللہ سبحانہ کی شان اس سے اعلےٰ اور بلند ہے کہ وہ اپنی تمام حکمتوں اور اسرار
پر ہر ایک کو مطلع کر دے ۔

نواں جواب۔ یا تو تم اس بات کا اعتراف کرو کہ اللہ سبحانہ کے بعض اوامر اور بعض اشیا کے پیدا
کرنے میں حکمتیں موجود ہیں۔ سلسلۂ خلق اور امر میں کسی حکمت کے موجود ہونے کا انکار کرو۔ اگر تم اس بات کا انکار کرو اور

تمہارے جیسے ظالم لوگوں کی شان سے یہ کچھ بعید نہیں تو یہ انکار صرف کذب اور جھوٹ ہے اور اس سے
اللہ سبحانہ و تمام آسمانی کتابوں جیسے انبیاء علیہم السلام عقل، فطرت اور دین کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اور
ہونا ہماری نہیں تمہاری تکذیب کرتی ہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کے خلق اور امر میں جو ظاہر و باہر حکمتیں موجود
ہیں۔ اُن کا انکار کرنا ایسا ہے جیسا کہ سورج، چاند، رات اور دن کا انکار کرنا ہے اور رات سے
اہل کلام کی شان سے یہ کچھ بعید نہیں کیونکہ وہ بہت سے بدیہات کے منکر ہیں۔ پس اگر تم بھی سورج چاند
وغیرہ کا انکار کر جاؤ۔ تو کچھ تعجب نہیں۔ اور اگر اللہ سبحانہ کے بعض خلق اور امر میں حکمت کا وجود تسلیم کرتے
اور مانتے ہو تو ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ کونسی بات بہتر اور اولیٰ ہے حکمت کا وجود یا اس کا عدم اگر تم یہ کہدو
کہ حکمت کا عدم اس کے وجود سے اولیٰ ہے تو یہ صریح جھوٹ ہے اور اگر اسکے وجود کو اولیٰ مانتے ہو تو
ہم پوچھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ اپنے تمام خلق اور امر میں حکمت کے حاصل کرنے پر قادر ہے یا نہیں۔ اگر
یہ کہدو کہ اللہ سبحانہ کو اس پر قدرت نہیں تو یہ بات دین اور عقل کے خلاف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے
کہ تم بالکل اپنی عقل سے باہر ہو گئے ہو اور اگر یہ مانتے ہو کہ اللہ سبحانہ تمام خلق اور امر میں حکمت کے
موجود کرنے پر قادر ہے تو ہم کہینگے کہ جب اللہ سبحانہ ایک ایسی چیز کے حاصل کرنے پر قادر ہے جو فی
نفسہ کمال اور اس کا وجود اس کے عدم سے اولیٰ ہے تو پھر اس کی نفی کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے
اگر نفی کرنیکے متعلق یہ عذر پیش کرو کہ ہم اس لئے نفی کرتے ہیں کہ ہم کو اس کی حقیقت پر اطلاع حاصل نہیں تو یہ عذر مسموع
نہیں کیونکہ جب انبیاء نے بتلا دیا ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال حکمت سے خالی نہیں تو تمہارا اسکی حقیقت پر مطلع نہونا اسکے انکار اور نفی کیلئے
حجت نہیں ہو سکتا کسی چیز کی حقیقت پر مطلع نہونا اسکی نفی کیلئے دلیل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ تم سے اسکی بازپرس کریگا۔

دسواں جواب۔ تمام عقلاء اس بات پر متفق ہیں۔ کہ جب کوئی شخص ایسے کام کرے کہ جن میں اُس
کی حکمت ظاہر ہو اور وہ ایسے طور پر واقع ہوں کہ مصالح مقصودہ کیلئے وہ نہایت مناسب اور موافق
ہوں اور بار بار کئی بار اسکے افعال اسی طور پر مشاہدہ کئے جائیں۔ اور اس کے بعد کچھ افعال اُس
کے ایسے نظر آئیں جن کی حکمت و مصلحت بظاہر دوسرے لوگوں کو معلوم نہ ہو تو دیکھنے والوں کو
سوائے تسلیم کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ سمجھ چکے ہیں کہ اس شخص کے افعال ہمیشہ کسی مصلحت
اور حکمت کے لئے ہوتے ہیں۔ لہذا وہ اُن کاموں کی نسبت جن کی حکمت معلوم نہ ہو یہی رائے قائم کرتے ہیں
کہ ان کاموں میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور مخفی ہوگی۔ تمام اہل حرفہ کا اپنے استادوں کے
کاموں کی نسبت یہی خیال ہوتا ہے کہ استاد نے جو کام کیا ہے اس میں ضرور کوئی بھید ہے۔ گو ہم کو معلوم نہ ہو
منکرین حکمت و تعلیل کا اپنے ائمہ اور شیوخ کی نسبت بھی یہی اعتقاد ہے کہ جب انکو اپنے ائمہ کے

اصول اور مذہب کے قواعد پر کوئی اشکال پیش آتا ہے تو یہی کہتے ہیں کہ تم ہم سے زیادہ علم رکھتے اور
وہ ہم سے علم معرفت اور حکمت میں فائق تر ہیں۔ اپنے دلائل سے ثابت کیا ہے۔ جیسا کہ
کی نسبت جیسی بلاغت کی ملہ گئے اور ان سے ... اور سادہ ہیں جیسے کہ ... دیکھیے
سے عاجز ہے اس کے اعتقاد کو رد نہیں کرتے۔ اور ... ہو اور
اس پر ایسا شخص اعتراض کرے جو اس کے علوم سے جاہل اور بے خبر ہو اور ایسا نااہل اس کے قواعد پر
نکتہ چینی شروع کرے تو کیا ایسے معترض کو نادان اور بیوقوف نہیں شمار کیا جائیگا ضرور ایسے شخص کو نادان
اور پرلے درجے کا بیوقوف سمجھا جائیگا۔ پس جو شخص احکم الحاکمین۔ اعلم العالمین اور اقدر القادرین کی حکمت
پر اعتراض کرے تو اس کو بیوقوف اور نادان کیوں نہ سمجھا جائے بلکہ یہ اس شخص سے زیادہ نادان
ہے ؛

گیارھواں جواب ۔ خالق حکیم کی کمال حکمت کا یہی مقتضی ہے کہ وہ متضاد اور باہم متقابل چیزوں
کو پیدا کرے جیسے رات اور دن۔ بلندی اور پستی۔ طیب اور خبیث۔ خفیف اور ثقیل۔ میٹھا اور کڑوا۔ گرمی
اور سردی۔ تکلیف اور لذت۔ موت اور حیات۔ مرض اور دوا وغیرہ وغیرہ۔ پس ایسی متقابل چیزوں
کو پیدا کرنا اس کی حکمت کاملہ۔ قدرت قاہرہ۔ مشیت نافذہ اور ملک کامل کا مظہر ہے۔ پس ان متضاد
اشیاء کے پیدا کرنے کو بے سود اور خالی از حکمت قرار دینا گویا اللہ سبحانہ کے ان صفات کے مقتضی۔
احکام اور آثار کا انکار کرنا ہے۔ اور یہ ناجائز اور باطل ہے۔ کیونکہ اس کی ہر ایک صفت عالی کے
لئے ایک مقتضی۔ حکم اور اثر ہے جو اسکے کمال کا مظہر ہے۔ اگرچہ اللہ تعالےٰ کے جمیع صفات بذات
خود کامل ہیں لیکن ان کے آثار و احکام کا ظاہر ہونا بھی انکے کمال میں داخل ہے۔ پس انکے آثار کی
نفی کرنا جائز نہیں۔ مثلاً صفت قدرت مقدور کو اور صفت خالقیت مخلوق کی مقتضی ہے اور اسی طرح
دوسرے اسماء و صفات۔ جیسے وہاب۔ رازق۔ معطی۔ مانع۔ ضار۔ نافع۔ مقدم۔ مؤخر۔ معز۔ مذل۔
عفو۔ رؤف وغیرہ ہر ایک اپنے آثار اور احکام کا مستدعی اور مقتضی ہے۔ پس اگر ان صفات کو مخلوق
مرزوق وغیرہ سے معطل قرار دیا جائے تو ان کا کمال ظاہر نہ ہوگا۔ اور یہ اپنے آثار اور مقتضی سے معطل
اور بیکار ہونگے پس اگر سب مخلوق مطیع۔ عابد اور خدا کی شکر گذار ہوتی۔ تو بہت سے صفات علیا اور
اسماء حسنی معطل اور بیکار ہوتے۔ صفت عفو۔ مغفرت۔ صفح و تجاوز۔ درگذر کرنا۔ انتقام۔ عزت۔ قہر اور عدل
کے آثار کا ظہور کیونکر ہوتا۔ یہ اس کی حکمت ہی کا تقاضا ہے۔ کہ ہر ایک چیز کو اس کے مناسب موقع
میں رکھا ہے۔ پس اگر سب مخلوق یکساں ہوتی تو وہ حکمتیں۔ آثار۔ عبرتیں اور غایات جو انکے موجودہ صورت

پیدا کرنے میں متصور نہیں یا فوت ہو جاتیں۔ اور اللہ سبحانہ کے کمال ملک اور تصرف کا ظہور نہ ہوتا۔ کیونکہ اگر کوئی بادشاہ ایسا ہو کہ اپنے مقدورات میں سے صرف ایک ہی قدر میں اُس کا تصرف منحصر ہو تو اُس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دوسرے مقدورات میں تصرف کرنے سے عاجز ہو اور اپنی عاجزی کی وجہ سے اُن کو چھوڑ دے۔ دوسری یہ کہ باقی مقدورات میں تصرف کرنے میں جو مصالح ہیں اُن سے جاہل ہو اور اللہ سبحانہ ان دونوں عیبوں سے پاک ہے کیونکہ وہ اقدر القادرین، اعلم العالمین اور احکم الحاکمین ہے۔ پس اس کا تصرف اپنے ملک میں ایک قدر میں منحصر نہیں اسلئے کہ یہ اُسکے کمال ملک کے لئے نقص اور عیب ہے۔ اللہ سبحانہ کا علی کمال یہی ہے کہ اُسکے جمیع صفات عطا۔ منع۔ خفض (پست کرنا) رفع (بلند کرنا) ثواب۔ عقاب۔ اکرام۔ اہانت۔ اعزاز۔ اذلال (ذلت دینا) تقدیم۔ تاخیر۔ ضرر۔ نفع وغیرہ کے آثار و احکام ظاہر ہوں اور نیز یہ بات پائی جائے کہ بعض مخلوق کو اپنی خاص نعمتوں کے ساتھ مخصوص فرمائے اور بعض کو بعض پر فضیلت بخشے اور اگر ان متضاد صفات کے آثار ایک ہی ایسے نوع میں پائے جاتے کہ جس کے سب افراد یکساں ہوں۔ تو یہ اُسکی حکمت کے خلاف تھا۔ کیونکہ وہ متماثل چیزوں میں فرق کرنے اور مختلف اشیاء میں مساوات کو پسند نہیں رکھتا۔ بلکہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں انکی مذمت اور جو ایسا کرنے کو اُسکی طرف نسبت کرتے ہیں اُن کی تردید بیان کی ہے۔ قرآن کریم میں اِس قسم کی آیات بکثرت موجود ہیں جو مختلف اشیاء میں مساوات اور متماثل چیزوں میں فرق کرنے والوں کی مذمت پر دلالت کرتی ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ جس صفت کو بندے اپنے لئے بُرا سمجھتے اور جسکی بُرائی ضرب المثل کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ اور اُنکی فطرت میں یہ داخل ہے کہ جو شخص اِس صفت کے ساتھ موصوف ہو اُس پر طعن و تشنیع کرتے ہیں تو وہ بات اللہ سبحانہ کی ذات مقدس کی طرف نسبت کرنی کیونکر روا رکھتے ہیں اور نیز یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اللہ سبحانہ بندوں کے اِس صفت کے ساتھ موصوف ہونے پر تو اُن کی مذمت کرے اور خود اِس صفت کے ساتھ موصوف ہے اور مذمت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ صفت ایک نقص اور عیب ہے۔ جب بندوں کے لئے عیب ہے تو اللہ سبحانہ اِس عیب سے بطریق اولیٰ منزہ ہوگا۔ غرض جبکہ اللہ سبحانہ کے اسماء و صفات کے آثار کا ظہور ضروری ہے اور باہم متقابل اور متضاد چیزوں کے بغیر ان آثار کا ظہور ممکن نہیں اِسلئے حکمت الٰہی کا یہ تقاضا ہے کہ ایسی متقابل اور متضاد چیزوں کو پیدا کیا جائے ورنہ اِن صفات کے ساتھ اللہ سبحانہ کے اتصاف کا حکم کرنا بے معنی ہوگا۔ اور یہ جائز نہیں ❊ چنانچہ

بارھواں جواب۔ اسکی توضیح کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے اسماء حسنیٰ میں سے وہ اسماء بھی ہیں جو مزدوجہ

کہلاتے ہیں۔ جیسے معز۔ مذل۔ خافض۔ رافع۔ قابض۔ باسط۔ معطی۔ مانع اور منجملہ اُسکے صفات علیا
کے صفات متقابلہ ہیں جیسے رضا۔ سخط۔ حب۔ بغض۔ عفو۔ انتقام اور یہ تمام صفات کمال ہیں۔ ورنہ
اللہ تعالےٰ ان صفات کے ساتھ موصوف اور ان اسماء کے ساتھ موسوم نہ ہوتا۔ اور جب صفات
کمال ہیں تو انکے آثار کے متعلق چند احتمال ہوسکتے ہیں یا تو انکے آثار مقتضی معطل اور منتفی ہوں۔
اور یہ جائز نہیں کیونکہ اس سے خود ان صفات کا معطل اور بیکار ہونا لازم آتا ہے۔ یا یہ صورت ہو کہ ان کا
تعلق ایسے محل سے ہو اور انکے آثار وہاں پائے جائیں جو انکے لئے مناسب نہ ہو اور یہ بھی ناجائز
ہے کیونکہ یا اللہ سبحانہ کی حکمت کے خلاف اور اُسکی ذات کے لئے نقص اور عیب ہے یا یہ صورت
ہو کہ ان کا تعلق اُن مواضع اور ایسے اشخاص کے ساتھ جو انکے لئے لائق اور مستحق ہوں اور جبکہ
پہلی دو صورتیں باطل ہیں۔ تو ضرور تیسری صورت متعین ہے اور جس شخص کو اللہ تعالےٰ کے اسماء
و صفات کے معانی اور حقیقت معلوم ہے اُسکے لئے یہی ایک جواب کافی ہے +

تیرہواں جواب منجملہ اسماء حسنیٰ کے ایک اسم ملک ہے جس کے معنی ہیں صاحب ملک اور
اللہ سبحانہ کے لئے من کل الوجوہ مملکت حقیقی ثابت ہے اور یہ صفت تمام صفات کمال کو مستلزم ہے
کیونکہ یہ بات ناممکن اور محال ہے کہ ملک حقیقی کا مالک وہ شخص ہو جس میں حیات۔ قدرت۔ ارادہ۔
سمع۔ بصر۔ کلام وغیرہ صفات کمال موجود نہ ہوں اور نہ افعال اختیاریہ اُسکی ذات کے ساتھ قائم ہوں
وہ شخص جو امر و نہی۔ ثواب و عقاب۔ عطا و منع۔ اعزاز و اذلال۔ اہانت و اکرام۔ انعام و انتقام۔
خفض و رفع وغیرہ کچھ نہیں کرسکتا اور نہ اپنے وسیع ملک کے اطراف و نواحی میں اپنے پیام رسان
بھیج سکتا اور نہ اپنے رعایا کو اپنے اوامر و نواہی سے مطلع کرسکتا ہے مملکت کے سزاوار کب ہوسکتا
ہے۔ اور جس شخص میں یہ باتیں موجود نہ ہوں۔ اُسکے صاحب ملک ہونے کا کیا معنی ہے۔ یہاں سے
یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ اللہ سبحانہ کے اسماء و صفات کو معطل قرار دیتے ہیں۔ انکے نزدیک دنیا کے
بادشاہ خداوند برتر سے اعلےٰ پایہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ امور مملکت کے متعلق وہ تو سب کچھ کرسکتے ہیں اور
خدا تعالےٰ کچھ نہیں کرسکتا۔ اور اگر دنیا کے کسی ادنےٰ حاکم کی نسبت ایسی باتیں کہی جائیں جو منکرین حکمت
خدا تعالےٰ کی نسبت کہتے ہیں تو وہ کس قدر ناخوش ہو۔ غرض اللہ سبحانہ کی صفت مملکت اُن تمام اشیا کے
وجود کو مستلزم ہے کہ جن پر تصرف کا دارومدار ہے۔ اور چونکہ سب کا خالق وہی ہے لہذا اُس کے ملک
کا کمال کسی دوسری چیز پر موقوف نہیں۔ کیونکہ اُسکے ماسوا جتنی چیزیں ہیں۔ سب اُسکی طرف منسوب
اور اپنے وجود میں اُسکی مشیت اور خلق کی طرف محتاج ہیں +

اس کی توضیح جو سوال و جواب سے ہے کہ اللہ سبحانہ کے ملک کا کمال یہ ہے کہ مالک ہونے کے ساتھ ہی محمود بھی ہو نہیں تو اس کے لیے ملک اور حمد دونو ثابت ہیں۔ اور اس مسئلہ کے متعلق لوگوں کے تین فریق ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور انکے متبعین اللہ سبحانہ کے ملک اور حمد دونو کے قائل ہیں۔ اور ان لوگوں کا یہی مذہب ہے۔ جو اللہ سبحانہ کی تقدیر حکمت اور اسکے اسماء و صفات کے حقائق کو مانتے اور نقائص اور مخلوقات کی مشابہت سے اسکو منزہ سمجھتے ہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق اہل سنت کے سوا تمام فریق کے اقوال مضطرب اور حیرت انگیز ہیں۔ دوسرے فریق نے اللہ سبحانہ کے ملک کا تو اقرار کیا۔ مگر حمد کا انکار کیا ہے۔ اور یہ فرقہ جبریہ ہے جو حکمت و تعلیل کے منکر اور اس بات کے قائل ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ نے ہر ایک ممکن چیز کے ایجاد پر قادر ہے اور کسی قبیح فعل سے اسکو منزہ نہیں سمجھتے بلکہ کوئی ممکن چیز ان کے نزدیک قبیح نہیں۔ یہ لوگ صرف محال بالذات جیسے اجتماع النقیضین وغیرہ کو قبیح خیال کرتے ہیں۔ پس انکے نزدیک یہ بھی جائز ہے۔ کہ اللہ سبحانہ ملائکہ۔ انبیاء۔ رسل اور اپنے مطیع اور فرمانبرداروں کو تو عذاب میں ڈالے اور ابلیس اور اسکی جماعت کی عزت و اکرام فرمائے اور ابلیس اور نافرمانوں کو جنت میں وہ مدارج عطا کرے جن سے انبیاء اور اولیا کو محروم رکھے۔ اور نیز یہ کہتے ہیں کہ ہم ان امور کو محال صرف اسلئے کہتے ہیں۔ کہ چونکہ اللہ تعالےٰ نے خبر دے چکا ہے کہ انبیاء اور مومنین کو جنت میں اور شیطان اور مشرکین کو دوزخ میں داخل کریگا پس اگر اس کا خلاف ہو تو یہ خبر کاذب اور غلط ثابت ہوتی ہے ورنہ فی نفسہ یہ امور جائز ہیں۔ انکے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ اپنی اور انبیاء کی نافرمانی۔ بت پرستی۔ جھوٹ۔ بدکاری۔ خونریزی۔ چوری۔ بے شرمی وغیرہ برے کاموں کے بجا لانے کا حکم کرے اور نیکی۔ راستبازی سچائی۔ احسان اور پاکدامنی سے منع کرے۔ اور ان سب کاموں میں فی نفسہ کوئی فرق نہیں سب یکساں ہیں۔ مامور بہ یا منہی عنہ ہونے کے لئے صرف اسکی مشیت باعث ہے ورنہ مامور بہ کاموں میں کوئی حسن و خوبی نہیں جس کی وجہ سے وہ اللہ سبحانہ کو محبوب اور مامور بہ ہوں۔ اور منہی عنہ کاموں میں کوئی قباحت اور برائی نہیں کہ جس کی وجہ سے وہ اللہ سبحانہ کے نزدیک ناپسند اور ممنوع ہوں۔ غرض اس فریق نے خدا تعالےٰ کی صفت حمد کا انکار اور صفت ملک کا اپنے خیال میں اثبات کیا ہے۔ مگر حقیقۃ الامر یہ ہے کہ یہ فریق خدا کی صفت مملکت کا بھی قائل نہیں کیونکہ یہ اللہ سبحانہ کو ازل و ابد میں معطل ٹھیراتے ہیں کہ اس کے ساتھ کوئی فعل قائم نہیں۔ اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ سبحانہ کو ان صفات کمال سے بھی معطل قرار دیتے ہیں۔ کہ جن کے بغیر صفت

مالکیت۔ ربوبیت الہیت کا وجود ممکن نہیں۔ خلاصۃ المطلب یہ فریق صفت حمد کا قائل ہے نہ صفت مملکت کا معترف ہے۔ یہ فریق وہ ہے جو اللہ سبحانہ کیلئے ایک نوع حمد کے تو قائل ہیں مگر کمال ملک کا انکار کرتے ہیں اور یہ فرقہ قدریہ ہے جو ایک نوع حکمت کے قائل مگر اس پر اللہ سبحانہ کے کمال قدرت کے منکر ہیں۔ اس طور پر وہ ایک نوع حمد کے قائل اور کمال ملک کے منکر ہیں۔ مگر درحقیقت یہ حمد اور ملک دونوں کے قائل نہیں کیونکہ جس حکمت کو ثابت کرتے ہیں اسکو مخلوق کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کی طرف اس کا حکم عائد نہیں ہوتا اور جس معنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے صفت ملک تسلیم کرتے ہیں وہ حقیقت میں صفت ملک کی نفی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ کے ساتھ ان صفات کمال کے قیام کے منکر ہیں۔ کہ جن کے بدون صفت مملکت کا تحقق ناممکن اور محال ہے۔ اور نیز اللہ سبحانہ کے افعال اختیاریہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ غرض انکے نزدیک اللہ سبحانہ کے ساتھ کوئی صفت یا فعل قائم نہیں۔ ارادہ۔ کلام۔ سمع۔ بصر۔ حب اور بغض وغیرہ کسی صفت اور فعل کے قیام کے قائل نہیں۔ پس انکے نزدیک اللہ سبحانہ حقیقت حمد اور ملک دونوں سے معطل ہے۔ چونکہ ملک کا کمال اور عموم تقدیر اس امر کے اثبات کو مستلزم ہے کہ اللہ سبحانہ کے ملک میں کوئی چیز اس کی مشیت بغیر موجود نہ ہو۔ اور قدریہ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ لہٰذا وہ کمال ملک کے منکر ہیں۔ اور چونکہ کمال حکمت اور عموم حمد اس بات کو مستلزم ہے کہ سلسلہ خلق اور امر میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کے لئے حکمت اور غایت محمودہ نہ ہو اور یہ امر بھی انکے نزدیک جائز نہیں اسلئے عموم حمد کو تسلیم نہیں کرتے ؛

اسکی توضیح پندرھواں جواب ہے۔ کہ کوئی کام جو بغیر قصد اور سوائے کسی حکمت اور مصلحت کے صادر ہو وہ قابل حمد نہیں ہو سکتا۔ گو اس پر کوئی مصلحت مترتب ہو جائے۔ مگر چونکہ اس مصلحت کا حصول مقصود نہیں ہوتا لہٰذا اس کام کی وجہ سے اس کا فاعل مستحق حمد نہیں ہو سکتا جیسا کہ اس کو ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔ بلکہ وہ شخص جو کسی مصلحت حکمت اور غایت محمودہ کے لئے کسی کام کا ارادہ کرے۔ اور اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو۔ بلکہ اس کے پورا کرنے سے عاجز ہو۔ تو وہ اس شخص کی نسبت قابل حمد اور تعریف ہے جو اپنے ارادہ کے پورا کرنے پر قادر ہے۔ مگر کسی مصلحت یا حکمت یا کسی کے ساتھ احسان کرنیکے ارادہ سے کام نہیں کرتا۔ یہ بات ایسی ظاہر اور بدیہی ہے۔ کہ مخلوق کی فطرت میں داخل ہے۔ اور یہ بات اظہر ہے کہ اللہ سبحانہ کی حمد آسمانوں۔ زمین اور انکے مابین کو پُر کئے ہوئے ہے۔ عالم علوی۔ سفلی دنیا و آخرت سب میں اسکی حمد ثابت ہے۔ اس کی حمد ایسی ہی وسیع جیسا کہ اسکا علم وسیع ہے۔ وہ تمام مخلوق کے پیدا کرنے پر کمال حمد کا مستحق ہے اور ہر ایک حکم پر وہ قابل ثنا و تعریف ہے۔ آسمان اور زمین اسی کی حمد کے ساتھ قائم ہیں۔ عالم علوی اور سفلی

میں کوئی چیز ایک حال سے دوسرے حال کی طرف اُسکی حمد کے بدون متحول و متبدل نہیں ہوتی اہل جنت جنت میں اور دوزخی دوزخ میں اُسکی حمد کے ساتھ داخل ہونگے۔ چنانچہ حسن بصریؒ کا قول ہے۔ کہ دوزخی جب دوزخ میں داخل ہونگے۔ تو اُس وقت اللہ سبحانہ کی حمد اُنکے قلوب میں متمکن ہوگی۔ اللہ سبحانہ کی نسبت ذرہ بھر ظلم کا خیال نہیں کرینگے۔ اللہ سبحانہ نے اپنی کتاب کو حمد کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کو حمد کے ساتھ بھیجا ہے۔ اور اپنی مخلوق کو حمد کے ساتھ زندہ رکھتا اور حمد ہی کے ساتھ اُن کو مارےگا۔ اِسی واسطے اللہ سبحانہ نے اپنی ربوبیت کا ظاہر پر خود اپنی ذات کی حمد فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے) اور کتاب کے نازل فرمانے پر بھی اپنی حمد بیان فرمائی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ (ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر قرآن اُتارا) اور آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے پر اپنی حمد کا ذکر فرمایا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (ہر قسم کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جس نے آسمان کو پیدا کیا اور (نیز) زمین کو اور اندھیرے بنائے اور (نیز چاندنا) اور اپنے کمال ملک پر اپنی حمد و ثناء بیان فرمائی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ (دنیا میں بھی تمام تعریف اسی اللہ ہی کو سزاوار ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (سب) اسی کا ہے اور آخرت میں (بھی) اسی کی تعریف ہے اور وہی حکمت والا (اور) باخبر ہے) اور تمام زمانوں سب مکانوں اور ہر چیز اور ہر بات میں اُس کی حمد موجود ہے فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ۔ (پس جس وقت تم لوگوں کو شام ہو اور جس وقت تم کو صبح ہو اللہ کی تسبیح و تقدیس کرو اور آسمان و زمین میں وہی اللہ تعریف کے لائق ہے اور (نیز) تیسرے پہر اور جب تم لوگوں کو دوپہر ہو (اللہ کی تسبیح و تقدیس کرو) وہ تمام چیزوں کے پیدا کرنے پر جبکہ ہر ایک کی خلقت کو اُسی نے عمدگی کے ساتھ بنایا ہے کیونکر محمود نہ ہو الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ (اُس نے جو چیز بنائی خوب ہی بنائی) اور اس کے کمال صنعت پر کیسے تعریف نہ ہو۔ جبکہ سب اشیاء اسی کی صنعت محکمہ کے آثار ہیں۔ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (یہ بھی) اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو خوب پختہ طور پر بنایا ہے) اور اس کے اوامر پر اُسکی ثنا کیوں نہ ہو جبکہ وہ سب کے سب حکمت و درست۔

عدل اور مصلحت پر مبنی نہیں ہے۔ اور اس سے کوئی بھی چیز خالی نہیں ہے۔ یہ جو بعض باتیں ہیں ان سے تمام برائیوں اور بدکاریوں سے
منع فرمایا ہے اور اسی طرح اس کے ثواب سے بھی نوازا ہے یہ کہ فضل رحمت اور احسان ہے اور اسکے عذاب
کی بنیاد اس کا عدل اور انصاف ہے اس کی حمد و تعریف بیشمار ہے۔ ...
ہیں اور ملک اسی کا ہے ... اسی کے قبضہ میں ہے ... اور جو کچھ آپ کی
طرف سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ... کوئی کام بھی ... حکمت سے خالی نہیں ...
مطابق وہ اعلیٰ درجہ کی تعریف اور حمد کا مستحق ہوگا اور جب اس کے کام میں کوئی حکمت نہ ہوگی اور نہ
اس نے کسی حکمت و مصلحت کا ارادہ کیا ہوگا۔ تو اس کام پر وہ ہرگز قابل تعریف نہیں ہو سکتا۔

سولہواں جواب۔ اللہ سبحانہ کو یہ بات محبوب ہے کہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے۔ اور
اس کا شکر بجا لانا عقلاً، شرعاً اور فطرتاً ضروری اور واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کا وجوب تمام
واجبات کے وجوب سے زیادہ ظاہر اور واضح ہے۔ اللہ سبحانہ کا حق کہ اس کے بندوں پر کیونکر ضروری نہ
ہو جبکہ اس کی حمد۔ توحید۔ محبت۔ اس کی نعمتوں اور احسانات کا یاد کرنا۔ اس کی تعظیم بجا لانا۔ اس
کے سامنے عاجزی ظاہر کرنا۔ اور اس کی نعمتوں کا اظہار اور ان کا اقرار کرنا یہ سب امور بندوں پر ضروری
اور واجب ہیں۔ اور شکر اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب ہے اور اس کا بدلہ اور ثواب بھی
اعلیٰ اور اعظم ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اور انکی ہدایت کیلئے اپنے پیغمبر بھیجے۔ کتابیں
نازل فرمائیں شریعتیں مقرر کی ہیں۔ اور یہ امور ان اسباب کے پیدا کرنے کو مستلزم ہیں۔ جن کے
ذریعہ سے شکر کا کمال حاصل ہو منجملہ ان اسباب کے ایک یہ بات ہے کہ خالق نے اپنے بندوں کو
ظاہری اور باطنی صفات کے لحاظ سے متفاوت اور مختلف بنایا یعنی خلقت۔ اخلاق۔ دین۔
رزق معیشت اور عمر وغیرہ میں باہم متفاوت و مختلف پیدا کئے ہیں تاکہ صاحب عافیت مصیبت
والے کو اور غنی فقیر کو اور مومن کافر کو دیکھے تو اللہ سبحانہ کا شکر بجا لائے اور اس کی نعمت اور فضل کی
قدر کرے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عاجزی اور اس کی اس نعمت کا جو خاص اسکو عطا ہوئی ہے
اقرار کرے ایک اثر میں جسے امام احمد نے کتاب الزہد میں نقل کیا ہے مذکور ہے کہ موسیٰ ؑ نے عرض
کیا اے میرے رب تو نے سب بندوں کو یکساں کیوں نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ اسلئے
کہ میں نے یہ چاہا کہ بندے میری نعمتوں کا شکر بجا لائیں۔ اگر کوئی شخص یہاں پر یہ شبہ پیش کرے۔ کہ یہ بھی
ہو سکتا تھا کہ سب بندوں کو برابر مساوی نعمتیں عطا فرماتا اور سب کو یکساں شکر کی توفیق عطا فرما دیتا چنانچہ ملائکہ
کی یہی حالت ہے۔ کہ وہ سب اللہ کی عبادت اور اطاعت میں مصروف ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر

اللہ سبحانہ ہے۔ کیونکہ اس کو دیتا تو اس صورت میں ایک دوسری قسم کا شکر حاصل ہوتا اور جو شکر ہو وہ صورت
میں حاصل ہے یہ مفقود ہوتا حالانکہ شکر کی یہ نوع جو وہ صورت میں حاصل ہے یہ اعلیٰ اور افضل ہے۔
کیونکہ یہ وہ شکر ہے جو بعض کو بعض پر فضیلت دینے اور اس نعمتوں کے ساتھ مخصوص کرنے پر مبنی ہے
اسی واسطے ملائکہ کا وہ شکر اور اللہ سبحانہ کی عظمت و جلال کے سامنے عاجزی اور اپنی ذلت ظاہر کرنا
جو ابلیس اور ہاروت و ماروت کے ماجرے کے دیکھنے کے بعد وقوع میں آئے۔ پہلے شکر و خضوع
اور ذلت سے کہیں زیادہ اعلیٰ و اکمل تھے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی ایک حکمت ہے۔ اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام
اور ان کے متبعین کا وہ شکر جو اپنے دشمنوں کے ہلاک ہونے۔ اللہ عزوجل کے ان سے انتقام لینے اور
ان پر عذاب نازل ہونے کو مشاہدہ و معائنہ کرنے کے بعد بجا لائے۔ اعلیٰ و اکمل تھا۔ اور اسی طرح
اہل جنت کا وہ شکر جو اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں۔ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں اور
مشرکین کے عذاب کو دیکھنے کے بعد وہ جنت میں بجا لائیں گے نہایت کامل اور اعظم ہوگا۔ اور اس وقت
انکی رضا اور محبت اپنے مالک سے زیادہ ہو جائیگی۔ اور بخلاف اسکے اگر سب مخلوق نعمتوں میں یکساں
ہوتے تو اس قسم کا شکر متصور نہ ہوتا۔ غرض اللہ سبحانہ کے پیارے بندوں کی محبت۔ رضا اور شکر
اس صورت میں زیادہ اتم اور کامل ہے۔ جبکہ وہ ۔۔ جنسی نوع کو اپنی حالت کے مخالف پائیں۔
قاعدہ ہے۔ کہ کسی چیز کا حسن اور خوبی اس کی ضد کے لحاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لئے یہ فقرہ
مشہور اور زبان زد ہے وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ یعنی اشیاء اپنے اضداد کے ساتھ قیاس اور
موازنہ کرنے سے معلوم اور ظاہر ہوتی ہیں۔ اگر بد صورتی پیدا نہ ہوتی تو جمال اور حسن کی فضیلت کیونکر
معلوم ہوتی۔ اور اگر تاریکی اور اندھیرے کو پیدا نہ کرتا تو نور اور روشنی کی خوبی کیسے ظاہر ہوتی اور
اگر طرح طرح کی مصیبتیں اور تکالیف پیدا نہ کرتا تو عافیت اور آرام کی قدر کس طرح معلوم ہوتی۔
اور اگر دوزخ کو پیدا نہ کرتا تو جنت کی قدر کون کرتا۔ اور اگر اللہ سبحانہ ہمیشہ دن کو نہ پیدا کرتا بلکہ
ہمیشہ رات ہی ہوتی یا رات کو پیدا نہ کرتا ہمیشہ دن ہی دن رہتا تو نہ رات کی قدر معلوم ہوتی اور نہ دن
کی خوبیاں ظاہر ہوتیں نعمت کی قدر وہی شخص جانتا ہے جس نے تکلیف کا مزہ چکھا ہو۔ اور
مال کی قدر وہی سمجھتا ہے جس نے فاقہ کشی اور فقر کی تکلیفیں دیکھی ہوں۔ اگر سب آدمی حسن و جمال
میں ایک صورت پر ہوتے تو حسن و جمال کی قدر کس کو معلوم ہوتی۔ اور سب کے سب مومن و موحد
ہوتے تو نعمت ایمان کی قدر کیونکر معلوم ہوتی۔ غرض اللہ تبارک و تعالیٰ کے خلق اور امر میں وہ
حکمتیں کاملہ اور منفعتیں نافعہ موجود ہیں جن کے ادراک سے مخلوق کی عقلیں قاصر ہیں۔ اور

اس کی توضیح و تفصیل سترھواں جواب ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کو یہ بات محبوب ہے کہ اُس کی مخلوق
عبادات کے مختلف طریقوں سے اس کی عبادت و اطاعت بجا لاتی۔ اور کسی سے اللہ کیلئے
دوستی اور اسی کے واسطے دشمنی کرنا حب فی اللہ بغض فی اللہ۔ جہاد فی سبیل اللہ اسکی رضامندی
کے لیئے جان کو خرچ دینا۔ اور اُس کے دشمنوں کفار و مشرکین سے محاربہ و مقابلہ کرنا عبادات کے اعلےٰ
اور افضل انواع میں سے ہے جو اللہ سبحانہ کو نہایت محبوب اور پسند ہے اور عبادات کے اسی نوع کا
حصول دو قسم کے لوگوں کے پیدا کرنے پر موقوف ہے ایک مومن اور خدا تعالےٰ کے شکر گذار اور اُس
کے فرماں بردار بندے۔ دوسرے کفار اور نافرمان لوگ۔ اور پھر بعض کو بعض پر مسلط کرنے میں یہ حکمت ہے
کہ جو کام اللہ سبحانہ کو محبوب ہیں وہ ایک اعلےٰ پیمانہ پر موجود اور واقع ہوں اور اُس کے پیارے بندے اسکی
راہ میں جانبازی اور اُس کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کرنے سے اُس کے قرب کے مدارج حاصل کریں اور
دعوت الٰہی اور کلمۂ حق کلمۂ باطل پر غالب آ سکے۔ اور اسکے علو و افضلیت و شرف کا ظہور پایا جائے
پس اگر کلمۂ باطل کفر اور شرک کا وجود نہ ہوتا تو کلمۂ حق اور دعوت خدائی کس چیز پر فائق اور غالب
ہو سکتے۔ کیونکہ غلبہ اور فوقیت مغلوب کے وجود کو مستلزم ہے۔ کوئی چیز اپنی ذات پر غالب فائق
نہیں ہو سکتی۔ اور کسی دوسری چیز پر غالب اور فائق ہونا اُس چیز کے وجود کے بدوں ناممکن اور محال
ہے ؁

اور اسکی توضیح و تفصیل اٹھارھواں جواب ہے کہ عتق (غلام آزاد کرنا) صدقہ۔ ایثار۔ مواسات۔
(غمخواری کرنا) عفو و صفح (درگذر کرنا) صبر۔ غصہ کو مٹانا۔ اور تکالیف کو برداشت کرنا وغیرہ عبادت
کے انواع میں سے ہیں اور یہ انواع اپنے متعلقات اور اسباب کے بدوں موجود نہیں ہو سکتے
مثلاً اگر کفر و شرک نہ ہوتا تو رقیت اور غلامی جو کفر کے آثار میں سے ہے متحقق اور موجود نہ ہوتی اور
جب غلامی موجود نہ ہوتی۔ تو غلام کو آزاد کرنا جو عبادت کا ایک قسم ہے حاصل اور موجود نہ ہوتا۔ اور
اگر ظلم۔ تعدی۔ اور بُرائی موجود نہ ہوتی تو صبر منانی اور غصہ مٹانے کا وجود نہ ہوتا۔ اور اگر فقر اور حاجت
موجود نہ ہوتے تو صدقہ۔ ایثار اور مواساۃ پائے جاتے پس اگر اللہ سبحانہ تمام مخلوق کو یکساں پیدا
کرتا۔ تو عبادت کے یہ انواع جو اُسکو نہایت محبوب ہیں۔ اور انہی کے واسطے آدمیوں اور جنات کو
پیدا کیا ہے۔ اور انہی کی بجا آوری کے لئے شریعتیں مقرر فرمائی۔ کتابیں نازل کی ہیں۔
انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور دُنیا و آخرت کو پیدا کیا ہے۔ اور نیز یہ عبادات اُس کے صفات کمال
میں سے ہیں۔ اور اگر ان اسباب کو کہ جن پر ان کا حصول موقوف ہے۔ پیدا نہ کرتا تو یہ کمال ثابت

نہ ہوتا۔ اور ان صفات کے احکام معطل ہو جاتے۔ اور اس کی توضیح پہلے بیان ہو چکی ہے ۔

اٹھواں جواب۔ اللہ سبحانہ کو اپنے کسی بندے کے توبہ کرنے پر وہ انتہا درجے کی خوشی حاصل ہوتی ہے جو کسی کے خیال و وہم میں نہیں آسکتی۔ اور اس خوشی کا حصول توبہ پر موقوف ہے۔ اور توبہ کا وجود گناہ پر متفرع اور متوقف ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز کسی دوسری چیز پر موقوف ہو وہ اسکے بدون موجود نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ملزوم کا بدون لازم موجود ہونا محال ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فرحت اور خوشی کا وجود اس کے عدم سے اولیٰ اور بہتر ہے پس اسکے کمال حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ اس خوشی کے اسباب اور لوازم بھی پیدا کیے جائیں۔ اور اعلم الخلق سرور کائنات صلعم نے صحیح حدیث میں اس مضمون پر متنبہ فرمایا ہے کہ "اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ ایک ایسی مخلوق پیدا کرتا جو نیک کاموں کے ساتھ گناہ (بھی) کرتے اور گناہ کرنے پر اللہ سے معافی مانگتے۔ اور اللہ تعالیٰ انکے گناہوں کو بخشدیتا" پس اگر گناہوں اور معاصی کا وجود نہ ہوتا۔ تو اللہ غفور کس کے گناہ معاف کرتا اور تواب رحیم کس کی توبہ قبول فرماتا۔ اور عفو رحیم کس سے درگذر کر کے اپنا حق معاف کرتا۔ اور اسکے فضل۔ جود۔ حلم۔ کرم اور مغفرت کا ظہور کیونکر ہوتا۔ حالانکہ وہ واسع المغفرۃ ہے۔ منکرین حکمت و تعلیل سے ہم پوچھتے ہیں کہ اللہ غفور رحیم صفت مغفرت سے موصوف ہے یا نہیں اگر اس صفت کا انکار کریں تو یہ نصوص صریحہ کے خلاف ہے۔ اور اگر اس صفت کو مانتے ہیں۔ تو کیا اس صفت کا وجود ذنوب و معاصی اور مذنبین و گناہگار اشخاص کے بدون متصور ہوسکتا ہے ہرگز نہیں۔ ذنوب و معاصی جو مخالف اشیاء کے مقدر کرنے کے لیئے اگر اس کے سوا اور کوئی حکمت نہ ہوتی۔ تو صرف یہی ایک حکمت اور غایت انکے مقدر اور موجود کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور جب ان کا مقدر کرنا ان حکمتوں مصالح اور غایات محمودہ کو متضمن ہے جو انسان کے خیال و وہم میں نہیں آسکتیں۔ تو پھر ان حکمتوں میں ان کا مقدر و موجود کرنا کیونکر عبث اور بے سود ہوسکتا ہے۔ منقول ہے کہ کوئی عابد۔ طواف کے وقت یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اعْصِمْنِیْ مِنَ الْمَعَاصِیْ (اے اللہ مجھے گناہوں سے محفوظ رکھیو) اور اس دعا کو بار بار پڑھتے۔ خواب میں ان سے کہا گیا کہ تم مجھ سے گناہوں سے محفوظ رہنے کا سوال کرتے ہو۔ اور دوسرے بندے بھی مجھ سے گناہوں سے محفوظ رہنے کا سوال کرتے ہیں۔ پس اگر سب گناہوں سے محفوظ رکھا جائے۔ تو پھر مغفرت عفو اور قبولیت توبہ کیلئے کون لوگ مستحق و سزاوار ہونگے۔ اللہ سبحانہ کے نزدیک توبہ محبوب و پسندیدہ نہ ہوتی۔ تو اپنے پیارے بندوں کو گناہوں میں مبتلا نہ کرتا ۔

اور اسکی توضیح و تفصیل بسوال و جواب یہ ہے کہ کفار مشرکین اور نابکار لوگوں کے پیچھے کر رہے ہیں
کبھی وہ مجملی حکمتیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی آیات ظاہر موجود ہیں - جو ظاہر ہوئی ہیں پہلے تفصیل حاصل
نہ ہو سکتے تھے مثلاً اگر نوح علیہ السلام کی قوم بغرض انتہا غرق - تو طوفان جیسا عظیم الشان واقعہ ظاہر
ہوتا جس کو لوگ ہمیشہ بیان کرتے چلے آتے ہیں - اور اگر قوم عاد کا غرق نہ ہوتی تو ایسا عظیم کار واقعہ
کہ جس میں وہ سب ہلاک ہو گئے کبھی ظاہر نہ ہوتا - اور اگر صالح علیہ السلام کی قوم کا غرق نہ ہوتی تو صیحہ
و آواز سخت تمام کے ساتھ ان کے ہلاک ہونے کا سماں کبھی نظر آتا - اور ایسے ہی اگر فرعون کا غرق نہ ہوتا
تو یہ آیات اور عجائب و انقلابات جن کو لوگ ہمیشہ بیان کرتے چلے آتے ہیں - کبھی ظہور پذیر
ہوتے - اور نیز جن کی ہدایت ان اتفاقات سے عبرت حاصل کر کے ہوئی ہے - ان لوگوں کو
ہدایت کس طرح نصیب ہوتی - پس ان اتفاقات سے دو امر متعلق ہیں - بعض کو تو انکے ذریعہ ہدایت
اور حیات جاودانی حاصل ہوئی - اور بعض انکے دیکھنے پر بھی ایمان نہ لاتے اور وہ ہلاک اور تباہ ہوگئے
اور چونکہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کے نشانات سب کو دکھلا دیئے لہذا ان واقعات کے ذریعہ سے
اس کا عدل، حکمت و فضل اور انبیا کی صداقت کے علامات ظاہر ہو گئے - منکرین انبیا علیہم السلام کا
ان سے مقابلہ کرنا - انکے اوپر بیجا معترض ہونا - انبیا علیہم السلام کا انکے شبہات کا جواب بیان کرنا
ان کا عناد سے باز نہ آنا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا ان کو ہلاک کر دینا انبیا علیہم السلام کی صداقت کی نہایت
قوی اور قطعی دلیل ہے - اگر غزوہ بدر میں مشرکین کی تعداد کثیر جمع نہ ہوتی اور بہت سامان جنگ انکے
پاس موجود نہ ہوتا - تو یہ عظیم الشان معرکہ جس کی بدولت ہزاروں آدمی ایمان و ہدایت کی دولت سے
مالامال ہوئے کبھی ظاہر نہ ہوتا - ہم پہلے بیان کر چکے ہیں - کہ جو چیز کسی دوسری چیز پر موقوف
ہو - وہ اسکے بدون موجود نہیں ہو سکتی - کیونکہ لازم کے بدون ملزوم کا موجود ہونا محال ہے - واقعہ
بدر نے ہزاروں گھروں کو ایمان سے آباد کر دیا اور بہت سے اہل عقل کے لئے ہدایت و اقبال کے
دروازے کھول دیئے - اور اس کے ذریعہ سے بہت سی وہ چیزیں جو اللہ سبحانہ کو محبوب
و پسندیدہ تھیں حاصل و موجود ہو گئیں - اور یہ واقعہ ابلیس کے لئے سخت ناخوشی اور نہایت
رنج کا باعث ہوا - اور ان مصالح اور غایات محمودہ کے لحاظ سے جو اس واقعہ پر مترتب ہوئے
کفار کے صدمہ اور تکلیف یعنی مقتول اور قید ہونے کا کوئی اعتبار نہیں - کیونکہ انکی تکلیف ان
مصالح کے لحاظ سے ایسی ہی جیسا کہ بارش کے منافع میں یہ ضرر اور تکلیف پائی جاتی ہے کہ
سفر کرنے والوں کا راستہ بند ہو جاتا اور انکے کپڑے بھیگ جاتے اور بعض غریب لوگوں کے

مکانات گر جاتے ہیں ۔ مگر ایسے عام منافع و قصے سنانے ان مفاسد اور نقصانوں کا کوئی اعتبار نہیں ۔ طوفان نوح اور قوم
فرعون کے غرق ہونے کے واقعہ سے اس کثرت کے ساتھ لوگوں نے عبرت حاصل کر کے ایمان و ہدایت کو
اختیار کیا کہ جس کے مقابلہ میں ان لوگوں کی ہلاکت اور تباہی کا کچھ اعتبار نہیں جو اس سے ہلاک اور تباہ ہوئے
وہ واقعات جن میں اللہ سبحانہ نے اپنے دشمنوں کو عذاب میں مبتلا کیا اور اپنے دوستوں کو اعزاز و اکرام بخشا
ہے ان میں اللہ سبحانہ کی بہت سی حکمتیں و مصالح ۔ آیات قدرت اور انبیاء کی صدق نبوت کی دلیلیں معجزے
اور عبرت و نصیحت کی باتیں موجود ہیں ۔ اسی واسطے اللہ سبحانہ نے اپنے رسول موسیٰ کو حکم دیا کہ ان واقعات
کو سنا کر اپنی قوم کو عبرت دلائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ
قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللَّهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ
شَكُورٍ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنجَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ
يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَٰلِكُم
بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ (اور ہم ہی نے موسیٰ کو بھی) اپنی نشانیاں دیکر بھیجا (اور ان کو حکم دیا) کہ
اپنی قوم کو (کفر کے) اندھیروں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لاؤ اور انکو خدا کے معرکے یاد دلاؤ ۔
کیونکہ ان واقعات میں ہر ایک صبر و شکر کرنیوالے کے لئے (قدرت خدا اور عبرت کی نشانیاں ہیں) اور
ان ہی وقتوں کا مذکور یہ بھی ہے کہ موسیٰ نے اپنی قوم (کے لوگوں) سے کہا کہ دیکھو اللہ نے جو تم
پر احسانات کئے ہیں ۔ انکو یاد کرو جبکہ اس نے تم کو فرعون کے لوگوں (کے ظلم) سے نجات دی ۔ کہ وہ
تم کو بری طرح عذاب دیتے اور تمہارے بیٹوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر حلال کرتے (تا کہ تمہارا زور ٹوٹے)
اور تمہاری عورت ذات (یعنی بیٹیوں کو) (کار و خدمت کے لئے) زندہ رکھتے تھے ۔ اور ان مصیبتوں
میں) تمہارے پروردگار کیطرف سے (تمہارے صبر کی) بڑی آزمائش تھی) پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنی
قوم کو خدا تعالیٰ کے انعام اور اس کی نعمتیں یاد دلا کر اپنی قوم کو نصیحت فرمائی ۔ کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تم کو
تمہارے دشمن کے ہاتھ سے نجات بخشی اور اسکو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہلاک کیا ۔ اور اس طرح
خدا تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانے سے انکے دلوں میں خدا تعالیٰ کی محبت عظمت و جلال اور اس کی
نعمتوں کی شکر گذاری پیدا ہوئی ۔ اور انکے سامنے وہ تکلیفیں جو فرعون سے پہنچی تھیں لاشے اور کالعدم
ہوگئیں ۔ کیونکہ اب آرام سے زندگی بسر کرنے لگے ۔ اور فرعون کی غلامی اور ایذا رسانی سے نجات ملی ۔
اور وہ تکلیف جو والدین کو لڑکوں کے ذبح کے وقت پہنچی تھی ۔ ان تکالیف سے بہت ہی کم تھی جن
کو بڑے ہو کر وہ جھیلتے کہ ہمیشہ فرعون اور اسکی قوم کی غلامی میں رہتے ۔ پس اللہ سبحانہ کے کرم سے باپ

اور بیٹے سب تکلیفات سے چھوٹ گئے اور اللہ سبحانہ نے چاہا کہ اپنے بندوں کو اپنی قدرت کا ایک
عظیم الشان نشان دکھلائے کہ وہ بچہ جسکی تلاش میں فرعون نے بیشمار بچے ہلاک کر ڈالے تھے۔ خود
فرعون ہی کے گود میں پلے اور اسی کے بستر پر پرورش پائے۔ اور فرعون اس کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکے۔ یہ محض
اللہ سبحانہ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ یہ قصہ بہت سی ایسی حکمتیں پر مشتمل ہے جنہیں ہدایات اور نصیحت
کی باتوں پر مشتمل ہے کیونکہ ان کا وجود انکے لوازم اور اسباب پر موقوف ہے اور انکے بدون ان کا
موجود ہونا محال اور ناممکن ہے غرض ایسی بہت سی مصالح اور حکمتوں کا ذکر ہے جو انکے لحاظ سے
بنی اسرائیل کے بیٹوں کا ذبح ہونا جو ایک مفسدہ، فتنہ اور تکلیف معلوم ہوتا ہے کالعدم اور لاشئے
ہے۔ اور اسی طرح وہ واقعات جو حضرت یوسفؑ کو پیش آئے۔ وہ حکمتیں، مصالح، فوائد اور امور عجیبہ جو
ان واقعات پر مترتب ہوئے اور انکے قصہ میں مذکور ہیں ان اتفاقات کے بدون حاصل نہیں ہو سکتے
تھے گو ان میں اتنا مفسدہ بھی پایا گیا کہ ایک مدت تک یعقوبؑ اور یوسفؑ علیہما السلام درد فراق کے
غم میں مبتلا رہے۔ مگر انجام کار جب اسی مفسدہ کے سبب سے مصالح و فوائد پیدا ہو گئے۔ تو ان کے سامنے
اس کا نام و نشان نہ رہا بلکہ یہی مفسدہ یعقوب علیہ السلام۔ یوسف علیہ السلام۔ انکے بھائیوں۔ عزیز مصر کی
بیوی۔ اہل مصر اور قیامت تک تمام مومنین کے حق میں بہت بڑی مصلحت کے حصول کا ذریعہ اور
سبب ہو گیا۔ جو لوگ اللہ سبحانہ اس کے اسماء صفات اور اسکے انبیاء کی شان کو سمجھتے ہیں۔ انہوں
نے انکے قصہ سے بہت سے ثمرات اور علم و حکمت کے نکات حاصل کئے ہیں۔ اور اسی طرح وہ
خرابی جو ایوب علیہ السلام کو شیطان کی طرف سے پیش آئی اور کچھ عرصہ تک وہ تکلیف اور عذاب میں
مبتلا رہے۔ اس مصلحت و منفعت کے لحاظ سے لاشئے اور کالعدم ہے جو کہ تکالیف دور ہونے پر
خود انکے لئے اور دوسرے لوگوں کے لئے حاصل ہوئی۔ بلکہ یہ خرابی اسکے حصول کا سبب اور ذریعہ ہوئی۔
اور وہ منافع۔ مصالح اور نعمتیں اسی درخت کے پھل اور ثمرات ہیں۔ اور اسی طرح ان اسباب کا
حال ہے جنہوں نے ابراہیم خلیل اللہ کو اس مرتبہ تک پہنچایا۔ کہ آگ انکے حق میں ٹھنڈک اور سلامتی کا
ذریعہ ہو گئی۔ اگر انکی قوم کفر و شرک اور بت پرستی اختیار نہ کرتی۔ اور یہ انکے بتوں کو نہ توڑتے اور ان کے
غضب و غصہ کی آگ نہ بھڑکتی تو منجنیق کے ذریعہ سے ابراہیمؑ کو آگ میں نہ ڈالتے۔ جب یہ اسباب پیدا
ہوئے اور خلیل اللہ کو بھڑکتی آگ میں ڈالا گیا۔ تو اللہ سبحانہ کے لطف نے انکی دستگیری اس طرح فرمائی۔
کہ اس آگ کو ایک لہلہاتا باغ بنا دیا۔ اور اپنی قدرت کا نشان دکھلا دیا جو ابراہیمؑ کی صداقت کی حجت اور
اور ہمیشہ لوگوں کے لئے باعث عبرت ہوا۔ اس واقعہ میں اللہ سبحانہ کی کئی حکمتیں کاملہ، نعمتیں شاملہ، رحمتیں اور

اُس کی قدرت کے نشانات اور پیغمبر کی صداقت کے شواہد موجود ہیں۔ اگر یہ اسباب (یعنی انکی قوم کا کفر و شرک اختیار کرنا) پیدا نہ ہوتے تو یہ سب حکمتیں مصالح اور آیات کس طرح موجود ہوتے۔ آپکی عظمت اور کمال کے مقتضے کے یہ خلاف ہے کہ یہ حکمتیں اور مصالح موجود نہ ہوتے۔ اور چونکہ کسی چیز کا اپنے لازم کے بغیر موجود ہونا محال ہے۔ اسلئے ان اسباب کا وجود ضروری ہوا۔ اور وہ مفاسد جزئیہ جو ان کے ضمن میں پائے جاتے ہیں ان مصالح کے لحاظ سے جو ان پر مترتب ہوئے لاشے اور کالعدم ہیں۔ کتنی بڑی مصلحت ہے کہ خلیل اللہ علیہ السلام کو قیامت تک حنفاء کی امامت حاصل ہوئی۔ اور انہوں نے حق اور خالص توحید کی بنیاد ڈالی۔ یہ مفاسد ان مفاسد اور خرابیوں سے بھی بہت کم اور ادنے درجہ کے ہیں۔ جو گرمی۔ سردی۔ بارش اور برف وغیرہ اشیاء کے عام منافع کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔

سلسلہ ہجرت میں خداوند تعالےٰ کی اسقدر حکمتیں اور مصالح موجود ہیں جو حد بیان سے باہر ہیں۔ مگر انسان حسب فرمان الٰہی ظلوم اور جہول ہے۔ اپنے آپ پر تو ظلم کرے اور اپنے مالک کی شان اور عظمت و جلال حکمت۔ اتقان و احکام صنعت سے بے خبر ہے۔ اور اسی طرح سرور کائنات کے مکہ معظمہ سے نکالنے میں کئی حکمتیں اور مصلحتیں مخفی اور پوشیدہ تھیں۔ گو آپ مکہ سے بظاہر ایک ایسی مغلوبانہ ہیئت اور عاجزانہ حالت میں نکلے تھے جس سے انسان کو اندوہ اور ملال پیدا ہو سکتا ہے۔ مگر یہ حالت خدائے ذوالجلال کو کچھ کیسی محبوب تھی کہ کچھ عرصہ کے بعد پھر کسی شان و عزت کے ساتھ مکہ اور اپنے حرم میں داخل فرمایا۔ کہ ہر طرح اور تمام اطراف سے اپنی حفاظت و حمایت میں لے لیا۔ مہاجرین کو آپ کا دلدادہ اور انصار کو آپ کا جانباز غلام بنا دیا۔ اور یہ سب لوگ ایسے مقبول و منظور نظر ہوئے کہ ملائکہ انکی اعانت اور ہمراہی کے لئے موجود تھے۔ اور وحی کے متواتر برکات نازل ہوتے تھے۔ ان مصالح و برکات کے لحاظ سے وہ کلفت جو آپ کو مکہ سے نکلنے کے وقت پیش آئی۔ اور وہ ان خیرات کے حصول کا پیش خیمہ تھی۔ کالعدم اور لاشے ہے۔ اسی طرح اگر جادوگر اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈال کر لوگوں کی نظر بندی کر کے انکو ہیبت و رعب میں نہ ڈالتے۔ اور موسےٰ کا مقابلہ نہ کرتے تو موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا یہ معجزہ کہ وہ اژدہا بن کر سب رسیوں اور لاٹھیوں کو ہڑپ کر گیا کس طرح ظاہر ہوتا اور اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے ہدایت کیا۔ کہ پہلے تم اپنے جادو دکھلاؤ۔ اس کے بعد جو مجھ سے ہو سکا میں بھی پیش کرونگا۔ اور اللہ سبحانہ کے کمال قدرت اور حکمت کے نشانات اور دلائل میں سے یہ امر بھی ہے کہ ایک طرف تو جبرئیل جیسے اشخاص پیدا کئے ہیں۔ جو نہایت پاکیزہ۔ اطیب اور اعلےٰ درجہ کے طاہر اور اشرف ارواح میں سے ہیں۔ اور انکو

ہر ایک خیر و ہدایت۔ ایمان اور اصلاح کا سفینہ بنایا ہے۔ اور دوسری طرف ابلیس لعین پیدا کیا ہے جو تمام ارواح میں زیادہ خبیث نجس اور شریر ہے۔ اور وہ ہر ایک برائی کی جڑ مادہ اور اُس کی طرف بلانے والا ہے۔ اور منجملہ اسکے کمال قدرت اور حکمت کے یہ امر بھی ہے کہ اُس نے روشنی و تاریکی زمین و آسمان بہشت و دوزخ۔ سدرۃ المنتہی و شجرۃ زقوم۔ لیلۃ القدر، لیلۃ البلا یا ملائکہ و شیاطین۔ مومنین و کفار۔ ابرار و فجار۔ گرمی و سردی۔ بیماری اور دوا ت، تکالیف، و لذات۔ غم اور خوشی وغیرہ باہم متقابل اور متضاد چیزوں کو پیدا کیا ہے اور انکے ذریعہ سے عبادات۔ کے وہ انواع جو اللہ سبحانہ کو نہایت محبوب اور پسندیدہ ہیں ظہور پذیر اور موجود ہوئے ہیں۔ اگر اللہ سبحانہ مثلاً شیطان نفس امارہ اور اسکی خواہشوں کو پیدا نہ کرتا۔ تو صبر، مجاہدۂ نفس و شیطان اور انکی مخالفت؛ اور نیز اسکا اپنی خواہش اور محبوب چیزوں کو ترک کرنے کے درجات کس طرح حاصل ہوتے۔ اور یہی وہ عبادت ہے جو بندے کو اعلے مراتب تک پہنچاتی ہے اور تمام عبادات سے اعلےٰ اور افضل ہے اور اگر کفار موجود نہ ہوتے تو صورت جہاد پیدا نہ ہوتی اور نہ مجاہدین درجہ شہادت حاصل کرتے۔ اور نیز یہ امتیاز حاصل نہ ہوتا کہ کون شخص ایسا ہے جو اپنی جان۔ اہل اور اولاد پر اپنے پیدا کرنے والے اور خالق کی اطاعت اور محبت کو مقدم سمجھتا ہے اور کون لوگ ایسے ہیں جو دنیا کے اونےٰ حظ کو خدا تعالےٰ کی اطاعت و محبت سے بہتر اور اچھا سمجھتے ہیں۔ اگر کفار موجود نہ ہوتے۔ تو انبیا علیہم السلام اور انکے متبعین کا صبر۔ جہاد اور اللہ کی راہ میں طرح طرح کے تکالیف اور مصائب کو برداشت کرنا اور تبلیغ و اظہار دعوت کے متعلق انواع عبادات کا حاصل کرنا یہ سب کس طرح حاصل ہوتے اور اسکے علم فضل اور حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ عبادات کے یہ انواع متحقق و موجود ہوں۔ اور اسی سے اللہ سبحانہ کی حمد و شکر اور ان عبادات کا محبوب و پسندیدہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ اکتیسواں جواب اسکی توضیح کرتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کی حکمت کا یہ اصول ہے کہ انسان سعادت، نعمت اور راحت کے پر لطف گھر میں تکلیف و مشقت کے پل پر سے گذرنے کے بغیر کبھی پہنچ نہیں سکتا۔ اور اس مکان میں داخل ہونیکے لئے یہی دروازہ ہے کہ مکارہ پر صبر اور تکالیف اور مشقتوں کا تحمل اور برداشت کرے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جنت کے ارد گرد تکالیف اور دوزخ کے آس پاس شہوات رکھے گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تکالیف کو جھیلنا جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ اور شہوات پرستی دوزخ میں جانے کا سبب ہے۔ اللہ سبحانہ نے آدم علیہ کو جنت سے نکالا۔ حالانکہ جنت کو ان کی اور ان کی اولاد کے خاطر ہی پیدا کیا ہے مگر اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ دائمی طور پر اس میں رہنا تکلیف

مشقت سے کہ برداشت کرنیکے بعد حاصل ہوا چاہیئے اسلئے وہاں سے نکالا یا کہ دنیا میں تکلیف و مشقت برداشت
کریں اور اسکے بعد ہمیشہ کی الدوام عیش و آرام کے ساتھ جنت میں۔ ملحوظ رہے کہ آدم جنت میں پہلے داخل
ہوئے اور اس میں دوبارہ داخل ہونے میں کتنا تفاوت ہے اور اسی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کا مکہ میں مطعم بن عدی کے پناہ سے داخل ہونے اور پھر فتح مکہ کے دن اس میں داخل ہونے کے
درمیان کس قدر تفاوت موجود ہے اور اسی طرح مومنین کے اس لذت و آرام کے درمیان جو کہ بعد
دنیاوی برداشت کرنیکے بعد جنت میں داخل ہونگے اور اس لذت و آرام کے درمیان جو آدمی میں
پیدا ہونے سے حاصل ہوتا بہت بڑا فرق و تفاوت ہے۔ مصیبت کے بعد جب آرام حاصل ہو یا تنگی کے
بعد فراخی ملے۔ یا گمراہی کے بعد ہدایت نصیب ہو یا پریشانی کے بعد جمعیت پیدا ہو۔ تو ان لوگوں کی خوشی
انکی خوشی سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے جنہوں نے ان تکالیف کی تلخی نہ چکھی ہو۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔
کہ حکمت الٰہی کا یہ مقتضی ہے کہ تکالیف و مصائب لذات اور خیرات کے حصول کے ذرائع ہیں۔
چنانچہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا
شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ
(مسلمانو!) تم پر جہاد فرض کیا گیا اور وہ تم کو ناگوار بھی گذریگا اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ
تمہارے حق میں بہتر ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ
جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) ایک اور شاعر نے اسی مضمون کو بیان کیا ہے ؎

وَرُبَّمَا كَانَ مَكْرُوهُ النَّفْسِ إِلَى ... مَحْبُوبِهَا سَبَبًا مَا مِثْلُهُ سَبَبُ

بسا اوقات وہ چیز جو نفس کو ناپسند ہو اسکی محبوب اور پسندیدہ چیز کی طرف ایسا ذریعہ ہوتی ہے کہ اس
جیسا اور کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔

بائیسواں جواب۔ تمام اہل عقل اس بات پر متفق ہیں کہ نفوس کو اپنے کمالات مثلاً علم نافع عمل صالح
اخلاق فاضلہ کے حاصل کرنے اور نیز ایسے اشخاص کی طرف سے تعریف و تحسین کا خلعت پانے میں
جن کی تحسین و تعریف نافع و مفید ہو کوشش و سعی کرنا مستحسن ہے۔ اور جو شخص ان امور کے حاصل کرنے
کے لئے زیادہ جد و جہد کرے وہ رفیع القدر اور احسن الحال ہوتا ہے۔ اور اسی طرح غنی عزت اور
شرف حاصل کرنیکے لئے کوشش اور سعی کرنا تمام عقلا کے نزدیک مستحسن ہے اور جو شخص انکے حاصل کرنے
کے لئے کوشش نہیں کرتا اس کی مذمت کرتے اور اس کو پست ہمت خسیس النفس اور بے قدر سمجھتے
ہیں چنانچہ ایک شاعر نے کسی کی مذمت میں کہا ہے ؎

دست: مخالطت نہ مکارم اخلاق کے حاصل کرنے کا خیال چھوڑ دے اور انکی طلب کیلئے کوشش مت کر اور
آرام سے بیٹھ رہو کیونکہ انکو حاصل کرنا تیرے بس کی بات نہیں۔ یہ لوگوں کا کام نہیں تیرا کام تو بس کھانا پینا اور کپڑے پہننا ہے
اور ظاہر ہے کہ ان امور کے حاصل کرنے کے لئے کوشش سعی اور سعی وجہد کرنا تکالیف برداشت اور
مشقتوں کو مستلزم ہے اور انکے حصول کے لئے ذریعہ اور وسیلہ یہی تکالیف اور مکارہ ہیں۔ اور جو شخص
ان کو برداشت اور تحمل کرے حکمت اور عقل کے رو سے اس کو بیوقوف نہیں سمجھا جاتا۔ اور نہ اس پر کوئی طعن
کرتا ہے بلکہ جو شخص ایسا کرے اس کو نہایت عقلمند خیال کیا جاتا ہے یہاں تک کہ جو شخص کسی دوسرے
کو یہ سمجھاتا ہے کہ ان لذات کے حاصل کرنے کے لئے تکالیف اور دشواریوں کو برداشت کرنا چاہیے اس کو
بھی حکیم اور مدبر سمجھتے ہیں اور جو شخص کسی کو منع کرے کہ تکلیف اور مشقت میں کیوں پڑتے ہو۔ اس کو
بیوقوف اور کم عقل شمار کرتے ہیں۔ جب معاش کے مصالح کے متعلق یہ دستور ہے تو حیات
جاودانی اور نعیم مقیم کے مصالح کی نسبت کیونکر یہ دستور جاری نہ ہو۔ پس اللہ سبحانہ جو ایک محدود وقت
کے لئے تھوڑی سی تکلیف برداشت کرنے کا اسلئے امر فرمائے کہ جاودانی لذت اور دائمی فرحت حاصل
ہو تو کیا وہ اس امر کرنے میں حکیم۔ رحیم محسن اور ناصح ہوگا۔ بلکہ جب اللہ تعالے نے اس عارضی راحت اور
لذت کے حاصل کرنے سے منع فرمائے جو بہت جلد زائل ہونیوالی اور اس لذت و راحت سے باز
رکھنے والی ہے جو کہ دائم اور لازوال ہے تو اللہ تعالے نے اس امر اور نہی میں ضرور اعلے درجے کا حکیم ہے
اللہ سبحانہ نے جن کاموں کا امر فرمایا ہے اُن میں وہ مصالح موجود ہیں جن سے انسان کی سعادت۔
صلاح و فلاح وابستہ ہیں۔ اور جن امور سے منع کیا ہے وہ اسکی مضرت ہلاکت اور شقاوت کا باعث
ہیں۔ غرض اللہ سبحانہ کے اوامر رحمت۔ احسان۔ شفا۔ دوا۔ قلوب کے لئے غذا۔ ظاہر اور باطن
کے لئے زینت اور قلب اور بدن کیلئے حیات اور زندگی ہیں۔ اور انکے ضمن میں بہت سی
مسرتیں۔ فرحتیں۔ لذتیں۔ بہجتیں۔ نعمتیں اور ایسی خوشیاں موجود ہیں جن سے آنکھیں ٹھنڈی
ہوں۔ پس جن چیزوں کو منکرین حکمت و تعلیل تکالیف کہتے ہیں۔ وہ آنکھوں کی ٹھنڈک۔ نفوس کی
خوشی۔ قلوب کی حیات۔ عقول کا نور اور فطرت کا کمال ہیں۔ اور نوع انسانی کے ساتھ یہ وہ احسان
ہے جو صحت۔ عافیت۔ خوراک۔ پوشاک اور پینے کی چیزیں عطا فرمانے کے احسان سے زیادہ
اور بڑھ کر ہے۔ غرض اللہ سبحانہ کا اپنے بندوں پر یہ انعام فرمانا کہ اُن کی ہدایت و اصلاح کے لئے
رسول بھیجے۔ کتابیں نازل فرمائیں۔ انکو اپنے امر و نہی سے آگاہ فرمایا اور پسندیدہ اور ناپسند کاموں

سے معلوم کیا ایک عظیم الشان جلیل القدر۔ اعلیٰ اور افضل نعمت ہے اور اُن منافع کو جو زمین۔ چاند۔ مینہ اور
نباتات وغیرہ دنیاوی اشیاء سے انسان کو حاصل ہیں اُن برکات و منافع سے کوئی نسبت نہیں
جو علم۔ ایمان۔ شریعت۔ اور حلال حرام کے امتیاز پر متفرع اور مبنی ہیں پس کوئی صاحب عقل کس طرح
کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر و نہی ایک مشقت اور بیفائدہ تکلیف ہیں بیشک جس شخص کا
ایسا خیال اور احکم الحاکمین کی نسبت اس قسم کا گمان ہے وہ چوپاؤں جانوروں سے زیادہ بے سمجھ
اور گدھے سے زیادہ بیوقوف ہے ہم ایسے خیال اور خدا تعالیٰ کی ذات۔ اسماء و صفات کی قدر
نہ سمجھنے سے اسکی پناہ مانگتے ہیں۔ سلسلہ حقہ کے تمام مصالح اور فوائد کے امر و نہی۔ انبیاء علیہم السلام
کے مبعوث اور آسمانی کتابوں کے نازل ہونے سے مربوط اور وابستہ ہیں۔ اگر یہ امور نہ ہوتے تو
نوع انسانی بھی دوسرے حیوانات کی طرح ہوتا کہ راستے میں ایک دوسرے کو دبا دبا کر آپس میں
لڑتے اور جانوروں کی طرح کھلم کھلا ایک دوسرے کے سامنے عورتوں سے صحبت کرتے۔ کسی
اچھے کام کو اچھا اور برے کو برا نہ سمجھتے۔ اور کسی زشت کرداری سے باز نہ آتے اور نہ کسی بھلے کام
کی انکو راہ معلوم ہوتی۔ ذرہ ان مقامات اور ملکوں کی طرف نظر اٹھاکر دیکھو جہاں انبیاء کی تبلیغ
اور دعوت کا پورا ظہور نہیں ہوا کہ وہاں کے باشندوں کی کیا حالت رہی کس قسم کی جہالت
ظلم۔ کفر۔ شرک۔ برے کاموں کو اچھا سمجھنے۔ عقائد اعمال اور اخلاق کی خرابی اور فساد میں
کس درجے ڈوبے ہوئے ہیں۔ اللہ حکیم و علیم کے شرائع مقرر کرنے میں بندوں کے معاش و معاد کے وہ
مصالح اور انکی سعادت دنیاوی اور اُخروی کے وہ اسباب موجود ہیں جن کا پورا علم اللہ سبحانہ کو
ہے۔ ان شرائع و احکام کو اگر یوں کہا جائے۔ کہ یہ غذا۔ دوا۔ شفا۔ عصمت۔ قلعہ۔ جائے پناہ۔
ڈھال اور بچاؤ ہیں تو بالکل صحیح اور بجا ہے اور بدنی مصالح کے لحاظ سے انکی مثال اسطرح پر ہے
کہ ایک حاذق طبیب ایک ایسا مرکب نسخہ تیار کرے۔ جو تمام امراض اور جملہ بیماریوں کی دوا ہو اور
اسکے ساتھ ہی تندرستوں کیلئے غذا کا کام دے۔ پس جو تندرست آدمی اس کو غذا کے طور پر کھائے
اسکی غذا ہو جائے اور جو بیمار دوا کے طور پر استعمال کرے۔ اس کو بیماری سے شفا اور نجات
حاصل ہو۔ یہ تمثیل محض سمجھانے کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ اللہ سبحانہ کے احکام و شرائع فوائد اور
برکات کے لحاظ سے ایسے نسخوں سے کہیں فائق اور بڑھے ہوئے ہیں۔ انکو ان سے کیا نسبت ہے
غرض اللہ سبحانہ کے امر و نہی تحلیل و تحریم سے بڑھ کر انسان کے حق میں کوئی چیز زیادہ بہتر اور اچھی
نہیں۔ اس کا امر قوت اور غذا ہے۔ اس کی نہی پرہیز اور بچاؤ ہے۔ اللہ سبحانہ نے جن کاموں

نہیں کی اور نیکی کا حکم فرمایا ہے۔ اللہ سبحانہ کو انکی کوئی حاجت یا منفعت نہیں اور نہ کچھ نقصان پہنچ سکتا ہے کہ وہ
[illegible]
منع کرنے کی یہ وجہ نہیں کہ معاذ اللہ [illegible]
اور محفوظ رکھنے کیلئے ان سے منع فرمایا ہے اگر بعض لوگ ان چیزوں کا استعمال کریں تو ضرور نقصان اٹھاتے ہیں۔ پس جس شخص کو ذرا
سی بھی عقل ہوگی وہ یہ خیال نہیں کر سکتا کہ اللہ سبحانہ کے اوامر و نواہی حکمتوں اور غایات محمودہ اور مصالح مطلوبہ سے خالی
کی صداقت کی دلیل سمجھا ہے کسی دوسرے معجزہ کے وہ طالب نہیں ہوئے۔ [illegible] اسی کو
اعلیٰ درجے کا معجزہ سمجھا ہے اور اُن کا یہ استدلال نہایت صحیح اور درست ہے۔ کیونکہ انبیا کی
تعلیم انکی صداقت کی کافی دلیل ہے۔ جن لوگوں کو کسی قسم کے علم و فن میں دخل ہے۔ اُن پر یہ بات
مخفی نہیں ہے۔ کہ اگر کوئی ایسا شخص جو اس فن میں ماہر ہو۔ کوئی عمدہ کتاب تصنیف کرے۔ تو اس
فن کے جاننے والے اسکی کتاب کے مطالعہ سے صحیح طور پر اسکی نسبت یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ
یہ شخص اس فن کا ماہر ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کو خدا تعالےٰ نے عقل اور فطرت سلیم بخشی ہے اور ان کو
انبیا کے اقوال کی سمجھ عطا فرمائی ہے۔ تو انکو محض شریعت کے احکام میں نظر اور غور کرنے سے قطعی
یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ کہ اس شریعت کا لانے والا اللہ تعالےٰ کا سچا رسول ہے۔ اور یہ شریعت
خدائے احکم الحاکمین کی شریعت ہے۔ شریعت محمدیہ کے کمال اور خوبی کے فلاسفر بھی معترف ہیں کہ
عالم میں اس سے بڑھ کر کوئی زیادہ کامل پر حکمت اور محکم شریعت نہیں۔ شریعت کے دشمن فلاسفہ
تو اس کے اکمل اور پر حکمت ہونے کے قائل ہیں۔ مگر افسوس کہ جو لوگ اسکے حامی اور مددگار بنے
ہوئے ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ یہ کسی حکمت اور مصلحت کے لئے مقرر و مشروع نہیں ہوئی۔ اور کہتے ہیں
کہ ان سخت اور تکلیف دہ احکام میں کونسی حکمت ہے۔ اور مکلف یعنی انسان کے لئے ان میں کیا مصلحت
اور مکلف یعنی خدا تعالےٰ کی ان میں کونسی غرض ہے۔ بلکہ انکے نزدیک شریعت کے جملہ امور کا دار
ومدار محض اللہ تعالےٰ کی مشیت پر ہے ان میں کوئی حکمت ملحوظ یا مصلحت مقصود نہیں۔ اگر انکو ذرہ
بھی حیا ہوتی تو ایسی بیہودہ باتیں کتابوں میں نہ لکھتے جو دل کو سیاہ کرنے والی ہیں۔ شریعت نے ہر ایک
خیر و مصلحت کو بیان کر دیا ہے اور ہر ایک مفید کام کرنیکا حکم دیا ہے۔ اور کوئی شر اور مفسدہ ایسا نہیں
ہے جس سے شریعت نے منع نہ کیا ہو۔ شریعت نے کسی حاجتمند کی کوئی حاجت کسی سائل کے سوال کا
جواب اور کسی بے جا الزام قائم کرنے والے کے الزام کو باقی نہیں چھوڑا۔ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ
حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (جو لوگ یقین رکھتے ہیں اُنکے لئے اللہ سے بہتر حکم دینے والا اور کون ہو سکتا ہے)

اور منکرین حکمت و تعلیل کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ ان احکام کے خلاف حکم کرے۔ اور ان احکام
اور ان کے اضداد میں فی الواقع کوئی فرق نہیں صرف اسکی مشیت سے بعض واجب اور بعض ممنوع یا جائز
قرار پائے ہیں۔ اور حقیقت الامر یہ ہے کہ اگر ازل سے آخر تک تمام حکماء کی حکمت کو جمع کیا
جائے تو اس حکمت افضل و اکمل شریعت کی حکمتوں کے ساتھ ایسی ہی ہے جیسے سمندر کی نسبت پانی کا ایک قطرہ۔ حکمت شریعت سے
وہ شریعت مراد ہے جسکو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا اور آنحضرت صلعم نے امت تک اس کو جاری کیا اور امت کو اسکی
تعلیم فرمائی۔ وہ شریعت مراد نہیں جس کو لوگوں نے اپنے آراء اور نفسانی خواہش سے بدل دیا ہے
یا دیدہ دانستہ یا غلطی سے اس میں بیرونی اور کج تاویلیں نکال کر اس کی صورت کو بگاڑ دیا ہے جن
لوگوں نے شریعت میں تبدیل یا تاویل کر کے اس کو بگاڑ دیا ہے اس سے امت کے درمیان جتنے
شر اور فساد پیدا ہوئے ہیں اور اس مبدلہ یا مؤولہ شریعت کو شر اور فساد سے خالی نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ
سب خرابیاں اسی تبدیل و تاویل سے پیدا ہوئی ہیں۔ اور وہ شریعت جس کی تعلیم رسول خدا صلعم
نے فرمائی ہے وہ خیر محض من کل الوجوہ مصلحت۔ رحمت۔ حکمت۔ اور مکلفین کے حال پر
مہربانی اور اس کے تمام مصالح کا انتظام ہے اور انسانی زندگی کے لئے یہ ایسی مفید اور ضروری
ہے کہ کھانے پینے کی چیزیں بھی ایسی مفید اور ضروری نہیں یہ شریعت فطرت اور عقول کی رہبر ہے۔
خداتعالیٰ کی محبوب اور پسندیدہ چیزوں کی طرف بلاتی ہے۔ اس کے محارم و منہیات سے روکتی۔ ہر ایک
قوت اور عضو کو اس کے اس کمال میں جس کے لئے وہ پیدا کئے گئے ہیں استعمال کرنے کے طریقے
بتاتی۔ مکارم اخلاق سکھاتی اور بری اور خسیس عادات و خصال سے باز رکھتی ہے۔ خلاصہ
یہ ہے کہ فطرت نے ہر ایک قوت، عضو اور حرکت کا استعمال اس کے کمال کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور
اس کمال کو معلوم کرنا وحی پر موقوف ہے لہذا مخلوق کے مصالح کے لئے شرائع کا ہونا ضروری
ہے کیونکہ شریعت تمام ضرورتوں سے زیادہ قوی اور شدید ہے۔ احکام شرعیہ دارین کی سعادت
کے حصول کے ذریعے اور اسباب ہیں۔ بدن کی صحت اور قوت کی حفاظت اور اس کے مواد فاسدہ
اور اخلاط ردیہ کے دور کرنے کے لئے بہترین وسائل ہیں۔ جو شخص شریعت کو اس طور پر مفید
اور ضروری نہ سمجھے تو گویا اس نے شریعت کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ اللہ حکیم علیم نے ہر ایک قوت
حس اور عضو کے لئے ایک حسی اور ایک معنوی کمال مقرر فرمایا ہے۔ اور معنوی کمال کا نہ ہونا حسی کمال
کے نہ ہونے سے زیادہ برا ہے کیونکہ معنوی کمال بمنزلہ روح اور حسی بمنزلہ جسم کے ہے۔ حسی کمال
تو خلقت و فطرت کے لحاظ سے ہے اور معنوی کمال شرع کے رو سے۔ اور ان دونو کمال کے تامل

کرنے سے انسان سعادت کے اعلےٰ مراتب کو پہنچتا اور اپنے جواس قویٰ اعضا و حرکات سے پورا
متمتع ہوتا ہے۔ غرض اللہ سبحانہ نے بندوں پر احسان کرنے۔ اُنکے مصالح کے اہتمام اُنکی طرف
انکو اہتمام کرنے اور اُنکے کامل کرنے اُنکی اعانت فرمانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ اور یہ سب
کچھ شریعت کے طفیل ہے کیونکہ کوئی ایسا مرض نہیں جس کا علاج شریعت نے نہ بتلایا ہو اور کوئی
ایسی ضرورت نہیں جس کے متعلق شریعت کا دستور موجود نہ ہو بلکہ شریعت نے وہ حقائق معارف
اور علوم سکھلائے ہیں جن کو انسانی عقل شریعت کے ہدایت بغیر کبھی حاصل نہیں کر سکتی تھی عقلمند
صاحب بصیرت۔ روشندل کیلئے شریعت کے اوامر و نواہی میں سے صرف ایک فرعی حکم میں غور
کرنا کافی ہے مثلاً نماز پر نظر ڈالو کہ اس میں کیا کیا حکمتیں۔ ظاہری اور باطنی مصلحتیں اور قلب۔ روح
بدن اور قویٰ کے متعلق وہ منافع موجود ہیں کہ اگر دنیا بھر کے تمام طبیب اور حکیم جمع ہو کر اپنی دماغی
قوتیں انکے معلوم کرنے میں صرف کر دیں تو نماز کے اسرار۔ حکمتوں اور غایات محمودہ کی تفصیل کو نہ پا
سکیں۔ بلکہ سورہ فاتحہ کے اسرار اور اسمیں جو معارف الٰہیہ۔ حکم ربانیہ۔ علوم نافعہ۔ توحید تام اور
اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ساتھ اس کی ثنا و تعریف اور غایات و وسائل کے لحاظ سے
مخلوقات کے اقسام کا بیان ہے۔ انکے معلوم کرنے سے پہلے ہی سب کے قویٰ اور اذہان
عاجز ہو جائیں۔ پھر دیکھو کہ نماز کے مقدمات اور شروط میں کیا کیا عجیب حکمتیں رکھی گئی ہیں۔ کہ بدن
کپڑے اور مکان سب چیزیں پاک و صاف ہوں۔ لباس ظاہری زیب تن ہو۔ بیت اللہ جو مخلوق
کے قیام کا سبب ہے اُسکی طرف توجہ اور استقبال ہو۔ قلب کو تمام خیالات سے فارغ کرکے خالص
اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت کی جائے اور نماز کو ایسے کلمہ کے ساتھ شروع کیا جائے۔ جو عبودیت کے
معانی پر پورا حاوی۔ خدا تعالیٰ کی ثنا و تعریف کے اصول و فروع پر دال اور قلب سے ماسوا اللہ کی طرف
سے التفات کو دور کرنیوالا اور اُسکی طرف التفات اور توجہ کو پیدا کرنیوالا ہے۔ غرض نمازی جب
اللہ اکبر کہتا ہے تو اس وقت اُس کے دل میں یہ تصور ہوتا ہے کہ وہ اُس خالق کے دربار میں حاضر
ہوا اور کھڑا ہے جو صاحب عظمت و جلال ہے اور تمام چیزوں سے وہ اجل اکبر اعظم یعنی بزرگ
اور بڑا ہے۔ آسمان اور جو کچھ اُنکے نیچے ہے اور زمین اور جو کچھ اُسکے اوپر ہے اُس کی عظمت و
کبریائی کے سامنے سب ہیچ ہیں۔ تمام عالم چھوٹے بڑے اُس کے نزدیک عاجز اور سب کی گردنیں
اُسکے آگے پست ہیں۔ بڑے بڑے گردن کش اور متکبر اُس کے سامنے ذلیل و خوار ہیں سب بندوں
پر وہ غالب ہے۔ اپنے بندوں کے حالات کو دیکھتا۔ اُنکے دلوں کے بھیدوں کو جانتا۔ اُن کا کلام

سنتا اور اُنکے مکان کو دیکھتا ہے۔ بندوں کی کوئی بات اُسپر مخفی نہیں۔ اِسکے بعد اللہ سبحانہ کی تسبیح۔ حمد۔
ذکر اور اُس کے توحید کو شروع کرتا ہے۔ اور اُس کے بعد نہایت اعلےٰ اور افضل طریق کے ساتھ
اللہ سبحانہ کی ثنا کو بیان کرنے لگتا ہے کہ اُسکے حمد۔ ربوبیت عالم۔ اُنکے ساتھ احسان اور رحمت
فرمانے اور قیامت کے دن بدلہ دینے اُسکی اس حماقت اعظم کو بیان کرتا ہے کہ جس میں کوئی دوسرا
مالک کا دعویدار نہ ہوگا اور اللہ سبحانہ تمام مخلوق اول آخر کو ایک میدان میں جمع کریگا۔ اور ہر ایک
کو اُسکے اعمال کی جزا دیگا۔ بعد اُسکے اللہ سبحانہ کی دو قسم کی توحید یعنی توحید ربوبیت کو استعانت
کے طور پر اور توحید الاہیت کو عبودیت کے طور پر ذکر کرتا ہے اسکے بعد اُس مطلوب کا سوال
کرتا ہے جو تمام مطالب سے افضل اور جملہ مقاصد سے بہتر ہے یعنی اُس صراطِ مستقیم کی طرف
ہدایت کا سوال کرتا ہے جو اللہ سبحانہ نے اپنے انبیاء و رسل اور انکی پیروی کرنے والوں کے لئے
مقرر کیا ہے اور یہ لوگ اس پر چلتے ہیں انکو اللہ تعالےٰ کی بارگاہِ عزت اور جنت میں پہنچا دیتا
ہے اور یہ اُن لوگوں کا راستہ ہے جن کو اللہ سبحانہ نے اپنی نعمت کے ساتھ مخصوص فرمایا یعنی
انکو حق جتلا کر انکو اس کا پیرو بنا دیا ہے اور اُن لوگوں کے راستہ سے دوری چاہتا ہے جن پر
اللہ تعالےٰ کا غضب نازل ہوا۔ کہ انہوں نے حق پہچانکر اُس کی پیروی نہ کی۔ اور نیز اُن گمراہوں
کے راستہ سے دور رہنے کا سوال کرتا ہے جو حق کے معلوم کرنے سے اور اُسکے اتباع سے بھولے
ہوے ہے۔ سورہ فاتحہ اللہ سبحانہ کی حمد و تعریف اُسکے طریقہ۔ غایت۔ ثنا۔ دعا۔ اشرف غایات یعنی
عبودیت اور عبودیت کے نہایت قریب وسیلے یعنی استعانت من اللہ پر مشتمل ہے اور جملہ
اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں معبود و مستعان کو فعل پر اسلئے مقدم کیا گیا ہے تاکہ اِس بات پر دلالت
کرے کہ عبادت اور استعانت اللہ سبحانہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ کے سوا نہ تو کوئی عبادت کے
لائق ہے اور نہ اُس کے سوا کسی دوسرے سے مدد مانگنی چاہیئے۔ اور نیز یہ سورت صفت الٰہیت۔ ربوبیت
اور رحمت پر مشتمل ہے جس میں یہ نکتہ ہے کہ اللہ سبحانہ ثنا اور عبادت کا اسلئے مستحق ہے کہ وہ سب کا
الٰہ۔ خالق۔ رازق ہے اور وہی مارتا جلاتا ملک کی تدبیر کرتا اور جو لوگ گمراہی کے لائق ہیں۔ اُن کو
گمراہ کرتا۔ اور جو غضب کے سزاوار ہیں اُن پر اپنا غضب نازل کرتا ہے۔ یہ سب کام اپنی صفت
ربوبیت اور حکمت سے کرتا ہے۔ اور وہی انعام۔ رحمت۔ جود۔ عفو۔ مغفرت۔ ہدایت فرماتا اور توبہ
قبول کرتا ہے۔ غرض اس سورت میں بہت سے معارف اور علوم کے انواع۔ توحید اور ایمان کے
حقائق مذکور ہیں۔ نماز پڑھنے والا سورت فاتحہ کے ختم کرنے کے بعد قرآن کریم کی کسی دوسری سورت کو

پڑھتا ہے جو کہ رب العالمین کا کلام ۔ شفاء الصدور ۔ نور البصائر ۔ حیات الارواح ہے جس سے انوار
و برکات کے ایسے سرسبز باغ کی سیر کرتا ہے جن میں طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے اور میوے
تیار ہیں اور ان میووں میں سے اوامر و نواہی معلوم کرنے سے خیر و برکت سے پیٹ و دامن کو مالا مال کر لیتا
ہے ۔ اور ان سے حکمت ۔ وعظ و نصیحت اور عبرت کا سبق حاصل کرتا ہے ۔ تقریر و اثبات حق تردید
باطل و رد شبہات ۔ ازالۂ سوالات کے جواب ۔ مشکلات کی توضیح ۔ فلاح ۔ سعادت کے اسباب کی
ترغیب ۔ خسران و شقاوت کے اسباب سے اجتناب ۔ ہدایت کی طرف دعوت اور ہلاکت سے باز
رکھنا ان سب امور کا اس کلام معجز نظام سے استفادہ کرتا ہے ۔ پس اس قلب پر وہ انوار نازل ہوتے
ہیں جن سے مردہ دل اس طرح زندہ ہو جاتے ہیں جیسے بارش برسنے سے خشک زمین سرسبز ہو
جاتی ہے ۔ اور یہ انوار قلوب کے لئے ایسے ہیں جیسے ارواح اجسام کے حق میں ہیں ۔ غرض کسی
نعمت ۔ خوشی ۔ فرحت ۔ سرور اور آنکھ کی ٹھنڈک ہے جو اس مناجات میں حاصل نہ ہو ۔ اور اللہ سبحانہ
اپنے بندے کا کلام جو اس کی زبان پر جاری ہوتا ہے اور سنتا اور اسکے جواب میں یوں ارشاد فرماتا ہے
کہ میرے بندے نے میری حمد کی ۔ میرے بندے نے میری ثنا کی ۔ میرے بندے نے میری بزرگی
بیان کی ۔ اسکے بعد نماز پڑھنے والا اللہ اکبر کہہ کر اللہ سبحانہ کی بزرگی بیان کرتا ہے کہ وہ تمام چیزوں سے
برتر اور بزرگ ہے پھر اس کی عظمت و جلال کے سامنے اپنی عاجزی اور اسکی عزت کے سامنے اپنی
ذلت اور اسکے جبروت کے سامنے اپنی مسکینی ظاہر کرتا ہوا اسکے آگے اپنی پشت کو خم کرتا ہے
اور اس حالت میں اسکے اسم عظیم کے ساتھ اسکی تسبیح بیان کرتا ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ سبحانہ
کی عظمت عبودیت کے حالات ذلت ۔ عاجزی اور محتاجی وغیرہ سے منزہ ہے ۔ اور سر جھکا کر پشت
دوتا کئے ہوئے اپنے خضوع ۔ ذلت کو خدا کی عظمت کے پیش کرتا ہے کہ تیری عظمت کے سامنے
میں یہ حالت شایاں ہے ۔ اور اللہ سبحانہ اسکے خضوع و ذلت کو دیکھتا اور اسکے کلام کو سنتا ہے ۔ اور
یہ حالت تعظیم اور اظہار اجلال کا رکن ہے چنانچہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رکوع میں
خدا تعالے کی عظمت بیان کیا کرو ۔ رکوع کرنے کے بعد اللہ تعالے کی حمد و ثنا کرتے ہوئے پھر قیام کی
طرف لوٹتا ہے ۔ اور اللہ تعالے کی حمد و ثنا ان محامد سے کرتا ہے جو نہایت کامل ۔ جامع اور شامل
ہیں یوں کہتا ہے کہ ثنا اور مجد کے شایاں اسی کی ذات ہے ۔ اور نیز اپنی عبودیت کا اقرار کرتا اور خدا تعالے
کی توحید کی شہادت دیتا اور یوں کہتا ہے کہ جو چیز وہ عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں
اور جس چیز سے وہ محروم رکھے وہ کوئی دے نہیں سکتا ۔ اور مالداروں کے پاس کتنے ہی مال اور صاحبان

حشمت و مال کو کتنی ہی شہرت حاصل ہو خدا تعالیٰ کی اطاعت بغیر یہ کچھ کام نہیں آ سکتے۔ پھر اللہ اکبر کہہ
کر سجدے میں گرتا ہے اور اپنے اشرف اعضا یعنی چہرہ کو اپنے مالک کے سامنے اپنی ذلت عاجزی
اور مسکینی ظاہر کرنے کے لئے مٹی پر رگڑتا اور اسے خاک آلودہ کرتا ہے اور بدن کے تمام اعضا یہاں تک
کہ ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں اس عاجزی ظاہر کرنے اور اس تعظیم میں شریک ہیں۔ اور یہ بات اس
اس لئے اتفاق سے ہے کہ مصلی کے بال اور اسکے کپڑے بھی سجدہ کریں اسی واسطے بالوں کو باندھنا
یا کپڑوں کو سمیٹ رکھنا درست نہیں بلکہ انکو اپنی حالت پر چھوڑ دے اور یہ بھی مستحب ہے کہ پیشانی
پر کچھ مٹی کا اثر و نشان ہو جائے اور مصلی کی نظر سجدہ کرنے کی جگہ کی طرف متوجہ ہو۔ اور اس ذات
کے سامنے جس کے لئے تمام عزت اور عظمت ہے پورے طور پر عاجزی اور ذلت ظاہر کرنے کے لئے
اپنے تمام اعضاء میں سے اپنے سر کو نیچے کرتا ہے۔ اور جو حقوق اللہ سبحانہ کے بندے پر ہیں۔
ان میں سے ایک ادنیٰ حق ہے۔ اگرچہ پیدائش کے وقت سے لیکر آخر تک وہ ہمیشہ اسی حالت
اور سجدہ میں پڑا رہے۔ تو بھی اپنے مالک کے حقوق ادا نہیں کر سکتا۔ پھر سجدے میں اپنے رب اعلیٰ کی
تسبیح کہتا ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ اپنی پستی کی حالت میں اللہ سبحانہ کے علو کو ذکر کرکے یہ بتلاتا ہے۔ کہ وہ
اس حالت سے منزہ ہر چیز سے فائق اور اعلیٰ اور وہ ہر قسم کی پستی اور عیب سے پاک ہے۔ بلکہ وہ ہر طرح کے
علو کے ساتھ موصوف ہے۔ اور چونکہ سجدہ میں بندے کی کمال درجہ کی عاجزی۔ ذلت اور انکساری پائی
جاتی ہے۔ اسلئے اس حالت میں اپنے رب سے نہایت قریب اور نزدیک ہوتا ہے۔ اور اسی بنا پر
چونکہ اس حالت میں قریب محبت نہایت قرب حاصل ہوتا ہے۔ سجدہ میں دعا کے اندر کوشش کرنیکا
حکم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (اور سجدہ کرو یعنی نماز پڑھو اور قرب
(خدا) حاصل کرو) اور سجدہ سے پہلے رکوع کو سجدے کی تمہید کے لئے ادا کیا جاتا ہے کہ انسان
ایک قسم کے خضوع سے اعلیٰ۔ اکمل اور رفیع الشان خضوع کی طرف بتدریج انتقال کرے۔ اور
ان دونوں کے درمیان ایک رکن مقصودی مقرر کیا گیا ہے تاکہ اس میں اللہ سبحانہ کی حمد و ثنا اور بزرگی
بیان کرے۔ اور اس رکن سے قبل اور بعد بھی خضوع ہے اور جیسا کہ رکوع تو ایک خضوع اور عاجزی
کی حالت ہے۔ حمد و ثنا اور تمجید کے بعد ہے اسی طرح سجدہ بھی جو خضوع اور پستی کی حالت ہے حمد و ثنا
کے بعد مقرر کیا گیا ہے۔ اس عجیب ترتیب اور عبودیت کے مراتب میں انتقال کرنے میں غور کرنا چاہئے
کہ مصلی اللہ سبحانہ کے احسن اوصاف و اسماء اور اکمل محامد کے ساتھ ثنا کرنے کے مقام سے اس ذات
کے سامنے جس کے لئے یہ ثنا ہے اپنی عبودیت و تذلل کے مراتب کی طرف کس طرح بتدریج انتقال

کرتا۔ اور ہر ایک سے بے نیاز ہستی کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کرتا اور اس کی تعظیم بجالاتا اور اپنے خضوع اور
پستی کی حالت میں اللہ سبحانہ کی عظمت و علو کو کس طور ظاہر اور بیان کرتا ہے۔ اور چونکہ نماز کے تمام
اذکار میں سے قرآن کا پڑھنا زیادہ افضل ہے اس واسطے سکوت کی جگہ اسے مشروع فرمایا اور اسے حالت قیام میں
مقرر کیا گیا ہے۔ اور چونکہ ارکان قیامیہ میں سے سجدہ افضل ہے اس واسطے اسکو مکرر کرنا مشروع
ہوا۔ اور اسی رکعت کو نماز کی نہایت قرار دیا گیا۔ رکعت کے ارکان کا قرأت سے شروع اور سجود
پر ختم ہونا قرآن کی سب سے پہلی سورت کے افتتاح اور اختتام کے مطابق ہے۔ کیونکہ جو سورت سب سے
پہلے نازل ہوئی ہے اسکے شروع میں قرآن پڑھنے کا حکم اور آخر میں سجدہ بجالانیکا امر ہے اور دونوں
سجدوں کے درمیان ایک جلسہ مقرر ہے کہ اس میں مصلی غلاموں کی طرح بیٹھ کر اپنے مالک سے مغفرت
رحمت۔ رزق۔ ہدایت اور عافیت کا سوال کرے۔ اور یہ دعا دنیا اور آخرت کی تمام خیرات پر شامل
اور حاوی ہے۔ ایک رکعت ختم ہونے پر پھر اسی طرح اسکو مکرر ادا کرنا اسلئے مقرر ہوا ہے کہ مصلی
پہلی رکعت کے ادا کرنے سے دوسری رکعت کی تکمیل کے لئے مستعد ہو جائے اور پچھلی رکعت سے پہلی
کے نقصان کا تدارک کرے اور تاکہ قلب اس غذا سے خوب سیر ہو۔ اور اپنی دوا سے پوری طرح
حظ بردار ہو جائے کیونکہ نماز قلب کے لئے غذا اور دوا دونوں کے قائم مقام ہے۔ اور قاعدہ ہے
کہ جب کوئی آدمی نہایت بھوکا ہو اور وہ ایک دو لقمے کھائے تو وہ اس کی بھوک کو کچھ روک نہیں
سکتے اور اسی طرح وہ بیماری جس کے دور کرنے کے لئے ایک کافی مقدار دوا کھانے کی ضرورت
ہو اور مریض کچھ تھوڑی سی دوا کھائے تو اس سے اس کا مرض بالکلیہ زائل نہیں ہو سکتا۔ گو مفید
دوا کا اثر کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ مگر مرض بالکل دور نہیں ہوگا۔ قلب کی غذا اور شفا کے لئے نماز جیسی اور
کوئی چیز مفید نہیں۔ نماز قلب کی صحت اور قوت کے لئے ایسی ہے جیسے بدن کی صحت اور قوت
کے لئے دوا اور غذا ہیں۔ پھر دو رکعتوں کے پورا کرنے کے بعد یہ حکم ہے کہ بندہ ذلیل و مسکین کی
طرح اپنے خالق کے حضور میں بیٹھ کر افضل تحیات کے ساتھ اس کی ثنا کرے پھر اس شخص پر سلام
کہے جو اللہ تعالےٰ کی اعلیٰ درجہ کی ثناء کرنے والا اور جس نے امت کو خدا تعالےٰ کی ثناء کرنے کی
تعلیم کی۔ اسکے بعد اپنے آپ پر اور اللہ کے ان تمام بندوں پر جو اس عبادت میں اسکے ساتھ شریک
ہیں سلام کہے۔ اسکے بعد اللہ سبحانہ کی توحید اور رسول صلعم کی رسالت کی شہادت بیان کرے۔ اسکے
بعد دوبارہ اس شخص کیلئے خدا سے رحمت کرے اور درود پڑھے جس نے امت کو اس کار خیر کی
تعلیم فرمائی اور اس کی طرف انکی راہنمائی کی ہے۔ اسکے بعد جبتک اپنے مالک کی طرف متوجہ ہوکر

بیٹھا رہے اس سے اپنے ضروریات و حوائج کی دعا اور سوال کرے ۔ اور جب مصلی ان تمام کاموں سے
فارغ ہو جائے تو اس کو اجازت ہے کہ ان لوگوں پر جو نماز میں اسکے ساتھ شریک تھے سلام کہہ کر
نماز سے باہر آجائے ۔ ان حالات کے علاوہ نماز کے اندر سلوک کے تمام اسرار و مقامات اول سے آخر
تک موجود ہیں ۔ سیر الی اللہ اور سلوک کے مراتب میں سے کوئی مرتبہ یا عارفین کے مقامات
میں سے کوئی مقام ایسا نہیں ہے جو نماز کے ضمن میں موجود نہ ہو ۔ اور یہ جتنے امور ہم نے
بیان کئے ہیں مشتے نمونہ از خروارے یا قطرہ از دریا کے طور پر ذکر کئے ہیں ۔ پس کوئی صاحب عقل
یہ کس طرح کہہ سکتا ہے کہ نماز ایک تکلیف محض ہے کسی حکمت یا غایت مقصودہ کے لئے مقرر
نہیں ہوئی ۔ بلکہ صرف ایک کلفت اور مشقت ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی مشیت سے بغیر کسی غرض
اور فائدہ کے جبراً لازم کی گئی ہے ۔ دنیا یا آخرت کی کسی مصلحت کے حصول کے لئے ذریعہ اور سبب
نہیں ۔ اسکے بعد طہارت کے بعض دیگر امور اور ان کے مسائل اور غایات میں غور کرنا چاہئے کہ ان
میں کس قدر حکمتیں مقصودہ اور غایات محمودہ جن کے لئے وہ مشروع کئے گئے ہیں موجود ہیں ۔
اگر یہ امور نہ ہوتے تو آدمی چوپائے جانوروں کی طرح بلکہ ان سے بھی بری حالت میں ہوتے ۔
طہارت پر ہی نظر کرو کہ اس میں کتنی حکمتیں اور قلب اور بدن کے لئے بیشمار منافع موجود ہیں ۔
اس سے قلب میں فرحت ۔ اعضاؤں میں چستی پیدا ہوتی ہے ۔ بدن ہلکا اور گناہوں کے
میل کچیل سے صاف ستھرا ہوتا ہے ۔ غرض طہارت قلب ۔ بدن اور روح کو صاف ستھرا کرنیوالی
ہے ۔ اور غسل جنابت میں اور بہت سے منافع کے علاوہ یہ منفعت موجود ہے کہ بدن میں ہوشیاری
اور تازگی پیدا ہوتی ہے ۔ اور جو کچھ بدن سے تحلیل ہوتا ہے اس کا بدل پیدا ہو جاتا ہے ۔ جو
نہایت نافع اور مفید ہے ۔ اور اعضائے وضو میں غور کرو کہ اسکے لئے وہ اعضاء مقرر کئے گئے
ہیں جو عمل اور کسب کا ذریعہ ہیں ۔ مثلاً پہلے چہرہ کو دیکھو کہ جو سمع ۔ بصر ۔ کلام ۔ شم ۔ ذوق کا محل ہے
اور جس میں حواس اربعہ یعنی قوت سامعہ ۔ باصرہ ۔ شامہ اور ذائقہ و نیز قوت نطق موجود ہیں
اسکو محل وضو مقرر کیا ہے کیونکہ یہ قوی معاصی اور ذنوب کے صدور کا ذریعہ ہیں ۔ پھر ہاتھوں
کو وضو کے لئے اس واسطے مخصوص کیا ہے کہ یہ انسان کے دو بازو ہیں جن سے چیزوں کو پکڑتا
لیتا اور دیتا ہے ۔ اسکے بعد پاؤں کو وضو کیلئے اس واسطے خاص کیا ہے کہ آدمی انکے ذریعہ چلتا
پھرتا ہے ۔ اور سر کے دھونے میں چونکہ بڑی مشقت اور تکلیف تھی ۔ لہذا اس کے دھونے کے
بجائے اس کا مسح مقرر ہوا ۔ اور وضو میں یہ برکت بھی ہے کہ اعضائے وضو کے تمام گناہوں کو مٹاتی

کے قطرات کے ساتھ نکال دیتا ہے یہاں تک کہ بالوں اور چہرے سے بھی گناہ خارج ہوجاتے
ہیں۔ چنانچہ بروایت ابوہریرہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ
جب بندہ مسلم یا مومن وضو کرنے لگتا اور چہرے کو دھوتا ہے۔ تو اس کے چہرے کے تمام گناہ
جن کی طرف آنکھ سے دیکھا ہو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ جھڑ جاتے
ہیں۔ پھر جب ہاتھوں کو دھوتا ہے تو ہاتھوں کے تمام گناہ جن کو ہاتھوں سے کیا ہو پانی کے ساتھ
یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ خارج ہوجاتے ہیں۔ پھر جب پاؤں کو دھوتا ہے۔ تو پاؤں کے
تمام گناہ جن کی طرف پاؤں سے چل کر گیا ہو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ خارج
ہوجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وضو کرنے والا گناہوں سے پاک صاف ہوجاتا ہے۔ اس حدیث
کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور نیز صحیح مسلم میں عثمان بن عفان رضی سے مروی ہے۔ کہ کہا رسول خدا
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرے تو اس کے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں۔
یہاں تک کہ اسکے ناخنوں کے نیچے سے بھی گر جاتے ہیں گناہوں سے پاک ہونا وضو کے اعلے
فوائد اور حکمتوں میں سے ہے۔ اور منکرین حکمت و تعلیل کہتے ہیں کہ وضو محض تکلیف مشقت
اور رنج کا باعث ہے۔ اس میں کوئی حکمت یا منفعت نہیں جس کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ حقیقۃ الامر
یہ ہے کہ اگر وضو میں سوائے اسکے اور کوئی مصلحت و منفعت نہ ہوتی کہ وہ قیامت کے دن اس
امت کی پہچان کی علامت ہوگا یعنی اس امت میں سے وضو کرنے والے لوگوں کے ہاتھ پاؤں
اور چہرے روشن اور نورانی ہونگے جس کے سبب وہ اور امتوں سے ممتاز ہو جائینگے۔ تو یہ
مصلحت اس کے مشروع و مقرر ہونے کے لئے کچھ کم نہ تھی۔ اور نیز اگر طہارت میں صرف یہی حکمت
و مصلحت ہوتی کہ وضو کرنے والا اپنے ہاتھ پانی سے اور دل توبہ سے پاک کرکے اپنے مالک کے
دربار میں حاضر ہونے۔ اس سے اپنا راز و نیاز رکھنے۔ اور بدن کپڑا۔ اور دل سب چیزوں
کو پاک صاف کرکے اسکے سامنے دست بستہ کھڑا ہونے کے لئے مستعد اور تیار ہوجاتا ہے تو
یہی مصلحت طہارت کی مشروعیت کیلئے کافی اور وافی تھی۔ اور چونکہ شہوت تمام بدن میں نفوذ
کئے ہوئے ہے۔ یہاں تک کہ ہر بال کے نیچے شہوت موجود ہے لہذا غسل جنابت کے لئے
یہ تاکید ہوئی۔ کہ جس طرح شہوت تمام بدن میں نفوذ کئے ہوئے ہے۔ اسی طرح تمام بدن کو دھونا
ضروری ہے۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے
اسی واسطے یہ حکم ہوا کہ بالوں کی جڑوں کو پانی پہنچانا چاہیئے تاکہ شہوت کی حرارت کم ہوجائے

اور پورے سکون اور اطمینان کے ساتھ اللہ سبحانہ کے ذکر، تلاوت قرآن، نماز پڑھنے اور اُسکے دربار میں حاضر ہونے
کی طرف متوجہ ہو جائے۔ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ اگر طہارت کے متعلق اس قسم کے فوائد و منافع کو کوئی بقراط
جیسا شخص بیان کرتا تو آپ سب اسکو بلا چون و چرا تسلیم کرتے اور اسکو بڑی وقعت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے
اور اُن پر اپنی طرف سے اور حکمتیں اور فوائد اضافہ کرتے۔ اور چونکہ خارج از نماز بندے کے اعضا
اطاعت الٰہی سے خالی اور شہوات اور حظوظ نفسانی کی تحصیل میں مصروف ہوتے ہیں۔ لہٰذا حکم
ہوا کہ تمام اعضا کے ساتھ اپنے رب کی بندگی بجالائے۔ اور ہر ایک عضو اپنے رب کی بندگی سے
حصہ حاصل کرے یعنی قلب۔ بدن۔ جوارح۔ حواس اور قوی سب کو اللہ سبحانہ کے سپرد کر دے اور
ہمہ تن اسکی طرف متوجہ اور ماسوا سے غافل ہو کر اسکے سامنے کھڑا ہو جائے۔ اور اللہ سبحانہ کے
حقوق میں کوتاہی اور اس کی جانب سے اعراض نہ کرے۔ اور چونکہ حقوق الٰہی میں کوتاہی اور
اُس کی طرف سے اعراض کرنا انسان کا طبعی خاصہ ہے لہٰذا حکم ہوا کہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً اپنے مالک
کی طرف متوجہ ہوا اور اسکی تعظیم بجالاتا رہے کہ مدت کے دراز ہونے سے اپنے مالک کو بھول اور اُس
کی طرف سے بالکل منقطع نہ ہو جائے۔ اور چونکہ نماز تمام عبادات اور نعمتوں سے افضل اور احسان کے جنس
ان ہدایا سے جن کو وہ اپنے مالک کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے اولیٰ اور بہتر تھی لہٰذا نماز کے بار بار بجالانے
کا حکم ہوا۔ منکرین حکمت و تعلیل کا یہ خیال ہے کہ نماز محض ایک مشقت اور تکلیف ہے۔ اسمیں کوئی حکمت
یا مصلحت ملحوظ نہیں بلکہ صرف اللہ تعالے کی مشیت سے بغیر کسی مصلحت کے جبراً لازم کیگئی ہے
اور شریعت کے تمام امور کو اسی طرح خالی از حکمت و مصلحت شمار کرتے ہیں۔ ورانکے اقوال تم پہلے معلوم
کر چکے ہو کہ وہ سراسر غلط اور باطل ہیں۔ حالانکہ امور شرعیہ میں وہ حکمتیں اور مصالح ہیں کہ جن حکمتوں اور
مصالح کو تم معلوم کر چکے ہو ان سے کئی درجہ زیادہ ہیں کیونکہ جو حکمتیں اور مصالح تم کو معلوم ہوئے ہیں
وہ تم نے اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق معلوم کئے ہیں اور جو حکمتیں اور مصالح ایسے ہیں جن کے
ادراک سے تمہاری عقل اور فہم قاصر ہیں وہ انکے علاوہ ہیں۔ اور اگر ہم سب حکم و مصالح کو تفصیلاً بیان
کریں تو اس مضمون پر کئی مستقل کتابیں تالیف کرنے کی ضرورت ہے اس واسطے نمونہ کے طور پر ہم نے
چند حکمتیں اور مصالح کے بیان پر اکتفا کیا ہے ؎

تیسواں جواب۔ جمادات مختلف اجناس کے حیوانات جن کی شکلیں۔ قد۔ صفات۔
منافع۔ قوی اور غذائیں جدا جدا ہیں اور اسی طرح مختلف انواع کے نباتات ہیں وہ حکمتیں اور منافع
موجود ہیں جن کو علم طب۔ علم کیمیا۔ علم حیوانات اور علم نباتات کے ماہرین نے بیان اور مدون کئے

پر ان کا تجربہ کیا ہے اور باوجود اس قدر جد و جہد کے انکو پوری طرح معلوم نہیں کر سکے جن منافع ۔ فوائد اور
مصالح کو انھوں نے معلوم کیا ہے وہ ان منافع و فوائد کے مقابلے جو انکو معلوم نہیں ہوئے ۔ بہت
ہی قلیل اور تھوڑے ہیں ۔ اگر ان منافع و فوائد کے معلوم کرنے کے لئے تمام لوگ بکمال مشقت کوشش کریں ۔
تو بھی صرف ایک نوع کے ان فوائد و منافع کو جو خالق نے اس میں ودیعت رکھے ہیں پوری طرح معلوم
نہیں کر سکتے ۔ اور ان فوائد و منافع کے علاوہ جو ان میں موجود ہیں ۔ ان میں یہ حکمت و مصلحت موجود ہے
کہ یہ اپنے خالق کے وجود ۔ اختیار ۔ مشیت ۔ علم ۔ قدرت اور اس کی حکمت پر دلالت کرتے ہیں اور
ان میں غور کرنے سے انسان خدا تعالے کی ہستی اور اس کے صفات کا اسطرح علم حاصل کر سکتا ہے
کہ ان سب چیزوں کی اصل اور مادہ ایک ہے اور ان مختلف صورتوں ۔ گوناگون شکلوں اور طرح طرح کے
منافع اور صفات کا موجب اور علت مادہ واحد نہیں ہو سکتا ۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا ۔ کہ یہ مادہ کسی
اور چیز کے ساتھ مرکب ہونیکے بعد ترکیب کے سبب ان مختلف انواع اور صورتوں کا سبب اور
موجد ہو پس حیوانات اور نباتات کے انواع اور انکی صورتوں اور شکلوں میں اختلاف اور تفاوت
کا موجود ہونا خدا تعالے کی ہستی اسکی ربوبیت ۔ قدرت ۔ حکمت ۔ علم اور اسکے فاعل مختار ہونے کی
روشن اور ظاہر دلیل ہے ۔ اور نیز مخلوقات کے انواع کا وقتاً فوقتاً حادث اور موجود ہونا خدا تعالے
کی ہستی اور اس کے صفات کی کامل دلیل ہے ۔ اور ان ادلہ پر قرآن مجید نے بہت سے مواقع میں
متنبہ کیا ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ
أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ
بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (اور زمین میں پاس پاس (کئی) کئی قطعے
(ہوتے) ہیں اور انگور کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت (جن میں بعض) دو شاخے (ہوتے ہیں) اور
(بعض) دو شاخے نہیں (ہوتے) حالانکہ سب کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور (پھر بھی) ہم بعض کو
بعض پر پھلوں میں برتری دیدیتے ہیں بیشک جو لوگ عقل کو کام میں لاتے ہیں ۔ ان کے لئے ان
باتوں میں (قدرت خدا کی بہتیری ہی) نشانیاں (موجود ہیں) وقال تعالے إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ
وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا
مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (بیشک آسمانوں (کے) اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے

اس بدلی میں اور ہواؤں میں جو لوگوں کے لیے فائدے کی چیزیں ایسی حالت [illegible] میں [illegible]
ہیں اور [illegible] میں جس کو اللہ آسمان سے برسا تا ہے آ سکے ذریعے سے [illegible]
[illegible] پیچھے [illegible] ہر قسم کے جانور [illegible]
زمین پر پھیلا دیے ہیں [illegible] ہواؤں کے [illegible] اُدھر اور [illegible]
بادلوں میں جو [illegible] کے حکم سے آسمان زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں اُن [illegible]
جو عقل رکھتے ہیں قدرت خدا کی بہتیری نشانیاں (موجود) ہیں۔ وقال تعالیٰ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ (اور آسمان و زمین کا پیدا کرنا اور
تمہاری بولیوں اور تمہاری رنگتوں کا مختلف ہونا (یہ بھی) اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ہے)
وقال تعالیٰ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (بیشک اس میں جو لوگ [illegible]
میں لگے رہتے ہیں ان کے لیے [illegible] قدرت خدا کی ایک بڑی نشانی ہے) وقال [illegible]
اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ
الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ (وہی (قادر مطلق) ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جس میں سے کچھ تو تمہارے
پینے کا ہے اور کچھ ایسا ہے کہ اس سے درخت (پرورش پاتے) ہیں جن میں تم اپنے مویشیوں کو چَراتے
ہو اسی پانی سے خدا تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے
جو لوگ سوچ سمجھ کر کام میں لاتے ہیں انکے لیے ان میں قدرت خدا کی ایک بڑی نشانی ہے) وقال اللہ تعالیٰ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ
مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ يَخْلُقُ
اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اور اللہ ہی نے تمام (چلنے پھرنے والے) جانداروں
کو پانی سے پیدا کیا ہے پھر ان میں بعض تو وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ان میں
سے وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو چار یا زیادہ پاؤں پر چلتے پھرتے ہیں
اللہ جو چاہتا ہے بناتا ہے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے) اس آیت میں غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے
حیوانات کی چال کے اختلاف سے گو ان کا اصل اور مادہ میں اشتراک ہے۔ انکے اعضاء [illegible]
قویٰ افعال۔ غذا میں اور رہنے کی جگہوں میں تفاوت اور اختلاف پر کس طرح متنبہ فرمایا ہے۔ کہ
دیکھو یہ سب اصل اور مادہ میں یکساں اور متفق ہیں اور پھر ان میں کس قدر تفاوت اور اختلاف ہے
ہم اس مضمون کو [illegible] قدر تفصیل سے بیان کرتے ہیں مثلاً پرندوں کو دیکھو کہ وہ سب پردار ہونے میں

مساوی اور یکساں ہیں۔ اور سب کو اسی واسطے جانور کہتے ہیں اور باوجود اسکے فوائد منافع وغیرہ امور میں
انکے درمیان کس قدر تفاوت اور اختلاف ہے اور اسی طرح تمام چرند جانور جیسا گھوڑا گدھا خچر وغیرہ
سم دار ہونے میں سب شریک ہیں اور اس کے سوا بہت سے امور میں باہم متفاوت اور مختلف ہیں
علیٰ ہذا القیاس کُھر دار جانور جیسے گائے بکری اونٹ وغیرہ سب کے سب کُھر دار جانور کہلاتے ہیں۔
اور اس کے سوا کئی چیزوں میں انکے درمیان اختلاف و تفاوت موجود ہے۔ اسی طرح جتنے سینگ دار
جانور ہیں اس صفت میں یکساں ہیں۔ اور باوجود اس کے انکی خاصیت منافع اور اشکال میں بہت بڑا
تفاوت اور اختلاف ہے علیٰ ہذا القیاس پانی میں رہنے والے جانور تیرنے۔ پانی میں رہنے اور
پانی کے اندر پیدا ہونے میں سب شریک ہیں اور انکے سوا انکے درمیان اس قدر تفاوت اور اختلاف
کثیر موجود ہے کہ انسان اسکے ادراک کرنے سے عاجز ہے اور ان سب کا شمار ابھی تک نہیں ہو سکا
اور اسی طرح جنگلی جانور آدمیوں سے دور رہنے اور ان سے متنفر ہونے میں سب یکساں اور شریک
ہیں مگر باوجود اس اشتراک کے انکے صفات۔ اشکال۔ طبائع۔ اور افعال میں اس قدر تفاوت
عظیم ہے کہ آدمی اس کے معلوم کرنے سے عاجز اور قاصر ہے۔ اور اسی طرح پیٹ کے بل چلنے
والے جانور اگرچہ اس امر میں شریک ہیں مگر انکے انواع کثیرہ بہت سے ہیں اور وہ آپس میں مختلف
اور ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ اور اسی طرح دو پاؤں والے جانور اس صفت میں متحد اور موافق
ہیں اور اسکے ساتھ ہی انکے انواع کے درمیان آپس میں بہت بڑا اختلاف موجود ہے اور حیوانات
کے ہر ایک نوع کے لئے اپنے مصالح کے حاصل کرنے اور مضر چیزوں سے بچنے کا وہ علم اور
ادراک حاصل ہے جس میں سے بہت سے امور انسان کو بھی معلوم نہیں۔ پس ان حیوانات کے پیدا کرنے
میں بہت بڑی حکمت یہ ہے کہ اس خالق واحد کی ہستی پر دلالت کرتے ہیں جو اپنی قوت۔ قدرت اور حکمت
کے ساتھ ان سب پر ایسا غالب ہے کہ سب کے سب اسکے مطیع منقاد اور اس فطرت اور خلقت کے
تابع ہیں جس پر خالق نے اپنی مشیت اور حکمت سے انکو پیدا کیا ہے۔ اور یہ بات اللہ سبحانہٗ کی
قوت قاہرہ حکمت بالغہ علم تام کی ایک نہایت زبردست اور مضبوط دلیل ہے اور اس سے معلوم ہوتا
ہے کہ جو قدرت۔ علم اور حکمت حیوانات کے ایک نوع پر مستولی ہے وہی قدرت۔ علم اور حکمت انکے تمام
انواع کو محیط ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (اور وہ چیزیں پیدا کرتا
ہے جو تم نہیں جانتے) اور نیز فرمایا ہے فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ (تو لوگو!
جو چیز تم کو دکھائی دیتی ہے اور جو چیز نہیں دکھائی دیتی جیسے جنات فرشتے وغیرہ) ہم تو سب ہی کی قسم

کھاتے ہیں) غرض اللہ سبحانہ کے افعال کی تمام غایات اور سلسلہ خلق اور امر کی جمیع حکمتوں کا خلاصہ اور مجموع
ایک غایت انتہائیہ ہے جس کو سب غایات کا منتہی ہونا چاہیئے۔ وہ غایت یہ ہے کہ حق تعالےٰ کو
اپنی الوہیت کے ثبوت کا اظہار مقصود ہے کہ صرف وہی ایک معبود ہے اُسکے سوا جتنے معبود ہیں سب
جھوٹے اور باطل ہیں۔ پس تمام غایات کی غایت یہی ایک امر ہے۔ اِسکے بعد دوسرے غایات جو اس
غایت تک پہنچنے کا وسیلہ اور اس غایت کے سوا کسی دوسری چیز کے لئے غایت ہیں ملحوظ ہیں۔ آیہ
وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی (اور بیشک آخرکار سب کو خدا تک پہنچنا ہے) میں اسی کی طرف اشارہ
ہے حقیقت میں اللہ سبحانہ کی ذات کے سوا کوئی چیز مطلوب معلوم و مذکور نہیں۔ اُسکے ماسوا سب چیزیں
معدوم محض ہیں۔ سلسلۂ ہستی میں فقط اللہ تعالےٰ کی ذات ہی مقصود و مطلوب ہے۔ اس کے سوا کوئی چیز مقصود نہیں اور تمام چیزیں اسکے فعل
کے آثار ہیں اور اسکے افعال اسکی صفات کے ثمرات ہیں اور اسکی صفات اسکی ذات کے تقاضے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان حیوانات کے غایات مطلوبہ
یہ ہیں کہ ان میں غور کرنے سے عالم کے فاعل۔ قادر اور حکیم واحد یعنی اللہ سبحانہ کے علم فعل۔ قدرت اور
حکمت پر اسطرح استدلال کیا جاتا ہے کہ ان تمام انواع کو اُس کا علم۔ قدرت اور حکمت حاوی اور
محیط ہیں۔ اور سلسلہ خلق اور امر کی یہی ایک غایت ہے اور اللہ سبحانہ کی توحید الوہیت کی یہ نہایت
ظاہر دلیل ہے جسطرح کہ یہ سب خالق واحد۔ قادر واحد اور رب واحد نے پیدا کئے ہیں۔ اسی طرح اُنکا
علم اور حکمت اُنکو محیط ہے نیز توحید ربوبیت اور الوہیت پر یہ امر دلالت کرتا ہے کہ حیوانات کے
مختلف انواع ایک انتظام اور حکمت سے باہم جمع کئے گئے ہیں اگر یہ کارخانہ اللہ سبحانہ کے
اختیار میں نہ ہوتا تو ان مختلف انواع کا اپنے اضداد کے ساتھ مجتمع ہونا دشوار تھا۔ اور ان مختلف
انواع کا باہم مختلط۔ ایک دوسرے کا محتاج اور معاون ہونا اس بات کی قطعی دلیل ہے۔ کہ
یہ فاعل واحد اور رب واحد کے مصنوعات ہیں۔ اگر اللہ سبحانہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود اور
رب اس کام میں شریک ہوتا یعنی بعض انواع کا خالق اللہ سبحانہ ہوتا اور بعض کا کوئی دوسرا شخص خالق
ہوتا تو یہ انتظام اس طور پر ہونا ناممکن تھا۔ دنیا کے بادشاہوں کو دیکھتے ہو کہ ایک بادشاہ
اپنے ماتحتوں کے لئے دوسرے بادشاہ کے نوکروں وماتحتوں کا محتاج ہونا پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ
اس کے شوکت وحشمت اور کمال اقتدار کے مخالف اور اُس کے لئے نقص اور عیب ہے۔ تو
دو خدا کس طرح پسند کرتے کہ ایک کی مخلوق دوسرے کی مخلوق کی محتاج ہو۔ جب وہ اس
امر کو روا نہ رکھتے۔ تو انتظام عالم کی موجودہ صورت نظر نہ آتی۔ اور ان کا ایک انتظام خاص پر
موجودہ ترتیب بنا سب پر واقع ہونا بعض امور میں باہم متفق اور شریک اور بعض میں ایک

دوسرے سے جدا اور مختلف ہونا مدلل ہے وحدانی الوہیت اور ربوبیت کی توحید پر۔ اُن کے صفات
کمال اور نعوت جلال پر دلالت کرتا ہے۔ تمام موجودات ایک ایسے لشکر کے مشابہ ہیں کہ جس کا
بادشاہ اور حاکم ایک ہو جو بعض کی بعض سے حفاظت کرتا اور بعض کے مصالح کا انتظام دوسرے
بعض کے ذریعہ فرماتا اور ہر ایک کی کمی دوسرے کے ذریعہ پوری کرتا ہے۔ بغرض ایک کو دوسرے سے
امداد پہنچاتا اور دوسرے کو اس سے تقویت دیتا اور ایک حصہ کو کم کر کے دوسرے میں بڑھا دیتا ہے
رات کو گھٹا کر دن زیادہ کرتا اور دن کو کم کر کے رات بڑھا دیتا ہے۔ اور زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو
زندہ سے نکالتا ہے۔ ایک کو ہلاک کر کے اس کی جنس میں سے دوسرا شخص اُس کے قائم مقام
کرتا ہے۔ پس دوسرے کا حادث اور پیدا ہونا اس بات کا شاہد ہے کہ جس خالق اور موجد نے
اُس کو پیدا اور ایجاد کیا ہے وہی پہلے کا خالق اور موجد ہے۔ اُس کی حکمت میں کوئی تغیر واقع
نہیں ہوا۔ اس کے علم میں کسی طرح کی کمی پیدا نہیں ہوئی اور اس کی قدرت کچھ ضعیف اور کمزور
نہیں ہوگئی۔ حوادث کی تبدیلی اور تغیرات سے اُسکی ذات میں کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہوتا۔
اور ان کے فنا اور نیستی سے اُسکی ذات فنا اور معدوم نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ ہمیشہ زندہ۔ قائم۔ غالب اور
صاحب حکمت ہے۔ یہ وہ حکمتیں اور مصالح ہیں۔ جو انکے اجتماع کے لوازم اور بعض کے بعض سے
مخلوط اور مرتبط ہونے کے انتظام سے متعلق ہیں۔ اسکے علاوہ اُن افعال و آثار میں جو ان سے
صادر ہوتے ہیں۔ وہ حکمتیں مصالح اور غایات ہیں جو ان انواع کی طرح حد و شمار سے باہر ہیں۔
مثلاً ایک جانور کی خلقت ہی کو دیکھو کہ اسمیں کس قدر افعال و خواص ہیں کہ اس کا معدہ غذا کی
طرف مشتاق ہوتا اور اسکو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اور کھانا کھانے سے پہلے اور کھانا کھانے
کے بعد جو اسکے لئے لوازم اور ضروریات ہیں اور پھر ان ضروریات پر جو مصالح مترتب ہیں۔ یہ
سب غور کے قابل ہیں کہ دنیا کی آبادی کا دارومدار انہی امور پر ہے۔ جب معدہ غذا کو اپنی
طرف کھینچتا ہے تو اس کے بعد اس کو اس طرح پکاتا اور نضج دیتا ہے جس طرح ہنڈیا میں سالن
پکتا اور تیار ہوتا ہے۔ اسکے بعد غذا کو کئی دوسرے نضج لاحق ہوتے ہیں۔ جن سے وہ بدن کے
جمیع اجزا۔ قوی اور ارواح کے غذا بننے کے قابل ہو جاتی ہے۔ جب معدہ پہلا نضج دیتا ہے
جس سے وہ غذا سے اپنا حصہ حاصل کرتا ہے۔ تو اس نضج میں جسقدر وہ اپنا حصہ لیتا ہے۔
حصہ بدن کے دوسرے اجزا کے انتفاع کے لحاظ سے بہت ہی کم ہوتا ہے یعنی اس نضج میں
بدن کے باقی اجزا کے لئے زیادہ نفع پایا جاتا ہے۔ اور جب معدہ اپنا حصہ حاصل کر چکتا ہے تو بقیہ

غذا کو اس عضو یعنی جگر کیطرف پہنچا دیتا ہے جو اس کا نہایت محتاج ہے اور وہ بغیر قصد اور ارادہ کے اپنی حاجت کے موافق لے لیتا ہے۔ اور ان اعضا سے جو یہ کام صادر ہوتے ہیں۔ یہ انکے ارادہ اور قدرت سے صادر نہیں ہوتے بلکہ اس اللہ تعالیٰ کے قصد و ارادہ اور حکمت سے صادر ہوتے ہیں۔ جو ہر چیز کو جاننے والا اور ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ یہ سب انتظام اور تدبیر اللہ سبحانہ کی حکمت اور لطف پر مبنی ہے۔ اس کے بعد جگر کا یہ کام ہے کہ وہ اس غذا کو بدن کے ایسے تنگ مقامات میں پہنچاتا ہے کہ جن میں اپنا راستہ اور منفذ نہیں ہوتا۔ کہ اس میں۔ وہ سما سکے مگر وہ سب اجزائے بدن کی طرف انکی حاجت کے موافق پہنچا دیتا ہے اور بدن کے ہر ایک جزو کا بقا اور درستی غذا کے پہنچنے پر موقوف ہے۔ اگر کسی جزو کو غذا نہ پہنچے تو وہ فاسد اور خراب ہو جائے۔ اور جگر کی طبیعت اور مزاج معدہ کی طبیعت اور مزاج کے موافق اور اس کا فعل انکے فعل کے مشابہ ہے۔ اور اسی طرح انتڑیاں اور باقی اعضا غذا کے تیار کرنے میں ایسے ہیں جیسا جگر قلب کے لئے غذا تیار کرتا ہے اور قلب پھیپھڑے کیلئے۔ اور پھیپھڑے کا یہ کام ہے کہ وہ قلب کی طرف ہوا پہنچاتا اور اسکی اصلاح کرتا ہے۔ غرض ایک شخص میں جس قدر اعضا موجود ہیں۔ اگر ان میں اور انکے منافع۔ افعال اور ان حکمتوں میں غور کیا جائے جو ایک ایک شخص کے ساتھ خاص ہیں جیسے اسکی شکل۔ مزاج۔ وضع اور ترتیب اعضا وغیرہ دیگر صفات تو اس سے قطعی اور کامل الیقین حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ چیز خالق واحد۔ مدبر واحد اور حکیم واحد کی پیدا کی ہوئی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دنیا میں نوع انسانی کے جس قدر اشخاص و افراد موجود ہیں۔ ان میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اس حکیم واحد کی صنعت ہے جس نے اپنی حکمت سے بعض کو بعض کا معاون اور مددگار بنا دیا ہے اور ایک دوسرے سے مستفیض ہوتا ہے۔ کہ ہل چلانے والے کھیت والوں کا کام کرتے اور کھیت والے انکی مدد کرتے ہیں۔ جولاہے درزی کے مددگار ہیں۔ اور وہ ان کا معاون ہے۔ بڑھئی معمار کے کام آتا ہے اور معمار اسکا کام دیتا ہے۔ بڑھئی درزی کا محتاج ہے تو وہ اس کا حاجتمند ہے مکان بنانے والے کو معمار کی ضرورت ہے تو معمار کو تعمیر کرانے والے کی حاجت ہے۔ کوئی اپنے ہاتھ سے دوسرے کی مدد کرتا اور کوئی پاؤں سے۔ کوئی آنکھ سے۔ کوئی کان سے۔ کوئی زبان سے اور کوئی مال سے۔ اور چونکہ ایک آدمی اپنے تمام مصالح کے حاصل کرنے اور جمیع ضروریات کے بذات خود بہم پہنچانے پر قادر نہیں۔ اور نہ ایک شخص میں نوع انسانی کے تمام خواص پائے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا نوع انسانی کے تمام اشخاص گویا ایک شخص ہیں۔ جن میں سے ایک دوسرے کے مصالح کا معاون ہے۔ اور مجموع افراد میں نوع انسانی کے تمام خواص۔ صفات۔ افعال و منافع

اور جو کچھ ان سے مطلوب ہے موجود ہیں۔ اور ایک شخص میں تمام خواص کا پایا جانا دشوار ہے۔ کیونکہ ایک شخص تمام فضائل علمی، عملی، قوت اور بقاء کا جامع اور حاوی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا مجموع خواص نوع انسانی کے مجموع افراد میں خالق نے ودیعت رکھدیے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ نے کمالات انسانی کو اس کے افراد میں انکی قابلیت اور استعداد کے لحاظ سے تقسیم فرمایا ہے۔ جو شخص جس کمال کے قابل تھا وہی اُسے عطا فرمایا۔ اگر وہ اس سے اچھی اور عمدہ چیز کے قابل یا اس میں زیادتی اور ترقی کا مستحق ہوتا تو چونکہ اللہ سبحانہ جواد لذاتہ ہے تو اسکو وہی چیز عطا فرماتا اور زیادتی اور ترقی بخشتا۔ اللہ سبحانہ کا جود اور خیر تمام عالم میں جاری ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے جس قدر جود اور خیر کا فیضان فرمایا ہے اللہ کا جود و کرم کئی گنے اس سے زیادہ ہے اور وہ ہمیشہ آناً فاناً فیضان فرماتا رہتا ہے اور اسی طرح قیامت میں جب جنت میں اہل جنت کے داخل ہونے کے بعد جگہ فاضل رہجائیگی۔ تو جنت کے اُس فاضل اور بچے ہوئے حصہ کے لئے ایک اور مخلوق پیدا کریگا۔ جن کو اسمیں بسائیگا۔ اس کا فضل محل اور اس کی استعداد کی حیثیت سے فیضان ہوتا ہے۔ محل کا وجود اور انہیں استعداد پیدا کرنا اور پھر اس پر اپنے فضل کا فیضان کرنا یہ سب کچھ انکی مشیت اور حکمت سے ہے۔ اور چونکہ اس کا وجود و فضل مخلوق کی حاجت اور ضرورت سے زیادہ ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس کا جود اور فضل فاضل اور بچا ہے۔ اور اسکی مثال ایسی ہے جیسے آفتاب کی روشنی کہ حیوانات کے مصالح اور ضروریات اسکے بدوں سرانجام نہیں پاتے۔ مگر وہ بہت سی ایسی جگہوں میں بھی پائی جاتی۔ جہاں حیوانات یا بنی آدم کو اسکی ضرورت نہیں۔ بارش، نباتات، ہوا اور کئی دوسری نعمتیں بھی اسی طرح ہیں کہ وہ ضروریات اور حوائج سے زائد ہیں۔ اور یہ چیزیں یعنی روشنی وغیرہ اگرچہ حاجت سے زائد موجود ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ان میں کوئی حکمت و مصلحت نہیں۔ بلکہ اگرچہ یہ حیوانات کی حاجت سے زائد ہیں۔ مگر ان میں بھی بہت سی حکمتیں، مصالح، عبرتیں۔ اور اللہ سبحانہ کی عطا کے عام ہونے پر دلالتیں موجود ہیں۔ اور چونکہ جواد کریم کی نعمتیں مخلوق کی حوائج سے بڑھی ہوئی اور زائد ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ بہت سی نعمتیں مثلاً پانی کھانے کی چیزیں نباتات وغیرہ حیوانات کی حاجت کے لحاظ سے بیکار پڑی رہیں۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ جب انکی کوئی ضرورت نہیں تو پھر انکے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے تو وہ شخص ایسا سوال کرنے میں جاہل اور ظالم ہے کیونکہ زمین اور اس پر جتنی چیزیں ہیں۔ انکے پیدا کرنے کی حکمت ہر صاحب عقل پر ظاہر ہے اور زمین کو دیکھو کہ وہ سب آباد نہیں بلکہ اُس کا ایک تھوڑا سا حصہ آباد ہے۔

تو کیا وہ شخص یوں سوال کر سکتا ہے کہ زمین اتنی پیدا ہوتی جتنی آباد ہے باقی زمین کا پیدا کرنا لغو اور بے سود ہے چونکہ اللہ سبحانہ کا جود وسیع اور دائم ہے پس اُس کا مقتضی یہی ہے کہ اُس کی نعمتیں مخلوق کی حوائج سے زائد اور بچی رہیں۔ اور نیز یہ اُس کے علم۔ قدرت اور حکمت کے لوازم سے ہے۔ غرض اشیاء عالم اور اُنکے احوال میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب چیزیں ایک خدا کی مصنوعات و مخلوقات ہیں جو عالم۔ قادر اور حکیم ہے اور جس نے اپنی حکمت سے نظام عالم کو ایک نہایت اچھی صورت پر قائم اور اسکو ایک عمدہ حالت پر موجود کیا ہے۔ اور باوجودیکہ اُسکی مخلوقات کی کوئی حد و شمار نہیں۔ مگر سب کے افعال کو وہ ایک ایسے سلسلے میں لایا ہے کہ ایک کو دوسرے سے مرتبط اور بعض کو بعض کا معاون و مددگار بنا دیا۔ اور بعض چیزوں کو دوسری چیزوں کے لئے غایات اور اسباب قرار دیا ہے۔ یہ سب باتیں اس امر پر شاہد ہیں کہ سب کا خالق اور رب ایک ہے جس کے قبضۂ قدرت میں یہ سب داخل ہیں۔ خداتعالےٰ کے افعال کی کثرت ایک وقت میں مختلف افعال کا صادر ہونا آناً فاناً ان کا صادر ہوتے رہنا۔ اور باوجود مخلوقات کے اسقدر کثیر ہونے کے ہر ایک کے ساتھ اُس کے تصرفات کا خاص طور پر متعلق ہونا اللہ تعالےٰ کی قدرت کی کافی دلیل ہیں۔ اور اُسکے علم اور حکمت پر یہ امر دال ہے کہ عالم کی یہ تمام چھوٹی بڑی چیزیں اس پرحکمت نظام میں داخل ہیں کوئی چیز اس سے باہر نہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی چیزیں یہاں تک کہ بدن کے چمڑے میں بالوں کے مسام مُنہ میں لعاب کے مترشح ہونے کی جگہیں۔ اور ایسے چھوٹے حیوانات میں باریک رگوں کے راستے جو اپنے صغر کی وجہ سے اچھی طرح نظر نہیں آتے۔ اور بڑی سے بڑی چیزیں جیسی وہ ہوائیں جو بادلوں کو اُٹھا کر اُس خشک زمین کیطرف لے جاتی ہیں جسمیں گھاس۔ پات کا نشان نہ ہو۔ پھر وہ بادل وہاں برستے اور اُس میں طرح طرح کے نباتات پیدا ہوتے ہیں۔ جن کو کھا کر حیوانات زندہ اور تر و تازہ ہوتے ہیں۔ اور اُنکے بعض اقسام کھانے اور بعض پینے اور دواؤں کے کام آتے ہیں۔ یہ سب چیزیں انتظام عالم میں داخل ہیں اسکو چھوڑ کر آفتاب۔ ماہتاب اور ستاروں کے مسخر ہونے اور اُنکے طلوع و غروب کے اختلاف پر نظر کرو جس سے رات دن اور سال کی وہ مختلف فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ جن سے روے زمین کی تمام اشیاء کے مصالح کا انتظام وابستہ ہے غرض جب تم سلسلۂ عالم میں غور کروگے۔ تو ایسا معلوم ہوگا۔ کہ یہ عالم دُنیا ایک آراستہ گھر کی مانند

ہے جس میں اللہ کے تمام بندے سکونت پذیر ہیں۔ آسمان اسکی چھت اور زمین بستر او ستارے زینت
اور آفتاب اس کا چراغ ہے۔ رات آرام کرنے کا وقت ہے اور دن روزی کمانے کا۔ بارش
ان کے پہنچنے کے لئے اور زمین کی پیداوار انکے لئے کھانا۔ دوائیں اور میوے ہیں۔ اور
حیوانات ان کے خادم ہیں۔ جن میں سے بعضے کھانے اور بعضے سواری کے کام آتے ہیں۔
اور بعض کے چمڑوں سے لباس بنائے جاتے ہیں۔ جواہرات انکے خزانے اور ذخیرے ہیں
غرض ہر ایک ضرورت کی چیزیں موجود اور مہیا ہیں۔ نباتات کے مختلف اقسام سینکڑوں
کام دیتے اور حیوانات کے مختلف انواع سے بہت سی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ یہ امور
اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت پر کافی دلیل ہیں۔ آسمان کا نیلگوں رنگ ہونا محض اتفاقی امر
نہیں بلکہ یہ اسکی کمال حکمت پر مبنی ہے کیونکہ تمام رنگوں سے یہ رنگ آنکھ کے لئے زیادہ موافق
اور مفید ہے۔ اطبا نے لکھا ہے کہ جس شخص کی آنکھ کو کوئی عارضہ یا تکلیف پیش آئے تو وہ سبز
یا سیاہ رنگ چیز کو ہمیشہ دیکھا کرے۔ اسلئے خدائے احکم الحاکمین نے آسمان کو نیلگوں بنا دیا
ہے کہ نظریں اس پر ٹھیر سکیں۔ اور اسکی طرف دیکھنا نظر کو مضر نہ ہو۔ اس بات کو کہ اب تیم کا
رنگ نظر کیلئے مفید ہوتا ہے لوگوں نے فکر اور تجربہ کے بعد معلوم کیا ہے۔ خالق حکیم نے ابتدائے
خلقت ہی میں اس بات کو ملحوظ رکھ کر آسمان کو نیلگوں بنا دیا۔ آفتاب کا اس انتظام سے طلوع او
غروب ہونا یہ بھی حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں بلکہ اس میں بہت سی حکمتیں اور مصالح موجود
ہیں مثلاً رات اور دن کا پیدا ہونا کہ رات آرام کا وقت اور دن روزی کمانے کا وقت ہے اگر
ہمیشہ رات ہی رات ہوتی۔ تو بنی آدم کے بہت سے ضروریات اور معیشت کے سامان
معطل ہو جاتے۔ آفتاب کے طلوع کرنے اور دن کے پیدا ہونے میں جو حکمتیں اور مصالح ہیں
وہ تو ظاہر و باہر ہیں۔ لیکن آفتاب کے غروب ہونے اور رات کے آنے کی حکمتیں بھی قابل
غور ہیں۔ اگر آفتاب غروب نہ ہوتا تو آدمی کو کسی وقت راحت۔ آرام اور سکون میسر نہ ہوتا اور
ہر وقت کام میں مشغول رہنے سے بدن بہت جلد کمزور ہو کر مٹ مٹا جاتے۔ اسکے علاوہ آفتاب
کی دائمی حرارت کی وجہ سے روئے زمین کی تمام چیزیں کیا حیوانات اور کیا نباتات سب
جلد نیست و نابود ہو جاتیں۔ خالق عالم کی حکمت دیکھو کہ دن کی روشنی اور رات کی تاریکی کو
باوجودیکہ وہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں عالم کے نظام درستی اور اسکے قیام کے لئے ایک
کو دوسرے کا معاون اور مددگار بنا دیا ہے اور اسی طرح آفتاب کے ارتفاع اور انحطاط

بھی خالق نے کئی حکمتیں اور مصلحتیں ودیعت رکھی ہیں مثلاً سال کی چار فصلیں ربیع ۔ صیف ۔
خریف اور شتا اس سے پیدا ہوتی ہیں ۔ اور ان میں طرح طرح کے منافع و مصالح پائے
جاتے ہیں کہ جاڑے اور سردی کے موسم میں زمین کی حرارت اس کے اندر گھس جاتی ہے ۔
اور نباتات اور درختوں میں پھلوں اور میووں کا مادہ پیدا ہوتا ہے ۔ اور نیز ہوا کو سردی
پہنچنے کی وجہ سے اس سے بادل پیدا ہوتے ہیں ۔ اور ان سے بارش برستی ہے جس
سے حیوانات اور زمین سے اگنے والی تمام چیزیں زندہ اور تازہ ہو جاتی ہیں ۔ اور
حیوانات کے قوی اور اشغال طبعیہ میں ایک قسم کی قوت اور شدت پیدا ہو جاتی ہے ۔ اور
موسم ربیع میں درختوں اور نباتات کے طبائع میں ایک طرح کا جوش اور حرکت پیدا ہو جاتی ہے
جس کے سبب سے وہ مواد جو جاڑے میں اندر چھپے ہوئے تھے باہر نکل آتے ہیں ۔ اور گرمی
کے موسم میں ہوا گرم ہو جاتی ہے جس کے باعث پھل اور میوے پختہ ہو کر تیار ہو جاتے ہیں اور
حیوانات کے بدنوں سے فضلے تحلیل پاتے ہیں اور زمین کی سطح خشک ہو جاتی ہے اور مکان
وغیرہ بنانے کا موقع ملتا ہے اور موسم خریف میں ہوا معتدل اور صاف ہو جاتی ہے جس کی وجہ
سے گرمی کی شدت اور لو سے امان نصیب ہوتا ہے ۔ انکے علاوہ اور بہت سی حکمتیں ہیں
جن کا بیان کرنا دشوار ہے اور اسی طرح آفتاب کا متحرک اور منتقل ہونا بھی حکمت سے خالی نہیں
اگر آفتاب ایک جگہ پر ٹھیرا رہتا تو عالم کے بہت سے مصالح بگڑ جاتے اور عالم کے کئی اطراف اور
جہات میں اسکی شعاع اور روشنی نہ پہنچتی ۔ اور بہت سی چیزیں ہمیشہ سایہ میں رہنے کی وجہ سے
خراب ہو جاتیں مثلاً جن چیزوں کے آگے پہاڑ اور مکانات وغیرہ ایسی چیزیں حاجب ہو جاتیں ؛
وہ ہمیشہ سایہ میں رہتیں ۔ لہذا خالق حکیم کی حکمت نے یوں چاہا کہ شروع دن میں آفتاب مشرق
سے طلوع کرے تاکہ وہ چیزیں جو اسکے بالمقابل مغرب کی جانب واقع ہیں ۔ ان پر اس کی
روشنی پڑے پھر بتدریج حرکت کرتا ہوا مغرب میں جا کر غروب کرے تاکہ وہ چیزیں جو طلوع
کے وقت سایہ میں تھیں ان پر بھی اسکی روشنی اور شعاع کا اثر پڑے ۔ اور اس طرح سے تمام
جہات اور سب چیزیں اسکی روشنی سے نفع حاصل کریں ۔ علیٰ ہذا القیاس رات اور دن کا ایک محدود
مقدار پر ہونا بھی حکمت سے خالی نہیں ۔ اگر ان میں سے کوئی رات یا دن نہایت طویل و دراز
ہوتا تو بہت سے مصالح اور منافع معطل ہو جاتے ۔ اور نظام عالم بگڑ جاتا تھا ۔ اسی طرح ماہتاب
کا پہلے پہل تاگے کی طرح باریک نظر آنا اسکے بعد تدریجاً زیادہ ہوتے ہوتے ماہ کامل ہو جانا

پھر گھٹنے لگتا - اور کم ہوتے ہوتے پہلی حالت پر آجانا - اس میں بھی بہت سی حکمتیں اور مخلوق کی مصلحتیں
و منافع موجود ہیں کیونکہ لوگ اسکے ذریعہ سے مہینے - سال - میعادیں - رجب - مہینے - تاریخیں -
عمروں کی مقدار اور اجارہ - قرض وغیرہ معاملات کی مدتیں معلوم کرتے ہیں - اور اگرچہ یہ چیزیں بھی
آفتاب کی حرکت کے حساب سے بھی معلوم ہو سکتی ہیں - مگر اس سے وہی لوگ معلوم کر سکتے ہیں - جو
حساب داں ہوں - اور چاند کا حساب ایسا آسان ہے کہ اس کو ہر جاہل اور عامی بھی سمجھ سکتا
ہے علیٰ ہذا القیاس - چاند اور ستاروں کا رات کی تاریکی میں منور اور روشن ہونا بھی
حکمت سے خالی نہیں - اگرچہ حیوانات کے آرام اور ہوا کے ٹھنڈا کرنیکے لئے رات اور اُس
کی تاریکی کی ضرورت تھی - مگر تاہم اُس کو محض تاریک اسلئے نہیں بنایا کہ اگر رات بالکل اندھیری
ہوتی - تو پھر اس میں سفر اور کام کاج کرنا دشوار ہو جاتا - اور اکثر اوقات دن کے چھوٹا ہونے
وقت کی تنگی یا گرمی کی شدت کی وجہ سے آدمیوں کو رات کے وقت کام کرنا پڑتا ہے - اور
چاند کی روشنی میں بہت سے کام کر لیتے ہیں - اور چاند کی روشنی اسلئے ٹھنڈی بنائی ہے
تاکہ آفتاب کی روشنی کی حرارت کا مقابلہ کرے اور دن کی گرم ہوا کو ٹھنڈا بنائے - اور ہر ایک
دوسرے کی کیفیت کی تیزی کو کم کر کے اُس کے ضرر کو دور کر دے جس سے ایک حالت معتدل پیدا
ہو جائے - اور اسی طرح ستاروں کے پیدا کرنے میں بھی کئی حکمتیں اور مصالح ہیں - دریا اور
خشکی میں انکے ذریعہ سے لوگ راستہ معلوم کرتے اور اوقات پہچانتے ہیں - اسکے علاوہ
آسمان کے لئے باعث زینت ہیں - ان میں اور بھی کئی مصالح ہیں جو محض اتفاق سے
(جیسا کہ منکرین حکمت کا خیال ہے) حاصل نہیں - اور خالق حکیم نے اپنی حکمت سے کواکب کو
دو قسم بنایا ہے - ایک وہ جو کبھی ظاہر اور کبھی پوشیدہ ہو جاتے ہیں - اور وہ جو ہمیشہ ظاہر
رہتے ہیں - اور انکو اسلئے ظاہر بنایا ہے کہ گویا وہ نشان ہیں جن کو دیکھ کر راستوں کے
ناواقف لوگ سفر طے کرتے اور منزل مقصود پر پہنچتے ہیں - اور قسم اول میں یہ مصلحت موجود
ہے - کہ انکے ظاہر ہونے سے آدمی اُن امور کا پتہ لگاتے ہیں - جو عادۃً انکے ظاہر ہونے کے
وقت پلٹے جاتے ہیں - غرض دونوں قسم میں مصلحت و حکمت موجود ہے - انکے علاوہ ان میں
وہ حکمتیں اور مصالح موجود ہیں جن کے معلوم کرنے سے انسان کی عقل قاصر ہے - غرض اللہ
سبحانہ نے کسی چیز کو بیکار نہیں بنایا - حوادث ارضیہ کے نظام کو اجرام علویہ سے اسی طرح وابستہ
کیا ہے کہ عقول بشریہ اس کا ایک شمہ کما حقہ معلوم کرنے سے عاجز ہیں - بہت سے لوگوں نے اپنے

دماغی اور ذہنی قوتیٰ کو اُس کے معلوم کرنے کی دھن میں صرف کر دیا۔ مگر بہت تھوڑا سا پتہ چلا۔ بلکہ جو کچھ معلوم کیا۔ اُس کو اُس سے کچھ نسبت نہیں جو اُن پر مخفی رہا۔ خالق حکیم نے ایک اور لحاظ سے ستاروں کے دو نوع بنائے ہیں ایک وہ جو ہمیشہ اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں۔ یعنی فلک کے جس جزو میں گڑے ہوئے ہیں اُسی میں ثابت رہتے ہیں۔ وہ صرف فلک کی حرکت سے متحرک ہوتے ہیں۔ اُنکے لئے کوئی اپنی ذاتی حرکت نہیں۔ (اور ان کو ثوابت کہتے ہیں) دوسری نوع وہ ہے جو کسی خاص جگہ پر قائم نہیں رہتے۔ بلکہ تمام بروج میں منتقل ہوتے اور فلک کی حرکت کے سوا وہ اپنی ذاتی حرکت بھی کرتے ہیں (انکو سبع سیارہ کہتے ہیں) ان میں سے ہر ایک کیلئے دو مختلف حرکتیں ہیں۔ ایک سب کیلئے عام ہے کہ فلک کی حرکت سے مشرق سے مغرب کیطرف حرکت کرتے ہیں۔ اور دوسری ہر ایک کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور وہ مغرب سے مشرق کیطرف ہے۔ انکی حرکت اُس چیونٹی کی حرکت کے مشابہ ہے۔ جو چکی کے پاٹ پر گھوم رہی ہو۔ اور چکی داہنے طرف پھرتی اور چیونٹی بائیں جانب جاتی ہو۔ اس حالت میں چیونٹی کیلئے دو مختلف حرکتیں ثابت ہیں۔ ایک اپنی ذاتی حرکت جس سے آگے جا رہی ہے۔ اور دوسری چکی کی وجہ سے قسری حرکت ہے جس سے پیچھے کو ہٹتی ہے۔ ان ستاروں کے لئے دو مختلف حرکتیں ثابت ہیں وہ ایک خاص اندازہ اور معین مقدار پر واقع ہیں۔ جس میں یہ ذرا آگے پیچھے نہیں ہوتے۔ تعجب ہے کہ منکرین حکمت کیا یہ خیال ہے کہ یہ تمام نظام اور سلسلہ محض اتفاقی طور پر واقع ہے۔ اس میں کوئی حکمت یا مصلحت مقصود نہیں۔ اگر کوئی سوال کرے کہ اسمیں کونسی حکمت اور مصلحت مقصود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ مصنوعات الہی کے بہت سے مصالح اور حکم بیان ہو چکے ہیں۔ پس جسقدر مصالح اور حکم معلوم ہیں ان کو اُن حکم و مصالح کی دلیل بناؤ جو معلوم نہیں ہوئے اور ایسا نہ کرو کہ جن مصالح و حکم تک عقل انسانی نہیں پہنچ سکتی اور وہ مخفی اور نا معلوم ہیں۔ اُنکے نہ جاننے کو مصالح و حکم کے بطلان کی دلیل ٹھہراؤ۔ منجملہ اُن حکمتوں کے جو انکی حرکت میں موجود ہیں۔ ایک یہ حکمت ہے کہ اگر کواکب سب کے سب ثابت ہوتے تو وہ باتیں معلوم نہ ہوتیں جو حرکت کرنیوالوں کی حرکت اور بروج میں منتقل ہونے سے معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ بہت سے امور اور حوادث کے وجود پر سورج۔ چاند اور ستاروں کی حرکت سے پتہ لگایا جاتا ہے۔ اور اگر سب کے سب متحرک ہوتے تو پھر انکی حرکت کیلئے کوئی مقام اور منزل متعین نہ ہوتی اور نہ کوئی ایسا نشان ہوتا جس سے حرکت کا اندازہ کیا جاتا۔ کیونکہ سیارات کی حرکت ثوابت کے لحاظ سے اندازہ کی جاتی ہے جیسا زمین پر چلنے والے کی حرکت اُس کے

بیان کے لحاظ سے معلوم کی جاتی ہے۔ غرض اگر سب نباتات پر متفق نظام عالم کی موجودہ صورت جو حکمت الٰہی کا مقتضی ہے بگڑ جاتی۔ پس یہ عزیز علیم کی تقدیر اور رب حکیم کی صنعت ہے کیسی صاحب بصیرت کو اس امر میں کس طرح شک ہو سکتا ہے کہ یہ تمام سلسلہ اس مقدر حکیم کی تقدیر ہے جس نے اپنے مصنوعات کو نہایت خوبی کے ساتھ مضبوط و مستحکم بنایا۔ اور اس سے کہ جملہ امور پیدا ذکا منہ وہ حکمتیں مصالح اور مخلوقات کے منافع جو مصنوعات میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ کی حکمت کی ایسی نہایت قوی دلیل ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ عقل و فطرت اس بات پر شاہد ہیں کہ اللہ سبحانہ کی حکمت باہرہ۔ قدرت قاہرہ اور اس کا علم تام اور محیط ہیں۔ اور اس نے کسی چیز کو بیکار نہیں بنایا۔ اور کسی شے کو حکمت سے خالی نہیں پیدا کیا۔ اور اسی طرح گرمی اور سردی کے بالتدریج آنے میں کتنی اور مصلحتیں موجود ہیں حیوانات اور نباتات کا قیام و بقا اسی تدریج میں منحصر ہے کہ گرمی کے بعد سردی بالتدریج ہو اور سردی کے بعد دفعتہ گرمی پیدا نہ ہو۔ بلکہ آہستہ آہستہ اور تدریجاً پیدا ہو اگر ایک دوسرے کے بعد دفعتہ پیدا ہو جاتی تو حیوانات اور نباتات اس کے متحمل نہ ہو سکتے۔ اور تدریجاً پیدا ہونے میں بغیر کسی ضرر اور نقصان کے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب اشیاء یعنی گرمی۔ سردی وغیرہ بذریعہ ایسے اسباب کے پیدا ہوتی ہیں۔ جو حکم اور مصالح کا منشا ہیں حکمت کے اثبات سے سبب کا بطلان اور سبب کے اثبات سے حکمت کا عدم اور نہ حکمت اور سبب دونوں کے ثابت کرنے سے مشیت الٰہی کا انکار لازم آتا ہے۔ پس جو لوگ حکمت یا سبب اور مشیت الٰہی میں سے کسی ایک کے اثبات سے دوسرے کا انکار کرتے ہیں۔ وہ عقل اور علم شریعت سے بے بہرہ ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس آگ کے پیدا کرنے اور اس کو ان چیزوں کے اندر جن میں پیدا کی گئی ہے پوشیدہ رکھنے میں کئی حکمتیں اور مصالح موجود ہیں۔ اگر آگ مٹی ہوا اور پانی کی طرح ظاہر ہوتی۔ تو عالم کی تمام چیزوں کو جلا کر راکھ کر دیتی۔ اور چونکہ ضرورت کے وقت اس کا ظاہر ہونا بھی ضروری تھا۔ لہذا خالق حکیم نے اس کو اجسام کے اندر اس طور پر پوشیدہ رکھا ہے کہ ضرورت کے وقت جلانے سے ظاہر ہو جاتی اور حاجت کے موافق ایندھن اور لکڑیوں میں باقی رہتی۔ اور پھر جب ضرورت نہ رہے تو بجھ جاتی ہے۔ خالق نے اسکو ایسی خلقت اور انداز پر بنایا ہے کہ اس سے نفع حاصل ہو جاتا اور اس کے ضرر سے بچاؤ رہتا ہے۔ آگ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس کو صرف آدمی استعمال کرتے ہیں دوسرے حیوانات آگ استعمال نہیں کرتے۔ اور نہ اس سے منتفع ہوتے ہیں۔ اور چونکہ حکمت الٰہی کا یہی مقتضی تھا اسلئے حیوانات کو کھانے اور پہننے کے

سامان دیدئیے ہیں کہ انکو آگ کی ضرورت ہی نہیں۔ لباس کے بجائے اُنکے بدن پر بال اور ریشم پیدا
کیئے گئے۔ اور انکی غذائیں ایسی چیزیں بنائی گئیں جن کو پکانے اور طبخ دینے کی حاجت نہیں اور
چونکہ انسان اپنے بہت سے کاموں میں آگ کا سخت محتاج تھا اسلیئے خالق نے وہ سامان پیدا
کردئیے کہ جن کے ذریعہ جب چاہے اسکو روشن کرے اور جب چاہے بجھا دے۔ آگ کا ایک یہ
فائدہ ہے کہ اس سے چراغ روشن کرکے آدمی رات کو اپنے بہت سے کاموں کو سرانجام دیتے
اور اپنی کئی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ اگر آگ نہ ہوتی اور چراغ روشن نہ کئے جاتے۔ تو آدمیوں
کی آدھی عمر بالکل مُردے کیطرح ہوتی۔ غذائیں پکانے۔ دوائیں تیار کرنے۔ گرمی پہنچانے وغیرہ
کاموں میں جو آگ کے فوائد ہیں کسی پر مخفی نہیں۔ اور اللہ سبحانہ نے اپنے کلام پاک میں ان فوائد
پر متنبہ فرمایا ہے۔ قال تعالیٰ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ أَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا
أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ (بھلا دیکھو تو آگ
جو تم سلگاتے ہو اس کے درخت کو (جس کی لکڑیاں اسمیں جلائی جاتی ہیں) تم نے پیدا کیا ہے یا
ہم پیدا کرتے ہیں۔ ہم نے آگ کو (دوزخ کی آگ) یاد دلانے اور مسافروں کے فائدے کے لئے
بنایا ہے) تذکرہ سے یہ مطلب ہے کہ یہ آگ دوزخ کی آگ کو یاد دلاتی ہے پس اس سے بچنے کی
فکر کرنی چاہیئے۔ اور آگ کا فائدہ بیان فرمایا ہے کہ اس سے وہ مسافر جو چٹیل میدان اور خالی جنگل میں
اُترے ہوں۔ نفع حاصل کرتے ہیں۔ اور ان مسافروں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اسلیئے کیا ہے کہ
یہ لوگ اپنے کھانے پکانے میں آگ کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں کیونکہ جنگل میں دکانیں اور بازار
نہیں ہوتے کہ کھانے کی چیزیں مول لیکر اپنا گذارہ کرلیں اور خود پکانے کی حاجت اور آگ کی
ضرورت نہ ہو۔ ایسی جگہ پر آگ کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ہوا کے پیدا کرنے میں خالق
حکیم نے کئی حکمتیں اور مصلحتیں رکھی ہیں۔ حیوانات کی زندگی اور بقا کا دارومدار اسی پر ہے۔
آواز کو کان تک یہی پہنچاتی ہے۔ اچھی یا بُری بو قوت شامہ تک اسی کے ذریعہ سے پہنچتی ہے
کہ یہ اس کو بتدریج ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل کرکے قوت شامہ تک لیجاتی ہے اور
جسطرح کہ اونٹ اپنی پیٹھ پر پانی کی مشکیں اُٹھاتے ہیں اسی طرح یہ بھی بادلوں کو اپنی پیٹھ پر اٹھا کر
ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتی ہے۔ ہوا جب پہلے پہل بادل کو چلاتی ہے تو اُسکے متفرق
ٹکڑے ہوتے ہیں۔ پھر دوبارہ اُن کو جمع کرتی ہے کہ وہ سب ملکر ایک تہ بن جاتے ہیں۔ اسکے
بعد اس کو پانی سے اسطرح بوجھل کرتی ہے جسطرح کہ حیوانات میں نر مادہ کو بوجھل کرتا ہے اور

وہ اُس سے گلا ہو جاتی ہے پھر اسکو ایسی جگہ لے جاتی ہے جہاں نباتات اور حیوانات کو پانی
کی سخت ضرورت ہو۔ اور وہاں لیجا کر اسکے پانی کو نچوڑنے لگتی ہے جس سے اُس کا تمام پانی
خارج ہو جاتا ہے اور پھر اُس پانی کو متفرق طور پر قطرہ قطرہ کرکے پھیلا دیتی ہے تاکہ وہ نقصان نہ
کرے۔ اور یکبارگی گرنے سے وہ چیزیں جن پر گرے ہلاک نہ ہو جائیں۔ اسکے بعد نباتات کو ہوا ہی
انکی تربیت کرتی اور اُن کے حق میں پانی اور غذا کا کام دیتی ہے۔ پھر انکو اپنی حرارت سے
خشک کرتی ہے تاکہ متعفن نہ ہو جائیں اور کچھ عرصہ تک ان کا بقا ہو سکے۔ اور اسی واسطے اللہ
سبحانہ کی حکمت کاملہ کا یہ مقتضی ہے کہ ہواؤں کے طبائع و صفات اور جہات مختلف ہوں۔ جن سے
یہ مختلف کام سب انجام پذیر ہو سکیں۔ مگر منکرین حکمت کا خیال ہے کہ یہ سب بعض اتفاقی امور
ہیں۔ انکے لئے کوئی سبب اور غایت نہیں۔ اور اگر ہم تمام مصنوعات کے مصالح و منافع بیان کرنے
لگیں۔ تو اس کے لئے کئی دفتر چاہیئے۔ بلکہ اگر صرف ایک انسان کی خلقت اور اُس کی حکمتیں و
مصالح کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کریں تو یہ ہی کیا ہستی ہے تمام اہل زمین انکو بالتفصیل معلوم
کرنے سے عاجز آجاتے ہیں:

اس واسطے ہم اسی قدر پر اکتفا کر کے چھبیسواں جواب بیان کرتے ہیں۔ منکرین حکمت و تعلیل کا یہ
"قول کہ ابلیس اور اُس کی جماعت کے پیدا کرنے میں کونسی حکمت ہے؟" اس کا جواب یہ ہے۔ کہ
اس میں وہ حکمتیں ہیں کہ اللہ سبحانہ کے سوا انکی تفصیل سے کوئی واقف نہیں۔ اس میں ایک یہ
حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے انبیاء اور اولیاء کو مراتب عبودیت کے کمال کو اسطرح پہنچائے کہ
وہ اس اللہ کے دشمن اور اسکی جماعت کے ساتھ جہاد اور انکی مخالفت اور انکو اللہ تعالے کی اطاعت
میں ذلیل کریں۔ اور اس کے دوستوں کو غیظ و غضب میں لائیں۔ اور اس سے خدا کی پناہ مانگیں اور
اپنے اللہ سے سوال کریں۔ کہ وہ اپنے فضل سے اسکے شر اور فریب سے بچائے۔ اور اُس کے
وجود پر انبیاء اور اولیاء کے حق میں وہ دینوی اور اخروی مصالح مترتب ہوں۔ جو اس کے
وجود کے بدون متصور نہ تھے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جو چیز کسی دوسری چیز پر موقوف ہو۔
وہ اسکے بدون موجود نہیں ہو سکتی۔ اور اس میں ایک یہ حکمت ہے کہ ابلیس کے حال کے مشاہدہ اور
مرتبہ ملکی سے مرتبہ ابلیسی میں گرنے کو دیکھ کر ملائکہ اور مومنین اپنے گناہوں سے ڈرتے ہیں۔ اور
انکو خدا تعالے کی نافرمانی کا کمال درجہ خوف پیدا ہو۔ اور اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ جب ملائکہ نے
ابلیس کے حال کو دیکھا تو انکے نفوس میں پہلے سے زیادہ خوف پیدا ہوا۔ اور خدا کے سامنے

اپنی عاجزی عبودیت اور خضوع زیادہ کرنے لگیں۔ اسکی مثال اسطرح ہو سکتی ہے کہ جب دنیا کا کوئی
بادشاہ یا حاکم اپنے خواص میں سے کسی کو سخت ذلیل و خوار کرے تو اس کو دیکھ کر سب کے دلوں
میں بہ نسبت سابق خوف اور ہیبت زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور اس میں ایک یہ حکمت ہے۔ کہ اللہ
سبحانہ نے اسکو اُن لوگوں کے لئے باعث عبرت بنایا ہے جو اُسکے حکم کی مخالفت کرتے۔ اس
کی طاعت سے ناک چڑھاتے۔ اور اُسکی نافرمانی پہ جمے رہتے ہیں جیسا کہ آدم علیہ السلام کے گناہ کو
اُن لوگوں کیلئے باعث عبرت بنایا جو اس کام کے مرتکب ہوں جس سے اُس نے منع کیا یا اُس کے
حکم کی نافرمانی کریں اور پھر تائب اور نادم ہوں اور اپنے پروردگار کی طرف رجوع کریں۔ خالق حکیم
نے جنات کے باپ شیطان اور انسانوں کے باپ آدم علیہ السلام کو گناہ میں مبتلا کر کے دونوں
کو دوسرے لوگوں کے لئے باعث عبرت بنایا۔ شیطان کو تو اُن لوگوں کے لئے عبرت ٹھیرایا
جو ہمیشہ خدا کی نافرمانی پر اصرار کرتے ہیں اور آدم علیہ السلام کو ایسے لوگوں کے واسطے عبرت بنایا۔
جو گناہ کرنے کے بعد توبہ اور اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ دیکھو اس میں اللہ سبحانہ کی
کتنی حکمتیں کاملہ اور آیات ظاہر موجود ہیں۔ اور ابلیس کے پیدا کرنے میں ایک یہ حکمت ہے کہ
اللہ سبحانہ نے اسکو اپنے بندوں کے پرکھنے اور امتحان کے لئے کسوٹی بنایا ہے تاکہ اچھے اور بُرے
ممتاز ہو جائیں چونکہ اللہ سبحانہ نے نوع انسانی کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور مٹی کے مختلف اقسام
ہیں۔ کوئی سخت اور کوئی نرم۔ کوئی عمدہ اور کوئی خراب۔ پس ضرور ہے کہ انسان میں اُس کے
مادے کا اثر ظاہر ہو جیسا کہ حدیث مرفوع میں ہے جس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ
نے آدم کو مٹی کی ایک مٹھی سے پیدا کیا جس کو تمام زمین سے لیا گیا۔ اسی واسطے بنی آدم مختلف
طرح پر ہوتے ہیں کوئی اچھا۔ کوئی بُرا۔ کوئی نرم مزاج اور کوئی تند خو وغیرہ۔ غرض جو کچھ مادہ اصلی
میں ہو اُس کا اثر مخلوق کے اندر ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا حکمت الٰہی کا یہ تقاضا ہوا کہ اس
کے آثار کا ظہور ہو۔ اور اُسکے لئے کوئی سبب ہونا چاہئے۔ جو انکو ظاہر کرے۔ اسلئے ابلیس کو کسوٹی
بنایا۔ جس سے کھرا کھوٹا اور بھلا۔ بُرا نتر جائیں جسطرح کہ انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کو بھلا۔ بُرا ممتاز
کرنے کے لئے کسوٹی بنایا ہے چنانچہ فرمایا ہے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا
اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (دمنافقو! اللہ ایسا نہیں کہ جس حال میں تم ہو اچھے
بُرے کی تمیز کے بدوں اسی حال پر مومنوں کو (تمہارے ساتھ ملا جلا) رہنے دے) اللہ سبحانہ نے
اپنے بندوں کی طرف انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ اور اُن میں دو قسم کے لوگ اچھے اور بُرے

موجود تھے۔ پس اللہ کے نیک اور صالح بندے تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہو گئے۔ اور برے لوگ شیاطین
کے ساتھ جا ملے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے دنیا کو امتحان اور آزمائش کی جگہ بنایا
اس میں سب نیک اور بد ملے ہوئے رہتے ہیں اور جنت و دوزخ قرار دیے ہیں جن میں دونوں فریق کے لیے
علیحدہ علیحدہ مکان ہوں گے جہاں نیک و بد جدا جدا ہو جائیں گے۔
نیا رہے گا۔ ابلیس کے پیدا کرنے میں ایک یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کمال ظاہر ہو کہ وہ
جبرئیل اور ملائکہ جیسی اشرف مخلوق اور ابلیس اور شیاطین جیسی شریر مخلوق پیدا کر سکتا ہے
اور یہ اس کی قدرت، مشیت اور حکمت کی دلیل ہے۔
کو پیدا کر سکتا ہے۔ جیسے آسمان اور زمین، اندھیرا اور روشنی۔ آگ اور پانی
گرمی، سردی، پاک اور ناپاک۔ ابلیس کے پیدا کرنے میں
کرنے سے دوسری صفت کا کمال
کی بات معلوم ہوتی ہے۔ اگر بد شکل نہ ہوتے تو خوب صورتی کی قدر کون کرتا۔ اگر فقر اور تنگدستی نہ
ہوتی تو غنا اور تونگری کی نعمت کی قدر کیسے معلوم ہوتی۔ ابلیس کے پیدا کرنے میں ایک یہ حکمت ہے
اللہ سبحانہ کو محبوب ہے کہ اس کے بندے اس کی نعمتوں کا شکر بجا لائیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں
کہ اللہ سبحانہ کے پیارے بندوں کو شکر کا مرتبہ ابلیس اور اس کی جماعت کے موجود ہونے اور ان کے بہکانے
اور آزمائش میں پڑنے سے حاصل ہوتا ہے۔ شکر کے وہ انواع جو ان کے موجود ہونے سے حاصل
ہوتے ہیں۔ ان کے بدوں ہرگز حاصل نہ ہو سکتے۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکالے جانے سے پہلے
اگرچہ اللہ سبحانہ کا شکر بجا لاتے تھے۔ مگر جو شکر کہ اللہ کے دشمن ابلیس کا واسطہ پڑنے اور توبہ منظور
ہونے کے بعد بجا لاتے اس کی نوع دوسری اور کیفیت دیگر تھی۔ ابلیس کے پیدا کرنے میں ایک یہ حکمت
ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع۔ توکل۔ صبر۔ رضا وغیرہ اس قسم کی عبادات
اللہ سبحانہ کے نزدیک نہایت محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ اور یہ عبادات جہاد۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں
جان خرچ کرنے اور اس کی محبت کو تمام چیزوں کی محبت پر مقدم کرنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ لہذا جہاد
فی سبیل اللہ اللہ سبحانہ کے نزدیک نہایت محبوب اور پسندیدہ عبادات کی اصل تھا۔ پس ابلیس اور
اس کی جماعت کے پیدا کرنے میں جہاد جیسی افضل عبادت اور اس کے توابع کا موجود ہونا متصور ہے
جس کی حکمتیں فوائد اور مصالح کو پورے طور پر اللہ سبحانہ کے سوا کوئی نہیں معلوم کر سکتا۔ ابلیس اور
اس کی جماعت کے پیدا کرنے میں ایک یہ حکمت ہے۔ کہ یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت اور

تکذیب کرینگے اور اُنکے ساتھ عداوت رکھینگے اور اس پر اللہ سبحانہ کی قدرت کے وہ عجائبات اور لطائف
ظاہر ہونگے جن کا وجود اللہ سبحانہ کو محبوب اور اسکے پیارے بندوں کے حق میں نہایت نافع ہوگا۔
جیسا کہ نوح علیہ السلام کے طوفان اور موسیٰ کے عصا اور ید بیضا۔ فلق بحر اور ابراہیم کے آگ میں ڈالا جانے
اور اُس کے باغ ہوجانے کے آیات و معجزات ظاہر ہوئے ہیں۔ جو اُسکی قدرت۔ حکمت۔
اور علم کی قطعی دلیلیں اور شاہد ہیں۔ جب ان چیزوں کا وجود ابلیس اور اسکے گروہ کے پیدا کرنے پر
مترتب ہے اور یہ ان اشیاء کے موجود ہونے کا سبب ہیں۔ تو ابلیس اور اُسکی جماعت کا پیدا کرنا
ضروری ہوا۔ ابلیس کے پیدا کرنے میں ایک یہ حکمت ہے کہ آگ کے مادہ میں کئی مختلف امور
موجود ہیں۔ احراق (چیزوں کو جلانا) علو (بلندی) فساد۔ اشراق۔ اضاءت اور روشنی ہیں اللہ سبحانہ
نے ان سب امور کو ظاہر فرمایا۔ پہلے تین امور شیطان اور جنات کے پیدا کرنے سے ظاہر ہوئے
اور پچھلے تین امور آگ کے جلانے سے ظاہر ہوتے ہیں جس طرح کہ مٹی کے مادے میں مختلف
اقسام تھے۔ اچھے برے۔ سخت۔ نرم۔ سرخ۔ سیاہ اور سفید وغیرہ اور اللہ سبحانہ نے اپنی قدرت
قاہرہ اور حکمت کاملہ سے تمام اقسام کے آثار کو ظاہر فرمایا ہے۔ یہ امر اس بات پر شاہد ہے
کہ وہ بیچون اور بیمثل سمیع اور بصیر ہے۔ ابلیس کے پیدا کرنے میں ایک یہ حکمت ہے کہ منجملہ
اللہ سبحانہ کے اسماء حسنٰی کے خافض۔ رافع۔ معز۔ مذل۔ حکم۔ عدل۔ منتقم وغیرہ اسماء ہیں۔
اور یہ اسماء ایسے متعلقات کو چاہتے ہیں جن میں ان کے احکام و آثار ظاہر ہوں جسطرح کہ احسان۔
رزق۔ رحمت وغیرہ صفات اپنے آثار کے ظاہر ہونے کے لئے متعلقات کا اقتضا کرتے
ہیں۔ اور ہر ایک کے ظہور کے لئے اُسکے متعلقات کی ضرورت ہے۔ ابلیس کے پیدا کرنے
میں ایک یہ حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ مملکت تامہ کا مالک ہے۔ اور مملکت کے کمال لوازم سے
یہ بات ہے کہ اس کا تصرف عام ہو اور وہ ہر ایک قسم کا تصرف کرنے پر قادر ہو مثلاً ثواب اور
عقاب۔ اکرام اور اہانت۔ عدل اور فضل۔ اعزاز اور اذلال یہ سب کچھ اُس کے اختیار میں ہو۔
اور اس طرح پر جب اپنے تصرف کے ایک نوع کے لئے متعلقات کو پیدا کیا ہے۔ تو دوسرے
نوع کے متعلقات کو پیدا کرنا بھی ضروری ہوا یعنی جب ایسی مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ جو اکرام و اعزاز
کا مظہر ہیں تو ایسی مخلوق کے پیدا کرنے کی بھی ضرورت ہوئی جن میں اذلال اور اہانت کے
آثار ظاہر ہوں۔ اور نیز اُسکے پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ کے اسماء میں سے ایک اسم
حکیم اور اُس کے صفات میں سے ایک صفت حکمت ہے اور حکمت اس بات کو مستلزم ہے کہ

ہر ایک چیز کو اُسکے مناسب موقع پر رکھا جائے۔ پس اللہ سبحانہ کی حکمت نے یہ چاہا کہ متخالف اور متضاد چیزوں کو پیدا کیا جائے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو ایسے احکام۔ صفات اور خواص کے ساتھ مخصوص کیا جائے جن کے وہ قابل اور لائق ہو۔ حکمت کا کمال اسی پر منحصر ہے۔ اور ابلیس اور اُسکی جماعت کو پیدا کرنا جسطرح اللہ سبحانہ کی کمال قدرت پر دال ہے۔ اسی طرح اُس کے کمال حکمت پر شاہد ہے۔ اور نیز اس میں یہ حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ من کل الوجوہ کمال حمد کے ساتھ موصوف ہے۔ پس وہ اپنے اُن صفات و افعال عدل۔ منع۔ خفض۔ انتقام۔ اہانت پر ایسا ہی محمود ہے۔ جیسا ان کے مقابل صفات و افعال فضل۔ عطا۔ رفع۔ اکرام پر محمود ہے۔ غرض ہر ایک صفت پر اللہ سبحانہ کمال حمد کے ساتھ موصوف ہے اور وہ اپنے تمام صفات و افعال پر خود اپنی حمد فرماتا ہے۔ ملائکہ۔ انبیاء علیہم السلام۔ اولیاء کرام۔ اللہ سبحانہ کے تمام صفات و افعال پر اُسکے حامد ہیں۔ اور جمیع اہل موقف بھی جملہ صفات پر حمد کرینگے۔ اور اللہ سبحانہ کا ہر ایک صفت پر کمال حمد کے ساتھ موصوف ہونا اسکے کمال حمد کے لوازم سے ہے اور جو چیز کمال حمد کے لوازم سے ہو اُسکے پیدا کرنے میں کمال حکمت ہے پس ایک چیز کے پیدا کرنے میں جب کمال حمد و کمال حکمت مقصود ہے تو اُسکو معطل کرنا جائز نہیں جیسا کہ اُسکی حکمت کو معطل ٹھیرانا درست نہیں نیز ابلیس اور اسکی جماعت کے پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ کو یہ بات محبوب ہے کہ وہ اپنے بندوں پر اپنا حلم۔ صبر۔ وقار اور اپنی رحمت اور جود کی وسعت کو ظاہر فرمائے۔ اسلئے اس کی حکمت نے یہ چاہا کہ کچھ ایسی مخلوق بھی پیدا کرے جو اُسکے ساتھ اوروں کو شریک ٹھیرائیں اور اُس کے حکم کی مخالفت کریں۔ صرف مخالفت نہیں بلکہ مخالفت کرنے میں کوشش اور اُس کے ناخوش کرنے میں پوری سعی کریں۔ مگر باوجود ان باتوں کے وہ انکو رنگ برنگ کھانے کی عمدہ چیزیں عطا فرمائے۔ آرام و عافیت بخشے اور لذت کے طرح طرح کے سامان اور قسم قسم کی نعمتیں ارزانی کرے۔ انکی دعاؤں کو قبول اور انکی تکلیفوں کو دُور فرمائے۔ اور اپنے احسان اور لطف سے اُنکے برتاؤ کفر و شرک اور نافرمانی کے برخلاف اُنکے ساتھ معاملہ کرے۔ اللہ سبحانہ کی اس میں کتنی حکمتیں ہیں اور وہ کیسا کریم۔ محمود اور اپنے پیارے بندوں کا محبوب ہے جو اپنے طرح طرح کے کمالات سے پہچانا جاتا ہے۔ صحیح حدیث میں مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص تکلیف سننے پر اللہ تعالے سے زیادہ صبر کرنے والا نہیں۔ لوگ اللہ تعالے کے لئے بیٹا قرار دیتے ہیں۔ اور وہ انکو روزی بخشتا اور عافیت دیتا ہے اور نیز صحیح حدیث میں

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ اللہ سبحانہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آدم کا بیٹا مجھے گالیاں
دیتا ہے اور یہ اُس کو لائق نہ تھا اور وہ میری تکذیب کرتا ہے۔ اور یہ اُس کو سزاوار نہ تھا۔ ابن آدم کا
مجھے گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ نے بیٹا بنا رکھا ہے حالانکہ میں احد صمد ہوں۔ نہ
میں نے کسی کو جنا اور نہ مجھے کسی نے جنا ہے اور نہ میرا کوئی ہمسر اور جوڑ ہے اور اُس کا میری
تکذیب کرنا اس طرح پر ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ نے جس طرح مجھے پہلے پیدا کیا ہے۔ پھر
دوبارہ زندہ نہیں کریگا۔ حالانکہ پہلی دفعہ پیدا کرنا دوبارہ پیدا کرنے کی نسبت کچھ زیادہ آسان
نہیں۔ اور وہ اللہ سبحانہ باوجود اس گالیاں دینے اور تکذیب کرنے کے گالیاں دینے والے
اور تکذیب کرنے والے کو روزی دیتا۔ آرام بخشتا۔ اُس کی مصیبتوں کو دُور کرتا اور اُسکو جنت
کی طرف بلاتا ہے۔ اور جب توبہ کرے تو اُس کی توبہ قبول فرما کر اُس کی برائیوں کو نیکیوں سے
بدل دیتا ہے۔ اور تمام حالات میں اُس پر اپنا لطف فرماتا ہے کہ ایسے گمراہوں کی ہدایت کے
لئے بھی ان کے پاس اپنے رسولوں کو بھیجا اور انکو حکم دیا کہ اُن کے ساتھ سخت کلامی نہ کریں۔
اور ان سے نرمی کے ساتھ پیش آئیں۔ فضیل بن عیاض کا قول ہے کہ اللہ سبحانہ کا دستور ہے
کہ ہر رات کو جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو پکار کر فرماتا ہے۔ مجھ سے زیادہ صاحب جود اور
بخشش کون ہے۔ کہ مخلوق میری نافرمانی کرتی ہے اور میں انکی خواہ گاہوں میں اس طرح
حفاظت کرتا ہوں کہ گویا انہوں نے میری نافرمانی نہیں کی۔ اور انکی حفاظت کی ایسی ذمہ داری
کرتا ہوں۔ کہ گویا انہوں نے میرا کوئی گناہ نہیں کیا۔ نافرمان پر اپنا فضل اور بدکار پر اپنا لطف
کرتا ہوں۔ کون ایسا ہے کہ جس نے مجھے پکارا ہو اور میں نے اُس کی پکار کو نہ سنا ہو۔ اور
کون ایسا ہے جس نے مجھ سے سوال کیا ہو اور میں نے اُس پر عطا نہ کی ہو۔ میں صاحب
جود ہوں اور میرا کام جود ہے اور میں صاحب کرم ہوں اور میرا کام کرم ہے۔ اور یہ بھی میرا
کرم ہے کہ میں بندے کو وہ چیزیں عطا کرتا ہوں جو مجھ سے وہ مانگتا ہے اور وہ چیزیں بھی
عطا کرتا ہوں جن کا اُس نے مجھ سے سوال نہیں کیا اور یہ بھی میرا کرم ہے کہ میں توبہ کرنیوالے
پر اپنی ایسی عطا کرتا ہوں۔ کہ گویا اُس نے کبھی میری نافرمانی نہ کی تھی۔ پس مخلوق مجھ سے بھاگ
کر کہاں جاتی ہے اور نافرمان میرے دروازے کو چھوڑ کر کدھر جاتے ہیں۔ ایک حدیث
قدسی میں ہے کہ میری اور آدمیوں اور جنوں کی عجیب حالت ہے کہ پیدا تو میں کرتا ہوں اور
پرستش غیر کی ہوتی ہے اور روزی میں پہنچاتا ہوں اور شکریہ اوروں کا بجا لایا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اے ابن آدم تو نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا میری طرف سے تو خیرات تجھ پر نازل ہوتی ہیں اور تیری طرف سے شر اور برائی میرے پاس پہنچتی ہے پس تو اپنی نعمتیں دیکر تجھ سے کتنا پیار کرں حالانکہ مجھے تیری کوئی حاجت نہیں اور تو گناہوں اور نافرمانیوں سے کس قدر مجھے بغض پیدا کرے اور تجھے ہر بات میں میری حاجت ہے اور بزرگ فرشتے ہمیشہ تیرے برے عمل لیکر میرے پاس پہنچتے ہیں۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالے تم کو فنا کرکے ایسی مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرتے اور گناہ کرنے پر اس سے مغفرت مانگتے اور وہ ان کے گناہوں کو معاف فرما دیتا۔ غرض چونکہ اللہ سبحانہ کو اپنے اسماء وصفات کے آثار و احکام کا ظہور محبوب ہے لہذا اس کی محبوبیت اور حکمت کا اقتضا ہوا کہ ایسی مخلوق کو پیدا کرے جس میں اسماء وصفات کے آثار و احکام ظاہر ہوں۔ پس صفت عفو کے محبوب ہونے کی وجہ سے ایسے لوگوں کو پیدا کیا جن سے عفو کرنا مستحسن ہو۔ اور مغفرت کی محبت کے باعث وہ لوگ پیدا کئے جو لائق مغفرت ہوں۔ اور ان کے گناہوں پر اللہ تعالےٰ نے حلم اور صبر فرمائے اور جلدی سے ان کو عذاب میں مبتلا نہ کرے بلکہ انکے امان کو محبوب و پسند رکھے۔ اور عدل اور حکمت کی محبت کے سبب ان لوگوں کو پیدا کیا جن میں عدل و حکمت ظاہر ہو۔ اور جود و احسان اور بر کی محبت کے باعث ان لوگوں کو پیدا کیا جو نافرمانی اور بدکرداری کریں۔ اور اللہ سبحانہ انکے ساتھ مغفرت اور احسان کا برتاؤ کرے پس اگر ایسی مخلوق پیدا نہ ہوتی جن سے طرح طرح کے گناہ اور احکام الٰہی کی مخالفت صادر ہو تو یہ تمام حکمتیں اور مصالح بلکہ ان سے بھی کئی درجے زیادہ حکمتیں اور مصالح فوت ہو جاتے پس اللہ سبحانہ کی ذات ایسی بابرکت اور وہ ایسا احکم الحاکمین ہے کہ جس کی حکمت کاملہ اور نعمتیں شاملہ اس کی قدرت کی طرح بے انتہا اور بے پایاں ہیں۔ اور جس طرح کہ ہر چیز میں اس کی قدرت قاہرہ کا اثر موجود ہے اسی طرح ہر ایک شے میں اس کی حکمت کاملہ کا ظہور ہے اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے۔ اس کی حکمت کاملہ کے لحاظ سے ایسا ہے جیسا کہ بحر محیط سے ایک قطرہ۔ عقول بشریہ کی کیا مجال ہے کہ وہ اللہ سبحانہ کے کمال حکمت کا احاطہ کرسکیں سب کی سب اس کے ادراک سے عاجز ضعیف اور قاصر ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ اس مبغوض مخلوق یعنی ابلیس اور اسکی جماعت کے واسطہ سے اللہ سبحانہ کی کتنی محبوب و پسندیدہ چیزیں حاصل ہوئیں۔ اور کامل حکیم کا یہی کام ہے کہ وہ محبوب چیز کے حاصل کرنے کے لئے مکروہ

اور معشوق چیزوں کے تحمل کو روا رکھتے ہیں کیونکہ وہ اسکے حصول کیلئے وسیلہ اور سبب ہو۔ اور چونکہ اللہ سبحانہ کی کلیتی محبوب اور پسندیدہ چیزوں کے حصول کے سبب ابلیس اور اس کی جماعت کا وجود ضروری اور لازم ہے۔ اور ملزوم کا بغیر لازم موجود ہونا محال ہے لہذا ابلیس اور اسکی جماعت کا وجود ضروری ہوا۔ اور اگرچہ ابلیس اور اسکی جماعت کے موجود ہونے سے بہت سے شر و فساد پیدا ہوا لیکن اس کے اور اس کی جماعت کے موجود ہونے سے وہ طاعات بھی موجود ہوتی ہیں جو اللہ سبحانہ کے نزدیک نہایت محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ مثلاً اللہ کی راہ میں جہاد کرنا نفس کی شہوات اور خواہشوں کی مخالفت کرنا اور اللہ سبحانہ کی محبت اور رضامندی کی خاطر مشقتیں اور تکالیف برداشت کرنا۔ کیونکہ حبیب اور معشوق اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ وہ اپنے محب اور عاشق کو اپنی محبت میں تکالیف اور مصائب جھیلتا ہوا دیکھے جس سے اس کی سچی محبت کا اندازہ ہو۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

مِنْ اَجْلِكَ قَدْ جَعَلْتُ خَدِّيْ اَرْضًا ۔ لِلشَّامِتِيْنَ وَالْحَسُوْدِ حَتّٰى تَرْضٰى

میں نے تیری خاطر اپنے رخسار کو زمین بنا کر اپنے حاسدوں اور دشمنوں کے سامنے ذلیل کر رکھا ہے تاکہ تو راضی رہے۔ اور حدیث قدسی میں ہے کہ میرا مطلوب یہ ہے کہ میرے بندے میری رضامندی کیلئے تکالیف برداشت کریں۔ اللہ کے پیارے بندوں کا اسکی رضامندی کیلئے اس کے دشمنوں کے مقابلہ میں تکالیف اٹھانا اللہ سبحانہ کو نہایت محبوب ہے۔ یہ تکالیف اگرچہ ان میں زہر معلوم ہوتی ہیں مگر ان کا انجام بہت ہی اچھا ہے۔ اور ان تکالیف جھیلنے کے سبب اپنے حبیب حقیقی کی بارگاہ میں وہ عزت اور قرب حاصل کرتے ہیں۔ جو انکی دائمی خوشی کا موجب ہے۔ مگر اللہ سبحانہ کی محبت کے منکرین پر اس خوشبو کا سونگھنا یا اس دروازہ سے داخل ہونا یا اس شراب کا چکھنا حرام ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

فَقُلْ لِلْعُيُوْنِ الْعُمْيِ لِلشَّمْسِ اَعْيُنٌ ۔ سِوَاكَ تَرَاهَا فِيْ مَغِيْبٍ وَمَطْلَعِ
وَسَامِحْ نُفُوْسًا لَمْ يَهَبْهَا لِحُبِّهِمْ ۔ فَمَا يَحْسُنُ التَّخْصِيْصُ فِيْ كُلِّ مَوْضِعِ

اے مخاطب اندھی آنکھوں سے کہدو کہ تمہارے سوا اور آنکھیں ایسی موجود ہیں جو آفتاب کو غروب اور طلوع کرتے دیکھتی ہیں (تم نے نہ دیکھا تو کیا ہوا تمہارے نہ دیکھنے سے کچھ آفتاب کی نفی نہیں ہو سکتی) اور اس ناامید کو جو محبوب کی محبت کے لائق نہیں جانے دو کیونکہ ہر ایک جگہ تخصیص کرنی مستحسن نہیں۔ اگر ابلیس اور اسکی جماعت نے اللہ سبحانہ کی نافرمانی کر کے اس

کو ناخوش کیا ہے تو انبیاء و مرسلین اور اُسکے پیارے بندوں نے انکی مخالفت کر کے اس سے
زیادہ اُسکو راضی اور خوش کیا ہے اور یہ رضامندی اس ناخوشی سے بہت ہی زیادہ ہے
اور اگر گناہگار کے گناہوں اور نافرمانی سے اللہ سبحانہ ناخوش ہوتا ہے تو اپنے بندے
کے توبہ کرنے پر اسقدر خوشی فرماتا ہے۔ جیسا کہ اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے کہ
جس کی وہ سواری کہ جس پر اُس کے کھانے پینے کا بھی سامان تھا ایک جنگل بیابان میں
گم ہو گئی تھی۔ اور پھر اُسکے ملنے پر اسقدر خوش ہوا تھا کہ اپنے آپ سے باہر ہو گیا۔ اُنہیں
اور اسکی جماعت کی طرف سے جو تکالیف انبیاء علیہم السلام کو پیش آئی ہیں۔ اگرچہ وہ اللہ سبحانہ کی
ناراضگی کا باعث ہیں۔ لیکن اُنکے مقابل میں جو کچھ انبیاء علیہم السلام سے صادر ہوا وہ اللہ سبحانہ
کی نہایت خوشی اور رضامندی کا موجب ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے اُن سے لڑائی اور جنگ
کیا۔ انکی نافرمانی اور سخت مخالفت اختیار کی۔ اُنکو ذلیل و خوار کیا۔ اور غیظ و غضب میں ڈالا اور
یہ رضامندی بہت زیادہ ہے اور اللہ سبحانہ کے نزدیک ان ناپسند اور مکروہ امور کے عدم سے
جو ان مرضیات کے عدم کو مستلزم ہے زیادہ اچھی ہے۔ آدم علیہ السلام کے دانہ کھانے سے
اگرچہ اللہ سبحانہ ناخوش ہوا۔ مگر پھر اُن کی توبہ۔ انابت۔ تذلل۔ انکسار اور خضوع سے راضی
اور خوش ہو گیا۔ کفار کا حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو مکے سے نکالنا بیشک اللہ سبحانہ
کی ناخوشی کا باعث تھا۔ مگر پھر آپ کا فتح کرتے ہوئے اُس میں داخل ہونا جس سے ہزاروں
بندگانِ خدا دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔ اللہ سبحانہ کی نہایت خوشی کا سبب ہوا۔ کفار
کا اللہ کے پیارے بندوں کو شہید کرنا اور اُنکے گوشت ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا بلاشبہ اللہ سبحانہ
کی ناراضگی کا باعث ہے۔ مگر ان کا وہ حیات جاودانی حاصل کرنا جس سے کوئی زندگی زیادہ
لذیذ۔ عمدہ۔ باآرام اور پاکیزہ نہیں۔ اللہ سبحانہ کی کمال خوشی کا سبب ہے۔ اور اگرچہ بندوں
کے معاصی اور گناہ اللہ سبحانہ کی ناخوشی کا موجب ہیں۔ مگر ملائکہ۔ انبیاء و مرسلین علیہم السلام
اور اُس کے پیارے بندوں کے طفیل گناہگاروں پر اُسکی مغفرت۔ عفو۔ بِر۔ کرم اور جود کا
وسیع ہونا اور اُن کا اِن اوصاف کے ساتھ اللہ سبحانہ کی ثنا۔ حمد اور بزرگی بیان کرنا اُس
کے نزدیک اِن معاصی اور اِن محبوب چیزوں کے عدم اور فوت ہونے سے زیادہ محبوب اور
پسندیدہ ہے۔ یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ کی محبوبیت اِن تمام صفات کی اصل اور اِن
سب کو جامع ہے اور سلسلۂ خلق اور امر کی دارومدار اسی پر ہے۔ جمیع اعتبارات اور تمام تصرفات

کے لحاظ سے من کل الوجوہ اللہ سبحانہ کمال حمد کا مستحق ہے پس اللہ سبحانہ نے فضول کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ اور ایسا کوئی حکم صادر نہیں فرمایا جس پر وہ مستحق حمد و تعریف نہ ہو اور جہاں تک خلق اور امر کا سلسلہ پہنچا ہے اسی کے موافق اسکی حمد کو سمجھنا چاہیئے۔ اور اللہ سبحانہ کو اپنی حمد و ثنا محبوب و پسند ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے بندے خلق اور امر کے سلسلہ کی ہر ایک چیز میں اس کی حکمت بالغہ کا اقرار کریں۔ پس اس کی حکمت کا انکار کرنا گویا اس کی حمد کا انکار ہے غرض جس طرح کہ وہ محمود صفات کے ساتھ موصوف ہے اسی طرح حکمت کے ساتھ موصوف ہے۔ اور اس کی حمد و حکمت اس کے علم۔ قدرت اور حیات کی طرح اس کی ذات کے لازم ہے۔ اور اس کی کسی صفت اور اسم کو اس کے آثار و احکام سے معطل قرار دینا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ نقص اور عیب کے مستلزم ہے جو اس کی ذات کے کمال کبریا اور عظمت کے خلاف ہے۔

اور اسکی توضیح پچیسواں جواب ہے جس طرح کہ اللہ سبحانہ کے صفات کمال اور حمد و ثنا کے افعال میں سے یہ امور ہیں کہ وہ جود و عطا اور بخشش فرماتا ہے اسی طرح اس کے افعال میں سے یہ بھی ہے کہ وہ پناہ دیتا۔ نصرت کرتا اور فریاد رسی فرماتا ہے۔ پس وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے جس طرح کہ اسکی خیرات کے امیدوار ہیں اسی طرح ان چیزوں سے جو اس کی راہ سے دور کرنے والی اور اس کی اطاعت میں حارج ہوں اس کی پناہ طلب کریں۔ اور بادشاہ کا کمال یہی ہے کہ اس کی مطیع رعایا اور فرمانبردار لوگ اسکے خیرات کی امید رکھیں اور مخالفین اور دشمنوں سے پناہ طلب کریں چنانچہ اس مضمون کو مشہور شاعر احمد بن حسین کندی المعروف متنبی نے ان اشعار میں جو کسی بادشاہ یا حاکم کی مدح میں کہتے ہیں بیان کیا ہے ؎

يَا مَنْ أَلُوذُ بِهِ فِيمَا أُؤَمِّلُهُ ۔۔۔ وَمَنْ أَعُوذُ بِهِ مِمَّا أُحَاذِرُهُ
لَا يَجْبُرُ النَّاسُ عَظْمًا أَنْتَ كَاسِرُهُ ۔۔۔ وَلَا يَهِيضُونَ عَظْمًا أَنْتَ جَابِرُهُ

(اے ممدوح تو وہ شخص ہے کہ جس سے میری تمام امیدیں وابستہ ہیں اور خطرے اور خوف کی تمام چیزوں سے میں اسکی پناہ چاہتا ہوں) جس ہڈی کو تو توڑ ڈالے لوگ اس کو درست نہیں کر سکتے اور جس ہڈی کو تو درست کرے لوگوں کی کیا مجال ہے کہ اسکو توڑ سکیں۔ اگر متنبی یہ اشعار اپنے پروردگار خالق کی تعریف میں کہتا تو سعادت سے بہرہ مند ہوتا اپنے جیسے بندے اور مخلوق کے حق میں کہنے سے بجز شقاوت اور کچھ حاصل نہیں کیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالے جو مالک الملوک ہے یہ چاہتا ہے کہ اسکے بندے حصول خیرات کی آس میں اسی کی طرف رجوع کریں اور شر و آفات سے بچنے کے لئے اس کی پناہ طلب کریں۔ چنانچہ اپنے پیارے رسول کو قرآن کریم

پس بندوں کو حکم فرمایا ہے کہ شیطان رجیم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کریں۔ اور جب اللہ تعالیٰ اپنے
پیارے بندے کو اُسکے دشمن سے پناہ دیتا اور اُسکے شر سے اُسکو بچا لیتا ہے۔ تو اس سے اللہ
کے بندے پر اُسکی کمال نعمت کا اظہار ہوتا ہے۔ دشمن سے پناہ دینا اور اُسکے شر سے بچاتا
کچھ کم نعمت نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے چاہتا ہے کہ اپنے بندوں پر اپنی نعمت کو کامل فرماوے اور
اپنی نصرت۔ حمایت اور دشمنوں پر غالب کرنا یہ سب نعمتیں اُن پر ظاہر کرے۔ اور یہ ایک بڑی
عظیم الشان نعمت ہے کہ جس سے اللہ کے بندوں کے قلوب خوشی سے باغ باغ ہو جاتے ہیں
اور اسی سے اللہ سبحانہ کا عدل اور انصاف ظاہر ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؂

وَمَا مِنْهُمَا اِلَّا لَهُ فِيْهِ حِكْمَةٌ ۔ يُقَصِّرُ عَنْ اِدْرَاكِهَا كُلُّ بَاحِثٍ

(کوئی امر ایسا نہیں جس میں اللہ حکیم کی وہ حکمت نہ ہو کہ جس کے ادراک سے جستجو کرنے والے قاصر ہیں)

چھبیسواں سوال جواب۔ منکرین حکمت کا یہ کہنا کہ قیامت تک ابلیس کے باقی رکھنے اور انبیاء کے
دنیا سے پوشیدہ کرنے میں کونسی حکمت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اللہ سبحانہ کی وہ بیشمار
حکمتیں ہیں جن کے ادراک سے وہم قاصر و عاجز ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ حکمت ہے کہ جب اللہ
سبحانہ نے ابلیس کو بندوں کے امتحان اور آزمائش کیلئے کسوٹی بنایا جس سے بھلا بُرا۔ دشمن
اور دوست ممتاز ہو جاویں۔ تو اس کی حکمت نے یہ چاہا۔ کہ اس کو قیامت تک باقی رکھے تاکہ
جو غرض اس سے مطلوب ہے وہ حاصل ہو۔ اور اگر ابلیس کو قیامت کے پہلے فنا کر دیتا۔ تو یہ
غرض پوری نہ ہوتی۔ اور اسی طرح کفار کو قیامت تک دنیا میں باقی رکھیگا۔ کیونکہ اگر انکو ہلاک کرکے
تمام دنیا مومنین سے آباد کرتا تو بہت سی حکمتیں جو انکے باقی رکھنے میں معطل اور بیکار ہو جاتیں ۔

پس جسطرح کہ اللہ سبحانہ نے اپنی حکمت کے مقتضی سے آدم علیہ السلام کا امتحان کیا۔ اسی طرح اُس
کی حکمت کا اقتضا یہ ہے کہ اُنکی اولاد کا بھی امتحان اور آزمائش ہو تاکہ جو لوگ ابلیس سے دشمنی
اور مخالفت کریں۔ اُنکے لئے سعادت اور جو اُس سے دوستی اور موافقت کریں۔ اُنکے لئے
شقاوت حاصل ہو۔ اور اس میں ایک یہ حکمت ہے کہ جب اللہ سبحانہ کے علم اور حکمت میں ثابت
ہو چکا ہے کہ ابلیس آخرت کی نعمتوں سے محروم ہے اُسکے لئے اُن میں سے کوئی حصہ نہیں۔ اور
حکم الٰہی کی نافرمانی کرنے سے پہلے وہ کچھ عبادت اور طاعت کر چکا تھا۔ تو اس طاعت اور
عبادت کا عوض اور بدلہ اُسے یہ دیا کہ اُس کو آخیر زمانے تک باقی رکھا کیونکہ اللہ سبحانہ کسی
پر ظلم کرکے اُس کے نیک عمل کا بدلہ ضائع نہیں کرتا۔ مومن کو دنیا اور آخرت دونو میں اُسکی نیک

اعمال کا بدلہ ملتا ہے اور کافر جو نیک کام کرتا ہے تو اس کا عوض اسکو دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے اور جب آخرت میں جائیگا تو نیک اعمال سے خالی ہوگا چنانچہ یہ مضمون صحیح حدیث میں نبی صلعم سے ثابت ہے۔ اور نیز اس میں ایک حکمت ہے کہ ابلیس کو آخیر زمانہ تک باقی رکھنے میں اسکی کچھ عزت و کرامت نہیں بلکہ اس میں اسکی زیادہ ذلت اور رسوائی ہے کیونکہ اگر پہلے ہلاک کیا جاتا تو یہ اس کے لئے بہتر اسکے عذاب کی تخفیف کا موجب اور اسکے شر کی کمی کا باعث ہوتا۔ مگر چونکہ خدا تعالے کی نافرمانی پر اصرار کرنے اس احکم الحاکمین سے یہ بات کہ جس کے حکم کی تسلیم ضروری ہے مخاصمت کرنے۔ اس کی حکمت پر اعتراض کرنے بندوں کی رہزنی اور انکو اللہ تعالے والی عبادت سے روکنے پر قسم کرنے سے ابلیس کا گناہ حد سے زیادہ بڑھ گیا۔ اسلئے اسکے گناہ کی سزا بھی گناہ کے موافق حد سے زیادہ قرار پائی۔ پس دنیا میں زندہ رہ کر اسکو مہلت دیگئی تاکہ گناہ پر گناہ کرتا رہے۔ اور پھر ایسی سزا کا مستحق ہو کہ اس کے سوا اور کسی کو وہ سزا نہیں ہوگی۔ اور جس طرح کہ دنیا کے اندر اہل شر کا کفر و شرک میں سردار تھا اسی طرح آخرت کے اندر سزا میں بھی سب کا سردار ہوگا یعنی اس کو سب سے زیادہ سزا ملیگی۔ اور چونکہ یہ سب برائیوں کی جڑ اور مادہ ہے اور تمام شر اسی سے پیدا ہوتے ہیں لہذا دوزخ میں اپنے افعال بد کے موافق سزا دیا جائیگا۔ اور اہل دوزخ پر جس قسم کا عذاب آئیگا عذاب کے ہر ایک قسم کے ساتھ سب سے پہلے ابلیس معذب ہوگا۔ اور اس کے بعد ابلیس کے تابعداروں کو عذاب ملیگا۔ اور یہ اللہ سبحانہ کا کمال انصاف اور حکمت ہے۔ اور اس میں ایک یہ حکمت ہے کہ جب ابلیس نے اپنے رب سے مخاصمت کرتے ہوئے یہ کہا أَرَأَيْتَكَ هَٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا (بھلا دیکھ تو یہی وہ شخص ہے جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دی ہے۔ اگر تو مجھ کو روز قیامت تک کی مہلت دے۔ تو قدر قلیل کی تو کہتا نہیں باقی اسکی تمام نسل کی جڑ کاٹ کے رہوں تو بھی) اور اللہ سبحانہ کو معلوم تھا کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں ایسے لوگ بھی ہونگے جو جنت میں رہنے کے قابل نہیں اور وہ کانٹوں اور گوبر کیطرح آگ میں جھونکے جانے کے قابل ہیں تو ابلیس کو آخیر زمانے تک باقی رکھا اور زبان قدرت سے اسے فرمایا کہ یہ لوگ تیرے ہمراہی اور دوست ہیں پس تو انکے انتظار میں رہ۔ اور جب ان میں سے کوئی تیرے پاس سے گذرے تو اپنا منتر اس پر چلا۔ اگر وہ میرے دربار کے لائق ہوتا تو میں اس کے تیرے قابو میں نہ چھوڑتا۔ کیونکہ جو میرے نیک بندے ہیں ان کا تو میں خود خبرگیر اور کارساز ہوں اور وہ میری درگاہ میں حاضر ہونے کے لئے شایاں

ہیں۔ اور ذاتِ اُن مجبوروں کا دوست اور رفیق ہے جنہوں نے میری دوستی اور میری رغبیات کے حاصل کرنے میں پرواہ نہیں کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطَانٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ اِنَّمَا سُلْطَانُہٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَہٗ وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِہٖ مُشْرِکُوْنَ (جو لوگ ایمان رکھتے اور اپنے پروردگار پر بھروسا کرتے ہیں اُن پر شیطان کا کچھ قابو نہیں رہتا۔ اُس کا قابو تو اُنہی لوگوں پر چلتا ہے جو اُس کے ساتھ ارتباط رکھتے اور جو شریک خدا ٹھیراتے ہیں) اور انبیاء علیہم السلام کو دُنیا سے روپوش کرنے میں اُنکی کچھ اہانت اور ذلت نہیں۔ بلکہ اِسلیئے انکو روپوش کیا کہ وہ اپنے عزت کے مقام کو پہنچیں اور دُنیا کے رنج اور تکلیف اور دشمنوں اور دوستوں کی کلفتوں سے نجات پائیں۔ اور نیز پہلے رسولوں کے گذر جانے پر اُنکے بعد دوسرے رسول مبعوث ہوں۔ اور منصبِ رسالت حاصل کریں۔ غرض انبیاء علیہم السلام کا دُنیا سے روپوش کرنا اُن کے اور اُمت دونو کے حق میں مفید اور نافع ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے حق میں تو اِسلیئے نافع ہے کہ وہ دنیا سے روپوش ہوکر دنیا کی تکالیف سے راحت اور آرام پاتے اور رفیق اعلیٰ سے ملاقی ہوتے ہیں۔ اور کامل درجہ کی لذت اور خوشی حاصل کرتے ہیں۔ اُنکو دُنیا سے روپوش ہوتے میں اسقدر لذت اور خوشی ہوتی ہے کہ باوجودیکہ اللہ سبحانہٗ اُنکو اختیار دیتا ہے کہ مرضی ہو تو دُنیا میں رہو اور چاہو تو میرے پاس چلے آؤ۔ مگر وہ دُنیا میں رہنا پسند نہیں کرتے اور نہایت خوشی کے ساتھ تمنا کرتے ہیں کہ ہم کو جلد اپنے پاس بلالے۔ اور اُمت کے حق میں اِسواسطے مفید اور نافع ہے کہ معلوم ہو جائے کہ اُمت نبی کی پیروی اور تابعداری میں اُسکی زندگی تک ہی نہیں رہی بلکہ اُسکے بعد بھی اُسکی اطاعت اور تابعداری برابر کرتے رہے اور نیز یہ بات معلوم ہو کہ اُمت اور نبی کے تابعدار نبی کی پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ نبی کی ہدایت اور امر و نہی کے مطابق وہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ اور ایک اللہ سبحانہٗ کی ذات ہی ایسی ہے جو ہمیشہ زندہ اور دائم رہیگی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے دُنیا سے روپوش کرنے میں اللہ سبحانہٗ کی کئی حکمتیں اور انبیاء علیہم السلام اور اُمتوں کے حق میں بہت سی مصلحتیں موجود ہیں۔ اِس کے علاوہ انبیاء بشر اور بنی آدم تھے۔ اور اللہ خالق نے دُنیا میں انکو ایسی خلقت پر پیدا نہیں کیا۔ جو دوام کے قابل ہو بلکہ انکو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا جو ایک دوسرے کے بعد آتے رہے۔ پس اگر اُن کو اخیر زمانے تک زندہ اور باقی رکھتا تو یہ مصلحت اور انکے خلیفہ بنانے کی حکمت فوت ہو جاتی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ موت ہر مومن کے لیئے کمال ہے اور اگر موت نہ ہوتی۔ تو دُنیا کی زندگی بے لطف اور بے مزہ ہو جاتی پس جسطرح انبیاء کے پیدا کرنے اور اُنکی زندگی میں حکمت ہے اِسی طرح انکی موت بھی حکمت

سے خالی ہوتی ہیں ۔

س ۔ ستائیسواں سوال جواب ۔ یہ حکمت کیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو جنت سے دنیا کی طرف نکالنے
میں جو کہ امتحان اور آزمائش کا مقام ہے کونسی حکمت اور مصلحت ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے
کہ اس میں اللہ سبحانہ کی وہ بیشمار حکمتیں ہیں ۔ اور اس میں آدم علیہ السلام اور آن کی اولاد کے لئے وہ بے انتہا
نعمتیں اور مصلحتیں موجود ہیں جن کی تفصیل معلوم کرنے سے عقلیں عاجز اور قاصر ہیں ۔ اگر تمام
اہل عقل اپنی ساری دماغی قوتیں اسکے معلوم کرنے میں صرف کر ڈالیں ۔ تو بھی اسکا علم نہیں کر سکتے
آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر دنیا میں اس واسطے اتارا گیا کہ وہاں رہ کر آدم علیہ السلام کا اپنے
کمالات کو حاصل کرنا دشوار اور ناممکن تھا ۔ دنیا میں اس واسطے بھیجے گئے ۔ کہ اپنی شایان شان درجے
کے کمالات کو حاصل کریں اور عمدہ اور اچھی حالت میں ہو کر پھر دوبارہ جنت میں داخل ہوں ۔ اللہ
سبحانہ نے آدم علیہ السلام کو اسلئے پیدا کیا تھا ۔ کہ ان سے اور انکی اولاد سے زمین کو آباد
کرے ۔ اور انکو زمین میں ایک مدت کا خلیفہ بنایا کہ نسلاً بعد نسل بیٹے بعد دیگرے اسکو آباد
کریں ۔ اور اللہ سبحانہ اپنے امر و نہی تمام احکام سے انکو مطلع کر کے انکی آزمائش اور امتحان کرے ۔ اور
جنت امتحان ۔ آزمائش اور تکلیف کا مقام نہیں ۔ غرض آدم اور حوا علیہما السلام کو دنیا میں اس
واسطے بھیجا کہ دنیا سے اپنی آخرت کے واسطے جس کے واسطے وہ پیدا کئے گئے ہیں اعمال
صالحہ کا توشہ تیار کریں ۔ اور جب دنیا کی رنج اور تکلیف دیکھنے کے بعد اس سے رخصت ہونگے
تو پھر جنت کی نعمتوں کی پوری قدر کرینگے ۔ اور اسکی خوبی اور فضیلت کا اندازہ انکو معلوم ہوگا اگر
بنی آدم کے توالد و تناسل کا سلسلہ جنت میں ہوتا تو پھر وہ اسکی قدر نہ سمجھتے ۔ اسلئے پہلے
انکو امتحان کے گھر یعنی دنیا میں بسایا اور انکو اپنے امر و نہی سے آگاہ فرمایا تاکہ اپنے خالق کی اطاعت
کر کے اسکی عزت ۔ ثواب اور جنت کے مستحق ہوں ۔ اور اگرچہ یہ بھی ممکن تھا کہ جنت سے نکالنے
کے بغیر انکے واسطے دائمی نعمتیں حاصل ہوتیں لیکن وہ نعمت جو امتحان ۔ آزمائش اور موت کے
تکالیف ۔ برزخ کے شدائد قیامت کے اہوال جھیلنے اور صراط پر عبور کرنے کے بعد حاصل ہوگی ۔
اس کا اور ہی لطف ہوگا ۔ اور وہ ایسی نعمت ہوگی کہ کوئی نعمت اسکے برابر نہیں ہو سکتی ۔ اور اب
اس کا اندازہ کرنا ناممکن ہے ۔ جنت کے غلمان اور حور عین ایسے خوبصورت ہونگے ۔ کہ دنیا کی اعلے
درجے کی حسین عورتیں ان کے سامنے ہیچ ہیں ۔ اور اس میں ایک یہ حکمت ہے کہ اللہ سبحانہ نے یہ چاہا
کہ آدم علیہ السلام کی اولاد سے رسول ۔ نبی اور شہید پیدا کرے جو اس کے پیارے اور محبوب ہوں

اور اُنکے نزدیک کوئی چیز اللہ تعالےٰ سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ انبیاء و مرسلین پر اپنی کتابیں نازل فرمائے
اور انکو اپنے حکم پہنچاتے اور وہ خوشی اور تکلیف میں اُسکی عبادت کے اندر مصروف رہیں۔ اور
اسکے محبوب و پسندیدہ کاموں کو اپنی خواہشات اور محبوب چیزوں سے مقدم رکھیں۔ لہٰذا اُس
کی حکمت کا یہ اقتضا ہوا کہ اُنکو دار امتحان یعنی دُنیا میں بھیجکر امر و نہی کے ساتھ اُن کا امتحان کرے تاکہ وہ اس امتحان
اور آزمائش کے سبب مراتب عبودیت کے کمال کو پہنچیں۔ اور ان کاموں کو بجا لائیں جو طبیعت کے خلاف اور نفس کو برے معلوم ہوں خالص طاعت
کریں۔ اور خالص عبودیت کا یہی مقام ہے۔ اور جو لوگ ایسے امور کو بجا لاتے ہیں وہ خدا تعالےٰ
کی عبادت و اطاعت کرتے ہیں۔ جو ان کی طبیعت کو مرغوب اور نفس کو محبوب ہوں وہ درحقیقت
اپنے نفس کی پرستش کرتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ اپنے پیارے بندوں سے یہ چاہتا ہے۔ کہ وہ
کسی سے دوستی کریں۔ تو اللہ کے واسطے ہو اور کسی سے دشمنی کریں تو وہ بھی اُسی کی خاطر۔
اور اُس کی رضامندی اور اُسکے پسندیدہ اور محبوب کاموں کے اندر اپنی جانیں خرچ کر دیں
اور ان سب باتوں کا بہشت میں حاصل ہونا جو کہ ابدی نعمت کا گھر ہے ناممکن ہے۔ اور
نیز اس میں ایک اور حکمت ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ کے اسماء حسنیٰ
کا مقتضیٰ یہ ہے کہ انکے آثار و احکام ظاہر اور اُنکے متعلقات پیدا ہوں۔ مثلاً غفور۔ رحیم۔
تواب۔ منتقم۔ خافض۔ رافع۔ معز۔ مذل۔ محیی۔ ممیت اور وارث اُسکے اسماء حسنیٰ میں
سے ہیں۔ پس چونکہ انکے آثار کا ظاہر اور اُنکے متعلقات کا موجود ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا
اُس کی حکمت نے یہ چاہا کہ آدم اور حوا علیہما السلام کو جنت سے نکال کر دُنیا میں بھیجا جائے
تاکہ دُنیا کے اندر ان میں اور انکی اولاد میں اللہ تعالےٰ کے اسماء و صفات کے آثار اور
احکام ظاہر ہوں۔ اور اگر بنی آدم جنت میں پرورش پاتے تو ان اسماء کے آثار و متعلقات
موجود نہ ہوتے۔ اور یہ اللہ سبحانہ کے کمال کے خلاف ہے کیونکہ وہ مملکت اصلی کا مالک اور
شہنشاہ حقیقی ہے اور بادشاہ کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ امر اور نہی اکرام اور اہانت۔
ثواب اور عقاب۔ عطا اور منع۔ اعزاز اور اذلال کا اختیار رکھتا ہو۔ پس اس لئے اللہ سبحانہ
نے حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام اور انکی اولاد کو ایسے عالم میں بھیجا کہ ان پر یہ احکام
جاری ہوں اور ان افعال کے آثار پائے جائیں۔ اور نیز دُنیا میں اسلئے بھیجے گئے کہ درجہ کمال
کو پہنچیں کیونکہ ایمان کے بہت سے اجزا ہیں۔ قول۔ عمل۔ جہاد اور صبر وغیرہ اور یہ اجزا دار
امتحان کے بدوں پیدا نہیں ہو سکتے اور جنت دار امتحان نہیں۔ اور کئی اہل علم نے جن میں سے

ابن القیم نے مفتاح وغیرہ میں یہ لکھا ہے کہ دنیا میں مرسلین۔ انبیاء علیہم السلام اور مومنین کیلئے اعمال جنت کی نفلول سے افضل ہیں کیونکہ جنت کی نعمتیں تو انکے حظ اور تمتع کے سامان ہیں۔ پس ایمان اور اسکے اعمال مثلاً نماز۔ قراءت قرآن۔ جہاد فی سبیل اللہ۔ اور اللہ تعالے کی رضا مندی کی طلب میں جان کو خرچ کرنے اور اسکی رضا جوئی کو اپنے شہوات اور خواہشوں سے مقدم رکھنے کے برابر کہاں ہوسکتی ہیں۔ ایمان اللہ سبحانہ سے تعلق رکھتا اور یہ بندہ اس پر اسکا حق ہے اور جنت کی نعمتیں ان سے متعلق اور وہ ان کا حصہ ہے۔ اور بندے اللہ کی بندگی اور عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور جنت تو نعمت اور آرام کا گھر ہے نہ عبادت اور تکلیف کا مقام اور نیز اللہ سبحانہ کے علم اور حکمت میں پہلے سے یہ ثابت ہوچکا تھا کہ وہ زمین میں ایک خلیفہ پیدا کریگا اور اس امر سے اپنے ملائکہ کو بھی آگاہ فرما دیا تھا۔ پس آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے پہلے ہی اللہ سبحانہ کا ارادہ اس امر سے متعلق ہوچکا تھا کہ وہ اس خلیفہ اور اسکی اولاد کو دنیا میں بسائیگا۔ کیونکہ اس میں بہت سی حکمتیں اور اسکے لئے غایات محمودہ ہیں۔ پس جب اللہ سبحانہ کے علم حکمت اور ارادہ میں آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے پہلے یہ بات ثابت ہوچکی تھی کہ وہ دنیا میں سکونت پذیر ہونگے۔ تو پھر جنت سے انکا نکالا جانا اور دنیا میں آنا ضروری تھا اور یہ امر اگرچہ پہلے سے مقدر ہوچکا تھا۔ مگر اسکی تقدیر کو بھی اللہ حکیم نے کئی اسباب اور حکمتوں سے وابستہ فرمایا ہے۔ منجملہ ان اسباب کے یہ امر ہے کہ اللہ تعالے نے آدم علیہ السلام کو ایک درخت کے کھانے سے منع فرمایا اور ان کے دشمن ابلیس کے اور انکے درمیان تخلیہ کردیا۔ کہ اس کو یہ موقع ملا کہ آدم کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ اس درخت کا کھانا تمہارے حق میں بڑا مفید ہے۔ اور نیز آدم اور انکے نفس کے درمیان اپنی عصمت کے پردہ کا اٹھا دینا جس سے وہ معصیت میں مبتلا ہوئے۔ اور یہ اسباب ایسے غایات محمودہ کی طرف موصل ہوئے۔ جو آدم علیہ السلام کے جنت سے نکلنے پر موقوف اور مترتب ہیں۔ پھر آدم علیہ السلام کے جنت سے نکلنے پر اور اسباب مترتب ہوئے جو دوسرے امور کے لئے غایات قرار پائے۔ منجملہ ان غایات کے یہ ہے کہ جنت میں دوبارہ کامل طور پر داخل ہونگے۔ غرض یہ تقدیر اسباب اور غایات اللہ سبحانہ کی اس حکمت کاملہ سے صادر ہوئے ہیں جس پر تمام آسمانوں اور زمین کے رہنے والے اور دنیا اور آخرت کے سب لوگ اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ پس اللہ سبحانہ کی یہ تقدیر بیکار اور یہ تدبیر عبث نہیں۔ اور نہ یہ حکمت کاملہ اور حمد کامل سے خالی ہے

کیونکہ اللہ سبحانہ نے پہلے ملائکہ سے یوں فرمایا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں زمین میں اپنا ایک) نائب بنانے والا ہوں تو فرشتے بولے کیا تو زمین میں ایسے شخص کو (نائب) بناتا ہے جو اس میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے اور بناتا ہے تو ہم کو بنا کہ ہم تیری حمد (و ثنا) کے ساتھ تیری تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ خدا نے فرمایا میں وہ (مصلحتیں) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ نے اس خلیفہ کے متعلق ملائکہ پر اپنی وہ حکمت ظاہر فرمائی جو ملائکہ کو معلوم نہ تھی کہ وہ اُنکی نسل سے ایسے اپنے پیارے بندے۔ رسولوں اور انبیاء علیہم السلام پیدا کریگا۔ جو ہمہ تن خدا کی عبادت میں مصروف ہونگے۔ اسکی محبت اور رضامندی کیلئے اپنی جان تک ہار دینگے رات دن حمد کے ساتھ اسکی تقدیس و تسبیح بیان کرینگے۔ اُٹھتے بیٹھتے۔ جاگتے سوتے اس کے ذکر میں مشغول رہینگے۔ اور خوشی اور غم۔ عافیت اور مصیبت۔ سختی اور نرمی ہر حال میں اسکی عبادت ذکر اور شکر اُن کا شغل ہوگا۔ اللہ تعالےٰ کے ذکر شکر اور اسکی عبادت سے سختی مصیبت۔ فقر اور مرض کوئی شئے انکو مانع نہ ہوگی۔ اور اپنے شہوات اور خواہشوں کو باوجودیکہ اُن کا غلبہ ہو اور طبیعت اُن کی معاون و مددگار ہو پس پشت ڈال کر اللہ تعالےٰ کی عبادت بجا لائینگے۔ اپنے بنی نوع کی عداوت و دشمنی وغیرہ کوئی چیز انکو اللہ تعالےٰ کی عبادت اور اس کے ذکر و شکر سے ہرگز نہیں روک سکیگی۔ اور اللہ سبحانہ نے ملائکہ کو یہ جتایا کہ تم اگرچہ میری عبادت میں مصروف رہتے ہو تمہارے لئے کوئی چیز فطرۃً مانع اور حارج نہیں۔ مگر کمال اُن کا ہے کہ جن کو ہزاروں موانع۔ معارض اور روکنے والے امور درپیش ہونگے اور سب سے منہ موڑ کر میری عبادت میں مشغول رہینگے۔ یعنی یہ جتایا کہ تمہارا تسبیح و تقدیس کرنا اگرچہ عبادت ہے۔ مگر تمہاری فطرت میں کبر حسد۔ اور شر مخلوط نہیں۔ اور بنی آدم کی خلقت۔ اور سرشت میں یہ چیزیں داخل ہیں۔ اور خیر اور شر دونوں اُن کے نفوس کے اندر موجود ہیں۔ لہذا اس کا ظاہر کرنا اور نکالنا ضروری ہوا۔ تاکہ احکم الحاکمین کی وہ حکمت جو ہر ایک کے اپنے مناسب چیزوں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں رکھی ہے معلوم ہو۔ اور نیز اس میں ایک یہ حکمت ہے۔ کہ جب اللہ خالق نے مخلوق کو کئی اقسام بنایا اور اسکو مختلف حالات پر پیدا کیا۔ اور اس کے علم اور حکمت میں پہلے سے یہ ثابت تھا کہ آدم اور اسکی اولاد کو سب پر فضیلت ہوگی۔ لہذا انکی عبودیت کو اور مخلوق کی عبودیت سے

کامل بنایا اور مرتبہ عبودیت آنکے لئے افضل احوال اور اعلیٰ درجات قرار پایا یعنی وہ عبودیت جو ارادہ
اور اختیار سے صادر ہو نہ وہ جو ہر مخلوق میں جبراً اور اضطراراً پائی جاتی ہے۔ اسی واسطے جب
اللہ سبحانہ نے سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرئیل علیہ السلام کو بھیجکر آپ کو
اختیار دیا۔ کہ آپ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول یا فرشتہ اور نبی ہونا جو امر پسند کریں۔ آپ
تجویز کریں تو آپ نے اپنے پروردگار کی توفیق سے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہونا پسند
کیا۔ اور اللہ سبحانہ نے آپ کے اشرف مقامات اور افضل احوال میں جیسے دعوت۔
تحدی معراج اور قرآن مجید کے نازل کرنے کے مقامات میں آپ کو عبودیت سے منسوب
سے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ (اور جب بندہ
خدا یعنی محمد خدا کی عبادت کرنے کھڑے ہوتے ہیں تو لوگ بستہ گروہ ان پر گرے آتے ہیں) اور
اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا (اور وہ جو ہم نے اپنے بندے (محمد) پر
قرآن اتارا ہے اگر تم کو اس میں شک ہو) سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى (وہ (خدا عجز اور درماندگی کے عیب سے) پاک
ہے جو اپنے بندے (محمد) کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا) تَبٰرَكَ
الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ (خدا کی ذات بڑی بابرکت (ذات) ہے جس نے
اپنے بندے (محمد) پر قرآن اتارا) اور اللہ سبحانہ نے آپ کی عبودیت تامہ پر آپ کی ثنا
اور تعریف فرمائی اور آپ کے شان کی عظمت کو ظاہر فرمایا ہے۔ اسی واسطے اہل موقف
جب شفاعت کے خواستگار ہونگے تو یوں کہینگے کہ محمد کے پاس چلو جو کہ اللہ کا ایسا بندہ ہے
کہ جس کے پہلے اور پچھلے تمام گناہ اللہ تعالے نے بخشدئے ہیں۔ غرض جبکہ عبودیت بنی آدم
کے اشرف احوال میں سے ہے اور یہ حالت اللہ سبحانہ کو نہایت محبوب ہے اور اس کے
لئے کئی ایسے لوازم اور اسباب ہیں کہ جن کے بدوں اس کا حصول ناممکن ہے۔ تو اللہ تعالے
کی حکمت کاملہ نے یہ چاہا کہ وہ ایسے مقام یعنی دنیا میں بھیجے جائیں کہ جہاں ان پر عبودیت
کے احکام جاری اور اسکے اسباب شروط اور لوازم موجود ہوں۔ پس بدیں وجہ جنت
سے نکال کر دنیا میں بھیجے گئے۔ تاکہ اپنے مراتب کی تکمیل کریں اور ان پر اللہ تعالے کی نعمت
کا اتمام ہو۔ اسکے علاوہ اس میں اللہ سبحانہ کی بہت سی محبوب اور پسندیدہ چیزیں موجود و متحقق
ہو جاتی [illegible] بندوں کی دعائیں قبول فرماتے [illegible] انکی تکلیفوں کو دور کرتے

مصائب میں فریادرسی کرے۔ گناہوں اور لغزشوں کو معاف کردے۔ برائیوں کو مٹادے۔ بلاؤں کو دفع کرے۔ جو لوگ عزت کے مستحق ہوں انکو عزت بخشے اور جو ذلت کے سزاوار ہوں ان کو ذلیل کرے۔ مظلوموں کی اعانت اور شکستہ حالوں کی حالت کو درست فرمائے۔ بعض مخلوق کو بعض پر فوقیت دے اور انکے مختلف مراتب و مدارج پر رکھے تاکہ اس کی نعمت اور فضل کی قدر معلوم ہو۔ اور یہ سب باتیں جنت سے نکال کر دنیا میں بھیجنے کی صورت میں متحقق ہو سکتی ہیں لہذا اس کے کمال ملک۔ اور حمد کا یہ تقاضا ہے کہ انکو ایسے عالم میں بھیجے جس میں اس کی محبوب و پسندیدہ چیزیں موجود و متحقق ہو سکیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض کی چیزوں کے حاصل ہونے کے لئے ایسے اسباب اور شروط ہیں جو اللہ تعالے کے نزدیک مکروہ اور ناپسند ہیں۔ مگر چونکہ جو چیز دوسری چیز پر موقوف ہو وہ اس کے بدوں حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہذا ان کا موجود کرنا بھی ضروری ہوا۔ اور حکمت کے لوازم کو موجود کرنا بھی حکمت ہے جس طرح کہ عدل کے لوازم کو پیدا کرنا عین عدل اور انصاف ہے۔ چنانچہ یہ مسئلہ عنقریب بچوں کے تکلیف پہنچانے کی فصل میں معلوم ہوگا +

اٹھائیسواں جواب۔ اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو عدم سے وجود میں اسلئے نکالا ہے کہ ان پر اپنے اسماء و صفات کے احکام جاری فرمائے تاکہ اس سے اس کا کمال مقدس ظاہر ہو گو وہ ہمیشہ کامل اکمل ہے مگر اسکو اپنے کمال کا ظہور محبوب و پسند ہے۔ اور خلق۔ امر۔ قضا۔ قدر۔ وعد۔ وعید۔ منع۔ اعطا۔ اکرام۔ اہانت۔ عدل۔ فضل۔ عفو۔ انعام۔ وسعت علم۔ اور سخت گیری میں اسکے کمال کے آثار کا ظاہر ہونا منجملہ اس کے کمال سے ہے۔ اور نیز اس کے کمال مقدس کا یہ تقاضا ہے کہ وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہے اور منجملہ اس کے حالات اور شان سے یہ بات ہے کہ وہ گناہوں کو بخشتا۔ تکلیفوں کو دور کرتا۔ بیماروں کو صحت عطا فرماتا۔ قیدیوں کو قید سے رہائی دیتا۔ مظلوموں کی مدد فرماتا۔ عاجزوں کی اعانت کرتا۔ شکستہ حالوں کے حال کو درست کرتا ہے۔ فقیروں کو غنی بناتا دعا کرنے والوں کی دعائیں منظور فرماتا اور گناہگاروں کی لغزشیں معاف کرتا۔ ذلیل کو عزت اور متکبروں کو ذلت دیتا ہے۔ گردن کشوں کی گردنیں توڑتا کسی کو مارتا اور کسی کو جلاتا ہے کسی کو ہنساتا اور کسی کو رولاتا ہے۔ کسی کو پست اور کسی کو بلند کرتا ہے۔ کسی کو اپنی نعمتیں عطا فرماتا اور کسی کو ان سے محروم رکھتا ہے اور اپنے احکام کے اجرا اور مقدرات کو اپنے

مقررہ اوقات میں پورا کرنے کے لئے اپنے رسول ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کو بھیجتا ہے۔ اور یہ سب باتیں دار البقا یعنی جنت میں حاصل نہ ہو سکتی تھیں۔ لہٰذا اس کی حکمت کاملہ نے یہ چاہا کہ آدم اور اسکی اولاد کو دار الامتحان میں بھیجا جاوے ۔

انتیسواں جواب۔ اللہ سبحانہ کے کمال ملک کا یہ اقتضا ہے کہ تمام اقسام کے تصرفات میں اس کو ایسا کمال حاصل ہو کہ ہر ایک قسم کے تصرف کرنے پر وہ قادر ہو اور اسی واسطے اللہ سبحانہ نے تین مقام قرار دئے ہیں۔ ایک وہ مقام ہے کہ جس میں اس کے فرماں بردار بندوں کے لئے طرح طرح کی نعمتیں۔ لذتیں۔ خوشیاں حاصل ہونگی اور انکے ساتھ کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اور دوسرا وہ مقام ہے جس میں نافرمانوں کے لئے گوناگون عذاب رنج اور طرح طرح کی مصیبتیں اور برائیاں موجود ہونگی۔ اور تیسرا وہ مقام ہے جس میں خیر و شر آرام اور تکلیف۔ لذت اور رنج دونو مخلوط اور ملے جلے ہیں۔ اور پہلے دونو مقاموں کی آبادی کو اس تیسرے مقام کی آبادی سے وابستہ کیا ہے۔ اور تینوں مقامات میں اپنی مخلوق پر اپنی ربوبیت۔ الٰہیت۔ عزت۔ حکمت۔ عدل۔ اور رحمت کے مقتضے کے مطابق احکام جاری فرماتے ہیں۔ پس اگر بنی آدم جنت میں پیدا ہوتے اور موجود ہونے کے وقت سے سب کو وہیں بساتا تو ان صفات کے احکام معطل ہو جاتے۔ اور ان کے آثار ان پر مترتب نہ ہوتے ۔

تیسواں جواب۔ قیامت کا دن اللہ سبحانہ کے اسما و صفات اور انکے احکام و آثار کا مظہر ہے۔ اور اسی واسطے حق تعالےٰ فرمائیگا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (آج کس کی حکومت ہے۔ اکیلے اللہ ہی کی ہے جو بڑا زبردست ہے) اور نیز اس دن کی نسبت فرمایا ہے اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ﹰالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ (اس دن حقیقی سلطنت (خدائے) رحمٰن ہی کی ہوگی) وقال تعالےٰ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (یہ وہ دن ہوگا۔ جب کہ کوئی شخص کسی شخص کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکیگا اور حکومت اسدن اللہ ہی کی ہوگی) یہاں تک کہ اسدن اللہ سبحانہ اپنے بندوں کو اپنے وہ اسما و صفات معلوم کرائیگا۔ جو دنیا میں انکو معلوم نہ تھے۔ غرض کہ قیامت کا دن مملکت عظمیٰ۔ اسما حسنیٰ اور صفات علیا کے ظاہر ہونے کا دن ہے۔ اسدن کے وہ احوال اور احکام جو اللہ تعالےٰ اور اسکے رسول صلعم نے بیان فرمائے ہیں۔ ان میں غور کرو اور سوچو کہ اسدن اللہ سبحانہ کی عزت۔ عظمت۔ عدل۔ فضل اور رحمت کس قدر

نہ پیدا ہوتی اور اس کے [illegible] صفات مقدسہ [illegible] کے وہ آثار نمودار ہوتے کہ اگر بنی آدم جنت ہی میں پیدا ہوتے
تو یہ سب صفات معطل اور تمام آثار معدوم ہو جاتے اور یہ امر اللہ سبحانہ کی [illegible] کے خلاف ہے۔
اور جو شخص اللہ سبحانہ کے اسماء و صفات کی حقیقت کو سمجھتا ہے۔ تو اس کے نزدیک [illegible] کے واقع
اور برحق ہونے [illegible] مستلزم [illegible] پر کافی دلیل ہے۔
اور عقلی اور نقلی دلیلیں [illegible] باہم موافق اور [illegible] ہیں ۔

اکتیسواں جواب۔ اللہ سبحانہ کو یہ محبوب ہے [illegible] عبادت کے جمیع انواع
[illegible] اور عبادت کے تمام اقسام جو اس کی عظمت و جلال کے لائق
اور اس وحدہ لا شریک [illegible] ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ عبادت کی وہ انواع جو
[illegible] دنیا میں [illegible] وہ ابتدا میں موجود نہیں ہو سکتے۔ گو دنیا میں بھی بعض
[illegible] اور جزا قیامت کو ملیگا۔ اس واسطے اس کو
دار الجزا [illegible] ہے۔ اور دنیا کو دار العمل۔ غرض جب آخرت ثواب اور جزا کا مقام ہے جس میں
اللہ تعالیٰ اپنے کمال تقدس کے مقتضی سے بدکاروں کو سزا دیگا اور نیکوکاروں کو نیک بدلہ عطا
فرمائیگا۔ تو ایک ایسے مقام کا موجود ہونا ضروری ہوا جس میں ہر طرح کے عمل نیک و بد ظہور پذیر
ہوں۔ اور اس کے رہنے والوں پر اسماء و صفات کے احکام جاری ہوں۔ اور پھر دوسرے مقام میں
نیکوکاروں اور بدکاروں کو جزا و سزا ملے اور اس کے باشندوں میں بھی اللہ سبحانہ کے
اسماء و صفات کے آثار ظاہر ہوں۔ غرض اللہ سبحانہ کے اسماء و صفات کو معطل قرار دینا ممتنع اور
محال ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت۔ الٰہیت۔ ملکیت۔ عزت اور حکمت کو معطل سمجھنا ہرگز
جائز اور درست نہیں ہو سکتا جب کوئی شخص اللہ سبحانہ کے اسماء و صفات کے معانی کو اور ہر ایک
کے اپنے اثر اور متعلق کے ساتھ مخصوص ہونے اور اس کے معطل ٹھیرانے کے بطلان کو سمجھتا ہے۔ تو
اسے یقین ہوگا کہ اس باب میں جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے بتلایا ہے وہ بالکل درست صحیح اور برحق ہے
اور اس کا خلاف صادر ہونا اللہ سبحانہ کی نسبت جائز اور اس کی شان کے سزاوار نہیں۔ اور جس طرح کہ وہ تمام
عیوب اور نقائص سے منزہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے خلاف سے بھی اس کو منزہ سمجھنا
ضروری ہے۔ اور باب ایمان کا یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے۔
اس کا عقدہ کھول دے۔ اور جسے چاہے اس سے محروم رکھے ۔

بتیسواں جواب۔ بعض بندوں کو بعض کے لئے امتحان اور آزمائش کا ذریعہ بنانے میں اللہ سبحانہ

کی بہت سی حکمتیں ہیں۔ جیسا کہ اوامر و نواہی اور قضا و قدر کے احکام موجود ہیں چنانچہ اللہ سبحانہ تعالیٰ فرمایا ہے
وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ (اور اس طرح ہم بعض کو بعض کے ذریعہ آزماتے ہیں) اور قال تعالیٰ
وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ (اور ہم نے تم میں ایک کو ایک کے لئے آزمائش
کا ذریعہ قرار دیا ہے تو (مسلمانو!) تم (یا) بھی کافروں کی ایذاؤں پر صبر کرو گے (یا نہیں) اللہ سبحانہ نے
اپنے دوستوں اور پیارے بندوں کو اپنے نافرمانوں اور دشمنوں کے امتحان کا ذریعہ اور دوستوں
کو دشمنوں کی آزمائش کا وسیلہ بنایا ہے۔ بادشاہ کو رعیت کے ذریعہ سے آزمایا اور رعیت کو
بادشاہ کے بدولت جانچا۔ مردوں کو عورتوں کے لئے اور عورتوں کو مردوں کے لئے فتنہ ٹھہرایا
دولتمندوں کو فقیروں سے امتحان اور فقیروں کو دولتمندوں کی آزمائش کے لئے پیدا کیا ہے۔ غرض
ہر ایک کو اسکے مقابل اور ضد سے جانچا اور پرکھا ہے۔ نوع انسانی کے ماں باپ پیدا ہوتے
ہی اُن کی ضد اور مقابل بھی ساتھ ہی موجود تھے۔ اور ان کی اولاد میں قیامت تک یہی دستور
جاری ہے۔ اور اس آزمائش اور امتحان میں اللہ سبحانہ کی بہت سی حکمتیں کاملہ تحقیق تامہ احکام
نافذہ۔ اوامر و نواہی اور تصرفات موجود ہیں۔ جو اسکی ربوبیت۔ الٰہیت۔ مملکت اور محبوبیت
پر دال ہیں۔ اور اسیطرح دنیا میں اپنے بندوں کو خیر و شر کے ساتھ آزمانا اسکے کمال حکمت
اور حمد تام کا مقتضیٰ ہے ‡

تینتیسواں جواب۔ اگر اس قسم کی آزمائش اور امتحان نہ ہوتا تو صبر۔ رضا۔ توکل۔
جہاد۔ عفت۔ شجاعت۔ حلم۔ عفو۔ صفح درگذر کرنا وغیرہ کمالات اور خصال حمیدہ کی
فضیلت ظاہر نہ ہوتی۔ اور اللہ سبحانہ کو یہ امر محبوب ہے کہ وہ اپنے پیارے بندوں کو ان
کمالات کے ساتھ معزز فرمائے۔ اور یہ کمالات اُن میں ظاہر ہوں۔ تاکہ وہ خود اور اسکے ملائکہ ان
کمالات کے ساتھ انکی ثنا و تعریف کریں۔ اور وہ انکے ساتھ موصوف ہونے کے سبب نہایت
درجہ کی عزت۔ لذت اور خوشی حاصل کریں۔ اور ان کمالات کے مبادی اور اسباب اگرچہ تلخ
ہیں مگر انکے عواقب اور انجام ایسے شیریں ہیں کہ اُن سے بڑھ کر کوئی چیز شیریں نہیں۔ اور چونکہ
ملزوم کا بدوں لازم موجود ہونا محال ہے لہذا اُن اسباب کا موجود ہونا ضروری ہوا۔ اور اللہ سبحانہ
کی حکمت اسطرح جاری ہے۔ کہ غایات کا کمال اسباب کی قوت اور اُنکے کمال کے تابع اور
ان کا نقصان اُنکے نقصان پر متفرع ہے۔ دیکھو جو شخص آرام اور لذت کے سامان کو پورے طور پر
حاصل کرتا ہے تو اُسکو لذت و آرام کامل طور پر حاصل ہوتے ہیں۔ اور جو ان میں کمی کرتا ہے۔ تو

اس کے عیش و آرام میں بھی کمی ہوتی ہے اس عالم کا طرز انتظام اس بات کی کافی دلیل ہے ۔ اور اسی اصول پر جزا و سزا اور ثواب و عقاب کا سلسلہ قائم ہے کہ خالق حکیم نہایت عدل و انصاف کے ساتھ جزا و سزا دیگا کیونکہ دنیا اور آخرت کا رب ایک ہی ہے اور اسکی حکمت تمام عالم پر یکساں جاری ہے اور وہی دنیا اور آخرت میں حمد کا مستحق اور دونوں جہان میں اسی کا حکم جاری ہے اور سب کو اسی کے پاس جانا ہے ۔

چونتیسواں جواب ۔ سب سے افضل اور اعلےٰ نعمت اور عطیہ ایمان اور اس کی جزا ہے اور آزمائش اور امتحان کے بدوں یہ متحقق نہیں ہو سکتے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اَلٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَ مَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (آلمّ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ زبان سے اتنا کہنے پر چھوٹ جائینگے کہ ہم ایمان لے آئے اور اُن کو آزمایا نہ جائیگا اور ہم نے تو اُن لوگوں کو بھی آزمایا تھا جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں تو خدا اُن لوگوں کو ضرور معلوم کر کے رہیگا جو اظہار ایمان میں سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی ضرور معلوم کر کے رہیگا ۔ کیا جو لوگ بُرے عمل کرتے ہیں انہوں نے سمجھ رکھا ہے کہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائینگے (ایسا سمجھتے ہیں تو) یہ لوگ کیا ہی بُری تجویز کرتے ہیں جسکو (آخرت میں) اللہ سے ملنے کی امید ہو تو (اس کے لئے تیاری کرے کیونکہ خدا کا ٹھیرایا ہوا) وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ (سب کی) سنتا (اور سب کچھ) جانتا ہے اور جو (خدا کیلئے) محنت اٹھاتا ہے تو وہ اپنے ہی (بھلے کے) لئے محنت اٹھاتا ہے (ورنہ) خدا تو (دنیا جہان کے سب) لوگوں سے بے نیاز ہے)

اس سورت میں اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ ضرور اپنے بندوں کی آزمائش اور امتحان کریگا تاکہ ظاہر ہو جائے کہ کون صادق اور کون کاذب اور کون مومن اور کون کافر ہے ۔ اور کون اُس کی عبادت اور شکر بجالاتا اور کون اسکی نعمت کا کفران کرتا اور اس سے اعراض کر کے غیر کی پرستش کرتا ہے اور جن لوگوں کا امتحان کیا گیا ہے اُنکے دنیا اور آخرت کے احوال بیان فرمائے ہیں اور اُن لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جن کا دنیا میں سب سے زیادہ اور سخت امتحان کیا گیا یعنی انبیاء علیہم السلام اور انکے متبعین اور پھر انکے انجام اور مآل کار کا حال بیان فرمایا ہے اور سب سے پہلے اُن لوگوں پر تردید فرمائی ہے جن کا خیال ہے کہ وہ محض ایمان کا دعوٰے کرنے سے اور دنیا میں بغیر کبھی امتحان

وآزمائش کے آخرت کے عذاب سے نجات یاب ہو جائینگے ، واضح بتلا دیا ہے کہ یہ اللہ سبحانہ کی حکمت اور مخلوق کے ساتھ اس کے معاملہ کے برخلاف ہے اور اس امتحان اور آزمائش کا راز بھی بتا دیا ہے کہ صادق اور کاذب اور مومن اور کافر ممتاز ہو جائینگے ۔ گو اللہ سبحانہ کو امتحان اور آزمائش سے پہلے بھی ہر ایک کی حالت معلوم ہے لیکن اللہ سبحانہ کے عدل اور حمد کا یہ مقتضیٰ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو صرف اپنے علم پر جزا اور سزا نہ دے بلکہ معلوم کے مطابق جب کہ وہ موجود اور متحقق ہو جائیگا بندوں کو جزا و سزا دیگا اور معلوم کا موجود اور ظاہر ہونا امتحان ہی کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے اور اسکے ظاہر ہونے کے بعد جزا و سزا دینا مستحسن اور اسکے عدل و حمد کے سزاوار ہے ۔ اسکے بعد ان لوگوں کی تردید کی ہے جنہوں نے اس خیال سے کہ وہ ایمان اور انبیاء کی تصدیق سے اعراض کرنے پر امتحان اور آزمائش الہٰی سے بچ جائینگے ۔ ایمان اور انبیاء علیہم السلام کی متابعت کو اختیار نہ کیا وہ سمجھے کہ ایمان نہ لانے سے اس امتحان و آزمائش کی نسبت ان کو پرسش نہ ہوگی جس سے انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کو جانچا گیا ہے ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ ان کے لئے وہ عذاب اور مصیبت تیار ہے جو اس امتحان و آزمائش سے جس سے وہ بھاگے کئی زیادہ سخت اور دشوار ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے مبعوث کرنے کے بعد مکلفین کے دو حال ہیں اول یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کریں اور اللہ پر ایمان لائیں ۔ دوسرے یہ کہ ایمان کو اختیار نہ کریں بلکہ اپنی بدکاریوں پر مستمر اور قائم رہیں ۔ پس ان میں سے جو شخص ایمان اختیار کرے تو اللہ سبحانہ اس کی آزمائش اور امتحان کرتا ہے تاکہ اسکے ایمان کی مضبوطی اور اسکی ثابت قدمی معلوم ہو جائے ۔ کہ وہ کسی دنیاوی فائدہ ۔ آرام اور سہولت کے لئے ایمان نہیں لایا ۔ بلکہ اس کا ایمان آرام ۔ خوشی اور تکلیف دونو حالتوں میں ثابت اور قائم ہے ۔ اور جس نے ایمان کو اختیار نہ کیا ۔ تو وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے عذاب سے بچ جائیگا ۔ اور وہ اسکو عذاب نہ کریگا بلکہ وہ اللہ تعالےٰ کے قبضے میں ہے اور اسکی جان اسکے ہاتھ میں ہے اور اس کے لئے ان لوگوں کے امتحان و ابتلا سے جو اللہ تعالےٰ پر ایمان لائے ۔ زیادہ تر مصیبت اور ابتلا موجود ہے ۔ غرض مومنین کو اسکے اور انبیاء کے دشمنوں کے ذریعہ آزماتا ہے کہ انکی طرف سے انکو طرح طرح کی تکالیف اور اذیتیں پہنچتی ہیں ۔ اور کفار کو آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا کریگا جس سے انکو وہ درد اور تکلیف پہنچیگا جو مومنین کے درد اور تکلیف سے لاکھوں درجے زیادہ ہوگا ۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مومنین اور کفار سب کے لئے درد و

تکلیف کا ہونا ضروری ہے۔ فرق اتنا ہے کہ مومنوں کو تو دنیا میں درد و تکلیف ہوتا ہے اور آخرت
میں اس کے بجائے لذت اور خوشی حاصل ہوگی۔ اور کفار کے لئے دنیا میں تنعم اور آرام ہے۔ اور
آخرت میں طرح طرح کے عذاب اور مصائب میں مبتلا ہونگے اور دنیا کے اندر بھی یہی حالت ہے
کہ جو ناعاقبت اندیش آدمی شہوت پرستی میں پڑ جاتے ہیں تو وہ ابتدا میں تو خوب مزے اڑاتے
ہیں۔ مگر انجام کار ان کا حال بہت برا ہوتا ہے اور سب لذتیں اور خوشیاں کافور ہو جاتی ہیں اور
جو انجام بین لوگ صبر و تحمل سے کام لیتے اور محنت اور ترقی سے جی نہیں ہارتے استقلال کے ساتھ
دقتیں اور کلفتیں برداشت کرتے ہیں۔ تو آخر کار انکو وہ لذت اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔ کہ پہلی
تمام مصیبتیں بھول جاتی ہیں۔ غرض الم اور لذت ہر انسان کیلئے ضروری ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ بعض
کو سردست اور تھوڑی سی تکلیف پیش آتی اور انجام کار وہ راحت اور آرام سے مبدل ہو جاتی
ہے اور بعض کو پہلے آرام حاصل ہوتا ہے اور آخر کار ہمیشہ کیلئے سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔
اسی واسطے عقلمند لوگ غایت اور انجام کو دیکھا کرتے ہیں۔ پس جنہوں نے یہ خیال کیا ہے کہ
وہ عذاب اور درد و تکلیف سے بالکل بچ رہینگے۔ ان کا خیال سراسر غلط اور بیہودہ ہے کیونکہ
انسان لذت اور الم۔ سرور اور حزن۔ خوشی اور غم کیلئے نشانہ بنایا گیا ہے اور اس کے دو سبب
ہیں۔ اول یہ کہ اسکی خلقت طبیعت اور ہیئت ہی ایسی ہے کہ دکھ اور آرام دونو اسکو لاحق ہوتے
ہیں۔ کیونکہ یہ ایسے متضاد مادوں اور مختلف اخلاط سے مرکب کیا گیا ہے کہ جن کا من کل الوجوہ معتدل
ہونا محال یا نادر الوجود ہے بلکہ یہ اخلاط ایک دوسرے پر غالب آکر طبیعت انسانی کو حد اعتدال
سے نکال دیتے اور اس سے دکھ اور بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دوم یہ کہ چونکہ انسان مدنی الطبع
ہے۔ لہذا یہ ممکن نہیں کہ وہ تنہا اور اکیلے زندگی بسر کر سکے۔ بلکہ اس کے زندگی بسر کرنیکی یہی صورت
ہے کہ وہ اپنے بنی نوع کے ساتھ مل جل کر رہے اور ملکر رہنے کی صورت میں چونکہ ہر ایک آدمی
کے مطالب مختلف ہوتے ہیں۔ کہ کسی کو کوئی چیز مرغوب اور کسی کو کوئی شے مطلوب ہوتی ہے
اور پھر مطالب میں اس قدر اختلاف ہوتا ہے کہ سب کا جمع کرنا ناممکن ہے بلکہ اگر ان میں سے ایک
چیز حاصل ہو تو بہت سی چیزیں فوت ہو جائیں۔ اور ہر ایک شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے
لوگ اس کے مطلب کے حاصل کرنے میں اسکی موافقت کریں۔ اور دوسرے لوگ یہ چاہتے ہیں
کہ وہ ہمارے مطالب اور ارادوں کے پورا کرنے کے لئے ہماری موافقت کرے۔ پس اگر
دوسرے لوگ [illegible] موافقت کرے۔ تو اپنے مطلب [illegible] کے فوت ہو [illegible]

پیدا ہوتی ہے اور اگر ان سے موافقت نہ کرے تو وہ ایذا رسانی اور تکلیف پہنچانے کے درپے ہوتے
اور اُس کے مطلوب کے نہ حاصل ہونے کے لئے طرح طرح کی کوششیں اور تدبیریں کرتے
ہیں۔ اور اسی طرح لوگوں سے موافقت کرنے اور نہ کرنے دونوں صورتوں میں رنج تکلیف
اور مشقت حاصل ہوتی ہے۔ بالخصوص عقائد باطلہ خیالات فاسدہ اور ایسے اعمال میں موافقت کرنے
سے آخرت میں نہایت کلفت اور رنج لاحق ہوگا جنکی نسبت یقین ہو کہ یہ امور آخرت میں مضر اور
نقصان دینے والے ہیں۔ اور ایسے امور میں مخالفت کرنے سے مخالفین کی طرف سے نہایت
درجہ کی اذیت اور تکلیف پہنچتی ہے۔ ایسے موقع پر عقل۔ دین۔ مروت اور علم یہ مشورہ دیتے ہیں۔
کہ دنیا کی تھوڑی سی رنج اور کلفت کا اٹھانا آسان ہے اور آخرت کے عذاب شدید اور دائمی
تکلیف کے تحمل کی تاب دشوار ہے۔ لہذا عقلمند آدمی ایسے موقع پر اہل باطل کی موافقت
نہیں کرتا۔ اور جو شخص ظالموں اور مجرموں کی انکے ظلم پر۔ اہل اہوا و مبتدعین کی انکی اہوا و بدعات
پر اور اہل فجور و شہوات کی انکے فجور اور شہوات پر اس خیال سے موافقت اور اعانت کرتا ہے
کہ انکی ایذا رسانی کی تکلیف سے بچ جائے تو ایسے شخص کو انکی موافقت کی وجہ سے دنیا میں بھی
ذلت اور رسوائی اور تکالیف پیش آتے ہیں۔ اور آخرت میں وہ عذاب ہوگا۔ کہ جس تکلیف سے
بچنے کے واسطے یہ کام کیا تھا اُس سے لاکھ درجہ زیادہ تکلیف بھگتنی پڑیگی۔ اللہ سبحانہ کی عادت
اپنی مخلوق میں اسطرح جاری ہے کہ ایسے لوگوں کو عذاب اور تکلیف میں مبتلا کرتا ہے۔ اور
اگر اُن کی مخالفت کی تکلیف پر صبر کرتا اور اُن سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے۔ تو اگرچہ مخالفین سے
کچھ اذیت پہنچتی ہے مگر آخرکار اللہ سبحانہ دنیا میں بھی اُسکو عزت و آبرو اور لذت اور خوشی بخشتا
ہے۔ اور آخرت میں وہ لذتیں اور خوشیاں حاصل ہونگی۔ جو انکی موافقت کی لذت اور خوشی
سے کئی درجہ زیادہ ہونگی۔ اور عادت اللہ اسطرح جاری ہے کہ ایسے شخص کو اپنے مخالفین پر غلبہ
دیتا اور اسکے تحمل و تقوی۔ توکل اور اخلاص کے بدولت انکو اسکے سامنے ذلیل اور رسوا کرتا ہے اور
غرض کیونکہ مخالفین کی اذیت اور تکلیف وہی سے مامون نہ ہو تو اللہ سبحانہ کی رضامندی اور
انبیاء علیہم السلام کی متابعت میں تکلیف اٹھانا لوگوں کی رضامندی اور انکی مراد پوری کرنے سے جبکہ
وہ اللہ و رسول کے مخالف ہوں لاکھ درجہ اچھا اور نہایت نافع اور سودمند ہے اور برخلاف
اسکے جو بدکاروں کی موافقت کرتے ہیں۔ اور دنیا میں انکی اذیت پر صبر نہیں کرتے۔ تو ان کا
یہ حال ہوگا۔ کہ جب قیامت میں مبتلائے عذاب ہونگے تو اُس وقت بڑے جگر سے سے

صبر کرینگے۔ اور رنج اور تکلیف کے سبب ایک دفعہ سانس لینے کا وقت گھنٹے کے برابر۔ گھنٹہ دن کے برابر اور دن مہینے کے برابر اور مہینہ سال کے برابر معلوم ہوگا۔ اللہ سبحانہ جن لوگوں کو دنیا میں اس قسم کی آزمائش اور امتحان میں مبتلا کرتا ہے۔ اُن پر ظاہر فرمادیا ہے کہ یہ ابتلا چند روزہ ہے اور اُن کی تسلی کے واسطے اسکی مدت بیان فرمادی ہے تاکہ اُنکے نفوس مطمئن رہیں۔ اور اس کی دشواریاں اُن پر آسان ہو جائیں چنانچہ فرمایا ہے مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (جس کو (آخرت میں) اللہ سے ملنے کی امید ہو تو اُس کیلئے تیاری کرے کیونکہ) خدا کا (ٹھیرایا ہوا) وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ (سب کی) سنتا اور سب کچھ) جانتا ہے) پس جب بندہ اس ابتلا کی مدت محدود کا تصور اور اُس کے زوال اور انقطاع کا خیال کریگا اور ادھر اللہ سبحانہ کی ملاقات اور اُسکے انعام اور جزا کا انتظار میں جائیگا تو دنیا کی رنج اور تکلیف کا جھیلنا اور برداشت کرنا اس پر سہل اور آسان ہو جائیگا اور چونکہ اس کا برداشت کرنا نفس اور شیطان اور اپنے بنی نوع کے ساتھ مجاہدہ اور خلاف کئے بغیر ناممکن ہے۔ اور یہ اُسکے حصول کے لئے ذریعہ اور سبب ہے لہذا اس کا سبب اور ذریعہ بھی بتلا دیا اور جب انسان یہ سمجھیگا۔ کہ اس عمل مجاہدہ اور خلاف کرنے کا نفع صرف اسی کو حاصل ہوگا۔ کسی دوسرے کیلئے اس میں کوئی شراکت نہیں تو اس میں زیادہ کوشش اور سعی کریگا۔ لہذا اس پر متنبہ کرنے کے لئے فرمایا ہے وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔ نیز اس وہم کو دفع فرمادیا ہے۔ کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ اس مجاہدہ صبر اور تحمل کا نفع اور فائدہ کچھ اللہ سبحانہ کی طرف عاید ہے ہرگز نہیں وہ تو تمام عالمین سے غنی اور بے نیاز ہے۔ اللہ سبحانہ نے جن کاموں کی بجا آوری کا حکم دیا ہے اسکو بکلی کوئی ضرورت اور حاجت نہیں اور جن چیزوں سے منع کیا ہے کچھ بخل کی وجہ سے منع نہیں کیا۔ بلکہ جن کاموں کے کرنیکا حکم دیا ہے اُن کا نفع اور فائدہ دنیا اور آخرت میں صرف بندوں کی طرف عائد ہے اور جن چیزوں سے منع کیا ہے وہ معاش اور معاد دونوں میں بندوں کے لئے ضرر اور نقصان دینے والی ہیں پس اس ابتلا اور امتحان کے ثمرات اور فوائد صرف بندوں کے لئے خاص ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کی حکمت نے یہ چاہا۔ کہ اس امتحان اور آزمائش کو خبیث کو طیب سے اور شقی کو سعید سے اور جو اُسکے قابل اور لائق ہیں انکے ممتاز کرنے کیلئے سبب بنایا جائے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ

مِنَ الطَّيِّبِ (رمنافقوا) اللہ ایسا نہیں ہے کہ جس حال میں تم ہو اچھے بُرے کی تمیز کے بدوں اسی حال
پر مومنوں کو (تمہارے ساتھ ملا جلا رہنے دے) پس اللہ سبحانہ نے اپنے رسولوں کو بھیجکر اپنے اوامر اور
نواہی سے آگاہ فرماکر اپنے بندوں کا امتحان کیا۔ اور رسولوں کے ذریعہ سے طیب اور خبیث کھرا اور کھوٹا
ایک دوسرے سے ممتاز اور علیحدہ کر دئے۔ اور اللہ سبحانہ کا ثواب وعقاب اس کے اس معلوم پر مترتب
ہوا جو اس امتحان اور آزمائش کے ذریعہ سے ظاہر ہوا۔ پھر چونکہ وہ لوگ جو امتحان و آزمائش میں مبتلا
کئے گئے۔ بشر اور انسان ہیں۔ اور ممکن ہے کہ طبیعت کے جذبات جبلت کی کشش اور نفس کی خواہش
یا ضعف ہمت کی وجہ سے صبر اور مجاہدہ میں کسی وقت کچھ کمی واقع ہو لہٰذا اللہ سبحانہ نے وعدہ فرمادیا
ہے کہ یہ قصور اور کمی معاف ہے کیونکہ جب بندے نے اللہ تعالےٰ کے حکم کی اطاعت کیلئے
سینہ سپر کردیا ہے تو اس کی رحمت کا یہ مقتضی ہے کہ اس کی برائیاں مٹا کر اس کے نیک اعمال کے ثواب
سے اس کو مالامال کرے۔ اسکے بعد اللہ سبحانہ نے بندے کو والدین۔ انکی اطاعت اور انکی خدمت
کی تکلیف پر صبر کرنیکے ساتھ مبتلا کرنے کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر والدین خدا کے ساتھ شرک کرنے کا
حکم کریں تو ان کا یہ حکم بجا نہ لائے اور اللہ سبحانہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائے۔ اور ایسی
حالت میں انکے ساتھ حسن سلوک اور انکی بندگذاری کو نہ چھوڑے اور اس کلفت اور محنت پر صبر کرے
مگر خدا تعالےٰ کے ساتھ شرک کرنے کے بارے میں انکی اطاعت نہ کرے بلکہ اس سے اعراض کرکے
انبیاء علیہم السلام کے اتباع کو اختیار کرے اور انکی ہدایت پر کاربند رہے۔ اور والدین اور انکے
طریق سے اعراض کرنے اور انکے مخالف اس کے سبیل کیطرف متوجہ ہونے میں جو کچھ امتحان اور
ابتلاہے وہ مخفی نہیں۔ اسکے بعد اللہ سبحانہ نے اُن لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو ضعف عزم قلت صبر
اور محنت اور تکلیف پر ثابت قدم نہ رہنے کی حالت میں ایمان کو اختیار کرتے ہیں۔ اور انکی
یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر ان کو اللہ تعالےٰ کی راہ میں کوئی تکلیف پیش آئے (اور عادت اللہ یہی
طرح جاری ہے۔ اور اسکی حکمت کا یہی مقتضی ہے کہ وہ اپنے پیارے بندوں کو اپنے دشمنوں
کے ذریعہ آزماتا اور انکو ان پر مسلط کردیتا ہے کہ وہ انکو طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں پہنچاتے
ہیں) تو وہ اس تکلیف پر صبر نہیں کرتے اور گھبرا کر اس مصیبت اور اسکے اسباب سے ایسا
بھاگتے ہیں جیسا خدا کے عذاب سے بھاگتے ہیں۔ اور ایمان اور انبیاء علیہم السلام کے اتباع کرنے
میں لوگوں کی طرف سے جو تکلیف پیش آئے اس کو اس عذاب الٰہی کے برابر سمجھتے ہیں جو مشرکین
اور مخالفین انبیاء کو شرک اور انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرنے پر ہوگا۔ اور انکی اس حالت سے ثابت

ہوتا ہے کہ وہ نورِ بصیرت سے بے بہرہ اور خالی ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انکے دل میں ایمان پورے طور پر داخل نہیں ہوا اور انہوں نے ایمان کی حلاوت کو نہیں چکھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے لوگوں کی اُس تکلیف دہی کو جو اللہ ورسول کے ساتھ ایمان لانے پر اُنکو پیش آتی۔ اُس عذاب الٰہی کے ساتھ برابر سمجھا جو کفار کو اللہ و رسول کے ساتھ ایمان نہ لانے پر پہنچیگا۔ یہ اُن لوگوں کی حالت ہے جو دُنیا کی بہتری کی امید پر اللہ تعالےٰ کی عبادت اور پرستش کرتے ہیں۔ ایمان اور عبادتِ الٰہی میں راسخ قدم نہیں ہوتے ایسے لوگ اگرچہ آرام کے خیال سے دنیا کی تکلیف سے بھاگتے ہیں مگر اُن کو وہ تکلیف اور عذاب ہوگا جو اس تکلیف سے کئی درجے زیادہ اور سخت ہوگا۔ اِسکے بعد اللہ سبحانہ نے انکی اُس حالت کو بیان فرمایا ہے جو مومنین کی نصرت اور فتحمندی کے وقت انکو لاحق ہوتی ہے کہ جب مومنوں کو فتح حاصل ہو تو اُن سے ملجاتے اور کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے رفیق اور ساتھی ہیں۔ اور اللہ سبحانہ اُنکے اُن دلی ارادوں کو جانتا ہے جو اپنی زبانی باتوں کے خلاف دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اسکے بعد اللہ سبحانہ نے نوح علیہ السلام اور انکی قوم کا ذکر فرمایا ہے کہ نوح علیہ السلام کو انکی قوم کے ذریعہ سے ساڑھے نو سو سال امتحان اور ابتلا میں رکھا۔ اور قوم کو نوح علیہ السلام کی اطاعت سے آزمایا۔ اُنہوں نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی۔ اس پر اُن کو پانی میں غرق کیا اور آخرت کو آگ میں جلینگے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام اور انکی قوم کا ذکر فرمایا۔ کہ ابراہیمؑ کو اپنی قوم کی طرف سے کیا کیا دقتیں پیش آئیں۔ قوم نے اُنکی تکذیب اور تردید کی۔ اور قوم کو ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت اور متابعت سے آزمایا۔ اور اسکے بعد لوط علیہ السلام۔ انکی قوم کا ذکر۔ اُن کا ابتلا اور لوط علیہ السلام اور انکی قوم کا انجام کا ربیان فرمایا ہے۔ پھر شعیب علیہ السلام انکی قوم کا حال اُن کا ابتلا اور انجام کار کا ذکر فرمایا ہے۔ اسکے بعد عاد۔ ثمود۔ قارون۔ فرعون۔ ہامان اور اُن کے لشکروں کا ذکر کیا ہے۔ کہ اُن کو اللہ سبحانہ پر ایمان لانے اور اسکی اطاعت وعبادت بجالانے کا حکم ہوا مگر انہوں نے انکار کیا اور اسکی وجہ سے اُن پر طرح طرح کے عذاب نازل ہوئے اور وہ تباہ اور ہلاک کئے گئے۔ اسکے بعد حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا حال بیان فرمایا ہے کہ آپ کو کفار کی ہر ایک جماعت یعنی مشرکین اور اہلِ کتاب کی طرف سے تکلیفیں اور مصیبتیں پیش آئیں۔ اور آپ کو یہ حکم ہوا۔ کہ آپ اہل کتاب سے احسن طریق کے ساتھ مجادلہ کریں اور اُنکو نہایت نرمی سے سمجھائیں اور کھلی اور صاف دلیلیں سمجھا کر اُن کو قائل کریں۔ اور اللہ سبحانہ نے اپنے اُن پیارے بندوں کو جو دشمنوں کے ہاتھوں سے طرح طرح

کی تکلیفیں اٹھا رہے ہیں۔ یعنے یہ حکم دیا کہ اپنا وطن چھوڑ کر اللہ سبحانہ کے وسیع ملک میں کسی دوسری جگہ چلے جائیں اور وہاں اطمینان سے اپنے مالک کی عبادت کریں۔ اور اس ہجرت اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف جانیکے حکم اور ارشاد میں اس بات پر تنبیہ فرمایا ہے کہ مومنین کو دار دنیا سے دار آخرت کی طرف جانا ہے اور وہ اپنے مولے کے دیدار سے مشرف ہونگے لہذا ان کو اس دار میں قرار اور آرام نہیں۔ پھر اُن لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے جو دشمنوں کی ان تکالیف پر صابر رہے کہ اللہ سبحانہ انکو ایسے باغوں میں جگہ دیگا جن میں نہریں جاری ہونگی۔ اور وہ اُن میں ہمیشہ رہینگے۔ اور ان کو اسطرح پر تسلی دی ہے کہ جب تم نے ہماری خوشنودی اور رضامندی کے لئے اپنے وطن اور ملک کو چھوڑا۔ تو ہم تم کو ایسے مکان میں جگہ دینگے جو تمہارے مکانوں سے لاکھوں درجے اچھا ہوگا۔ اور اہمیں تمام خوبیاں اور ہر طرح کی لذتیں۔ اور نعمتیں موجود ہونگی۔ اور اس کے ساتھ یہ لطف کہ وہاں سے نکلنے کا کھٹکا نہ ہوگا ہمیشہ اُسی میں رہ کر چین اُڑاوینگے۔ اور یہ سب انعام صابئب میں صبر کرنے اور اپنے پروردگار پر توکل کرنے کے بدولت ملینگے۔ اسکے بعد اللہ سبحانہ یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ ہر جگہ اپنے بندوں کی روزی کا ضامن ہے جس طرح وہ انکو اپنے ملک میں روزی پہنچاتا تھا۔ اسی طرح وہ دوسرے ملک میں بھی روزی پہنچائیگا یہ اسلئے بیان فرمایا کہ مہاجرین کو ہجرت کرنے کے وقت سفر خرچ اور روزی اُٹھانے کی فکر نہ ہو اور یوں سمجھایا کہ دیکھو کئی جانور ایسے ہیں کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں اور روزی کو اپنے ساتھ نہیں اُٹھاتے اور روزی رساں انکو برابر روزی پہنچاتا ہے۔ اسکے بعد یہ بیان فرمایا ہے کہ ابتلا۔ امتحان اور اس دار میں رہنے کی مدت دار البقا میں رہنے کی مدت کی نسبت نہایت ہی قلیل اور کم ہے۔ اس کے بعد اُن لوگوں کا حال بیان کیا جو ایمان کے ساتھ مبتلا ہوئے۔ مگر وہ ایمان تو لائے۔ کہ وہ اس دنیا میں چند روز متمتع ہونگے۔ اور عنقریب جب وہ اس سے رخصت ہونگے تو اُن کو معلوم ہو جائیگا کہ وہ کیسی کیسی عمدہ اور دائمی نعمتوں سے محروم رہے اور کیسے سخت اور تکلیف وہ عذاب میں مبتلا ہوئے۔ اور اُن لوگوں کا انجام اور مآل کار بھی بیان فرمایا ہے جو اللہ سبحانہ کے ساتھ ایمان لائے۔ اور اسکے رسولوں کی اطاعت اور پیروی اختیار کی۔ اور دار الابتلا یعنی دنیا میں اپنے ہادی اور ناصر کی ہدایت کے مطابق اپنے نفس بعد اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے مخالفت اور جہاد کیا۔ اور اللہ سبحانہ نے یہ بھی بتلا دیا ہے

کہ اُس کا اسلئے اور فضل انعام دینا اور آخرت میں اُن لوگوں پر ہوگا جو دُنیا کے ابتلا اور مصائب پر
صبر اور اپنے پروردگار پر توکل کریں۔ اور سب سے زیادہ سخت اور بڑا عذاب اُن لوگوں کو ہوگا۔
جنہوں نے دُنیا کے ابتلا اور تکالیف پر صبر نہ کیا۔ اور اُس سے بھاگ کر دنیا کے سرد سست آرام
کو پسند کیا۔ غرض اس سورت کا مضمون سلسلہ خلق اور امر کا راز اور بھید ہے۔ کیونکہ
اس سورت میں ابتلا اور امتحان کا ذکر اور اہل ابتلا کے دُنیا اور آخرت کے حالات کا بیان
ہے۔ اور جو شخص اس کے شروع۔ وسط اور آخر میں غور کرے تو اُسکو معلوم ہو جائے گا
کہ کامل انسان کے تین حالات ہیں اول امتحان اور آزمائش کا درجہ ہے اُس کے بعد صبر و
توکل کا مقام ہے اور آخر میں خدا تعالےٰ کی ہدایت اور نصرت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے
اور تمام کاموں میں اللہ تعالےٰ ہی کی مدد چاہیئے ؂

اور اس کی توضیح تیسرا جواب ہے۔ اللہ سبحانہ نے اپنے کلام پاک میں یہ بیان
فرمایا ہے کہ اُس نے آسمان۔ زمین اور عالم علوی اور سفلی کو اسلئے پیدا کیا ہے کہ وہ ہمارا
امتحان اور آزمائش کرے کہ ہم میں سے کون شخص نیک کام کرتا ہے۔ اور نیز یہ بیان
فرمایا ہے کہ اُس نے زمین کو اُن چیزوں سے جو اُس پر موجود ہیں مثلاً حیوانات۔ نباتات
معدنیات وغیرہ سے اسلئے مزین کیا ہے کہ ان کے ذریعہ سے ہماری آزمائش اور امتحان
کیا جائے۔ اور موت اور حیات کو بھی اسی آزمائش اور ابتلا کے لئے بنایا ہے۔ غرض
خلق اور امر کی غایت یہی ابتلا اور امتحان ہے اسلئے ضرور تھا کہ ایک ایسا عالم موجود ہو
جس میں یہ امتحان اور آزمائش ہو سکے۔ سو وہ عالم یہی دار تکلیف اور دُنیا ہے۔ اور چونکہ
اللہ سبحانہ کے علم اور حکمت میں پہلے سے یہ بات ثابت ہے کہ جنت آرام کا مقام ہے
نہ کہ ابتلا اور امتحان کی جگہ اسلئے دار الابتلا کو اُسکے لئے پل قرار دیا کہ اللہ کے بندے اُس
سے عبور کر کے جنت میں پہنچیں۔ اور دُنیا کو آخرت کی کھیتی ٹھیرایا۔ کہ اس میں اعمال حسنہ
کی تخم ریزی کریں۔ اور آخرت میں اس کا پھل اُٹھائیں۔ اور اُسکو آمد و رفت کا ایک ایسا راستہ
بنایا جس سے آخرت کے لئے توشہ تیار کرلیں۔ اور یہی وہ حق ہے کہ جس کے ساتھ اور
جس کے لئے مخلوق کو پیدا کیا کہ انبیاء علیہم السلام کی ہدایت کے مطابق اللہ واحدہ کی پرستش
کی جائے۔ غرض اللہ سبحانہ نے انبیاء علیہم السلام کی زبانی اپنے بندوں کو اپنے امر و نہی سے
مطلع کیا اور ثواب اور عقاب کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے اپنی مخلوق کو اس طرح

بیکار نہیں پیدا کیا کہ ان کو کسی کام کا امر و نہی نہ ہو اور نہ اُن کو اس طور پر مہمل چھوڑ دیگا کہ اُن کو ثواب
اور عقاب نہ ہو بلکہ ان کو امر و نہی اور ثواب و عقاب کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور اسکی حکمت
اور محبوبیت کا یہی مقتضی ہے۔ اس کا خلاف اسکی حکمت اور حمد کے شان کے خلاف ہے۔

فصل۔ ہماری اس تقریر سے منکرین حکمت و تعلیل کے اس قول کا جواب بھی معلوم ہو گیا
کہ نفس کو خیر اور شر دونوں کا ارادہ کرنیوالا بنانے میں کونسی حکمت ہے۔ اور اسکو ایسا کیوں
نہیں پیدا کیا گیا کہ وہ صرف خیر کا ارادہ کرتا اور جب اللہ تعالیٰ نے اسکو شر سے روکنے پر قادر
ہے تو پھر اللہ کی حکمت کا مقتضی یہ کس طرح ہوا کہ اس کو شر کے کرنے پر قادر کر دیا۔ اور اس
کو ایسی قوت اور اسباب کے عطا کرنے میں کونسی حکمت ہے کہ جن کی نسبت عطا کرنے
والے کو معلوم ہے کہ وہ انکے ذریعہ سے شر ہی پیدا کریگا۔ اور نفوس کو انکی گمراہی ظلم اور
تعدی پر ثابت رکھنے میں کونسی حکمت ہے اور یقیناً معلوم ہے کہ جس شخص کے افعال حکمت
پر مبنی ہوں وہ ایسے کام نہیں کرتا۔ دیکھو جس شخص کے کام حکمت پر مبنی ہوں جب وہ
اپنے غلاموں کو دیکھے کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کرتے اور آپس میں ایک دوسرے پر
ظلم و تعدی روا رکھتے اور باہم فساد برپا کرتے ہیں۔ اور وہ انکو ایسے کاموں سے روک
بھی سکتا ہے۔ تو اسکی حکمت اس کو اس امر کی اجازت نہیں دیتی۔ کہ ان کو اس حالت
پر اسی طرح چھوڑ دے۔ اور اگر کسی شخص کے غلام ایسے کام کرتے ہوں اور وہ انکو منع نہ کرے
تو اس کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ یا تو اس کو انکی بدکرداریوں کا علم نہ ہوگا یا یہ کہ انکے منع کرنے
پر قادر نہ ہوگا۔ اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو پھر ایسے شخص کے افعال مبنی علی الحکمۃ نہیں
کہہ سکتے۔ اور پہلی دونوں صورتیں کہ اللہ سبحانہ کو اپنے بندوں کے افعال کا علم نہ ہو یا انکو اُن
سے روکنے پر قادر نہ ہو۔ اللہ سبحانہ کی نسبت محال ہیں۔ لہٰذا تیسری صورت متعین ہوئی
کہ اللہ سبحانہ کے افعال مبنی علی الحکمۃ نہیں) منکرین حکمت کے اس شبہ کی بنا ایک غلط اصول
پر قائم کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ سبحانہ کو اس کی مخلوق پر قیاس کیا اور اس
کے افعال کو مخلوق کے افعال کے مشابہ سمجھا کہ جو کام مخلوق کی نسبت حسن اور اچھے ہیں وہی
اللہ سبحانہ کی نسبت حسن ہیں اور جو انکی نسبت قبیح ہیں۔ وہ اللہ سبحانہ کی نسبت بھی قبیح ہیں۔
اور اسی واسطے قدریہ نے اللہ سبحانہ کے افعال کو مخلوق کے افعال کے مشابہ قرار دیا ہے اور
متاخرین قدریہ اللہ سبحانہ کے افعال کی تشبیہ اور اسکے صفات کی تعطیل کے معتقد اور قائل

ہیں یعنی یہ لوگ اللہ سبحانہ کے صفات کو معطل اور اسکے افعال کو مخلوق کے افعال کے مشابہ سمجھتے ہیں۔ اور اس غلط اصول کو تمام اہل عقل نے رد کیا اور کہا ہے کہ اللہ تعالے کے افعال کو بندوں کے افعال پر قیاس کرنا بالکل غلط اور باطل ہے اور اسی طرح اس کی حکمت ذات کو مخلوق کی حکمت اور انکے صفات پر قیاس کرنا بالکل بیہودہ اور لغو ہے۔ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ اللہ سبحانہ کو اس بات کا علم ہے کہ اس کے بندوں سے کفر ظلم اور فسق صادر ہونگے۔ اس کو یہ بھی قدرت ہے کہ ان کو پیدا ہی نہ کرتا یا سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا کہ وہ اس کے حکم اور مرضی پر چلتے اور سرکشی اور برے کام ان سے صادر نہ ہونے دیتا لیکن اس طرح کرنا اس کی حکمت کاملہ کے مقتضی کے خلاف ہے بلکہ اس کی حکمت کا مقتضی یہ ہے کہ انکو اسی موجودہ حالت پر پیدا کیا جاتا۔ اور اللہ سبحانہ نے نفوس کو کئی قسم پیدا کیا ہے ایک وہ ہیں جو صرف خیر کا ارادہ کرتے ہیں۔ اور یہ نفوس پاکیزہ ہیں۔ اور ایک وہ ہیں جو محض شر کا ارادہ کرتے ہیں اور یہ شیطانی نفوس ہیں۔ اور ایک وہ ہیں جن میں خیر اور شر دونو کا ارادہ کر سکتے ہیں اور یہ نفوس بشریہ ہیں۔ پہلی قسم کیلئے خیر ایک طبعی امر ہے اور وہ اس پر قابل حمد و تعریف ہیں اور دوسری قسم کیلئے شر ایک فطرتی چیز ہے اور وہ اس پر لائق مذمت ہیں۔ اور تیسری قسم میں صفت غالب کا اعتبار ہے۔ پس جس میں صفت خیریت غالب ہوگی۔ تو وہ قسم اول میں داخل ہوگا اور جس میں صفت شر غالب ہوگی۔ تو وہ دوسری قسم میں شامل ہوگا۔ اور جب اللہ سبحانہ کی حکمت نے تیسری قسم کے وجود کو چاہا۔ تو دوسری قسم کے وجود کو تو بطریق اولی مقتضی ہوگی۔ اور اللہ سبحانہ کی قدرت۔ عزت اور حکمت کا یہ مقتضی ہے کہ وہ ایسے اشیاء کو پیدا کرے جو کہ ذوات۔ صفات اور افعال میں باہم متقابل ہوں۔ اور اس مضمون کو ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو ایسا گونا گون بنایا ہے۔ جو اس کی کمال قدرت اور ربوبیت پر دال ہے۔ پس بڑی جہالت اور گمراہی کی بات ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ اللہ سبحانہ نے سب مخلوق کو یکساں کیوں نہیں بنایا کہ سب چیزیں عالم علوی ہوتیں یا تمام اشیاء نور اور خیر سے معمور ہوتیں یا جتنے حیوانات ہیں وہ سب فرشتے ہوتے۔ اور بعض اوقات اوہام فاسدہ میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ عالم کو اس طرح پیدا کرنا بہتر اور اولی تھا۔ اوہام فاسدہ میں اسی قسم کی بیہودہ اور ناممکن خیالات پیدا ہوا کرتے ہیں۔

چھبیسواں جواب منکرین حکمت و تعلیل کا یہ قول کہ حیوانات غیر مکلف کے درد و تکلیف

دیتے ہیں کونسی حکمت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں لوگوں کا بہت سا اختلاف ہے اور متقدمین اور
متاخرین نے اس پر گفتگو اور بحث کی ہے اور مختلف طور سے جو اب بیان کئے ہیں، پس جو لوگ
اللہ سبحانہ کے فاعل مختار ہونیکے منکر ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اسکے افعال مشیئت اور قدرت سے
صادر نہیں ہوتے تو وہ حیوانات کے درد و تکلیف کو محض طبیعت کی طرف نسبت کرتے اور یوں کہتے
ہیں کہ درد و تکلیف کا ہونا حیوانات کی طبیعت کے لوازم اور ضروریات سے ہے اس میں کسی
فاعل کے فعل کسی صاحب قدرت کی قدرت اور کسی صاحب ارادہ کے ارادہ کو کوئی دخل
نہیں۔ اور منکرین حکمت و تعلیل اللہ سبحانہ کی محض مشیئت اور صرف اس کے ارادہ کو اس کا سبب
قرار دیتے ہیں۔ ان کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محض مشیئت ایک طرح کی دو چیزوں میں سے
ایک چیز کو بغیر کسی غایت اور حکمت مطلوبہ اور بدوں کسی سبب اور موجب کے دوسری چیز پر ترجیح
دیتی اور مخصوص کر لیتی ہے اور وہ اپنے زعم میں اس قول کے باعث تکلیف حیوانات کے مشکل
سوال سے اپنے آپ کو نجات یاب سمجھتے ہیں کہ اس طرح گویا ان پر یہ سوال وارد ہی نہیں ہوتا۔ اور
درحقیقت اس قول کے باعث انہوں نے اللہ سبحانہ کی ذات مقدس، اسکے اسماء، صفات اور
افعال کے کمال کی معرفت کا دروازہ اپنے آپ پر بند کر لیا ہے اور اس کی حکمت، الوہیت اور
ربوبیت کی حقیقت کو معطل قرار دیا ہے اور انکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دھوپ کی
گرمی سے بھاگ کر آگ میں جا گھسے۔ اور جو لوگ اللہ سبحانہ کے افعال کے لئے ایسی حکمت اور
علت کے قائل ہیں جو خالق سے متعلق نہیں بلکہ مخلوق کیطرف راجع ہے وہ یہ جواب بیان کرتے
ہیں کہ حیوانات کو درد و تکلیف اسلئے ہوتا ہے کہ جب قیامت میں مخلوق ثواب و عقاب کے
لئے مبعوث ہوگی۔ تو ان کو ان تکالیف و آلام پر بدلہ اور ثواب ملیگا اور بعض دفعہ ان کو اس درد
و تکلیف اور اس پر صبر کرنے کا بدلہ دنیا میں ملجاتا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کا بدلہ دنیا میں نہیں
ملتا بلکہ یہ عوض اور ثواب انکو آخرت میں ملیگا۔ اور ان لوگوں پر جب یہ اعتراض کیا گیا کہ بعضے حیوانات
ایسے ہیں کہ انکو آخرت میں ثواب و عقاب نہیں ہوگا۔ تو اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ اور وہ لوگ
جو اللہ سبحانہ کے اسماء و صفات کے حقائق اور اس کی اس حکمت کے قائل ہیں۔ جو اللہ سبحانہ کی صفت
ہے اور اسی صفت کی وجہ سے اس کا اسم حکیم ہے اور اسی صفت سے خلق اور امر کا سلسلہ صادر
ہوا ہے انکو تمام فرقوں کی نسبت اس باب میں صحیح علم حاصل ہوا ہے اور ان کا مسلک جملہ مسالک کی نسبت
زیادہ صحیح اور تناقض اور اضطراب سے سالم ہے کیونکہ وہ اللہ سبحانہ کی قدرت، مشیئت تامہ اور اسی

اس حکمت کاملہ کے مثبت ہیں۔ جو اس کے افعال کی غایت ہے۔ اور انھوں نے اپنے مسلک کو اس کے
اسماء و صفات سے وابستہ اور اُن پر مبنی کیا ہے۔ اور ان کا مسلک ادلۂ عقلیہ و نقلیہ، شرع اور فطرت
کے مطابق ہے اور انھوں نے اس بات پر یقین کیا ہے کہ ہر ایک حکمت کاملہ کا مقتضیٰ اور اس کے لوازم
میں سے ہے۔ اور حق کا لازم ہے اور عدل کا لازم عدل اور حکمت کے لوازم بھی ثابت ہیں پس اس
مقام میں یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک نفس جو ارادہ اور اختیار سے حرکت کرتا ہے دوسری
طبیعت جو بغیر ارادہ اور اختیار کے حرکت کرتی ہے اور شر کا منشا یہ دونو متحرک اور انکی دونو قسم کی
حرکت ہے۔ اور یہ نفس اور طبیعت دونو اس طور پر پیدا کئے گئے ہیں۔ کہ ان سے شر کا صدور ہو سکے
اور یہ دونو اپنے کمال کے حاصل کرنے کیلئے حرکت کرتے ہیں۔ اور انکی حرکت سے خیر اور شر دونو پیدا
ہوتے ہیں جیسا کہ افلاک۔ سورج۔ چاند۔ ہوا۔ پانی اور آگ کی حرکت سے خیر اور شر دونو پیدا ہوتے
ہیں۔ اور ان حرکات سے جو خیرات پیدا ہوتی ہیں انکی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو بذات خود مقصود ہوتی
ہیں۔ دوسری وہ جو دوسرے خیرات کیلئے جو ان سے زیادہ افضل اور اعلیٰ ہیں وسیلہ ہوتی ہیں۔
اور جو شر پیدا ہوتے ہیں وہ مقصود بالذات نہیں ہوتے بلکہ حصول خیرات کیلئے وسائل اور انکے
لوازم ضروریہ ہوتے ہیں اور وہ حرکت جو نفس کی جبلت میں رکھی گئی ہے۔ اس کی ذات کے لوازم میں سے ہے
اور نفس بشریہ اس حرکت کے بدون نفس ہی نہیں ہو سکتا پس اگر کوئی نادان یہ شبہ کرے
کہ نفس کو اس طور پر کیوں پیدا کیا گیا کہ وہ ہر وقت متحرک رہتا ہے تو یہ شبہ بالکل ایسا ہوگا جیسا کوئی یہ
پوچھے کہ نفس کو نفس، آگ کو آگ، ہوا کو ہوا کیوں بنایا گیا غرض اگر نفس کو متحرک نہ بنایا جاتا تو وہ نفس ہی نہ ہوتا اور
ایسے ہی اگر طبیعت کو اس طور پر پیدا نہ کیا جاتا تو وہ طبیعت ہی نہ ہوتی اور اسی طرح اگر انسان کو اس خاص صفت
پر پیدا نہ کیا جاتا تو وہ انسان ہی نہ ہوتا۔ اگر کوئی شخص استفسار کرے کہ نفس کو اس صفت پر کیوں پیدا کیا گیا تو اسکا جواب یہ ہے کہ
اس صفت پر پیدا کرنے میں اسکے وجود کا کمال مقصود ہے لہٰذا اس صفت پر اس کو پیدا کیا۔ اور نیز اس کے
خالق اور پیدا کرنے والے کے کمال کا یہ مقتضیٰ ہے کہ وہ اس صفت پر پیدا کیا جاتا۔ کیونکہ اس میں
وہ حکمتیں ہیں۔ جو اسکے پیدا کرنے والے کے سوا کسی دوسرے کو پوری طرح معلوم نہیں۔ اور اگرچہ اس
نفس کے پیدا کرنے میں کسی قدر شر بھی ہے لیکن اس خیر کلی کی نسبت جو اس کے ایجاد کا باعث ہے یہ
شر بہت قلیل اور جزوی ہے اور اس کا وجود اسکے عدم سے بہتر ہے اور اگر اس صفت پر پیدا نہ کیا جاتا
تو سلسلہ وجود میں نقص ہوتا اور وہ مصالح عظیمہ اور حکمتیں جو اسکے اس صفت پر پیدا کرنے پر موقوف ہیں
فوت ہو جاتیں اور اسی لئے جب ملائکہ نے انسان کے پیدا کرنے کی نسبت اعتراض کیا اور یوں

کما أتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء کہا تو زمین میں ایسے شخص کو نائب بناتا ہے جو اس میں فساد پھیلاوے اور خونریزیاں کرے، تو اللہ سبحانہ نے انکو یہ جواب دیا کہ اسکے پیدا کرنے میں وہ حکمتیں اور مصالح ہیں جو تم کو معلوم نہیں انکو صرف میں ہی جانتا ہوں اور جب ملائکہ ایسے انسان کے پیدا کرنے کے مصالح اور حکمتوں سے ناواقف ہیں جو زمین میں فساد اور خونریزی کریگا تو دوسرے لوگ تو بطریق اولیٰ اسکے مصالح اور حکمتوں سے بے خبر ہونگے۔ غرض انسان کا پیدا کرنا اللہ سبحانہ کی کمال رحمت۔ حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے اور اگرچہ اس کا وجود شر کو مستلزم ہے مگر یہ شر اس خیر کی نسبت جو اس کے پیدا کرنے میں موجود ہے نہایت قلیل اور کالعدم ہے جیسا کہ بارش برسنے۔ برف پڑنے۔ ہواؤں کے چلنے۔ آفتاب کے طلوع کرنے اور اُگانے نباتات۔ پہاڑوں اور دریاؤں کے پیدا کرنے میں خیر کثیر موجود ہے اور ان چیزوں میں کسی قدر شر بھی پایا جاتا ہے مگر اس خیر کثیر کے مقابل یہ شر کالعدم ہے۔ اور یہ حکمتیں۔ مصالح۔ خیر کثیر اور شر قلیل جس طرح سلسلۂ خلق میں موجود ہیں اسی طرح سلسلۂ امر شریعت اور دین کی بھی یہی حالت ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے جن اعمال صالح کا امر فرمایا ہے انکی خیر اور مصلحت انکے شر پر غالب اور راجح ہے اور وہ قلیل شر جو ان میں موجود ہے وہ بہ نسبت خیر کے کالعدم ہے اور جن اعمال اور اقوال قبیحہ سے منع فرمایا ہے اُن کا شر اور مفسدہ انکے خیر پر غالب ہے اور وہ قلیل خیر جو ان میں موجود ہے وہ بہ نسبت شر کے کالعدم ہے۔ غرض سلسلۂ خلق اور امر میں اللہ سبحانہ کی عادت اسطرح جاری ہے کہ وہ اُن چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن میں خیر خالص یا خیر راجح موجود ہو اور اسی طرح اُن کاموں کا امر فرماتا ہے جو محض خیر ہوں یا اُن میں خیر غالب ہو۔ پس جب خیر اور شر کے اسباب متناقض ہوں اور نقیضین کو جمع کرنا محال ہے تو اُن اسباب کو پیدا کرتا ہے جن میں خیر غالب ہو اور اسباب راجحہ کو مرجوحہ پر مقدم کرتا ہے اور اس صورت میں اسباب مرجوحہ کے پیدا کرنے میں کوئی شر نہیں۔ اور جن اسباب میں شر غالب ہو انکو ان اسباب کے پیدا کرنے سے جن میں خیر کم اور مرجوح ہو دفع کر دیتا ہے اور اس طرح ایسے اسباب کے پیدا کرنے میں جن میں نہایت قلیل شر موجود ہے بہ نسبت اُس شر کے جو ان کے ذریعہ سے دفع ہوتی کوئی شر نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح سلسلۂ امر اور شرع میں بھی اُس کی یہی عادت ہے کہ خیر راجح کو مقدم فرماتا ہے گو اسکے ضمن میں کچھ قلیل شر بھی موجود ہو اور شر راجح کو معطل فرماتا ہے اگرچہ اُس کے معطل کرنے میں کسی قدر خیر قلیل فوت کیوں نہ ہو۔ تمام چیزوں کی نسبت جن کو آسمان و زمین میں پیدا کرتا اور جملہ اوامر و نواہی میں اُس کا یہی دستور ہے۔ اور آخرت میں بھی یہی طریقہ جاری فرمائیگا۔ غرض اللہ سبحانہ نے ہر ایک چیز کی خلقت کو احسن طور پر پیدا کیا اور اپنے تمام

مصنوعات کو استحکام اور مضبوطی سے بنایا ہے ولا س بات کو مجملاً تمام وہ لوگ جانتے ہیں جو اللہ سبحانہٗ کی ہستی کے قائل اور اسکی ذات وصفات کا اعتقاد رکھتے ہیں گو اس بات کے علی التفصیل جانتے میں ان کے مدارج مختلف ہیں۔ جب یہ بات معلوم ہو چکی تو اب ہم اصل جواب کی طرف رجوع کرتے اور یوں کہتے ہیں کہ یہ بات کہ آلام اور تکالیف [illegible] یا تو مقتضیٰ احسان اور رحمت یا عدل اور حکمت یا کسی خیر کے حصول کے لئے ذریعہ اور وسیلہ ہوتے ہیں جو ان تکالیف سے حاصل ہوتی ہے یا کسی ایسی تکالیف کے دفعیہ کے لئے ہوتے ہیں۔ جو ان سے زیادہ [illegible] اور دشوار ہو یا ایسے لذات اور نعمتوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ جن کو ایسا امر لازم ہوتا ہے جو ان کا موجب اور باعث ہے یا عدل یا فضل اور احسان کے لوازم میں سے ہوتے ہیں۔ پس اگر ان تکالیف کو جو اس خیر کے لوازم سے ہوتے ہیں معطل کیا جاتا۔ تو ایک بہت بڑی خیر جو انکی ملزوم اور ان کے فساد کی نسبت بہتر تھی۔ فوت ہو جاتی۔ شرع اور تقدیر اس بات پر سچے شاہد ہیں۔ دیکھو کہ آفتاب کے طلوع میں اگرچہ بیشمار منافع موجود ہیں۔ مگر ساتھ ہی اس کے کئی مسافروں اور غریب مزدوروں کو تکلیف بھی ہوتی ہے۔ اور اسی طرح مینہ کے برسنے اور برف پڑنے میں کس قدر فوائد ہیں۔ مگر باوجود اسکے ان میں کئی ضرر اور تکلیفیں بھی موجود ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اذی (تکلیف) کے نام سے موسوم فرمایا ہے ان کان بکم اذی من مطر (اگر تم لوگوں کو مینہ کی وجہ سے کچھ تکلیف ہو) اور اسی طرح گرمی سردی اور ہواؤں میں وانکے بیشمار منافع کے ساتھ بہت سے ضرر موجود ہیں جو حیوانات کے انواع کیلئے طرح طرح کے درد و تکلیف کے موجب اور باعث ہیں۔ دنیا کی عمدہ اور بہت لذیذ لذتیں کھانے۔ پینے۔ نکاح۔ لباس اور ریاست میں منحصر ہیں۔ اور اکثر بلکہ تمام بیماریاں۔ دکھ اور تکلیفیں انہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ انسانی کمالات مثلاً علم۔ شجاعت۔ زہد۔ عفت۔ حلم۔ مروت۔ صبر۔ احسان تکالیف اور مشقتوں کے برداشت کئے بغیر حاصل ہی نہیں ہوسکتے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

لولا المشقۃ ساد الناس کلھم الجود یفقر والاقدام قتال

(اگر سرداری حاصل کرنے میں کوئی تکلیف و مشقت نہ ہوتی تو سب کے سب آدمی سرداری کا مرتبہ حاصل کر لیتے لیکن (غضب تو یہ ہے کہ) سخاوت فقیر بنا دیتی اور بہادری ہلاک کر ڈالتی ہے (پس اس قسم کی مصیبتوں کے پیش آنیکا خیال سرداری کے حاصل کرنے سے روک دیتا ہے) اور جب کہ تکالیف اور آلام ایسے لذات کے حصول کے اسباب اور ذرائع ہوں۔ جو ان کی کلفت برداشت کرنے کی نسبت ہزار ہا درجہ اچھے اور دائم و پائدار ہوں۔ تو عقل مقتضی یہ ہے کہ ایسے تکالیف کو خوشی اور شوق سے

برداشت کیا جائے۔ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بہت سے دکھ اور بیماریاں صحت کا سبب اور ذریعہ ہو جاتی ہیں۔ اگر وہ بیماریاں نہ ہوتیں تو مریض کو صحت حاصل نہ ہوتی۔ بدن کی بہت سی بیماریوں کی یہی کیفیت ہے۔ مثلاً شمی (تپ) کہ اسمیں بدن کے لئے بے حد منافع موجود ہیں۔ جو پورے طور پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ مثلاً اس میں بدن کے فضلات پگھل جاتے اور خام مواد پختہ ہو جاتے اور فاسد مادوں کو ایسی جگہ سے نکال دیتا ہے۔ جہاں کوئی دوسری دوا انہیں پہنچ سکتی بہت سے ایسے امراض ہیں کہ جب ان کے بیمار کو بخار آجاتا ہے۔ تو طبیب خوش ہوتا اور یہ سمجھتا ہے کہ اب یہ بیمار اچھا ہو جائیگا۔ اور وہ فوائد اور منافع جو ان امراض اور آلام سے روح اور قلب کو حاصل ہوتے ہیں۔ انکو وہی لوگ محسوس کرسکتے ہیں جن کے دل زندہ ہوں۔ بلکہ قلوب اور ارواح کی صحت ابدان کی بیماریوں اور تکالیف پر موقوف ہے بعض اہل علم نے امراض کے سو سے زیادہ فوائد بیان کئے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ نے سب سے افضل اور اعلیٰ لذت یعنی جنت کو طرح طرح کی تکالیف سے محجوب فرمایا اور مشقتوں اور مکارہ کے برداشت کرنے کو اس کی طرف راستہ ٹھیرایا ہے جس طرح کہ سب سے بڑی تکلیف یعنی دوزخ کو لذت اور شہوات سے گھیرا اور لذات و شہوات میں مشغول ہونے کو اس کا راستہ قرار دیا ہے۔ اور اسی واسطے تمام عقلا کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ آرام اور خوشی آرام اور خوشی کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہوتے۔ اور جو شخص سردست اور موجودہ لذات کو اختیار کرتا ہے تو وہ آئندہ لذات سے محروم رہتا ہے۔ پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ آلام۔ امراض اور تکالیف بڑی عظیم الشان نعمت ہیں۔ کیونکہ یہ آئندہ نعمتوں کے حصول کا ذریعہ اور سبب ہیں۔ اور وہ تکالیف جو حیوانات غیر مکلف کو پیش آتی ہیں۔ وہ انکے مصالح و منافع کے لحاظ سے نہایت قلیل اور کالعدم ہیں۔ مثلاً موسم گرما میں گرمی موسم سردی میں جاڑے مینہ برسنے۔ برف کے پڑنے حملہ آور ہونے بچہ جننے اور طلب روزی میں دوڑ دھوپ کرنے سے حیوانات کو دکھ اور تکلیف پہنچتی ہے۔ لیکن انکو جو لذات حاصل ہیں وہ ان سے کئی گنے زیادہ ہیں۔ اور وہ منافع و خیرات جو انکے حصے میں آتے ہیں شرور اور آلام سے بہت ہی زیادہ ہیں۔ خلق اور امر کے باب میں اللہ سبحانہ کا وہی دستور جاری ہے جو اس کے کمال علم حکمت اور قدرت کا مقتضی ہے۔ اور اگر تمام عقلاء ملکر اس سے کوئی اچھا طریقہ نکالنا چاہیں۔ تو ہرگز کبھی نہ نکال سکینگے۔ اور ہر ایک کو یہ آواز آئیگی کہ ہمارے انتظام پر دوبارہ نگاہ عقل ڈالو۔ اور دیکھو کہ کوئی خلل نظر آتا ہے ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ (پھر بار بار نظر کر نتیجہ یہی ہوگا کہ تیری نظر کھسیانی ہو کر تھکی ہاری الٹی لوٹ آئیگی) اللہ سبحانہ کی وہ بابرکت ذات

ہے جس نے اپنے کمال حکمت اور قدرت سے اشیاء کو انکے اضداد سے نکالا اور پیدا کیا ہے۔ زندے
کو مردے سے۔ مردے کو زندے سے۔ رطب کو یابس سے اور یابس کو رطب سے پیدا کیا ہے
اور اسی طرح لذات کو آلام سے اور آلام کو لذات سے اور سب سے عمدہ اور اعلیٰ لذت یعنی جنت
آلام کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔ اور سب سے بڑی تکلیف اور سخت مصیبت یعنی دوزخ لذات کا نتیجہ اور ثمرہ
ہے اور اس دنیا میں جو کہ بیابان محنتوں اور مصیبتوں کا گھر ہے خیرات۔ نعمتیں۔ عافیت۔ حکمت
اور مصلحت اپنے اضداد سے کئی درجے زیادہ موجود ہیں حیوانات کے تکالیف اور آلام انکے لذات سے
بہت ہی کم ہیں اور بیماری بہ نسبت صحت کے بھوک اور پیاس بہ نسبت سیری اور سیرابی کے اور کلفت
بہ نسبت آرام کے بہت ہی کم ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ
الْعُسْرِ يُسْرًا (سو بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے) اور ایک عسر دو یسر
پر کبھی غالب نہیں ہو سکتا۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی رحمت اسکے غضب پر غالب اور اسکا عفو
عقوبت سے سابق اور اسکی نعمت عذاب سے مقدم ہے اور خیر اس کے صفات اور افعال میں متحقق
ہے اور شر کا وجود صرف مفعولات میں ہے اسکے افعال شر سے پاک ہیں اور اسکے تمام اوصاف باعث
کمال اور اسکے جملہ افعال خیرات ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حیوانات کے دکھ اور درد میں یا تو یہ مصلحت
ملحوظ ہوتی ہے کہ تھوڑے سے دکھ اور درد کے ذریعہ سے ایک سخت تکلیف اور مصیبت
سے بچایا جاتا یا اس دکھ اور درد کو قوت صحت اور کمال کا وسیلہ بنایا جاتا ہے یا اس کے
عوض وہ نعمت تیار کی جاتی ہے کہ جس کے مقابل اس دکھ اور درد کی کوئی حقیقت اور ہستی نہیں
ہوتی کیونکہ دنیا کے تمام مصائب اور آلام کو آخرت کے لذات اور خیرات سے وہ نسبت بھی نہیں
جو ایک ذرہ کو دنیا کے تمام پہاڑوں سے ہے۔ اور اسی طرح دنیا کے تمام لذات آخرت کے
تکالیف اور آلام سے کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ اور اللہ سبحانہ نے لذات اور آلام میں سے کسی
چیز کو بیکار نہیں پیدا کیا اور انکو فضول نہیں بنایا۔ اور یہ اسکی کمال قدرت اور حکمت ہے کہ ہر ایک
کو دوسرے کا ثمرہ بنایا ہے۔ اور چونکہ آلام و لذات حیوانات کی خلقت کے لوازم میں سے ہیں۔
اور لوازم خلقت کا زائل اور معدوم ہونا محال ہے جیسا کہ مخلوق سے فقر۔ حاجت اور نقص کا
زوال ناممکن ہے۔ مخلوق میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ سبحانہ کی محتاج اور فقیر اور زوال پذیر
علم اور قدرت میں ناقص نہ ہو۔ لہذا حیوانات کے لئے آلام اور تکالیف کا ہونا ضروری ہے۔
پس اگر نوع انسان یا حیوانات کی کوئی دوسری نوع ایسی ہوتی۔ کہ عالم کون و فساد یعنی دنیا

ہیں اُسے جبکہ پیٹ بھرنے کی تنگی ہو اور اُسے کوئی درد و تکلیف نہ ہوتا تو وہ حیوانات کی جنس سے نہ ہوتی - اور یہ دنیا بقا اور لذت کا محل گھر ہو جاتا اور اللہ سبحانہ نے اسکو بقاء اور لذت کے گھر کا مقام نہیں بنایا - بلکہ اپنی حکمت کاملہ سے اُسکو ایک ایسا مقام بنایا ہے جس کا دکھ راحت سے ملا ہوا - خوشی غم کے ساتھ اور صحت مرض کے ساتھ مخلوط رہے ۔

فصل - چونکہ آلام دکھ اور مصائب ارواح اور ابدان دونو کے لئے دوا اور علاج ہیں - لہذا یہ حیوانات خصوصًا نوع انسانی کے لئے باعث کمال ہیں - اُس کا خالق اور پیدا کرنے والا اسلئے اس کو بیمار کرتا ہے تاکہ اُس کو شفا بخشے اور مصیبت میں اسلئے مبتلا کرتا ہے کہ اُس کو عافیت اور آرام عطا فرمائے اور موت کو اسلئے بنایا ہے کہ زندہ کرکے اس پر اپنا انعام و اکرام ظاہر فرمائے اور حیات ابدی یا دوامی بخشے - اور وہ تمام حیوانات اور اسی طرح انسان کو ان کے کمال کے مراتب میں درجہ بدرجہ پہنچاتا ہے - یہاں تک کہ آخر کمالات تک پہنچتے ہیں - اور ان کمالات کے حاصل کرنے کے لئے ایسے اسباب بنا دئے ہیں - کہ جن کے بدون انکا حصول ناممکن ہے اور وہ اسباب انکے کمال کے حصول کے لئے موقوف علیہ اور اُس کے لوازم میں سے ہیں - اور ظاہر ہے کہ ملزوم کا بدون لازم موجود ہونا محال ہے جیسا کہ مخلوق کا حاجت فقر نقص اور انکے لوازم اور لوازم لوازم کے بدون موجود ہونا محال ہے - لیکن اکثر لوگ اللہ سبحانہ کی ذات - اُسکی حکمت - علم اور اُس کے کمال سے بے خبر ہیں - اور بہت سے ممتنع اور محال امور کو فرض کرکے اور اپنے ذہن میں قرار دیکر یوں کہتے ہیں - کہ موجودہ نظام الٰہی کی بہ نسبت ان امور کا موجود ہوتا انتظام عالم کے لئے اچھا اور اُسکے کمال کا باعث ہے اللہ رحیم کی رحمت کی شان دیکھو کہ وہ اُنکی جہالت - عاجزی - نقص عقل اور ایسے خیالات کرنے پر بھی اُن پر رحم فرماتا ہے - اگر وہ اپنی جہالت - عاجزی اور نقصان عقل اور اللہ سبحانہ کے کمال اور اسکی محمودیت کا اقرار کرتے اور اس اعتراف و اقرار پر ثابت قدم اور مستقیم ہو جاتے تو اللہ سبحانہ کی رحمت سے حظ وافر کے مستحق ہوتے - اور اللہ سبحانہ نے سلسلۂ خلق کو حمد کے ساتھ شروع فرمایا اور اس عالم کے انتظام کو حمد کے ساتھ ہی ختم کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ہر قسم کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا اور زمین کو۔ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (اور لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیا جائیگا اور [illegible] ہوا

کر آخر کار ہر طرف سے یہی صدا دبلند ہوگی کہ سب تعریفیں خدا کو (سزاوار) ہیں جو تمام جہان کا پروردگار
ہے" اور اپنی کتاب کو حمد کے ساتھ نازل فرمایا۔ اور دین کو حمد کے ساتھ مشروع کیا۔ اور ثواب
وعقاب کو حمد کے ساتھ مقرر کیا ہے۔ اور حمد اسکی ذات مقدس کے لوازم میں سے ہے اور
اس کا محمود ہونا ضروری ہے۔ اور حمد ہی سلسلہ خلق کا سبب اور اسکی غایت ہے۔ اور وہ
اسکی موجب ہے اور اسی کے واسطے اس کا ایجاد ہوا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کی حمد ان سب
چیزوں میں موجود ہے جن کو اس کا علم اور رحمت محیط اور حاوی ہیں۔ اور اس کا علم اور رحمت تو سب
چیزوں کو حاوی اور محیط ہے۔ پس ایسی کوئی چیز موجود۔ مقدر اور مشروع نہیں جو اس کی حمد کو
متضمن نہ ہو اور حمد کے لئے اسکو موجود۔ مقدر یا مشروع نہ کیا ہو۔ اور سلسلہ خلق اور امر کی
ہر ایک چیز غایت محمودہ کو متضمن ہے۔ اور ان غایات کے لوازم اور لوازم لوازم کا موجود ہونا
ضروری ہے اور اسی واسطے آسمان۔ زمین اور انکے مابین کو اور نیز ان چیزوں کو جو آئندہ
پیدا کریگا سب کو اسکی حمد بھر سکتی ہے بلکہ انکے بھرنے کے بعد پھر بھی وسیع رہتی ہے۔ اور
اللہ سبحانہ کی حمد کئی قسم پر ہے۔ ایک حمد اسکی ربوبیت پر ہے۔ دوسری حمد ربوبیت کے
ساتھ متفرد اور یگانہ ہونے پر۔ تیسری حمد اسکی الوہیت اور اسکے ساتھ متفرد اور یکتا ہونے
پر۔ چوتھی حمد اسکی نعمتوں پر۔ پانچویں حمد اسکے احسان پر۔ چھٹی حمد اسکی حکمت پر۔ ساتویں حمد
اپنے مخلوق میں عدل وانصاف کرنے پر۔ آٹھویں حمد اولاد۔ شرکا اور مددگاروں سے مستغنی ہونے
پر۔ نویں حمد اسکے اس کمال پر جو اس کے سوا کسی دوسرے کے لئے لائق نہیں پس وہ ہر حال
آن اور نفس میں اور اپنے جملہ افعال مشروعات صفات اور تمام ان چیزوں پر جن سے وہ منزہ
ہے۔ اور خیر۔ شر۔ لذت۔ الم۔ عافیت۔ بلا وغیرہ جو کچھ سلسلہ ہستی میں موجود ہے سب
پر محمود ہے۔ اور جس طرح کہ تمام ملک اسی کا ہے۔ اور سب قدرت۔ عزت۔ علم اور جمال
اسی کے لئے حاصل ہے۔ اسی طرح تمام حمد بھی اسی کے واسطے ثابت ہے جیسا کہ اس دعا
میں وارد ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ
کُلُّهٗ وَلَکَ الْمُلْکُ کُلُّهٗ الخ۔ یعنی اے اللہ تمام محامد کی مستحق صرف تیری ہی
ذات مقدس ہے۔ اور سب ملک تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور جملہ خیرات تیرے ہی اختیار
میں ہیں۔ اور سب امور کا مرجع اور مآل تیری ہی طرف ہے۔ اور صرف ایک تو ہی لائق حمد
ہے۔ اور دنیا بہشت اور دوزخ سب کچھ تیری حمد ہی سے آباد ہے۔ یہاں تک کہ

اہلِ دوزخ بھی اللہ سبحانہ کی حمد کرینگے۔ حسن بصریؒ کا قول ہے کہ دوزخی دوزخ میں داخل ہونگے اور اُن کے دل اللہ سبحانہ کی حمد کرتے ہونگے۔ اور اُس کے انکار کے لئے اُنکو کوئی حجت یا راستہ نہیں ملیگا ۔

فصل ۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ دوزخ کے اُس عذاب شدید سے کونسی لذت اور خیر پیدا ہو گی۔ کہ دائم اور غیر منقطع ہوگا۔ اور کبھی اُس میں کمی نہ ہوگی۔ بلکہ ابدالآباد اور ہمیشہ دوزخیوں کا یہ حال رہیگا۔ کہ جب اُن کے چمڑے جل جائینگے تو پھر نئے سرے سے اُنکے اور چمڑے بدل دئے جائینگے۔ اور اس عذاب کا کبھی خاتمہ نہ ہوگا۔ در نہ اُنکے لئے موت ہوگی اور ایک لحمہ بھر اُن کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی۔ تو اس کا یہ جواب ہے۔ کہ یہ ایسا سوال ہے کہ آدمیوں کے دل تو بجائے خود اس سے پہاڑ ہل جاتے ہیں اور اسی شبہ کی وجہ سے منکرین حکمت نے اللہ عزیز حکیم کی حکمت کا انکار کیا اور تمام امور کو اللہ سبحانہ کی اُس مشیت محضہ سے وابستہ کیا ہے جس کے لئے نہ کوئی سبب ہے اور نہ کوئی غایت۔ اور اُنہوں نے اس بات کو جائز رکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ چاہے تو اپنے فرمانبردار اور پیارے بندوں کو عذاب میں مبتلا کرے۔ اور اُنکو دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں جگہ دے۔ اور اپنے دشمنوں مشرکین پر انعام و اکرام فرمائے اور انکو ہمیشہ جنت کے اعلےٰ درجے میں بلند مراتب عطا فرمائے۔ اور جس کو چاہے بغیر کسی سبب اور عمل کے دوزخ میں داخل کرے۔ اور اہلِ دوزخ کے اعمال کی مساوات کی صورت میں چاہے۔ تو اُنکو مختلف مقامات میں رکھے اور اعمال میں تفاوت ہونے کی صورت میں چاہے تو سب کے عذاب میں مساوات کرے۔ اور کسی کے گناہ کے عوض دوسرے کو عذاب میں گرفتار کرے۔ کسی نیکوکار کی سب نیکیاں باطل کر دے۔ اور اُسکو اُن کا کوئی عوض اور بدلہ نہ دے یا اُن کا ثواب اور بدلہ دوسرے شخص کو دیدے۔ اللہ سبحانہ کی مشیت یہ سب کام جائز ہیں۔ اور ان کا وقوع صرف اسلئے محال ہے کہ اُس نے بیان فرما دیا ہے کہ وہ ایسا نہیں کریگا۔ اور چونکہ اُس کی خبر صادق ہے۔ لہذا اُن کا وقوع نا جائز ہے۔ اور اُس کی ذات مشیت اور قدرت کے لحاظ سے اُن کا وقوع اور عدم وقوع دونو یکساں ہیں۔ اور اُن کا یہ قول ہے کہ اس اصول کے بدوں اس شبہ سے خلاصی نہیں ہوسکتی۔ اور یہ لوگ بسا اوقات ظاہر آیات سے استدلال کرتے اور اُنکو اپنے موقع اور محل پر نہیں رکھتے اور عدل اور حکمت کے ادلہ کے درمیان تطبیق۔ اور امور کو اُنکے اسباب سے وابستہ اور

اُن پر مترتب کرتے اور موازنہ اور مقابلہ کئے آثار کا لحاظ نہیں کرتے۔ اسی طرح کہ اُنہوں نے اللہ سبحانہ کو ایسے اوصاف کے ساتھ موصوف کرنے میں جو اُس کی شان کے لائق نہیں غلطی کی ہے اور اُس کی نسبت اُن امور کو جائز رکھا ہے جو اُسکی نسبت جائز نہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کے سمجھنے میں بھی غلطی پر ہیں۔ اور فرقہ قدریہ نے جو اسباب اور حکمتوں کے قائل ہیں۔ اِن کا مقابلہ کیا اور یوں سمجھا کہ حکمت و تعلیل کے قول کی وجہ سے وہ اس قبیح قول سے بچ جائینگے۔ مگر وہ ایک اسی قسم کی خرابی بلکہ اس زیادہ خرابی میں پڑے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جو شخص اپنی تمام عمر اللہ سبحانہ کی عبادت و طاعت میں گذارے اور آخر عمر میں اُس سے ایک گناہ کبیرہ سرزد ہو جائے۔ جس سے اُس نے مرنے سے پہلے توبہ نہ کی ہو تو اللہ سبحانہ پر واجب ہے کہ ایسے شخص کو کفار کے ساتھ ہمیشہ ابدالآباد دوزخ میں رکھے۔ قدریہ ایسے شخص کی کسی عبادت اور اسلام کا بالکل لحاظ نہیں کرتے۔ اس مذہب میں قدریہ کا قول اپنے بھائیوں جبریہ سے بھی زیادہ بُرا ہے کیونکہ وہ اس حکم کو اللہ سبحانہ پر واجب نہیں کرتے۔ بلکہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ایسا کرنا اور نہ کرنا دونوں باتیں اللہ سبحانہ کی نسبت جائز ہیں اور ایسا کرنا اُس کی مشیت پر موقوف ہے اور وہ اس میں مختار ہے۔ اور قدریہ یوں کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ پر واجب ہے کہ اہل کبائر کو کفار کے ساتھ ہمیشہ دوزخ میں رکھے۔ اور اللہ سبحانہ کو یہ جائز نہیں کہ اُنکو دوزخ سے نکالکر بہشت میں داخل کرے۔ اور اُنہوں نے بھی قرآن حدیث کے سمجھنے اور اللہ سبحانہ کی نسبت ایسے امور قرار دینے میں جو نا جائز ہیں ایسی ہی غلطی کھائی ہے جیسے کہ جبریہ اس باب میں غلطی پر ہیں۔ اور اُن لوگوں نے جن کو عقل سلیم اور علم صحیح سے حصہ ملا ہے جب یہ سوچا کہ جبریہ اور قدریہ کے عقائد تو وہی گمراہی ہے جس کو انبیاء علیہم السلام نے اپنی ہدایت سے مٹایا ہے اور وہ یہ سمجھے کہ ایسا ہونا اللہ سبحانہ کی حکمت۔ رحمت۔ عدل۔ اور مصلحت کے خلاف ہے تو اُنہوں نے اُن آیات و احادیث کے معانی کے متعلق جن کے ظاہر سے یہ استدلال کرتے تھے۔ یوں کہا کہ اُنکے ظاہر معانی درحقیقت مراد نہیں۔ بلکہ اُن سے انداز اور خوف دلانا مقصود ہے۔ تاکہ نفوس جن میں قوی بہیمیہ رکھے گئے ہیں۔ اپنی شہوات اور ظلم و تعدی سے باز آجائیں اور اس طرح سلسلہ ہستی کا انتظام ٹھیک ہو جائے۔ قدریہ وغیرہ گمراہ فرقوں کے الحاد و الحاد فی اللہ سبحانہ اور دن آخرت کے ساتھ کفر کرنے کا بڑا سبب یہ ہے۔ کہ اُنہوں نے اپنے مذہب باطلہ اور اقوال فاسدہ کو انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کیا۔ اور یوں کہا ہے۔ کہ

انبیاء علیہم السلام نے ان عقائد پر ایمان لانے کی تعلیم فرمائی ہے جیسا کہ مسئلہ حدوث عالم میں
ان سب کو غلطی پیش آئی ہے۔ انہوں نے لوگوں کو یہ بتلایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ تعلیم ہے
کہ اللہ سبحانہ ازل میں افعال سے معطل تھا اور اس سے افعال کا صدور ناممکن تھا۔ پھر بغیر کسی
سبب اور امر کے پیدا ہونے کے جو فاعل کے ساتھ قائم ہو صدور افعال کی محالیت امکان
ذاتی کی طرف منقلب ہوگئی۔ ان کا یہ بھی قول ہے کہ جو شخص اس عقیدہ پر ایمان نہ لائے تو
وہ مومن اور انبیاء علیہم السلام کا مصدق نہیں ہے۔ اور اس کے متعلق انکے یہ عقاید ہیں۔ اور معاد
کے باب میں وہ ہیں جو اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ ان کے بعد ایک اور فرقہ پیدا ہوا جس نے
خلق اور امر کے سلسلہ کا بالکل انکار کر دیا اور کہا کہ یہ سب کچھ دھوکا ہی ہے۔ اور خلق اور امر
کے سلسلہ کا وجود محال ہے سلسلہ ہستی میں کسی چیز کا وجود نہیں بلکہ یہاں جتنی چیزیں
بظاہر نظر آتی ہیں۔ درحقیقت وہ صرف ایک ہی وجود ہے۔ خالق و مخلوق۔ رب و مربوب اور
طاعت و معصیت کوئی دو چیزیں نہیں۔ بلکہ تمام اشیاء ایک ہی چیز ہیں۔ صرف وہم اور خیال
انکو الگ الگ سمجھتے ہیں۔ ورنہ درحقیقت آسمان و زمین دنیا و آخرت۔ ازل و ابد اور حسن و
قبیح سب ایک ہی چیز ہیں اور سب کا منبع اور چشمہ ایک ہے۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر یوں کہا
کہ صرف ایک ہی چشمہ موجود ہے اور دوسری کسی چیز کا وجود ہی نہیں پھر اور لوگ پیدا ہوئے
جو ان چار گروہ یعنی قدریہ۔ جبریہ۔ وحدت وجود اور منکرین حکمت و تعلیل کے اقوال اور مذاہب
کی تقلید کرنے لگے۔ اور اسطرح دین میں ایک بڑی آفت اور سخت مصیبت پیدا ہوگئی۔
اور جو لوگ اپنے آپ کو صاحب عقل سمجھتے ہیں وہ زندیق اور ملحد ہو گئے۔ اور جو لوگ ان کے
زعم میں کم عقل اور بے سمجھ ہیں۔ اور درحقیقت وہی عقلمند اور شریعت کے متبع ہیں۔ وہ اس
آفت سے بچ رہے۔ اور یہ چاروں گروہ عقل اور شرع سے بالکل علیحدہ ہیں اور انکے مذہب عقل
اور شرع سے بہت دور ہیں۔ پس ہم اللہ سبحانہ کی توفیق سے یوں کہتے ہیں اور ہم ہر حال
میں اسی سے مدد مانگتے اور اسی پر بھروسا کرتے ہیں کہ قرآن۔ حدیث۔ فطرت اور ادلہ عقلیہ
اس بات پر شاہد ہیں کہ اللہ سبحانہ نے آسمان۔ زمین اور جو کچھ ان میں موجود ہے سب کو حق کے
ساتھ پیدا کیا ہے اور کسی چیز کو بیکار اور فضول نہیں پیدا کیا۔ عالم علوی اور سفلی اور جو کچھ ان میں
موجود ہے سب کو اس حق کے ساتھ پیدا کیا ہے جو اسکی صفت۔ اسم اور اس کا قول و فعل
ہے۔ اور اس کی ذات حق مبین ہے۔ پس سوائے حق کے کوئی چیز اس سے صادر نہیں ہوتی۔

وہ جو کچھ فرماتا اور کرتا ہے سب حق ہے اور اسکے سب احکام حق ہیں۔ اور اسی طرح اس کا اپنے بندوں
کو سزا اور جزا دینا سب حق ہے۔ اور باطل کو اسکی طرف نسبت کرنا جائز نہیں۔ بلکہ باطل وہ چیز ہے
جو اسکی طرف منسوب نہ ہو جیسے ناجائز حکم اور وہ باطل دین جسکی اس نے اجازت نہ دی ہو۔ اور
اس کو اپنے رسولوں کی زبانی مشروع و مقرر نہ فرمایا ہو۔ اور اس کے سوا تمام معبود باطل ہیں عبادت
کے مستحق اور لائق نہیں۔ پس انکی عبادت باطل اور انکو پکارنا سراسر غلطی ہے۔ اور قول باطل وہ
ہے جو کذب اور جھوٹ ہو اور جس کو حق موجود سے تعلق نہ ہو بلکہ وہ ایک ایسی باطل چیز سے متعلق
ہو جس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔ اور اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو صرف اپنی عبادت اور معرفت کے
لئے پیدا کیا ہے۔ اور تمام عبادتوں کی جڑ اور اصل یہ ہے کہ بندہ اپنے مالک کی نعمتوں اور اس
کے کمال وجلال پر اس سے محبت رکھے۔ اور یہ محبت ایک فطری امر ہے جو اللہ سبحانہ نے
اپنی مخلوق کی جبلت میں رکھدیا ہے اور یہی اسکی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا
ہے جس طرح کہ انکی فطرت میں یہ بات رکھدی ہے کہ سب اس کی ہستی اور وجود کا اقرار کرتے
ہیں چنانچہ انبیاء علیہم السلام نے تبلیغ احکام کے وقت اپنی امتوں سے یہی بات کہی ہے أَفِي
اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (کیا تم کو خدا کے ہونے میں شک ہے جو آسمان اور
زمین کا بنانے والا ہے) غرض اللہ سبحانہ کی معرفت اور توحید مخلوق کی فطرت میں داخل ہے۔
اور اگر ہر ایک آدمی کو اس کی اصلی فطرت پر چھوڑا جائے (اور وہ بری تعلیم کے اثر سے محفوظ رہے)
تو وہ اللہ سبحانہ کی معرفت پر قائم اور وحدہ لاشریک لہ کی عبادت پر ثابت قدم ہو۔ اور یہ فطرت
ایک خلقی امر ہے جو ہر ایک کی خلقت میں داخل ہے اور اللہ سبحانہ کی فطرت کو کوئی بدل نہیں سکتا۔
بہت عرصے تک لوگ اسی فطرت پر قائم تھے۔ اور مدت دراز کے بعد کچھ ایسے عوارض اور اسباب
پیدا ہوئے جو انکے طبائع کے فساد کا موجب اور صحت و استقامت سے خارج ہونے
کا باعث ہوئے جسطرح تندرست اور صحیح بدن اور معتدل مزاج کو ایسے عوارض لاحق ہوتے ہیں
جو اسکو صحت اور اعتدال سے نکال کر مریض اور بیمار بنادیتے ہیں۔ اور جب لوگ بگڑنے لگے۔ تو
اللہ سبحانہ نے اپنے رسولوں کو بھیجا کہ وہ لوگوں کو ان کی اصلی فطرت کی طرف لائیں۔ پس انبیاء علیہم السلام
کے اتباع اور انقیاد کے لحاظ سے لوگوں کے تین فریق ہوئے۔ ایک فریق نے تو انکی ہدایت کو دل
وجان سے قبول کیا اور پورے طور پر ان کا اتباع اور پیروی اختیار کی۔ سو یہ اپنی اصلی فطرت
پر آگئے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے بدولت انکے علم نافع اور عمل صالح میں ترقی اور کمال پیدا ہوا

اور فطرت کو ملنے کے ساتھ کمالات علمی اور عملی منضم ہونے سے نور علیٰ نور کا مصداق ہو گئے۔ اور یہ
لوگ آخرت میں کسی سزا یا تادیب کے محتاج نہیں اور نہ یہ ضرورت ہے۔ کہ اُن کو آگ میں داخل
کر کے انکے فضلات خبیثہ کو جلایا اور انکو میل کچیل سے پاک اور صاف کیا جائے۔ کیونکہ
یہ لوگ انبیا علیہم السلام کی پورے طور پر پیروی اختیار کرنے کے بدولت تمام آلائشوں سے
دنیا ہی میں صاف اور ستھرے ہو گئے ہیں۔ اور ایک فریق نے نہ تو پورے طور پر اتباع اختیار
کیا اور نہ بالکل انکار کیا اسلئے اُن میں کچھ ایسا میل کچیل رہ گیا۔ جو اس حق اور صفائی کے خلاف
ہے جس کے لئے یہ پیدا کئے گئے تھے۔ لہذا علیم حکیم نے انکے ان امراض کے لئے ابتلا اور
امتحان کا نسخہ تیار کیا پس اگر ان امراض سے دنیا میں صحت یاب اور ان آلائشوں سے اسی عالم
میں پاک صاف ہو گئے تو فبہا ورنہ عالم برزخ میں اُنکے علاج کی تدبیر ہوگی۔ اگر وہاں بھی
پوری صفائی اور صحت حاصل نہ ہوئی۔ تو موقف قیامت میں وہ تدبیر ہوگی کہ اس میل کچیل سے
پاک وصاف ہو جائیں۔ اگر وہاں بھی کچھ کسر رہی تو علاج کی آخری تدبیر سے انکو پاک صاف
کیا جائیگا۔ یعنی طب کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی علاج مفید نہ ہو تو لوہے کو آگ میں گرم کرکے
مریض کو داغ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کو دوزخ کی بھٹی میں داخل کرکے انکو پاک اور
صاف کیا جائیگا۔ اور جب بالکل پاک صاف اور صحیح وتندرست ہو جائینگے۔ تو بیمارخانہ یعنی دوزخ
سے نکال کر دار عافیت کے مقام یعنی جنت میں داخل کئے جائینگے۔ چنانچہ یہ مضمون صحیح حدیث
سے ثابت ہے اور حدیث کے الفاظ میں صراحۃً موجود ہے۔ کہ جب وہ پاک اور صاف ہو جائینگے
تو انکو بہشت میں داخل ہونے کی اجازت ہوگی۔ اور اسی طرح اللہ تعالےٰ کے قول طِبْتُمْ
فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ (تم بڑے) مزے میں رہے تو بہشت میں ہمیشہ (رہنے) کیلئے داخل ہو
سے یہی مضمون ثابت ہوتا ہے۔ جب تک کہ وہ گناہوں کی آلائش سے پاک وصاف نہ
ہونگے اللہ سبحانہ انکو بہشت میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیگا۔ کیونکہ وہ پاک لوگوں کا مقام ہے
اُس میں کسی قسم کی کوئی آلائش اور گندگی موجود نہیں۔ اور چونکہ اُنکو صرف گندگی اور آلائش
سے پاک صاف کرنا منظور ہے لہذا ان کو دوزخ میں اُسی قدر رکھا جائیگا۔ جس سے وہ پاک
صاف ہو جائیں اور خبث اور گندگی دور ہو جائے۔ اور ایک فریق نے انبیا علیہم السلام کی
ہدایت کو قبول نہ کیا اور اُنکی پیروی اختیار نہ کی۔ بلکہ فطرت اصلی کے خلاف پر جمے رہے۔ اور
پہلی فطرت کیطرف رجوع نہ کیا۔ اور اُنکی حالت ایسی خراب ہے کہ انکی اصلاح کی قطعاً امید نہیں۔

دنیا کی تکالیف۔ موت اور عالم برزخ کے مصائب اور قیامت کے اہوال انکی گندگیاں اور میل کچیل دور کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اور نہ علیم حکیم کی حکمت اس بات کو روا رکھتی ہے۔ کہ ان کو پاک لوگوں کے ساتھ ایک مقام پر اکٹھا رکھا جائے۔ اور نہ انکو فنا کیلئے پیدا کیا تھا لہذا ان کو ایسے مقام میں داخل کریگا جس میں طرح طرح کے عذاب اور قسم قسم کی تکلیفیں موجود ہونگی۔ جب تک ان میں کفر و شرک کی میل باقی رہیگی اسی میں موجود رہینگے۔ اور دوزخ کی آگ میں جلنے کا عذاب محض انکے اعمال خبیثہ کے عوض ہوگا۔ ہر ایک گناہ اور برے کام کے مناسب اور اسکے مطابق عذاب کی مختلف صورتیں ہونگی۔ اور جبتک ان اعمال کے حقائق اور جو کچھ ان پر مترتب ہوا باقی رہینگے تو ان کا عذاب باقی رہیگا۔ غرض جب تک عذاب کے موجبات باقی ہونگے تب تک ان کا عذاب باقی رہیگا۔ اگر کوئی شخص یہ استفسار کرے کہ اگر ان لوگوں کی فطرت اصلی کا اثر بالکل جاتا رہا اور وہ کالعدم اور بالکلیہ باطل اور زائل ہوگئی۔ اور عارضی فطرت کی طرف یہ لوگ منتقل ہوگئے۔ تو اس صورت میں تو ان کو عذاب سے کبھی خلاصی نہ ہونی چاہئے۔ کیونکہ یہ عذاب تو اس فساد فطرت کی سزا ہے جس نے فطرت اصلی کو زائل کر دیا اور اگر فطرت اصلی بالکلیہ زائل نہیں ہوئی بلکہ اس کا مرض اور فساد حد سے بڑھ گیا اور نفس فطرت موجود اور باقی ہے جیسا کہ بدن میں جان موجود ہو اور مرض اپنی غایت کو پہنچ جائے۔ اور ایسی حالت ہو جائے کہ زندگانی محض برائے نام باقی رہجائے اور اس وقت اگر طبیب کوئی ایسی دوا تجویز کرے جو نہایت بدمزہ اور جس کا کھانا سخت دشوار ہو۔ تو مریض جب تک ایک عرصہ دراز تک اس کو استعمال نہ کرے گا تو اس کو ہرگز صحت حاصل نہ ہوگی۔ اور عرصہ دراز کے بعد جب مرض جاتا رہے اور بدن اپنی اصلی حالت پر آجائے۔ تو پھر دوا کے استعمال کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح کفار کی جب اصلی فطرت باقی ہے اور آگ میں جلانے سے اس کا فساد جاتا رہیگا۔ تو پھر انکو عذاب دینے کی ضرورت نہیں۔ دوزخ سے نکالے جائینگے۔ اور جو لوگ دوسری صورت کو اختیار کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ عقل اس بات کو جائز رکھتی ہے۔ کہ عرصہ دراز تک عذاب ہونے کے بعد کفار کو دوزخ سے نکالا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ ادلہ عقلیہ نقلیہ اور فطرت اس بات پر شاہد ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ حکیم اور رحیم ہے۔ اور یہ امر حکمت اور رحمت کے خلاف ہے۔ کہ کفار کو ابدالآباد ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا رکھا جائے اور اللہ سبحانہ کی ذات کے دوام کے ساتھ ان کا عذاب دائم ہے اس کی حکمت اور رحمت کے مقتضیٰ کے خلاف ہے اور جو لوگ اس مسئلہ کے قائل ہیں کہ کفار کو ہمیشہ

توضیح میں باقی نہیں رکھا جائیگا وہ یوں کہتے ہیں کہ بہت سے اولہ مشتبہ آیات و احادیث اور قیاس اور
خلود جہنم پر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے دنیا میں جو عقوبات اور سزائیں مقرر فرمائی ہیں
اُن سے مقصود یہی ہے کہ نفوس انسانیہ مہذب ہوں اور شر و فساد سے پاک و صاف ہو جائیں اور
نیز ان میں یہ مصلحت اور حکمت ہے کہ مجرمین کی سزا کو دیکھ کر دوسرے لوگ شر اور بدعملی سے باز
رہیں - اور جو لوگ اسکے عادی ہیں وہ اسکو چھوڑ دیں - اور جب یہ مصلحت اور حکمت اور تہذیب
اور تصفیہ حاصل اور موجود ہو جائینگے - تو پھر عذاب میں مبتلا رکھنا مصلحت اور حکمت کے خلاف
ہے کیونکہ اللہ سبحانہ علیم حکیم اور رحیم ہے وہ کسی کو سوا کسی حکمت اور مصلحت کے عذاب نہیں کرتا -
اور نہ یہ بات ہے کہ عذاب کرنے میں اللہ سبحانہ کو کوئی نفع حاصل ہے - بلکہ یہ دونو باتیں یعنی بلا حکمت
عذاب کرنا یا عذاب کرنے میں اللہ سبحانہ کی ذات مقدس کے لیے نفع کا متصور ہونا محال ہیں - اور
ظاہر ہے کہ عذاب اور سزا دینے میں یا تو سزا دینے والے کے لئے یا کسی دوسرے شخص کے
لئے کوئی مصلحت ملحوظ ہوتی ہے اور قطعًا معلوم ہے کہ کفار کو ابدالآباد ہمیشہ عذاب میں مبتلا
رکھنے میں اللہ سبحانہ یا کسی دوسرے شخص کے لیے کوئی مصلحت موجود نہیں - یہ لوگ کفار کے
دوام عذاب کے قائل نہیں وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن اور حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے
کہ تکالیف اور مصائب بنی آدم کی مصلحت کیلئے ہیں چنانچہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ
لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا
یَّغِیْظُ الْکُفَّارَ وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا کُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ (یہ اسلئے
کہ ان جہاد کرنیوالوں کو خدا کی راہ میں پیاس اور محنت اور بھوک کی تکلیف پہنچتی ہے تو اور جن مقامات
پر کافروں کو ان کا چلنا ناگوار گزرتا ہے وہاں چلتے ہیں تو اور دشمنوں سے کبھی کچھ مل جاتا ہے
تو غرض تکلیف اور راحت دونو حالتوں میں ہر ہر کام کے بدلے خدا کے ہاں ان کا عمل نیک
لکھا جاتا ہے) وقال تعالیٰ وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَمْحَقَ الْکٰفِرِیْنَ (اور نیز منظور
تھا کہ اللہ مسلمانوں کو شک و شبہ کے میل کچیل سے نکھار دے اور کافروں کا زور توڑ دے) پہلی
آیت میں اللہ سبحانہ نے بتلا دیا ہے کہ میری راہ میں مقتول اور زخمی ہونے کی تکلیف اور دکھ مومنین
کے لئے تطہیر اور انکے لئے صاف اور ستھرا ہونے کا باعث اور موجب ہے اور جو لوگ بھوک
خوف فقر اور احباب و اقارب کے مرنے پر صبر کرتے ہیں - انکو اپنی رحمت اور ہدایت کی بشارت
سنائی ہے وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ الآیة (اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری سناؤ) آخر

آیت تک - وقال تعالےٰ وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءً ا یُّجْزَبِهٖ (اور جو شخص کوئی بُرا کام کریگا اُس کو اُسکی سزا ملیگی) ابو بکر صدیقؓ نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اے رسول خدا اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کوئی بُرائی کریگا اُس کو اُسکی سزا دیجاویگی - اور جبکہ ہمارے گناہوں پر کوئی سزا نہیں ہوگی - آپ نے فرمایا اے ابو بکرؓ کیا تجھے دُنیا کی کوئی تکلیف پیش نہیں آتی کبھی تم کو غم لاحق نہیں ہوا - کبھی کوئی دکھ مصیبت نہیں پہنچی - ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ یہ تو سب باتیں موجود ہیں - آپ نے فرمایا - پس اس آیت کا یہی مطلب ہے وقال تعالےٰ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (اور لوگو! تم پر جو مصیبت پڑتی ہے تو تمہارے اپنے ہی کرتوت سے) اس آیت میں تحذیر کیساتھ بشارت بھی موجود ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے بتلادیا ہے کہ دُنیا کے مصائب بندوں کے گناہوں کی سزا ہیں - اور وہ ارحم الراحمین اس بات سے پاک ہے کہ اپنے بندے کو اُس گناہ پر جس کی سزا وہ دُنیا میں پاچکا ہے - آخرت میں دوبارہ عذاب کرے - چنانچہ پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے پھر اللہ سبحانہ اُسکے گناہ کو چھپاوے تو آخرت میں اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے وہ چاہے تو اُسکو عذاب کرے اور چاہے تو بخشدے - اور جس کو اُس کے گناہ کی سزا دُنیا میں ہوگئی - تو اللہ کریم دوبارہ آخرت میں اُس کو عذاب نہیں کریگا - اور نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ حدود (شرعیہ) گناہوں کے لئے کفارات (مٹانے والی) ہیں - اور صحیحین میں بروایت عبادہ مروی ہے کہ جس شخص سے کوئی گناہ سرزد ہو اور پھر دُنیا میں اُس کو اُسکی سزا ملجائے تو وہ اُس کے لئے کفارہ ہے اور حدیث صحیح میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ مومن کو کوئی بیماری - تکلیف - رنج - فکر اور دکھ مصیبت ایسی لاحق نہیں ہوتی کہ اُس میں اُس کے گناہوں کے لئے تخفیف نہ ہو یہاں تک کہ مومن کو جو کانٹا چبھتا ہے وہ بھی اُس کے گناہوں کیلئے کفارہ ہوتا ہے - اور نیز آپ نے فرمایا ہے - کہ مومن کو اہل مال اور اولاد کے بارے میں مصائب پیش آتے رہتے ہیں یہانتک کہ وہ اللہ سبحانہ سے ایسی حالت میں ملاقات کریگا - کہ وہ تمام گناہوں سے پاک ہوگا یعنی ان مصائب کی وجہ سے اللہ سبحانہ اُسکے سب گناہ اُس کے مرنے سے پہلے معاف کر دیگا - ایک اور حدیث میں آیا ہے - کہ مومن جب بیمار ہوتا ہے تو وہ بیماری کی وجہ سے گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہوجاتا ہے جیسا کہ برف صاف اور ستھری ہوتی ہے - ایک اور حدیث میں ہے - کہ تپ گناہوں کو اس طرح دُور کرتا ہے جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتی ہے - ایک اور حدیث میں ہے کہ تپ کو گالی مت دو کیونکہ

وہ بنی آدم کے گناہوں کو دور کرتا ہے۔ اور مکفرۃ الذنوب تمحی ترتیب اسکے اسمائیں سے ہے۔ و
اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل فرمائیگا اسے میرے بندے
میں بیمار ہوا۔ تو نے میری بیمار پرسی نہ کی بندہ عرض کریگا۔ اے اللہ میں کس طرح تیری بیمار پرسی
کرتا تو رب العالمین ہے رب بیماریوں سے پاک ہے اللہ سبحانہ فرمائیگا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا
اور تو نے اس کی بیمار پرسی نہ کی۔ اگر تو اس کی بیمار پرسی کرتا تو مجھ کو اسکے پاس پالیتا۔ اور ایسے ہی
کھانا کھلانے اور پانی پلانے کی نسبت فرمایا ہے۔ مگر اس جملہ میں ان دونوں کی نسبت زیادہ مبالغہ
ہے۔ غرض جو شخص مرض میں مبتلا ہوا اللہ سبحانہ کی رحمت اور خیر اس پر نازل ہوتی ہے۔ اور چونکہ
مرض کی وجہ سے وہ شکستہ دل ہوتا ہے اس واسطے اللہ سبحانہ اس کو اپنے قرب کا مرتبہ بخشتا ہے
کیونکہ وہ شکستہ دلوں کے پاس ہوتا ہے۔ اس قسم کی حدیثیں بکثرت موجود ہیں۔ جن سے یہ
معلوم ہوتا ہے کہ مصائب اور آلام بنی آدم کی مصلحت کیلئے ہیں۔ کہ وہ گناہوں سے پاک اور
صاف ہو جائیں۔ اور دنیا اور آخرت کا رب ایک ہی ہے۔ اور اسکی حکمت اور رحمت دنیا
اور آخرت دونوں میں موجود ہے۔ بلکہ آخرت میں اس کی رحمت کا زیادہ ظہور ہوگا۔ اور آخرت
میں جو بعض مومنین کو دوزخ کا عذاب ہوگا وہ بھی اسی واسطے ہوگا کہ وہ گناہوں سے پاک
اور صاف ہو جائیں جسطرح کہ دنیا کے مصائب۔ عقوبات اور حدود شرعیہ کے ساتھ وہ گناہوں
سے پاک و صاف کئے گئے تھے۔ اور بہشت اور دوزخ کے درمیان بھی اسی واسطے روکے
جائینگے۔ کہ گناہوں سے پاک و صاف ہو جائیں۔ اور یہ بات نصوص صحیحہ اور صریحہ سے معلوم
ہے۔ کہ بعض مومنین کو جو دوزخ میں عذاب ہوگا۔ تو وہ انکے گناہوں کے مطابق مقدار اور وقت
کے لحاظ سے متفاوت ہوگا اور وہ سب دوزخ سے یک ہی بار نکالے نہیں جائینگے بلکہ تدریجاً
یکے بعد دیگرے اس سے خارج کئے جائینگے۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک آدمی دوزخ میں
باقی رہجائیگا۔ جو سب سے پیچھے نکالا جائیگا۔ اور اسی طرح دوزخ میں کفار کا عذاب بھی متفاوت
ہوگا۔ پس منافق لوگ دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقے میں ہونگے۔ اور ابو طالب کو تمام
اہل دوزخ کی نسبت تھوڑا عذاب ہوگا۔ کہ وہ دوزخ کی اتنی آگ میں جلتا ہوگا جو اسکی پنڈلیوں
تک پہنچیگی۔ اور اس سے اس کا دماغ ہانڈی کیطرح جوش ماریگا۔ اور آل فرعون نہایت
سخت عذاب میں مبتلا ہوگی۔ اور جب دنیا کا عذاب جس میں خدا تعالےٰ کی رحمت کے سو
حصہ میں سے صرف ایک حصہ موجود ہے بندوں کے حق میں مصلحت۔ رحمت اور لطف

پہنچتی ہے۔ تو آخرت کا عذاب جس میں خدا تعالےٰ کی رحمت کے ننانوے حصے ظاہر ہونگے جن میں سے
ہر ایک حصہ آسمان و زمین کے مابین کو بھر سکتا ہے۔ بندوں کی مصلحت سے کس طرح
خالی ہو سکتا ہے اور کفار کو ابدالآباد ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا رکھنے میں انکے لئے
کوئی مصلحت نہیں لہذا وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رکھے جاوینگے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔
وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (اور قیامت
کے) بڑے عذاب سے پہلے ہم (ان کفار مکہ) کو (ایک ایسے) عذاب کا مزہ بھی ضرور چکھائیں گے
جو (اسی دنیا میں ان پر عنقریب (نازل) ہوگا تاکہ یہ لوگ (ہماری طرف) رجوع کریں) اللہ سبحانہ
نے اس آیت میں بتلا دیا ہے کہ وہ انکو انکے حال پر رحم کرنے کے لئے معذب کریگا تاکہ اس
عذاب اور تنبیہ سے اس کی طرف رجوع کریں جیسا کہ مہربان باپ اپنے بچے کو جب کہ وہ
اس سے بھاگ کر اپنے دشمن کے پاس جلائے تو اسلئے سزا دیتا ہے کہ وہ اسکے پاس واپس
آجائے اور اسکے سایہ عاطفت میں رہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ
إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنتُمْ (اگر تم لوگ (خدا کی) شکر گذاری کرو اور (اس پر) ایمان رکھو تو خدا کو تمہیں
عذاب دیکر کیا کرنا ہے) ان کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کو عذاب دینے میں اللہ تعالےٰ
کو کوئی نفع نہیں اور نہ اس سے اسکے ملک میں کچھ زیادتی ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہ یہ کسی
حکمت اور مصلحت سے خالی ہو۔ اور جب بندے شکر اور ایمان کے بجائے کفران نعمت اور
کفر اختیار کریں۔ تو وہ خود اپنے عذاب کے موجب اور انکا کفر اس کا باعث ہوتا ہے۔ ورنہ اللہ سبحانہ کو
بندوں کے عذاب دینے سے نہ تو کوئی ضرر لاحق ہوتا ہے۔ اور نہ کوئی فائدہ اس کو حاصل
ہے۔ اس تقریر سے یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ سبحانہ کی حکمت کا مقتضی یہ ہے کہ شریر نفوس کو انکے
شر کے موافق ایسا عذاب اور سزا ہونی چاہئے جس سے وہ مہذب اور پاک و صاف ہو جائیں
چنانچہ یہ بات ادلہ نقلیہ اور عقلیہ سے ثابت ہے اور نیز یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ یہ عذاب
دائم اور ہمیشہ نہیں ہوگا۔ بلکہ ایک معین زمانے تک محدود ہوگا۔ اور اللہ سبحانہ نے انسان
کو عبث نہیں پیدا کیا۔ بلکہ اسکو اسلئے پیدا کیا ہے کہ اس پر اپنی رحمت فرمائے نہ کہ اسکو ہمیشہ
عذاب میں مبتلا رکھے۔ عذاب کا مستحق تو انسان خود اپنے افعال کی وجہ سے ہوتا ہے غرض
بندے کے حق میں اللہ سبحانہ کی رحمت اس کے غضب سے سابق ہے۔ اور نیز موجبات
رحمت موجبات غضب پر سابق اور غالب ہیں۔ اور پیدا کرنے کی غایت یہ نہیں کہ اس کو

ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھا جائے۔ بلکہ عذاب اور سزا رحمت اور حکمت پر مبنی ہے۔ اور ہمیشہ
عذاب میں مبتلا رکھنا اس کی رحمت اور حکمت کے خلاف ہے۔ رحمت کے خلاف ہونا
تو ظاہر ہے۔ اور حکمت کا خلاف اسلئے ہے کہ عذاب اور سزا تو اس حالت پر ہوگی۔ جو فطرت
اولی پر طاری ہوئی۔ اور اسکو بدل دیا۔ اور انسان اصل فطرت میں اس حالت پر نہیں [illegible] کیا
گیا اور نہ اس کے لئے مخلوق ہوا ہے غرض انسان خدا کے ساتھ شرک کرنے اور عذاب میں مبتلا ہونے کیلئے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ وہ
اللہ سبحانہ کی عبادت اور رحمت کیلئے مخلوق ہوا ہے لیکن عارضی طور پر ایک ایسی حالت پیش آگئی جو اسکے عذاب کا باعث ہوئی۔ اور
اسواسطے وہ عذاب کا مستحق ہوا۔ اور اس حالت کیلئے جو باعث عذاب ہوئی دوام و استقرار نہیں کیونکہ یہ باطل اور
بے اصل ہے اور برخلاف اس کے وہ حق جو موجب رحمت ہے وہ اللہ سبحانہ کے دوام
کے ساتھ دائم اور مستمر ہے۔ اور وہی انسان کے پیدا کرنے کی غایت ہے۔ اور باعث
عذاب اسکی خلقت کی غایت نہیں جیسا کہ عذاب اس کی غایت نہیں بخلاف رحمت کے کہ وہ
انسان کی پیدائش کی غایت اور اسکے موجبات بھی اسکی غایت ہیں۔ اس بات کو غور سے
سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ اس مسئلے کا راز یہی ہے۔ اور نیز غفور اور رحیم اللہ سبحانہ کے اسماء
میں سے ہیں۔ اور معذب اور معاقب اس کا اسم نہیں بلکہ عذاب اور عقاب اسکے افعال میں سے
ہے چنانچہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنَّ
عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ (اے پیغمبر) ہمارے بندوں کو آگاہ کردو کہ (ایک طرف)
ہم بخشنے والے مہربان ہیں اور (دوسری طرف) ہمارا عذاب (بھی بڑا) موذی عذاب ہے۔
وقال تعالے اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (اے پیغمبر) بیشک
پروردگار جلد سزا دینے والا ہے اور اسمیں (بھی) شک نہیں کہ وہ بخشنے والا مہربان (بھی) ہے) و
قال تعالے اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ
((اے پیغمبر) بیشک تمہارے پروردگار کی پکڑ بڑی سخت (پکڑ) ہے وہی اول بار پیدا کرتا اور (وہی
قیامت میں) دوبارہ بھی پیدا کریگا اور وہ بخشنے والا اور محبت کرنے والا ہے) وقال تعالے
حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ
(ترجمہ) (یہ) فرمان تحریری بیشک خداوندی سے صادر ہوتا ہے جو زبردست (اور ہر چیز سے) واقف
گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا (اور بدوں کو) سخت سزا دینے والا) اس قسم
کی آیات جن سے ثابت ہوگا اللہ سبحانہ عفو مغفرت، رحمت، کرم اور علم کے ساتھ اپنی مدح فرماتا

ہے اور غفور رحیم اُسکے اسماءِ پاک میں سے ہیں قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں۔ اور سوائے اُس حدیث
کے جس میں اسماءِ حسنیٰ شمار کئے گئے ہیں کسی آیت یا حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ سبحانہ نے
ناقم۔ معذب۔ منتقم اور غضبان وغیرہ اس قسم کے اسماء کے ساتھ اپنی مدح بیان فرمائی ہے
وہ حدیث جس میں اسماءِ حسنیٰ شمار کئے گئے ہیں پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ اور نیز اللہ سبحانہ نے
اپنی ذات مقدس کی نسبت یہ قرار دیا ہے کہ اُسکی رحمت اُسکے غضب پر سابق اور غالب ہے
اور یہ دستور اہل نار کی نسبت بھی جاری ہے۔ کہ اُنکے حق میں بھی اُسکی رحمت اُسکے غضب پر سابق
اور غالب ہے دیکھو کس طرح سے ان پر اپنی رحمت فرمائی ہے قبل اسکے کہ وہ کفر و شرک اپنے
سے اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہوتے اسی طرح خدا تعالیٰ کی رحمت اُنکے شامل حال
تھی اور شرک کرنے پر بھی اُن پر رحم فرمایا۔ حق و باطل میں امتیاز کرنے کے لئے حجج اور ادلہ
قائم فرمائے یہ بھی اسکی رحمت کا اثر ہے اور نیز اپنی رحمت سے انبیاء علیہم السلام کو بھیجکر اپنے بندوں
کو حق کی طرف مدعو کیا۔ اور جب منکرین نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی۔ اور اُن کو طرح طرح سے
دکھ اور تکلیفیں پہنچائیں۔ اور اس پر مورد عقاب الٰہی ہوئے۔ تو بھی اللہ کی رحمت شامل حال رہی
کہ جلدی سے اُنکو ہلاک و برباد نہ کیا۔ بلکہ مہلت دی کہ شاید راہ پر آجائیں۔ غرض اُسکی رحمت اُس کے
غضب پر غالب ہے اور اگر اُسکی رحمت اُس کے غضب پر غالب نہ ہوتی۔ تو سلسلہ عالم ویران
اور برباد ہو جاتا۔ آسمان پھٹ پڑتے اور پہاڑ اُلٹے ہو جاتے۔ اور جب اُسکی رحمت اُس کے
غضب پر غالب ہے تو یہ جائز نہیں کہ غضب کا موجب اور عذاب اللہ سبحانہ کے دوام کے ساتھ
دائم اور مستمر ہو۔ اور نیز یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں کو عذاب میں مبتلا کرنا یا تو عبث
ہے۔ اور عبث کو اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کرنا اسکی ذات کے لئے ایک نقص عظیم ثابت
کرتا ہے۔ اور اگر کسی مصلحت پر مبنی ہو تو مصلحت منفعت اور اسکے لوازم اور ملزومات کا نام ہے
اور منفعت کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو اللہ سبحانہ کی طرف راجع ہو اور یہ محال ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ
ایسے امر سے منزہ اور متعالی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مخلوق کے حق میں نفع ہو تاکہ
معذب کی ذات کیلئے یا کسی دوسرے کے لئے یا دونو کے لئے پہلی صورت محال ہے کیونکہ
ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہنے میں اُسکے لئے کوئی فائدہ اور مصلحت نہیں اور اگر دوسرے اشخاص
کے لئے مصلحت ہو کہ وہ اسکو دیکھ کر شر سے باز آجائیں۔ تو یہ مصلحت مدت دراز تک عذاب
میں مبتلا رکھنے سے حاصل ہو چکی ہے اور اگر اُن کے لئے یہ فائدہ ہو کہ مبتلائے عذاب

اُن کا دشمن ہے اور وہ نہایت راحت اور آرام میں ہیں اور اُن کا دشمن سخت مصیبت اور عذاب میں مبتلا ہے۔ پس وہ اُس کے تکالیف اور رنج و الم دیکھ کر خوشی مناتے ہیں۔ اور اس طرح اب سے ابدالآباد ہمیشہ معذب ہونے میں اُنکی خوشی کی تکمیل متصور ہے تو یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ کوئی کیسا سنگدل ہو۔ وہ اپنے دشمن کے طویل عذاب کو دیکھ کر ضرور نرم دل ہو جاتا ہے۔ اور اُس کے ہمیشہ تکلیف میں مبتلا ہونے کو گوارا نہیں کر سکتا۔ پس اس مصلحت کیلئے دوام عذاب کی کوئی ضرورت نہیں۔ پس اہل نار کے عذاب میں یہی مصلحت ہو سکتی ہے۔ کہ جابر اور سرکش نفوس کی سرکشی کو توڑنا اور انکے امراض کا علاج کرنا ملحوظ ہو۔ کہ آگ انکی بیماریوں کے مادہ تک پہنچکر انکو جڑ سے نکال دے۔ اور پوری طرح اُن کا قلع و قمع کر دے۔ اور چونکہ یہ مادہ ایک ایسا شر ہے جو کہ عارضی طور پر پیدا ہوا۔ اور اصل فطرت میں جو خیر رکھی گئی ہے اُس پر طاری ہوا ہے لہذا اُس کے قلع و قمع کے بعد وہ اصلی فطرت پر آجائینگے اور دوام عذاب کی ضرورت نہیں۔ اور نیز یہ کہتے ہیں۔ کہ مخلوق میں پانچ قسم کی چیزیں ممکن ہیں۔ خیر محض۔ شر محض۔ خیر غالب۔ شر غالب۔ اور وہ چیز کہ جس میں خیر اور شر دونو متساوی ہوں۔ اور اللہ سبحانہ کی حکمت کا مقتضی یہ ہے کہ ان میں سے دو قسم یعنی وہ چیز جو خیر محض ہو یا اسمیں خیر غالب ہو موجود ہوں۔ اور خالص شر یا اُس چیز کا وجود جس میں شر غالب ہو اسکی حکمت کے مقتضی کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں۔ سب کا وجود ایسی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے جس کا وجود اُسکے عدم سے بہتر اور اولیٰ ہے۔ شریر اور موذی جانوروں یا اُن افعال کو جو شر ہیں۔ اُن خیرات محبوبہ کے لئے پیدا کیا ہے۔ جو اُن کے وجود پر مترتب ہیں۔ اور انکے محض ایسے شر کے واسطے نہیں پیدا کیا جو کسی طرح کے خیر کو مستلزم نہ ہو اور ایسا ہونا بالکل محال ہے۔ اوّلاً اور بالذات خیر کا وجود مقصود ہے اور چونکہ بعض شر حصول خیرات کے لئے ذرائع ہیں۔ لہذا ایسے شر بھی وسائل اور ذرائع ہونے کے لحاظ سے مقصود ہیں۔ اور وہ کسی چیز کی غایت یا بذاتہ مقصود نہیں۔ اور جب غایت مقصودہ حاصل ہو جاتی ہے۔ تو وہ زائل اور باطل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وسائل اور ذرائع کے متعلق یہی دستور ہے۔ کہ مقصود پر پہنچنے کے وقت وسائل کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور اس بات پر حس اور عقل دونو شاہد ہیں۔ اِس بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ عذاب ایک شر ہے۔ پس یہ مقصود بالذات نہیں بلکہ اس کے لئے کوئی غایت مقصودہ ہوگی اور

یہ اُس کی طرف وسیلہ ہوگا۔ پس جب غایت مقصودہ حاصل ہوجائیگی۔ تو یہ زائل اور باطل ہوجائیگا
جیسا کہ کسی شخص کو ایک مقام پر پہنچنا مقصود ہو تو وہ اسکے لئے کوئی راستہ معلوم کرکے اُس
کی طرف چلنا اور قطع مسافت کرتا ہے۔ پس اس راستے کو طے کرنا اُس کو مقصود نہیں بلکہ مقصود
دوسری چیز ہے اور یہ اُس کے لئے وسیلہ ہے۔ اور جب مقصود حاصل ہوجائے۔ کہ اس
مقام مطلوب کو پہنچ جائے۔ تو پھر قطع مسافت لغو اور بیفائدہ ہے۔ اور اس مسئلے کا راز یہ
ہے کہ سلسلہ خلق اور امر کی غایت اللہ تعالے کی رحمت ہے نہ کہ عذاب۔ اور عذاب منجملہ
اس کی مخلوقات میں سے ہے اور اُس کا مقتضی یہ ہے کہ عذاب بھی کسی غایت محمودہ کے
لئے مخلوق ہو۔ اور جب وہ غایت حاصل ہوجائے۔ تو پھر عذاب نہ رہے۔ اور اللہ سبحانہ
کے اسماء وصفات کے آثار کا سب مخلوقات میں ظہور ضروری ہے۔ کیونکہ یہی بات موجب
کمال ہے۔ اور اللہ سبحانہ کمال کے ساتھ موصوف اور نقص سے منزہ ہے۔ اور بعض کہتے
ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ
فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (تو جو بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ہونگے (اور) وہاں انکو چلانا اور دھاڑنا
(ہوگا) اور جب تک آسمان و زمین (قائم) ہیں ہمیشہ (ہمیشہ) اُسی میں رہیں گے۔ مگر جتنا
پیغمبر جس کو تمہارا پروردگار۔ (نجات دینا) چاہے بیشک تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے کرگزرتا
ہے) وقال تعالے اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (تمہارا ٹھکانا
ٹھکانا دوزخ اُسی میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہو گے مگر جو خدا کی (یعنی ہماری) مرضی) ابوسعید خدریؓ
کا قول ہے۔ کہ کفار کے عذاب کے متعلق قرآن کریم میں جتنی آیات موجود ہیں۔ اس آیت سے
اُن سب کا مطلب حل ہوگیا کہ خلود ابدی مراد نہیں۔ بلکہ اللہ سبحانہ کی مشیت کا استثناء موجود ہے
ابوسعید خدری کے اس قول کو بیہقی۔ حرب وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ اور عبداللہ بن مسعود کا
قول ہے کہ ایک ایسا وقت آئیگا۔ کہ اس میں ایک متنفس بھی دوزخ میں موجود نہ ہوگا۔ اور
یہ وقت تب آئیگا جب اہل دوزخ (کفار) ایک نہایت دراز عرصہ تک اُس کے عذاب
کا مزہ چکھ لینگے اور مدتیں اُس میں پڑے رہینگے۔ اور حضرت عمرؓ بن خطاب اور ابوہریرہؓ
سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ علم حدیث کے مصنفین کی ایک جماعت نے اس اثر کو ذکر
کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوزخ پر ایک ایسا وقت آئیگا کہ اُس میں کوئی

منقطع ہو نیکے اندر جو جو وقت رہیگا اور یہ حالت اُس وقت ہوگی جب اہل نار عرصہ دراز تک دوزخ میں رہ چکے ہونگے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہ اہل جنت پر جو کچھ انعام و اکرام فرمانا چاہیگا اُس سے اُس نے ہم کو مطلع کردیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ (یہ خدا کی دین ہے جس کا کوئی خاتمہ نہیں) اور اہل دوزخ کے ساتھ جو معاملہ کرنا چاہیگا اُس سے ہم کو آگاہ نہیں فرمایا۔ اور انکی نسبت جو کچھ سورہ انعام میں مذکور ہے وہی ہم کو کافی ہے۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُم مِّنَ الْإِنسِ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ (اور جس دن خدا سب (آدمیوں اور جنات) کو (اپنے حضور میں) جمع کریگا (اور شیاطین کی طرف مخاطب ہوکر فرمائیگا کہ) اے گروہ جنات بنی آدم میں سے تو تم نے اچھی بڑی جماعت اپنی طرف کرلی اور (جو لوگ) بنی آدم میں سے (دنیا میں) شیاطین کے دوست بنے ہوئے تھے (وہ) کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار (دنیا میں) ہم ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھاتے رہے اور (نتیجۂ اعمال کے بھگتنے کا) جو وقت تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا ہم اپنے اس وعدہ (کی منزل) تک پہنچ گئے (اب کیا ارشاد ہے خدائے تعالےٰ) فرمائیگا کہ تمہارا (سب کا) ٹھکانا دوزخ ہے اور اُنہیں ہمیشہ (ہمیشہ) رہوگے آگے خدا کی (یعنی ہماری مرضی (اے پیغمبر) بیشک تمہارا پروردگار حکمت والا (اور سب کے حال سے) واقف ہے اور اسی طرح ہم بعض (دوسرے) ظالموں کو بعض کے ساتھ شامل کردینگے (اُن کے اُس) کرتوت کا بدلہ جو (دنیا میں) کرتے رہے ہیں (پھر ہم جنات اور بنی آدم دونوں سے مخاطب ہوکر پوچھیں گے کہ) اے گروہ جن و انس کیا تمہارے پاس تمہیں میں کے پیغمبر نہیں آئے کہ تم سے ہمارے احکام بیان کریں اور تمہارے اس روز (قیامت) کے پیش آنے سے تم کو ڈرائیں وہ عرض کرینگے۔ کہ ہم اپنے اوپر آپ ہی گواہی دیتے ہیں (یعنی اپنے گناہ کا اقرار کرتے ہیں) اور واقع میں دنیا کی زندگی نے انکو دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور (اب) انہوں نے اپنے اوپر آپ ہی گواہی دی

دی اتبعتم ترکیا کرینگے تا کہ ان انسانوں سے انکو خطاب کیا گیا ہے اور اس بات پر کئی ایک وجوہ دلالت
کرتے ہیں۔ اول جنوں کے اغوا اور گمراہ کرنے سے آدمیوں کا غرور و تکبر کرنا کیونکہ استکبار کفار
کی صفت ہے۔ دوم اللہ تعالیٰ کا قول وَقَالَ اَوْلِيَآؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ اس پر دلالت
کرتا ہے کیونکہ شیطانوں کے دوست کفار ہی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّا
جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (ہم نے شیطانوں کو ان ہی لوگوں کا یار (رفیق)
بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے) غرض شیطان کی جماعت اسکے دوست ہیں۔ سوم جملہ وَشَهِدُوْا
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ اس پر شاہد ہے اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی
فرمایا ہے اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ پھر آیت کو جملہ اِنَّ رَبَّكَ
حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ کے ساتھ ختم کیا ہے۔ جس سے مفہوم ہوتا ہے۔ کہ اہل نار کو معذب کرنا اس کے
علم اور حکمت سے متعلق ہے۔ اور اسی طرح استثنا بھی علم و حکمت سے صادر ہے۔ پس اللہ سبحانہ
جو معاملہ انکے ساتھ کریگا اسکو پورا علم ہے اور وہ اسکی حکمت سے خالی نہیں۔ اور قرآن کریم کے
بیان کا یہ طرز ہے کہ جس مقام پر اللہ سبحانہ نے اہل رحمت اور اہل غضب دونو کے بدلہ و جزا کو
اکٹھا ذکر کیا ہے وہاں اہل رحمت کے جزا اور بدلہ کو تابید (ہمیشگی) کی قید کے ساتھ مقید اور دوام
کی صفت کے ساتھ موصوف کیا۔ اور اہل غضب کے جزا کو مطلق چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا
ہے فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا
دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ وَ
اَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ
اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (تو جو بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ہونگے (اور وہاں
ان کو چلانا اور دھاڑنا (لگا) ہوگا اور جب تک آسمان و زمین (قائم) ہیں ہمیشہ (ہمیشہ) اسی میں
رہینگے مگر (اے پیغمبر) جس کو تمہارا پروردگار (نجات دینا) چاہے بیشک تمہارا پروردگار جو چاہتا
ہے کرگزرتا ہے۔ اور جو لوگ نیک بخت ہیں تو (وہ) بہشت میں ہونگے (اور) جب تک آسمان و
زمین (قائم) ہیں برابر اسی میں رہینگے۔ مگر جس کو خدا چاہے (سزا دیکر بدیر جنت میں داخل کرے۔ یہ
جنت خدا کی) دین ہے جس کا کبھی خاتمہ نہیں)+
وقال تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ (بیشک اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ (دین

حق سے انکار کرتے رہے (وہ آخر کار) دوزخ کی آگ میں ہونگے (اور) اُس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہینگے یہی لوگ بدترین خلائق ہیں) وقال تعالےٰ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ (بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل (بھی) کئے یہی لوگ بہترین خلائق ہیں (کہ) ان کا بدلہ ان کے پروردگار کے ہاں رہنے کے باغ (بہشت) ہیں جن کے تلے نہریں (پڑی) بہ رہی ہونگی (اور) وہ ان میں سدا کو ہمیشہ (ہمیشہ) رہینگے اللہ ان سے خوش ہوا اور یہ اُس سے خوش یہ (اجر) اُس کے لئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے)

وقال تعالےٰ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (جس دن بعض لوگوں کے مُنہ سفید ہونگے اور بعض کے مُنہ سیاہ تو جو لوگ روسیاہ ہونگے (اُن سے کہا جائیگا) کہ تم ایمان لائے پیچھے کافر ہوگئے تھے نا؟ تو اب اپنے کفر کی سزا میں عذاب (کے مزے) چکھو اور جو لوگ سفید رو ہونگے تو وہ، اللہ کی رحمت (یعنی بہشت) میں ہونگے (اور) وہ اسی میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے) اور بعض آیات میں دونوں کو اکٹھا ذکر کرکے سب پر خلود کا حکم کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا (اور جو شخص اللہ اور اُسکے رسول کی نافرمانی کریگا تو کچھ شک نہیں کہ (آخر کار) اُس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ لوگ سدا کو (اور ہمیشہ (ہمیشہ رہیں گے)

وقال تعالےٰ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا (اور جو اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے اور اللہ کی (باندھی ہوئی) حدوں سے بڑھ چلے (تو اللہ) اُس کو دوزخ میں (لیجا) داخل کریگا (اور وہ) اُس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیگا) مگر خلود اور تابید کا ذکر کرنا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اُس کی کوئی حد اور نہایت ہی نہ ہو۔ بلکہ خلود سے مکث طویل (دیر تک ٹھیرنا) مراد ہے چنانچہ عرب کا محاورہ ہے قَیْدٌ مُّخَلَّدٌ (قید دراز) اور ہر ایک چیز کی تابید اُسکے موافق ہوتی ہے کبھی تابید سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ چیز مدتِ حیات کے لیئے ثابت ہے اور کبھی یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ حکم مدت دنیا تک

مکذ ردو سچ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کی نسبت فرمایا ہے وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ
اَيْدِيْهِمْ (مگر ان (اعمالِ بد) کی وجہ سے جن کو انکے ہاتھوں نے پہلے سے (زادِ آخرت بناکر)
بھیجا ہے یہ کبھی موت کی آرزو نہیں کرسکتے) اس آیت میں تابید حیاتِ دنیا مراد ہے کیونکہ یہود
دوزخ سے از رنج موت کی تمنا اور استدعا کرینگے اور یوں کہیں گے يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا
رَبُّكَ (اے مالک (تم ہی) کوئی ایسی تدبیر کرو کہ کہیں تمہارا پروردگار ہمارا کام تمام کر چکے) اور
جنت کی نعمتوں کا غیر متناہی دائم اور مستمر ہونا دوسرے آیات اور الفاظ سے سمجھا گیا ہے۔
جیسا اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ (بیشک یہ ہماری (دی ہوئی) روزی ہے جو کبھی
ختم ہونے میں نہیں آئیگی) اور عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (یہ خدا کی دین ہے جس کا کبھی خاتمہ نہیں) اور
فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (انکے لئے (آخرت میں) اجر ہے بے انتہا) غیر ممنون یعنی غیر منقطع
اور اس کا صحیح معنی یہی ہے اور جن لوگوں نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ وہ اجر بے منت ہوگا تو انہوں
نے نہایت غلطی کی ہے۔ اور برخلاف اس کے اہلِ دوزخ کے عذاب کے متعلق (اس قسم
کے الفاظ وارد نہیں ہوئے کہ جن سے یہ مفہوم ہو کہ جسطرح اہلِ جنت کی نعمتیں ابدی ہیں۔ اسی
طرح ان کا عذاب بھی ابدی اور دائم ہوگا اور اللہ عز وجل کا یہ قول وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ
مِنَ النَّارِ (ان کو دوزخ سے نکلنا نصیب نہیں ہوگا) اور وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (اور نہ
وہ کبھی اس سے نکالے جائینگے) اور لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ
مِّنْ عَذَابِهَا (نہ تو ان کو قضا آتی ہے کہ مر رہیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا
جاتا ہے) اور كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا (جب جب اس سے نکلنا
چاہینگے اس میں لوٹا دئے جائینگے) اور كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا
غَيْرَهَا (جب انکی کھالیں گل جائینگی انکی دوسری (نئی) کھالیں پیدا کردینگے) صحیح قول کے
مطابق اپنے ظاہر اور حقیقی معنی پر محمول ہیں۔ اور بعض کا یہ قول ہے کہ ان آیات میں بھی استثنا
مشیت کی قید ملحوظ ہے یعنی اگر اللہ سبحانہ کی مشیت میں اسی طرح ہوا جو ان آیات سے سمجھا جاتا ہے
تو اس کا وقوع اور ظہور ضروری ہے ورنہ ایسا نہیں ہوگا۔ اور گویا کہ بعض سلف کے اس مقولہ کا
"کہ آیت استثنا قرآن کریم کی تمام آیاتِ وعید پر حاکم ہے" یہی مطلب ہے لیکن صحیح یہی ہے
کہ آیات اپنے ظاہر اطلاق اور عموم پر محمول ہیں۔ مگر ان میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں جس سے یہ
ثابت ہو کہ دوزخ کا وجود ایسا دائمی ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ کی ذات کو دوام ہے کہ اس کا کوئی انتہا

نہیں۔ اور نہ یہ بات قرآن کریم یا حدیث کے کسی دوسرے لفظ سے ثابت ہوتی ہے۔ اور ان
دونوں صورتوں میں بڑا فرق ہے۔ یعنی ایک یہ صورت ہے کہ جب تک دوزخ موجود ہے اہلِ دوزخ
(کفار) ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھے جائیں اور جب دوزخ فنا ہو جائے تو وہ عذاب سے نجات پائیں
اور دوسری یہ صورت ہے کہ دوزخ کا وجود ابدی ہو۔ کہ اس کا کبھی زوال اور انقطاع نہ ہو سکے
تو ایسا دونوں صورتوں میں بڑا فرق ہے۔ اور اس مقام پر کوئی شخص یہ شبہ نہیں کر سکتا۔ کہ اس
طرح تو دنیا اور آخرت کے عذاب میں کچھ فرق نہ رہیگا۔ کہ دونوں زائل اور معدوم ہو جاتے ہیں کیونکہ
ان میں ایک وجہ سے نہیں بلکہ کئی وجوہ سے فرق موجود ہے۔ کہ دنیا کا عذاب اور تکلیف
تو مبتلا شدہ عذاب کے مرنے سے منقطع اور ختم ہو جاتا ہے۔ اور آخرت میں جو شخص خلود عذاب
کا مستحق ہو گا اُسکے لئے کبھی موت نہیں۔ اور دنیا کے عذاب اور تکلیف کو دوسرا شخص ہٹا سکتا ہے
اور آخرت کے عذاب کو کوئی شخص روک نہیں سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اِنَّ عَذَابَ
رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ (تمہارے پروردگار کا عذاب (کافروں پر) ضرور نازل ہو کر رہیگا
کسی کی مجال نہیں کہ اُسکو ٹال سکے) اور دوزخ کا عذاب لازم ہو گا جو کفار سے مفارق اور جدا نہ
ہو گا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا (کیونکہ دوزخ کا عذاب
بڑی بھاری مصیبت ہے) اور اسی واسطے قرض خواہ کو غریم کہتے ہیں کہ وہ اپنے مدیون سے ملازم
رہتا ہے +

فصل۔ اس مسئلہ میں کئی ایک آثار مروی ہیں۔ طبرانی نے باسناد ابی امامہ سے روایت
کیا ہے۔ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ دوزخ پر ایک ایسا روز آئیگا کہ وہ
[illegible] ہو گا۔ (کوئی شخص اس میں باقی نہ رہیگا) اور اس کے دروازے بند
[illegible] رہینگے۔ اور حرب نے اپنے مسائل میں کہا ہے۔ کہ میں نے اسحاق سے اللہ عزوجل
کے قول خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ کا مطلب
دریافت کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ آیت قرآن کریم کی تمام آیات وعید پر حاکم ہے۔ اور اس
سے سب کا مطلب معلوم ہو گیا۔ کہ خلود ابدی مراد نہیں بلکہ اللہ سبحانہ کی مشیت کا استثنا موجود
ہے یعنی اگر وہ چاہیگا تو اہلِ دوزخ (کفار) کو دوزخ سے نکال کر بہشت میں داخل فرمائیگا۔ اور
ابو نضرہ حضرت جابر یا ابو سعید یا کسی دوسرے صحابی سے روایت کرتے ہیں۔ کہ یہ آیت
اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ قرآن کریم کی تمام آیات کو حل کر دیتی ہے معتمر

نے اِس قول کی تشریح کیلئے یوں کہا ہے کہ قرآن کریم کی تمام ان آیات کو جن میں وعید کا ذکر ہے یہ آیت حل کر دیتی ہے۔ اور حرب کا قول ہے کہ قرآن کریم کی وہ آیات جو اہلِ توحید کے وعید کے باب میں وارد ہیں۔ اُن سب پر یہ آیت حاکم اور سب کا مطلب حل کرتی ہے اور اِلَّا مَا شَآءَ سے ثابت ہے کہ ساتھ وہ اہلِ قبلہ مستثنےٰ کئے گئے ہیں جو دوزخ سے نکالے جائینگے۔ مگر حرب کی یہ تاویل صحیح نہیں۔ کیونکہ استثنا کفار کے وعید کے متعلق وارد ہے۔ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ الآیۃ (جب وہ دن آپہنچیگا تو مارے خوف کے بے حکم خدا کوئی شخص بات تک بھی تو نہیں کر سکیگا۔ پھر اُس وقت لوگ دو قسم کے ہونگے بعض بدبخت اور بعض نیک بخت تو جو بدبخت ہیں آخر آیت تک) اور اسکے بعد فرمایا ہے وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ اور اہلِ توحید اُن لوگوں میں داخل ہیں جو صاحب سعادت ہیں۔ اس کے علاوہ سورہ انعام کی آیت صراحتہً کفار کے بارے میں ہے چنانچہ ہم اس کو پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ دوزخ پر ایک ایسا روز آئیگا۔ کہ اُس میں اُس کے سب دروازے بند کئے جائینگے اور ایک متنفس بھی اُس میں باقی نہ رہیگا۔ پھر ابوہریرہ نے استدلال کے طور پر آیت فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ کو آخر تک پڑھا۔ عبیداللہ کا قول ہے کہ ہمارے اصحاب ابوہریرہؓ کے قول اور دیگر اس قسم کے اقوال کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں۔ کہ موحدین میں سے کوئی شخص دوزخ میں باقی نہ رہیگا۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ معنی صحیح نہیں۔ اور اسناد کے ساتھ حسن سے مروی ہے کہا کہ عمر فاروق رضہ کا قول ہے کہ اگر اہلِ دوزخ اتنا دراز عرصہ اور طویل زمانہ دوزخ میں باقی رہینگے جس کے سالوں کا شمار کرنا ایسا دشوار ہے جیسا کہ ایک بڑے ٹیلے کے ریت کے دانوں کو شمار کرنا دشوار ہے۔ تب بھی ایک ایسا روز آئیگا جس میں وہ سب کے سب دوزخ سے نکالے جائینگے۔ ایک دوسری سند سے حسن ہی سے اسی طرح مروی ہے۔ اور اِس اثر کے راوی سب کے سب ثقہ اور آئمہ حدیث ہیں۔ اور حسن نے اس کو بعض تابعین سے سُنا اور بغیر انکار اسکو روایت کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث اِن ائمہ کے درمیان متداول تھی۔ اور کوئی اس کا انکار نہ کرتا تھا۔ حالانکہ یہان کا شیوہ تھا کہ اگر کوئی شخص تھوڑا سا حدیث کا خلاف کرتا تو بلا توقف اسکی تردید کر دیتے۔ اور کسی کی رد و رعایت کو روا نہ رکھتے اور اسکے مقابل صحیح حدیثیں بیان کر کے اُس کا پورا ابطال کر دیتے تھے۔ امام احمد کا مقولہ ہے

کہ حماد بن سلمہ کی حدیث مبتدعین کے حلق میں کانٹے کی مانند ہیں۔ اگر یہ قول انکے نزدیک اُن بدعات سے ہوتا جو حدیث اور اجماع کے خلاف ہیں۔ تو فوراً اس کی تردید اور انکار کرتے۔ ہو علی بن طلحہ کی تفسیر میں آیت قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (خدائے تعالیٰ فرمائیگا کہ تمہارا (سب کا) ٹھکانا دوزخ ہے۔ اسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہوگے) الخ کے تحت میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کسی کو یہ سزاوار نہیں کہ وہ اللہ سبحانہ پر اُسکی مخلوق کی نسبت کوئی حکم کرے اور نہ یہ کہے کہ وہ جنت میں رہینگے یا دوزخ میں۔ طبری کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ اس استثنا کے یہ معنے بیان کرتے تھے کہ اللہ سبحانہ نے ان لوگوں کی غایت عذاب کو اپنی مشیت پر موقوف رکھا ہے۔ ابن عباسؓ کی اس تفسیر سے اُن لوگوں کے اقوال کی تردید ہوگئی۔ جو یوں کہتے ہیں۔ کہ اس آیت کا یہ معنی ہے کہ اللہ سبحانہ نے بعض انواع عذاب کو استثنا کیا ہے یا یوں کہتے ہیں کہ اس استثنا سے وہ مدت مراد ہے۔ جو بعث اور دوزخ میں داخل ہونیکے درمیان ہے کہ اس مدت میں دوزخ سے باہر ہونگے یا اس استثنا سے اہل قبلہ مراد ہیں یا کلمہ اِلَّا بمعنی اَوْ عاطفہ ہے اور یہ تاویلات رکیک اور کمزور ہیں۔ آیت کے مضمون کے موافق نہیں اور تامل کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ یہ تاویلات صحیح نہیں ہوسکتیں۔ سدی نے اللہ تعالیٰ کے قول لَابِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا (اسی میں قرنوں پڑے رہینگے) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اہل دوزخ ستر سو حقبہ دوزخ میں رہینگے۔ ایک حقبہ ستر سال کا ہوگا اور سال تین سو ساٹھ دن کا اور ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ دوزخیوں کے قیام دوزخ کو احقاب کے ساتھ مقید کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی مدت معینہ تک دوزخ میں رہینگے جو حساب اور شمار میں آسکتی ہے۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ اور اسی واسطے زجاج نے یہ تاویل کی ہے کہ لفظ احقاب اللہ تعالیٰ کے قول لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا (وہاں نہ تو کسی طرح کی ٹھنڈک کا (مزہ) چکھیں گے اور گرم پانی اور پیپ کے سوا اُن کو کچھ پینے کو بھی نہیں ملیگا) کی تقیید ہے اور دوزخیوں کے دوزخ میں ٹھیرنے کی مدت احقاب کے ساتھ اندازہ نہیں ہوسکتی۔ مگر زجاج کی یہ تاویل ہرگز صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ احقاب کے بعد اہل دوزخ برد اور شراب کے مزے اُڑائیں۔ اور ایک دوسری جماعت کا یہ قول ہے۔ کہ یہ آیت دوسری آیات مثلاً وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (اور نہ یہ کبھی اُس سے نکالے جائینگے) اور هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ (وہ اُس میں

ہمیشہ رہینگے (ہمیشہ ہمیشہ رہینگے) وغیرہ سے منسوخ ہے لیکن منسوخ کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ نسخ سے اگر رفع حکم مراد ہے تو وہ اخبار میں (تاوقتیکہ معنے طلب آن سے مراد نہ ہو) جاری نہیں ہوسکتا اور اگر نسخ سے تفسیر اور بیان مراد ہے تو یہ درست ہے مگر اس سے اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ جب تک دوزخ موجود رہیگا۔ یہ عذاب میں مبتلا رہینگے۔ اور اس سے باہر نہیں نکالے جائینگے۔ اور یہ بات صحیح اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے لیکن نزاع ایک دوسرے امر میں ہے کہ دوزخ کا وجود ابدی اور دوام ذات الٰہی کی طرح دائم ہے یا نہیں سو کسی آیت یا حدیث سے یہ بات ثابت نہیں کہ دوزخ دائم اور ابدی ہے۔ اور ایک دوسری جماعت یوں کہتی ہے کہ لَابِثِیْنَ فِیْھَا اَحْقَابًا اہل توحید کے بارے میں ہے۔ اور یہ تاویل پہلی تمام تاویلات سے زیادہ خراب ہے اور آیات کا سیاق صراحتًا اس کو رد کرتا ہے۔ اور بعض اہل علم نے جب یہ سمجھا کہ یہ سب تاویلیں باطل ہیں۔ تو انھوں نے یوں کہا کہ احقاب کے ذکر کرنے سے اہل دوزخ کے عذاب اور قیام دوزخ کا متناہی ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ احقاب کو کسی عدد کے ساتھ معدود نہیں کیا گیا۔ یعنی یوں نہیں فرمایا۔ کہ اہل دوزخ دس حقبے یا سو حقبے دوزخ میں ٹھیرینگے۔ اور اگر احقاب کسی عدد کے ساتھ معدود ہوتے تو بھی عذاب کے متناہی ہونے پر اسکی دلالت بالمفہوم ہوتی۔ اور جب عدد کا ذکر ہی نہیں تو پھر احقاب کا ذکر عذاب کے متناہی ہونے پر کس طرح دال ہوسکتا ہے۔ اور انکے نزدیک آیت کا یہ معنی ہے کہ جب چند حقبے گذر جائینگے تو اس کے بعد چند اور حقبے دوزخ میں ٹھیرینگے۔ اور ہمیشہ لاالی النہایہ اسی طرح ہوتا رہیگا۔ مگر انھوں نے جو آیت کا معنی بیان کیا ہے آیت کے الفاظ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ اور ان کا یہ کہنا کہ چونکہ احقاب کو کسی عدد کے ساتھ معدود نہیں کیا گیا۔ اس کا یہ جواب ہے کہ اگر اللہ سبحانہ کو مدت عذاب کا عدم انتہا بیان کرنا مقصود ہوتا۔ تو اس کو احقاب کے ساتھ مقید نہ فرماتا۔ کیونکہ جو چیز غیر متناہی ہو اسکی نسبت یوں نہیں کہا جاتا کہ وہ اتنے احقاب (دہور و اعصار زمانے) باقی رہیگی۔ اور اسی واسطے اہل جنت کی نعمتوں کی نسبت ایسا نہیں کہا گیا۔ ظاہر ہے کہ ابدی چیز کی نسبت جس کا کبھی زوال نہ ہو۔ یوں کہنا کہ وہ اتنے احقاب یا اتنے ہزار سال باقی رہیگی۔ ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا۔ صحابہ کرام رض قرآن کریم کے معانی کو خوب سمجھتے تھے۔ عمر رض نے جو اس آیت کا مطلب سمجھا تھا۔ وہ ان لوگوں کی تاویلات اور معانی کے خلاف ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رض نے آیت استثنا کے متعلق جو کچھ سمجھا وہ بھی ان کے

مخالف ہے۔ اور قرآن کریم کی تفسیر اور اُسکے معانی کے بیان کے متعلق صحابہ کرام رضی کی رائے اور فہم زیادہ قابلِ اعتبار ہے۔ ابن مسعود رض کا قول ہے کہ جہنم پر ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ اُس وقت اُسکے تمام دروازے بند کئے جا وینگے۔ اور اس میں ایک شخص بھی باقی نہ رہیگا۔ اور یہ زمانہ اہلِ دوزخ کو کئی حقبے دوزخ میں ٹھیرنے کے بعد آئیگا۔ اور ابن سیرین کہتے ہیں کہ آیت خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ کی تفسیر کے متعلق ابن عباس رض سے مروی ہے کہ اللہ سبحانہ آگ کو حکم دے گا کہ اُنکے بدنوں کو کھا جائے۔ اور ایسا ہی ابن مسعود رض سے مروی ہے۔ اور شعبی سے مروی ہے کہ جہنم بہشت کی نسبت بہت جلدی آباد ہوگا اور پھر ادی طرح ویران ہو جائیگا۔ اور اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ بہشت بھی ویران ہو جائیگا۔ مگر وہ دیر کو ویران ہوگا۔ بلکہ یہاں تفضیل نفسی کیلئے افعل یعنی اسرع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ آیت اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا (جنت والوں کا اُس دن یہ حال ہوگا کہ ان کا ٹھکانا بہتر سے بہتر اور خوابگاہ عمدہ سے عمدہ ہوگی) اور آیت آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ (کیا اللہ بہتر ہے یا وہ (چیزیں) جن کو یہ لوگ شریک (خدائی) ٹھیراتے ہیں) اور حدیث میں اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلُّ وارد ہے۔ اس میں افعل اسم تفضیل کے الفاظ تفضیل نفسی کیلئے استعمال کئے گئے ہیں۔ اور دوزخ کے بہت جلدی آباد ہونے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ لوگ ان اعمال کے کرنے میں جن کے سبب دوزخ میں داخل ہونگے جلدی کرینگے۔ اور بہشت میں داخل کرنے والے کاموں میں سست ہونگے۔ دوسرا یہ کہ اہلِ دوزخ اہلِ جنت کی نسبت دوزخ میں پہلے داخل ہونگے۔ اور اہلِ جنت اُنکے بعد جنت میں جائینگے۔ کیونکہ وہ تو صراط سے گذر کر بہشت میں داخل ہونگے۔ اور نیز کچھ عرصہ تک اُس پل پر ٹھیرائے جائینگے۔ جو بہشت کے آگے رکھی ہوئی ہے۔ اور اہلِ دوزخ نہ تو صراط سے گذرنا ہوگا۔ اور نہ اُس پل پر اُنکے لئے رکاوٹ ہے اور یہ لوگ پہلے سے جہنم میں اپنی اپنی جگہ پر موجود ہونگے۔ اور نیز صحیح حدیث میں آیا ہے۔ کہ جب منادی یہ آواز دیگا۔ کہ ہر ایک جماعت اپنے معبود کے پیچھے ہو لے تو مشرک لوگ اپنے بتوں اور باطل معبودوں کے پیچھے چلینگے۔ اور وہ اُنکے سمیت سب دوزخ میں گر پڑینگے۔ اور یہ امت میدانِ قیامت میں کھڑی رہیگی۔ یہانتک کہ اللہ عزوجل تشریف لائیگا اور یوں ارشاد فرمائیگا۔ کہ تم وہاں کیوں نہیں گئے جہاں دوسرے لوگ چلے گئے ہیں الخ۔ خطیب نے اپنی تاریخ میں سہل بن عبداللہ کے ذکر میں

باسنا دکھا ہے کہ ابو امامہ یوں کہتے ہیں۔ کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دوزخ پر ایک ایسا روز آئیگا کہ اُس روز دوزخ میں ایک بنی آدم بھی باقی نہ رہیگا۔ اور اُس کے سب دروازے بند کئے جائینگے۔ اور اہلِ دوزخ پر وہ ایسے بند ہونگے جیسے کہ موحدین پر بند ہیں۔ اور ہمارا اعتماد صرف اس حدیث پر نہیں۔ کیونکہ اسکی اسناد ضعیف ہیں۔ بلکہ اسکی تائید اور تقویت ابن مسعود کی اُس روایت سے ہوسکتی ہے جو پہلے بیان ہوچکی ہے +

فصل۔ جو لوگ دوزخ کے ابدی ہونے اور اس کے عدم فنا کے قائل ہیں۔ وہ اپنے دعوے پر کئی طریق سے استدلال کرتے ہیں:۔

طریق اول یہ ہے کہ وہ اُن آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ اہلِ دوزخ کے لئے دوزخ میں خلود ہوگا اور نہ وہ مرینگے۔ اور نہ اُس سے نکالے جائینگے۔ اور موت کو بہشت اور دوزخ کے درمیان لاکر ذبح کیا جائیگا اور کفار کا بہشت میں داخل ہونا ایسا محال ہے جیسا کہ اونٹ کا سوئی کے سوراخ میں داخل ہونا محال ہے۔ انکے علاوہ اور اسی قسم کے بہت سے نصوص سے استدلال کرتے ہیں۔ مگر اس استدلال سے اُن کا دعوے ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان تمام نصوص سے صرف اسقدر ثابت ہوتا ہے کہ جب تک دوزخ موجود اور باقی ہوگا۔ اہلِ دوزخ اس میں موجود رہینگے اور اُس سے نکالے نہیں جائینگے۔ اور ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دوزخ کے لئے فنا اور زوال نہیں +

دوسرا طریق یہ ہے کہ اپنے اس مدعا پر کہ جہنم ابدی اور لازوال ہے۔ اجماع کا دعوے پیش کرتے ہیں۔ اجماع کا دعوے بھی غلط ہے۔ کیونکہ ہم صحابہ اور تابعین کے ایسے اقوال بیان کرچکے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ لوگ انکے اجماع کے خلاف ہیں۔ بلکہ اقوال مذکورہ کے لحاظ سے انکے خلاف پر اجماع کا دعوے ہوسکتا ہے کیونکہ صحابہ و تابعین سے ان اقوال کا خلاف ثابت نہیں ہوا +

تیسرا طریق یہ ہے کہ یہ مسئلہ کہ دوزخ اور جنت فنا نہیں ہونگے۔ بلکہ ہمیشہ باقی رہینگے۔ اسلام کے بدیہی اور ضروری مسائل میں سے ہے۔ اور اسی واسطے تمام اہلِ سنت نے ابو ہذیل۔ جہم اور اُنکے موافقین کی تردید کی ہے۔ جو دوزخ کے فنا کے قائل

ہیں۔ اور ان کے اقوال کو اُن اہل بدعت کے اقوال میں سے شمار کیا ہے۔ جو شریعت حقہ ہویہ کے خلاف ہیں۔ جو ہذیل، جہم وغیرہ کا یہ قول کہ جنت اور دوزخ اور چیزوں کی طرح فنا ہو جائینگے۔ بیشک اہل بدعت کے اقوال میں سے ہے اور اس قول کے سبب وہ اہل سُنت کی جماعت سے خارج گئے ہیں لیکن یہ دعوے کہ دوزخ ایسا ہی ہمیشہ دائم اور باقی رہیگا۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ کی ذات ہمیشہ دائم اور باقی ہے ازلی طور پہ بھی معلوم نہیں تو پھر اُس کی بداہت اور ضرورت کا دعوے کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ ادلہ شرعیہ اور عقلیہ میں سے ایک دلیل بھی اس دعویٰ کے ثبوت پر دلالت نہیں کرتی ؛

چوتھا طریق یہ ہے کہ مشہور یا متواتر حدیث میں اہل توحید کے دوزخ سے نکلنے کا بیان مذکور ہے اور اس میں کفار کے دوزخ سے خارج ہونے کا ذکر نہیں۔ حدیث مشہور میں بیشک اہل توحید کے دوزخ سے خارج ہونے کا ذکر ہے اور کفار کے خروج کا اس میں ذکر نہیں۔ سو اسکی یہ وجہ ہے کہ اہل توحید دوزخ سے اُس وقت نکالے جائینگے جبکہ دوزخ باقی اور موجود ہوگا۔ اور کفار کے لئے یہ حرکت حاصل نہیں ہوگی۔ بلکہ جب تک دوزخ موجود اور باقی ہوگا وہ اسی میں موجود رہینگے اور جب فنا ہو جائیگا اُس سے خارج کئے جائینگے ؛

پانچواں طریق یہ ہے۔ کہ عقل اس بات کو چاہتی ہے کہ کفار ہمیشہ ابدالآباد دوزخ میں بند رہیں اور کبھی اس سے خارج نہ کئے جائیں کیونکہ اُن کے نفوس خیر کے قابل نہیں۔ چنانچہ اگر دوزخ سے نکالے جائینگے تو وہ پھر ویسے ہی کافر ہو جائینگے جیسے کہ پہلے تھے۔ اور اسی مضمون کی طرف اللہ تعالےٰ نے بھی اشارہ فرمایا ہے۔ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ (اور اگر دنیا میں واپس بھیجے جائیں تو جس چیز سے اُنکو منع کیا گیا ہے اُس کو دوبارہ کریں) یہ آیت انکی نہایت سرکشی شرارت پر اصرار کرنے اور اُن میں کسی طرح کی خیر کی قابلیت نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے پس ایسے شریر اور خبیث نفس عذاب ہی کے لائق اور سزاوار ہیں۔ اگر ان میں سلامت کی استعداد ہوتی۔ تو وہ عذاب طویل سے صلاحیت پذیر ہو جاتے۔ اور جب مدت دراز اور کئی احقاب کے طویل عذاب اور سزا نے اُن میں کچھ اثر نہ کیا اور شر سے پاک و صاف نہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ اُن میں بالکل خیر کے قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد ہی نہیں۔ اور اُن میں عذاب کے اسباب میں کمی نہیں ہوتی پس عذاب جو ان اسباب پر مترتب ہے۔ اس میں بھی کمی نہیں ہونی چاہئے اور یہ طریق اگرچہ بظاہر کمزور معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ طریق قوی اور مضبوط ہے۔ اور اس کی دلیل

طریقِ حکمت کیطرف راجع ہے کہ اللہ سبحانہٗ کی وہ حکمت جو کفار کے دوزخ میں داخل ہونے کی مقتضی ہے
وہی اس بات کو چاہتی ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں گرفتار رکھے جائیں۔ اگر منکرینِ حکمت
کے سامنے اس طریق کو پیش کرنا صحیح نہیں اور مثبتینِ حکمت تعلیل میں سے معتزلہ اور قدریہ کے سامنے
بھی درست نہیں ہو سکتا۔ منکرینِ حکمت کے سامنے اس طریق کا جاری نہ ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ
وہ جب حکمت ہی کو نہیں مانتے تو پھر اس استدلال کو جو حکمت پر موقوف ہے کس طرح تسلیم کرینگے۔
اور مثبتینِ حکمت کے سامنے اسکو پیش کرنا اسلئے صحیح نہیں کہ انکے نزدیک عذاب میں حکمت یہ ہے کہ
اس میں معذبین کی مصلحت ہے اور یہ تب صحیح ہو سکتا ہے کہ گرفتار رکھے۔ یہ دو حالتیں ہوں۔
ایک وہ حالت کہ جس میں انکی مصلحت کیلئے انکو عذاب و سزا دی جائے اور دوسری وہ حالت کہ جس میں عذاب
موقوف ہو جائے تاکہ وہ مصلحت حاصل ہو۔ ہمیشہ عذاب میں کہ کبھی ختم نہ ہو کونسی مصلحت ہو سکتی
ہے۔ اور جو لوگ عذاب میں اس حکمت کو ثابت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو تو ان کے
اصول کے مطابق اس طریق پر استدلال کرنا صحیح ہو سکتا ہے۔ اور اس وقت اس کا جواب یہ ہے کہ
اللہ سبحانہٗ کی حکمت اس بات کو مقتضی نہیں کہ اسکی ذات کے بقا اور دوام کے ساتھ ان کا عذاب دائم
و باقی رہے۔ اور نہ اللہ سبحانہٗ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس نے انکو ایسے دائم عذاب میں مبتلا
رکھنے کے لئے پیدا کیا ہے بلکہ حقیقۃ الامر یہ ہے کہ ان کا عذاب ایک غایت محدودہ کے حصول کے لئے
عذاب ہوگا اور جب وہ حاصل ہو جائیگی۔ تو انکے معذب کرنے سے جو کچھ مقصود ہے وہ حاصل ہو جائیگا
اور اللہ سبحانہٗ اپنی مخلوق کو بلا وجہ اور سوائے کسی مصلحت کے عذاب نہیں کرتا۔ اور اللہ سبحانہٗ کو یہ قدرت
ہے کہ انکو عذاب طویل کے بعد دوبارہ ایسے طور پر پیدا کرے کہ وہ ان شرور اور خباثت سے جو انکے
نفوس میں ساکن تھے پاک اور صاف ہوں اور طول عذاب کی وجہ سے وہ سب زائل اور دور ہو جائیں۔
کیونکہ اصل فطرت میں تو وہ خیر کے قابل اور صالح تھے اور یہ قبولیت اور استعداد انکی خلقت کے لوازم
سے ہے اور اسی وجہ سے اپنے خالق اور رب ماننے والے کے معترف ہو چکے تھے۔ اور وہ حالت
جس نے اصل فطرت کے مقتضی کو باطل کر دیا تھا وہ بعد میں عارضی اور لاحق ہوئی تھی۔ اور جب وہ
حالت عارضہ عذاب طویل کی وجہ سے زائل ہو جائیگی۔ تو وہ استعداد اور قبولیت جو اصل فطرت میں
موجود تھی بلا کسی معارض اور مانع کے موجود رہیگی۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا
نُهُوا عَنْهُ کا یہ مطلب ہے کہ اگر کفار کو عذاب میں مبتلا کرنے سے پہلے دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے
تو پھر وہی کام کرنے لگیں جن سے منع کئے گئے تھے۔ غرض یہ مبتلا ہے عذاب سے پہلے کا ذکر ہے۔

چنانچہ اس آیت کا ماقبل دیکھنے سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو جاتی ہے قال تعالے وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ
وُقِفُوا عَلَى النَّارِ قَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
بَلْ بَدَا لَهُم مَّا كَانُوا يُخْفُونَ مِن قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ
لَكَاذِبُونَ (اور اے پیغمبر) کاش تم (ان کو) ایسی حالت میں دیکھو کہ دوزخ پر (لا کر) کھڑے کئے
جائیں اور (اس کو دیکھ کر) کہیں گے - اے کاش ہم (پھر دنیا میں) واپس بھیجے جائیں اور اپنے
پروردگار کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور ایمان والوں میں سے ہوں (دیکھو نہیں) انکی یہ ندامت تہ دل سے
نہیں بلکہ جس (بے ایمانی) کو پہلے سے چھپاتے تھے (اب) انکے آگے آئی (اور اس کو دیکھ کر ندامت
کا اظہار کرنے) اور اگر (دنیا میں) واپس بھیجے جائیں تو جس چیز سے انکو منع کیا گیا ہے اسکو پھر دوبارہ (کریں)
اور قبل عذاب تو وہ شرور اور خباثت جو انکے نفوس میں جاگزین تھے بدستور موجود ہیں - ابھی آگ دوزخ
نے انکو زائل اور معدوم نہیں کیا - لہذا اگر دنیا میں دوبارہ بھیجے جائیں - تو چونکہ کفر کا باعث اور
مقتضی ان میں موجود ہے - اس واسطے پھر وہی کفر اختیار کریں - اور اس مسئلہ کا راز یہ ہے
کہ یہ ضروری ہے - کہ فطرت اصلیہ اپنا عمل ظاہر کرے جیسا کہ حالت عارضہ اور فطرت ثانیہ نے جو
بعد میں طاری ہوئی تھی اپنا کام کیا اور فطرت اصلیہ تمام بنی آدم کو شامل اور سب میں موجود ہے -
چنانچہ صحیحین میں یہ روایت ابوہریرہ مروی ہے - وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے
ہیں آپنے فرمایا ہے کہ ہر ایک بچہ فطرت (توحید) پر پیدا ہوتا ہے - اور ایک دوسری روایت
میں ہے کہ ملت اسلام پر پیدا ہوتا ہے - اور صحیح مسلم میں عیاض بن حماد مجاشعی سے مروی ہے
وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ان احادیث کے سلسلے میں جن کو آپ اپنے پروردگار کی کتاب
سے بیان فرماتے ہیں یوں روایت کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے سب
بندوں کو موحد اور حنیف پیدا کیا - بعد میں انکے پاس شیطان آئے - اور انہوں نے انکو
دین سے پھیر دیا اور انکو میرے ساتھ ان چیزوں کے شریک کرنے کا حکم کیا - جن کے لئے
میں نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی - اس حدیث میں صاف بتلا دیا ہے کہ بنی آدم میں اصل
توحید اور حنیفیت ہے اور اسی پر وہ پیدا کئے گئے ہیں اور اسکی ضد کفر و شرک بعد میں شیطان
کے اغوا سے پیدا ہوتی ہے - پس یہ بات محال ہے کہ شیطان کا اغوا تو اپنا اثر کرے اور رحمن
جل جلالہ کی خلقت اور فطرت کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو - شیطان کفار اور مومنین سب کا خالق وہی
ہے - اسکے سوا کوئی دوسرا خالق نہیں - اتنا فرق ہے کہ مومنین کو پیدا کرنا اسکے نزدیک محبوب

پسندیدہ ہے۔ اور اسکے اثر کو اُس کی طرف نسبت کر سکتے ہیں۔ اور کفار و شیاطین کی خلقت
اُس کے نزدیک نہایت مبغوض و ناپسندیدہ ہے۔ اور اسکے اثر کو اسکی طرف نسبت کرنا درست نہیں۔
کیونکہ شر اسکی طرف منسوب نہیں اور خیر سب کی سب اُسکے ہاتھ میں ہے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش
کرے کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ (اور اگر اللہ اُن میں
کچھ بھی) بہتری پاتا تو انکو سُننے کی قابلیت بھی ضرور عطا فرماتا) اور اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن
میں کسی قسم کی بہتری اور خوبی کی قابلیت نہیں اور اُن میں کسی نوع کی خیر موجود نہیں۔ اگر اُن میں
کسی قسم کی خیر موجود ہوتی۔ تو اسکے بدولت اہل توحید کے ساتھ دوزخ سے نکال کر جنت میں
داخل کیے جاتے کیونکہ اللہ سبحانہ اُن تمام لوگوں کو دوزخ سے نکال دیگا جن کے دلوں میں ذرہ بھر
بھی موجود ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں لفظ خیر سے اللہ سبحانہ اور اسکے رسول
پر ایمان لانا مراد ہے۔ چنانچہ دوسری روایت میں خود لفظ ایمان مذکور ہے اور ایمان اللہ تعالے
اور اسکے رسول کی تصدیق اور اسکے احکام کی اطاعت کا نام ہے۔ اور آیت میں جو لفظ خیر مذکور
ہے اس سے نعمت کی قدر شناسی منعم کی شکر گذاری۔ قابلیت طہارت اور صفائی مراد ہے
اگر اللہ سبحانہ کو معلوم ہوتا کہ اس قسم کی خیر و خوبی ان میں موجود ہے۔ تو انکو اپنے احکام اور کلام
پاک ایسے طور پر سنا دیتا جس سے وہ منتفع اور فائدہ مند ہوتے۔ اور وہ سماع جس سے اُن پر
حجت الٰہی تمام ہوا انکے حق میں موجود ہے۔ اور وہ سب احکام کو سُن چکے ہیں پس کفر اور انکار کے
سبب وہ قابلیت جو اصل فطرت میں موجود تھی معطل اور بیکار ہو گئی۔ اور اُس کا اثر زائل اور دور
ہو گیا۔ اور وہ اس معدوم چیز کی طرح ہو گئی جس سے کوئی نفع حاصل نہ ہو سکے اور اس کا اثر صرف
قیام حجت کے بارے میں ظاہر ہوا اور انکے اعمال اور عقائد کے نفع دینے میں اُس کا کوئی اثر
ظاہر نہ ہوا۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ وہ لڑکا جس کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا فطرۃً ہی
کافر پیدا کیا گیا تھا۔ اور نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی نسبت یوں فرمایا ہے وَلَا يَلِدُوا إِلَّا
فَاجِرًا كَفَّارًا (اور ان سے جو نسل چلیگی وہ بھی بدکار (اور) کٹے کافر ہونگے) نیز اس حدیث
میں جسکو امام احمد اور ترمذی نے مرفوعاً روایت کیا اس طرح وارد ہے کہ بنی آدم مختلف طبقات
اور درجات پر پیدا کئے گئے ہیں بعضے ایمان پر پیدا ہوتے اور ایمان ہی پر زندہ رہتے ہیں۔
اور ایمان ہی پر انکی موت ہوتی ہے اور بعضے کفر پر پیدا ہوتے اور کفر ہی پر زندہ رہتے اور کفر
ہی پر مرتے ہیں آخر حدیث تک۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جو آیات اور حدیث ہر ایک بنی آدم

کے فطرت اسلام پر پیدا ہونے کے مخالف اور متناقض نہیں کیونکہ اُن کا یہ مطلب ہے کہ بعض لوگ گو
فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتے ہیں مگر انکے حق میں یہ مقدر ہوتا ہے کہ جب وہ سنِ شعور اور عقل کو پہنچینگے تو
وہ کفر کرینگے ورنہ ولادت کے وقت تو کفر یا ایمان میں سے کسی بات کی خبر نہیں ہوتی۔ پس ان نصوص
میں حقیقی تعارض نہیں بلکہ بیان مقادیر ہے۔ پس ایسے لوگ دو اعتبار کے لحاظ سے مولود علی الفطرت
بھی ہیں اور مولود علی الکفر بھی یعنی انکی پیدائش تو فطرتِ اسلام پر ہوتی ہے اور اُسکے ساتھ ہی
انکے حق میں یہ مقدر ہوتا ہے کہ یہ بڑے ہو کر کفر اختیار کرینگے۔ اور یہ دونو اعتبار صحیح ہیں۔ فطرت پر
پیدا ہونا تو اس لحاظ سے ہے کہ اگر انکو اسی فطرت پر چھوڑا جائے اور صحبت بد کے اثر سے
محفوظ رہیں۔ تو اسلام کو قبول کریں۔ اور کفر پر پیدا ہونا اس لحاظ سے ہے کہ جب بڑے ہونگے
تو اپنے اختیار اور ارادہ سے کفر قبول کرینگے۔ غرض جب کفار کی فطرت اصلیہ اور اللہ سبحانہ کی
رحمت کاملہ اور حکمت بالغہ کا لحاظ کیا جائے تو حقیقۃ الامر منکشف ہو جاتی ہے کہ کفار ابد الآباد
ہمیشہ عذابِ دوزخ میں مبتلا رہینگے ؛

چھٹا طریق یہ ہے کہ دار العدل یعنی دوزخ کو دار الفضل یعنی بہشت پر قیاس کیا جائے اور
جیسا کہ جنت ابدی اور دائم ہے اسی طرح جہنم بھی ابدی اور لازوال ہے۔ کیونکہ جہنم کے ابدی ہونے
سے اُس کا کمال عدل ثابت ہوتا ہے۔ اور عدل اور رحمت اُسکی ذات مقدس کے لوازم میں
سے ہیں۔ اور یہ طریق بھی صحیح اور نافذ نہیں کیونکہ عدل اللہ سبحانہ کا حق ہے اور اُس پر یہ واجب
نہیں کہ اپنا پورا عدل ظاہر فرمائے اور عدل کے ترک کرنے سے کسی قسم کا نقص اور مذمت اُسکو
لاحق نہیں۔ اور اظہارِ فضل کی نسبت اُس نے اپنے بندوں سے مضبوط وعدہ فرمایا ہے اور
اس کو اپنی ذات پر واجب قرار دیا ہے۔ اور بہشت اور دوزخ میں کئی وجوہ سے فرق موجود
ہے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح اور درست نہیں۔ ان دونو میں ایک وجہ فرق یہ ہے کہ
اللہ سبحانہ نے بتلا دیا ہے کہ جنت کی نعمتیں کبھی ختم نہ ہونگی۔ اور اہلِ جنت پر اللہ سبحانہ کی عطا اور
ان کا اجر کبھی منقطع نہ ہوگا۔ اور اہل دوزخ کے عذاب کی نسبت اللہ سبحانہ نے ایسا بیان نہیں
فرمایا کہ عذاب دوزخ بھی کبھی ختم نہ ہوگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے چند آیات میں بیان
فرمایا ہے کہ اہل دوزخ کا عذاب متناہی اور ختم ہونے والا ہے۔ اور ہم ان آیات کو پہلے ذکر
کر چکے ہیں۔ اور اہل جنت کی نعمتوں کے متناہی اور ختم ہونے کو کہیں بیان نہیں فرمایا۔ اور اسی واسطے
اُن لوگوں کو جو جہنم کے ابدی اور لازوال ہونے کے قائل ہیں۔ آیاتِ مذکورہ بالا کی تاویل کی

ضرورت پیش آئی۔ اور اہل جنت کی نعمتوں کے بارے میں ایسی کوئی نص وارد نہیں جس سے ان کا انقطاع مفہوم ہو۔ اور یہ لوگ تاویل سے اس کی تخصیص کرتے ہ

تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ احادیث جو عذاب دوزخ کے متناہی اور منقطع ہونے کے باب میں آئی ہیں۔ اس قسم کی کوئی حدیث اہل جنت کی نعمتوں کے انتہا اور انقطاع کے بارے میں ہرگز وارد نہیں ہوئی ہ

چوتھی وجہ یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین اور تابعین سے عذاب دوزخ کے انقطاع اور ختم ہونے کو بیان کیا ہے اور جنت کی نعمتوں کے انقطاع کو ان میں سے کسی نے بیان نہیں کیا ہ

پانچویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالے نے بعض لوگوں کو بغیر کسی نیک عمل کے جنت میں داخل کر دیگا اور دوزخ میں سوائے گناہ کے ہرگز کسی کو داخل نہیں کریگا ہ

چھٹی وجہ یہ ہے کہ جنت میں اللہ سبحانہ ایک ایسی مخلوق پیدا کرے گا۔ جن کو جنت کی نعمتوں سے سرفراز فرمائیگا۔ اور دوزخ میں کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کریگا۔ کہ انکو عذاب دوزخ میں مبتلا کرے ہ

ساتویں وجہ یہ ہے کہ جنت اسکی رحمت کا مقتضے ہے اور دوزخ اس کے غضب کا۔ اور جو لوگ دوزخ میں داخل ہونگے وہ کئی درجے ان لوگوں سے زیادہ ہونگے جو جنت میں داخل ہونگے پس اگر اہل دوزخ کا عذاب ویسا دائم اور ابدی ہو جس طرح کہ اہل جنت کی نعمتیں ابدی ہونگی۔ تو اس صورت میں اللہ تعالے کا غضب اسکی رحمت پر غالب ہوگا۔ اور اللہ تعالے کے غضب کا رحمت سے غالب ہونا محال ہے ہ

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ جنت اسکے فضل کا مقام ہے اور دوزخ دار عدل ہے اور اس کا فضل اسکے عدل پر غالب ہے ہ

نانویں وجہ یہ ہے کہ دوزخ کو اللہ سبحانہ نے اسلئے بنایا ہے کہ اس میں اپنے اس حق کو جو بندوں پر واجب تھا ان سے پورا کرے اور جنت کو اسلئے پیدا کیا ہے۔ کہ بندوں کا وہ حق جس کو اللہ تعالے نے اپنے فضل سے اپنی ذات پر لازم کیا ہے ادا کرے اور یہ جائز ہے اللہ سبحانہ اپنے حق چھوڑ دے لیکن بندوں کے حق اسکو پورا ادا کرنے ضروری ہیں جیسے اپنے ذمہ لازم کرلیا۔ پس اسے ضرور پورا ادا کر دے

دسویں وجہ یہ ہے کہ جنت وہ غایت ہے کہ جسکے لیے مخلوق آخرت میں پیدا کی جائیگی اور جنت کے اعمال یعنی طاعت و عبادت الہی وہ غایت ہے۔ جس کے لئے جن اور آدمی دنیا میں پیدا کئے گئے ہیں۔ اور دوزخ مخلوق کے پیدا کرنے کی غایت نہیں اور نہ ایسی مخلوق کو اسلئے پیدا

کیا ہے کہ وہ اسکی ذات کے ساتھ کفر و شرک کریں۔ بلکہ انکو اپنی عبادت اور رحمت کیلئے پیدا کیا ہے۔

گیارھویں وجہ یہ ہے کہ جنت کی نعمتیں اُسکے اسماء و صفات کا مقتضٰی ہیں۔ اور عذاب اس کا فعل ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ (اے پیغمبر ہمارے بندوں کو آگاہ کردو کہ (ایک طرف) ہم بخشنے والے مہربان ہیں اور (دوسری طرف) ہمارا عذاب (بھی بڑا) موذی عذاب ہے) وقال تعالےٰ نے اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (اے پیغمبر بیشک تمہارا پروردگار جلد سزا دینے والا ہے اور اس میں (بھی) شک نہیں کہ وہ بخشنے والا مہربان (بھی) ہے) وقال تعالےٰ نے اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (جانے رہو کہ اللہ کا عذاب (بھی) بڑا سخت ہے اور یہ بھی کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے) اور جو چیز اُسکے اسماء و صفات کا مقتضٰی ہے وہ اسکے دوام کے ساتھ دائم رہیگی۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ عذاب بھی اس کی عزت حکمت اور عدل سے صادر ہوگا۔ اور عزیز حکیم اور عادل اسکے اسماء حسنٰے اور عزت حکمت اور عدل اُسکے صفات کمال میں سے ہیں تو جو چیز ان سے صادر ہوگی وہ بھی انکے دوام کے ساتھ دائم ہوگی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک عذاب کا صدور اللہ سبحانہ کی عزت حکمت اور عدل سے ہے مگر مقصود کے حاصل ہونے کے وقت اُس کا ختم ہو جانا یہ بھی تو اسکی عزت حکمت اور عدل سے صادر ہوگا۔ غرض عذاب اور اس کا انقطاع اور ختم ہونا دو نو اُس کی عزت حکمت اور عدل سے ہی صادر ہونگے۔ فرق اتنا ہے کہ انتہا کے وقت عزت رحمت کے ساتھ۔ حکمت۔ جود و احسان کے ساتھ اور عدل عفو اور صفح کے ساتھ مقرون ہوگا۔ اور اس طرح اُسکی لازوال عزت اور حکمت میں کوئی کمی لازم نہیں آتی۔ بلکہ خلق اور امر کا تمام سلسلہ اُسکی عزت و حکمت سے صادر ہے۔

بارھویں وجہ یہ ہے کہ عذاب بذاتِ خود مقصود نہیں۔ بلکہ اس سے دوسری چیز مقصود ہے اور رحمت۔ احسان اور جنت کی نعمتیں بذات خود مقصود ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ احسان اور نعمتیں غایت ہیں۔ اور عذاب اور تکلیف وسیلہ ہیں۔ پس ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں۔

تیرھویں وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے بتلایا ہے کہ اسکی رحمت ایسی وسیع ہے کہ وہ ہر ایک چیز کو حاوی ہے۔ کوئی چیز اُس کی رحمت سے نکلی ہوئی نہیں۔ اور اُسکی رحمت اُسکے غضب پر سابق

اور غالب ہے اور رحم فرمانا اُس نے اپنی ذات پہ لازم کر لیا ہے تو ضرور ہے کہ کفار کو بھی اسکی رحمت حصہ ملے اور اگر وہ ہمیشہ عذاب نار میں مبتلا رکھے جائیں۔ تو لازم ہے کہ یہ اسکی وسعت رحمت کے منافی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ آیت رحمت یعنی وسعت رحمت کے بیان کے بعد اللہ سبحانہ نے یوں ارشاد فرمایا ہے فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَلَآيَةَ (تو ہم اسکو (خاص کر) ان لوگوں کے نام لکھیں گے جو پرہیزگاری اختیار کرینگے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ مومن متقی نہیں وہ اسکی رحمت سے خارج ہونگے۔ کیونکہ وہ اُس صفت سے فارغ ہیں جسکی وجہ سے اسکے بندے رحمت کے مستحق ہوتے ہیں۔ تو اُس کا جواب یہ ہے کہ وسعت رحمت کے بیان کے بعد جس رحمت کی نسبت یہ ارشاد ہوا ہے کہ وہ متقین کے لئے لکھی گئی ہے یہ اُس رحمت کے علاوہ ہے جو تمام مخلوق کو وسیع ہے بلکہ یہ ایک خاص رحمت ہے جس کے ساتھ اللہ سبحانہ نے متقین کو مخصوص کیا اور صرف اُنکے لئے اسکو مقرر کیا ہے۔ اور متقین وہ اہل صلاح ہیں جن کو بالکل کوئی عذاب نہ ہوگا۔ بلکہ وہ رحمت۔ کامیابی اور نعمتوں کے مالک ہونگے۔ اور یہ ایک طرز بیان ہے کہ کبھی خاص کو عام کے بعد ذکر کیا جاتا ہے۔ اور قرآن کریم میں بہت سی جگہ یہی طرز اختیار کی گئی ہے اور کبھی عام کو خاص کے بعد ذکر کرتے ہیں اور اصطلاح میں اسکو استطراد کہتے ہیں۔

کقولہ تعالےٰ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (لوگو! وہی (قادر مطلق) ہے جس نے تم کو تن واحد (آدم) سے پیدا کیا اور اُسی کی جنس کا اس کا جوڑا بنایا تاکہ مرد عورت کی طرف رغبت کرے تو جب مرد عورت سے لپٹ جاتا ہے تو عورت کو ایک ہلکا سا حمل رہجاتا ہے۔ پھر وہ اس حمل کو لئے لئے پھرتی ہے پھر جب حمل کی وجہ سے عورت زیادہ بوجھل ہو جاتی ہے تو (میاں بی بی) دونو (ملکر) خدا سے کہ وہی انکا پروردگار ہے، دُعا مانگتے ہیں کہ اے خدا، اگر تو ہم کو (جیتا جاگتا) پورا بچہ عنایت کریگا تو ہم تیرا بڑا احسان مانینگے پھر جب (خدا) انکو (جیتا جاگتا) پورا بچہ عنایت کرتا ہے تو اُس (اولاد) میں جو خدا نے انکو عنایت کی لگتی خدا کے شریک بنانے لگتے ہیں)

ان آیات میں اللہ سبحانہ نے پہلے حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کا بالخصوص ذکر فرمایا۔ اور اس کے بعد انکی اولاد میں سے عام طور زوجین کا ذکر کیا اور استطراد کی ایک اور مثال یہ آیت ہے

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ (اور ہم نے ورلے آسمان کو ستاروں کے چراغوں سے سجا رکھا ہے اور ہم نے ان چراغوں کو شیاطین کے لئے (ایک طرح کی) زد بنایا ہے) اس آیت میں پہلے ایک قسم کے ستاروں کا ذکر ہے جن سے آسمان کی زینت حاصل ہے اور اس کے بعد دوسرے قسم کو ذکر کیا ہے جو شیطانوں پر پھینکے جاتے ہیں۔ یہاں ایک نوع سے دوسرے نوع کی بابت استطراد کیا گیا ہے۔ اور چونکہ سب ستارے ایک ہی جنس سے ہیں اسلئے لفظ ضمیر جس سے دوسری نوع مراد ہے پہلی نوع کی طرف راجع کی گئی ہے۔ اور اللہ تعالے کا قول وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ (اور ہماری (جو) رحمت (ہے) وہ سب چیزوں کو شامل ہے تو ہم اس کو (خاصکر) اُن لوگوں کے نام لکھیں گے جو پرہیزگاری اختیار کرینگے) میں بھی اسی طرح اعادہ ضمیر کیا گیا ہے۔ اور وہ رحمت جو متقین کے لئے مقرر کیگئی ہے رحمت واسع کی ایک خاص نوع ہے۔ حاصلکلام یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی رحمت کی وسعت کا مقتضی یہ ہے کہ اہلِ دوزخ کفار کو بھی اس سے حصہ ملے اور نیز یہ ضروری ہے کہ اللہ سبحانہ کی رحمت ایسی وسیع اور غیر متناہی ہو جیساکہ اس کا علم وسیع اور نامحدود ہے۔ چنانچہ ملائکہ کے قول کو اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا (اے رب ہمارے تیری رحمت اور علم ہر چیز کو شامل ہے) ۔

چودھویں وجہ یہ ہے کہ صحیح حدیث میں جس میں شفاعت کا ذکر ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اولوالعزم رسول شفاعت نہ کرنے کا یہ عذر بیان کرینگے۔ کہ آج میرا پروردگار ایسا غضب میں ہے کہ نہ تو کبھی اس سے پہلے ایسا غضب میں ہوا ہے اور نہ کبھی اسکے بعد ایسا غضب میں ہوگا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ غضب عظیم دائم اور ہمیشہ نہیں رہیگا۔ اور یہ بات قطعًا معلوم ہے کہ اہلِ دوزخ اسی غضب کی وجہ سے دوزخ میں داخل کئے گئے تھے۔ پس اگر وہ غضب دائم رہتا۔ تو ان کا عذاب بھی دائم اور مستمر ہوتا۔ کیونکہ وہ اس غضب کا مقتضی اور موجب ہے اور جب اللہ سبحانہ راضی ہو جائیگا اور وہ غضب جاتا رہیگا تو عذاب جو اس کا موجب اور مقتضی ہے وہ بھی دور ہو جائیگا۔ اور یہ اس طرح ہے جس طرح کہ دنیا کے عام مصائب اور اکثر تکالیف اسکے غضب کے آثار ہوتے ہیں اور جب تک اللہ سبحانہ کا غضب باقی رہتا ہے۔ تو وہ مصیبت اور بلا بھی دور نہیں ہوتی۔ اور جب اللہ تم

راضی ہوا [illegible] اور رفع ہو جاتی اور اس کے
[illegible] ہوتی ہے ۔

[illegible] تفویض ہے ۔
[illegible] کا وقوع
[illegible] ان
[illegible] تو
[illegible] ہے کہ
اللہ تعالیٰ [illegible] کو دوست رکھتا ہے [illegible] ہے
[illegible] کو پسند رکھتا ہے [illegible] اس کا [illegible] شکر کرنے والوں
کو [illegible] رکھتا ہے [illegible] والوں کو دوست رکھتا ہے [illegible] اہل حیا کو محبوب رکھتا
ہے [illegible] اہل حیا اور [illegible] کو پسند رکھتا ہے [illegible] توبہ کرنے والوں
کو محبوب رکھتا ہے [illegible] توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۔ اور ان صفات کے اضداد
کو ناپسند اور برا جانتا ہے ۔ اور اسی طرح کفر ۔ فسق ۔ عصیان ۔ ظلم اور جہالت کو ناپسند
رکھتا ہے کیونکہ یہ صفات [illegible] اور [illegible] کا ضد اور اسکے خلاف ہیں ۔ مگر یہ صفات ان
کے ارادہ میں داخل ہیں کیونکہ یہ ان غایات یعنی چیزوں کو مستلزم اور انکے موقوف علیہ ہیں ۔ جو
اس کی محبوب و پسندیدہ ہیں اور جب وہ چیزیں جو اللہ سبحانہ کی محبوب و پسندیدہ ہیں ۔ انکے
ذریعے سے حاصل ہو جائیں اور یہ امور غایات مقصودہ کو پہنچا دیں تو پھر یہ امور یعنی ظلم ۔ جہل وغیرہ
مقصود و مراد نہیں رہتے بلکہ یہ زائل اور ان کے اضداد جو اللہ سبحانہ کو محبوب اور اس کے اسماء
و صفات کے موجب و مقتضی ہیں ۔ انکے قائم مقام موجود ہو جاتے ہیں ۔ اگر اس مسئلے کا راز
سمجھ میں آجائے تو فبہا ورنہ پہلے بیان پر قناعت کرنی چاہیئے اور اسکے انکار میں جلدی نہ کرنی
چاہیئے ۔ اور اس مسئلے کا راز یہ ہے کہ اللہ سبحانہ حکیم و رحیم ہے ۔ وہ اپنی مخلوق کو حکمت و رحمت
سے پیدا کرتا ہے ۔ اور جب ان لوگوں کو جو عذاب کے مستحق ہیں کسی حکمت کے لئے عذاب
دیگا ۔ تو یہ اسکے قانون حکمت کے مطابق جاری ہوگا ۔ جیسا کہ دنیا کے عقوبات یعنی حدود شرعیہ
اور دوسرے مصائب مقدرہ جو آدمی کو پیش آتے ہیں اور ان سے تہذیب نفس ۔ تادیب ۔ زجر ۔
رحمت اور [illegible] مقصود ہوتا ہے ۔ اور وہ نفوس کو انکے شر و خبث سے پاک ۔ صاف اور خالص

بنا دیتے ہیں۔ اور شریر اور ظالم نفوس اگر دنیا کی طرف عذاب سے پہلے لوٹائے جائینگے۔ تو ضرور دنیا
کا کام کرنے لگینگے جن سے منع کئے گئے تھے۔ اور عذاب سے پہلے وہ جنت کی سکونت کے قابل اور
سزاوار نہیں۔ کیونکہ جنت شریر۔ ظالم اور جھوٹے لوگوں کے رہنے کا مقام نہیں۔ اور جب ان نفوس
کو آگ کا ایسا عذاب ہوجائیگا۔ جو انکو شر سے خالص کر دیگا۔ اور انکی خباثت دور ہوجائیگی۔ تو پھر
قانونِ حکمت کے موافق جنت کی سکونت کے قابل ہوجائینگے۔ دنیا کی سزائیں بھی یہی مقصود
ہے۔ کہ جب کسی شریر کو سزا ملنے پر تنبیہ حاصل ہوجائے اور اسکی حالت درست ہوجائے۔ تو
پھر وہ عزت اور توقیر کے لائق سمجھا جاتا ہے۔ اور ایسے شریر نفوس کو پیدا کرنا جن کا شر عذاب
اور سزا ملنے سے دور ہوجائے اللہ سبحانہ کی کمال حکمت میں سے ہے اور ایسی شریر مخلوق کو
پیدا کرنا کہ جن کا شر کبھی زائل نہ ہو اور انکی خلقت محض شر اور عذاب دائمی کیلئے ہو۔ اور اللہ سبحانہ
کی رحمت اور حکمت کے خلاف ہے۔ اگرچہ ایسا کرنا اللہ سبحانہ کی قدرت میں داخل ہے۔ مگر
اس کی حکمت اور رحمت کے مطابق نہیں۔ اس دشوار مگر عظیم الشان مسئلے میں کہ جس میں بڑے
بڑے عقلمندوں کی عقلیں دنگ ہیں میرے ذہن کی رسائی یہیں تک ہے۔ اور میں نے
شیخ الاسلام قدس سرہ سے یہ مسئلہ دریافت کیا۔ تو انہوں نے یہ کہا کہ یہ مسئلہ بہت بڑا اور
عظیم الشان ہے اسکے سوا اور کوئی جواب نہ دیا۔ اور بہت عرصہ تک میں اسی تلاش میں رہا
کہ اس مسئلہ میں کسی بڑے آدمی کی تحقیق معلوم ہو۔ یہاں تک کہ عبد بن حمید کی تفسیر میں
میں نے بعض ان آثار کو دیکھا جن کو میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔ پس میں نے اسی وقت انکے
پاس خط بھیجا اور وہ ان کا آخری وقت تھا۔ اور میں نے اس مقام پر نشان لگا دئے۔
اور قاصد سے کہا ان سے کہنا کہ یہ مقام میرے نزدیک نہایت مشکل ہے۔ اور مجھے اسکی
پوری طرح سمجھ نہیں آتی۔ تو انہوں نے اس مقام پر مندرجہ ذیل عبارت کو لکھ کر میرے تردد کو
دور کیا اور وہ عبارت یہ ہے۔ جس شخص کو کوئی علمی تحقیق معلوم ہو۔ تو اس کا فرض ہے۔ کہ
اس کو ظاہر کرے (اور اپنے آپ کو کم علم اور قلیل البضاعہ سمجھ کر اس کو مخفی نہ رکھے کیونکہ ہر صاحب
علم پر دوسرے ذی علم کو فوقیت حاصل ہے۔ یعنی مخلوق میں سے کوئی شخص کتنا ہی علم رکھتا ہو
اس سے دوسرا شخص زیادہ علم والا موجود ہے۔ اور میں اس مسئلہ میں امیر المومنین عمر بن الخطاب
کے قول پر ہوں کیونکہ حضرت عمرؓ نے اہل جنت کے جنت میں اور اہل دوزخ کے دوزخ میں
داخل ہونے کا ذکر کیا۔ اور پوری طرح اس کا بیان فرمایا ہے۔ اور پھر یوں کہا ہے۔ کہ اس

سے کے بعد اللہ سبحانہ اپنی مخلوق کے ساتھ جو چاہیگا کریگا۔ اور نیز میں اس مسئلہ میں عبداللہ بن عباسؓ کے مذہب پر ہوں ان کا یہ قول ہے کہ کسی شخص کو یہ لائق نہیں کہ وہ اللہ سبحانہ پر اُس کی مخلوق کی نسبت کوئی حکم لگائے اور جنت یا دوزخ کو اُن کا مقام مقرر نہ کرے۔ اور ابن عباسؓ کا یہ قول اللہ تعالےٰ کے قول قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ (اللہ تعالےٰ فرمائیگا تمہارا سب کا ٹھکانا دوزخ ہے ہمیشہ ہمیشہ اُس میں رہوگے مگر اللہ کی مرضی) کی تفسیر میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور نیز میں اس مسئلہ میں ابو سعید خدریؓ کے مذہب پر ہوں۔ اُنھوں نے یُوں کہا ہے کہ قرآن کریم کی تمام آیاتِ وعید کا اس آیت اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ سے فیصلہ ہو گیا۔ کہ اللہ جو چاہیگا وہ ظہور پذیر ہوگا۔ اور نیز میں قتادہ کے مذہب پر ہوں کہ وہ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ کی نسبت یُوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ہی کو معلوم ہے۔ کہ اُس کی مشیت کس بات پر واقع ہوئی ہے۔ اور نیز میں ابن زید کے مذہب پر ہوں کیونکہ اُن کا یہ قول ہے کہ اللہ سبحانہ اہلِ جنت پر جو کچھ انعام و اکرام فرمانا چاہتا ہے۔ اُس سے تو ہم کو آگاہ کر دیا اور فرمایا ہے عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ اور اہلِ نار کے ساتھ جو کچھ معاملہ کرنا چاہتا ہے اس سے ہم کو مطلع نہیں کیا۔ اور یہ قول کہ دوزخ اور اُس کا عذاب اللہ سبحانہ کے دوام کے ساتھ دائم ہیں اللہ تعالیٰ کے ایک فعل کی خبر ہے۔ پس اگر یہ قول اُس خبر کے مطابق نہ ہو جو خود اللہ تعالےٰ نے اسکے متعلق بیان فرمائی ہے۔ تو یہ افترا علی اللہ اور قول بغیر علم ہوگا۔ اور نصوص سے یہ مفہوم نہیں ہوتا ؂

فصل۔ اس مسئلہ میں چند اور مذاہب بھی ہیں۔ مگر وہ بالکل باطل اور لغو ہیں بعض کا یہ قول ہے۔ کہ کفار کو دوزخ میں اتنی مدت عذاب ہوگا۔ کہ جتنی مدت وہ دُنیا میں زندہ رہے ہیں۔ اور بعض کا یہ قول ہے کہ انکی طبیعت ناریہ ہو جائیگی اور آگ کی حرارت سے انکو ایسی لذت حاصل ہوگی جیسا کہ خارش والے کو کھجلانے سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ اور بعض کا یہ قول ہے۔ کہ دوزخ اور جنت دونو فنا اور معدوم ہو جائینگے۔ اور بعض کا یہ قول ہے کہ دوزخ کا جوش اور حرکت معدوم ہو جائیگی۔ اور اہلِ دوزخ ہمیشہ سکون دائمی میں پڑے رہینگے۔ اور اس مسئلہ میں سوائے صحابہ کرام رضؓ اور اُن لوگوں کے جنہوں نے صحابہ کا طریقہ اختیار کیا ہے سب لوگ غلطی پر ہیں۔ اور توفیق اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے ؂

فصل۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ کفار کے مومنین سے اور اہلِ دوزخ کے اہلِ جنت

سے کئی گنے زیادہ ہونے میں کونسی حکمت ہے۔ اور کفار کا مومنین سے زیادہ ہونا مندرجہ ذیل آیات سے ثابت ہوتا ہے وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ تم کتنا ہی چاہو وہ ایمان لانیوالے ہی نہیں) وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (اور ہمارے بندوں میں زیادہ تر ہی تھوڑے (بندے) شکرگزار (ہوتے) ہیں) اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ (مگر جو ایمان لائے اور انہوں نے کام (بھی) اچھے کئے اور ایسے لوگ تھوڑے ہیں) وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اور اے پیغمبر) اکثر لوگ تو دنیا میں ایسے ہیں کہ اگر ان کے کہنے پر چلو تو تم کو راہِ خدا سے بھٹکا چھوڑیں) اور اہلِ دوزخ کا اہلِ جنت سے زیادہ ہونا اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے جس میں یوں آیا ہے کہ ہزار آدمیوں میں سے ۹۹۹ تو سو ننانوے دوزخ میں جائینگے اور ایک آدمی بہشت میں داخل ہوگا۔ رحمت کاملہ اور حکمت بالغہ نے ایسا کیوں چاہا۔ اگر اس کے برخلاف ہوتا یعنی مومن اور اہلِ جنت زیادہ ہوتے تو اللہ سبحانہ کی رحمت کاملہ اور حکمت بالغہ کے نہایت مناسب تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال اس مسئلہ میں صحابہ اور تابعین کے قول کی نہایت ظاہر اور روشن دلیل ہے۔ کہ اس معاملے کا انجام اللہ سبحانہ کی اس رحمت کی طرف عائد ہوگا۔ جو ہر چیز کو وسیع اور اس کے غضب پر سابق اور غالب ہے۔ اور اس بنا پر یہ سوال بالکلیہ مندفع ہوگیا۔ اسکے علاوہ ہم یہ کہتے ہیں کہ مادہ ارضیہ کا یہ اقتضا ہے کہ نوع انسانی کے افراد میں تفاوت اور اختلاف موجود ہو۔ چنانچہ مسند امام احمد اور جامع ترمذی میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ سبحانہ نے آدم کو مٹی کی ایک ایسی مٹھی سے پیدا کیا جس کو تمام زمین سے لیا گیا پس اسی واسطے بنی آدم کے طبائع مختلف ہیں بعضے خبیث اور بعضے پاک ہیں۔ بعضے نرم اور بعضے سخت ہیں وغیرہ ذالک۔ کئی طرح کا تفاوت موجود ہے۔ غرض نوع انسانی کے مادہ کا یہ مقتضے ہے کہ افراد انسانی کے اخلاق۔ ارادات اور اعمال میں تفاوت اور اختلاف موجود ہو۔ اس کے ساتھ ہی عزیز حکیم کی حکمت نے یوں چاہا۔ کہ اس مخلوق کو جو ایسے مادہ سے پیدا کی گئی ہے شہوت۔ غضب۔ حُبّ۔ بُغض اور ان کے لوازم کے ساتھ مبتلا کرے۔ اور نیز اس کو اللہ سبحانہ نے اس کے اس دشمن (ابلیس) کے ذریعہ سے آزمایا۔ جو ہمہ تن اس کی خرابی کیلئے کوشاں ہے۔ اور ایک لمحہ بھر اس سے غافل نہیں ہوتا۔ اور اس کے علاوہ انسان کو دنیا کی زینت اور خواہشاتِ نفس کے ساتھ مبتلا کیا کہ باوجود اس کی کمزوری اور دنیا کی چیزوں کی طرف محتاج ہونے کے اس کو یہ حکم دیا۔ کہ خواہشاتِ نفس کا خلاف کرے اور دنیا کی زیب و زینت

پر مائل نہ ہو دے ۔ چنانچہ اس ابتلا کو اللہ تعالے نے بیان فرمایا ہے زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ (لوگوں کی بناوٹ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ ان کو دنیا کی) مرغوب چیزوں یعنی (مثلاً بیبیوں اور بیٹوں) اور سونے چاندی کے ڈھیر کے ڈھیروں اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی کے ساتھ وابستگی بھلی معلوم ہوتی ہے) اور اس کو بیان فرمایا ہے کہ اس موجود مشاہد اور حاضر عالم یعنی دنیا میں اپنی حاجات اور خواہشات کو پورا نہ کرسکے بلکہ ان کے پورا کرنے کے لئے اُس عالم کا انتظار کرے جو دنیا کا سابق ہے اور یہاں سے جانے کے بعد آنیوالا ہے ۔ اور طبیعت انسانی کا یہ تقاضہ ہے کہ اس آزمائش اور امتحان میں ایک شخص بھی ثابت قدم نہ رہے اور سب کے سب طبیعت کے میلان اور شہوت و غضب کے مقتضی پر عمل کریں ۔ اور اللہ خالق نے ان کے اور جذبات طبع کے درمیان فطرةً کوئی چیز حائل نہیں بنائی ۔ بلکہ ان امور سے روکنے کے لئے ان کے پاس اپنے رسول بھیجے ۔ کتابیں نازل فرمائیں اور اپنی رضا مندی اور غضب کے اسباب بتلائے ۔ اور جذبات طبیعت اور خواہشات نفس کی مخالفت کرنے پر بہشت کی ان اعلےٰ ترین نعمتوں اور اکمل لذتوں کا وعدہ فرمایا جو کبھی ختم نہ ہونگی ۔ مگر اکثر لوگوں کی عقلیں اس بات کو نہ پاسکیں کہ موجود مشاہد اور حاضر مگر فانی چیز کو چھوڑ کر آئندہ آنیوالی اور منتظر مگر باقی اور دائم کو اختیار کیا جائے ۔ اور اس طرح خیال کرنے لگے ۔ کہ نقد چھوڑ کر اُدھار کون لے ۔ اور اُن کی زبانِ حال یوں کہنے لگی ؎

خُذْ مَا تَرَاهُ وَدَعْ شَيْئًا سَمِعْتَ بِهِ

(یعنی جو چیز موجود ہو اور سامنے نظر آئے اُسکو لے لینا چاہیئے اور سنی سنائی چیز کے پیچھے پڑنا مناسب نہیں ۔ اور توفیق الہی اُن لوگوں کی معاون اور مددگار ہوئی جو اللہ سبحانہ کے علم میں اُسکے فضل کے لائق اور سزاوار تھے ۔ پس اُنکو قوة ایمان اور وہ بصیرت عطا فرمائی ۔ کہ جسکی روشنی سے اُنکو آخرت کی حقیقت ۔ اُس کا دوام ۔ وہ نعمتیں جو اہل طاعت کے لئے اُسمیں تیار ہیں ۔ وہ عذاب جو نافرمانوں کے واسطے موجود ہیں ۔ دنیا کی حقیقت ۔ اُس کا عدم ثبات ۔ بیوفائی اور اہل دنیا کے ظلم وغیرہ سب امور اُنکو پوری طرح معلوم ہوگئے ۔ اور اُنہوں نے یہ سمجھ لیا کہ دنیا ویسی ہی ہے جیسا کہ اُس کو اللہ سبحانہ نے بیان کیا ہے کہ دنیا لہو و لعب ۔ زینت اور مال اور اولاد میں باہم تفاخر اور تکاثر ہے اور نیز دنیا اس بارش کی طرح ہے کہ جس سے عمدہ عمدہ گھاس پیدا ہوتے جو زہول ۔ نہ کفار کے

دلوں کو نہایت خوش کر دیا۔ اور وہ نشو و نما پاکر خوب عمدہ زرد رنگ میں آ گئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ
کے بعد یہ حیثیت و الوجود ہو گئے۔ اور لگا تار ستی یہ سمجھا کہ ہم دنیا ہی میں پیدا ہوئے ہیں ہم کو اسی کی اصلاح
اور درستی کی فکر کرنی چاہیے۔ اور اسکی ترقی کی راہیں نکالیں۔ اسکے سوا کسی اور گھر کا ہم کو کوئی فکر نہیں
اُن پر عادات طبعیہ اور خواہشات نفس غالب آ گئیں اور حواس کے آگے عقل مغلوب ہو گئی اور
ادھر دنیا کے سامان بھی میسر اور فراہم اور یہاں بہلانے والے لوگ موجود تھے۔ ان وجوہ
سے آخرت کو بالکل بھول گئے اور دنیا پر بیٹھ رہے۔ ایسے ہی خاکسار مترجم کہتا ہے کہ اس زمانے میں
مسلمان کہلانے والی جماعت میں بھی اسی نمونے کے لوگ موجود ہیں خدا تعالیٰ انکو دین کی سمجھ دے
اور انکے دلوں کو نور ایمان سے منور کرے جس سے آخرت کی حقیقت سمجھ کر اسکی فکر کریں۔ اور
ہم کو انکے شر سے محفوظ رکھے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص ان حقائق کو قطع کر کے ان تمام حجابات
کو جو کہ عادات اور مرغوبات طبع کی مخالفت کرے اور خواہشات نفس کی نافرمانی پر کمربستہ ہو جائے
تو ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔ اور نیز اللہ سبحانہ کی حکمت نے یہ چاہا کہ جس سبب سے یہ موجودہ خلقت
اور صفت پر ہیں۔ اور اگر اس خلقت اور صفت کے سوا کسی اور صفت پر ہوتے تو امتحان اور آزمائش
کا مقصود حاصل نہ ہوتا۔ اور عبودیت کے انواع کا اختلاف اور اللہ سبحانہ کے اسماء و صفات کے
آثار کا ظہور موجود و متحقق نہ ہوتے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر اہل ایمان و خیر زیادہ اور اکثر ہوتے تو جہاد
اور اسکے توابع جو عبودیت کے اعلیٰ انواع میں سے ہیں حاصل نہ ہوتے۔ اور وہ کمال جو ان پر مترتب
ہے فوت ہو جاتا۔ غرض احکم الحاکمین نے اپنی حکمت سے جو کچھ اپنی مخلوق میں پیدا کیا ہے اور جس
حالت اور صورت پر انکو بنایا ہے اس سے کوئی بہتر اور اچھی صورت موجود نہیں ہو سکتی۔ پھر اللہ سبحانہ
اس مخلوق کو جو ان دونوں مادوں یعنی مٹی اور آگ سے پیدا ہے یعنی انسانوں اور جنوں کو انکے خبث
اور شر سے پاک و صاف کریگا۔ اور جو خالص اور پاک ہو جائینگے اُن کو پاک لوگوں کے ساتھ شامل کر دیگا
اور خبیثوں کو وہاں ڈالدیگا جہاں میل کچیل ڈالی جاتی ہے۔ اور یہ اللہ سبحانہ کی کمال حکمت ہے معدنی اشیاء
مثلاً سونا۔ چاندی۔ لوہا اور پیتل وغیرہ جن سے انسانوں کے ہزاروں کام نکلتے ہیں اسی طور پر صاف کئے
جاتے ہیں۔ غرض ان مواد کا خلاصہ اور پاک حصہ میل اور خبیث حصہ سے بہت کم ہے۔ آدمی ایک زراعت
کی مانند ہیں۔ اور دنیا ان کے واسطے کھیتی کا مقام ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ زراعت کا خالص اور
عمدہ حصہ یعنی غلہ باقی اجزا بھوسے۔ تنکوں۔ پتوں وغیرہ اجزا کی نسبت بہت کم ہوتا ہے۔ اور دوسرے
اجزا خالص حصہ کیلئے ایک قلعہ یا پناہ کا کام دیتے ہیں۔ جیسے لکڑیاں اور کانٹے پھل کے لئے اور مٹی

اور بہتر مسدیانات نفیسہ کے لیے ۔

فصل سینتیسواں جواب منکرین حکمت تعلیل کا یہ قول کہ اللہ سبحانہ کے اپنے نافرمانوں اور دشمنوں کو اپنے پیارے بندوں پر مسلط کرنے میں کہ وہ انکو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔ کونسی حکمت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اللہ سبحانہ کی بہت سی ظاہر حکمتیں موجود ہیں منجملہ انکے ایک یہ حکمت ہے کہ اس میں بہت سے انواع عبودیت جو اللہ سبحانہ کو محبوب ہیں حاصل ہو سکتے ہیں مثلاً صبر۔ جہاد۔ اللہ کی راہ میں تکلیف کو برداشت کرنا۔ خوشی اور دکھ و تکلیف میں اس سے راضی رہنا۔ باوجودیکہ الذین قوت۔ غلبہ اور شوکت میں زیادہ ہوں۔ اللہ تعالے کی عبودیت و طاعت پر ثابت قدم رہنا۔ اور نیز اس میں یہ حکمت ہے کہ اس کے ذریعہ سے اللہ سبحانہ اپنے بندوں کو بشریت اور طبیعت انسانی کے احکام و لوازم سے پاک صاف کرتا ہے کہ وہ اسکی رضامندی کیلئے اپنی جان خرچ کر دیتے اور دشمنوں کی بیجا اور ناقابل برداشت اذیتوں کو صبر سے تحمل و برداشت کرتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اسکی محبت و اطاعت میں کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔ اور نیز یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ کون شخص اس کا طالب اور ہر حالت میں اسکی عبادت پر قائم ہے۔ اور کون شخص دنیاوی نفع اور فائدہ کی امید پر عبادت کی صورت دکھلاتا ہے۔ اور نیز اس میں یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالے کے پیارے بندوں کو اسکی راہ میں شہادت کا درجہ جو کہ اعلےٰ ترین مدارج میں سے ہے حاصل ہو۔ اور محبوب کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ عمدہ اور اچھی نہیں کہ محب اپنے محبوب کی رضامندی اور اسکے دشمن کے مقابلہ میں اپنی جان کو ہار دے۔ غرض اس تسلیط میں اللہ سبحانہ کی بیشمار نعمتیں۔ رحمتیں اور حکمتیں موجود ہیں۔ اگر ان حکمتوں اور نعمتوں کو معلوم کرنا چاہتے ہو۔ تو سورہ آل عمران کی آخیر آیات میں قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ (مسلمانو! تم سے پہلے بھی بہت سے واقعات ہوگذرے ہیں) سے لیکر اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ (یہ مخبر بس ایک شیطان تھا جو تم مسلمانوں کو اپنے رفیقوں کا ڈراوا دکھاتا تھا تو تم ان سے (ذرا بھی) نہ ڈرنا اور (سچے) مسلمان ہو تو ہمارا ہی ڈر رکھنا) تک اور مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (مسلمانو! اللہ ایسا نہیں کہ جس حال پر تم ہو اچھے برے کی تمیز کئے بدوں اسی حال پر مومنوں کو (تمہارے ساتھ) ملا جلا رہنے دے) میں غور کرو۔ غرض خبیث کو طیب سے جدا کرنا اس تسلیط کی بعض حکمتوں میں سے ہے اگر اللہ سبحانہ اپنے دشمنوں کو اپنے پیارے دوستوں پر مسلط نہ کرتا۔ تو صبر۔ عفو۔ حلم اور غصہ فرو کرنے کی

فضیلت اور نصر۔ ظفر۔ اور قہر کی علامات ظاہر اور محسوس نہ ہوتی۔ کیونکہ اشیاء کا حسن اور خوبی انکی اضداد کے لحاظ سے معلوم ہوتی ہے۔ مگر اللہ سبحانہ اسطرح اپنے دشمنوں کو اپنے دوستوں پر مسلط نہ کرتا تو وہ دشمن اہانت۔ تذلیل اور تباہی و بربادی کے مستحق نہ ہوتے۔ غرض اس تسلیط نے دوستوں کے کمالات اور دشمنوں کے باطل اور بُرے صفات کو قوت سے فعل کیطرف نکالا پس دوست تو اُس کے بارگاہ میں عزت کے مستحق ہوئے اور دشمن ذلت و خواری کے سزاوار ٹھیرے غرض اس تسلیط نے دشمنوں کے حق میں اللہ سبحانہ کی حکمت، عزت کو اور دوستوں کے حق میں اس کی رحمت اور نعمت کو ظاہر کیا۔ اور وہی عزیز حکمت والا ہے +

انتیسواں جواب منکرین حکمت و تعلیل کا یہ قول کہ اللہ سبحانہ کے آدمیوں اور جنوں کو مکلف بالاحکام بنانے اور اُن کے سر پر تکالیف اور مشقتوں کا بوجھ ڈالنے میں کونسی حکمت ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالے اُن کو مکلف بالاحکام نہ کرتا تو انسان کی خلقت عبث اور بیکار ہوتی اور اللہ تعالے کی ذات مقدس اس سے منزہ اور پاک ہے اور اُس نے جسطرح اپنی ذات کا عیوب اور نقائص سے منزہ بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح عبث سے بھی اپنی ذات کا تقدس بتلایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ (لوگو! کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو (یوں ہی) بیکار پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تم کو ہماری طرف پھر لوٹ کر آنا نہیں) وقال تعالے أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى (کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اُس کو بلا بازپرس یوں ہی چھوڑ دیا جائیگا) امام شافعی نے اسکی تفسیر میں کہا ہے کہ انسان کے سُدی چھوڑنے کا یہ معنی ہے کہ اُس کو کسی کام کا امر اور کسی چیز سے نہی نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ انسان کو بہائم کی طرح مہمل اور بیکار چھوڑ دینا اللہ سبحانہ کی حکمت کے خلاف ہے کیونکہ اُس نے انسان کو غایت کمال تک پہنچنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے رب کا عارف۔ اس کا محب اور اُس کی عبودیت پر قائم ہو۔ چنانچہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (اور ہم نے جنوں اور آدمیوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ ہماری عبادت کریں) وقال تعالیٰ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (تاکہ تم لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور نیز یہ کہ اللہ کا علم سب چیزوں پر حاوی ہے) وقال تعالے ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (یہ اس لئے تاکہ لوگ معلوم کریں کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو جانتا ہے اور نیز یہ کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے) اللہ سبحانہ کی معرفت اور اُس کی

عبادت خلق اور امر کی غایت ہیں اور انسان کیلئے یہ اعلی کمال ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت اور رحمت سے انسان کو اس کمال کے حاصل کرنے کے قابل اور سزاوار بنایا ہے اور اسکی تحصیل کیلئے ظاہری اور باطنی اسباب انسان کے واسطے مہیا کر دئیے۔ اور اس کے حاصل کرنے پر اسکو قدرت بخشدی ہے۔ اور تکلیف کا مدار اسلام۔ ایمان اور احسان پر ہے۔ اور ان تینوں کا منبع کی چھوٹی بڑی نعمتوں کے شکر کرنے۔ اس کی عظمت وجلال کے ماننے اور اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرنے کی طرف ہے جو اس کی شان کے لائق ہو۔ پس اس کی نعمتوں کو یاد کرے کہ ان کا شکر بجالانا چاہیئے۔ تاکہ کفران نعمت نہ ہو اور اسکی اطاعت کرنی چاہیئے۔ کہ نافرمانی کا وقوع نہ ہو۔ اور اسکی یاد اور ذکر میں مصروفیت ہے کہ بندہ کسی وقت اسے بھول نہ جائے۔ اور یہ تکلیف اس کو متضمن ہے کہ اس سے بندہ جملہ اخلاق جمیلہ کے ساتھ موصوف تمام افعال حسنہ اور اقوال سدیدہ کے ساتھ متصف اور تمام برے اخلاق۔ قبیح افعال اور جھوٹی باتوں سے مجتنب ہوجاتا ہے۔ غرض تکلیف مکارم اخلاق۔ محاسن افعال۔ صدق قول۔ احسان الی الخلق اور انواع کمالات کے ساتھ نفس کو کامل کرنے اور ان چیزوں کے اضداد کے چھوڑنے اور ان سے پوری طرح بچنے کو متضمن ہے۔ ان باتوں کے علاوہ اس پر اس ثواب جزیل کے عطا فرمانیکا وعدہ ہے جو کبھی ختم نہ ہو گا اور سب سے بڑھ کر یہ بشارت ہے۔ کہ دار البقا میں اللہ سبحانہ کے دربار کی حاضری نصیب ہوگی پس ان دونوں حالتوں سے کونسی حالت حکمت کے لائق اور مناسب ہے۔ یہ حالت مذکورہ اچھی ہے یا انسان کو گھوڑوں۔ خچروں۔ اور گدھوں کیطرح مہمل اور بیکار چھوڑ دینا اچھا ہے کہ آدمی بہائم کیطرح کھاتا۔ پیتا اور جفتی کرتا۔ کیا اللہ سبحانہ کا کمال مقدس انسان کی ایسی حالت کا مقتضی ہوسکتا ہے ہرگز نہیں۔ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ (تو خدا (جو) بادشاہ برحق (ہے بیفائدہ کام کرنے سے بری اور) بالاتر ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) عرش بزرگ کا مالک (ہے) امر ونہی۔ ثواب وعقاب کے سلسلہ کو بالکل اٹھا دینا انبیاء علیہم السلام کے مبعوث فرمانے۔ ان پر کتابیں نازل کرنے شریعتوں کے اجرا اور احکام مقرر کرنے کے انتظام کو موقوف کردینا اللہ سبحانہ کے کمال مقدس کے لائق اور سزاوار کس طرح ہوسکتا ہے۔ اور جو شخص اس کے خلاف کو اللہ سبحانہ کی نسبت جائز رکھتا ہے اس نے خدا تعالیٰ کی شان کو نہیں سمجھا۔ اس کے یہ خیالات اللہ سبحانہ کے ساتھ بدظنی کرنے پر مبنی ہیں۔ ایسوں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ (اور یہود نے) جیسی اللہ کی قدر جاننی چاہیئے تھی ویسی اس کی قدر نہ جانی کہ (مسلمانوں کی ضد سے) لگے کہنے کہ خدا نے کسی بشر پر (کتاب کی قسم کی) کوئی چیز نہیں اتاری (عقول سلیمہ کے نزدیک تکلیف بالاحکام ایسا ہی مستحسن ہے جیسا کہ انعام

احسان بخشش اور فضل کرنا مستحسن ہے بلکہ انعام اور احسان کی یہ اعلےٰ قسم ہے اسی واسطے اللہ سبحانہٗ تکلیف بالاحکام کو نعمت ومنت فضل اور رحمت کے نام سے موسوم کیا ہے اور بتلایا ہے کہ اس پر خوش ہونا اُن نعمتوں پر خوش ہونے سے اچھا ہے جو نیکو کاروں اور بدکاروں کے درمیان مشترک ہیں، چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا (اے پیغمبر) کیا تم نے ان لوگوں (کے حال) پر نظر نہیں کی جنہوں نے اللہ تعالےٰ کی نعمت کے بدلے ناشکری کی) اس آیت میں نعمت سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات آپ کا دین حق اور ہدایت مراد ہے۔ وقال تعالےٰ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِنَا وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (اللہ نے مسلمانوں پر بڑا ہی فضل کیا کہ ان میں اُن ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو اُن کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو (کفر و شرک کی گندگی سے) پاک کرتا اور کتاب الٰہی (یعنی قرآن) اور دانائی (کی باتوں) کی اُن کو تعلیم دیتا ہے ورنہ ان پیغمبر کے آنے سے پہلے تو یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے ہی)۔

وقال تعالےٰ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (وہ (خدا) ہی تو ہے جس نے (عرب کے) جاہلوں میں ان ہی میں سے (محمد کو پیغمبر (بناکر) بھیجا (کہ وہ) ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو (کفر و شرک کی گندگی سے) پاک صاف کرتے اور ان کو کتاب (الٰہی) اور عقل (کی باتیں) سکھاتے ورنہ (اس سے) پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) تھے اور نیز خدا نے ان پیغمبر کو) اور لوگوں کی طرف (بھی بھیجا ہے) جو ابھی تک ان (عرب کے مسلمانوں) میں شامل نہیں ہوئے اور خدا زبردست اور حکمت والا ہے۔ یہ پیغمبری اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عنایت کرے۔ اور اللہ کا فضل بہت بڑا ہے)۔

وقال تعالےٰ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (اور (اے پیغمبر) ہم نے تم کو دنیا جہان کے لوگوں کے حق میں رحمت (بناکر) بھیجا ہے اور بس)۔

وقال تعالےٰ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ((اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ (یہ قرآن اللہ کا فضل اور اسکی رحمت ہے) اور لوگوں کو چاہئے کہ خدا کا فضل اور اسکی رحمت یعنی اس قرآن کو پاکر خوش ہوں کہ جتنی دنیاوی فائدوں کے جمع کرنے کے پیچھے پڑے ہیں یہ ان سے کہیں بہتر ہے)

وقال تعالیٰ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (ہم تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر احسان پورا کر دیا۔ اور ہم نے تمہارے لئے (اسی) دین اسلام کو پسند فرمایا)۔

وقال تعالیٰ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ (اور اللہ نے جو تم پر احسان کئے ہیں اُن کو یاد کرو اور (اُس کا) یہ احسان بھی یاد کرو) کہ اُس نے تم پر کتاب اُتاری اور عقل کی باتیں (اور منظور یہ ہے) کہ تم کو ان کے ذریعے سے نصیحت کرے)

وقال تعالیٰ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (اور جانے رہو کہ تم میں رسُولِ خدا موجود ہیں (اور بہتیری باتیں) اس قسم کی ہوتی ہیں کہ اگر وہ اُن میں تمہارا کہنا مان لیا کریں تو اُلٹی تم ہی پر مشکل پڑ جائے مگر (بھلے کو) خدا نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی ہے اور اسکو تمہارے دِلوں میں عمدہ کر دکھایا ہے اور کفر اور خود سری سے اور نافرمانی سے تم کو نفرت دلا دی ہے یہی لوگ ہیں جو خدا کے فضل و کرم سے نیک چلن ہیں اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے)۔

اور اپنے رسُول کو فرمایا ہے وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (اللہ نے تم پر کتاب اُتاری ہے اور فہم سلیم دی ہے اور تم کو ایسی باتیں سکھا دی ہیں جو پہلے تم کو حاصل نہ تھیں اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے)۔

بلکہ حقیقی نعمت اور فضل یہی تکلیف بالاحکام اور اسکے توابع ہیں اور اس کا ثمرہ دِلوں اور بدنوں میں دُنیا اور آخرت میں موجود ہے۔ عقولِ سلیمہ اور فطرتِ مستقیمہ کے نزدیک کوئی چیز اس سے احسن اور اللہ سبحانہ کے کمال اور اسکے اسماء و صفات کے ساتھ زیادہ مناسب اور لائق نہیں۔

انتالیسواں جواب۔ اشعری اور جبائی کے اُس مناظرے کے متعلق! جو انکے درمیان ایسے تین بھائیوں کی نسبت جاری ہوا تھا۔ جن میں سے ایک بچپن میں مرگیا۔ دوسرا بڑا ہو کر کافر ہوا۔ اور تیسرا اسلام لایا۔ منکرین حکمت و تعلیل کا یوں کہنا کہ یہ مناظرہ حکمت و تعلیل اور رعایت اصلح کے ابطال کے لئے کافی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک یہ مناظرہ اُن اہلِ بدعت معتزلہ اور قدریہ کو جواب کو باطل کرتا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ ہر ایک بندے کے لئے جو چیز اصلح اور مفید ہو۔ اُس کی

رعایت کرنی اللہ سبحانہ پر واجب ہے۔ اور ان کے نزدیک نظام دنیا و آخرت کیلئے یہی اصلح اور مناسب ہے اور اپنی ناقص عقلوں سے ایک شریعت قرار دیتے اور یوں کہتے ہیں کہ اس طریق شریعت کے مطابق عمل کرنا اللہ تعالےٰ پر واجب اور اس کا خلاف کرنا اُس پر ناجائز اور حرام ہے۔ اور اسی واسطے یہ لوگ سب سے زیادہ احمق اور بے وقوف ہیں۔ کہ خالق کو افعال میں مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے اور اس کو صفات کمال سے معطل ٹھیراتے اور اسکو اپنی تجویز کردہ شریعت کا تابع قرار دیتے ہیں اور جھوٹ موٹ اس کا نام عدل اور توحید رکھا ہے۔ اس اختراع کا نام عدل اور توحید رکھنے پر اُن کے پاس خدا تعالےٰ کی طرف سے کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ اللہ سبحانہ کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے افعال میں پورا انصاف کرتا ہے اور توحید اسکے صفات کمال کے اثبات کا نام ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (ترجمہ) خود اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے بھی (گواہی دیتے ہیں اور نیز یہ کہ اللہ عدل و انصاف کے ساتھ (کارخانہ عالم کو) سنبھالے ہوئے (ہے) اُسکے سوا کوئی معبود نہیں وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے (دین حق) تو خدا کے نزدیک یہی اسلام ہے (اور بس) یہ عدل اور توحید وہ ہے جسکی انبیاء علیہم السلام نے تعلیم فرمائی ہے اور وہ عدل و توحید جو انہوں نے قرار دیا ہے یہ اُن لوگوں کا گھڑا ہوا ہے جو خدا کو صفات کمال سے معطل ٹھیراتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان مناظروں نے اگرچہ معتزلہ اور قدریہ کے قول کو باطل کر دیا اور ان کے قواعد کی بنیاد کو ہلا دیا ہے۔ مگر اس سے اللہ سبحانہ کی وہ حکمت جو اُس کی ذات کے ساتھ خاص ہے باطل نہیں ہو سکتی۔ اللہ حکیم کی وہ حکمت ہے جس کے احاطہ اور تفصیلاً معلوم کرنے سے اس کی تمام مخلوق عاجز ہے اور جو کچھ ان کو اللہ حکیم کی حکمت سے معلوم ہے اُس کی نسبت جو اُن پر مخفی ہے ایسا ہے جیسا کہ روئے زمین کے دریاؤں کی نسبت ایک قطرہ پانی ہے۔ غرض اُس شخص کے بارے میں جس کو بچپن میں فوت کر دیا ہے اللہ سبحانہ کی کئی ایسی حکمتیں موجود ہیں جن کی ادراک سے مخلوق کی عقلیں عاجز اور قاصر ہیں اور اسی طرح اُس شخص کے باب میں جس کو اتنی عمر عطا فرمائی۔ جو حد بلوغ کو پہنچکر اسلام لایا اور اُس شخص کی نسبت جس نے بلوغ کے بعد کفر اختیار کیا۔ اور تمام عمر اسی میں مبتلا رہا۔ اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوا اللہ سبحانہ کی بیشمار حکمتیں موجود ہیں۔ اور اگر یہ قانون جاری ہو کہ جن لوگوں کی نسبت اللہ سبحانہ کو معلوم ہو کہ وہ بڑے ہو کر کفر اختیار کرینگے۔ اُن کو صغر سنی میں فوت کر دیا کرے۔ تو اس صورت میں جہاد اور اللہ سبحانہ کی محبوب و پسندیدہ عبادت فوت ہو جاتی۔ کیونکہ ایسی حالت میں کوئی مخالف و معاند

موجود نہ ہوتا جس سے جہاد کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ تو سب لوگ ایک امت اور دین واحد پر قائم ہوتے امم گذشتہ میں اللہ سبحانہ کے آیات قدرت اور عجائبات اور دشمنوں سے وقائع اور حوادثات ظہور پذیر نہ ہوتے۔ اہل باطل پر قیام حجت اور اُن کے ساتھ ایسے طور پر بحث و مباحثہ کرنا جس سے اُن کے شبہات دُور اور زائل ہو جائیں۔ اور جس میں حق کی نصرت و اعانت اور باطل کی اُس کا تباہ تصور ہو۔ یہ سب امور ظہور پذیر نہ ہوتے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں جو اللہ سبحانہ کے سوا کسی دوسرے کو معلوم نہیں۔ اور اللہ سبحانہ اپنی مخلوق میں اپنے اسماء و صفات کے آثار کے ظہور کو محبوب و پسند رکھتا ہے۔ پس اگر ہر ایک ایسے شخص کو ہلاک کر دے جس کی نسبت معلوم ہو کہ وہ بڑا ہو کر کفر اختیار کریگا۔ تو اسماء و صفات کے آثار کا ظہور ممکن نہیں۔ اور اسماء و صفات کے آثار کا ظاہر نہ ہونا اُن کے کمال کے خلاف ہے اور اس مضمون کو ہم پہلے بسط اور تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں ؛

چالیسواں جواب منکرین حکمت و تعلیل کا یہ قول کہ جملہ امور محض اللہ سبحانہ کی مشیت پر موقوف ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ (جسے چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم کرے) وقال تعالیٰ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ (پھر جس کو چاہے بخشے اور جس کو چاہے عذاب دے)

وقال تعالیٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھاتا ہے) ؛

وقال تعالیٰ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (جو کچھ وہ کرتا ہے اُس کی بازپرس اُس سے نہیں کی جاسکتی) ؛

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ صحیح اور درست ہے لیکن اس سے اللہ سبحانہ کی حکمت اور اس کے افعال کی غایات محمودہ کا بطلان نہیں ہوتا۔ اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ کوئی کام کسی منفعت کے لئے اور کوئی امر کسی حکمت کیلئے نہیں کرتا اور اُسکے افعال کیلئے کوئی سبب اور غایت نہیں۔ لیکن منکرین حکمت و تعلیل اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ سبحانہ کے افعال بغیر مشیت و ارادہ کے صادر ہوتے ہیں یا جو کچھ وہ کرتا ہے اس کی نسبت کوئی شخص اس سے بازپرس کرسکتا ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ تو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ سبحانہ کے افعال اُس کی مشیت سے صادر ہوتے ہیں جو حکمت اور مصلحت کے خلاف نہیں ہے اور اللہ سبحانہ ہر ایک چیز کو اُس کے مناسب محل اور مقام پر رکھتا ہے اور اسکے تمام افعال مشیت سے صادر ہوتے اور وہ اسباب حِکَم، غایات مطلوبہ اور عواقب محمودہ سے وابستہ ہیں۔ پس منکرین حکمت و تعلیل اللہ سبحانہ کے ملک اور حمد دونوں کے قائل ہیں۔ اور ان کے سوا دوسرے لوگ یا تو صرف ملک کے

قائل ہیں۔ یا ایک گونہ حمد بھی مانتے ہیں مگر اسکے ساتھ صفت ملک میں کمی کر دیتے ہیں۔ لہذا مثبتین حکمت و تعلیل کے سوا دوسرے لوگ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کمال ملک اور کمال حمد دونوں کے ساتھ موصوف ہے اور اللہ سبحانہ کے افعال کا اس کی مشیت پر موقوف ہونا اس امر کا مقتضی نہیں کہ اُنکے لئے اسباب حکمتیں اور غایات مطلوبہ موجود نہ ہوں اور جائز ہے کہ اُسکی مشیت الٰہی چیز یعنی اسباب غایات وغیرہ کے لحاظ سے افعال کے ساتھ متعلق ہو۔ اور اللہ تعالےٰ کا قول لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (جو کچھ وہ کرتا ہے اُس کی بازپرس اس سے نہیں کی جا سکتی اور (وہاں) لوگوں سے (اُنکے کئے کی) بازپرس ہوتی ہے) مثبتین حکمت و تعلیل کے قول کا موئید ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ سبحانہ کو ہر چیز کا پورا علم حاصل ہے اور اُس کے تمام کام نہایت حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں۔ لہذا کسی کو چون و چرا کرنے کا موقع نہیں۔ اس کے علاوہ آیت کے سیاق پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے ایک دوسرا مضمون مراد ہے یعنی اس آیت سے اللہ وحدہٗ کی الوہیت کا اثبات اور غیر اللہ کی الوہیت کا ابطال مقصود ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے اسطرح فرمایا ہے اَمِ اتَّخَذُوْا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (کیا ان لوگوں نے ایسے معبود بنا رکھے ہیں جن کو یہ خود زمین (کی چیزوں مٹی پتھر وغیرہ) سے بنا کر کھڑا کرتے ہیں۔ اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو (زمین و آسمان دونوں کبھی کے) برباد ہو گئے ہوتے تو جیسی جیسی باتیں یہ لوگ بناتے ہیں اللہ جو عرش (بریں) کا مالک ہے وہ تو ان (عیبوں اور نقصانوں) سے پاک ہے جو کچھ وہ کرتا ہے اُس کی بازپرس اُس سے نہیں کیجا سکتی اور یہاں لوگوں سے اُن کے کئے کی) بازپرس ہوتی ہے)۔

پس اس آیت میں ایسا کونسا لفظ ہے جو حکمت و تعلیل کے ابطال پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن اہل باطل کا یہ شیوہ ہے کہ وہ ایسے الفاظ سے تمسک کرتے ہیں کہ جن کے صحیح معانی چھوڑ کر اُن سے وہ غلط معانی ارادہ کرتے ہیں جو اُنکے باطل کے موافق ہوں۔ اور ایسے معانی سے استدلال کرتے ہیں جن میں حق باطل کے ساتھ مشتبہ ہو۔ غرض انکے استدلال کا دارومدار الفاظ اور معانی متشابہ پر ہے اور جب انکی توضیح و تفصیل کیجائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ کو انکے مدعا پر کوئی دلالت نہیں اور ان معانی کو ان کے دعوے سے کوئی مناسبت نہیں۔ بلکہ وہ اُنکے دعوے کے خلاف پر دال ہیں۔ اور ان سے اس کی نقیض ثابت ہوتی ہے۔

۲۴

چوبیسواں باب

سلف صالحین کے اس قول کے بیان میں کہ تقدیر کے خیر و شر تلخ و شیریں پر ایمان لانا ایمان کے اصول میں سے ہے

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تقدیر میں کسی قسم کا کوئی شر موجود نہیں۔ کیونکہ تقدیر اللہ سبحانہ کے علم قدرت مشیت اور اس کی نوشت کا نام ہے اور یہ سب چیزیں خیر محض اور من کل الوجوہ کمال ہیں۔ اور شر کسی وجہ سے اللہ تبارک و تعالے کی طرف منسوب نہیں اس کی ذات صفات۔ اسماء اور افعال سب شر سے منزہ اور پاک ہیں۔ جزوی اور اضافی شر صرف مخلوق اور مقدر میں واقع ہوتا ہے جو ایک چیز کے لحاظ سے شر ہوتا ہے اور دوسری کے اعتبار سے خیر۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ جس محل کے ساتھ شر قائم ہے خود اسی کے حق میں من وجہ خیر ہوتا ہے جیساکہ دوسری وجہ کے لحاظ سے اس کے حق میں شر ہے بلکہ یہی قسم زیادہ کثیر الوقوع اور غالب ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے قصاص۔ اقامت۔ حدود اور کفار کو قتل کرنا یا مومن مقتول علی وجہ القصاص۔ محدود اور کفار کے حق میں اگرچہ شر ہیں۔ مگر من کل الوجوہ شر نہیں۔ بلکہ من وجہ شر اور خود انکے حق میں من وجہ خیر ہیں۔ اور دوسرے لوگوں کے حق میں تو یہ خیر محض ہیں۔ کیونکہ انکے لئے ان میں کئی مصلحتیں حاصل ہیں۔ ان کو دیکھ کر دوسرے لوگ برے کاموں اور شر و فساد سے باز رہینگے۔ ان کے لئے یہ باعث عبرت ہونگے۔ اور بعض شریر لوگوں کا شر بعض کے ذریعہ سے دفع ہو جائیگا۔ اور اسی طرح دکھ اور بیماریاں اگرچہ من وجہ شر ہیں مگر متعدد وجوہ کے لحاظ سے خیرات ہیں۔ اور یہ مضمون پہلے بیان ہو چکا ہے۔ غرض خیر اور شر۔ جو لذت و الم اور نفع و ضرر کی جنس سے ہیں مخلوق اور مقدر میں واقع اور موجود ہوتے ہیں۔ اللہ سبحانہ کی صفت اور اس کے فعل میں جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے متحقق و موجود نہیں ہوتے۔ مثلاً چور کا ہاتھ کاٹنا اس کے حق میں شر اور اسکو درد پہنچانے والا اور ضرر رساں ہے۔ اور اللہ سبحانہ کا اس کو مقدر کرنا اور اس کا حکم دینا محض عدل۔ خیر حکمت اور مصلحت ہے چنانچہ یہ مضمون دوسرے باب میں جو اس کے بعد آتا

ہے۔ مذکور ہوگا۔ اگر کوئی شخص یہ استفسار کرے کہ تقدیر کے خیر و شر اور تلخ اور شیریں ہونے میں کیا فرق ہے
تو اس کا جواب یہ ہے کہ تلخی اور شیرینی دنیا میں اسباب کے اختیار کرنے کی بابت راجع ہے اور خیر اور شر ہونا
سمجھا اور بامر کی خوبی اور برائی سے کی بابت ہے پس خیر و شر مقدر ہوا ابتدا میں شیرینی اور تلخی کے ساتھ
اور انتہا اور [illegible] اور [illegible] عادت اور دستور اس
عالم میں جاری ہے [illegible] ہوتا ہے کہ آخرت میں تلخی پیش آتی ہے
اور یہاں [illegible] تلخی چیزیں وہاں کی میٹھی ہونی
اور یہاں کی [illegible] حکمت کا مقتضی یہ ہے کہ لذات کا ثمرہ آلام اور
آلام کا ثمرہ لذات کو [illegible] ہے اور قضا و قدر کا انتظام اُس کو حاوی اور شامل ہے۔ کوئی چیز اس
انتظام سے خارج نہیں۔ اور شر کا مرجع لذت [illegible] اسباب کی طرف ہے۔ اور خیر مطلوب
وہ لذات ہیں جو دائم اور ہمیشہ باقی رہینگی۔ اور وہ شر جس سے بھاگنا چاہیئے آخرت کے وہ آلام اور عذاب
ہیں جو دراز اور ممتد ہونگے پس ان آلام کے اسباب اگرچہ کسی لذت پر مشتمل ہوں۔ مگر صاحب بصیرت کے
نزدیک ترک کرنے کے لائق ہیں اور ان خیرات دائمی کے وسائل گو کسی تکلیف کو متضمن ہوں لیکن
اختیار کرنے کے قابل ہیں [illegible] تکلیف [illegible] جو اس کا تحمل اور برداشت کرنا نسبت
اس لذت [illegible] تکلیف [illegible] نہ صرف بہتر اور اولیٰ ہے۔
بلکہ واجب اور ضروری ہے کیونکہ ممتد اور دراز تکلیف کے مقابلہ میں تھوڑی سی لذت کالعدم اور دائمی
لذت [illegible] تکلیف [illegible] ہے +

پچیسواں باب

اس امر کے بیان میں کہ شر کے فعل اور اس کے ارادہ کو اثبات
ناپسندی کے طور پر اللہ سبحانہ کی طرف نسبت کرنا درست نہیں

اس مسئلہ میں تقدیر کے ماننے والوں اور اس کے منکرین کے درمیان اختلاف ہے۔ منکرین تقدیر

یہ قول ہے کہ اثبات کے طور پر اس طرح کہنا درست نہیں کہ اللہ شر کا ارادہ کرنے والا یا اس کا فاعل ہے اور نفی کے طور پر یوں کہنا درست ہے کہ اللہ تعالیٰ شر کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ اس کا فاعل ہے کیونکہ شر کا فاعل شریر ہوتا ہے۔ لغت، نقل اور شرع سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ظالم فاعلِ ظلم اور فاجر فاعلِ فجور اور اس کے ارادہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ برے اسما کے معانی کے ساتھ موصوف ہونے سے منزہ اور پاک ہے۔ اسلئے تمام اسما حسنیٰ اور اسکے بلکہ افعال خیر ہیں اور یہ محال ہے کہ اللہ سبحانہ شر کا ارادہ کرے پس شر اُسکے ارادہ و فعل سے نہیں۔ اور یہ بات دلیل سے ثابت ہے کہ اللہ سبحانہ کے افعال مصنوعات اور پیدا کردہ اشیاء کا غیر ہیں اور چونکہ شر اُس کے افعال میں سے نہیں لہذا اُسکے مفعولات میں سے بھی داخل نہیں ہے۔ اور ان کے مقابل جبریہ نے یوں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے شر کا فعل اور اسکے ارادہ دونوں صادر ہوتے ہیں اور انکی دلیل یہ ہے کہ شر ایک موجود چیز ہے پس اس کا کوئی موجد اور خالق ضرور ہوگا اور اللہ سبحانہ کے سوا کوئی دوسرا خالق نہیں اور اللہ سبحانہ ہر ایک چیز کو اپنے ارادہ سے پیدا کرتا ہے۔ پس ہر مخلوق مراد اور اللہ کا فعل ہے اور یہ لوگ اس مسئلہ میں کہ فعل عین مفعول اور خلق نفس مخلوق ہے۔ قدریہ کے ساتھ متفق ہیں مگر پھر انکے نزدیک شر اللہ تعالیٰ کا مخلوق اور مفعول ہے۔ اور وہ اس کا فعل خلق اور اس کے ارادہ سے واقع ہے اور جبریہ یہ بھی کہتے ہیں صرف ادب کے لحاظ سے یہ الفاظ کہنے درست نہیں کہ اللہ شر کا ارادہ کرنیوالا اور اس کا فاعل ہے جیسا کہ یوں کہنا درست نہیں کہ وہ کتوں اور خنزیروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور مطلقاً یوں کہنا درست ہے کہ وہ ہر چیز کا رب اور اس کا خالق ہے۔ اور قدریہ کو اس طرح جواب دیتے ہیں کہ تمہارا یہ کہنا کہ جو شخص شر کا فاعل اور اس کا ارادہ کرنے والا ہو۔ تو اسی کو لغت عقل اور شرع میں شریر کہا جاتا ہے اس کا جواب دو طرح ہو سکتا ہے۔ اول یہ کہ تمہارا یہ قول غیر مسلم ہے کیونکہ لغت میں شریر اسے کہا جاتا ہے جس کے ساتھ شر قائم ہو اور فعل شر اللہ سبحانہ کی ذات کے ساتھ قائم نہیں اسلئے کہ اسکے افعال اس کی ذات کے ساتھ قائم نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ مفعولات کا عین اور مخلوق کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔ اور اسی واسطے اُن افعال سے مخلوق کے لئے اسما مشتق کئے گئے ہیں۔ مثلاً فاجر۔ فاسق۔ مصلی۔ صائم۔ حاجی وغیرہ مخلوق کو کہا جاتا ہے نہ خالق کو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے اسما توقیفی ہیں اور اللہ سبحانہ نے اپنے آپ کو احسن اسما کے ساتھ موسوم کیا ہے اور یہ جائز نہیں کہ اللہ سبحانہ کے ملک میں ایسی چیز موجود ہو جو اس کے ارادہ اور خلق سے باہر ہو کیونکہ وہ سب چیزوں پر غالب ہے کوئی چیز اس کی قدرت و ارادہ سے باہر

نہیں۔ اور اس مسئلہ میں محقق بات یہ ہے کہ شر کے ارادہ اور فعل کو نفی یا اثبات کے طور پر اللہ سبحانہ کی طرف
نسبت کرنا اور ایسے الفاظ کو اللہ کی ذات پاک پر اطلاق کرنا درست نہیں کیونکہ ارادہ اور فعل شر کا
لفظ استعمال کرنے میں ایک باطل معنی کے ثبوت اور صحیح معنی کی نفی کا وہم پیدا ہوتا ہے کیونکہ ارادہ دو
معنی کے اندر مستعمل ہے ایک مشیئت اور دوسرا محبت اور رضا۔ پہلے معنی کی مثال یہ ہے اِنْ كَانَ
اللّٰهُ يُرِيدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ (اگر خدا ہی کو تمہارا راہ راست سے بہکانا منظور ہے) وقولہ تعالیٰ
وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ (اور جس کو اللہ گمراہ کرنا چاہے) وقولہ تعالیٰ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ
قَرْيَةً (اور جب ہم کو کسی گاؤں کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے) دوسرے کی مثال جیسے وَاللّٰهُ
يُرِيدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ (اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہر (کی نظر) رکھے) وقولہ تعالیٰ يُرِيدُ اللّٰهُ
بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے اور تمہارے
ساتھ سختی نہیں کرنی چاہتا) اور ارادہ بمعنی اول مراد کے وقوع کو مستلزم ہے اور اللہ سبحانہ کے
نزدیک اس کے محبوب و پسندیدہ ہونے کو مستلزم نہیں۔ اور ثانی معنی کے ساتھ مراد کے واقع اور
موجود ہونے کو مستلزم نہیں مگر اللہ کے نزدیک اس کے محبوب ہونے کو مستلزم اور
مقتضی ضرور ہے کیونکہ اللہ سبحانہ اپنے جس فعل کے وقوع کا ارادہ کرے وہ اس کے نزدیک محبوب
و پسندیدہ ہے۔ اور اللہ سبحانہ کے اپنے افعال اور مفعولات کے ارادہ کرنے میں فرق اور تفاوت
موجود ہے۔ اللہ سبحانہ کے سب کے سب افعال خیر۔ عدل۔ مصلحت اور حکمت ہیں۔ ان میں
کسی وجہ سے شر موجود نہیں اور اس کے مفعولات کئی قسم پر منقسم ہیں اور یہ بات صرف اہل سنت کے
مذہب کے مطابق صحیح اور درست ہو سکتی ہے کہ ان کے نزدیک فعل مفعول کا اور خلق مخلوق کا غیر ہے
اور یہی مسئلہ عقل، فطرت۔ لغت اور ادلہ نقلیہ قرآن۔ حدیث اور اہل سنت کے اجماع کے موافق ہے
چنانچہ امام بغوی نے شرح السنہ میں اس کو بیان کیا ہے۔ اس تفصیل کے معلوم کرنے کے بعد یہ
سمجھنا چاہئے۔ کہ یہاں دو ارادے اور دو ہی مراد ہیں۔ ایک یہ ارادہ ہے کہ اللہ سبحانہ کسی
اپنے فعل کے صدور کا ارادہ کرے اور اس صورت میں متعلق ارادہ اور مراد اللہ سبحانہ کا فعل ہے
جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ اور دوسرا ارادہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ اس بات کا ارادہ کرے
کہ اس کا بندہ کوئی کام صادر کرے۔ اس صورت میں اس ارادہ کا متعلق اور مراد اللہ سبحانہ کا مفعول
ہے جو اس کی ذات سے جدا اور منفصل ہے۔ اور پہلا ارادہ اور دوسرا ارادہ باہم متلازم نہیں بلکہ جائز
ہے کہ اس کا پہلا ارادہ موجود ہو اور اس کے ساتھ مراد موجود نہ ہو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ

یہ چاہتا ہے کہ اُس کا بندہ کوئی کام کرے اور اللہ سبحانہ اپنی طرف سے اُس کام پر اُس کی اعانت نہ فرمائے
اُس کو توفیق بخشے اور اُس سے موانع کو دُور کرنے کا ارادہ نہیں کرتا چنانچہ ابلیس سے یہ چاہا کہ وہ
آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرے اور اللہ سبحانہ نے اپنی طرف سے سجدہ پر اُس کی اعانت فرمانے
توفیق بخشنے اور اس کام کی طرف اُس کے قلب کو پھیرنے اور اس پر ثابت رکھنے کا ارادہ نہ فرمایا۔ اگر
اللہ سبحانہ ایسا ارادہ کرتا تو ابلیس آدم علیہ السلام کے سامنے ضرور سجدہ کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول
فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ اپنے افعال کے ارادہ کے بارے میں ہے نہ بندوں کے افعال کے۔ ارادہ کی نسبت
اور اللہ سبحانہ کے اپنے افعال کا ارادہ دو قسم یعنی خیر اور شر کی طرف منقسم ہیں۔ پھر جب یوں کہا
جائے کہ اللہ شر کا ارادہ کرنے والا ہے تو یہ وہم پیدا ہوگا کہ شر کو محبوب رکھتا اور اس سے راضی
ہوتا ہے اور جب یوں کہا جائے کہ اُس نے شر کا ارادہ نہیں کیا۔ تو یہ وہم پیدا ہوگا۔ کہ اُس نے
شر کو پیدا اور خلق نہیں کیا اور دونوں وہم اللہ سبحانہ کی نسبت ناجائز ہیں اور اسی طرح جب یہ کہا
جائے کہ اللہ تعالیٰ شر کا فاعل ہے۔ تو اس سے یہ وہم پیدا ہوگا کہ شر اُس کا وہ فعل ہے۔ جو اُس
کے ساتھ قائم ہے۔ اور یہ محال ہے۔ اور جب یہ کہا جائے کہ وہ شر کا فاعل نہیں۔ تو یہ خیال
پیدا ہوگا کہ وہ اُس کا خالق اور مکوِّن نہیں اور یہ بھی محال ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ نفی و اثبات میں
ان الفاظ کے اطلاق اور استعمال میں تحقیق اور غلط دونوں شقیں موجود ہیں۔ جو تفصیل و توضیح کے
بعد معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس مسئلہ میں صواب اور حق وہی بات ہے جس پر قرآن کریم اور حدیث
شریف دلالت کرتے ہیں کہ شر دیگر افعال کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں۔ اور
نہ کسی طرح اس کے اسم سے ساتھ وہ موسوم ہے۔ شر کا وجود اور وقوع صرف اللہ سبحانہ کے
مفعولات میں علی وجہ العموم متحقق ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ
شَرِّ مَا خَلَقَ (اے پیغمبر اپنی حفاظت کے لئے یوں) دُعا مانگا کرو کہ میں تمام مخلوقات کے
شر سے صبح کے مالک (یعنی خدا) کی پناہ مانگتا ہوں) اس آیت میں لفظ مَا موصولہ یا مصدریہ
اور مصدر بمعنے مفعول ہے اور معنی یہ ہیں اُسی چیز کے شر سے جس کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔
یا اُس کی مخلوق کے شر سے اور یہی اس کا فاعل حذف کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مومنین جن کے
قول کو اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے وَاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ
اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (اور ہم نہیں جانتے کہ (اس انتظام سے) زمین کے
رہنے والوں کو کچھ نقصان پہنچانا منظور ہے یا کہ اُن کے پروردگار کا ارادہ اُن کے حق میں بہتری

کرنے کا ہے اور کبھی اسکو اس محل کی طرف نسبت کیا جاتا ہے جسکے ساتھ قائم ہو جیسا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے قول کو اللہ تعالے نے بیان فرمایا ہے اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ (جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر وہی (دنیا و دین کی مشکلات میں) میری رہنمائی کرتا ہے اور جو مجھ کو (کھانا) کھلاتا اور جو مجھ کو (پانی) پلاتا اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے) ٭

اور خضر علیہ السلام نے کہا اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا (کشتی تو (ماہی پیشہ) غریبوں کی تھی وہ (اُس کو) دریا میں (مزدوری پر) چلاتے تھے۔ تو میں نے چاہا کہ اُس کو عیب دار کردوں) ٭

اور اُن دو لڑکوں کے بالغ ہونے کی نسبت یوں کہا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا (پس تمہارے پروردگار نے چاہا کہ دو نو لڑکے اپنی جوانی کو پہنچیں) ٭

اور سورہ فاتحہ میں یہ تینوں صورتیں موجود ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ (ہم کو دین کا سیدھا رستہ دکھا اُن لوگوں کا رستہ جن پر تو نے (اپنا) فضل کیا نہ اُن کا جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ گمراہوں کا) اور اللہ سبحانہ نے اپنی ذات کیطرف صرف خیر کو نسبت فرمایا۔ اور شر کو اپنی ذات کی طرف منسوب نہیں کیا ٭

چنانچہ فرمایا ہے قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِكَ الْخَیْرُ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (اے پیغمبر تم (یوں) دعا مانگو کہ اے خدا سارے مُلک کے مالک تو ہی جس کو چاہے سلطنت دے اور تو ہی جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو ہی جس کو چاہے عزت دے اور تو ہی جسے چاہے ذلت دے (ہر طرح کی خیر و) خوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے) اور جو شخص یوں کہتا ہے کہ خیر اور شر دو نو تیرے ہاتھ میں ہیں۔ وہ سراسر غلطی پر ہے اور اسکی غلطی چند وجوہ سے ثابت ہوتی ہے۔ اول یہ کہ آیت میں ایسا کوئی لفظ موجود نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ یہاں لفظ شر محذوف اور مراد ہے بلکہ اس کے ذکر کو یا تو قصداً ترک کیا گیا ہے یا اِس بات کے ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ یہاں مراد نہیں اُس کو ترک کیا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے ہاتھ میں دو قسم کی

چیزیں ہیں۔ ایک فضل اور دوسرا عدل جیسا کہ حدیث صحیح میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالےٰ کا داہنا ہاتھ بھرا ہوا ہے کسی خرچ سے اُس میں کمی نہیں آتی۔ رات دن ہر وقت اُس سے خرچ ہوتا رہتا ہے۔ یہ بتلاؤ کہ جب سے مخلوق کو پیدا کیا ہے کتنا کچھ خرچ کیا ہوگا۔ مگر اُس میں کچھ کمی نہیں آئی۔ اور اُس کے دُوسرے ہاتھ میں میزان عدل ہے۔ جس سے کسی قوم کو پست اور کسی کو بلند کرتا ہے۔ غرض ایک ہاتھ میں فضل ہے اور دوسرے میں عدل ہے اور یہ دونوں خیر ہیں۔ ان میں کسی طرح کا شر نہیں۔ پس شر کو اللہ سبحانہ کے ہاتھ میں قرار دینا غلطی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ فِي یَدَیْکَ وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْکَ (اے اللہ میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اور تیری فرمانبرداری کے لئے آمادہ ہوں اور سب خوبیاں اور بھلائیاں تیرے ہاتھوں میں ہیں۔ اور شر تیری طرف منسوب نہیں) اس آیت کی گویا تفسیر ہے۔ اور آپ نے خیر اور شر میں فرق بیان کیا ہے کہ خیر کو اللہ سبحانہ کے ہاتھوں میں قرار دیا ہے۔ اور شر کو اللہ سبحانہ کی طرف مضاف کرنے کی نفی کر دیا ہے۔ باوجودیکہ سب چیزوں کا خالق وہی وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ہے +

فصل ۔ اللہ سبحانہ کے اوصاف و افعال میں سے اُسکے لئے اسماء مشتق ہیں۔ اور اُسکی مخلوقات میں سے اسکے لئے کوئی اسم مشتق نہیں اور اُسکے جتنے اسم ہیں یا تو اسکے صفات میں سے کسی صفت سے مشتق ہیں یا کسی ایسے فعل سے مشتق ہیں جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اور اگر اُس مخلوق کے لحاظ سے جو اُس کی ذات سے منفصل اور جدا ہے۔ اُس کے لئے کوئی اسم مشتق ہوتا تو اُس کو متلوّن متحرک ۔ ساکن ۔ طویل ۔ ابیض وغیرہ کہا جاتا ۔ کیونکہ وہ ان تمام صفات کا خالق ہے اور جب کہ ان اسماء میں سے کوئی اسم اس پر اطلاق نہیں کیا جاتا ۔ حالانکہ وہ ان سب کا خالق ہے تو معلوم ہوا کہ اسکے اسماء اُس کے اُن اوصاف اور افعال سے مشتق ہیں جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں ۔ اور اللہ سبحانہ مخلوق منفصل کے ساتھ موصوف اور ان کے اسماء کے ساتھ موسوم نہیں ۔ لہٰذا اُن لوگوں کا قول جو یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کو اُس کلام منفصل کے لحاظ سے جس کو مخلوق میں پیدا کرے متکلم ارادہ منفصلہ کے اعتبار سے مرید ۔ عدل ۔ مخلوق اور منفصل کی وجہ سے عادل اور خلق منفصل کے باعث جو عین مخلوق ہے خالق کہنا درست ہے ۔ باطل اور عقل و نقل اور لغت کے مخالف ہوا ۔ اسکے علاوہ اُن کا قول فی نفسہٖ متناقض ہے ۔ کیونکہ اگر مخلوقات

کے لحاظ سے اللہ سبحانہٗ کیلئے اسم کا مشتق کرنا درست ہو تو تمام اشیاء اور جملہ صفات و افعال مخلوقہ کے لحاظ سے اُس کے لئے اسماء کا اشتقاق درست ہوگا اور یہ نا جائز ہے اور اگر بعض افعال اور صفات کی تخصیص کیجائے تو یہ دعوے بلا دلیل اور ترجیح بغیر مرجح ہے ۔ اور ان لوگوں کے قول کا اصل مطلب یہ ہے کہ عدل ۔ احسان ۔ کلام ۔ ارادہ یا دوسرا کوئی فعل اللہ سبحانہٗ کی ذات کے ساتھ قائم نہیں ۔ اور فرقہ جہمیہ اللہ تعالےٰ کے صفات کے حقائق کا بھی منکر ہے ۔ اور یوں کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ کوئی صفت ثبوتیہ قائم نہیں ۔ غرض یہ لوگ اللہ سبحانہٗ کے صفات کا انکار کرکے ان کو سلوب اور اضافات ٹھیرتے اور اس کے افعال کی نفی کرکے ان کو مصنوعات و مخلوقات قرار دیتے ہیں ۔ اور ان کے کلام کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ کے اسماء محض الفاظ خالی عن المعنی ہیں ۔ ان کا کوئی مفہوم اور حقیقت نہیں اور یہ بات الحاد اور اسماء کے حسن کا انکار ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (اور اللہ کے (سب ہی) نام اچھے ہیں تو اُس کے نام لیکر اس کو (جس نام سے چاہو) پکارو اور جو لوگ اُس کے ناموں میں کفر کرتے ہیں اُن کو چھوڑ دو) اور قرآن کریم اور حدیث سے ثابت ہے ۔ کہ ان اسماء کے مصادر اللہ سبحانہٗ کے اوصاف ثابتہ ہیں اور وہ انکے ساتھ موصوف ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اِنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (ہر طرح کی قوت اللہ ہی کو ہے) وقولہ تعالےٰ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (اللہ خود بڑا روزی دینے والا قوت والا زبردست ہے) وقولہ تعالےٰ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ (جانے رہو کہ (قرآن) خدا ہی کے علم سے اُترا ہے) اور حدیث شریف میں ہے لَاَحْرَقَتْ سبحاتُ وجهه ما انتهى اليه بصرُهٗ من خلقه ۔ اِس حدیث سے اللہ سبحانہٗ کیلئے صفت بصارت ثابت ہوتی ہے ۔ اور نیز حدیث شریف میں وارد ہے اَعُوْذُ بِرِضَاكَ من سَخَطِكَ (اے اللہ میں تیری رضا کے ساتھ تیرے غضب سے پناہ مانگتا ہوں) اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے اَسْأَلُكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتَكَ عَلَى الْخَلْقِ اور یہ بھی وارد ہے اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ اَنْ تُضِلَّنِيْ ۔ حدیث شریف کے ان کلمات سے رضا ۔ سخط ۔ قدرت ۔ عزت ۔ وغیرہ صفات ثبوتیہ اللہ سبحانہٗ کے لئے ثابت ہوتے ہیں ۔ اور اگر یہ مصادر ثابت نہ ہوں ۔ تو اسماء صفات اور افعال کے حقائق معدوم اور منتفی ہو جائینگے ۔ کیونکہ اُس کے افعال صفات کا غیر ہیں ۔ اور اسماء افعال اور صفات

کا غیر اور جب اللہ سبحانہ کے ساتھ کوئی صفت اور فعل قائم نہ ہو۔ تو خالی ایسے اسم کے ثبوت کا کوئی مطلب نہیں۔ جو کسی معنی کو مفید نہ ہو۔ بلکہ محض ایک رسم اور آواز ہو۔ اور یہ غایت درجہ کا الحاد ہے ۔

۲۶

چھبیسواں باب

ان امور کے بیان میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَآ اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ سے ثابت ہوتے ہیں۔ اور تقدیر الٰہی کے اثبات کی تحقیق اور اس سر عظیم کے بیان میں جسکو یہ حدیث متضمن ہے

اس حدیث شریف سے کئی امور ثابت ہوتے ہیں منجملہ ان کے یہ کہ اللہ تعالٰے کی صفات کی پناہ طلب کرنا ویسی ہی درست ہے جیسا کہ اس کی ذات کی پناہ چاہنا۔ اور دوسری حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے اس کی ذات سے استغاثہ کیا ہے۔ اسی طرح اس کے صفات سے استغاثہ کرنا روا ہے چنانچہ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَّلَآ اِلٰٓی اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ (اے الحی قیوم۔ آسمانوں زمین کے پیدا کرنے والے صاحب جلال اکرام تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں میں تیری رحمت کے پاس استغاثہ کرتا ہوں۔ میرے سب کام ٹھیک کر دے۔ اور مجھے میرے نفس یا اپنی مخلوق میں سے کسی شخص کے پاس ایک لحہ بھر سپرد نہ فرما) اور دوسری حدیث میں ہے اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ اَنْ تُضِلَّنِیْ (اے اللہ میں تیری عزت کے ساتھ اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ تو مجھے گمراہ کرے) اور اسی طرح حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالٰے کے کلمات تامہ۔ اس کے وجہ کریم اور انکی تعظیم کے ساتھ استعاذہ درست ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صفات وجودیہ اللہ تعالٰے کے لئے ثابت ہیں۔ کیونکہ معدوم کے

پناہ مانگنے کا کوئی معنی نہیں۔ اور نیز یہ صفات اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ قائم اور غیر مخلوق
ہیں۔کیونکہ مخلوق کے ساتھ استعاذہ درست نہیں۔ اور یہ استدلال نہایت صحیح ہے کیونکہ رسول خدا
صلے اللہ علیہ وسلم کی شان سے یہ بات بعید ہے۔ کہ آپ کسی مخلوق کے ساتھ استعاذہ یا اس
سے استغاثہ کریں۔ اور اپنی اُمت کو اس کی تعلیم فرمائیں۔ اور حدیث مذکور سے دوسرا امر یہ
ثابت ہوتا ہے کہ عفو اُن صفات فعلیہ میں سے ہے جو اللہ سبحانہ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور
اس میں اُن لوگوں کی تردید ہے جو فعل کو عین مفعول کہتے ہیں۔کیونکہ مفعول مخلوق ہے۔ اور مخلوق
کے ساتھ استعاذہ درست نہیں تیسرا امر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے بعض صفات اور افعال
بعض سے افضل ہیں کیونکہ مستعاذ بہ مستعاذ منہ سے افضل ہوتا ہے اور یہ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ
صفت رحمت صفت غضب سے افضل ہے۔ اور اسی واسطے وہ غالب اور سابق ہے۔ اور
اسی طرح اللہ سبحانہ کا کلام اُس کی صفت ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ وہ کلام جس میں اللہ سبحانہ اپنے
اوصاف اور توحید کو ذکر کرے۔ اور اس کے ساتھ اپنی ثنا بیان فرمائے اُس کلام سے افضل ہے۔
جس میں اپنے دشمن کی مذمت اور اُن کے اوصاف ذکر کرے۔ اسی واسطے سورۂ اخلاص سورۂ
تبت سے افضل اور ثلث قرآن کے برابر ہے۔ اور آیۃ الکرسی قرآن کی افضل آیات میں سے ہے
دراں حالیکہ قول جوئیوں کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کے صفات قدیم ہیں۔ اور قدیم کے افراد میں تفاوت
اور تفاضل نہیں ہوسکتا ہرگز قابل التفات نہیں کیونکہ دلائل نقلیہ اور عقلیہ اُن کے قول کو باطل کرتی ہیں
اور اللہ سبحانہ نے فضل۔ عطا اور خیر کو اپنے داہنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ اور عدل اور قبض کو بائیں ہاتھ
میں۔ اور اسی واسطے اہل سعادت کو داہنی مٹھی میں لیا۔ اور اہل شقاوت کو بائیں میں پکڑا۔ اور عادل
اور منصف لوگ اللہ کی داہنی جانب نور کے منبروں پر بیٹھینگے۔ اور اللہ تعالےٰ آسمانوں کو داہنے ہاتھ میں لیگا
اور زمین کو بائیں میں۔ چوتھا امر یہ ثابت ہوتا ہے کہ غضب۔ رضا۔ عفو اور عقوبت چونکہ آپس میں متقابل
ہیں لہذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک کے ساتھ دوسرے سے استعاذہ کیا اور چونکہ ذات مقدس
کیلئے کوئی ضد اور مقابل نہیں۔ اس واسطے اس کے ساتھ استعاذہ کرنے کے وقت یوں کہا اَعُوْذُبِکَ
مِنْکَ (اور تجھ سے تیرے ہی پناہ چاہتا ہوں) غرض رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صفت غضب سے
صفت رضا کے ساتھ اور فعل عقوبت سے فعل عفو کے ساتھ اور نیز ان صفات و افعال کے موصوف کے
ساتھ استعاذہ کیا ہے۔ اور یہ حدیث نہایت مختصر الفاظ میں تقدیر اور توحید کے کامل درجے کے ثبوت
کو متضمن ہے کیونکہ جس شر اور ڈر کے اسباب سے استعاذہ کیا جاتا ہے۔ وہ اللہ سبحانہ کی قضا و قدر

ہے ۔ [illegible] اور اس کے خلق، تقدیر اور تکوین میں اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ جس جس چیز سے اللہ تعالے کی
[illegible] ہو اس کی طرح ہوتا ہے اور جس سے اس کی مشیت متعلق نہ ہو وہ موجود نہیں ہوتی۔ اور
[illegible] ہوتی ہے یا اس کا فعل یا امر [illegible]
اور [illegible] کے اختیار میں نہیں اور اپنے خالق کے حکم بغیر وہ کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔
[illegible] جو آدمی کو نہایت ضرر [illegible] فرمایا ہے۔
وَمَا هُمْ بِضَارِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (یعنی [illegible])
[illegible] مخلوق کا وجود اللہ سبحانہ کی مشیت، قضا و قدر سے واقع ہے اور [illegible]
پناہ دینا اور بندے سے اس کو ہٹا دینا بھی اس کی مشیت، قضا و قدر سے واقع ہوتا ہے۔ اپنی
اپنی تقدیر سے تقدیر کے ساتھ اور ان چیزوں سے جو اس کی مشیت اور ارادہ سے صادر ہوتی ہیں ان چیزوں
کے [illegible] کی مشیت و ارادہ سے واقع ہیں پناہ دیتا ہے۔ اور سب کچھ اس کے ارادہ کے تقدیر
سے واقع ہے پس وہ اپنے ارادہ سے اپنے ارادہ کے ساتھ پناہ دیتا ہے۔ کیونکہ سب چیزیں اس
کی مخلوق اور اس کی قضا و قدر سے واقع ہیں جن چیزوں سے اللہ پناہ دیتا اور بچاتا ہے ان میں سے
کوئی چیز کسی دوسرے شخص کی مخلوق نہیں بلکہ سب اسی کی مخلوق ہیں۔ اور وہ بندے کو اپنی ذات سے
اپنی ذات کی پناہ دیتا ہے اور اس فعل سے جس کا بندے کے ساتھ کرنے کا ارادہ ہو اس فعل کے ساتھ
بچاتا ہے [illegible] کے ساتھ ارادہ ہو جاتا ہے۔ غرض کوئی ایسی چیز نہیں جو سوائے اللہ تعالے
کے کسی دوسرے کی مخلوق ہو اور پناہ مانگنے والے کو خدا تعالے اس سے پناہ دے۔ بلکہ جن چیزوں
سے اللہ پناہ دیتا ہے وہ سب اسی کی مخلوق ہیں۔ جیسے کسی شخص کو ظالم سے ایسے آدمی کے ذریعہ سے
بچائے جو ظالم سے زیادہ زورآور یا اس کا مقابل ہو۔ غرض گناہ اُن کے عذاب اور سزائیں۔ دکھ
بیماریاں اور اُن کے اسباب مستعاذ منہ ہیں۔ اور سبب اور مسبب سب کا وجود اللہ تعالے کے
قضا و قدر سے ہے۔ اور پناہ دینا اور بچانا بھی اس کی قضا و قدر سے ہے۔ اور وہ اپنی قضا سے
اپنی قضا کے ساتھ ہی بچاتا ہے۔ غرض اعاذہ اور بچانا۔ استعاذہ اور اس کا چاہنے والا سب کچھ اللہ
کی تقدیر اور اس کی مشیت سے ہے۔ اور ان کلمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ضرر، نفع، خلق، امر اور پناہ
دینا سب کچھ اللہ تعالے کے اختیار میں ہے اور مستعاذ منہ اسی کے ہاتھ اور تصرف میں ہے اور
اس کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اور اللہ تعالے کے ساتھ اللہ تعالے ہی سے استعاذہ
کیا ہے۔ ان کلمات کو اگر رسول کے سوا کوئی دوسرا شخص کہتا۔ تو جاہل متکلمین اُن کے رَدّ اور انکار

کے لئے کمربستہ ہوجاتے اور یہ کلمات اُن کلمات کے موافق ہیں، جو آپ نے دوسرے مقام میں کہے ہیں
لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ (اے اللہ تیرے سے تیرے سوا کوئی جائے پناہ نہیں) غرض
اللہ سبحانہ اپنی ذات سے اپنی ہی پناہ دیتا اور اپنی ذات سے خود ہی بچاتا ہے اور ایسا ہی
بندے کے فرار اور بھاگنے کی کیفیت ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ سے اسی کی طرف بھاگتا ہے۔ ان
سب باتوں سے توحید اور تقدیر ثابت ہوتی ہے کہ اس کا غیر کوئی رب نہیں اور اس کے سوا
کوئی خالق نہیں۔ اور مخلوق اپنے آپ یا دوسرے کے لئے کسی نفع۔ ضرر۔ موت۔ حیات۔
نشر حشر وغیرہ کسی چیز کی مالک نہیں۔ بلکہ نفع۔ ضرر وغیرہ جملہ امور اللہ سبحانہ کے اختیار میں
ہیں۔ اُسکے سوا کسی کو کچھ اختیار نہیں۔ چنانچہ اللہ سبحانہ نے اکرم الخلق اور سب سے زیادہ
مورد احسانات کو فرمایا ہے۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ (اے پیغمبر تمہارا تو کچھ بھی اختیار نہیں)
اور نیز اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے جواب میں جنہوں نے سوال کیا تھا کہ ہم کو نفع۔ ضرر وغیرہ کا کچھ
اختیار ہے یوں فرمایا ہے قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (اے پیغمبر آپ کہو کہ سب اختیار اللہ کا ہے) غرض تمام ملک اللہ کا ہی اور جملہ
امور اُسی کے اختیار میں ہیں اور تمام محامد کا وہی مستحق اور سزاوار ہے اور شفاعت اور جملہ خیرات اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی
ربوبیت اور الوہیت میں یکتا ہونے کا یہی مطلب ہو کہ بس اُس کا غیر کوئی معبود نہیں اور اُسکے سوا کوئی دوسرا رب نہیں۔ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا ہے قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ
اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (اے پیغمبر ان لوگوں سے)
کہو کہ بھلا دیکھو تو سہی خدا کے سوا جن (معبودوں) کو تم پکارتے ہو اگر خدا مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانی چاہے کیا یہ (معبود) اسکی
بھیجی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا خدا مجھ پر اپنا فضل کرنا چاہے کیا یہ (معبود) اسکے فضل کو روک سکتے ہیں؟ (اے
پیغمبر تم) کہو کہ مجھے تو خدا بس کرتا ہے (اور) بھروسہ رکھنے والے اُسی پر بھروسہ رکھا کرتے ہیں) وقال اللہ تعالیٰ وَاِنْ
يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اور اے بندے اگر اللہ
تجھ کو کسی قسم کی تکلیف پہنچائے تو اُسکے سوا کوئی اُس (تکلیف) کو دور کرنیوالا نہیں۔ اور اگر تجھ کو کسی قسم کا فائدہ پہونچائے
تو وہ ہر چیز پر قادر ہے) وقال تعالیٰ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا
وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اللہ اپنی رحمت) کا لنگر
جو لوگوں کے لئے کھولے تو کوئی اس کا بند کرنے والا نہیں اور بند کرلے تو اس کے (بند کئے
پیچھے کوئی اُس کا جاری کرنے والا نہیں اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے) بس خدا ہی سے خدا
ہی کے ساتھ پناہ مانگو اور اس سے اسی کی طرف بھاگو اور اس سے جائے پناہ اسی کو بنا

طلب کرو سب امور اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اسکے سوا کوئی شخص کسی امر کا مالک نہیں۔ وہی نیکیوں کی توفیق بخشنے والا اور برائیوں کو مٹانے والا ہے۔ ایک ذرہ اس کے حکم بغیر حرکت نہیں کرتا۔ اور کسی قسم کا زہر جادو۔ سحر شیطان یا کوئی حیوان وغیرہ اس کے اذن اور مشیت بغیر ہرگز کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ وہ جس کو چاہے ان چیزوں کے ذریعہ سے تکلیف پہنچا سکے۔ اور جس سے چاہے تکالیف کو روک سکے۔ اسی واسطے اعرف الخلق اور اقوی فی التوحید یعنی سرور کائنات صلعم نے اپنی دعا میں یوں کہا اعوذ بک منک مخلوق کیلئے اس کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں۔ اور نہ کوئی اس کے رب۔ خالق۔ اور مالک کے سوا استعاذہ ہے سب مخلوق اس کے آگے مقہور اور مغلوب ہے۔ پھر آنحضرت صلعم نے دعا کو ان کلمات کے ساتھ ختم کیا ہے لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ (اے اللہ میں تیری ثناء کما حقہ بجا نہیں لاسکتا تو ویسا ہی باکمال ہے جیسا کہ تونے اپنی آپ ثنا بیان فرمائی ہے) تاکہ اس امر کا اعتراف ثابت ہو کہ اللہ سبحانہ کی شان۔ اسکی عظمت۔ نعوت۔ جلال اور صفات جمال کو کوئی شخص احاطہ اور شمار نہیں کر سکتا۔ اور نہ اللہ سبحانہ کے سوا کوئی شخص اسکی ثنا کی حقیقت کو پہنچ سکتا ہے۔ پس یہ کلمات صفات اور نعوت کی توحید ہے۔ اور دعا کے پہلے کلمات سے جو توحید ثابت ہوتی ہے وہ عبودیت اور الوہیت کی توحید اور خوف ورجا اور استعاذہ کے باب میں خدا تعالیٰ کی یکتائی کا بیان ہے۔ توحید الوہیت شرک کے خلاف اور توحید صفات تعطیل کے منافی اور مخالف ہے۔

ستائیسواں باب

اس امر کے بیان میں کہ اللہ سبحانہ کے قضا و قدر۔ عدل توحید اور حکمت پر ایمان لانا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے قول مَاضٍ فِیَّ حُکْمُکَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاءُکَ کے تحت میں داخل ہے اور نیز ان قواعد و اصول شرع کے بیان میں جو اس حدیث سے ثابت ہوتے ہیں

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جس شخص کو کوئی غم۔ فکر یا اندوہ لاحق ہو اور وہ یہ

کلمات کہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ ابْنُ عَبْدِكَ ابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَلَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ صَدْرِيْ وَجَلَاءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّيْ وَغَمِّيْ (اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے اور کنیز کا بیٹا ہوں۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ تیرا حکم میری نسبت نافذ اور تیرا فیصلہ میرے بارے میں سراسر انصاف ہے۔ میں تجھ سے تیرے اُن اسماء کے وسیلہ بنا کر سوال کرتا ہوں جن کے ساتھ تو نے اپنے آپ کو موسوم فرمایا یا اُن کو اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا وہ کسی مخلوق کو سکھائے ہیں یا اُن کو اپنے خزائن غیب میں پوشیدہ رکھا ہے کہ قرآن کو میرے دل کا آرام اور میرے سینے کے لئے نور اور میرے اندوہ کے لئے صیقل اور میرے غم کو دُور کرنے والا بنا دے) تو اللہ تعالٰے اُس کے غم و اندوہ کو دُور فرما کر اُس کے بجائے اُسے خوشی نصیب فرماتا ہے۔ صحابہ نے یہ کلمات اور ان کے برکات کو سُن کر عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم ان کلمات کو سیکھ لیں۔ آپ نے فرمایا بیشک جو شخص اُن کو سُنے اُسے چاہیئے کہ وہ اُنکو سیکھ لے۔

اس حدیث صحیح سے چند امور معلوم ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث میں وہ تمام مکروہات جو قلب پر وارد ہوتی ہیں۔ ذکر کئے گئے ہیں۔ ہَمّ اُس فکر کا نام ہے۔ جو آئندہ زمانے میں کسی مکروہ چیز کے پیش آنے کے خیال سے پیدا ہو۔ حزن اُس غم کو کہتے ہیں جو گذشتہ زمانے میں کسی مطلوب اور محبوب چیز کے فوت ہونے یا کسی تکلیف کے پیش آنے پر لاحق ہو۔ کہ جب وہ تکلیف یا محبوب چیز کا فوت ہونا یاد آوے تو دل میں غم پیدا ہوتا ہے۔ اور غم اُس اندوہ کو کہتے ہیں۔ جو فی الحال کسی تکلیف کے پیش آنے پر حاصل ہو۔ اور یہ مکروہات قلب کی بہت بڑی بیماریاں اور سخت امراض ہیں۔ اور لوگوں نے اُن کے علاج اور ان سے بچنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں۔ اور سب لوگ اپنے خیال اور زعم کے مطابق ان سے خلاصی پانے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ مگر ان کے علاج اور اُن سے خلاصی پانے کے لئے اکثر ایسے طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔ جن سے ان امراض میں زیادتی اور ترقی پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً بعض لوگ چھوٹے بڑے مختلف گناہوں سے ان کا علاج کرتے ہیں اور بعضے لہو و لعب کھیل کود گانے بجانے وغیرہ سے اُن کا علاج کرتے ہیں۔ اور بنی آدم کی اکثر بلکہ تمام کوششوں کی غایت اور اُن کا اصلی مقصود یہی ہے۔ کہ ان امراض کو دفع کرے۔ اور ان سے نجات اور خلاصی پائے۔ مگر جو سبب اُن لوگوں نے جو اُنکے دفع کرنے

کے لئے اس دوا کو استعمال کرتے ہیں جس کو اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے۔ سب لوگوں نے علاج کے
غلط طریقے اختیار کئے ہیں۔ وہ دوا جو اللہ سبحانہ نے بیان فرمائی ہے ایک مرکب دوا ہے جو چند مفید
چیزوں سے بنائی گئی ہے۔ کہ اگر ایک جزو اس کا کم ہو تو اسی قدر شفا میں کمی ہوتی ہے۔ اور اس دوا کا
جزو اعظم توحید اور استغفار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ
لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (تو اے محمد اچھی طرح) جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور
تم سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہو اور نیز ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لئے)
اور حدیث میں ہے شیطان کہتا ہے کہ بنی آدم گناہوں سے ہلاک ہوئے اور مجھ کو انہوں نے استغفار اور
کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ سے ہلاک کیا ہے۔ اور میں جب دیکھتا ہوں کہ بنی آدم گناہوں سے استغفار کرتے
اور کلمہ توحید پڑھتے ہیں۔ تو میں ان کے دلوں میں خواہشات نفس ڈال دیتا ہوں۔ پھر وہ بید دھڑک
گناہ کرتے اور توبہ کا نام نہیں لیتے کیونکہ وہ اپنے زعم میں یوں سمجھتے ہیں۔ کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔
اسی واسطے وہ دعا مفرج کرب و شدائد ہے۔ کرب دور کرنے والی محض کلمات توحید کا مجموعہ ہے۔ اور وہ
دعا یہ ہے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَا إِلٰهَ
إِلَّا هُوَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔ اور ترمذی وغیرہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم
سے مروی ہے کہ میرے بھائی ذی النون کی دعا ایسی با اثر ہے کہ جو کوئی مصیبت زدہ اس کو پڑھے
اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کو ضرور دور کر دیتا ہے۔ اور وہ دعا یہ ہے لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ
إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ۔ توحید وہ چیز ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کے بارگاہ میں داخل کر دیتی ہے
اور استغفار سے وہ حجاب دور ہو جاتے ہیں۔ جو قلب کو بارگاہ الٰہی میں پہنچنے سے مانع ہوتے ہیں۔ اور
جب بندہ کا قلب بارگاہ الٰہی میں پہنچ جائے تو اس کے تمام غم و ہم اور رنج دور ہو جاتے ہیں اور جب اس درگاہ سے دور رہے تو پھر اس کو غم و فکر اور
الم اندوہ ہر طرف سے گھیر لیتے اور ہر جانب سے آ کر لپٹ جاتے ہیں اسی واسطے اس دعا کو جو غم و فکر اور اندوہ کو دور کرنے کا نسخہ ہے
عبودیت کے اعتراف کے ساتھ شروع کیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ بندہ اللہ
کے قبضے اس کے ملک اور اس کے تصرف میں ہے اس کی پیشانی اللہ کے ہاتھ میں ہے جہاں چاہے اسے
پھیر دیتا ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے تصرف کا ایسا منقاد ہے جیسا وہ شخص منقاد اور تابعدار ہوتا ہے
جس کی چوٹی کو کسی نہایت زور آور شخص نے پکڑا ہو کہ وہ انقیاد اور تابعداری کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ اس
کے بعد یہ اقرار کیا گیا ہے کہ بندے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہر حال میں نافذ اور جاری ہے خواہ
بندہ دل سے قبول کرے یا نہ کرے۔ اور اس پر خوش ہو یا ناخوش۔ اور جب اللہ تعالیٰ بندے کے

بندے میں کوئی حکم جاری کرے۔ تو کوئی دوسرا شخص اس کو ہرگز رد نہیں کرسکتا۔ اور اس میں اللہ سبحانہ کی
کمال [illegible] قدرت [illegible] ہے [illegible] اور آنحضرت کی [illegible] ہے۔ اور گویا [illegible] ان کلمات کی
[illegible] ایک تشبیہ ہے [illegible] زبردست [illegible] کا حکم ہے
اور جب کوئی حکم کرتا ہے تو اس کا حکم نافذ اور جاری ہوتا ہے۔ [illegible] اقرار کیا ہے کہ یہ
عالم حکم اور فیصلہ نافذ کرتا ہے تو وہ سراسر عدل اور انصاف ہوتا ہے۔ اس میں کسی طرح کے جور اور
ظلم کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ آپ [illegible] فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ کا یہی مطلب ہے۔ اور
یہ الفاظ بندے کی نسبت اللہ سبحانہ کے تمام حکموں اور قضاؤں کو شامل ہیں یعنی قضائے سابق جو
قبل ایجاد ہے قضائے مقارن حیات۔ قضائے بعد موت۔ اور قضائے یوم معاد سب کو شامل
ہے اور نیز گناہ کے مقدر کرنے اور اس کے سزا کے ساتھ حکم کرنے کو شامل ہے۔ اور جس شخص کا سینہ
ان مسائل و عقائد سے ٹھنڈا نہ ہو اور ان کی نسبت قطعی طور یقینی حاصل نہ ہو۔ تو اس نے اپنے رب۔
اس کے کمال۔ اس کی ذات کی شان اور اس کے عدل کو ہرگز نہیں سمجھا۔ [illegible] وہ نہایت جاہل اور سخت
ظالم ہے اسے کسی بات کا علم اور اس کی طبع میں ذرا انصاف نہیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے
قول ماضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ میں قدریہ اور جبریہ دونوں فریق پر رد ہے۔ یہ لوگ گرچہ زبان سے
ان مسائل کو مانتے ہیں۔ مگر ان کے اصول ان مسائل کے خلاف ہیں۔ قدریہ اس بات کے منکر ہیں
کہ اللہ سبحانہ کو یہ قدرت ہے کہ وہ بندے کے دل میں اس کی سلطنت اور مشیت کے خلاف ایسے خیالات
پیدا کرے کہ جن سے وہ راہ راست پر آجائے پس ان کے نزدیک حکم شرعی امر و نہی کے سوا بندے کے
بارے میں اللہ سبحانہ کا کوئی حکم جاری اور نافذ نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس حدیث میں لفظ حکم کو اس
معنی پر محمول کرنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بندہ حکم شرعی کو کبھی مانتا ہے اور کبھی نہیں مانتا پس ماضٍ
فِيَّ حُكْمُكَ کہنا درست نہیں ہو سکتا۔ بخلاف اس کے حکم تقدیری۔ کوئی بندے کے حق میں بہرحال
نافذ اور جاری ہے۔ اور جبریہ گو کہ اس کے ان کلمات متناسبہ کے ساتھ قائم ہیں جن سے کوئی
نیکوکار یا بدکار مستثنیٰ نہیں۔ وہ آنحضرت کا قول عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے بندے کے ساتھ اپنی
قضا و قدر [illegible] وہ نہایت عدل اور انصاف پر [illegible] تمام [illegible] انعام واکرام عدل
[illegible] اللہ سبحانہ [illegible] اور تمام قضا و قدر
بمثل انصاف [illegible] توحید الٰہی [illegible] قضا و قدر۔ کے عدل انصاف پر مبنی ہو
گو یقین کیا عدل ہو اور قدر یہ منکر ہیں کہ نزدیک اگر اللہ کا حکم شرعی بندے کے حق میں نافذ اور جاری ہے۔ تو بندے

سے گمراہ کرنے اور پھر اس کو سزا دینے میں حق تعالیٰ ظالم اور بے انصاف ہے۔ اور جبریہ کے نزدیک ظلم کی کوئی حقیقت نہیں وہ بالذات محال اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہے۔ اور جس چیز کا نام ظلم ہے ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت نہیں تا کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو ترک کیا اور عدل و انصاف برتا۔ پس ان کے قول کے مطابق جملہ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ میں کوئی خصوصیت اور فائدہ نہیں بلکہ یہ جملہ اور نَافِذٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ دونوں یکساں ہیں اور جملہ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ اور اس جملہ کا ایک ہی مطلب ہے اور صرف تکرار و تاکید ہے یہ دو جملے ذکر کئے گئے ہیں۔ مطلب دونوں کا ایک ہے اور ان کے نزدیک ترک ظلم پر اللہ تعالیٰ قابل مدح نہیں کیونکہ محال بالذات کے ترک کے کوئی معنی اور اس پر استحقاق مدح کا کوئی مطلب نہیں۔ اور نیز ان کے نزدیک جملہ إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي (میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کر دیا ہے) یا تو لغو اور بے فائدہ ہے یا اس کا یہ معنی ہے کہ میں نے اُن چیزوں کو اپنی ذات پر حرام کیا ہے جو میری قدرت سے باہر اور محال ہیں۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا (نہ بے انصافی کا خوف کریگا اور نہ حق تلفی کا) بے فائدہ ہے۔ کیونکہ کسی شخص کو محال بالذات کے واقع ہونے کا خطرہ اور اندیشہ نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اللہ تعالیٰ کے قول وَمَا اللّٰهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ (اور اللہ بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا) اور وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ (اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں) میں کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کو ظلم پر قدرت ہی نہیں۔ تو پھر اُسکی نفی کا کیا معنی ہے حقیقۃ الامر یہ ہے کہ بندے کے حق میں اللہ سبحانہ کا حکم اسکی غالب مملکت کے لحاظ سے نافذ اور جاری ہے اور عدل اس کی محمودیت کی وجہ سے ثابت ہے۔ اور وہی اللہ سبحانہ ملک اور حمد کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یہ دعا ہود علیہ السلام کے اُن کلمات کی نظیر ہے جن کو اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (میں تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھتا ہوں (کہ وہ) میرا (بھی) پروردگار ہے) اور تمہارا (بھی) پروردگار ہے جتنے جاندار ہیں سب ہی کی تو چوٹی اُسکے ہاتھ میں ہے۔ بیشک میرا پروردگار (عدل و انصاف کے) سیدھے رستے پر ہے) اس کلام میں جملہ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا دو جملہ نَاصِيَتِي بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ کے مشابہ اور قائم مقام ہے اور إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ جملہ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ کی مثل ہے یعنی اللہ سبحانہ اپنی مخلوق میں جن کی چوٹیاں اُس کے ہاتھ میں ہیں، جو کچھ تصرف کرتا وہ عدل حکمت مصلحت اور رحمت پر مبنی ہے۔ اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اور کسی کو اُس برے کام پر سزا نہیں دیتا جو اُس نے نہ کیا ہو اور

وہ کسی کی نیکیاں ضائع اور برباد کرتا ہے۔ وہ اللہ سبحانہ اپنے قول و فعل میں صراط مستقیم پر ہے۔ وہ حق بات فرماتا اور خیر اور بہتری کرتا ہے۔ اس مضمون کو کہ وہ صراط مستقیم پر قائم ہے۔ اللہ سبحانہ نے دو مقام پر بیان فرمایا ہے۔ ایک سورہ ہود میں اور دوسرا سورہ نحل میں۔ سورہ ہود میں صراط مستقیم پر قائم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی مخلوقات کے بارے میں جو کہ اس کے قبضے اور ہاتھ میں ہے تصرف کرنے میں عدل و انصاف پر قائم ہے۔ اور سورہ نحل میں یہ مطلب ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے اوامر و احکام میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتا ہے۔ جبریہ کا یہ خیال ہے کہ عدل مقدور کا نام ہے اور قدریہ یوں کہتے ہیں۔ کہ عدل اس کا نام ہے کہ ملائکہ جن و انس کے افعال اللہ سبحانہ کی قدرت و مشیت سے خارج اور باہر ہیں۔ اور دونوں فریق اس میں سخت غلطی پر ہیں۔ حق اور صواب یہ ہے۔ کہ عدل اس کا نام ہے کہ ہر ایک چیز کو اس کے مناسب محل اور مقام میں رکھا جائے جیسا کہ ظلم یہ ہے کہ کسی چیز کو بے محل اور ایسی جگہ رکھا جائے جو اس کے مناسب اور لائق نہ ہو۔ اور حکم۔ عدل اللہ سبحانہ کے اسماء میں سے ہے۔ اور قدریہ اسم حکم کی حقیقت کے منکر ہیں۔ ان کے نزدیک اللہ سبحانہ کا حکم صرف احکام شرعیہ دینیہ میں منحصر ہے اور یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ وہ اللہ سبحانہ کے لئے حقیقت عدل کے ثبوت کے قائل ہیں حالانکہ عدل انکے نزدیک تقدیر کے انکار کا نام ہے۔ اور باوجود اس کے اللہ سبحانہ کی طرف غایت درجے کے ظلم کو منسوب کرتے ہیں کیونکہ وہ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ جو شخص اپنی تمام عمر اللہ تعالے کی طاعت میں خرچ کرے۔ اور آخر عمر میں اس سے ایک گناہ کبیرہ سرزد ہو جائے اور اسی پر وہ مرجائے تو اللہ تعالے اس کو ہمیشہ دوزخ کے سخت عذاب میں مبتلا رکھیگا۔

اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ اعمال بد کی سزا کے ساتھ قضا اور حکم کرنا تو بیشک عدل ہے کیونکہ وہ گناہ کا بدلہ اور سزا ہے۔ لیکن گناہ کے ساتھ قضا اور حکم کرنا یعنی قضا و قدر میں اس کا مقدر کرنا اہل سنت کے اصول کے موافق کس طرح عدل اور انصاف ہو سکتا ہے۔ اور یہ اعتراض قدریہ اور جبریہ کے مذہب پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ قدریہ کے نزدیک اللہ سبحانہ نے کسی معصیت کے ساتھ قضا و قدر میں حکم نہیں کیا۔ اور جبریہ کے نزدیک تمام مقدورات عدل ہیں۔ یہ سوال صرف اہل سنت کے مذہب پر وارد ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بندے کے حق میں اللہ سبحانہ کے تمام احکام اور جملہ قضا و قدر سراسر عدل اور انصاف ہیں۔ کیونکہ اس نے ہر ایک چیز کو اس کے مناسب مقام میں رکھا ہے۔ اس نے عذاب اور اس کے موجب اور سبب کے ساتھ حکم اور قضا کو اس کے مناسب محل میں رکھا ہے جس طرح اللہ سبحانہ عذاب اور عقوبت کے ساتھ اعمال کی جزا اور بدلہ۔

دیتا ہے۔ اسی طرح کبھی گناہ کے مقدر کرنے سے سزا دیتا ہے اور اس گناہ کو مقدر کرنا دوسرے پہلے گناہ کی سزا ہوتی ہے کیونکہ گناہ ایک دوسرے کے کا سبب اور اسباب بنتے ہیں۔ اور وہ گناہ سابق اپنے رب سے تغافل اور معرض ہونے کی سزا ہے اور یہ غفلت اور اعراض اصل جبلت اور خلقت کے لحاظ سے ہے۔ اور جس شخص کو اللہ تعالےٰ درجۂ کمال تک پہنچانا چاہتا ہے اس کے دل کو اپنی طرف متوجہ کرتا اور اس کو اپنی طرف کھینچ لیتا۔ اس کو رشد اور نیکی الہام فرماتا اور اس کے قلب میں اسباب خیر کا القا کر دیتا ہے اور جس کو درجۂ کمال تک پہنچانے کا ارادہ نہیں ہوتا اس کو اس کی طبیعت پر چھوڑ دیتا اور اس کو اس کے نفس کے سپرد اور حوالہ کر دیتا ہے کیونکہ وہ اس کے علم میں تکمیل کے قابل اور اس کے لائق نہیں ہوتا۔ اور تقدیر کے باب میں بندوں کا علم اس حد پر ختم اور منتہی ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات کہ ایک شخص کو خیرات اور ہدایت کے قابل اور صالح بنایا ہے اور اس کو وہ نعمتیں اور خوبیاں عطا فرمائی ہیں جن کے وہ صالح اور قابل تھا اور دوسرے کو ان کے صالح اور قابل نہیں بنایا اور اس کو ان نعمتوں اور خیرات سے محروم رکھا ہے سو یہ اللہ سبحانہ کی ربوبیت۔ الوہیت اور اس کے علم اور حکمت کا موجب اور مقتضی ہے کیونکہ وہ تمام اشیاء اور ان کے اضداد کا خالق ہے اور یہ اس کے کمال اور اس کے اسماء صفات کے آثار کے ظہور کا نتیجہ ہے چنانچہ یہ مضمون پہلے بیان ہو چکا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ وہ سبب اور مسبب کے مقدر کرنے اور اس کے حکم اور قضا میں اعدل العادلین ہے۔ بندے کے حق میں جو کچھ مقدر کیا۔ اور اس کی نسبت جو کچھ حکم اور فیصلہ فرمایا ہے وہ سب اپنے محل اور موقع پر واقع ہے اللہ کے حکم اور قضا کے سوا دوسری چیز کے قابل اور لائق نہیں۔ اللہ سبحانہ کا حکم اور فیصلہ کیونکر سراسر عدل اور انصاف نہ ہو حالانکہ وہ حکیم۔ عدل۔ غنی اور حمید ہے ؎

فصل۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول أَسْئَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اگر روایۃً اسی طرح محفوظ ہو تو بظاہر اس میں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اخری تین قسم کے اسماء کو پہلے قسم کا مقابل اور قسیم بنایا گیا ہے اور یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ یہ تینوں اقسام اللہ سبحانہ کے اس اسم کے اقسام ہیں جس کے ساتھ اللہ سبحانہ نے اپنے آپ کو موسوم فرمایا ہے۔ اور حدیث کے ان الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ اس کے اقسام نہیں بلکہ اس کے مقابل اور قسیم ہیں اور جب یہ پہلے قسم کے اقسام ہیں تو حدیث کے الفاظ اس طرح ہونے چاہیئے سَمَّيْتَ

بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ
الْغَیْبِ عِنْدَكَ - کیونکہ یہ تینوں اقسام اس اسم کی تفصیل ہیں جسکے ساتھ اللہ سبحانہ نے اپنے آپ کو
موسوم کیا ہے اور اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ لفظ اوْ یہاں عطف کیلئے ہے اور معطوف ماقبل
سے خاص ہے اور اس صورت میں خاص کو عام پر عطف کیا گیا ہے - کیونکہ وہ اسم جسکے ساتھ اللہ سبحانہ
نے اپنی ذات کو موسوم کیا - ان تینوں اقسام کو جو اس کے بعد مذکور ہیں شامل ہے - پس ان تینوں
جملوں میں سے ہر ایک جملہ میں عطف خاص علے العام ہے - اس پر اگر کوئی شخص یہ سوال پیش
کرے کہ خاص کو عام پر عطف کرنے کے لئے حرف واؤ استعمال کیا جاتا ہے عطف کے باقی
حروف ایسے موقع پر استعمال نہیں ہوتے - تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے موقع پر جس وجہ سے
حرف واؤ کا استعمال جائز ہے اسی وجہ سے اوْ کا استعمال بھی جائز ہے وہ وجہ یہ ہے - کہ
جب معطوف میں کوئی ایسا خاصہ موجود ہو جو اس کی جنس (معطوف علیہ) کے دوسرے افراد میں
نہ پایا جاتا ہو - اور وہ اس خاصہ کے سبب گویا دوسری چیز شمار ہو تو اس وقت معطوف کو حرف عطف
کے ساتھ خاص طور پر دوبارہ ذکر کرنا درست ہے یا دو لفظوں عام اور خاص کے ساتھ دو معنے خاص
ذکر کرنا مقصود ہو تب بھی عطف خاص علی العام درست ہے - اور اس میں حرف واو اور اوْ یکساں
ہیں - اسکے علاوہ لفظ اوْ کے ساتھ عطف کرنے میں ایک دوسرا فائدہ موجود ہے وہ یہ کہ اس
صورت میں کلام تقسیم اور تنویع کی طرف مشیر ہوگی جیسا کہ اگر لفظ اِمّا مذکور ہوتا اور یوں کہا جاتا -
سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَكَ فَاِمَّا اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ وَاِمَّا عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ
تو اس کلام سے تقسیم اور تنویع مفہوم ہوتی - اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ کے
اسماء مخلوق نہیں بلکہ یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ نے ان اسماء کے ساتھ تکلم فرمایا - اور انکے ساتھ
اپنی ذات کو موسوم کیا ہے - اسی واسطے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یوں نہیں کہا بِكُلِّ اِسْمٍ
خَلَقْتَهٗ لِنَفْسِكَ (میں ان اسماء کے ساتھ سوال کرتا ہوں جن کو تو نے اپنے ذات کے لئے
پیدا کیا ہے) اگر اللہ سبحانہ کے اسماء مخلوق ہوتے تو آنحضرت صلعم انکے واسطہ سے سوال نہ
کرتے کیونکہ اللہ سبحانہ کو اس کی مخلوق میں سے کسی چیز کی قسم نہیں دی جاتی - حدیث سے صاف
طور پر معلوم ہوتا ہے - کہ اللہ سبحانہ کے اسماء آدمیوں کے مقرر اور تجویز کرنے سے حاصل نہیں ہوئے
اسکے علاوہ اللہ سبحانہ کے اسماء کے غیر مخلوق ہونے کی یہ دلیل ہے - کہ اللہ تعالے کے اسماء اس کے
صفات سے مشتق ہیں - اور اس کے صفات قدیم ہیں - پس اسکے اسماء غیر مخلوق ہیں - اگر کوئی شخص یہ

استفسار کرے کہ اسم عین مسمی ہے یا اس کا غیر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بسا اوقات لوگوں کو اس میں غلطی واقع ہوتی ہے۔ اور صواب اور حق سے پرے ہٹ جاتے ہیں تحقیق بات یہ ہے کہ اسم سے کبھی مسمی مراد ہوتا ہے اور کبھی اسم سے وہ لفظ مراد ہوتا ہے جو مسمی پر دال ہے۔ مثلاً جب یوں کہا جاتا ہے۔ قَالَ اللّٰہُ کَذَا (اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے) اِسْتَوَی اللّٰہُ عَلٰی عَرْشِہٖ (اللہ سبحانہ اپنے عرش پر قائم ہے) سَمِعَ اللّٰہُ۔ رَاٰی۔ خَلَقَ (اللہ نے سنا۔ دیکھا۔ پیدا کیا) تو ایسی صورتوں میں مسمی مراد ہے اور اگر یوں کہا جاتا کہ اَللّٰہُ لفظ عربی ہے۔ رحمٰن لفظ عربی ہے۔ رحمان اللہ سبحانہ کے اسماء میں سے ہے۔ رحمان کا وزن فعلان ہے۔ رحمان رحمت سے مشتق ہے تو ایسے مواقع میں تو عین مسمی مراد نہیں بلکہ اس کا اسم مراد ہے۔ مگر اسم کو مسمی کا غیر کہنا درست نہیں کیونکہ لفظ غیر میں اجمال ہے اور اجمال کی وجہ سے خلافِ مقصود کا وہم پیدا ہوتا ہے۔ اگر مغایرت سے یہ مطلب ہو کہ لفظ معنی کا غیر ہے۔ تو یہ صحیح اور درست ہے۔ اور اگر غیریت سے یہ مراد ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کی ذات موجود تھی۔ اور اس کے لئے کوئی اسم نہ تھا پھر اس نے اپنی ذات کے لئے اسم کو پیدا کیا۔ یا مخلوق نے اپنی طرف سے اس کے نام مقرر کئے تو یہ بڑی گمراہی اور الحاد ہے۔ آنحضرت صلعم کا قول سَمَّیْتَ بِہٖ نَفْسَکَ جبکہ آپ نے خَلْقَتَہٗ لِنَفْسِکَ اور سَمَّاکَ بِہٖ خَلْقُکَ (مخلوق نے تیرا نام تجویز کیا ہے) نہیں فرمایا۔ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ ان اسماء کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے بیشک تکلم فرمایا اور اپنی ذات کو موسوم کیا ہے۔ جیسا کہ اپنے اسماء کو ان کتابوں میں ذکر فرمایا جن کے ساتھ حقیقۃً تکلم کیا ہے۔ اور آپ کا قول اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِہٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ سبحانہ کے اسماء ننانوے میں منحصر نہیں بلکہ ان کے علاوہ اس کے اور اسماء بھی ہیں۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے بعض اسماء و صفات ایسے بھی ہیں۔ کہ ان کو اپنے خزائن غیب میں مخفی رکھا ہے اور ان کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور آنحضرت صلعم کے اس قول سے کہ اللہ تعالےٰ کے ننانوے نام ہیں جو شخص انکو محفوظ رکھے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اللہ سبحانہ کے دوسرے اسماء کی نفی نہیں لازم آتی۔ اور یہ سب کلام ایک جملہ ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کے چند اسماء اس صفت کے ساتھ ہیں۔ کہ ان کا حفظ دخولِ جنت کا سبب ہے۔ جیسا کہ محاورے میں بولتے ہیں کہ فلاں شخص کے سو غلام ہیں۔ جن کو تجارت کیلئے جمع کر رکھا ہے اور فلاں شخص کے سو گھوڑے ہیں جن کو جہاد کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ اور یہ جمہور کا قول ہے۔ ابن حزم اسی مسئلہ میں جمہور کے برخلاف ایسا کہتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کے اسماء اسی عدد ننانوے میں

(۱۹۹)

میں منحصر ہیں۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اللہ سبحانہ کی طرف اُسکے اسماء و صفات کو وسیلہ بنانا مخلوق کے وسیلہ بنانے سے بہتر ہے اور نیز یہ کہ بندے کے حق میں زیادہ نافع اور اللہ سبحانہ کے نزدیک محبوب ہے۔ اسکے علاوہ دوسری احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ اسم اعظم کی حدیث میں بھی اللہ سبحانہ کے اسماء و صفات کو وسیلہ بنایا گیا اور اس کے کلمات یہ ہیں:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ ۔ اور دوسری حدیث میں ہے اَسْئَلُكَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ایک اور حدیث میں اس طرح ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِعِلْمِكَ الْغَیْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَی الْخَلْقِ۔ اور یہ سب حدیثیں صحیح ہیں۔ ابن حبان۔ امام احمد اور حاکم نے انکو روایت کیا ہے اور یہ حدیث اللہ تعالےٰ کے قول وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا اللہ کے سب نام اچھے ہیں۔ پس اُس کو اُسکے نام لیکر پکارو) کی تفسیر اور تحقیق ہے۔ اور آنحضرت کا قول اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَ نُوْرَ صَدْرِیْ دو عظیم الشان چیزوں یعنی حیات اور نور کو جامع ہے۔ ربیع اُس بارش کو کہتے ہیں جو زمین کو زندہ اور سرسبز کرتی ہے۔ اور اُس سے طرح طرح کے گھاس اور نباتات (روئیدگیاں) پیدا ہوتی ہیں۔ اور بندہ اپنی عبودیت اور اللہ سبحانہ کی توحید۔ اور اس کے اسماء و صفات کے اقرار کے بعد اُس سے یہ سوال کرتا ہے کہ وہ اپنی اُس کتاب کو جو عالمین کیلئے روح۔ نور اور حیات ہے۔ اس کے دل کے لئے اُس پانی کے قائم مقام بنائے جس سے زمین زندہ اور آباد ہوتی ہے۔ اور نیز اس کو ایسا نور بنائے جو آفتاب کا کام دے کہ اُسے روئے زمین منور ہو جاتا اور تمام چیزیں نظر آنے لگتی ہیں اور یہی دو چیزیں یعنی نور اور حیاتی حیات کی جامع ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ (کیا) ایک شخص (جو پہلے) مردہ تھا پھر ہم نے اُس میں جان ڈالی اور اُس کو ایک نور عطا فرمایا جس کی مدد سے وہ لوگوں میں (خاص طرح) چلتا پھرتا ہے (کیا) وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ اندھیروں میں (گھرا پڑا) ہے)۔

وقال تعالےٰ وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا

(اور اے پیغمبر) اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے (دین کی جان) (یعنی کتاب) تمہاری طرف وحی کے ذریعہ سے بھیجی ہے تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ (یہ جانتے تھے کہ) ایمان (کس کو کہتے ہیں) مگر ہم نے قرآن کو ایک نور بنا دیا ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اس کے ذریعے سے (دین کا رستہ) دکھا دیتے ہیں) اللہ سبحانہ نے بتلا دیا ہے۔ کہ قرآن ایک روح ہے جس سے حیاتی حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ ایک نور ہے۔ جس سے حیاتی اور ہدایت ہاتھ آتی ہے۔ اور قرآن کریم کی پیروی کرنیوالوں کیلئے حیاتی اور ہدایت حاصل ہے۔ اور اسکے منکرین و مخالفین کیلئے موت اور گمراہی اور اللہ سبحانہ نے اپنے دوستوں اور دشمنوں کی مثال سورۃ بقرۃ کے اول۔ اور سورۃ نور کے وسط اور سورۃ رعد میں ان دونوں چیزوں یعنی حیاتی اور نور کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ اور ان دونوں مثالوں کو مثل مائی اور مثل ناری کہتے ہیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول وَجِلَاءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّيْ وَغَمِّيْ میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔ کہ حزن کا دور ہونا موذی اور مضر چیزوں کے ازالہ کو متضمن ہے اور ہم و غم کا زوال نافع اور مسرت بخش چیزوں کی تحصیل کو شامل ہے۔ غرضیکہ یہ حدیث تمام خیرات کے اصول کی طلب اور جملہ شرور کے دفع کے سوال کو متضمن ہے۔ اور توفیق اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے۔

اٹھائیسواں باب

رضا بالقضا کے احکام اور اس مسئلہ میں لوگوں کے اختلاف اور محقق قول کے بیان میں

یہ باب قضا و قدر پر ایمان لانے کا ایک شعبہ اور شاخ ہے۔ لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ رضا بالقضا واجب ہے یا کہ مستحب۔ حنابلہ اس مسئلہ میں دو فریق ہیں بعض کہتے ہیں کہ رضا بالقضا واجب ہے۔ اور اسکے وجوب پر یہ استدلال پیش کرتے ہیں۔ کہ رضا بالقضا اللہ سبحانہ کی ربوبیت پر راضی ہونا واجب ہے۔ اور ایک اثر اسرائیلی سے تمسک کرتے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ فرماتا ہے۔ کہ جو شخص میری قضا پر راضی نہ ہو اور میری بلا پر صبر نہ کرے تو وہ میرے سوا کسی دوسرے کو اپنا رب بنالے (میں ایسے لوگوں کو اپنا بندہ بنانا نہیں چاہتا) اور بعض کہتے ہیں کہ رضا بالقضا مستحب ہے واجب نہیں کیونکہ کسی چیز کے ایجاب کیلئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ دلیل شرعی کے بدون

کسی چیز کا وجوب ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور رضا بالقضا کے وجوب پر کوئی شرعی دلیل دلالت نہیں کرتی۔۔۔ اور یہی قول راجح اور اولیٰ ہے کیونکہ رضا بالقضا احسان کے مدارج اور مقامات میں سے ہے اور احسان کے مقامات مندوبات کی اعلیٰ شاخ ہیں۔ اور یہی اصول میں قدریہ اور جبریہ دونو فریق نہایت فاحش اور سخت غلطی پر ہیں۔ قدریہ منکرین تقدیر کہتے ہیں کہ رضا بالقضا طاعت اور عبادت ہے اور معاصی اور گناہوں پر راضی ہونا جائز نہیں۔ لہذا رضا بالقضا اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر سے نہیں۔ اور غالی جبریہ جو امر و نہی کے سلسلہ کو بیسود ٹھیراتے ہیں۔ یوں کہتے ہیں کہ گناہ اللہ کے قضا و قدر سے ہیں۔ اور قضا پر راضی ہونا طاعت اور عبادت ہے۔ پس ہم گناہوں پر راضی ہیں۔ اُن سے ناخوش نہیں۔ اِن دونوں فریق کے جواب میں اہل سنت نے مختلف طریق اختیار کئے ہیں۔ پس ایک گروہ نے یوں جواب دیا ہے۔ کہ معاصی کیلئے دو لحاظ ہیں ایک لحاظ سے اُن پر راضی ہونا مناسب ہے کہ وہ خلق اور مشیت کے لحاظ سے اللہ سبحانہ کی طرف منسوب ہیں یعنی اُسکے ارادہ اور اُس کی مشیت سے وجود میں آتے ہیں۔ اور دوسرے لحاظ سے ان سے ناخوش ہونا چاہئے کہ وہ فعل اور اکتساب کے لحاظ سے بندے کی طرف منسوب ہیں یعنی بندہ اُن کا فاعل اور کاسب ہے۔ اور یہ جواب نہایت عمدہ ہے بشرطیکہ یہ جواب بیان کرنیوالے اسکو کما حقہٗ بیان کرتے۔ اس میں نقص یہ ہے کہ اکثر لوگ جو بندے کے لئے صفت اکتساب ثابت کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت اکتساب کے قائل نہیں۔ کیونکہ اُنکے نزدیک اکتساب کا یہ معنے ہے کہ فعل بندے کے ارادہ سے مقارن ہو اور قدرت ایجاد فعل کا نام ہے مگر اکتساب اور قدرت کو فعل میں کسی قسم کی تاثیر نہیں۔ اور یہ مضمون کافی بسط اور تفصیل کے ساتھ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور دوسرے گروہ نے یہ جواب دیا ہے کہ ہم اُس قضا پر جو اللہ سبحانہٗ کا فعل ہے راضی اور خوش ہوتے۔ اور قضا شدہ کام پر جو بندے کا فعل ہے ناخوش ہوتے ہیں۔ اور یہ جواب بھی اچھا ہے مگر مجیب خود اپنے ہی کلام سے اس کو منقوض اور باطل کر دیتے ہیں۔ یہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ سبحانہ کے افعال عین مفعولات و مصنوعات ہیں۔ پس اِس بنا پر قضا اور مقضی دونو ایک ہوئے۔ اور ان میں فرق کرنا صحیح نہ ہوا۔ اگر پہلے جواب والے ایجاد فعل میں کسب کو مؤثر مانتے اور یوں کہتے کہ کسب فعل کے وجود کا سبب ہے۔ اور دوسرے جواب والے فعل کو غیر مفعول قرار دیتے تو دونو کے جواب صحیح اور درست ہو جاتے۔ اور ایک تیسرا فریق یوں جواب دیتا ہے کہ قضا دو قسم پر ہے ایک وہ ہے کہ اس پر راضی اور خوش ہونے کا امر ہے اور

ایک وہ کہ اُس پر راضی ہونا ممنوع اور ناجائز ہے پس وہ قضا جس کو اللہ محبوب اور پسند رکھتا ہے اُس پر ہم راضی ہیں اور جس کو وہ مبغوض اور ناپسند رکھتا ہے اُس سے ہم ناخوش ہیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ مخلوقات میں سے بعض چیزیں اللہ تعالےٰ کو مبغوض اور ناپسند ہیں جیسا کتا۔ سؤر وغیرہ حالانکہ وہ سب کا خالق ہے۔ اور اسی طرح بعضے افعال اور اقوال بھی اللہ سبحانہ کو مبغوض اور ناپسند ہیں۔ اور یہ جواب بہت عمدہ ہے۔ مگر یہ تفصیل کا محتاج ہے۔ لہذا ہم اسکی تفصیل کے لئے یوں کہتے ہیں۔ کہ حکم اور قضا دو قسم ہے۔ دینی اور کونی۔ سو احکام دینیہ پر رضا واجب ہے اور یہ لوازم اور ضروریات اسلام میں سے ہے۔ اور احکام کونیہ کئی طرح کے ہیں بعضوں پر راضی ہونا واجب اور ضروری ہے جیسے نعمتیں کہ ان کا شکر ضروری ہے۔ اور ان پر راضی اور خوش ہونا شکر کے لوازم میں سے ہے اور بعضے ایسے ہیں کہ اُس پر راضی اور خوش ہونا درست اور جائز نہیں جیسے گناہ اور عیوب کہ اللہ تعالےٰ کو ناپسند ہیں گو اُس کی قضا و قدر سے واقع ہوتے ہیں اور بعضے وہ ہیں۔ کہ جن پر راضی ہونا مستحب ہے جیسے مصائب اور تکالیف اور مصائب کی رضا کے متعلق اہل علم کے دو قول ہیں۔ اور یہ سب اختلاف قضا بمعنی مقضی کے متعلق ہے یعنی وہ حالت یا فعل جو بندے کے ساتھ قائم یا اُس سے سرزد ہو یا کوئی تکلیف جو اُس کو پیش آئے۔ اور وہ قضا جو علم مشیت۔ تقدیر اور کتابت کی طرح اللہ سبحانہ کی صفت اور اس کا فعل ہے۔ اُس پر راضی ہونا ضروری اور واجب ہے۔ کیونکہ یہ اللہ سبحانہ کی ربوبیت۔ الوہیت۔ مالکیت اور تدبیر پر راضی ہونے کے لوازم میں سے ہے۔ اِس تفصیل سے اس عظیم الشان مسئلہ کے متعلق جس میں لوگوں کے مختلف اقوال ہیں۔ اشتباہ زائل اور حق اور صواب روشن اور واضح ہوگیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ مصائب پر راضی ہونا کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ مصائب سے انسان کو طبعاً نفرت اور کراہت ہے۔ پس کراہت اور رضا دو نو جمع نہیں ہو سکتے اور نیز بندے کو ایسے امر پر راضی ہونے کی تکلیف دینا جو اس کو ایذا دینے والا اور وہ اس سے ناخوش ہے کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ اور اگر نفرت اور کراہت کے ساتھ رضا کا اجتماع ممکن اور جائز ہے۔ تو کراہت اور بغض رضا کی ضد نہ ہونگے۔ کیونکہ ضدین کا اجتماع محال ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جائز ہے کہ ایک چیز ایک لحاظ سے محبوب اور پسندیدہ ہو اور دوسرے لحاظ سے مکروہ اور مبغوض ہو۔ جیسا کہ بدمزہ مگر نافع اور مفید دوا کا پینا کہ مریض باوجود نفرت اور کراہت کے اُس کے پینے پر راضی اور خوش ہوتا ہے۔ اور جیسا سخت گرمی کے دن روزہ رکھنا کہ صائم باوجود

تکالیف اور کراہت کے روزہ رکھنے پر نہایت خوش اور شاد ہوتا ہے۔ اور جیسا دشمنوں سے جہاد کرنا چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ وَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ (مسلمانو!) تم پر جہاد فرض کیا گیا اور وہ تم کو ناگوار بھی گذریگا اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بُری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو) خلوص کے ساتھ جہاد کرنے والا اس بات کا یقین کرتا ہے کہ جہاد اس کے حق میں بہتر ہے۔ پھر اس پر دِل سے راضی اور خوش ہو جاتا ہے۔ باوجودیکہ جہاد طبعًا مکروہ اور ناپسند ہے۔ کیونکہ اس میں جان کو ہلاکت اور تکلیف کیلئے پیش کرنا اور محبوب چیزوں سے جدا ہونا پڑتا ہے۔ اور جب کسی چیز کی نسبت رضا اور خوشنودی قوی اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ تو اگرچہ اُس میں کسی قسم کی کوئی تکلیف ہو مگر اُسکی کراہت محبت سے بدل جاتی ہے۔ غرض کسی چیز میں تکلیف اور درد کا پیش آنا اس پر راضی اور خوش ہونے کے منافی نہیں اور کسی چیز کے ایک لحاظ سے محبوب و پسندیدہ ہونے اور دوسرے لحاظ سے مکروہ و ناپسندیدہ ہونے میں کوئی تخالف و تناقض نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ استفسار کرے کہ یہ بیان تو بندے کے قضا الٰہی پر راضی ہونے کے متعلق ہے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کفر۔ فسق اور عصیان کے ساتھ حکم اور قضا کرنے پر کسی وجہ سے راضی ہے یا نہیں تو اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ مقام پہلے مقام کی نسبت زیادہ مشکل ہے۔ اکثر بلکہ جمہور اشعریہ اور اُنکے پیرو یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کی نسبت رضا۔ محبت اور ارادہ کا ایک ہی معنی ہے اور جس چیز سے اللہ سبحانہ کی مشیت اور ارادہ متعلق ہوں وہ چیز اللہ سبحانہ کی محبوب و مرضی یعنی پسندیدہ ہے پھر اُنہوں نے اپنے آپ یہ سوال پیش کر کے اس کا جواب اس طرح بیان کیا ہے کہ جائز ہے کہ یوں کہا جائے اللہ سبحانہ کفر فسق اور عصیان پر راضی ہے۔ لیکن علے وجہ التخصیص اس طرح کہنا درست نہیں بلکہ یوں کہا چاہئے کہ اللہ سبحانہ نے جو کچھ پیدا کیا اور جو کچھ قضا و قدر میں لکھا ہے وہ سب اس کی مرضی و پسندیدہ ہے اور اس عام حکم میں کفر فسق اور عصیان بھی داخل ہیں اور خاص طور پر یوں کہنا کہ اللہ کفر فسق و عصیان کو پسند کرتا اور ان پر راضی ہے درست نہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ یوں کہنا درست ہے کہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔ اور اس عام حکم میں کتا۔ سؤر۔ جیسی چیزیں بھی داخل ہیں اور خاص طور پر حقیر اور خسیس چیزوں کا نام لیکر یوں کہنا کہ وہ کتے کا رب ہے جائز نہیں ہے اور جمہور اشعریہ کے اس قول سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ فی الواقع کفر فسق اور عصیان پر راضی ہے اور صرف ادب اور حرمت کی وجہ سے اس طرح کہنا درست نہیں۔ کہ وہ ان چیزوں پر راضی ہے۔ اور جب اشعریہ پر یہ اعتراض کیا گیا کہ کفر فسق اور عصیان پر اللہ سبحانہ کس طرح راضی

ہے۔ اللہ تعالےٰ نے یوں فرمایا ہے وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْکُفْرَ (اور واللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے پسند نہیں کرتا) تو اس کا جواب دو طرح سے بیان کیا۔ اول یہ کہ یہ آیت اُن لوگوں کے حق میں ہے جن سے کفر واقع نہیں ہوا۔ کہ اُن سے اللہ سبحانہ کفر کا وقوع پسند نہیں کرتا اور وہ لوگ، جن سے کفر واقع ہو چکا ہے۔ اُن کے کفر پر اللہ راضی ہے کیونکہ وہ اسکی مشیت اور ارادہ سے واقع ہوا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو دین اور شریعت بنانا پسند نہیں کرتا اور نہ اس کا انکو امر کرتا ہے۔ اور مخلوق اور مکوّن ہونے کے لحاظ سے اللہ کو کفر پسند اور محبوب ہے۔ اور ان کے قول کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ اللہ سبحانہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو اس لئے پسند نہیں کرتا۔ کہ وہ ان سے وقوع میں نہیں آیا۔ اور اگر ان سے کفر واقع ہوتا تو وہ اللہ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہوتا۔ اور یہ مطلب بلاشبہ فاسد اور باطل ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے بتلایا ہے۔ کہ وہ اُس کفر کو جو موجود ہو چکا ہے۔ گو اُس کی مشیت سے موجود ہوا ہے پسند نہیں کرتا اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ (جب راتوں کو بیٹھ بیٹھ کر ان باتوں کے مشورے کرتے ہیں جن سے خدا راضی نہیں تو خدا اُنکے ساتھ (موجود ہوتا ہے) یہ قول اللہ سبحانہ کی مشیت اور تقدیر سے واقع ہے اور اس کی نسبت بتلا دیا ہے کہ وہ اس کو پسند نہیں کرتا۔ اور اسی طرح اللہ کا قول وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (اور اللہ تعالےٰ فساد کو نہیں چاہتا) اسی مضمون پر دلالت کرتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ کو فساد کا پیدا کرنا یا اُس کو دین اور شریعت مقرر کرنا محبوب اور پسند نہیں۔ گو اُس کی تقدیر اور مشیت سے واقع ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرعون اور اُس کی جماعت اور ابلیس اور اُس کے لشکروں کو محبوب نہیں رکھتا۔ اگرچہ سب کا رب اور خالق وہی ہے۔ پس جو شخص اللہ سبحانہ کی نسبت محبت اور رضا کو ارادہ اور مشیت کے مرادف اور ہم معنی سمجھتا ہے۔ اُس کے قول کے مطابق لازم آتا ہے کہ اللہ سبحانہ ابلیس اور اُس کے لشکروں۔ فرعون۔ ہامان۔ قارون۔ اور تمام کافروں اور اُنکے کفر اور سب ظالموں اور اُنکے ظلم کو محبوب رکھتا ہے اور یہ جیسا کہ قرآن۔ حدیث۔ اور اجماع کے خلاف ہے۔ اسی طرح اُس فطرت کے خلاف ہے کہ جس پر آدمی مخلوق کئے گئے ہیں۔ اور اقوال باطلہ پر اتفاق کرنے سے وہ بدل نہیں سکتی۔ اللہ سبحانہ نے بیان فرمایا ہے۔ کہ بہت سے افعال اُس کو ناپسند اور اُس کے نزدیک مبغوض مسخوط اور مکروہ ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا (اور جن

عورتوں کے ساتھ تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو تم اُنکے ساتھ نکاح نہ کرنا مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا تاہم)
یہ بڑی بے حیائی اور غضب کی بات تھی۔ اور بہت ہی بُرا دستور تھا۔ وقال تعالےٰ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ (اور ان کی یہ نوبت اِس لئے (ہوگی) کہ جو چیز خدا کو بُری لگتی
ہے یہ اُسی کے رستے پر چلے) وقال تعالےٰ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ
(یہ بات) اللہ کو سخت ناپسند ہے کہ کہو (سب کچھ) اور کرو (کچھ بھی نہیں) وقال تعالےٰ وَلٰكِنْ كَرِهَ
اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ (مگر اللہ کو ان کا جگہ سے ہلنا ہی ناپسند ہوا) آخری آیت میں کراہت کو کراہت
دینی اور شرعی پر محمول کرنا درست نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے تو شرعًا ان کو جہاد کا امر فرمایا تھا
اور جو چیز شرعًا مامور بہ ہو وہ مکروہ نہیں بلکہ اکثر واجب اور ضروری ہوتی ہے۔ وقال تعالےٰ كُلُّ
ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا (اے پیغمبر! ان سب باتوں میں جو بُری ہیں۔
سب ہی تو تمہارے پروردگار کے نزدیک ناپسند ہیں) اللہ سبحانہ نے بتلا دیا ہے کہ وہ اِن افعال کو
مکروہ مبغوض جانتا۔ ان سے بغض و عداوت رکھتا اور ان پر مذمت اور لعنت کرتا ہے۔ اور یہ
محال ہے کہ اِن باتوں کے ساتھ انکو محبوب اور پسند بھی رکھتا ہو۔ اللہ سبحانہ اِن افعال قبیحہ
کی محبت اور ان پر راضی اور خوش ہو نا مناسب اور لائق نہیں۔ کیونکہ مخلوق کے لئے یہ بڑا
نقص اور عیب ہے۔ کہ وہ فساد۔ شر ظلم۔ بغی اور کفر کو محبوب اور پسند رکھے۔ اور جب مخلوق
کے حق میں یہ نقص اور عیب ہے۔ تو پھر اسکو اللہ تبارک تعالےٰ کی نسبت کرنا کس طرح جائز
ہو سکتا ہے۔ اِس اصول کے متعلق مثبتین تقدیر نے ایسی فاحش اور سخت غلطی کی ہے جو منکرین تقدیر
کی غلطی کے برابر بلکہ اُس سے بھی زیادہ قبیح اور بُری ہے۔ اور اسی واسطے منکرین تقدیر ان پر مسلط
ہو گئے۔ انکی غلطیوں کی نسبت زبان درازی سے کام لیا اور اُن پر بہت کچھ طعن و تشنیع کی ہے
اشعریہ اِس بات کے قائل ہیں کہ اللہ سبحانہ۔ کفر۔ فسق۔ عصیان۔ ظلم۔ بغی اور فساد کو محبوب
اور پسند رکھتا ہے۔ اور قدریہ یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ چیزیں اُس کی مشیت اور قدرت سے خارج
ہیں اور اُس کی مخلوق نہیں۔ غرض اشعریہ یوں کہتے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ کے ملک میں جتنی چیزیں
ہیں خیر و شر سب اُس کی محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ اور قدریہ یوں کہتے ہیں۔ کہ اس کے ملک میں
ایسی چیزیں بھی موجود ہیں۔ جو اسکی مشیت سے باہر ہیں۔ اور بعضی ایسی بھی ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ انکو
موجود کرنا چاہتا ہے۔ مگر وہ موجود نہیں ہوتیں۔ اور اللہ سبحانہ ان دونو فریق کے اقوال سے منزہ
اور پاک ہے ما و را اللہ کا شکر ہے۔ کہ اس نے ہم کو وہ طریق ہدایت کیا ہے۔ کہ جس کی تعلیم

نے لئے اپنے رسول کو بھیجا اور اپنی کتاب کو نازل فرمایا اور اپنے بندوں کی فطرت کو اسی پر بنایا ہے اور ہم دونو فریق کی بدعادت سے بری اور بیزار ہیں۔ پس وہی فضل۔ منت۔ اور نعمت کا مالک اور حمد او ثنا اور ثنائے حسن کا مستحق ہے۔ اور ہم اس سے یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم کو ان کاموں کی توفیق بخشے جو اس کو محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ اور گمراہ کرنے والی بدعتوں اور فتنوں سے محفوظ رکھے ۔

انتیسواں باب

قضا۔حکم۔ارادہ۔کتابت۔امر۔اذن۔جعل۔کلمات۔بعث۔ارسال۔تحریم اور انشا کی تقسیم کے بیان میں کہ ان میں سے ہر ایک دو قسم ہیں ایک کونی جو اللہ سبحانہ کی صفت خلق سے متعلق ہے اور دوسرا دینی جو صفت امر سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اشتباہ اور اشکال کے دور کرنے اور انکی تحقیق کے بیان میں

یہ باب پہلے باب سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک باب دوسرے کا مقرر اور مؤید ہے۔ قضا۔حکم وغیرہ کا قسم اول یعنی کونی اللہ سبحانہ کی صفت ربوبیت اور خلق سے متعلق ہے اور قسم دوم یعنی دینی اللہ سبحانہ کی الوہیت اور شرع سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس مضمون کو اللہ سبحانہ نے اپنے کلام میں اس مختصر جملہ لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (خدا ہی کی خلق ہے اور خدا ہی کا حکم) کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ خلق سے قضا و قدر اور اسکے افعال مراد ہیں۔ اور امر سے شرع اور دین مراد ہے پس اسی نے سب چیزوں کو پیدا کیا۔ شرائع جاری کئے۔ اور اوامر مشروع فرمائے ہیں۔ اور اس کے احکام مخلوق میں قدراً و شرعاً جاری ہیں۔ اور اس کے احکام کونیہ۔ قدریہ سے کوئی شخص باہر نہیں ہو سکتا۔ وہ ہر حال میں ہر ایک شخص کے حق میں نافذ ہیں۔ اور احکام شرعیہ دینیہ کو مومن اور مطیع لوگ بجا لاتے اور مانتے ہیں۔ اور کفار۔ فاجر اور فاسق لوگ نہیں مانتے اور انکی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اور دونو قسم کے احکام آپس میں متلازم نہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ احکام کونیہ قضا و قدر

میں نافذ اور جاری ہوتے ہیں۔ اور شرعاً اُن کی بجاآوری کا حکم نہیں ہوتا۔ اور بعض احکام ایسے ہیں۔ کہ شرعاً اُن کی بجاآوری کا حکم ہے۔ مگر قضا وقدر میں وہ نافذ نہیں ہوتے۔ مومنوں کے ایمان اور اُن طاعات کی صورت میں جن کو وہ بجالاتے ہیں۔ دونو قسم کے حکم موجود ہیں۔ اور اُن معاصی یعنی کفر و فسق کی نسبت جو اہل ایمان سے صادر نہیں ہوتے۔ دونو قسم کے حکم مفقود ہیں۔ اور اُس کام کی نسبت جس کے بجالانے کا اللہ سبحانہ نے امر فرمایا اور اسکو مشروع کیا ہے اور مامور و مکلف اس کو بجا نہیں لایا۔ قضا شرعی اور حکم دینی موجود ہے۔ اور اُن معاصی کے متعلق جو بندوں سے واقع ہوتے ہیں حکم کونی موجود و متحقق ہے۔ جب یہ معلوم ہوچکا تو اب ہم کہتے ہیں کہ کلام الٰہی میں قضا کے دو قسم بیان کئے گئے ہیں۔ ایک کونی و قدری چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ (پھر جب ہم نے سلیمانؑ پر موت کا حکم جاری کیا) وقال تعالےٰ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ (اور لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیا جائیگا) اور دوسری شرعی دینی جیسا اللہ تعالےٰ کا قول وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ (اور تمہارے پروردگار نے حکم قطعی دے دیا ہے کہ لوگو اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا) یعنی امر کیا اور مشروع فرمایا ہے۔ اگر اس آیت میں قضا کونی مراد ہوتی تو کوئی شخص غیر اللہ کی عبادت نہ کرتا۔ اور اسی طرح حکم بھی دو قسم ہے ایک کونی جیسے اللہ تعالےٰ کے قول قَالَ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ (پیغمبر نے دعا کی۔ کہ اے میرے پروردگار (میرے اور کافروں کے درمیان) حق حق فیصلہ کردے) میں ہے یعنی اے اللہ تو وہ صورت پیدا کر جس سے تیرے پیارے بندوں کی نصرت اور دشمنوں کی ذلت و رسوائی ہو۔ دوسرا دینی کقولہ تعالےٰ ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ (یہ اللہ کا حکم ہے جو تم لوگوں (کے ایسے جھگڑے کے بارے میں) فرماتا ہے) وقولہ تعالےٰ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ (بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے) اور کبھی ایک لفظ سے دونو قسم کا حکم مراد ہوتا ہے کقولہ تعالےٰ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا (اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے) اس آیت میں لفظ حکم دونو قسم کے حکم کونی اور شرعی کو شامل ہے۔ اور اسی طرح ارادہ بھی دو قسم ہے۔ ایک کونیہ کقولہ تعالےٰ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ (جو چاہتا ہے کرگذرتا ہے) وقولہ تعالےٰ وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً (اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں) وقولہ تعالےٰ إِن كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَن يُغْوِيَكُمْ (اگر خدا ہی کو تمہارا (راہ راست سے) بہکانا منظور ہو) وقولہ تعالےٰ وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ (اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جو لوگ (اُس کے

ملک میں کمزور سمجھے گئے تھے اُن پر احسان کریں) دوسرا دینیہ کقولہ تعالے یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنی چاہتا) وقولہ تعالے وَاللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ (اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہر (کی نظر) رکھے) اگر اِن آیات میں ارادہ کونیہ مراد ہوتا تو ہم میں سے کسی شخص کو کبھی عُسر اور تنگی پیش نہ آتی اور جمیع مکلفین ضرور تائب ہو جاتے۔ اس تفصیل سے وہ اشتباہ رفع ہو گیا۔ جو مسئلہ امر اور ارادہ میں واقع ہوا کرتا ہے کہ وہ دونو متلازم ہیں یا نہیں۔ قدریہ یہ کہتے ہیں۔ کہ امر ارادہ کو مستلزم ہے اور یہ لوگ اس مسئلہ پر ایسی مضبوط دلیلیں قائم کرتے ہیں۔ کہ جن کا جواب بیان کرنا دشوار ہے۔ اور مثبتین تقدیر کا یہ قول ہے۔ کہ امر ارادہ کو مستلزم نہیں اور اُنکی ادلہ بھی مضبوط اور قوی ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ امر ارادہ دینیہ کو مستلزم ہے اور ارادہ کونیہ کو مستلزم نہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ جس کام کا امر فرماتا ہے۔ اُس سے شرعًا اُس کا ارادہ ضرور متعلق ہوتا ہے۔ اور کبھی ایسے کام کا امر فرماتا ہے۔ کہ جس سے ارادہ کونیہ قدریہ متعلق نہیں ہوتا مثلاً اُن لوگوں کو اللہ تعالے نے ایمان لانے کا امر فرمایا ہے۔ جن کو ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوئی۔ اور یہ امر شرعًا مراد ہے اور کونًا و قدرًا اس سے ارادہ متعلق نہیں ہوا۔ ورنہ وہ ضرور ایمان لاتے۔ اور اسی طرح اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے ذبح کرنے کا امر فرمایا۔ اور قضا و قدر میں اس سے ارادہ متعلق نہیں ہوا تھا۔ اور اسی طرح اپنے حبیب محمد مصطفےٰ صلعم کو پچاس نمازوں کا امر فرمایا اور قضا و قدر میں اس کا ارادہ نہیں ہوا۔ اور اِن دونو امروں اور ایمان نہ لانے والوں کے امر میں ایک قسم کا تفاوت اور فرق ہے اس کو معلوم کرنا ضروری ہے وہ فرق یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے ابراہیمؑ سے یہ نہیں چاہا۔ کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں۔ صرف یہ چاہا کہ اللہ سبحانہ کے حکم کی تعمیل اور اسکے امر کے امتثال میں اپنی مضبوطی دکھائیں۔ اور شب معراج میں آنحضرت صلعم کو امر فرمانا کہ اس سے پچاس نمازوں کا ادا کرنا منظور نہ تھا صرف امتثال امر کو دیکھنا مطلوب تھا۔ اور اُن لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے ایمان کا امر کرنے سے یہ مطلوب ہے کہ اُس کے بندے اُس کی ذات اور اُس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان لائیں۔ اور یہ اس کی حکمت کا مقتضی ہے کہ اپنے بعضے بندوں کو اپنے حکم کی بجا آوری میں اعانت فرمائی اور اُنکو امتثال امر کی توفیق بخشی اور بعضوں کو اس اعانت و توفیق سے محروم رکھا۔ اور امر کی غایت و مصلحت انکی نسبت موجود اور حاصل نہ ہوئی۔ اور خلیل علیہ السلام اور سید ولد آدم کو امر فرمانے کی مصلحت اور غایت موجود اور حاصل ہو گئی ❊

فصل - کتابت بھی دو قسم ہے ایک کونیہ کقولہٖ تعالےٰ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ (خدا تو لکھ چکا ہے کہ ہم اور ہمارے پیغمبر ضرور کافروں پر غالب آکر رہینگے) و قولہٖ تعالےٰ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (اور ہم زبور میں (پندو نصیحت کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نیک بندے زمین (کی سلطنت) کے وارث ہونگے) - و قولہٖ تعالےٰ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ (جس کی نسبت (خدا کے ہاں سے) یہ (حکم) لکھا جا چکا ہے کہ جو اس کی رفاقت کریگا - تو یہ اس کو گمراہ کرکے دوزخ کے عذاب میں پہنچا کر رہیگا) دوسری شرعیۃ امریۃ کقولہٖ تعالےٰ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (مسلمانو!) تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں) و قولہٖ تعالےٰ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ (تم پر تمہاری مائیں حرام کیگئی ہیں) اللہ تعالےٰ کے قول كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ تک و قولہٖ تعالےٰ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (اور ہم نے توارات میں یہود کو تحریری حکم دیا تھا۔ کہ جان کے بدلے جان) پہلی کتابت بمعنے تقدیر اور ثانی بمعنے امر ہے ۔

فصل - امر بھی دو قسم ہے - ایک کونی کقولہٖ تعالےٰ اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (اس کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے - تو بس اس سے (اتنا ہی) فرما دیتا ہے - کہ ہو اور وہ ہو جاتی ہے) و قولہٖ تعالےٰ وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ (اور ہمارا کام تو بس ایک بات ہوتی ہے جیسے آنکھ کا جھپکانا) و قولہٖ تعالےٰ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا (اور خدا کا حکم ہو کر رہیگا) و قولہٖ تعالےٰ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا (اور یہ بات (ہمارے ہاں سے) فیصل ہو چکی ہے) و قولہٖ تعالےٰ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا (اور جب ہم کو کسی گاؤں کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے - تو ہم اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں - پھر وہ اس (بستی) میں نافرمانیاں کرتے ہیں) یہاں امر کونی تقدیری مراد ہے اور امر دینی شرعی مراد نہیں - کیونکہ اللہ سبحانہ برے کاموں کا امر نہیں کرتا - اور آیت کا یہ معنے ہے کہ ہم اسکو مقدر کرتے ہیں بعض کا یہ قول ہے - کہ یہاں امر دینی مراد ہے - اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم انکو طاعت کا حکم کرتے ہیں سو وہ ہمارے حکم کی مخالفت اور فسق و فجور اختیار کرتے ہیں - اور پہلا قول چند وجوہ سے راجح ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ عبارت میں حذف اور تقدیر کا اختیار کرنا خلاف اصل ہے - جب حذف کے بدوں کلام صحیح ہو سکے - تو اس کو اختیار کرنا درست نہیں - دوسری وجہ یہ ہے - کہ دوسرے معنے کی تقدیر پر دو جملے محذوف قرار دینے پڑتے ہیں -

ایک جملہ اَمَرْنَا هُمْ بِطَاعَتِنَا (ہم نے انکو اپنی طاعت کا حکم کیا) دوسرا جملہ فَخَالَفُوْنَا (۔ و انہوں نے ہماری مخالفت کی) یا عَصَوْنَا (انہوں نے ہماری نافرمانی کی) وغیرہ تیسری وجہ یہ ہے۔ کہ ایسی ترکیب میں حرف فا کا مابعد خود مامور بہ ہوتا ہے جیسا کہتے ہیں اَمَرْتُهٗ فَفَعَلَ اور اَمَرْتُهٗ فَقَامَ اور اَمَرْتُهٗ فَرَكِبَ ان سب مثالوں میں مابعد فا مامور بہ ہے۔ اور مخاطب یہی سمجھتا ہے کہ متکلم نے مابعد فا کے ساتھ امر کیا ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے امر مذکور کو بستی کی ہلاکت کا سبب ٹھیرایا ہے اور ظاہر بات ہے کہ طاعت اور توحید کے ساتھ امر کرنا ہلاکت کا سبب نہیں ہوسکتا بلکہ یہ نجات اور کامیابی کا باعث اور موجب ہے۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ اللہ سبحانہ کا طاعت کے ساتھ امر فرمانا اور ماموریں کا فسق کرنا ہلاکت کا سبب ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو پانچویں وجہ باطل کرتی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا طاعت کے ساتھ امر کرنا مترفین کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ اللہ سبحانہ اپنی طاعت اور انبیا علیہم السلام کے اتباع کا امر مالداروں اور غریبوں سب کو یکساں فرماتا ہے۔ پس امر بالطاعت کو مالداروں کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں۔ اور چھٹی وجہ اس کی توضیح کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر امر بالطاعت مراد ہو تو صرف انبیاء علیہم السلام کو انکی طرف بھیجنا یہی امر بالطاعت ہے ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔اور اَمَرْنَا اور اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا کا ایک ہی معنی ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اس طرح کہنا درست نہیں۔ کہ ہم نے مالداروں کے پاس اپنے رسولوں کو بھیجا۔ سو انہوں نے فسق کیا۔ کیونکہ انبیاء کا بھیجنا مترفین کے ساتھ خاص کیا جائے۔ تو نا داروں کے لئے یہ عذر ہوسکتا ہے کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں بھیجا گیا۔ ساتویں وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کا کسی بستی کا ہلاک کرنے کا ارادہ انکے پاس رسول بھیجنے اور انکی طرف سے انبیاء کی تکذیب و انکار ظاہر ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ قبل اسکے وہ کسی کے ہلاک کا ارادہ نہیں فرماتا۔ کیونکہ انبیاء کے مبعوث کرنے سے پہلے لوگ غفلت اور ضلالت نہ پہنچنے کے عذر کے ساتھ معذور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ (یہ اس سبب سے کہ تمہارا پروردگار بستیوں کو ظلم اور زبردستی سے ہلاک کرنے والا نہیں کہ ادھر ان کو ہلاک کر مارے اور (ادھر) وہاں کے رہنے والے (خدا کے منشا سے) بے خبر ہوں) اور جب کسی بستی کی طرف انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور وہاں کے لوگ ان کی تکذیب کریں تب اللہ تعالیٰ اسکے ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا اور ... کے ساتھ مالداروں کو ... فسق کرنے کا امر فرماتا ہے ... شرع اور دین کے ...

یہ ظلم نہیں ہوتا پس وہاں کے لوگ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب پر متفق ہو جاتے ہیں۔ اور روساء و مالدار فسق و فجور کرنے لگتے ہیں۔ اس پر اللہ سبحانہ اس کو ہلاک و برباد کر دیتا ہے۔ یہاں تک ہمارا مطلب صرف یہ ہے کہ امر کونی اور دینی کو ذکر کیا جائے۔ اللہ تعالےٰ کا قول اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (اللہ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور (لوگوں کے ساتھ) احسان کرنے کا) اور اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا (مسلمانو!) خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت (رکھنے) والوں کی امانتیں (جب وہ مانگیں) انکے حوالے کر دیا کرو، امر دینی کی مثالیں ہیں۔ اور اس قسم کی آیات قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں ۔

فصل - اذن بھی دو قسم ہے ایک کونی جیسے اللہ تعالےٰ کا قول وَمَا ھُمْ بِضَآرِّیْنَ بِہٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ (بے حکم خدا وہ اپنی ان باتوں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے) یہاں اذن سے مشیت اور تقدیر مراد ہے۔ دوسرا دینی جیسے اللہ تعالےٰ کا قول مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَۃٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْھَا قَآئِمَۃً عَلٰٓی اُصُوْلِھَا فَبِاِذْنِ اللّٰہِ (مسلمانو! ان کے) کھجوروں کے درخت جو تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو (ہاتھ تک نہ لگایا اور بدستور) انکو جڑوں سمیت کھڑا رہنے دیا تو یہ سب کچھ خدا ہی کے حکم سے تھا یعنی اللہ کے حکم اور رضا سے ایسا ہوا۔ وقولہ تعالےٰ قُلْ اَرَاَیْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْہُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا قُلْ آٰللّٰہُ اَذِنَ لَکُمْ اَمْ عَلَی اللّٰہِ تَفْتَرُوْنَ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ بھلا دیکھو تو سہی خدا نے تو تم پر روزی اُتاری اب تم لگے اس میں سے (بعض کو) حرام اور (بعض کو) حلال ٹھیرانے (اے پیغمبر ان لوگوں سے) پوچھو کہ کیا خدا نے تم کو (اس کی) اجازت دی ہے یا (اپنی طرف سے) خدا پر بہتان باندھتے ہو) وقولہ تعالےٰ اَمْ لَھُمْ شُرَکٰٓؤُا شَرَعُوْا لَھُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْ بِہِ اللّٰہُ (کیا ان لوگوں نے خدا کے) شریک بنا رکھے ہیں (اور) انہوں نے ان کے لئے دین کا وہ رستہ ٹھیرا دیا ہے جس کا خدا نے حکم نہیں دیا) ۔

فصل جعل بھی دو قسم ہے۔ ایک کونی کقولہ تعالےٰ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ اَغْلٰلًا فَھِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَھُمْ مُّقْمَحُوْنَ وَجَعَلْنَا مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِھِمْ سَدًّا (ہم نے ان لوگوں کی گردنوں میں (بھاری بھاری) طوق ڈال دئے ہیں اور وہ ٹھوڑیوں تک (پھنسے ہوئے) ہیں تو ان کے سر ایسے (اُلل) کر رہ گئے ہیں (کہ ان کو رستہ دکھائی نہیں دیتا) اور ہم نے ایک دیوار (تو) انکے آگے بنائی اور ایک دیوار انکے پیچھے) وقولہ تعالےٰ وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ

عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (اور خدا (شرک اور کفر کی) گندگی اُن ہی لوگوں پر ڈالتا ہے جو (دلائلِ وحدانیت میں) عقل کو کام میں نہیں لاتے)۔ قولہ تعالےٰ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (اُسی نے تمہارے لیے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے) اور اس کی مثالیں قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں۔ دوسرا دینی کقولہ تعالےٰ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ (نہ تو بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام (ان میں سے) کوئی چیز خدا نے ٹھیرائی ہے) یہاں جعل سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان چیزوں کا حکم نہیں دیا۔ اور نہ انکو مشروع فرمایا ہے۔ ورنہ یہ سب چیزیں اس کی مخلوق اور اُس کی مشیت اور قدرت سے واقع ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ (خدا نے کعبے کو کہ وہ (خدا کا) معزز گھر ہے لوگوں کے (امن و اطمینان کے) قائم رکھنے کا موجب قرار دیا ہے) میں جعل کونی اور دینی دونو موجود ہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے کعبہ کو قدرۃً و شرعًا لوگوں کے لقا و قیام کا سبب بنایا ہے اور دونو معنی ارادہ کرنا اشتراک لفظی کی صورت نہیں۔ بلکہ اشتراک معنوی کے طور پر قدر مشترک مراد ہے۔

فصل۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات بھی دو قسم ہیں ایک کونیہ کقولہ تعالےٰ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (اے پیغمبر) اسی طرح تمہارے پروردگار کا فرمان (کافر لوگوں پر صادق آکر رہا کہ یہ کسی طرح ایمان نہیں لائینگے) وقولہ تعالےٰ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا (اور اے پیغمبر چونکہ) بنی اسرائیل نے صبر کیا اس لیئے تمہارے پروردگار کا وعدہ نیک ان کے حق میں پورا ہوا اور حدیث شریف میں ہے اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِّنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (میں اللہ تعالےٰ کے اُن کلمات تامہ کے ساتھ جن سے کوئی نیکوکار اور بدکار بچ نہیں سکتا۔ اس کی مخلوق کی شر سے پناہ مانگتا ہوں) اس حدیث میں کہ وہ کلام الٰہی کو سُنتے ہیں جو لفظ کلمات ہے۔ اس سے کلمات کونیہ مراد ہیں۔ اور اگر کلمات دینیہ مراد ہوں جن سے اللہ سبحانہ امر و نہی فرماتا ہے۔ تو حدیث میں جو یہ فرمایا ہے کہ کوئی نیکوکار اور بدکار اُن سے تجاوز نہیں کرسکتا۔ غلط ثابت ہوتا ہے کیونکہ کفار اور فاجر ان سے تجاوز کرتے ہیں۔ دوسرے دینیہ کقولہ تعالےٰ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ (اور اے پیغمبر مشرکین میں سے اگر کوئی شخص تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو (اُس کو پناہ دو) کلام اللہ سے قرآن مجید مراد ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ (اور تم نے اللہ کے کلمہ کے ساتھ انکے فرجوں کو حلال

کیا، کلمات اللہ سے یہ مراد ہے کہ اللہ سبحانہ نے شریعت میں عقد نکاح کے بعد ان عورتوں کو تمہارے لئے حلال اور مباح کر دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ (تو اپنی مرضی کے مطابق عورتوں سے نکاح کر لو) اور اللہ کے قول وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ (اور وہ اپنے پروردگار کے کلام اور اس کی کتابوں کی تصدیق کرتی رہی) میں کلمات کونیہ و شرعیہ دو نو قسم موجود ہیں یعنی اس سے وہ کلمات مراد ہیں جن کے ساتھ اللہ سبحانہ امر و نہی اور اشیا کی حلت و حرمت بیان فرماتا ہے۔ اور لفظ کلمات سے وہ کلمات مراد ہیں جو خلق اور تکوین سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے اس آیت میں حضرت مریم کی نسبت یہ بتلایا ہے کہ وہ فرقہ جہمیہ کے عقیدہ پر نہ تھیں کہ اللہ تعالےٰ کے کلمات دینیہ اور تکوینیہ کا انکار کرتیں اور کلمات الٰہی کو مخلوق سمجھتیں ٭

فصل ۔ بعث بھی دو قسم ہے ایک کونی کقولہ تعالےٰ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ (جب ان (فسادوں) میں سے پہلے (فساد) کا وقت آیا تو ہم نے تمہارے مقابلے میں ایسے بندے اٹھا کھڑے کئے جو بڑے سخت گیر تھے) وقولہ تعالےٰ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ (اس کے بعد اللہ نے ایک کوا بھیجا وہ زمین کو کریدنے لگا) دوسری شرعی اور دینی کقولہ تعالےٰ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ (وہ (خدا) ہی تو ہے جس نے (عرب کے) جاہلوں میں ان ہی میں سے (محمد کو) پیغمبر (بنا کر بھیجا) وقولہ تعالےٰ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ (شروع میں سب) لوگ ایک ہی دین رکھتے تھے پھر آپس میں لگے اختلاف کرنے) تو اللہ نے پیغمبر بھیجے جو (ایمان والوں کو خوشنودی خدا کی) خوشخبری دیتے اور (کافروں کو عذاب الٰہی سے) ڈراتے) ٭

فصل ۔ ارسال بھی دو قسم ہے ایک کونی کقولہ تعالےٰ أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا (اے پیغمبر) کیا تم نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم نے شیطان کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو اکساتے رہتے ہیں) وقولہ تعالےٰ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ (اور وہی (قادر مطلق) ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے) دوسرا دینی کقولہ تعالےٰ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ (وہ (خدا) ہی (تو) ہے جس نے اپنے رسول (محمد) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے) وقولہ تعالےٰ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا (لوگو! جس طرح ہم نے فرعون کی طرف (موسیٰ کو) پیغمبر بنا کر بھیجا تھا تمہاری طرف بھی (محمد کو) رسول (بنا کر) بھیجا ہے جو قیامت کے دن تمہارے مقابلے میں گواہی دینگے) ٭

فصل - تحریم بھی دو قسم ہے۔ ایک کونی کقولہ تعالیٰ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ (اور ہم نے موسیٰ پر پہلے ہی سے (اناؤں کے) دودھ بند کر رکھے تھے) وقولہ تعالیٰ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً (تو وہ ملک چالیس برس تک ان کو نصیب نہ ہوگا) وقولہ تعالیٰ وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (اور جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا ممکن نہیں کہ (ہمیشہ) کو) وہ لوگ (ہمارے حضور میں لوٹ کر نہ آئیں) دوسری دینی کقولہ تعالیٰ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ (مسلمانو!) تمہاری مائیں تم پر حرام کی گئی ہیں) وقولہ تعالیٰ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (مرا ہوا جانور تم پر حرام کیا گیا ہے) وقولہ تعالیٰ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا (اور جب تک تم احرام میں ہو جنگل کا شکار تم پر حرام کیا گیا ہے) وقولہ تعالیٰ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (اور اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے) ❖

فصل - ایتا بھی دو قسم ہے ایک کونی کقولہ تعالیٰ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ (اور اللہ جسے چاہے اپنا ملک عطا فرمائے) وقولہ تعالیٰ قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ (اے پیغمبر تم یہ دعا مانگو کہ اے خدا (سارے) ملک کے مالک تو ہی جس کو چاہے سلطنت دے) وقولہ تعالیٰ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا (اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سلطنت (بھی) دی) دوسرا ایتائے دینی کقولہ تعالیٰ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ (مسلمانو!) جو چیز پیغمبر تم کو دے دیا کریں اس کو لے لیا کرو) وقولہ تعالیٰ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ (جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اس کو مضبوطی سے پکڑو) اور اللہ تعالیٰ کا قول يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (اللہ جس کو چاہتا ہے (دانش کی) سمجھ دیتا ہے اور جس کو سمجھ دی گئی تو بیشک اس نے بڑی دولت پائی) دونو قسم کو شامل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے شرع اور دین کی صورت میں اور جسے چاہے توفیق و الہام کے ذریعہ سے علم و حکمت عطا فرمائے ❖

فصل - مذکورہ بالا امور یعنی قضا۔ حکم۔ ارادہ وغیرہ میں سے انبیاء علیہم السلام اور ان کے تابعداروں کے حصہ میں دینی اور شرعی امور ہیں۔ اور انبیاء کے مخالفین اور دشمنوں کے لئے قدری اور کونی احکام کو نیتہ سے وہ ادھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔ ان کا دین دین قدر ہے۔ اور اللہ کے رسولوں اور ان کے متبعین کا دین دین امر ہے۔ یہ لوگ خدا کے دین کے تابعدار اور اس کی تقدیر کے مصدق ہیں۔ اور اللہ اور اس کے رسولوں کے دشمن۔ خدا کے حکم کی نافرمانی۔ اور اسکی تقدیر سے حجت پکڑتے۔ اور یوں کہتے ہیں۔ کہ وہی کام کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اس کی مشیت متعلق ہیں۔ اور ہم اللہ کے

کے مراد کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے۔ ان کی اس حجت کی تردید کے لئے اتنا کہنا کافی ہے۔ کہ تمہارے
افعال نے ساتھ اللہ سبحانہ کا کونسا ارادہ متعلق ہے۔ ارادہ شرعیہ یا کونیہ۔ ظاہر ہے کہ ارادہ شرعیہ
کے تو تم منکر ہو۔ اور ارادہ کونیہ کا تعلق کچھ مفید نہیں۔ اور نہ یہ تمہارے لئے عذر ہو سکتا ہے۔ اگر
یہ عذر ہوتا تو اللہ سبحانہ اپنی مخلوق میں سے کسی کی مذمت نہ کرتا۔ اور کسی کو عذاب نہ کرتا۔ اور اس
کی مخلوق میں سے کوئی شخص عاصی اور کافر نہ ہوتا۔ اور جو شخص ایسا عقیدہ رکھتا ہے۔ تو وہ اللہ
اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں کا منکر ہے ؎

تیسواں باب

فطرت اولیٰ۔ اسکے معنی۔ اسکے متعلق لوگوں کے اختلاف اور اس امر کے بیان میں کہ یہ قضا و قدر میں شقی اور گمراہ ہونے کے خلاف اور منافی نہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ
عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ مُنِيبِينَ
إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (تو اے پیغمبر! تم تو ایک (خدا)
کے ہو کر (اس کے) دین کی طرف اپنا رخ کئے رہو (یہ) خدا کی (بنائی ہوئی) سرشت ہے۔ جس پر
خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی (بنائی ہوئی) بناوٹ میں ردو بدل نہیں ہو سکتا۔ یہی دین
(کا) سیدھا رستہ ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ (لوگو!) اسی (ایک خدا) کی طرف رجوع ہو کر (دین
اسلام پر جمے رہو) اور اسی (ایک خدا) کا ڈر مانو اور نماز پڑھتے رہو اور شرک کرنے والوں سے نہ ہو
جانا) اور صحیحین میں بروایت ابو ہریرہ رضؓ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے
فرمایا ہے۔ کہ ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے کفر اختیار کرنے کی یہ وجہ ہے
کہ اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ جیسا کہ چوپائے جانور صحیح و سالم
بچہ جنتے ہیں۔ کیا تم نے دیکھا ہے کہ جانوروں کا کوئی بچہ پیدا ہوتے ہی کان کٹا ہوتا ہے (ہرگز
ایسا نہیں بلکہ بعد میں) تم اس کے کان کاٹتے ہو۔ یہ روایت بیان کرنے کے بعد پھر ابو ہریرہ رضؓ نے

اور آیت کو پڑھا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۔

ایک دوسری روایت میں اسطرح ہے۔ کہ ہر ایک بچہ اس ملت پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اس فطرت کے معنی و مراد میں اہل علم کا اختلاف ہے ۔

قاضی ابویعلی نے کہا ہے کہ اس فطرت کے معنی میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ فطرت سے اللہ تعالے کی معرفت کا اقرار مراد ہے اور یہ وہی عہد ہے جس کو اللہ تعالے نے اپنے بندوں سے اس وقت لیا تھا جبکہ وہ اپنے باپ کی پشت میں تھے۔ کہ اللہ تعالے نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور قیامت تک اُن کی جتنی اولاد پیدا ہوگی سب کو چیونٹی کیطرح ظاہر کر دیا۔ اور انکو خود اُنکی ذات پر شاہد بنایا اور پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے کہا کہ بیشک تو ہمارا رب ہے۔ غرض ہر ایک شخص فطرةً اس بات کا اقرار کرتا ہے۔ کہ اس کا کوئی صانع اور مدبر ہے۔ گو اُس کو کسی نام سے پکارے ۔

چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (اور (اے پیغمبر) اگر تم ان (کافروں) سے پوچھو کہ انکو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور یہی کہینگے کہ اللہ ہی نے (انکو پیدا کیا ہے) پس ہر ایک بچہ اس اقرار اول پر پیدا ہوتا ہے ۔

قاضی ابویعلی کہتے ہیں کہ فطرت سے یہاں اسلام مراد نہیں۔ اور اسکی دو دلیلیں بیان کرتے ہیں۔ اول یہ کہ فطرت بمعنی ابتدائے خلقت ہے۔ اللہ تعالے نے فرمایا ہے فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اللہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے) یعنی اُن کو ابتداءً ایجاد کرنے والا ہے۔ اور جب فطرت بمعنی ابتدائے خلقت ہے۔ تو اس حدیث میں فطرت سے وہی امر مراد ہوگا جو ابتدائے خلقت میں واقع ہوا۔ اور وہ یہی ہے کہ اللہ نے اولادِ آدم کو اُن کی پیٹھ سے نکالا اور اُن سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔ دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ اس حدیث میں اگر فطرت بمعنی اسلام ہو۔ تو لازم آتا ہے کہ جو بچہ کفار کے گھر پیدا ہو یعنی اس کا باپ اور ماں دونو کافر ہوں تو جب تک وہ بالغ نہ ہو ماں باپ اُس کے وارث نہ ہو سکیں۔ اور وہ ان کا وارث نہ ہو سکے۔ کیونکہ وہ بچہ مسلمان ہے۔ اور اختلاف دین وراثت کا مانع ہے۔ اور نیز اس کو غلام بنانا درست نہ ہو۔ اور اگر اس کا باپ اسلام اختیار کرے۔ تو باپ کی تابعداری سے اُس کو مسلمان نہیں کہنا چاہئے۔ کیونکہ وہ خود مسلمان ہے۔ قاضی ابویعلی کہتے ہیں کہ یہ معنی ابن قتیبہ نے بیان کئے ہیں۔ اور ابن بطہ نے اس معنی کو ابانہ میں ذکر کیا۔ اور یوں کہا ہے کہ یہ ضروری نہیں۔ کہ جس شخص کو صانع کی معرفت حاصل

سو اس کو مسلمان کہا جائیگا جیسا کہ بالغ کفار کہ انکے لیے صانع کی معرفت حاصل ہے اور وہ مسلمان نہیں
قاضی کہتے ہیں کہ امام احمد نے بھی اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور میمونی کی روایت میں اس طرح
ہے کہ امام احمد نے فرمایا کہ فطرت اولیٰ سے وہ فطرت مراد ہے جس پر اللہ تعالےٰ نے بندوں کو پیدا
کیا ہے۔ اس پر میمونی نے کہا کہ فطرت سے مراد دین ہے؟ تو امام احمد نے جواب میں کہا کہ ہاں فطرت
سے دین مراد ہے۔ قاضی کہتے ہیں کہ امام احمد نے دین سے وہی معرفت ارادہ کی ہے جس کو
ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ فطرت سے وہ پہلی خلقت مراد ہے جو ماں کے پیٹ میں
واقع ہوتی ہے۔ اور فطرت کو اس عہد پر محمول کرنا جو اللہ سبحانہ نے اولاد آدم سے لیا تھا یعنی انہوں
نے اسکی ربوبیت کا اقرار کیا تھا گویا فطرت کو بمعنے اسلام ارادہ کرنا ہے کیونکہ معرفت صانع کا اقرار
کرنا عین ایمان کا اقرار ہے۔ اور مومن مسلم ہے۔ اور اگر فطرت بمعنی اسلام ہو تو لازم آتا ہے کہ
جب بچہ ماں باپ کافر کے گھر پیدا ہو تو وہ اس کے اور وہ ان کا وارث نہ ہو۔ اس کے علاوہ
یہ بات لازم آتی ہے۔ کہ کفر اللہ تعالےٰ کا مخلوق نہ ہو۔ اور اہل سنت کے اصول اسکے خلاف
ہیں۔ قاضی کہتے ہیں کہ امام احمد نے علی بن سعید کی روایت میں اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔
کیونکہ جب علی بن سعید نے ان سے حدیث کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ کا مطلب پوچھا
تو امام احمد نے جواب دیا کہ اول فطرت میں بعضے آدمی شقی اور بعضے سعید ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح
محمد بن یحییٰ الکحال نے نقل کیا ہے۔ کہ میں نے امام احمد سے فطرت اولیٰ کی نسبت سوال کیا۔ تو انہوں
نے جواب دیا کہ فطرت اولیٰ سے وہ فطرت مراد ہے جس پر اللہ تعالےٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے
کہ بعضے شقی اور بعضے سعید بنائے ہیں۔ اور حنبل نے بھی امام مذکور سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ کہ اس
حدیث میں فطرت سے وہ پہلی خلقت مراد ہے جو ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے۔ ہمارے استاذ
ابوالعباس ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ کہ امام احمد نے عہد اول کا ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے صرف اتنا کہا کہ
فطرت اُولیٰ وہ فطرت ہے جس پر لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔ اور اس سے مراد دین ہے۔ اور امام احمد
نے بہت سے مواقع میں کہا ہے کہ کفار کے بچے کے ماں باپ جب دونو مر جائیں یا ان میں سے
ایک مر جائے۔ تو اس بچے کے اسلام کا حکم دیا جائیگا۔ اور اس مسئلہ پر اسی حدیث سے استدلال کیا
ہے۔ امام احمد کے اس استدلال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کا یہی معنی بیان کرتے ہیں۔ کہ
ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں صراحۃً مذکور ہے کہ اس ملت پر پیدا

ہوتاہے۔ اگر امام احمد کے نزدیک فطرت بمعنی اسلام نہ ہو تو اس حدیث سے ان کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا تھا
اور دوسرے مقام میں امام احمد کا یوں کہنا کہ ہر ایک بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے بعضے شقی اور بعضے
سعید ہوتے ہیں۔ اِسکے منافی اور مخالف نہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ نے شقاوت اور سعادت کو پہلے
سے مقدر کر دیا۔ اور اسے لکھ دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے لئے اسباب بھی مقدر کئے
ہیں مثلاً ماں باپ کا فعل بھی شقاوت اور سعادت کے اسباب ہیں۔ سے ہے۔ غرض ماں باپ کا
بچے کو یہودی نصرانی یا مجوسی بنا دینا اُن اسباب مقدرہ میں سے ہے۔ اور بچہ اپنی اصلی فطرت کے
لحاظ سے صحیح و سالم پیدا کیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ مقدر ہوا ہے کہ اس فطرت سلیمہ کو اس کے
ماں باپ بدل دینگے۔ چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مضمون کے سمجھانے کے لئے جانور کے
بچہ کی مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے پھر لوگ اس کے کان وغیرہ کاٹ کر اُس
کی شکل بدل دیتے ہیں۔ اور آدمیوں کا یہ فعل اللہ تعالےٰ کی قضا و قدر سے واقع ہوتا ہے۔ اسی طرح آدم زاد
بھی فطرت سلیمہ یعنی فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اُس کے والدین اُس کے فساد کا سبب ہو جاتے
ہیں۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کی قضا و قدر سے واقع ہوتا ہے۔ اور امام احمد وغیرہ ائمہ نے
حدیث کی تفسیر میں یہ کلمات (کہ ہر ایک بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے بعضے شقی اور بعضے سعید ہوتے
ہیں) اس لئے ذکر کئے ہیں کہ قدریہ اس حدیث سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ کفر اور معاصی
اللہ تعالےٰ کی قضا اور قدر سے واقع نہیں ہوتے۔ بلکہ اُن کے موجد اور پیدا کرنے والے خود بندے
ہیں یعنی اللہ تعالےٰ نے کفر اور معاصی کو مقدر و مخلوق نہیں کیا۔ بلکہ بندوں نے اپنی طرف سے
اُن کو پیدا کیا ہے۔ اور اسی واسطے جب لوگوں نے امام مالکؒ سے کہا کہ اس حدیث کے پہلے جملہ سے
قدریہ ہم پر حجت قائم کرتے ہیں۔ تو امام مالک نے فرمایا کہ تم حدیث کے اخیر جملہ یعنی اَللّٰہُ اَعْلَمُ
بِمَا کَانُوْا عَامِلِیْنَ (اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ زندہ ہو کر کیا کچھ اعمال کرتے) سے اُن پر حجت قائم
کرو۔ امام احمد وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ کہ اس حدیث میں قدریہ کے لئے کوئی حجت اور دلیل موجود نہیں
کیونکہ قدریہ اس بات کے تو قائل نہیں کہ کفار کے بچے کے والدین اُس میں یہودیت یا نصرانیت یا
مجوسیت کو مخلوق اور پیدا کر دیتے ہیں۔ بلکہ یوں کہتے ہیں کہ وہ باختیار خود یہودی یا نصرانی یا مجوسی
بن جاتا ہے۔ اور والدین تلقین اور تعلیم کے ذریعہ سے اُس کے حصول کے لئے سبب ہوتے ہیں
اور جب اُس کی یہودیت وغیرہ کو اس اعتبار سے ماں باپ کی طرف نسبت کرنا درست ہے۔ تو اللہ سبحانہ
کی طرف جو تمام چیزوں کا خالق ہے بطریق اَولیٰ منسوب کرنا درست ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اگرچہ

اس کو فطرت سلیمہ پر پیدا کیا ہے مگر ساتھ ہی اُس کے اُس تغیر و تبدل کو بھی مقدر کر دیا ہے۔ جو پیدائش کے بعد اس میں واقع ہو گا۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ کہ وہ لڑکا جس کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا۔ وہ خلقۃً کافر پیدا کیا گیا تھا۔ اگر وہ بالغ ہوتا تو اپنے ماں باپ کو کفر اور سرکشی سے ایذا پہنچاتا۔ خلقۃً کافر پیدا ہونے کا یہ مطلب ہے کہ پیدائش کے وقت ہی اُس کی نسبت مقدر ہو چکا تھا کہ وہ بڑا ہو کر کفر اختیار کریگا اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ ولادت سے پہلے یا ولادت کے وقت اس کا کفر موجود تھا۔ بلکہ ولادت کے وقت اس کا کفر موجود نہ تھا بلکہ ولادت کے وقت وہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ بات مقدر تھی۔ کہ اس کے بعد اس کی یہ فطرت بدل جائیگی اور یہ کفر اختیار کریگا۔ اور جس شخص نے یہ سمجھا ہے۔ کہ اس لڑکے کے قلب پر مہر لگا دی گئی تھی جیسا کہ کفار کے بارے میں آیا ہے۔ وَطُبِعَ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ (ور انکے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے) تو اُس نے غلطی کی ہے۔ کیونکہ یہ معنے حدیث کے الفاظ اور محاورہ کے خلاف ہے۔

صحیح مسلم میں بروایت عیاض بن حماد نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے سب بندوں کو موحد پیدا کیا۔ پھر شیاطین نے اُن کو فریب دھوکا دیا۔ جو چیزیں میں نے اُن پر حلال کی تھیں وہ حرام کر دیں۔ اور میں نے اُن کو یہ حکم دیا تھا۔ کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا۔ یہ حدیث صراحتہً اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے سب کو توحید اور حنیفیت پر پیدا کیا ہے۔ اور اس کے بعد شیاطین نے دھوکا فریب دیکر لوگوں کو بگاڑا ہے۔ اور نیز اسود بن سریع کی حدیث سے جس کو احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا۔ اُس لشکر نے کفار کو بچوں سمیت قتل کر دیا۔ اِس پر آپ نے ان کو عتاب فرمایا کہ تم نے بچوں کو کس لئے قتل کیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ مشرکوں کی اولاد تھے۔ اِس لئے ہم نے ان کو بھی مشرک سمجھ کر قتل کر دیا آپ نے فرمایا۔ کہ تم میں جو لوگ بہتر ہیں کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں۔ اس کے بعد پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ سمجھ بوجھ کر کلام کرنے کے وقت تک اسی حالت پر رہتا ہے اس کے بعد کبھی تو اسی حالت پر ثابت رہتا ہے۔ اور کبھی اُس کے والدین اُس کو یہودی۔ نصرانی وغیرہ بنا دیتے ہیں ہیں مشرکین کی اولاد کو قتل کرنے سے آپ کا منع فرمانا اور اس کے بعد اس حدیث کو بیان فرمانا اور نیز یہ ارشاد فرمانا کہ تم میں جو بہتر لوگ ہیں کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں۔ ان سب امور سے صراحتہً ثابت ہوتا ہے۔ کہ کفار کی اولاد پیدائش کے وقت

کافر نہیں ہوتی۔ بلکہ کفر اس کے بعد طاری ہوتا ہے۔ اور اگر آپ کا یہ مطلب ہو کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے
تو اُس کی روح ایسی ہوتی ہے۔ اگر اُس کے لئے یہی ہو کہ اسلام مقدر ہے۔ تو اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر کفر مقدر
ہے تو کفر پر پیدا ہوتا ہے۔ تو آپ جیسا مشرکین کی اولاد کو قتل کرنے سے منع کیا اور منع کے ساتھ جو اس حدیث
کو بطور استدلال کے بیان فرمایا۔ یہ درست نہ ہوگا۔ بعض نے یوں مطلب بیان کیا ہے کہ آپ کے فرمان (کہ تم میں جو
بہتر لوگ ہیں کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں) کا یہ مطلب ہے کہ کبھی اللہ تعالےٰ کے علم میں ایسا بھی ہوتا ہے
جو ممکن ہے۔ یعنی خدا تعالےٰ کے علم میں اس طرح ہو کہ اگر زندہ رہتے تو وہ ایمان لے آتے۔ اور آنحضرت
صلعم نے اس احتمال کی وجہ سے منع فرمایا۔ مگر یہ حدیث کے مضمون کے بالکل خلاف ہے۔
بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم میں بہتر لوگ۔ وہ ہیں جو سابقین اولین ہیں۔ اور یہ مشرکین کی اولاد
ہیں۔ کیونکہ ان کے باپ دادا کافر تھے۔ پھر خدا نے بیٹوں کو دولت ایمان نصیب فرمائی۔ غرض یہ
ہے کہ اولاد جب خود مسلمان ہو تو مشرک کی اولاد ہونا اس کے لئے کوئی ضرر نہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ ہر ایک
شخص کو اُس کے اپنے اعمال کی جزا دیگا۔ ماں باپ کے عمل سے کوئی واسطہ نہیں۔ اور اللہ سبحانہ کو یہ
قدرت ہے کہ کافروں سے ایمان والے اور ایمان والوں سے کافر پیدا کرے۔ جیسا کہ زندہ سے
مردے کو اور مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے۔

فصل یہ حدیث ایسے متعدد الفاظ کے ساتھ روایت کی گئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تفسیر کرتے
ہیں۔ پس صحیحین میں اس طرح ہے ابن شہاب سے مروی ہے وہ ابو سلمہ سے وہ ابو ہریرہ سے روایت کرتے
ہیں کہا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ہر ایک بچہ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے پھر اس
کے ماں باپ اس کو یہودی نصرانی یا مجوسی بنالیتے ہیں جس طرح کہ چوپائے جانوروں کے بچے صحیح و
سالم پیدا ہوتے ہیں۔ کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ مواشی کا کوئی بچہ کان کٹا پیدا ہوا ہے۔ اس کے
بعد ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ کہ اس کی تصدیق کیلئے یہ آیت پڑھو فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا
لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جو لوگ بچپن ہی میں
مر گئے اُن کا کیا حال ہے آپ نے فرمایا اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ بڑے ہو کر کیا کام کرتے۔ حدیث کے
یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ اور شرح صحیح بخاری میں ہے زہری کہتے ہیں کہ یہ ہمارا دستور ہے کہ جو بچہ فوت
ہو جائے گو مشرکین کی اولاد میں سے ہو۔ ہم اُس پر اسلئے نماز جنازہ پڑھا کرتے ہیں۔ کہ وہ فطرت اسلام پر پیدا
ہوا ہے بشرطیکہ وہ زندہ پیدا ہو مثلاً پیدا ہونے کے وقت آواز وغیرہ سے اس کی حیاتی متیقن ہو
اور جو مردہ پیدا ہو اُس پر نماز جنازہ نہیں پڑھتے۔ اور ہمارا استدلال اس بات میں یہ ہے کہ ابوہریرہ رضہ

بیان فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر ایک بچہ فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی۔ نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں جیسا کہ چوپائے جانوروں کے بچے صحیح و سالم پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی بچہ کبھی تم کو کان کٹا نظر آیا ہے۔ اس کے بعد ابو ہریرہ یہ آیت پڑھتے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا اور صحیحین میں بروایت اعمش مروی ہے کہ ہر ایک بچہ ملت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے اور ابن معاویہ کی روایت میں ہے کہ اس ملت پر پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ سمجھ بوجھ کر کلام کرنے لگے۔ اس حدیث سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک بچہ ملت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن شہاب زہری نے جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ اور ابو ہریرہ رضہ کا اس کی تصدیق اور استشہاد کیلئے آیت مذکورہ کو پڑھنا اسی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ ابن عبد البر کا قول ہے کہ ابن شہاب سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص پر مومن غلام کا آزاد کرنا واجب ہے۔ تو اگر وہ شیر خوار بچے کو آزاد کرے۔ تو کیا اس سے واجب ادا ہو جائیگا۔ ابن شہاب نے جواب دیا کہ بیشک اس کے ذمے سے واجب ساقط ہو جائیگا۔ کیونکہ وہ بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوا ہے۔ ابو عمر نے حدیث کی تفسیر میں اختلاف بیان کرتے ہوئے یوں کہا ہے۔ کہ دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ فطرت سے یہاں اسلام مراد ہے اور کہا ہے کہ اکثر سلف کے نزدیک یہی معنی معروف و مشہور ہیں۔ اور اللہ تعالے کے قول فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا کی تفسیر کے متعلق تمام اہل تفسیر کی یہی رائے ہے کہ فطرت اللہ سے دین اسلام مراد ہے۔ اور اہل تفسیر نے ابو ہریرہ رضہ کے قول (اگر تم چاہو تو آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا کو پڑھو) سے جو اسی حدیث میں موجود ہے استدلال کیا ہے۔ اور مفسرین نے اس آیت کی تفسیر کے متعلق عکرمہ۔ مجاہد۔ حسن۔ ابراہیم۔ ضحاک اور قتادہ سے نقل کیا ہے۔ کہ فطرۃ اللہ سے اللہ تعالے کا دین اسلام مراد ہے اور لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کا یہ معنے ہے کہ اللہ کے دین کے لئے تبدیلی نہیں۔ اور عیاض بن حماد مجاشعی کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن لوگوں سے فرمایا۔ کہ میں تم کو وہ بات نہ بتلاؤں جو اللہ تعالے نے مجھے (قرآن کے متعلق) بتلائی ہے۔ اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام اور انکی اولاد سب کو موحد حنیف مسلمان پیدا کیا۔ اور ان کو حلال مال عطا فرمایا۔ جس میں حرام کا نام و نشان نہ تھا۔ پھر انہوں نے اللہ کے دئے ہوئے رزق میں سے اپنی طرف سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال ٹھہرا لیا۔ آخر حدیث تک۔ اور دوسری سند کے ساتھ بھی اس حدیث کے الفاظ ایسے ہی مروی ہیں۔ ابو عمر کا قول ہے۔ کہ ابن شہاب

کو قتادہ نے مطرف بن عبد اللہ سے اُس نے عیاض سے روایت کیا ہے۔ اور مطرف سے قتادہ کا سماع ثابت نہیں۔ لیکن قتادہ کا قول ہے کہ مجھ سے تین شخصوں عقبہ بن عبد الغافر یزید بن عبد اللہ بن الشخیر اور علا بن زیاد نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ اور یہ تینوں یوں کہتے ہیں۔ کہ ہم سے مطرف نے اُس نے عیاض سے اُس نے نبی صلعم سے روایت کیا ہے اس روایت میں ہے آپ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے سب بندوں کو حنیف (موحد) پیدا کیا ہے۔ اِس روایت میں مسلمین کا لفظ مروی نہیں۔ اور حسن نے بھی مطرف سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور ابن اسحاق نے ایک ثقہ شخص سے اُس نے قتادہ سے بااسناد اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس روایت میں بھی اسی طرح ہے کہ میں نے اپنے سب بندوں کو حنیف پیدا کیا ہے۔ اس میں بھی لفظ مسلمین مذکور نہیں۔ اِس سے محمد بن اسحاق کے حفظ ضبط اور اتقان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ اُنھوں نے اسی حدیث کو ثور بن یزید سے بھی روایت کیا ہے۔ اور اُس میں لفظ مسلمین ذکر کیا اور جب قتادہ سے روایت کیا ہے۔ تو اس لفظ کو ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ قتادہ کی روایت میں یہ لفظ مذکور نہیں اور ثور کی روایت میں موجود ہے واللہ اعلم۔ ابو عمر کا قول ہے کہ کلام عرب میں حنیف بمعنی مستقیم و مخلص ہے اور اسلام سے بڑھ کر کوئی استقامت نہیں حسن سے مروی ہے کہ حنیف سے حج بیت اللہ مراد ہے۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام مراد ہے اور ضحاک اور سدی سے بھی ایسا ہی مروی ہے کہ اُنھوں نے حُنَفَاء بمعنی حُجّاج کہا ہے۔ اور مجاہد سے مروی ہے کہ حنفا معنی متبعین ہے ان سب اقوال سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

کہ حنیفیت سے اسلام مراد ہے۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ کہ حنیف بمعنی مخلص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا (ابراہیمؑ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ ہماری سرکار کے ایک بندۂ فرماں بردار تھے اور مشرکوں میں سے (بھی) نہ تھے۔ وقال تعالےٰ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا (ابراہیمؑ کے طریقے پر ہیں جو ایک خدا کے ہو رہے تھے) وقال تعالےٰ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ (وہی دین جو تمہارے باپ ابراہیمؑ کا تھا (اسی خدا) نے (اگلی کتابوں میں پہلے سے تمہارا نام مسلمان رکھا اور باعی شامر نے

کہا ہے ؎

أَخَلِيفَةَ الرَّحْمٰنِ إِنَّا مَعْشَرٌ حُنَفَاءُ نَسْجُدُ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا

عَرَبٌ نَرَىٰ لِلّٰهِ فِي أَمْوَالِنَا حَقَّ الزَّكَاةِ مُنَزَّلًا تَنْزِيلًا

(اے اللہ کے خلیفے ہم وہ حنیف جماعت ہیں جو صبح و شام اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ ہم قوم عرب ہیں۔ اور ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ ہمارے مالوں میں حق زکوٰۃ واجب ہے اسکو اللہ نے قرآن میں نازل فرمایا ہے) شاعر نے حنیفیت کے وہ صفات بیان کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حنیفیت سے اسلام مراد ہے۔ اور یہ بات ظاہر اور واضح ہے اس میں کوئی خفا نہیں۔ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں۔ کہ اس حدیث میں فطرت سے اسلام مراد ہے۔ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول خَمْسٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ (پانچ چیزیں سنت اسلام میں سے ہیں) سے بھی استدلال کرتے ہیں اور ایک روایت میں عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ (دس چیزیں سنت اسلام میں سے ہیں) ہمارے استاذ فرماتے ہیں اس دعوے پر کہ اس حدیث میں فطرت سے اسلام مراد ہے۔ بہت سے دلائل موجود ہیں اگر فطرت سے اسلام مراد نہ ہو تو اس جملہ کے بعد صحابہؓ کا یہ سوال کرنا (کہ یا رسول اللہ مشرکین کی اولاد میں سے جو بچے مر جائیں ان کا کیا حال ہوگا) بلا وجہ ہوگا کیونکہ فطرت سے جب پیدائش اول مراد ہو تو اس صورت میں کوئی مغیر فطرت موجود نہیں۔ اور اللہ سبحانہ کے علم قدیم میں تغیر واقع نہیں ہوتا۔ اور آپ کے قول (پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بناتے ہیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ماں باپ اس کی پہلی فطرت کو جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے بدل دیتے ہیں۔ اور نیز آپ نے مواشی کی اولاد سے تشبیہ و تمثیل بیان فرمائی ہے۔ کہ جس طرح وہ صحیح و سالم پیدا ہوتی ہے۔ پھر پیدا ہونے کے بعد لوگ اسکے کان۔ دم وغیرہ کاٹ ڈالتے ہیں۔ اسی طرح بنی آدم بھی فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتے ہیں۔ اور اسکے بعد پھر اس میں تغیر واقع ہوتا ہے۔ اور نیز حدیث قرآن کریم کے مطابق ہے۔ اور قرآن کریم میں اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا اور یہ آیت عام ہے۔ سب لوگ اس میں داخل ہیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ نے تمام لوگوں کو فطرت مذکورہ پر پیدا کیا ہے۔ اور نیز اللہ سبحانہ نے فطرت کو اضافت مدح کے ساتھ اپنی طرف مضاف و منسوب فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ فطرت محمودہ ہے مذمومہ نہیں۔ چنانچہ اضافت مدح و تشریف کا قاعدہ ہے۔ جیسے دین اللہ بیت اللہ۔ ناقۃ اللہ۔ روح اللہ۔ کلمۃ اللہ وغیرہ کہ اضافت سے ان چیزوں کی مدح و تشریف

مقصود ہے۔ اور اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ فطرت سے اسلام مراد ہے۔ اور نیز اللہ تعالیٰ نے
فرمایا ہے فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (تو اسے
پیغمبر تم تو ایک (خدا) کے ہوکر دین کی طرف اپنا رخ کئے رہو (یہی) خدا کی بنائی ہوئی
سرشت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے) پہلا جملہ اس بات کا قرینہ ہے کہ فطرت سے
اسلام مراد ہے۔ اور نیز فطرت سے اسلام ارادہ کرنا سلف صالحین کی تفسیر ہے۔ ابن جریر
کا قول ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد تم اپنے آپ کو اس طرف متوجہ کرو جس طرف
اللہ نے تم کو متوجہ کیا یعنی اللہ کی طاعت بجالاؤ کہ اس نے دین اور طاعت پر پیدا کیا ہے حنیف
کا معنی ہے کہ اللہ کے دین اور طاعت پر مستقیم رہو فطرۃ اللہ سے اللہ سبحانہ کی وہ صنعت مراد
ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اور جیسے ہم نے بیان کیا ہے اہل تفسیر اسی کے
موافق بیان کرتے ہیں۔ پھر ابن زید سے روایت کیا ہے کہ فطرت اللہ سے اسلام مراد
ہے جب سے اللہ نے اولاد آدم کو ان کی پیٹھ سے پیدا کیا ہے سب اسلام کا اقرار کرتے ہیں اور مجاہد سے مروی ہے کہ فطرۃ اللہ سے دین اسلام
مراد ہے پھر یزید بن ابی مریم سے روایت کیا ہے کہ عمرؓ نے معاذ بن جبل سے کہا کہ اے معاذ اس امت کی نجات کی مدار کن چیزوں
پر ہے معاذ نے جواب دیا کہ تین چیزیں ہیں جب نجات ہے اول اخلاص اور یہی فطرت ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے
دوسری نماز اور یہ دین کی جزو اعظم ہے تیسری طاعت اور یہی عصمت کا سبب ہے۔ اس پر
عمرؓ نے فرمایا اے معاذ تو نے ٹھیک بیان کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول لَا تَبْدِيْلَ
لِخَلْقِ اللّٰهِ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے دین کے لئے تبدیلی نہیں اس میں بندوں کو اپنی طرف
سے تغییر و تبدل نہیں کرنا چاہئے۔ ابن ابی نجیح نے لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کی تفسیر کے متعلق
مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے دین کے لئے تبدیلی نہیں۔ اور نیز ذکر کیا ہے کہ
مجاہد نے اس جملہ کا مطلب پوچھنے کی غرض سے عکرمہ کے پاس آدمی بھیجا۔ عکرمہ نے جواب
دیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جانوروں کو خصی نہیں کرنا چاہئے۔ اس پر مجاہد نے کہا کہ عکرمہ سے
غلطی ہوئی ہے۔ یہاں خلق اللہ سے دین اللہ مراد ہے پھر استشہاد کے طور پر پڑھا لَا تَبْدِيْلَ
لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ۔ اور عکرمہ سے مروی ہے کہ خلق اللہ سے اللہ کا دین مراد
ہے۔ اور سعید بن جبیر ضحاک۔ ابراہیم نخعی اور ابن زید کا یہی قول ہے۔ اور ابن زید ابن عباسؓ
عکرمہ اور مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کا یہ مطلب ہے کہ جانوروں کو خصی
نہیں کرنا چاہئے۔ اور ان دونوں قول میں کوئی منافات نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۔ اور ان
کو ضرور سمجھاؤں گا تو جانوروں کے کان (بھی) ضرور چیرا کریں گے اور ان کو سمجھاؤں گا تو وہ اللہ کی بنائی
ہوئی صورتوں کو (بھی) ضرور بدلا کریں گے کیونکہ اس دین کا بدلنا حسن پیدائش کے بدلنے کے برابر ہے
گویا اس کی پیدائش کو بدلنا ہے۔ اور خصی کرنا اور چوپایوں کے کان کاٹنا یہ بھی اسکی پیدائش کی
تبدیلی ہے۔ اور اسی واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک کو دوسرے سے تشبیہ و تمثیل دیکر
بیان فرمایا۔ غرض لوگ اپنے دین میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں۔ اور جانوروں کی خلقت میں تبدیلی
کی جاتی ہے۔ پس آدمیوں میں روحانی تبدیلی ہے اور جانوروں میں جسمانی ؏

فصل۔ اور جب فرقہ قدریہ اپنے مذہب پر اس حدیث سے استدلال کرنے لگے۔ اور لوگوں نے
اس حدیث کے متعلق کئی ایک ایسی تاویلیں نکالیں کہ جن سے حدیث کو اپنے معنی سے خارج کر دیا
قدریہ کہتے ہیں کہ ہر ایک بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کسی شخص کو گمراہ نہیں کرتا بلکہ
بچے کے ماں باپ اس کو گمراہ کرتے ہیں۔ اور اہل سنت ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ تم حدیث کے
اول اور آخر دونوں کے قائل نہیں۔ اول کے اسلئے قائل نہیں۔ کہ تمہارے نزدیک کوئی شخص اسلام
پر پیدا نہیں ہوا۔ اور تمہارے زعم میں اللہ تعالے نے کسی کو مسلمان یا کافر نہیں بنایا۔ بلکہ تمہارے
خیال میں کفر و اسلام کے مخترع اور موجد خود بندے ہیں۔ کسی نے اپنے لئے کفر پیدا کر لیا۔ اور کسی
نے اسلام ایجاد کیا۔ کفر و اسلام اللہ خالق کے مخلوق نہیں۔ اللہ تعالے کا اتنا کام ہے کہ اس نے
دونوں کو اسلام کی طرف مدعو فرمایا۔ اور انکے شبہات کو دفع کیا۔ اور دونوں کو یکساں قدرت عطا فرمائی
اور سب لوگ کفر و اسلام ضدین کے قابل اور صالح ہیں۔ اور تمہارے نزدیک یہ درست نہیں۔ کہ
اللہ تعالے مومن کو اپنی خاص توفیق بخشے۔ اور قبول ایمان پر اس کی اعانت فرمائے۔ جس سے وہ
ایمان اختیار کرے۔ کیونکہ تمہارے زعم میں ایسا کرنے پر اللہ تعالے قادر نہیں۔ اور اگر اللہ تعالے
اس پر قادر ہو۔ تو پھر کافر کے ساتھ ویسا معاملہ نہ کرنا ظلم ہے۔ اکثر قدریہ کا یہی قول ہے۔ اور ان
میں سے ابو الحسین کا یہ قول ہے۔ کہ حق تعالے مومن کو ایمان کے دواعی اور اسباب کے ساتھ
مخصوص کرتا ہے اور دواعی اور قدرت کے وقت ایمان کا وجود ضروری ہو جاتا ہے۔ اور یہ
درحقیقت اہل سنت کے قول کے موافق ہے۔ اور اہل سنت قدریہ کو یہ بھی الزام دیتے ہیں کہ
تم اس بات کے قائل ہو۔ قبول ایمان بدون نظر و فکر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور نظر و فکر کا وجود عقل
پر موقوف ہے اور تمہارے نزدیک اللہ سبحانہ کی معرفت کا ضروری اور بدیہی طور پر حاصل ہونا یا

اللہ تعالیٰ نے کہ اس کو پیدا کر دینا محال ہے۔ اور حدیث کے آخر سے کہ تم اسلئے قائل نہیں کہ بچے کو یہودی یا نصرانی بنانا والدین کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ اور تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ بچہ بڑا ہو کر یہودیت یا نصرانیت کو خود پیدا کرتا ہے۔ اور اس کے ماں باپ کو یہ قدرت نہیں کہ وہ یہودیت یا نصرانیت کو اس میں پیدا کر سکیں۔ اور نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا کَانُوْا عَامِلِیْنَ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا انجام اللہ کو معلوم ہے کہ وہ فطرت پر پیدا ہونے کے بعد کس بات کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اسی اصلی فطرت پر قائم اور ثابت رہتے اور مومنین میں داخل ہوتے ہیں یا اس فطرت کو متغیر و متبدل کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ مخلوق کے خلقت اور انجام کا اللہ سبحانہ کو پہلے سے علم حاصل ہے اور غالی قدریہ اس کے منکر ہیں۔ اور اسی انکار کی وجہ سے سلف نے انکی تکفیر پر اتفاق کیا ہے۔ غرض حدیث کے جن الفاظ سے تم نے اپنے باطل دعوے پر استدلال قائم کیا تھا وہ الفاظ تمہارے موافق نہیں بلکہ تمہارے مخالف ہیں۔ اور غیر اللہ کو اس بات کی قدرت نہیں۔ کہ وہ کسی کے دل میں ہدایت یا گمراہی پیدا کر سکے۔ بلکہ یہ کام صرف اللہ سبحانہ کے اختیار میں ہے۔ اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ والدین بچے کی گمراہی کے باعث اور سبب ہو جاتے ہیں۔ کہ وہ اس کو اپنے مذہب کی طرف ترغیب دیتے اور اسکی تعلیم و تلقین کرتے ہیں۔ اور خاص والدین کو اسلئے ذکر کیا ہے۔ کہ اکثر والدین ہی اس بات کے سبب ہوتے ہیں ورنہ اس میں حصر نہیں۔ بلکہ کبھی والدین کے سوا کوئی دوسرا شخص بچے کے گمراہ ہونے کا سبب ہو جاتا ہے۔ اور کبھی والدین میں سے ایک ہی اسکو بدمذہب بنا دیتا ہے +

فصل۔ ابو عمر بن عبد البر کہتے ہیں۔ کہ اس حدیث میں جو فطرت مذکور ہے اسکے متعلق اہل علم کا بہت کچھ اختلاف ہے۔ اور اسی طرح اطفال اور انکے دنیا اور آخرت کے حکم کی نسبت بھی اختلاف واقع ہے۔ ابن مبارک سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ حدیث کا آخری جملہ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا کَانُوْا عَامِلِیْنَ اس کی تفسیر ہے۔ ابو عبیدہ نے ابن مبارک سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ اسکے علاوہ اور کچھ نہیں کہا۔ اور محمد بن حسن سے کسی نے اس حدیث کا مطلب پوچھا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ قول اس وقت فرمایا تھا کہ ابھی لوگوں کو جہاد کا حکم نہیں ہوا تھا۔ ابو عبیدہ نے ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ جیسا ابو عبیدہ نے ابن مبارک سے نقل کیا ہے۔ ایسا ہی امام سے بھی مروی ہے۔ اور ابن مبارک اور امام مالک

کے قول سے حدیث کے معنی کی توضیح اور اطفال کا پورا حکم کچھ مفہوم نہیں ہوتا۔ اتنی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اطفال کی نسبت جب تک وہ بالغ نہ ہوں اور عمل کی حد کو نہ پہنچیں کفر و ایمان جنت و نار کا کوئی قطعی حکم نہیں لگانا چاہیئے۔ بلکہ اُن کے باب میں توقف کیا جائے۔ اور جو کچھ محمد بن حسن سے نقل کیا ہے اس کی نسبت میرا خیال یوں ہے کہ محمد بن حسن نے اس مسئلہ کے جواب سے پہلو تہی کیا ہے۔ اور اس کا واقعی جواب بیان نہیں کیا۔ یا تو اس وجہ سے پہلو تہی کیا کہ یہ مسئلہ مشکل ہے۔ اس کا جواب سائل کی سمجھ میں نہیں آئیگا۔ یا اس مسئلے کا جواب اُن کو معلوم نہ ہوگا۔ کسی اور وجہ سے اس کے جواب سے پہلو تہی کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور محمد بن حسن کا یہ قول کہ یہ حدیث نبی صلعم نے جہاد کے حکم سے پہلے فرمائی تھی۔ اس کا کچھ مطلب معلوم نہیں ہوتا۔ اگر اس سے محمد بن حسن کا یہ مطلب ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ تو یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اہل علم کے نزدیک اللہ سبحانہ اور رسول صلعم کے اخبار میں نسخ جاری نہیں ہو سکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ کہ جب کوئی شخص کسی گذشتہ یا آئندہ کی نسبت کوئی خبر دے اور پھر اُس خبر سے رجوع کرے۔ تو اس کا رجوع کرنا دو باتوں سے خالی نہیں یا وہ اپنے آپ کی تکذیب کرتا ہے یا خبر دینے میں اُس سے غلطی ہوگئی تھی یا پہلی خبر اُس کو بھول گئی تھی۔ اور اللہ سبحانہ ان سب باتوں سے پاک اور اس کا رسول ان سے معصوم ہے۔ اور یہ بات کسی اہل علم پر مخفی نہیں۔ اور نہ اس میں کسی کا خلاف ہے۔ اور اگر کچھ اور مطلب ہے تو وہ ظاہر نہیں اور محمد بن حسن کا یہ قول کہ یہ حدیث نبی صلعم نے جہاد کے حکم سے پہلے فرمائی تھی۔ یہ بجائے خود غلط ہے چنانچہ اسود بن سریع کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے امر بالجہاد کے بعد یہ حدیث فرمائی تھی۔ پھر ابو عمر نے سند کے ساتھ حسن سے اُس نے اسود بن سریع سے حدیث روایت کی ہے اسود کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُن لوگوں کو کیا ہوا کہ کفار کے بچے بھی مار ڈالے۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم میں جو بہتر لوگ ہیں کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں۔ ہر ایک بچہ فطرت (اسلام) ہی پر پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ (سمجھ بوجھ کر) کلام کرنے لگے۔ اور اُس کے والدین اُس کو یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔ ابو عمر کا قول ہے کہ اس حدیث کو حسن سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں سے ابو بکر مزنی۔ علاء بن زیاد اور سری بن یحیی وغیرہ لوگ ہیں۔ اور یہ حدیث بروایت احنف بھی اسود بن سریع سے مروی ہے۔ اور یہ حدیث بصری اور صحیح ہے۔ اور عوف اعرابی نے سمرہ بن جندب سے روایت کیا ہے۔ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہر ایک بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا

یا رسول اللہ مشرکین کی اولاد بھی فطرت پر پیدا ہوتی ہے آپ نے فرمایا کہ مشرکین کی اولاد بھی فطرت پر پیدا ہوتی ہے ہمارے استاذ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ جو کہ امام مالک اور ابن مبارک سے یہ کچھ نقل کیا ہے اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث کا آخری جملہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ کے علم سابق میں یہ بات ثابت ہے کہ اطفال بڑے ہو کر کیا عمل کرینگے۔ ان میں سے کون شخص ایمان لا کر جنت میں داخل ہو گا۔ اور کون کفر اختیار کر کے دوزخ میں جائیگا۔ پس قدریہ کا تقدیر کی نفی پر اس جملہ (کہ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے) سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ اور نیز اس بات پر استدلال کرنا درست نہیں۔ کہ کفار کے بچے بہشت میں داخل ہونگے۔ کیونکہ وہ فطرت پر پیدا ہوئے ہیں۔ امام مالک اور ابن مبارک کا مطلب یہ ہے کہ اطفال مشرکین کا وہ حکم ہے جو آخر حدیث سے سمجھا جاتا ہے۔ اور محمد بن حسن کے قول کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے۔ کہ محمد بن حسن نے جب یوں سمجھا۔ کہ شریعت کا یہ اصول ہے کہ یہودی اور نصرانی کی اولاد دنیا کے احکام کے لحاظ سے دین میں ماں باپ کے تابع ہوتی ہے اور اس پر کفار کے سب احکام جاری ہوتے ہیں۔ مثلاً اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھا جاتا اور نہ اس کو مسلمانوں کے گورستان میں دفن کیا جاتا ہے۔ اور مسلمان اس کے وارث نہیں ہوتے۔ اور انکو غلام بنا لینا درست ہے۔ تو محمد بن حسن نے یوں کہا کہ کوئی شخص اس حدیث سے اس مسئلہ پر استدلال قائم نہیں کر سکتا کہ دنیا کے احکام کے لحاظ سے اطفال جب تک بالغ نہ ہوں مومنین کے حکم میں ہیں اور محمد بن حسن کا یہ فہم بالکل صحیح ہے۔ لیکن اُن سے یہ غلطی ہوئی۔ کہ وہ سمجھے کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ دنیا کے احکام میں اطفال کیلئے مومنین کا حکم ہے اسلئے محمد بن حسن نے کہا کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور جہاد سے پہلے کا یہ حکم ہے۔ کیونکہ جہاد سے کفار کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لینا درست ہے اور مومن کو غلام بنانا درست نہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ جہاد کے حکم نے اس حدیث کو منسوخ کر دیا حالانکہ اس حدیث میں اطفال کے دنیاوی احکام کو بیان کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ صرف اس فطرت کو بیان کرنا مقصود ہے جس پر بچہ پیدا ہوتا ہے۔

فصل۔ اس مقام میں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ ان الفاظ سے جو روایات حدیث میں وارد ہیں مثلاً ہر ایک بچہ فطرت پر یا اسلام پر یا اس ملت پر پیدا ہوتا ہے یا ہر ایک بچہ حنیف (موحد) پیدا کیا گیا ہے یہ نہ سمجھنا چاہئے۔ کہ بچے کو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہی اس ملت کا علم حاصل ہوتا۔ اور وہ اپنے ارادہ سے اس پر قائم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں کسی چیز کا علم حاصل نہیں ہوتا۔

- - - - - - - - - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ
مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا (اور (لوگو!) اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے
نکالا (اور) اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے) بلکہ ان الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ اس کی فطرت دین اسلام
کی موجب اور مقتضی ہے۔ یعنی اسکے قرب اور محبت کو چاہتی ہے۔ غرض نفس فطرت اپنے خالق
کے اقرار۔ اسکی محبت اور اسکی اطاعت میں اخلاص کو مقتضی اور مستلزم ہے۔ اور فطرت کے لوازم
اور مقتضیات بشرطیکہ مخالف اور معارض چیزوں سے محفوظ رہے۔ اس کے کمال کے موافق
بالتدریج پیدا ہوتے ہیں۔ اور نیز یہ مطلب نہیں ہے کہ بچے کی فطرت میں قبول اسلام کی محض قابلیت
ہوتی ہے اور یہ قابلیت یہودی اور نصرانی بنانے سے زائل ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ
یہ قابلیت خود اسلام یا ملت یا حنیفیت نہیں۔ اور نیز یہ کہ تغیر فطرت کو صحیح سالم جانور کے کان کاٹنے
سے تشبیہ دیا گیا ہے اور ظاہر ہے۔ کہ آدمی جانور کی صفت قابلیت کو نہیں بدلتے۔ اور اگر بچے
کی قابلیت متغیر اور زائل ہو جائے تو پھر رسول بھیجنے اور کتابیں نازل کرنے سے اس پر حجت
قائم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر ایک بچہ اپنے خالق کی محبت۔ اسکی ربوبیت کے اقرار۔
اور اس کے سامنے اپنی عبودیت کے اعتراف پر پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس کو کوئی مخالف اور معارض
پیش نہ آئے۔ تو وہ اسی حالت پر ثابت اور قائم رہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح بندے کو
فطرۃً ان چیزوں کے کھانے پینے کی محبت ہے جو اس کے بدن کیلئے مفید اور مناسب ہیں۔
مثلاً دودھ جو اس کے بدن کے لئے مناسب غذا ہے اس کو طبعاً مرغوب ہے۔ اسی طرح اپنے
خالق کی محبت۔ اسکی ربوبیت کا اقرار اس کے خلقی امر ہیں۔ اور یہ مضمون اللہ تعالیٰ کے اس
قول رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر مخلوق
کو اس کی (خاص طرح کی) بناوٹ عطا فرمائی پھر اس کو راہ دکھائی) اور اللہ تعالیٰ کے قول اَلَّذِيْ
خَلَقَ فَسَوّٰى وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى (جس نے (تمام مخلوقات کو) بنایا اور (بہت) درست
بنایا اور جس نے (ہر ایک چیز کی غرض و غایت کا) اندازہ کیا اور (اس کو اسی) رستہ لگا دیا) سے
مستفاد ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ نے حیوانات کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ ہر ایک کو اپنے منافع حاصل
کرنے اور مضر چیزوں کے دفع کرنے کی راہیں سوجھا دی ہیں۔ اور مفید اور نافع چیزوں کی محبت
اور مضر اور موذی چیزوں سے نفرت اور عداوت حاجت کے موافق تدریجاً اس میں پیدا ہوتی
رہتی ہیں۔ پھر جس طرح کہ کبھی بدنوں کو ایسے عوارض پیش آجاتے ہیں۔ کہ انکی فطرت سلیمہ اور عادت

صحیح کو فاسد اور خراب کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بعض نفوس کو وہ موانع پیش آ جاتے ہیں۔ کہ وہ اصلی فطرت کو بگاڑ دیتے ہیں۔ اور اسی واسطے کہ جس طرح دودھ فطرۃً مرغوب ہے۔ اسی طرح معرفت خالق تعالیٰ محبوب ہے۔ فطرت کو دودھ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خواب میں دودھ نوش فرمانے کو قبول فطرت کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ اور جب شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دودھ اور شراب پیش کئے گئے تو آپ نے دودھ کو لے لیا (اور شراب کو چھوڑ دیا) اس پر یوں کہا گیا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے اور اگر آپ شراب کو پیتے تو آپ کی اُمت گمراہ ہو جاتی۔ جس طرح کہ دودھ کو بدن سے ایک خاص مناسبت ہے اور جس قدر وہ بدن کے لئے سب چیزوں سے زیادہ مفید ہے۔ اسی طرح فطرت کو قلب کے ساتھ ایک خاص مناسبت اور اس کی درستی فطرت کے سوا کسی چیز سے حاصل نہیں ہو سکتی ؛

فصل ابن عبد البر کہتے ہیں ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ اس حدیث میں فطرت سے وہ خلقت مراد ہے جس پر بچہ پیدا کیا گیا ہے۔ کہ اُس کو اپنے رب کی معرفت حاصل ہو۔ انکے قول کا مطلب یہ ہے کہ بچہ ایسی خلقت پر پیدا کیا جاتا ہے کہ جس کے سبب (جب وہ معرفت کے درجہ کو پہنچتا ہے تو) اپنے رب کو پہچان لیتا ہے۔ یعنی اُس کی خلقت اُن بہائم کی خلقت کے مخالف بنائی گئی ہے جو اپنی خلقت سے اپنے رب کی معرفت کو نہیں پہنچتے۔ اور فاطر بمعنی خالق ہے۔ اور یہ لوگ بچے کے ایمان یا کفر پر پیدا ہونے کے منکر ہیں۔ ہمارے استاذ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اگر فطرت سے قدرت علی المعرفۃ ارادہ کرتے ہیں تو یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ محض قدرت علی المعرفۃ اس امر کی مقتضی نہیں کہ مولود حنیف اور قائم علی الملت ہو اور نیز جب ایسے شخص کی نسبت سوال کیا جائے جو بچپن میں مر جائے تو اُس کے ماں باپ کے اُس کی فطرت کو بدل دینے کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ اور نیز بڑے میں بہ نسبت چھوٹے کے قدرت زیادہ ہوتی ہے۔ اور جب کہ آنحضرت صلعم نے صحابہ کو بچوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ مشرکین کی اولاد ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم میں جو بہتر لوگ ہیں کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں ہر ایک بچہ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر قدرت مراد ہو تو قدرت کفار بالغین کو بھی حاصل ہے باوجودیکہ وہ مشرک اور مستحق قتل ہیں۔ اور اگر فطرت سے قدرت علی المعرفۃ اور اس کا ارادہ مراد ہے تو قاعدہ ہے کہ قدرت مع الارادہ مراد اور مقدور کے وجود کو مستلزم ہے۔ اور انکے قول کا یہ مطلب ہوا کہ وہ قدرت علی المعرفت اور اُس کے ارادہ پر پیدا کئے گئے ہیں۔ اور یہ ایمان کو مستلزم ہے ؛

فصل ۔ ابو عمر کہتے ہیں۔ ایک دوسری جماعت کا یہ قول ہے کہ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ کا یہ
مطلب ہے کہ ہر ایک بچہ اُس پیدائش پر ہوتا ہے جس کے لئے خالق نے اُسے پیدا کیا ہے۔
یعنی اُس فطرت پر پیدا ہوتا ہے جس کے لئے خالق نے اُسے بنایا ہے کہ وہ بلوغ کو پہنچکر زندہ رہیگا
یا پہلے ہی سے مر جائیگا اور جوان ہونے کے بعد سعید ہوگا یا شقی۔ سعادت اور شقاوت میں سے
کس بات کو اختیار کریگا۔ اور فطرت سے ایمان و اعتقاد مراد نہیں۔ کلام عرب میں فطرت بمعنے
بداءت ہے اور یہ لوگ اللہ تعالٰے کے قول کَمَا بَدَاَکُمْ تَعُوْدُوْنَ فَرِیْقًا ھَدٰی وَفَرِیْقًا
حَقَّ عَلَیْھِمُ الضَّلٰلَۃُ (جس طرح تم کو پہلے (پیدا) کیا تھا (اسی طرح قیامت کے دن تم (دوبارہ
بھی (پیدا) ہوگے (اسی نے) ایک فریق کو ہدایت دی اور ایک فریق ہے کہ گمراہی اُن کے
سر پر سوار ہے) اور ابن عباس سے باسناد مروی ہے کہ مجھے فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
کے معنے معلوم نہ تھے یہاں تک کہ ایک دن دو اعرابی ایک کنوئیں کے متعلق مقدمہ لائے۔ تو ان
میں سے ایک نے کہا اَنَا فَطَرْتُھَا (اُسکو ابتداءً میں نے بنایا ہے) اور نیز حضرت علی رضہ
کی دعا اَللّٰھُمَّ جَبَّارَ الْقُلُوْبِ عَلٰی فِطْرَتِھَا شَقِیِّھَا وَسَعِیْدِھَا (اے اللہ شقی اور سعید
قلوب کو انکی فطرت پر درست کرنے والے) سے استشہاد کرتے ہیں ہمارے استاد فرماتے
ہیں کہ انکے قول کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک بچہ اُس حالت پر پیدا ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالٰے کے
علم سابق میں ثابت ہے کہ اس کا مآل اور انجام کس طرح ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اس بات میں
سب مخلوقات یکساں ہے۔ تمیع بہائم اور اشجار اُسی حالت پر مخلوق ہیں جو اللہ سبحانہ کے
علم سابق میں ثابت ہے۔ پس اس معنے کے مطابق لازم آتا ہے کہ تمام مخلوق فطرت پر پیدا کی
گئی ہے۔ اور نیز اگر یہ معنی مراد ہوں تو آپ کے قول (پھر اُس کے ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی
یا مجوسی بناتے ہیں) کا کچھ مطلب نہ ہوگا کیونکہ انہوں نے اُس کے ساتھ وہی کام کیا ہے۔ جو اُس
کی فطرت ہے اور جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس صورت میں یہودی۔ نصرانی بنانے
یا اسلام کی تعلیم تلقین کرنے یا اور کسی صنعت و حرفت کی تعلیم کرنے میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ کیونکہ
یہ سب اللہ سبحانہ کے علم سابق کے مطابق ہیں۔ اور نیز مواشی کی اولاد کے ساتھ آپ کے تشبیہ دینے
سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کافر والدین اُس حالت کو بدل دیتے ہیں۔ جس پر بچہ پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ
مواشی کے بچے صحیح و سالم پیدا ہوتے ہیں۔ پھر انکی خلقت و شکل کو آدمی بدل دیتے ہیں۔ اور نیز آپ
کا قول کہ ہر ایک بچہ اس ملت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ اور میں نے اپنے بندوں کو حنیف (موحد)

پیدا کیا ہے اس کے مخالف ہے۔ اور نیز اس صورت میں انسان کی ولادت اور دوسرے حالات میں کوئی فرق نہیں۔ نطفے کے ٹھیرنے کے وقت سے آخر عمر تک جتنے حالات گذرتے ہیں سب اللہ سبحانہ کے علم سابق کے مطابق ہیں۔ پس ولادت کی حالت کو اس بات کے ساتھ خاص کرنا کہ وہ تقدیر اور اللہ تعالےٰ کے علم سابق کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کی کوئی وجہ نہیں۔ اور حدیث صحیح میں ثابت ہے کہ جب بچے میں روح پھونکی جاتی ہے۔ تو اسی وقت سے اس کا رزق عمر عمل۔ اور یہ کہ وہ سعید ہوگا یا شقی سب کچھ لکھدیا جاتا ہے۔ پس اس بناء پر حدیث کے الفاظ اگر اس طرح ہوتے کہ ہر ایک بچہ میں فطرت پر روح پھونکی جاتی ہے۔ تو اس کے مناسب ہوتے۔ اسکے علاوہ نفخ روح بھی کتابت رزق۔ عمر وغیرہ کے بعد واقع ہوتا ہے۔

فصل ابو عمر کہتے ہیں محمد بن نصر مروزی کا قول ہے کہ یہ مذہب اس قول کے موافق ہے۔ جس کو ابو عبید نے ابن مبارک سے نقل کیا ہے۔ کہ ان سے کسی نے اس حدیث کا مطلب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ اس حدیث کا آخری جملہ اسکی تفسیر کرتا ہے۔ مروزی کا قول ہے کہ احمد بن حنبل کا بھی پہلے یہی مذہب تھا پھر انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ ابو عمر کہتے ہیں کہ امام مالک نے جو کچھ موطا میں لکھا ہے۔ اور ابواب قدر میں جس قدر آثار ذکر کئے ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس مسئلہ میں ان کا مذہب بھی یہی تھا۔ ہمارے استاذ فرماتے ہیں۔ کہ ان پیشوایان سنت کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کا خاتمہ اور انجام اسی حالت پر ہوتا ہے جو پہلے سے اللہ سبحانہ کے علم میں ثابت ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ کے علم میں ایمان ہے تو ایمان پر خاتمہ ہوگا اور کفر ہے تو کفر پر مریگا چنانچہ دوسری حدیث میں ہے کہ وہ لڑکا جس کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا۔ وہ کافر ہی پیدا کیا گیا تھا۔ یعنی پیدائش کے وقت اس کے حق میں یہ مقدر ہوا تھا کہ وہ بڑا ہو کر کفر کریگا۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں موجود ہے کہ آدمی جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ تو اس وقت اس کا رزق عمر عمل اور یہ کہ سعید ہوگا یا شقی سب کچھ لکھدیا جاتا ہے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جس کے حق میں یہ لکھا گیا ہے کہ وہ بڑا ہو کر کفر کریگا تو وہ پیدائش کے وقت بھی کافر ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ بڑا ہو کر کفر اختیار کریگا۔ اور یہی کفر اس کی فطرت کی تبدیلی ہے جس کو ماں باپ کیطرف نسبت کیا گیا ہے جس طرح کہ مواشی کا بچہ جو صحیح و سالم پیدا ہوا اور اس کی نسبت اللہ تعالےٰ کے علم میں ثابت تھا۔ کہ اس کے کان کاٹے جائینگے۔ تو یہ ضروری نہیں کہ پیدا ہوتے ہی اسکے کان کاٹے ہوئے ہوں بلکہ ولادت کے بعد اس کے کان کاٹے جائینگے۔

فصل - امام احمد کا وہ کلام جو اور لوگوں کے سوالات کے جواب میں کہا ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انکے نزدیک اس حدیث میں فطرت یعنے اسلام ہے چنانچہ محمد بن نصر نے اُن سے نقل کیا ہے کہ ان کا آخری قول یہی ہے کیونکہ امام فرماتے تھے کہ کفار اہل حرب کے لڑکے اگر والدین کے بدوں قید کئے جائیں - تو وہ مسلمان ہیں - اور اگر والدین کے ساتھ ہوں - تو وہ انکے دین پر ہونگے - اور اگر والدین میں سے ایک کے ساتھ ہوں - تو اس صورت میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں یعنی ایک روایت میں ہے کہ مسلمان شمار ہونگے اور دوسری میں ہے کہ کافر سمجھے جائینگے - اور امام احمد اس مسئلہ پر اس حدیث سے استدلال کرتے تھے - خلال نے اپنی جامع میں کہا ہے - ہم سے ابو بکر مروزی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں - ہم سے عبداللہ نے بیان کیا کہ کفار میں سے جو لوگ قید کئے جائیں اُن میں جو چھوٹے بچے ہوں وہ مسلمان شمار ہونگے - اگرچہ والدین میں سے ایک کے ساتھ قید کئے جائیں - اور عبداللہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے قول (پھر ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں) سے استدلال کرتے تھے - عبداللہ کہتے ہیں کہ اہل الثغور یہی کہتے ہیں - کہ اگر کفار کا لڑکا ماں باپ دونوں کے ساتھ ہو تو وہ اسکو اسلام پر مجبور کرینگے - اور ہم انکی اس بات کو پسند نہیں کرتے - کیونکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے - کہ ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں - خلال نے کہا ہے ہم سے عبدالملک میمونی نے بیان کیا ہے - کہا کہ میں نے ابو عبداللہ یعنی امام احمد سے اُنکے محبوس ہونے سے پہلے کفار کے اُس بچے کی نسبت پوچھا جو ملک روم سے یہاں لایا جائے - اور اُس کے ماں باپ اُس کے ساتھ نہ ہوں - تو اُنہوں نے جواب دیا کہ اگر وہ مر جائے تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ اُس پر نماز جنازہ پڑھیں - میں نے پوچھا کیا اس کو اسلام پر مجبور کیا جائے - تو اُنہوں نے جواب دیا کہ جب چھوٹے بچے ہوں - تو اُن پر نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے - اس کو اسلام پر مجبور کیا جائے - میں نے پوچھا اگر اس کے ساتھ ماں باپ دونو یا اُن میں سے ایک مقید ہو - اُنہوں نے جواب دیا کہ اس صورت میں اس کو اسلام پر مجبور نہیں کرنا چاہیئے - اور وہ اپنے والدین کے دین پر ہوگا - میں نے پوچھا کہ اس مسئلہ میں آپ کے پاس کیا دلیل ہے - کیا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کہ ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے - یہاں تک کہ اُس کے ماں باپ الخ اُنہوں نے جواب دیا ہاں یہی دلیل ہے - اور عمر بن عبدالعزیز نے ایسے بچے کا فدیہ دے دیا - اور اسکو ملک روم کی طرف واپس نہ کیا - اور وہ کفار کے حکم میں رہے میں نے کہا کیا حدیث میں ہے - کہ اُس کے ساتھ

اُس کے ماں باپ ہوں۔ اُنہوں نے کہا نہیں۔ اور مناسب یہی ہے۔ کہ اس کے ماں باپ اس کے ساتھ ہوں۔ خلال کہتے ہیں میمونی نے جو روایت کیا ہے۔ وہ یہ کہ ابو عبداللہ کیا فرماتے ہیں اسحاق بن منصور نے نقل کیا ہے کہ ابو عبداللہ فرماتے تھے کہ جب کفار کے بچے کے ساتھ اس کے ماں باپ نہوں تو وہ مسلمان ہے۔ میں نے کہا کہ جب اس کے ساتھ ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک ہو تو اسکو اسلام پر مجبور کریں انہوں نے کہا ہاں اس صورت میں مجبور نہ کرنا چاہیئے۔ خلال کہتے ہیں اس مسئلہ کو ابو عبداللہ سے بہت سے لوگوں نے روایت کیا ہے۔ سب یہی کہتے ہیں۔ کہ کفار کا بچہ والدین میں سے جب ایک کے ساتھ قید ہو کر آیا ہے۔ تو وہ مسلمان ہے۔ اور ان لوگوں نے اس مسئلہ کو ابو عبداللہ سے اُنکے محبوس ہونے کے بعد اور بعض نے قبل اور بعد دونو حالتوں میں سنا ہے۔ اور میرا مذہب وہی ہے جس کو جماعت نے روایت کیا ہے۔ خلال کہتے ہیں۔ ہم سے ابو بکر مروزی۔ نے بیان کیا ہے کہ میں نے ابو عبداللہ سے کہا کہ میں واسط میں تھا۔ وہاں کے لوگوں نے مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک کافر مرد اور اسکی عورت دونو فوت ہو جائیں اور وہ دو صغیر السن بچے چھوڑ جائیں اور ایک ان کا چچا یعنی متوفی کا بھائی بھی موجود ہے۔ تو اس صورت میں وہ بچے مسلمان شمار ہونگے۔ یا کافر بتلاؤ تم اس مسئلے میں کیا کہتے ہو۔ لوگوں نے یہ مسئلہ دریافت کرنے کے لئے بصرہ کو خط لکھا اور کہا کہ میں اس مسئلہ میں اپنی رائے سے کچھ کہنا پسند نہیں کرتا مجھے مہلت دو تاکہ میں سوچ سمجھ لوں۔ شاید ان کے بارے میں سلف کا قول موجود ہو پھر ایک مہینے کے بعد دوبارہ میں نے اُن سے دریافت کیا تو اُنہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس مسئلہ میں غور کیا ہے۔ غور کے بعد مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بچے کے ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ اور ان کے ماں باپ موجود نہیں۔ میں نے کہا ان کو اسلام پر مجبور کیا جائیگا۔ اُنہوں نے جواب دیا بیشک نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کے مطابق یہ مسلمان ہیں۔ اور یعقوب بن بختان نے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ابو عبداللہ نے فرمایا ہے کہ جب ذمی لڑکے کے والدین اس کی صغر سنی میں فوت ہو جائیں تو وہ اسلام پر مجبور کیا جائے۔ اور استدلال کے طور پر اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لڑکے کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ اور عبدالکریم بن ہیثم عاقولی نے امام احمد سے ان دو مجوسیوں کی نسبت (جن کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور وہ اسکی نسبت یوں کہیں کہ یہ مسلمان ہے۔ پھر وہ بچہ پانچ سال زندہ رہ کر فوت ہو جائے) اس طرح نقل کیا ہے۔ کہ ان کا وہ بچہ مسلمان ہے۔ اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ

اس پر نماز جنازہ پڑھیں اور مسلمانوں کے گورستان میں اس کو دفن کریں۔ کیونکہ نبی صلعم نے فرمایا ہے
کہ لڑکے کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ اور اس کے ماں باپ نہیں تو یہ کہہ دیا تھا۔ کہ
یہ مسلمان ہے۔ اور عبد اللہ بن احمد رح کہتے ہیں۔ کہ میں نے اپنے باپ سے کفار کی اُس قوم کی نسبت
دریافت کیا۔ جو اپنی لڑکیوں کو مسلمانوں کے نکاح میں اس شرط پر دیتے ہیں۔ کہ جو لڑکا پیدا ہوگا۔
وہ باپ کے تابع اور مسلمان ہوگا۔ اور جو لڑکی پیدا ہوگی وہ ماں کے تابع یہودیہ یا نصرانیہ ہوگی۔ تو
انہوں نے جواب دیا کہ لڑکا ہو یا لڑکی سب کو اسلام پر مجبور کیا جائیگا۔ کیونکہ اُن کا باپ مسلمان ہے۔
اور حدیث میں ہے۔ کہ لڑکے کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں مسلمان باپ
کی سب اولاد مسلمان ہوگی۔ اس قسم کے بہت سے جواب امام احمد سے منقول ہیں۔ امام احمد
حدیث سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں۔ کہ لڑکے کے ماں باپ اگر وہ دونوں کافر ہوں۔ تب
وہ کافر شمار ہوگا۔ اور اگر اس کے ساتھ والدین کافر مقید نہ ہوں۔ اُن میں سے ایک ہو یا کوئی نہ ہو
تو وہ مسلمان شمار ہوگا پس اگر فطرت سے اسلام مراد نہ ہو تو ماں باپ کے نہ ہونے سے لڑکا مسلمان
شمار نہ ہوتا۔ حدیث کے الفاظ سے تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے
حدیث میں اسلام کا ذکر نہیں۔ پس اگر فطرت سے اسلام مراد نہ ہو تو یہ مسئلہ اس حدیث سے ثابت نہ ہوتا۔
اور میمونی نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ فطرت سے دین مراد ہے اور یہی فطرت اولیٰ ہے خلال کہتے
ہیں مجھ سے میمونی نے بیان کیا ہے۔ کہ اس نے ابو عبد اللہ سے کہا کہ اس مسئلہ کے متعلق کہ ہر ایک
بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ جب بچے کے ماں باپ موجود ہوں۔ تو
پھر اس کو مسلمان شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ تو اس پر ابو عبد اللہ نے فرمایا۔ کہ اگر بالفرض تم اس مسئلہ کو مانو
تو تم پر بھی یہ شبہ ہو سکتا ہے۔ اس پر کچھ دیر تک ہم آپس میں بحث کرتے رہے۔ آخر میں نے
ابو عبد اللہ سے کہا کہ آپ کا اس مسئلہ میں کیا قول ہے اور آپ کس دلیل سے تمسک کرتے ہیں۔ تو
انہوں نے فرمایا۔ کہ دلیل وغیرہ میں جانتا نہیں اتنا کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ مسلم ہے۔ پھر فرمایا کہ جو لوگ اس
بات کے قائل ہیں۔ کہ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس فطرت اولیٰ کے لحاظ سے کہتے
ہیں۔ جس پر لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔ میں نے کہا فطرت اولیٰ کیا چیز ہے کیا فطرت اولیٰ سے دین مراد
ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ ہاں فطرت اولیٰ سے دین ہی مراد ہے۔ اور بعض لوگ فطرت اولیٰ کہتے اور
آنحضرت کے اس قول سے کہ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے استدلال کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ
آپ کا کیا قول ہے آپ اپنا قول بیان فرمائیں تاکہ مجھے آپ کی رائے معلوم ہو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میرا

یہ قول ہے کہ ہر ایک بچہ فطرت اولیٰ پر پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے استاذ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ کا یہ جواب کہ بچہ فطرت اولیٰ پر پیدا ہوتا ہے۔ اور فطرت اولیٰ سے دین مراد ہے۔ اسی قول کے موافق ہے۔ کہ ہر ایک بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے ❊

فصل امام احمدؒ کا یہ قول کہ ہر ایک بچہ اس شقاوت یا سعادت پر پیدا ہوتا ہے جو اس کی فطرت میں لکھی گئی ہے جس کی نسبت محمد بن نصر کہتے ہیں کہ امام احمد نے پہلے اس طرح کہا تھا۔ اور پھر اس قول کو چھوڑ دیا۔ اس کا بیان یہ ہے کہ خلال کہتے ہیں مجھ سے محمد بن یحییٰ کحال نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے اس جملہ کل مولود یولد علی الفطرۃ کی نسبت پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ فطرت سے وہ فطرت مراد ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے کہ کون شقی ہوگا اور کون سعید اور فضل بن زیاد و حنبل اور ابو الحارث نے بھی ان سے ایسا ہی نقل کیا ہے کہ انہوں نے ابو عبداللہ کو یہ مسئلہ بیان فرماتے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ فطرت سے وہ فطرت مراد ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے۔ کہ فلاں شخص شقی ہوگا۔ اور فلاں شخص سعید۔ اور علی بن سعید نے بھی ان سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ کہ انہوں نے ابو عبداللہ سے کل مولود یولد علی الفطرۃ کی نسبت دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ فطرت سے شقاوت اور سعادت مراد ہے اور کہا کہ ہر ایک بچہ کا خاتمہ اس حالت پر ہوتا ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔ اور حسن بن لباب سے روی ہے کہا کہ میں نے ابو عبداللہ سے مشرکین کی اولاد کی نسبت دریافت کیا اور میں نے کہا کہ ابو بکر بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ ہر ایک بچہ فطرت پر ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں تو انکو ابو بکر کا قول کچھ پسند آیا اور فرمایا کہ مشرکین کے اطفال اس فطرت پر پیدا ہوتے ہیں جو انکی خلقت میں داخل ہے یعنی اس شقاوت یا سعادت پر ہوتے ہیں جو پہلے سے لوح محفوظ میں لکھی گئی ہے اور اس مسئلہ کی دلیل حدیث کل مولود یولد علے الفطرۃ ہے۔ امام احمدؒ کے اس قول کی نسبت ان کے بعض اصحاب یوں کہتے ہیں۔ کہ پہلے ان کا یہی قول تھا۔ بعد میں اس کو چھوڑ دیا۔ اور بعض یوں کہتے ہیں۔ کہ اس مسئلہ میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں۔ اور بعض نے ان سے تین روایتیں نقل کی ہیں۔ تیسری روایت یہ ہے۔ کہ وہ اس مسئلہ میں توقف کرتے اور کوئی رائے نہیں نکالتے تھے ❊

فصل ہمارے استاذ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اجماع اور وہ آثار جو سلف سے منقول ہیں۔ اسی قول پر دلالت کرتے ہیں۔ جس کو ہم نے راجح قرار دیا ہے۔ کہ ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور خاتمہ اور مآل ہر ایک کا اس چیز پر ہوتا ہے جو پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ثابت ہے

کہ شقی ہوگا یا سعید۔ خواتیم کے تقدیر اور علم الٰہی کے مطابق ہونے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ پیدائش
کے وقت ایسی فطرت سلیمہ پر پیدا نہ ہو جو معارض اور مخالف امور نہ ہونے کی صورت میں ایمان کی
مقتضی اور مستلزم ہو۔ اور ابن عبد البر نے سند کے ساتھ موسیٰ بن عبیدہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے
ہیں میں نے محمد بن کعب قرظی سے اللہ تعالیٰ کے قول کَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا
حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ کی تفسیر کے متعلق اس طرح سنا ہے کہ جس شخص کی خلقت کو اللہ سبحانہ نے ہدایت
پر پیدا کیا ہے اگرچہ وہ اپنی عمر میں گمراہوں کے کام کرتا ہے۔ مگر اس کا انجام اور خاتمہ ہدایت پر ہوتا
ہے۔ اور جس کی خلقت کو گمراہی پر بنایا ہے وہ اگرچہ پہلے اہل ہدایت کے اعمال کرتا ہے۔ مگر آخر کار
وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ابلیس کی خلقت کو ضلالت پر پیدا کیا۔ اور ملائکہ کے ساتھ مل کر اہل عبادت
کے کام کرتا رہا۔ مگر اس کا انجام اسی گمراہی پر ہوا۔ جس پر اس کی خلقت پیدا کی گئی تھی۔ اسی واسطے
اس کے حق میں فرمایا ہے وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ (اور نافرمانوں میں سے تھا) اور ان جادوگروں
کی پیدائش کو جو فرعون کے حکم سے موسیٰ کے مقابلے کے لئے آئے تھے اور موسیٰ کو سچا نبی سمجھ کر ان پر
ایمان لائے تھے ہدایت پر بنایا تھا۔ اگرچہ عمر بھر وہ گمراہوں کے کام میں پھنسے رہے تھے۔ مگر
آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان اور سعادت کی طرف راہ نمائی فرمائی۔ اور ایمان و ہدایت پر
ان کا خاتمہ ہوا۔ یہ قول جو محمد بن کعب سے منقول ہوا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چیز جس پر
اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ابتداء پیدا کیا ہے حق تعالیٰ کی وہ نوشت ہے جس پر ان کا خاتمہ ہوگا۔ اور کبھی
ایسا بھی ہوگا کہ خاتمہ اور انجام سے پہلے بعض بندوں سے اس نوشت کے مخالف اعمال صادر
ہوں گے۔ اور جس شخص کی پیدائش گمراہی پر ہے یعنی اس کے حق میں لکھا گیا ہے کہ وہ گمراہ ہو کر مرے گا
کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ گمراہی سے پہلے اہل ہدایت کے کام کرتا ہے۔ اور اس وقت ہم یہ کہتے
ہیں۔ کہ بچے کا اس فطرت سلیمہ پر پیدا ہونا جو ایمان کی مقتضی ہو اس قول کے مخالف و معارض نہیں
کیونکہ فطرت سلیمہ کو ایسے امور پیش آ جاتے ہیں جو ان کو اس طرف لگا دیتے ہیں۔ جس پر تقدیر میں اس
کا خاتمہ لکھا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ تم میں بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو ہمیشہ اہل جنت
کے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا
ہے پھر ان پر انکی نوشت غالب آ جاتی ہے۔ اور وہ اہل دوزخ کا کام کر کے دوزخ میں داخل ہو
جاتے ہیں۔ اور بعضے ایسے ہیں جو ہمیشہ اہل دوزخ کے کام کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک ان کے اور
دوزخ کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پھر ان پر نوشت غالب آ جاتی ہے۔ اور وہ

اہل جنت کا کام کر کے جنت میں چلے جاتے ہیں اور جملہ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ کی تفسیر کے متعلق سعید بن جبیر کا قول ہے کہ تمہارا انجام وہی ہوگا جو پہلے سے لکھا گیا ہے۔ اور اسی کے متعلق مجاہد یوں کہتے ہیں کہ شقاوت یا سعادت جو کچھ مقدر ہو چکی اسی پر خاتمہ ہوگا۔ اور نیز ان کا یہ قول ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قیامت کو مسلمان بحالت اسلام اور کافر بحالت کفر مبعوث ہونگے۔ ابو العالیہ کا قول ہے کہ بندے حق تعالیٰ کے اس علم کی طرف عود کرینگے جو ان کی نسبت اسکو حاصل ہے چنانچہ فرمایا ہے فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ میں کہتا ہوں کہ یہ مضمون بجائے خود صحیح ہے۔ اور اس پر قرآن کریم۔ حدیث۔ سلف صالحین کے آثار۔ اور اہل سنت کا اجماع دال ہیں۔ مگر اس میں کلام ہے کہ اس آیت کا یہی مطلب ہے یا نہیں۔ اور آیت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا مضمون وہی ہے جو اس قسم کی دوسری آیات کا مضمون ہے جن سے حق تعالیٰ دنیا سے آخرت پر اور مبدا سے معاد پر استدلال بیان فرماتا ہے۔ اور اس استدلال کو بیان نہایت اختصار مگر پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا اور فرمایا ہے كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ وہ آیات جن میں اس قسم کے استدلال کو بیان فرمایا ہے۔ قرآن میں متعدد جگہ مذکور ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ (اگر تم کو قیامت کے دن پھر جی اٹھنے میں کسی طرح کا شک ہو تو ہم نے تم کو شروع میں مٹی سے پیدا کیا ہے) وَقَالَ تَعَالَىٰ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ (اور لگا ہماری نسبت باتیں بنانے اور اپنی اصلیت کو بھول گیا) وَقَالَ تَعَالَىٰ أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ (کیا انسان ایسا خیال کرتا ہے کہ اس کو (بلا باز پرس) یوں ہی چھوڑ دیا جائیگا۔ کیا (ابتدا میں) وہ منی کا ایک قطرہ نہیں تھا۔ جو (عورت کے رحم میں) ٹپکائی گئی تھی۔ پھر لوتھڑا ہوا پھر خدا نے اس کو دوسری صورت کا بنایا۔ پھر اس کے جوڑ بند درست کئے) اللہ تعالیٰ کے قول أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ (کیا وہ (خدا جس نے یہ کچھ کیا قیامت میں) مردوں کے جلا اٹھانے پر قادر نہیں) تک۔ وَقَالَ تَعَالَىٰ فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ (تو انسان کو چاہئے کہ (اور نہیں اتنی ہی بات کو) دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ پیدا کیا گیا ہے پانی (یعنی قطرۂ منی) سے جو (انزال کے وقت) اچھل کر نکلتا ہے۔ پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے بیچ میں سے بیشک وہ (آدمی کے مرے پیچھے) اس کے لوٹانے یعنی دوبارہ پیدا کرنے پر (بھی) قادر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تو انسان کو مرنے کے بعد اس کو زندہ

کرکے دوبارہ لوٹانے پر قادر ہے یعنی آیت کے متعلق صحیح قول یہی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اس معنی پر یہ جملہ اللہ تعالیٰ کے قول فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ کے ساتھ کس طرح مرتبط ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ قول مذکور کے قائلین کو آیت کے معنی میں تاویل کرنے سے پیش آتا ہے اور جو شخص آیت کے معنی میں غور کرے تو اُسے معلوم ہو جائیگا کہ اس جملہ کو جملہ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ سے کمال ربط حاصل ہے وجہ ربط یہ ہے کہ یہ آیت دین کے علمی۔ عملی اور اعتقادی قواعد اور اصول کو شامل ہے۔ اس میں اللہ سبحانہ نے پہلے انصاف اور عدل کا حکم دیا ہے جو کہ شرایعت اور دین کی حقیقت ہے اور توحید کو متضمن ہے کیونکہ اعلےٰ درجے کا انصاف اور عدل یہی ہے کہ اپنے خالق کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور نیز یہ حکم معاملہ خلق میں انصاف کرنے اور عبادت میں میانہ روی اختیار کرنے کو متضمن ہے۔ اور نیز اللہ سبحانہ کیطرف متوجہ ہونے اور اس کی عبودیت میں قائم رہنے اور اخلاص یعنی تنہا اُسی کی عبادت کرنے کو متضمن ہے۔ اس قدر عملی قواعد واحکام پر شامل ہے۔ اس کے بعد اللہ سبحانہ نے مبدا اور معاد کو بیان فرمایا ہے اور یہ خبر مخلوق کے حدوث اور اس کے دوبارہ زندہ کرنے کو متضمن ہے۔ اور اس میں مبدا اور معاد پر ایمان لانے کی طرف اشارہ ہے۔ پھر تقدیر کو جو کہ نظام توحید ہے بیان کیا اور فرمایا ہے فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ۔ غرض یہ آیت تقدیر۔ شرع۔ مبدا اور معاد پر ایمان لانے اور عدل واخلاص کے ساتھ ذکر کرنے کو متضمن ہے اس کے بعد اللہ سبحانہ نے اُن لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اس خبر کی تصدیق اور اُس حکم کی اطاعت نہیں کرتے وہ شیطان کے پیرو ہیں۔ خدا کے فرمانبردار نہیں۔ اور وہ اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے ہیں۔ اور در حقیقت وہ گمراہ اور بھولے ہوتے ہیں +

فصل۔ ایک جماعت کل مولود یولد علی الفطرۃ کا مطلب بیان کرتی ہے کہ حق تعالےٰ نے مخلوق کو دو حالتوں پر پیدا کیا ہے بعضوں کو ایمان اور اپنی معرفت پر اور بعضوں کو کفر اور انکار پر یعنی اللہ سبحانہ نے جب اولادِ آدم کو پیدا کیا۔ تو اُن سے عہد لیا اور فرمایا کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ تو سب نے کہا کہ تو ہمارا رب ہے۔ اہلِ سعادت نے یہ اقرار طیب خاطر اور خوشی کے ساتھ کیا۔ اور ان کو اللہ تعالےٰ کی معرفت حاصل ہوئی۔ اور اہلِ شقاوت نے اس کو جبراً قبول کیا چنانچہ مندرجہ ذیل آیتوں سے اس مضمون کی تصدیق ہوتی ہے +

قولہ تعالےٰ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا اور جو

اور فرشتے آسمانوں زمین میں پیدا ہوئے اور جو لوگ جہنمی تھے انہیں چاہو نا چار اسی کے عمل پر وارد ہونا ہے:

وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ۔ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ الآيۃ:

محمد بن نصر مروزی کہتے ہیں کہ میں نے اسحاق بن راہویہ کو سنا کہ وہ اس آیت کا یہی مطلب قرار دیتے۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول (اگر تم اس کی تصدیق چاہتے ہو تو آیت فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا الآیۃ کو پڑھو) سے بھی استدلال کرتے اور کہتے تھے کہ ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ سبحانہ کی اس پیدائش میں جس پر اس نے آدم کو پیدا کیا ہے ہرگز کوئی تبدیلی نہیں۔ جس شخص کی پیدائش کفر پر ہوئی ہے وہ ضرور کافر ہوگا اور جو ایمان پر پیدا کیا گیا ہے وہ ضرور صاحب ایمان و معرفت ہوگا۔ اور اسحاق بن راہویہ نے آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ الآیۃ سے استدلال کیا ہے۔ اسحاق کہتے ہیں کہ تمام اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے۔ کہ اس آیت میں پیدائش ارواح کا بیان ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو بدنوں سے پہلے پیدا کیا اور ان سے اقرار لیا اور ان کو خود انکی ذوات پر گواہ بنایا۔ اور فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے اقرار کیا کہ بیشک تو ہمارا رب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو کہیں یہ نہ کہنا کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے یا ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے شرک اختیار کیا اور ہم بے خبری سے انکی تقلید میں پڑے رہے۔ اور اسحاق نے اس کے ثبوت میں ابی بن کعب کی اس حدیث کو بیان کیا ہے جس میں اس لڑکے کا ذکر ہے جس کو خضر علیہ السلام نے مار ڈالا تھا اسحاق کہتے ہیں کہ ظاہر بات وہی تھی جو موسیٰ علیہ السلام نے فرمائی تھی کہ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ (کیا آپ نے ایک معصوم شخص کو مار ڈالا (اور وہ بھی) کسی کے (خون کے) بدلے نہیں) اور خضر کو اللہ سبحانہ نے اس لڑکے کی وہ فطرت بتلادی تھی جس پر اس کو پیدا کیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی خلقت کے لئے تبدیلی نہیں۔ لہذا خضر کو اس کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ فطرۃً کافر پیدا کیا گیا تھا۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ ابن عباس اس آیت کو یوں پڑھا کرتے تھے۔ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ كَافِرًا وَّكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ (اور وہ لڑکا کافر تھا اور اس کے ماں باپ مومن تھے)۔

اسحاق کہتے ہیں اگر رسول خدا صلعم اطفال کا حکم بیان نہ فرماتے تو لوگوں کو معلوم نہ ہوتا کہ کونسے بچے مومن ہیں اور کونسے کافر کیونکہ کسی کو معلوم نہیں کہ اطفال کہ جب آدم ؑ کی پیٹھ سے

ڈالا گیا ہے تو اس وقت ان کی خلقت کس بات پر ہوئی تھی بلکہ بس یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے اطفال
کا دنیاوی حکم بیان فرما دیا ہے کہ بچوں کے والدین انکو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ آپ کا
مطلب یہ ہے کہ تم کو انکی فطرت اولی معلوم نہیں لیکن دنیا میں بچے اپنے والدین کے
تابع ہیں۔ والدین کے لحاظ سے انکے کفر و اسلام کا حکم ہوگا۔ پس آپ نے فرمایا بچے کے والدین
مسلمان ہوں تو دنیاوی احکام کے لحاظ سے وہ مسلمان شمار ہوگا۔ رہی یہ بات کہ اس کا خاتمہ کس بات
پر ہوگا۔ ایمان پر ہوگا یا کفر پر سو یہ تقدیر الٰہی کو معلوم ہے۔ اور اسی تقدیر سابق کے لحاظ سے
خضر علیہ السلام کو موسیٰ پر علم میں فضیلت دی گئی۔ کیونکہ اس غلام کے بارے میں حق تعالیٰ نے خاص
خضر کو مطلع کر دیا تھا۔ اسحاق کہتے ہیں کہ کسی نے مسلمانوں اور مشرکوں کے اطفال کی بابت
ابن عباس سے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس بارے میں موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام
کا مناظرہ کافی ہے۔ اسحاق کہتے ہیں حضرت عائشہ رض کو دیکھو کہ جب انصار کا ایک بچہ جس
کے والدین مسلمان تھے فوت ہوگیا اور اس کی نسبت حضرت عائشہ نے یوں کہا کہ یہ بچہ کیسا خوش
نصیب ہے کہ یہ جنت کی چڑیوں یعنی جنت کے باشندوں میں سے ہے۔ اس پر آپ نے
فرمایا اے عائشہ رض ٹھیرو یہ بات مت کہو تم کو کیا معلوم ہے کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی کیونکہ
حق تعالیٰ نے جنت کو بنایا اور اس کے لئے ایک مخلوق پیدا کیا ہے اور اسی طرح دوزخ کو
بنایا اور اس کے واسطے بھی ایک خلقت کو پیدا کیا ہے۔ اسحاق کہتے ہیں کہ اہل علم کا اسی اصول
پر اعتقاد ہے۔ حماد بن سلمہ سے آنحضرت صلعم کے قول کل مولود یولد علی الفطرۃ کی نسبت کسی نے سوال
کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہ حدیث اخذ میثاق کے بارے میں ہے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں
کہ حماد کے قول کا یہ مطلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور ان
کی پیٹھ سے انکی تمام اولاد جو قیامت تک پیدا ہوگی ظاہر فرمائی اور ان سے اقرار لیا اور یوں فرمایا۔ کیا
میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے اقرار کیا کہ بیشک تو ہمارا رب ہے۔ ہمارے استاذ فرماتے ہیں کہ
آئمہ مذکورین کا اصل مقصود صحیح ہے۔ ان کا اصل مقصود یہ ہے کہ فرقہ قدریہ کا تقدیر کے انکار
پر اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ اور اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قرآن اور حدیث
کی ایسی تفسیر کیجائے جو اللہ رسول کی مراد کے خلاف ہو۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ انکی تفسیر ایسی
کرنی چاہئے جو اللہ رسول کی مراد کے موافق ہو۔ اور جو بات دلیل سے ثابت ہو اس کا اتباع ضروری
اور واجب ہے۔ اور آئمہ کا یہ قول کہ حق تعالیٰ نے بعض بندوں کو ایمان اور معرفت پر اور بعض

کو کفر اور انکار پر پیدا کیا ہے) اگر اس کا یہ مطلب ہو کہ حق تعالیٰ کے علم اور تقدیر میں پہلے سے ثابت ہے کہ بعضے ایمان لائینگے اور بعضے کفر اختیار کرینگے۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت عام اور قدرت سے واقع ہوتا ہے۔ تو یہ بلاشبہ صحیح اور درست ہے۔ فرقہ قدریہ اس کے مخالف ہیں۔ ان میں جو لوگ غالی اور حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے علم کے منکر ہیں۔ اور حق تعالیٰ کے عموم خلق مشیت اور قدرت کے تو یہ سب منکر ہیں۔ اور اگر اس قول کا یہ مطلب ہے کہ اخذ میثاق کے وقت بعض آدمیوں میں ایمان و معرفت اور بعض میں کفر و انکار موجود تھا۔ جیسا کہ اس قول کے ظاہر سے مفہوم ہوتا ہے جو اسحاق سے منقول ہے۔ تو یہ دو چیزوں کو متضمن ہے ایک یہ کہ اس وقت معرفت و ایمان ان میں موجود تھا چنانچہ بہت سے سلف صالحین اسکے قائل ہیں اور اسی پر اسحاق نے اجماع نقل کیا ہے۔ اور آیت کی تفسیر میں آئمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ اور اسی طرح ارواح کے اجساد سے پہلے مخلوق ہونے کے متعلق دو قول ہیں جو اہل علم کے درمیان مشہور ہیں۔ مگر یہاں یہ مقصود ہے کہ اگر یہ صحیح ہو تو اس سے اطفال کی معرفت اور ایمان پر پیدا ہونے کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ بات ان احادیث کے مخالف نہیں۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ہر ایک بچہ اس فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اور حق تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو حنیف (موحد) پیدا کیا ہے بلکہ یہ اسکے لئے مؤید ہے۔ باقی یہ قول کہ بعض ارواح نے اس قرار کو مانا۔ اور بعض نے انکار کیا سو سدی کے سوا سلف میں سے کسی سے منقول نہیں البتہ سدی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آدم کو جنت سے نکالا۔ تو آسمان سے نیچے اتارنے سے پہلے انکی پیٹھ کی داہنی جانب ہاتھ پھیرا۔ اور اس سے انکی ایسی اولاد کو ظاہر کیا جو موتی کی طرح سفید چمکتی ہے۔ اور ان سے فرمایا کہ تم میری رحمت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور پیٹھ کی بائیں جانب ہاتھ پھیرا اور اس سے انکی ایسی اولاد کو ظاہر کیا جن کے رنگ سیاہ ہیں۔ اور ان سے فرمایا کہ دوزخ میں چلے جاؤ۔ اور میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال سے یہی دو نو گروہ مراد ہیں۔ پھر ان سے عہد لیا اور فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں۔ سب نے اقرار کیا کہ بیشک تو ہمارا رب ہے مگر بعض نے خوشی کے ساتھ اقرار کیا اور بعض نے ناخوشی سے تقیہ کے طور پر۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اور ملائکہ نے کہا کہ ہم تمہارے اس اقرار کے گواہ ہیں تاکہ قیامت میں تم کو یہ عذر نہ ہو کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے پس ہر ایک بنی آدم کو اللہ کی ربوبیت کا علم و معرفت حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا ... [illegible] فرشتے آسمانوں میں ہیں، اور وہ جو لوگ زمین
پر ہیں ... [illegible]
[illegible] ... تمام ہوتی ہے ... [illegible]
[illegible] ... اقرار لیا تھا۔ تو
[illegible] ... نقل کیا ہے قابل اعتبار نہیں۔
کیونکہ سدی کی تفسیر میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو یقیناً غلط اور جھوٹی ہیں۔ گو سدی ثقہ شخص ہے
[illegible] ... نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی
[illegible] ... سب سے ناخوش ہو
تو پھر اس کا کوئی مطلب نہیں۔ اور اس اثر کے غلط ہونے کے لئے تو صرف یہی بات کافی ہے۔
کہ یہ ان تمام آثار کے مخالف ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اقرار ربوبیت میں مسلم کافر سب
برابر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
طَوْعًا وَّكَرْهًا اس [illegible] سے جو پیدا ہونے کے بعد مخلوق میں پائی جاتی
ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ میثاق لینے کے وقت مخلوقات نے طوعاً و کرہاً اطاعت ظاہر
کی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس اقرار کو ان لوگوں پر حجت ٹھیرایا ہے۔ یہ اسکو
بھول جائینگے۔ اور اگر مجبوری سے اقرار کیا تھا۔ تو اُن کے لئے یہ عذر ہو سکتا ہے کہ ہم نے
درحقیقت تسلیم کے طور پر اقرار نہیں کیا تھا بلکہ محض مجبوری سے کہدیا تھا کہ تو رب ہے ورنہ
مجھے تیری ربوبیت کا علم نہیں۔ اور اس طرح یہ اقرار حجت نہیں ہوگا اور امام احمد کا ابوہریرہؓ
کے قول (اگر تم اس کی تصدیق چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے قول فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ
عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کو پڑھو) سے استدلال کرنا سو اس کا بیان یہ ہے کہ اس آیت کے
متعلق دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ جملہ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ بمعنی نہی ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے
کہ ابن جریر نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ تم اللہ کے اس دین میں تبدیلی نہ کرو جس پر اس نے
اپنے بندوں کو پیدا کیا ہے۔ بہت سے مفسرین کا یہی قول ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا
قول اُنہوں نے ذکر نہیں کیا۔ دوسرا یہ کہ یہ جملہ ظاہر کے مطابق خبر ہے۔ چنانچہ اسحاق کا یہی قول
ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کی پیدائش کو کوئی شخص بدل نہیں سکتا۔ اور چونکہ لفظ ظاہر الفاظ خبر ہیں
اسلئے بغیر کسی دلیل کے انکو نہی کہنا درست نہیں اور یہی بات صحیح ہے۔ غرض مطلب یہ

جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے اُس میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اور اس فطرت کے سوا کسی دوسری فطرت پر پیدا نہیں کئے جاتے۔ اور سیاق کا یہ مطلب نہیں۔ کہ پیدائش کے بعد فطرت میں تغیر واقع نہیں ہو سکتا بلکہ خود حدیث اس بات کو بیان کرتی ہے۔ کہ بعد پیدائش فطرت میں تغیر واقع ہو سکتا ہے۔ اور اسی واسطے جانوروں کے اُس بچے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے اور بعد پیدائش اُس کے کان وغیرہ کاٹ دیتے ہیں۔ اور جانوروں کا کوئی بچہ خصی یا کان کٹا پیدا نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کے قول کو بیان فرمایا ہے وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ (اور میں ان کو ضرور سمجھاؤں گا۔ تو وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی صورتوں کو بدل دیا کرینگے) اور اللہ سبحانہ کو قدرت ہے کہ بندے اُس کی مشیت اور قدرت سے اُس کی پیدائش اور فطرت میں تغیر واقع کریں۔ بلکہ تبدیل خلق کا یہ مطلب ہے کہ اس فطرت کے سوا جس پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے کسی دوسری فطرت پر پیدا کئے جائیں۔ اور اس بات پر سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو قدرت نہیں۔ اور حق تعالیٰ اپنی حکمت سے ایسا نہیں کرتا۔ کہ ان کو اس فطرت کے سوا کسی دوسرے فطرت پر پیدا کرے۔ چنانچہ فرمایا ہے لاتبدیل لخلق اللہ اور حق تعالیٰ نے اس جملہ کے بجائے لا تغیر لخلق اللہ نہیں فرمایا۔ کیونکہ تبدیل کا یہ معنی ہے کہ پہلی چیز جاتی رہے۔ اور اُس کے بجائے دوسری پیدا ہو اور تغیر کا یہ مطلب ہے کہ اسی چیز میں کچھ تغیر اور فرق واقع ہو اور جب ولادت کے بعد خلقت میں تغیر واقع ہوگا تو وہی خلقت بعینہ باقی نہ رہیگی۔ اور یہ قول کہ جس خلقت پر بنی آدم پیدا کئے گئے ہیں۔ اس میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ جو کفر پر پیدا کیا گیا ہے وہ کافر ہی رہیگا اور جو ایمان پر پیدا کیا گیا ہے وہ ایمان پر رہیگا۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ جو کفر یا ایمان تقدیر میں ثابت ہو چکا ہے۔ اس کا خلاف واقع نہیں ہوتا تو یہ صحیح ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ کفر کو ایمان سے اور ایمان کو کفر سے بدلنا محال اور قدرت سے خارج ہے بلکہ بندے کو قدرت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایمان کو اختیار اور اُس کے نہی کے موافق کفر کو ترک کرے۔ اور نیکیوں کو برائیوں سے اور برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ (مگر وہاں جس سے کوئی قصور سرزد ہو جائے پھر (اُس) قصور کے بعد نیکی کرنے لگے) اور یہ سب تبدیلی حق تعالیٰ کی قضا و قدر سے واقع ہوتی ہے۔ اور یہ اُس فطرت کی تبدیلی کے خلاف ہے جس پر بندے پیدا کئے گئے۔ کیونکہ اس میں تبدیلی کرنا صرف اللہ کا کام ہے اور اللہ سبحانہ اس فطرت

کے سوا کسی دوسری پر انکو پیدا نہیں کرتا۔ لہٰذا اس میں تبدیلی واقع نہیں۔ اور کفر کو ایمان سے یا ایمان
کو کفر سے بدلنا اس قسم کی تبدیلی اللہ تعالیٰ کی طرف سے موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کے قدرت دینے
سے بندے کو اس پر قدرت حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے قول فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ
حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ (تو اے پیغمبر تم تو ایک (خدا)
کے ہو کر اُس کے دین کی طرف اپنا رخ کئے رہو (یہی) خدا کی (بنائی ہوئی) سرشت ہے جس پر خدا نے
لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی (بنائی ہوئی) بناوٹ میں رد و بدل نہیں ہو سکتا) سے یہ مطلب ظاہر
ہے۔ فطرت اولی جس پر اللہ نے بندوں کو پیدا کیا ہے ایک محمودہ فطرت ہے کہ جس پر اپنے نبی
کو قائم رہنے کا حکم فرمایا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس پر قائم رہنے کا حکم فرماتا ہے۔ تو پھر کفر و ایمان
کی طرف اس کا منقسم ہونا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اور اس کے متعلق سلف صالحین کی تفسیر
پہلے گذر چکی ہے کہ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ کا یہ مطلب ہے۔ کہ اللہ کے دین کے لئے تبدیلی نہیں
یا اس کا یہ مطلب ہے کہ جانوروں کو خصی وغیرہ نہیں کرنا چاہئے۔ اور سلف میں سے کسی
نے یہ نہیں کہا۔ کہ بندے کے احوال کے لئے تبدیلی نہیں کہ کفر سے ایمان یا ایمان سے کفر
کی طرف نہیں پھر سکتا۔ کیونکہ ایسی تبدیلی موجود ہے اور جہاں یہ تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اس کا
وقوع تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ اور اللہ سبحانہ کو آئندہ کے تمام واقعات کا بھی علم ہے۔ لہٰذا
یہ تبدیلی اُس کے علم کے خلاف واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ جب تبدیلی واقع ہو تو یہ سمجھنا چاہئے کہ
اللہ تعالیٰ کے علم میں ایسا ہی تھا۔ اور اُس لڑکے کی نسبت جس کو خضرؑ نے قتل کیا تھا۔ یوں آیا
ہے۔ کہ جس دن وہ پیدا کیا گیا تھا۔ اُس دن وہ کافر بنایا گیا تھا۔ تو اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ
اُس کے حق میں اُسی دن سے کفر مقدر اور مکتوب ہو چکا تھا۔ چونکہ اُس کی نسبت لفظ طبع مستعمل ہوا
ہے جس کے معنی یہاں لکھنے کے ہیں۔ اور اکثر لوگ لفظ طبع کو بمعنی طبیعت یعنی خلقت و جبلت
استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی خلقت
کفر پر ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اس کی نسبت قرآن میں یہ مذکور نہیں کہ وہ نابالغ اور غیر مکلف
تھا۔ بلکہ ابن عباس کی قرأت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اس وقت کافر تھا۔ اور اُس کی نسبت
لفظ غلام (لڑکا) کا استعمال کرنا اس کے مکلف ہونے کے مخالف نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ بالغ اور
مکلف اور تھوڑے عرصے سے حدِ بلوغ کو پہنچا ہو اس لئے اس کو غلام کہا گیا۔ اور موسیٰؑ کے کلام
سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالغ تھا۔ کیونکہ موسیٰؑ نے خضر کو یوں نہیں کہا کہ تو نے ایک صغیر سن بچے کو

ناحق مار ڈالا لڑکے کو کہ بچہ بے گناہ ایک نفس کو مار ڈالا - اب یہ جو بیان ہے کہ حدیث صحیح میں روایت ایسی ہو جو دلیل پڑتی ہے کہ وہ نابالغ تھا - اور دونوں پر یہ ہے کہ ... نہ بنایا جیسے کہ حضرت ... کہ وہ بالغ ہوتا ... دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر وہ بالغ ہوتا تو اپنے والدین کو تنگ اور سرکشی سے تکلیف پہنچاتا - اس سے معلوم ہوا ہے کہ وہ ابھی تک بالغ نہیں ہوا تھا - اس واسطے ہم دونوں صورتوں پر اس کا مطلب بیان کرتے ہیں کہ وہ لڑکا اگر بالغ تھا - یا بلوغ کے بعد اُس سے کفر ظاہر کیا تھا - تو اس صورت میں تو کوئی اشکال نہیں - کیونکہ وہ اُس کفر کے سبب قتل کیا گیا تھا جو بلوغ کے بعد اُس سے واقع ہوا تھا - اور اگر نابالغ تھا تو شاید اُس شریعت میں یہ حکم ہو کہ جب لڑکے میں عقل و تمیز پیدا ہو جائے تو قبل بلوغ ہی وہ مکلف بالاحکام ہوتا - اور اگر قبل بلوغ احکام کے ساتھ تکلیف درست نہ ہو تو توحید اور معرفت الٰہی کے ساتھ مکلف ہوتا تو کوئی محال نہیں چنانچہ بہت سے متکلمین و فقہا - نے حنفیہ و حنابلہ وغیرہ اس کے قائل ہیں - پس اس بنا پر ممکن ہے - کہ وہ قبل بلوغ ایمان کے ساتھ مکلف ہو اگرچہ احکام شرع کے ساتھ مکلف نہ ہو - اور صبی عاقل کا کفر اکثر علما کے نزدیک قابل مواخذہ ہے - اور جب دین سے پھر جائے - تو وہ مرتد شمار کیا جاتا ہے - لیکن بالغ ہونے تک اس کو قتل کرنا درست نہیں - پس وہ لڑکا جس کو خضر نے قتل کیا - یا تو وہ کافر بالغ تھا یعنی بعد بلوغ اُس نے کفر اختیار کیا تھا - تو اس صورت میں تو کوئی اشکال نہیں یا نابالغ تھا - مگر اُس شریعت میں شاید مکلف بالاحکام نہ ہو بلکہ صرف توحید اور معرفت الٰہی کے ساتھ مکلف ہو اور اُس شریعت میں ایسے لڑکے کو جو توحید اور معرفت کا منکر ہو قتل کرنا جائز ہوگا - یا کسی چیز کے ساتھ مکلف نہ ہو - اور اُس کو صرف اس واسطے قتل کیا گیا کہ والدین کے لئے باعث فتنہ نہ ہو اور اُن کو اُن کے دین سے نہ پھیرے - جیسا کہ ہماری شریعت میں اُس کافر بچے کو قتل کرنا درست ہے - جس کے قتل کئے بغیر اُس کا ضرر مسلمانوں سے مندفع اور دور نہ ہو - اور ایسے لڑکے کو جس کے والدین مسلمان ہوں اور اُس نے کوئی بات کفر کی ظاہر نہ کی ہو - اس وجہ سے قتل کرنا کہ اس کی نسبت معلوم ہے کہ جب وہ بالغ ہوگا تو کفر اختیار کریگا - اور والدین کو فتنے میں ڈالیگا - قرآن اور حدیث سے اس کا جواز معلوم نہیں ہوتا - اور نہ اللہ سبحانہ نے کسی شخص کو اُن کاموں پر جن کی نسبت اس کو علم ہے کہ وہ اُس سے ضرور سرزد ہونگے جب تک وہ صادر نہ ہوں سزا دینے کا حکم دیا ہے - اور نہ اللہ سبحانہ اپنے بندوں کو اُن کاموں پر جنکی نسبت

اُس کو علم ہے کہ وہ خضر علیہ السلام کو پیشگی سبب [illegible] ہو گئے۔ [illegible] سے قائل

ہیں [illegible] ہیں کہ خضر کے [illegible] باتیں [illegible] معلوم ہوا [illegible] پوشیدہ واقعات

اور پیدا اطلاع [illegible] کو عام لوگ نہیں جانتے تھے۔ ان کے [illegible] معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان پوشیدہ واقعات

کا علم ان کے اسباب سے حاصل ہوا تھا۔ اور موسیٰ ان اسباب سے بے خبر تھے۔ مثلاً خضر کو یہ معلوم

ہوا کہ یہ کشتی مساکین کی ہے۔ اور ان کے پیچھے ایک ظالم بادشاہ ہے جو اچھی کشتیاں بیگار میں پکڑ لیتا

ہے۔ یہ ایک معمولی بات ہے جس کو دوسرے لوگ بھی اسباب سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اور اسی

طرح یہ بات معلوم ہوئی۔ کہ یہ دیوار دو یتیم بچوں کی ہے اور ان کا باپ ایک صالح شخص تھا۔ اور دیوار

کے نیچے خزانہ مدفون ہے۔ اور ایسی باتوں کو بھی بہت سے لوگ معلوم کر سکتے ہیں۔ اور ایسا ہی

بچے کے کفر کو ممکن ہے کہ بہت سے لوگ جانتے ہوں۔ یہاں تک کہ اس کے والدین کو بھی معلوم ہو مگر

وہ محبت کے مارے اُسے کچھ نہ کہتے ہوں۔ یا وہ اُن کی بات نہ مانتا ہو۔ اگر یہ بات درست ہو۔ تو آیت

میں اُن کے قول پر کوئی دلیل نہیں۔ اور وہ لڑکا ابھی تک کافر نہیں ہوا تھا۔ لیکن اللہ سبحانہ کے علم

میں یہ ثابت تھا کہ وہ بالغ ہو کر کفر اختیار کریگا۔ غرض جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ لڑکا

کافر نہیں تھا۔ وہ اُس کے قتل کی نسبت یوں کہتے ہیں کہ اُس کے شر کے دفعیہ کے لئے اُس کو قتل

کیا گیا۔ چنانچہ نوح ع نے اپنی دعا میں کہا تھا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ

دَيَّارًا إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (اے میرے

پروردگار۔ (ان) کافروں میں سے کسی متنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑ (کہ) روئے زمین پر بستا نظر

آئے۔ کیونکہ اگر تو ان کو رہنے دیگا۔ تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ (ہی) کرینگے اور ان سے جو نسل چلیگی

وہ بھی بدکار (اور) کٹّے کافر ہی ہونگے) اور اس صورت میں اُس کے ساتھ کفر قائم ہونے سے

پہلے وہ کافر نہ تھا۔ اور ابن عباس کی قرأۃ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا وَكَانَ أَبَوَاهُ

مُؤْمِنَيْنِ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اُس وقت کافر تھا۔ اگر کوئی شخص یہ شبہ پیش کرے کہ اس

لڑکے کے والدین مومن تھے۔ اور اس اصول کے لحاظ سے کہ ہر ایک بچہ فطرت اسلام پر پیدا

ہوتا ہے اگر وہ اسلام پر پیدا ہوتا تو اُس کے والدین بھی مسلمان تھے تو والدین کی تابعداری کی وجہ اور

اپنی فطرت کے لحاظ سے وہ مسلمان شمار ہوتا اور جب وہ مسلمان ہوا تو پھر اُس کو قتل کرنا کس طرح

درست ہوا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ بالغ تھا اور بلوغ کے بعد کافر ہو گیا۔ تو اس میں کوئی

اشکال نہیں۔ اور اگر نابالغ تھا مگر عقل و تمیز رکھتا تھا۔ اور اپنی مرضی سے اُس نے کفر کو پسند کیا

تو اکثر علماء کے نزدیک اُس کے کفر و مرتد ہونے کا اعتبار ہے یعنی اُس کو کافر و مرتد کہا جائیگا۔ اور بالغ ہونے تک اُس کو قتل کرنا درست نہیں ہے۔ شاید کہ اس شریعت میں آپ حضرت خضر کو بچے کا قتل کرنا درست ہوگا جو بسبب عقل تمیز کے کفر اختیار کرے۔ اور اگر ایسا چھوٹا تھا کہ ابھی اُسے عقل و تمیز حاصل نہیں ہوا تھا۔ تو اس وقت میں ایسے بچے کو قتل کرنا صرف اُس لڑکے کے ساتھ خاص ہوگا کیونکہ حق تعالیٰ نے خضر کو بتلا دیا تھا کہ یہ لڑکا بالغ ہوکر والدین کے دین کے سوا دوسرا دین اختیار کریگا۔ ابن عباسؓ کے کلام سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ ابن عباس سے نجدہ نے کفار کے لڑکوں کے قتل کرنے کی نسبت دریافت کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ اگر تم کو ان کا ویسا حال معلوم ہو جاتے جیسا خضر کو اُس لڑکے کی نسبت معلوم ہوگیا تھا کہ وہ بڑا ہوکر کفر اختیار کریگا۔ تو تم ان کو قتل کر سکتے ہو۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ جب وہ فطرت دین اسلام پر پیدا ہوا اور اُس کے والدین مسلمان تھے تو پھر کفر کہاں سے آیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا (کہ لڑکے کے ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں) یہ مطلب ہے کہ بچے کی گمراہی کا باعث اکثر والدین ہوتے ہیں۔ ورنہ اس میں حصر نہیں کہ والدین ہی گمراہی کا باعث ہوں کبھی والدین کے سوا دوسرے لوگ بھی اس کا باعث ہوتے ہیں۔ پس یہ لڑکا اگر اس وقت کافر تھا۔ تو والدین کے سوا کسی دوسرے کی تعلیم و تلقین سے کافر ہوگیا ہوگا۔ اور اگر اس وقت کافر نہ تھا بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ بڑا ہوکر کفر اختیار کریگا۔ تو اس میں کوئی اشکال نہیں ◆

فصل۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کہ (بچے کے والدین اُس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں) یہ مطلب بیان کرنا کہ (اس سے صرف دنیا کے احکام کا بیان کرنا مقصود ہے کہ بچہ دنیاوی احکام میں ماں باپ کی تابعداری سے یہودی۔ نصرانی یا مجوسی شمار ہوگا۔ اور آپ کے قول کا یہ مطلب نہیں۔ کہ والدین اُس کی فطرت کو تغیر و متبدل کر دیتے ہیں) حدیث کے مدلول اور معنی کے خلاف ہے۔ آپ نے اطفال کو یہودیت وغیرہ کفر سکھانے کو مواشی کے کان کاٹنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے یعنی جیسا تغیر و تبدل مواشی کے بچوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح کا تغیر و تبدل آدمیوں کی اولاد کی فطرت میں واقع ہوتا ہے کیونکہ یہ حدیث آپ نے اس موقع پہ بیان فرمائی ہے کہ جب آپ کے روانہ کئے ہوئے لشکر کے آدمیوں نے مشرکین کی اولاد کو بھی مار ڈالا اور آپ نے اُنکے قتل کرنے پر عتاب فرمایا۔ اور صحابہ نے عرض کیا کہ وہ مشرکین کی اولاد تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جو بہتر لوگ ہیں کیا وہ مشرکین کی اولاد نہیں۔ ہر ایک بچہ فطرت پر

پیدا ہوتا ہے اس حدیث سے اگر آپ کا یہ مطلب ہوتا۔ کہ بچہ دنیاوی احکام میں اپنے ماں باپ کے تابع ہے تو یہ حدیث اولاد مشرکین کے قتل سے منع کرنے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ قتل کرنے والوں کے لئے سند ہے کہ وہ بچے اپنے ماں باپ کی تابعداری سے کافر تھے اور ہم نے کافر کو قتل کیا ہے اور چھوٹے بچے کا دنیاوی احکام میں ماں باپ کے تابع ہونا صرف ایک مصلحت اور ضرورت پر مبنی ہے وہ مصلحت یہ ہے کہ چھوٹے بچے کے لئے جب تک کوئی مربی اور پرورش کرنے والا نہ ہو تو عادۃً دنیا میں اس کا بقاء دشوار ہے۔ اور چونکہ والدین اس کی پوری طرح تربیت کرتے ہیں لہذا اس ضرورت کی وجہ سے اُن کا تابع قرار دیا گیا۔ اور اسی واسطے کفار کا بچہ جب اکیلا قید کیا جاوے تو جمہور علماء ابو حنیفہ رح۔ شافعی رح۔ احمد رح۔ اوزاعی رح وغیرہ کے نزدیک وہ قید کرنے والے کے تابع ہوتا ہے تاکہ وہ اسکی پرورش کرے۔ اور جب ماں باپ میں سے ایک کے ساتھ یا دونوں کے ساتھ قید کیا جائے۔ تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بہت سے فقہاء مثلاً احمد وغیرہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ جب وہ ماں باپ سے علیحدہ کیا جائے تو وہ مسلمان ہوگا۔ کیونکہ اگر یہ حکم نہ ہو تو لازم آتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہو جائے۔ کہ ماں باپ بچے کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی نہیں بناتے اور نہ اُس کی فطرت کو متغیر کرتے ہیں۔ بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ بچہ دنیاوی احکام کے لحاظ سے والدین کا تابع ہوتا ہے۔ اور سیدھی دلیل یہ ہے کہ بچہ فطرت یعنی ملت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اس سے ماں باپ اس کو ہٹاتے ہیں پس جب وہ ماں باپ سے علیحدہ قید ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ میں آگیا۔ تو ایسی صورت میں اُس کے فطری دین کو تبدیلی کرنے والا موجود نہیں۔ اور اس کی پیدائش ملت حنیفیہ اور اسلام پر ہے لہذا وہ مسلمان ہوگا کیونکہ اُس کی فطرت اسلام کی مقتضی ہے اور کوئی مخالف و معارض موجود نہیں۔ اور اگر حدیث کا یہ مطلب ہو کہ ماں باپ حقیقۃً بچے کو کافر بنا دیتے ہیں اور یہ مطلب نہ ہو کہ تعلیم و تلقین کفر کی وجہ سے اُس کے کفر کا باعث ہوتے ہیں۔ تو کفار کا چھوٹا بچہ جو قید کیا جائے بالغ کافر کی مانند ہونا چاہئے۔ اور ظاہر ہے کہ بالغ کافر کو جب مسلمان قید کرلیں تو وہ مسلمان نہیں ہو جاتا کیونکہ وہ حقیقۃً کافر ہو چکا ہے۔ پس اگر صغیر سن بچہ والدین کی تابعداری سے حقیقۃً کافر ہو جاتا تو قید کی وجہ سے کفر سے اسلام کی طرف منتقل نہ ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف دنیاوی احکام میں والدین کی تابعداری سے اُس پر کفر کا حکم جاری ہوتا ہے یہ نہیں کہ نفس الامر میں وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور اگر کفار کے بچے کو کافر لوگ ہی تو

کرلیں۔ اور اس کے ساتھ ماں باپ دونوں نو مسلمان نہیں ہو جاتا۔ اس صورت میں
دنیاوی احکام کے لحاظ سے وہ کافر ہی شمار ہوگا۔ اگرچہ اس کے ماں باپ نے اس کو یہودی یا
نصرانی نہیں بنایا ہو۔ یہ معلوم ہوا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کافر ماں باپ بچے کو کفر
کی تلقین و تعلیم کرتے ہیں۔ اور آنحضرت صلعم نے تخصیص کے ساتھ والدین کو اس لئے ذکر فرمایا ہے
کہ اکثر بچوں کی تربیت والدین کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اور ان میں جہاں تک ہوسکتا ہو۔
اولاد کی تربیت میں کوشش کرتے ہیں۔ اور یہ مضمون دوسرے حدیث کے الفاظ سے بھی ظاہر
ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔
یہاں تک کہ اسے عقل تمیز حاصل ہو اور سوچ سمجھ کر کلام کرنے لگے۔ اس کے بعد بعضے اللہ تعالیٰ
کے شکرگزار رہتے ہیں۔ اور بعضے کافر اور ناشکر ہو جاتے ہیں عقل اور تمیز کے سن تک آپ نے
بچے کو فطرت پر قرار دیا ہے۔ اور عقل و تمیز کے بعد اس کو کفر و ایمان کی حقیقت معلوم ہوتی ہے اور
اپنی مرضی سے ایک کو اختیار کرتا ہے۔ اور اگر ماں باپ کے کفر کی وجہ سے وہ درحقیقت کافر
ہوتا تو پیدا ہونے کے وقت سے ہی کافر ہوتا۔ اور اسی طرح ایک دوسری حدیث کے الفاظ
سے بھی یہی مطلب مفہوم ہوتا ہے ٭

حدیث صحیح میں ہے کہ حق تعالےٰ یوں فرماتا ہے کہ میں نے اپنے تمام بندوں کو حنیف
(اہل توحید) پیدا کیا ہے پھر شیاطین نے اُن کو فریب دینا شروع کیا۔ اور جو چیزیں میں نے اُن
پر حلال کی تھیں وہ اُن پر حرام کردیں۔ اور میرے ساتھ ایسی چیزوں کے شریک کرنے کا
اُن کو حکم دیا جن کے لئے میری طرف سے کوئی دلیل نہ تھی۔ یہ حدیث صراحۃً اس بات پر
دال ہے کہ سب آدمی ملت حنیفیہ پر پیدا کئے گئے ہیں اور شیاطین نے انکو فریب دیا اور
اُن پر حلال چیزیں حرام کردیں۔ اور خدا کے ساتھ شرک کرنے کا انکو امر کیا۔ اگر بچہ جب سے
پیدا ہوتا ہے ماں باپ کی تابعداری سے حقیقۃً فی الواقع کافر ہو بدوں اس کے کہ کوئی شخص
اس کو کفر کی تلقین و تعلیم کرے تو لازم آتا ہے کہ شیاطین نے آدمیوں کو ملت حنیفیہ سے نہیں
پھیرا اور نہ اُن کو شرک کا حکم کیا بلکہ وہ پہلے ہی کافر و مشرک تھے اور یہ بات اِس حدیث کے
مخالف اور مناقض ہے ٭

فصل۔ اِس مسئلہ میں اشتباہ کا یہ منشا ہے کہ کفر کے دُنیاوی احکام کو کفر کے اخروی احکام کے ساتھ
مشتبہ اور یکساں سمجھا گیا ہے پس چونکہ کفار کی اولاد پر دُنیا میں کفر کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ مثلاً

اُن پر اُنکے باپ کو ولایت اور تربیت تعلیم اور تادیب کے حقوق حاصل ہیں۔ اور کفار اور انکی اولاد
کے درمیان وراثت جاری ہوسکتی ہے۔ اور اُن کو غلام بنالینا درست ہے وغیرہ اس قسم کے کئی
احکام ہیں۔ جو کفار کی اولاد پر دنیا میں جاری ہیں۔ اسی سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ کفار کی
اولاد فی الواقع کافر ہے۔ اور ان کے اور بالغ کفار کے درمیان جو کہ کفار کی طرح کلمات کفر
بکتے اور اُنکے مطابق عمل کرتے ہیں۔ کوئی فرق نہیں۔ اور اسی واسطے محمد بن حسن نے کہا ہے
کہ حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ احکام کے نازل ہونے سے پہلے آپ نے فرمائی تھی۔ اور
ہماری تقریر سے معلوم ہوگیا ہے۔ کہ اطفال کا فطرۃ پر پیدا ہونا احکام دنیا کے لحاظ سے کفر میں
والدین کے تابع ہونے کے منافی اور مخالف نہیں۔ اور ہمارے بیان سے یہ شبہ دفع ہوگیا
ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ کفار کے ملک میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اللہ وحدہ پر ایمان
لاتے اور اپنے ایمان کو کفار سے چھپائے رکھتے ہیں۔ اور مسلمان اُنکے حال سے واقف نہیں
ہوتے تو دنیا میں ایسے لوگوں کو نہ تو غسل دیا جاتا نہ اُن پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ اور
مشرکین کے ساتھ مدفون ہوتے ہیں مگر آخرت میں وہ اہل جنت ہونگے جیسا کہ اس کے برخلاف
منافقین پر دنیا میں مومنین کے احکام جاری ہوتے ہیں اور آخرت میں وہ دوزخ کے نیچے
کے طبقے میں ہونگے۔ غرض دار آخرت کے احکام دنیا کے احکام سے جدا اور مغایر ہیں۔ آنحضرت
صلعم کو اس قول کل مولود یولد علی الفطرۃ سے اُس خلقت کا بیان کرنا مقصود ہے۔ جس پر
بنی آدم پیدا کئے گئے ہیں۔ اور نیز اس سے یہ بتلانا مقصود ہے۔ کہ جب فطرت کے مطابق
عمل کرینگے۔ اور وہ مخالف چیزوں سے محفوظ رہیگی۔ تو آخرت میں ثواب پائینگے۔ اور اگر
اس کے خلاف کیا تو سزا ملیگی۔ اور اس حدیث سے احکام دنیا کو بیان کرنا آپ کو مقصود نہیں
اور یہ بات شریعت سے بدیہی اور ضروری طور پر معلوم ہے۔ کہ کفار کی اولاد دنیاوی احکام میں
کفار کے تابع ہے۔ اور کفار جب ذمی ہوں تو اُن کی اولاد اُن سے غصب نہیں کی جائیگی
اور اگر حربی ہوں تو انکی اولاد کو بھی غلام بنالینا درست ہے۔ اور اس مسئلہ میں کسی اہل اسلام کا
خلاف نہیں۔ ہاں اُس لڑکے کی بابت اختلاف ہے۔ جس کے والدین دونو فوت ہوجائیں۔
یا اُن میں سے ایک مرجائے۔ تو اُس کو مسلمان کہا جائیگا یا نہیں۔ امام احمدؒ سے اس مسئلہ
میں تین روایتیں ہیں ایک یہ ہے کہ ماں باپ دونو یا ان میں سے ایک کے مرنے سے لڑکا
مسلمان شمار ہوگا۔ کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ بچے کے ماں باپ اُس کو

یہودی۔ نصرانی یا مجوسی بنالیتے ہیں۔ اور اس کے ماں باپ جو دونہیں اور وہ فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوا ہے لہٰذا وہ مسلمان ہوگا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اُس کو مسلمان نہیں کہہ سکتے اور یہی جمہور کا قول ہے۔ ہمارے استاد فرماتے ہیں۔ کہ یہی قول حق اور صواب ہے بلکہ مسلمانوں اور خلفت کا اس پر اجماع ہے اور صحیح منقول سے ثابت ہے۔ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ منورہ۔ وادی القریٰ۔ خیبر۔ نجران یمن وغیرہ مقامات میں ذمی کفار آباد تھے۔ اور ان میں سے کئی کفار صغیر السن اولاد چھوڑ کر فوت ہو جاتے تھے۔ مگر آنحضرت صلعم نے کسی ذمی کی اولاد کی نسبت یہ حکم نہ دیا کہ اس کے مرنے کے بعد اُس کی اولاد مسلمان ہے۔ اور اُسی طرح خلفاء کے زمانے میں شام۔ مصر۔ عراق۔ خراسان وغیرہ ممالک میں ذمی کفار موجود تھے۔ اور ان میں سے ہزار ہا آدمی مرتے اور اُن کی اولاد یتیم رہجاتی۔ مگر خلفاء نے کفار کے مرنے کے بعد انکی اولاد میں سے ایک بچے کے اسلام کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ عقد ذمہ کا مقتضی یہ ہے کہ کفار کو آپس میں ایک دوسرے پر ولایت حاصل ہو۔ پس دوسرے کفار اپنے یتیم بچوں کی تربیت کے ایسے ہی متولی ہیں جیسے کہ انکے والدین انکے متولی تھے۔ خود امام احمد کا بھی یہ قول ہے کہ جب کافر ذمی مرجائے تو اس کا صغیر السن بچہ اس کا وارث ہوتا ہے باوجودیکہ وہ ایک روایت میں یوں فرماتے ہیں۔ کہ وہ بچہ مسلمان ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ اہل ذمہ کی اولاد اسلئے وارث ہوتی ہے کہ ان کا اسلام اور استحقاق وراثت دونو ایک وقت میں حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی جب اُن کے والدین فوت ہوتے ہیں اُسی وقت وراثت کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور اُسی وقت اُن کے لیے اسلام کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ اگر اسلام پہلے سے حاصل ہوتا تو اختلاف دین کی وجہ سے والدین کے وارث نہ ہوتے۔ اور امام احمد نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اگر کوئی کافر ذمی ایسی حالت میں مرے کہ اسکی جورو حاملہ ہو تو وہ بچہ جو اس کے مرنے کے بعد پیدا ہو اُس کا وارث نہیں ہوتا۔ کیونکہ باپ کے مرنے سے اُس کو مسلمان شمار کیا جاتا ہے۔ اور وراثت کا استحقاق پیدا ہونے کے وقت سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر دوسرے شخص کا حمل ہو تو بھی یہی حکم ہے جیسا کہ ایک ذمی اپنے بیٹے یا بھائی کی جورو کو حاملہ چھوڑ کر مرا پھر وہ عورت وضع حمل سے پہلے مسلمان ہوگئی۔ تو یہ بچہ جو اپنے دادا یا چچا کے مرنے کے بعد پیدا ہوا اُن کا وارث نہیں ہوگا کیونکہ جو اُس وقت سے مسلمان سمجھا گیا ہے جس وقت سے اس کی ماں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اور ایسا ہی پہلی صورت میں باپ کے مرنے

سے وہ مسلمان سمجھا گیا۔ اور امام احمد اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ موافق ہیں۔ کہ اگر کفار کے بچے کے والدین دار الحرب میں مر جائیں۔ تو اس پر اسلام کا حکم جاری نہیں ہوگا۔ اور اگر والدین کی موت دارین یا دین کے لحاظ سے ... تو مسلمان بنے گا ... دار الحرب اور دار الاسلام میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ کیونکہ اسلام کا تقاضا یہی فطرت ہے اور ... ارشاد اسلام یعنی والدین کا وجود ہر دو صورتوں میں مفقود رہتا ہے۔ اور بعض حنابلہ بچے کے اسلام کے قائل ہیں۔ مگر ان کا قول یقیناً باطل ہے۔ کیونکہ بداہۃً معلوم ہے کہ دار الحرب میں ایسے لوگ موجود رہتے ہیں جو کسی شخص کے یتیم رہتے اور بعد میں بلوغ کو پہنچتے ہیں حالانکہ دار الحرب کا فروں کے سب احکام ان پر جاری ہیں۔ تیسری روایت یہ ہے کہ اگر یہ نابالغ بچہ کفار کی پرورش میں ہو تو وہ اپنے ماں باپ کے دین پر ہوتا ہے۔ اور اگر مسلمانوں کی کفالت میں ہو تو مسلمان شمار ہوگا۔ یعقوب بن بختان کی روایت میں امام احمد نے ایسا ہی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ خلال نے اپنی جامع میں ذکر کیا ہے۔ کہ کسی شخص نے امام احمد سے یہ مسئلہ پوچھا۔ کہ اگر کسی مسلمان کے پاس نصرانی کنیز موجود ہو۔ اور کافر سے اس کی اولاد پیدا ہو پھر وہ مر جائے۔ تو وہ بچے کافر ہونگے یا مسلمان۔ امام احمدؒ نے جواب دیا کہ جب مسلمان انکی پرورش کریں اور ان کے لئے مسلمانوں کے سوا کوئی پرورش کرنے والا نہ ہو۔ تو وہ مسلمان ہونگے۔ سائل نے پوچھا کہ اگر ماں کے مرنے کے بعد تھوڑی دیر میں وہ بچہ بھی مر جائے تو امام احمدؒ نے جواب دیا کہ اس کو مسلمان دفن کریں۔ اور اس روایت کو اگرچہ اکثر حنابلہ نے ذکر نہیں کیا۔ اور جامع خلال میں یہ مذکور ہے۔ مگر دلیل کے لحاظ سے تمام اقوال سے یہ زیادہ صحیح ہے۔ اور ہم اسی کو پسند کرتے ہیں۔ اور اس روایت کے مطابق سب ادلہ باہم موافق ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ صغیر سن بچہ دین میں اپنے مالک اور قبضہ کرنے والے کے تابع ہوتا ہے۔ پس ایسا ہی اپنے کفیل اور پرورش کرنے والے کے تابع ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بذات خود با اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے لئے ایسے شخص کی ضرورت ہے جس کے تابع ہو۔ پس کفیل اور پرورش کنندہ کی تابعداری کے لحاظ سے اس کو مسلمان شمار کرنا ماں باپ کے کفر کی وجہ سے اس کو کافر قرار دینے سے اولیٰ اور بہتر ہے۔ حالانکہ انکی تابعداری اس سے منقطع ہو چکی ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ اسکے کفیل کافر ہوں۔ اس صورت میں وہ اس کے والدین کے قائم مقام ہونگے۔ اور جبکہ اس کا دادا یا دادی یا کوئی دوسرا کافر رشتہ دار کفیل ہو جائے۔ تو ماں باپ کے نہ ہونے کا کوئی اثر نہیں رہتا۔ وہ بچہ کفار کی کفالت کی وجہ سے

کہ فرشتہ ہوگا۔ غرض یہ قول اول کے لحاظ سے راجح اور صحیح معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ اس مقام میں ان مسائل یا ان امور کا ذکر کرنا جن کی وجہ سے بچہ مسلمان شمار کیا جاتا ہے ہمیں مقصود نہیں کیونکہ ان مسائل اور امور کو ہم نے اپنی اس کتاب میں جو اہل ملل کے احکام کے متعلق لکھی گئی ہے تفصیل کے ساتھ مدلل طور پر ذکر کیا ہے۔ اور انکے بارے میں سلف و خلف کے اختلافات اور انکے ماخذ سب کچھ بیان کر دیئے ہیں۔ یہاں پر صرف فطرت کو ذکر کرنا مقصود ہے اور اس بات کا ثبوت مد نظر ہے کہ فطرت سے حنیفیت مراد ہے۔ اور وہ اس کے منافی نہیں۔ کہ بعضے لوگ پہلے سے تقدیر میں شقی لکھے گئے ہیں ❊

فصل ۔ ابو عمر کہتے ہیں۔ کہ بعض لوگ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کل مولود یولد علی الفطرۃ کے معنے کی نسبت یہ کہتے ہیں۔ کہ اس حدیث میں فطرت کے ذکر کرنے سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کفر و ایمان یا معرفت و انکار کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ آپ کا مقصود صرف اتنا ہے کہ ہر ایک بچہ خلقت۔ طبع اور بناوٹ کے لحاظ سے صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے اس خلقت کے ساتھ کفر یا ایمان معرفت یا انکار کوئی چیز موجود نہیں ہوتی بلکہ بلوغ کے بعد جب سن تمیز کو پہنچتا ہے۔ تو اس وقت کفر یا ایمان کو اختیار کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول (جس طرح کہ مواشی اپنے بچے صحیح و سالم جنتے ہیں کیا دیکھتے ہو کہ ان میں کوئی کان کٹا پیدا ہوتا ہے) سے استدلال کرتے ہیں۔ آپ نے بنی آدم کے قلوب کو بہائم سے اس بات میں تشبیہ دی ہے کہ جس طرح بہائم کاملۃ الخلقت پیدا ہوتے ہیں۔ اُن میں نقصان ظاہر نہیں ہوتا۔ اور پیدائش کے بعد لوگ اُن کے کان وغیرہ کاٹ کر اُن کے مختلف نام مقرر کرتے ہیں کسی کو سائبہ اور کسی کو بحیرہ کہتے ہیں۔ اسی طرح ولادت کے وقت بنی آدم کے قلوب کا حال ہے کہ اس وقت ان میں کفر و ایمان یا معرفت و انکار کچھ موجود نہیں ہوتا۔ اور جب بالغ ہوتے ہیں تو شیاطین ان کو ہوا اور خواہش پرستی کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس پر اکثر کافر ہو جاتے اور بعضوں کو حق تعالےٰ بچا لیتا ہے۔ یہ لوگ اپنے استدلال میں یوں کہتے ہیں کہ اگر اطفال ولادت کے وقت کفر یا ایمان میں سے کسی چیز پر مفطور ہوتے تو کبھی اس سے منتقل نہ ہو سکتے حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ بعضے لوگ ایمان لاتے اور پھر کافر ہو جاتے۔ پھر ایمان لاتے ہیں۔ اور نیز یہ دلیل بیان کرتے ہیں۔ کہ اطفال کا ولادت کے وقت کفر یا ایمان اختیار کرنا اور ان کے ساتھ ان کا موصوف ہونا محال ہے کیونکہ حق تعالےٰ انکو ماں کے پیٹ سے ایسی حالت میں نکالتا

ہے کہ ان کو کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی اور جس شخص کو کسی چیز کی خبر نہ ہو اُس سے کفر یا ایمان معرفت یا انکار کا صدور محال ہے۔ ائمہ کہتے ہیں کہ فطرت کے معنی کے متعلق جتنے قوال ہیں سب سے زیادہ صحیح یہی قول ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ فطرت بمعنی سلامت و استقامت ہے جیسا کہ عیاض بن حمادلی حدیث سے مفہوم ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو حنیف پیدا کیا ہے یعنی سلامت و استقامت پر پیدا کیا ہے واللہ اعلم اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو تمام آفات اور معاصی سے بچا ہوا اور طاعات سے خالی ہو یعنی ولادت کے وقت اطفال سے کوئی طاعت یا معصیت صادر نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس حالت میں کسی چیز کے کرنے پر وہ قادر نہیں ہوتے اور نہ کسی چیز کی خبر ہوتی ہے۔ اور نیز یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (تم کو صرف تمہارے کئے کا بدلہ دیا جاتا ہے) وقال تعالیٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (ہر ایک جی اپنے اعمال کے ساتھ مرہون ہے) اور جو شخص عمل کرنے کے وقت کو نہیں پہنچا وہ کس طرح کسی چیز کے ساتھ مرہون ہوگا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اور جب تک ہم رسول بھیج کر (اتمام حجت) نہ کر لیں کسی کو اس کے گناہ کی سزا نہیں دیا کرتے) ہمارے استاذ فرماتے ہیں کہ اس قول سے اگر ان کا یہ مطلب ہے (کہ بنی آدم کے اطفال ولادت کے وقت معرفت اور انکار سے خالی پیدا ہوتے ہیں اور فطرت ان دونوں میں سے کسی کی مقتضی نہیں ہوتی۔ بلکہ اُن کا قلب اُس لوح کی مانند خالی ہوتا ہے جس پر کفر یا ایمان دونوں لکھے جا سکتے ہیں یعنی وہ دونوں کے لئے یکساں قابل ہے ان دونوں میں سے کسی ایک کے لئے اُس میں کوئی زیادہ قابلیت نہیں) تو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ اس معنے کے مطابق فطرت کو معرفت۔ انکار۔ یہودیت۔ نصرانیت اور اسلام سب سے یکساں نسبت ہے کہ یہ سب چیزیں بعد میں اسباب کے ذریعے سے پیدا ہوتی ہیں پس اس بناء پر حدیث کے الفاظ اس طرح ہونے چاہیئے تھے کہ بچے کے ماں باپ اُس کو مسلمان یا یہودی نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ اور جب آپ نے یوں فرمایا ہے کہ بچے کے والدین اس کو کافر بناتے ہیں۔ اور اس موقع پر آپ نے ملل فاسدہ کا ذکر کیا ہے اور ملت حقہ اسلام کا نام نہیں لیا تو معلوم ہوا کہ اسلام کا حصول کسی ایسی چیز سے ہے جو کفر کے اسباب کے علاوہ ہے اور نیز اس معنی کی بنا پر قلب میں سلامت یا عدم سلامت اور استقامت یا زیغ (کجی) کوئی چیز موجود نہ ہوگی کیونکہ قلب کو سب چیزوں سے یکساں نسبت ہے کسی چیز کے ساتھ اُس کو کوئی خصوصیت

مولود پیدا ہوتا ہے [illegible] آگے بیان ہے سے پہلے [illegible] جس طرح چار پایہ کا بچہ تام پیدا ہوتا ہے [illegible]
قطع کے [illegible] کوئی نقصان یا عیب [illegible] [illegible] کے [illegible] اور [illegible] اللہ تعالیٰ نے
[illegible] آدمی کی مدح فرمائی ہے [illegible] فاقم وجہک للدین حنیفا
فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا اپنے حبیب [illegible] کو اس فطرت پر [illegible] فرمایا
ہے [illegible] کو پیدا کیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ فطرت محمود [illegible] اور [illegible] کے نزدیک
پسندیدہ ہے۔ اور [illegible] اس فطرت کو بہائم کی خلقت کے ساتھ اور کفر کو (جو اس پر
طاری ہوتا ہے) بہائم کے کان کاٹنے کے ساتھ تشبیہ دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ بنی آدم کی فطرت
کے کمال کو بہائم کی خلقت کے کمال سے اور اس کے نقصان کو اس کے نقصان سے تشبیہ
دیا گیا ہے اور کمال کے محمود اور نقصان کے مذموم ہونے میں کسی کو شک نہیں ہوسکتا *

فصل۔ اور اگر اس قول کا وہ مطلب ہے جو بعض علما کہتے ہیں کہ اطفال ایک ایسی فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتے ہیں۔ کہ اگر وہ اپنی حالت پر رہے اور کوئی بگاڑنے والی چیز اس سے پیش نہ آئے۔ تو وہ معرفت کو انکار پر اور ایمان کو کفر پر ترجیح دے اور انکو اختیار کرے۔ اور اگر مفسد اور بگاڑنیوالی چیزیں عارض اور پیش ہو جائیں تو پھر یہ فطرت بدل جاتی اور اپنے مقتضی سے خارج ہو جاتی ہے) تو اس قول کی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوتے جو پہلے قول پر وارد ہوتے ہیں کیونکہ اس قول کے قائل یوں کہتے ہیں۔ کہ فطرت میں ایک ایسی قوت موجود ہے کہ جس کے سبب وہ معرفت اور ایمان کی طرف مائل ہوتی ہے جس طرح کہ صحیح اور تندرست آدمی کے بدن میں ایسی قوت موجود ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے وہ مفید اور نافع غذاؤں کو محبوب رکھتا ہے۔ اور اسی واسطے یہ فطرت محمود اور اللہ تعالےٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اور اس کو بگاڑنے والا مذموم اور برا ہے۔ لیکن اس قول کے متعلق اتنا خدشہ باقی ہے۔ کہ ہم پوچھتے ہیں۔ کہ یہ فطرت جس میں یہ قوت۔ قابلیت۔ استعداد اور صلاحیت موجود ہے معرفت کے حاصل ہونے کے لئے کافی ہے۔ یا کہ معرفت کا حاصل ہونا دوسرے ادلہ خارجی پر موقوف ہے۔ اگر معرفت کا حصول دوسرے ادلہ پر موقوف ہو۔ تو جب وہ ادلہ موجود ہونگے معرفت حاصل ہوگی۔ اور جب وہ مفقود ہونگے۔ تو معرفت بھی معدوم ہوگی اس کے علاوہ یہ ممکن نہیں کہ وہ ادلہ اور خارجی اسباب بذات خود حصول معرفت کیلئے موجب ہوسکیں وہ زیادہ سے زیادہ معرِّف اور مُذکِّر ہو سکتے ہیں۔ اب ان کی تذکیر اور تعریف کے وقت اگر معرفت

کا حصول ضروری ہے۔ اس سے یہ جواب نکل آیا کہ حصول اگر ضروری ہو گا ورنہ ضروری نہیں ہو گا
اور جب معرفت کا حصول ضروری نہ ہوا تو فطرت بذاتہٖ معرفت اور ایمان کی موجب قرار نہیں ثابت
ہوئی۔ اور اس وقت فطرت کے لحاظ سے ایمان، کفر اور معرفت و انکار میں کچھ فرق نہ رہا کیونکہ
نفس فطرت ہر ایک کے لئے قابل اور مستعد ہے اور معرفت و ایمان کا حصول مؤثر خارجی پر موقوف
ہے اور یہ وہی صورت ہے جس کو ہم پہلے قول میں باطل کر چکے ہیں۔ اور اس کی نسبت بیان کیا
ہے کہ ایسی فطرت قابل مدح نہیں ہو سکتی۔ اور اگر فطرت میں ایسی قوت موجود ہے جو بذات خود
حصول معرفت کی مقتضی ہے۔ گو ایسے اشخاص جو اس کو ادلہ معرفت تعلیم کریں موجود نہ ہوں
اور نہ وہ کسی سے ادلہ معرفت کو سنے مگر اس میں خود ایک ایسی قوت موجود ہے جو معرفت کی مقتضی
ہے۔ خواہ بدوں اسباب معرفت کا حصول ضروری ہو یا ایسے اسباب سے حاصل ہو جو مستدل کا
کلام سننے بغیر نفس میں ترتیب وار پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ نفس میں کبھی ایسا صحیح استدلال اور فکر
پیدا ہوتا ہے اور اس سے یہ لازم آیا کہ ہر ایک بچے میں معرفت و ایمان کا مقتضی موجود ہے اور یہی ہمارا دعویٰ
اور مطلوب ہے اور چونکہ مقتضی تام مقتضی کے وجود کو مستلزم ہے تو اس سے لازم
آیا کہ دونوں میں سے ایک کا ہونا ضروری یا فطرت معرفت کو مستلزم ہو یا فطرت کے لحاظ سے معرفت اور انکار دونوں یکساں اور
مساوی ہوں اور فطرت قابل مدح نہ ہو۔ خلاصہ دلیل یہ ہے کہ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ فطرت
کے لحاظ سے معرفت اور ایمان کا حصول ممکن ہے۔ اس کے بعد دو احتمال ہیں۔ اول یہ کہ فطرت
ایمان اور معرفت کے حصول کی موجب اور مستلزم ہو۔ یا اس کے حصول کے لئے موجب اور مستلزم
نہ ہو۔ اور اس صورت میں فطرت کیلئے حصول ایمان ضروری نہ ہو گا۔ اور نیز اس صورت میں فطرت
کے لحاظ سے کفر اور ایمان میں کچھ فرق نہ ہو گا۔ کیونکہ دونوں کا حصول اس کے لئے ممکن ہے۔ اور اس
طرح فطرت قابل مدح نہ ہو گی۔ لہذا ثابت ہوا کہ فطرت معرفت کو مستلزم ہے بشرطیکہ کوئی مخالف اور
معارض موجود نہ ہو۔ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ فطرت معرفت کے لئے موجب اور مستلزم نہیں۔ مگر
اس کے حصول کی طرف اس میں میلان موجود و مہیا ہے۔ اور انکار اور کفر کے بھی قابل ہے۔ تو اس
پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب فطرت معرفت کو مستلزم نہیں تو معرفت کبھی موجود اور کبھی معدوم ہو گی۔
اور نیز صرف فطرت سے اس کا حصول متصور نہ ہو گا۔ بلکہ وہ دوسرے شخص کے ذریعہ سے حاصل
ہو گی۔ مثلاً ماں باپ وغیرہ کی تعلیم و تلقین سے حاصل ہو گی۔ تو اس صورت میں اسلام، یہودیت، نصرانیت
اور مجوسیت میں کچھ فرق نہ ہو گا۔ اور ظاہر ہے کہ ان میں سے بعض دین فطرت سے نہایت

بلیدہیں جیسے مجوسیت۔ پس اگر فطرت اسلام کی مقتضی نہ ہو تو اس کو اسلام سے وہی نسبت ہوگی
جو یہودیت۔ نصرانیت کو مجوسیت سے ہے اور اس بنا پر حدیث میں اسلام کا ذکر کرنا بھی ضروری
ہے۔ اور نیز لازم آتا ہے کہ اسلام کا قبول کرنا ایسا ہی ہو جیسا کہ نوزائیدہ بچہ بغیر تعلیم ذغا دیہے کے ماں کا
دودھ نہ پیئے۔ اور مشاہدہ اسکے خلاف پر شاہد ہے۔ کیونکہ بچے کے منہ میں جب پستان دیدیا
جاتا ہے۔ تو وہ خود بخود دودھ چوسنے لگتا ہے اور جب کوئی معارض موجود نہ ہو تو اس کا دودھ
پینا ضروری امر ہے اسکی خلقت ہی ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ ضرور دودھ پئیگا۔ اور اسی طرح وہ
ایسی فطرت پر پیدا کیا گیا ہے۔ کہ اس کو اپنے خالق کی معرفت حاصل ہو۔ اور جب کوئی معارض اور
مخالف نہ پایا جائے تو اس کے لیئے معرفت کا حاصل ہونا ضروری ہے۔ اور نیز نفس انسانی
میں اللہ تعالےٰ کی محبت۔ اس کے سامنے اپنی عاجزی کا ظہور اور اسکی عبادت میں اخلاص۔۔
حق تعالےٰ کے ساتھ کفر و شرک۔ اس سے اعراض کرنا اور اس کی یاد کو بھولنا ان سب امور کی
نسبت فطرت کی طرف یکساں ہے یا کہ پہلے قسم کے امور کو فطرت مقتضی ہے اور دوسرے
قسم کو مستدعی نہیں اگر ان کو فطرت کی طرف یکساں نسبت ہے تو فطرت کی مدح کی نفی لازم آتی ہے
اور نیز مجوسی بنانے اور اسلام کی تعلیم و تلقین کرنے میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ پس اس حدیث میں اسلام کا
ذکر بھی ضروری ہے اور یہ دونوں باتیں باطل اور ناجائز ہیں۔ اور اگر فطرت میں پہلے قسم کے امور
کا مقتضی موجود ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ معارض کے موجود نہ ہونے کے وقت
اپنے مقتضی کو مستلزم ہو۔ دوسری یہ کہ مقتضی کا حصول کسی دوسرے شخص پر موقوف ہو۔ اگر
اپنے مقتضی کو مستلزم ہے تو ثابت ہوا کہ اسلام و توحید فطرت کے لوازم میں سے ہیں۔ اور ہر ایک
بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اور جب تک کہ کوئی مفسد اس کو متغیر و متبدل نہ کرے تو وہ اسلام پر
رہتا ہے۔ اور اگر اس کا حصول دوسرے شخص پر موقوف مانا جائے۔ تو وہ شخص جس طرح
اس فطرت کو حنیفیہ بناتا ہے۔ ایسا ہی وہ اس کو مجوسیہ بناتا ہے۔ ان دونوں میں کوئی
فرق نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ فطرت میں ایک ایسی قوت موجود ہے جو اللہ سبحانہ کی محبت۔
اس کے سامنے عاجزی ظاہر کرنے اور اس کی عبادت و طاعت میں اخلاص کو موجب ہے
اور جب وہ معارض سے سالم ہو تو اپنے مقتضی کو مستلزم ہے جس طرح کہ فطرت میں ایک ایسی
قوت موجود ہے جو شرب لبن (دودھ پینا) کی مقتضی ہے۔ اور فطرت دودھ کی محبت اور طلب
پر مجبول و مخلوق ہے۔ اسکی توضیح اسطرح ہو سکتی ہے کہ جتنے حرکات ارادیہ انسان سے صادر

دوسرے باب کی موجب ایک قوت ہے جو انسان کے اندر موجود ہے اور جب انسان سے
ان افعال کا صدور ممکن ہے کہ وہ اپنے خالق سے محبت کرے۔ اس کی عبادت بجا
لائے اور اس کی عبادت و طاعت میں اخلاص پیدا کرے۔ تو ان افعال کے لئے انسان
میں ایک قوت کا موجود ہونا ضروری ہے جو انکی موجب و مقتضی ہو کیونکہ افعال ارادیہ کا
سبب اسی شخص کی طرف سے ہو سکتا ہے جو صاحب حیات و ارادہ اور ان کے کرنے پر
قادر ہو۔ اور ارادہ میں معرفت اور کا شعور شرط ہے پس نفوس میں جو اللہ سبحانہ کی محبت
کی قوت موجود ہے۔ جب اس کا ان کو شعور حاصل ہو اور کوئی معارض موجود نہ ہو۔ تو یہ
قوت اللہ سبحانہ کی محبت کے لئے موجب اور مقتضی ہوتی ہے اور کھانے پینے اور پہننے
کی چیزوں اور نکاح۔ علم وغیرہ اشیاء کی محبت کے واسطے بھی یہ قوت انسان میں موجود
ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نفس انسانی میں حق تعالیٰ کی محبت۔ اخلاص اور اس کے
سامنے اپنی ذلت و خضوع ظاہر کرنے کی قوت موجود ہے تو لازم آیا کہ انسان میں حق تعالیٰ کی محبت
و تعظیم موجود ہو اور وہ اس کے بارگاہ میں اپنا خضوع و ذلت ظاہر کرے بشرطیکہ معارض و مخالف
چیزوں سے محفوظ ہے کیونکہ وہ قوت ان امور کی مقتضی ہے انسان میں موجود ہے۔ اور یہ بھی
معلوم ہوا کہ معرفت اور محبت کے لئے دوسرے شخص کا وجود شرط نہیں۔ گو اس کا وجود
کبھی محرک اور مذکر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بھوکے آدمی کے سامنے کھانے اور پیاسے کے سامنے
پینے کی چیز کی تعریف کریں یا بالغ جوان آدمی کے سامنے عورتوں کا ذکر کیا جائے۔ تو اس
سے بھوکے پیاسے یا جوان آدمی کو اس کے مطلوب کی یاد آتی اور اس کی طرف ایک
تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ایسی باتوں سے انکی وہ خواہش جو انکے نفوس میں پوشیدہ ہے
جوش اور ترقی پر ہو جاتی ہے اور یہ نہیں ہوتا کہ ایسی باتوں سے بھوک۔ پیاس یا جماع کی
رغبت ان اشخاص میں پیدا ہو جائے جن کو بھوک۔ پیاس اور جماع کی خواہش نہ ہو۔ اسی طرح
وہ اسباب جو فطرت سے خارج ہیں۔ ان چیزوں کا وجود ان پر موقوف نہیں جو کہ فطرت میں داخل
ہیں مثلاً اپنے خالق کا علم۔ اس کی محبت و تعظیم اور اس کے سامنے اپنی ذلت و عجز ظاہر
کرنا۔ گرچہ یہ اسباب ان چیزوں کے لئے مذکر محرک اور ان عوارض کو دور کرنیوالے ہیں۔ جو ان سے
مانع ہیں۔ اور اسی واسطے اللہ سبحانہ نے ان چیزوں کو جن سے لوازم فطرت درجہ کمال کو پہنچتے
ہیں۔ ذکر اور ذکریٰ کے ساتھ موسوم فرمایا اور اپنے رسول کو مذکر کا خطاب عطا کیا۔ اور فرمایا ہے

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ (تو اے پیغمبر تم لوگوں کو سمجھاؤ (اور) تم تو (بس) سمجھانے والے ہو اور بس) وقال تعالیٰ فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَىٰ (یعنی جہاں تک سمجھو کہ سمجھانا مفید ہے لوگوں کو سمجھاتے رہو) وقال تعالیٰ وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ (اور وہی سوچتا ہے جو خدا کی طرف رجوع کرتا ہے) وقال تعالیٰ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ (اور وہی سوچتے ہیں جو عقل والے ہیں) وقال تعالیٰ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ (جس کو دل ہے یا کان لگا کر حضور قلب سے بات کو سنتا ہے اس کے لئے تو ان باتوں میں کافی نصیحت ہے) وقال تعالیٰ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ (اور البتہ ہم نے قرآن کو لوگوں کے نصیحت پکڑنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ نصیحت پکڑے) وقال تعالیٰ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (تو اے پیغمبر ہم نے اس (قرآن) کو تمہاری بولی میں اس غرض سے آسان کر دیا ہے کہ یہ (اہل عرب اس) کے مضامین کو سمجھ کر نصیحت پکڑیں) +

قرآن کریم میں اس قسم کی بہت سی آیات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کا رسول لوگوں کو وہ چیزیں یاد دلانے والے ہیں جو انکی فطرت میں مرکوز ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت۔ اس کی محبت۔ تعظیم۔ اجلال۔ اخلاص اور اس کے سامنے اظہار عجز اور اس کی اس شریعت کی محبت جو کہ سراسر عدل و انصاف ہے اور دوسری شریعتوں کو چھوڑ کر اس کا اتباع کرنا یہ سب باتیں سکھلاتے ہیں۔ غرض سب فطرتوں میں حق تعالیٰ کی معرفت۔ اس کی محبت۔ اخلاص اور اس کی شریعت کا اقرار اور اس کے اتباع کا خیال مرکوز ہے۔ اور سب کو اس کا شعور اور اجمالی علم اور کچھ تفصیلی علم حاصل ہے۔ اور حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس شریعت کی یاد دہانی اور اس پر متنبہ کرنے کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ پس وہ وقتاً فوقتاً اس کو بیان اور تفصیل کرتے رہے۔ اور بندوں کو ان اسباب سے آگاہ کیا کرتے ہیں جو لوازم فطرت کے معارض اور شریعت کے نشانات پر چلنے سے مانع ہیں۔ اور تمام شرائع جن کو انبیاء علیہم السلام لائے ہیں۔ اسی طرح فطرت میں مرکوز ہیں۔ کہ ان میں امر بالمعروف نہی عن المنکر۔ پاک چیزوں کی اباحت۔ ناپاک اشیاء کی حرمت۔ عدل و انصاف برتنے کا حکم اور ظلم کی ممانعت بیان ہے۔ اور یہ سب چیزیں فطرت میں مرکوز ہیں۔ ان کی پوری تفصیل انبیاء علیہم السلام کے بیان سے معلوم ہوتی ہے۔ توحید اور اثبات صفات کے باب کا بھی یہی حال ہے کہ وہ بھی

فطرت میں مرکوز ہے کیونکہ خالق کے اس کمال مطلق کا اقرار کرنا جس میں کسی قسم کا نقص نہیں انسانی
فطرت میں داخل ہے۔ لیکن اس کمال کو تفصیلاً معلوم کرنا انبیاء علیہم السلام کی تعلیم پر موقوف ہے
اور اسی طرح حق تعالیٰ کا [illegible] نقائص سے منزہ بعضاً مخلوق کی بات بتانا ثابت
شدہ امر ہے۔ اس مسئلہ میں [illegible] مخالف ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے
نقائص سے منزہ ہونے پر کوئی عقلی دلیل موجود نہیں۔ یہ مسئلہ صرف اجماع سے معلوم
ہوا ہے ؎

فَتَبًّا لَهَا تِلْكَ الْعُقُوْلِ فَاِنَّهَا ... بِعِقَالٍ عَلٰى اَصْحَابِهَا وَوَبَالُ

(ایسی عقلوں کو خدا تباہ کرے کہ یہ صاحب عقلوں کے لئے (مسائل حقہ کے سمجھنے سے)
روکنے والی اور ان پر وبال ہیں)

عقول سلیمہ کے نزدیک جیسا کہ خالق عالم کے کمال اور عیوب اور نقائص سے اس
کے منزہ ہونے کا علم ظاہر واضح اور بدیہہ ہے۔ ایسا کسی چیز کا علم ظاہر اور واضح نہیں۔
اور انبیاء علیہم اسی علم کی یاددہانی اور اس کی تفصیل کے لئے دنیا میں مبعوث کئے گئے انبیاء
اور اسی طرح یہ بات بھی فطرت میں داخل ہے کہ بعضے نفوس سعید ہیں اور بعضے شقی اور
ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا و سزا دنیا کے سوا ایک دوسرے عالم میں ہو گی۔ اور اس
جزا اور سعادت و شقاوت کی تفصیل انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی
اور اسی طرح عدل کا علم اس کی محبت اور اس کو اختیار کرنا یہ سب باتیں فطرت میں داخل
ہیں۔ اور اس عدل کی تفصیل جس کو دوسرے لفظوں میں شریعت الٰہی کہتے ہیں۔ انبیاء
علیہم السلام کے بتلائے بغیر ہرگز معلوم نہیں ہو سکتی۔ غرض انبیاء علیہم السلام امور فطریہ کو یاد دلاتے
اور ان کو تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اور اسی واسطے خالص عقل نقل
صحیح کے موافق شریعت حقہ فطرت کے مطابق ہے۔ یہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے
ہیں۔ اور ان میں کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں۔ اور اس مسئلہ میں اُن لوگوں کا خلاف ہے
جو یہ کہتے ہیں کہ (جب عقل اور وحی متعارض ہوں تو ہماری دانست میں عقل کو وحی پر مقدم
کرنا چاہئے) ؎

فَتَبًّا لِعَقْلٍ يَنْقُضُ الْوَحْيَ حُكْمُهٗ ... وَيَشْهَدُ حَقًّا اَنَّهٗ كَاذِبٌ

(وہ عقل برباد ہو جس کے حکم کو وحی توڑ دے اور اس کے جھوٹا ہونے پر شہادت پیش کرے)

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ خالق نے بنی آدم کے دل کو ایسی فطرت پر پیدا کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ
کی ہستی کا اقرار۔ اُس کی محبت۔ اخلاص۔ اُس کی طرف متوجہ ہونا۔ اور اُس کی تعظیم و اجلال یہ
سب چیزیں داخل ہیں۔ اور کسی آدمی میں اِن چیزوں کو کوئی دوسرا شخص پیدا نہیں کر سکتا۔ ہاں
اتنا کیا جا سکتا ہے کہ اِن چیزوں کو دوبارہ یاد دلا دے اور اُن پر متنبہ کر دے۔ اور نفوس بشریہ
کو امور فطریہ کی طرف ترغیب و تحریص دلا دے۔ اور اِن کو تفصیل اور وضاحت کے ساتھ
بیان کر دے۔ اور نیز اُن اسباب سے آگاہ کر دے جو اُن کے لئے باعث قوت اور کمال
ہیں۔ اور ایسے عوارض بتلا دے جو اُن کے حصول سے مانع اور اُن کے لئے موجب زوال
ہیں۔ جس طرح کہ کوئی شخص شیر خوار بچے میں شیر خوری کی خواہش پیدا نہیں کر سکتا۔ یا کوئی شخص
کسی دوسرے میں کھانا کھانے اور پانی پینے یا عورت سے زیست کرنے کی خواہش پیدا
نہیں کر سکتا۔ ہاں جو خواہشیں اور امور اس کی فطرت و طبیعت میں موجود ہیں۔ اُن کے لئے
تحریک اور تذکرہ یا دہانی کرنے والا ہو سکتا ہے +

فصل ۔ مذکورہ بالا مسئلہ کی توضیح اس طرح ہو سکتی ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی ہستی کا مقر ہے لیکن
اُس کے دل میں حق تعالیٰ کی محبت۔ اخلاص اور خضوع موجود نہیں۔ تو یہ اقرار اس کو کچھ نافع
اور مفید نہیں بلکہ ایسا اقرار کہ جس کے ساتھ حق تعالیٰ کی محبت تعظیم اور اُس کے سامنے اظہار عجز سے
انحراف موجود ہو سخت عذاب کا موجب اور باعث ہے۔ پس یہ ضروری ہے کہ فطرت میں اللہ تعالیٰ کی
معرفت علم اور اُس کی محبت کا مقتضی موجود ہو اور محبت علم کے ساتھ مشروط ہے کیونکہ انسان کو جس چیز کا
علم نہ ہو اس سے محبت نہیں کر سکتا۔ اور محبوب چیزوں کی محبت خارجی اسباب سے پیدا نہیں ہوتی۔
بلکہ وہ جبلی و فطری امر ہے اور جب محبت جبلی اور فطری امر ہے۔ تو اُس کی شرط یعنی اللہ تعالیٰ
کی معرفت علم بھی جبلی اور فطری ہوگی۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ حق تعالیٰ کی ہستی کے اقرار کے
ساتھ اُس کی محبت بھی فطرت میں ضرور داخل ہے اور یہی وہ حنیفیت ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے
اپنی مخلوق کو پیدا کیا ہے اور یہی اس کی وہ فطرت ہے جس پر بندوں کو مفطور و مخلوق کیا ہے۔
اور اس سے معلوم ہوا کہ حنیفیت فطرت کا موجب و مقتضی ہے۔ اور اللہ سبحانہ کی محبت اخلاص
اور اُس کے سامنے اظہار عجز کرنا حنیفیت کے کمال کے لوازمات ہیں۔ اور یہ اقرار و معرفت کو مستلزم
ہیں۔ اور لازم کا لازم لازم اور ملزوم کا ملزوم ملزوم ہوتا ہے۔ پس یہی فطرت اِن احوال کے لئے ملزوم اور
یہ احوال فطرت کو لازم ہیں +

فصل کتاب اور سنت رسول صلعم سلف صالحین کے آثار اور اجماع سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کے دین یعنی اُسکی معرفت اُسکی ہستی کے اقرار اُسکی محبت اور خضوع پر مفطور اور پیدا کی گئی ہے اور یہ امور ان کی فطرت کا موجب و مقتضی ہیں اگر ان کا کوئی معارض اور انکی اضداد کا مقتضی موجود نہ ہو تو فطرت میں ان کا حصول واجب اور ضروری ہے فطرت میں ان کا حاصل ہونا کسی شرط کے وجود پر موقوف نہیں بلکہ مانع کے منتفی ہونے پر موقوف ہے اور اگر کسی شخص میں یہ امور نہ پائے جائیں تو اسکی یہ وجہ ہے کہ اُس میں اُن کا منافی و معارض امر موجود ہے اور نہ یہ وجہ ہے کہ اس میں ان کا مقتضی مفقود ہے اور اسی واسطے نبی صلعم نے فطرت کے وجود کیلئے کوئی شرط ذکر نہیں فرمائی بلکہ اُن چیزوں کو بیان فرمایا ہے جو اُسکے مقتضی اور موجب کے حصول سے مانع ہیں چنانچہ فرمایا ہے کہ بچے کے ماں باپ اس کو یہودی نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔ پس یہودیت نصرانیت کا حصول ایسے اسباب پر موقوف ہے جو فطرت سے خارج ہیں اور حنیفیت اخلاص معرفت الٰہی اور خضوع کا نفس حصول فطرت کے سوا کسی دوسری چیز پر موقوف نہیں مگر ان کا کمال اور تفصیل اور چیزوں پر موقوف ہے ۔

فصل نبی صلعم کا یہ قول (مسلم) کہ آپ اللہ تبارک تعالیٰ کی جانب سے نقل فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سب بندوں کو حنیف پیدا کیا پھر شیاطین نے انکو دھوکا و فریب دیا اور جو چیزیں میں نے اُن پر حلال کی تھیں وہ اُن پر حرام کر دیں۔ دو ایسے عظیم الشان اصول کو جو بذات خود مقصود ہیں اور انکے ایک وسیلہ کو متضمن ہے جو انکے حصول کیلئے معین و مددگار ہے اصل اوّل یہ ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرنی چاہیے اصل دوم یہ ہے کہ اسکی عبادت اُس طریق پر کرنی چاہیئے جس کو اُس نے مشروع کیا اور اُس کا حکم دیا ہے۔ اور جو اُس کو پسند و محبوب ہے اور یہ دونوں اصل مقصود بالذات ہیں۔ حق تعالیٰ نے مخلوق کو انہی کے واسطے پیدا کیا ہے اور شرک اور بدعات انکی ضد ہیں۔ مشرک اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو پوجتے ہیں اور بدعتی اللہ کی عبادت ایسے طریقوں سے کرتے ہیں جن کا اُس نے امر نہیں کیا اور نہ اُن کو مشروع فرمایا ہے اور نہ وہ اس کو پسند و محبوب ہیں۔ اور پاک چیزوں کی حلت کہ حق تعالیٰ نے انکا معاون اور وسیلہ بنایا ہے یہ دین کی مدار انہی دو اصول اور اس وسیلہ کے حصول پر ہے۔ اللہ سبحانہ نے بتلایا ہے کہ شیاطین نے خلق خدا کو اس مقصود اور اس وسیلہ دونوں سے ہٹا دیا ہے ان کو خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کے شریک کرنے کا امر کیا۔ جنکی شراکت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دلیل نہیں ہے اور شرک کی کئی صورتیں ہیں اور یہ اصل کی دونوں قسموں کو شامل ہے۔ مثلاً شرک کی ایک صورت ہے کہ معبود حق کے ساتھ کسی دوسرے کو عبادت میں شریک کرے یعنی خدا کی عبادت کے ساتھ کسی دوسرے کی بھی پرستش کرے دوسری یہ صورت ہو کہ اسکی صحیح عبادت کے ساتھ شرک کرے یعنی خدا کی عبادت ایسے طریق سے بجا لائے جس کا امر شارع نے نہیں کیا اور اکثر دونوں شرک اکٹھے ہو جاتے ہیں کہ مشرک لوگ معبود حق کے ساتھ غیروں کو بھی پوجا کرتے ہیں اور معبود حق کی عبادت ایسے طریق سے بجا لاتے ہیں کہ اُس طریق پر اُسنے اپنی عبادت کی اجازت نہیں فرمائی۔ اور کبھی شرک کی صرف ایک قسم موجود ہوتی ہے کہ مشرک شخص خدا تعالیٰ کے ساتھ اسکی مشروع عبادت میں غیر کو شریک نہ کرتا ہو مگر خدا کی عبادت اس طریق پر کرتا ہے جس کو اُس نے مشروع اور جائز نہیں فرمایا اور اس کی عبادت کی بابت اسکی حلال کی ہوئی چیز کو حرام ٹھہرانے کو وسیلہ بناتا ہے اور ان دونوں قسم کے شرک پر اللہ سبحانہ نے سورۂ اعراف

اور سورہ انعام وغیرہ میں مشرکین کی نسبت بیان فرمائی ہیں ان سورتوں میں کھانے پینے کی چیزوں کی تحریم خدا تعالیٰ کے ساتھ عبادت
میں شریک کرنے یا اُسکی عبادت غیر شرع طریق سے کرنے کی مذمت مذکور ہوئی ہے اور حدیث میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام
دینوں سے زیادہ محبوب ملت حنیفہ سمحہ ہے یعنی یہ ملت توحید میں حنیفیہ ہے اور عمل میں باعتبار شریعت نرم اور آسان ہے اور اسکا دین کی نسبت یہ
لحاظ سے بڑا آسان ہے جو پہلی امتوں کو پاک اور حلال چیزوں کے حرام کرنے سے پیش آتی تھیں غرض اللہ وحدہٗ کی عبادت
اُس طریق سے کرنی چاہئے جو اُسکے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہے اور اُس کی عبادت پر اُس کی حلال کی ہوئی چیزوں سے
استعانت کرنی اور ان کو وسیلہ بنانا چاہئے یعنی پاک حلال چیزیں کھا کر اسکی عبادت بجالانی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا اے گروہ پیغمبران ستھری چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ اور یہی وہ دین
ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا ہے اور یہ ہر ایک کے نزدیک محبوب اور اُس کی صفت ہر ایک فطرت میں ثابت و
مستقر ہے کیونکہ یہ دین توحید، اخلاص نیت، اللہ وحدہٗ کی محبت، اُس کے محبوب پسندیدہ طریق پر خاص اُسی کی عبادت اُن نیک
کاموں کے کرنے کے امر کو جن کو قلوب فطرۃً محبوب رکھتے ہیں اور اُن بُرے کاموں کی نہی کو متضمن ہے جن سے قلوب کو طبعاً بغض
اور نفرت ہے اور پاک وحلال اور مفید چیزوں کی تحلیل اور ناپاک اور مضر اشیاء کی تحریم پر مشتمل ہے۔

فصل نبی صلعم نے جو یہ مضمون بیان فرمایا ہی کہ ہر ایک بچہ فطرت حنیفیہ پر پیدا ہوتا ہے اور ادلۂ عقلیہ بھی اُس پر شاہد ہیں اور
واقعی وہی حالت ہے جس کو صادق مصدوق نے بیان فرمایا ہے اور جو لوگ اس کا خلاف کرتے ہیں وہ صریح غلطی پر ہیں
چنانچہ چند وجوہ سے ہم اس کو بیان کرتے ہیں وجہ اول یہ ہے کہ انسان کے دل میں کبھی صحیح اور سچے اعتقادات اور ارادات
پیدا ہوتے ہیں اور کبھی غلط اور باطل خیالات کیونکہ اسکے اعتقادات کبھی اُن چیزوں کے مطابق ہوتے ہیں جن کا اعتقاد کیا
ہے تو اس صورت میں وہ اعتقادات صحیح اور حق ہیں اور اسکے بیان اور خبر کو صدق کہتے ہیں۔ اور کبھی اُن چیزوں سے
جن کی نسبت اعتقاد کیا ہے مطابق نہیں ہوتے اور ایسے اعتقادات باطل اور غلط ہوتے ہیں اور اُنکی خبر اور بیان کو کذب
کہتے ہیں اور نیز انسان کے ارادات دو قسم ہیں ایک جو اس کے واسطے نافع اور اس کی مصلحت کو متضمن ہوتے ہیں۔ اور
جس چیز سے اُن کا تعلق ہوتا ہے یعنی مراد وہ خیر اور حسن ہوتی ہے۔ دوسرے وہ جو اس کے لئے مضر اور اسکی مصلحت کے
خلاف ہوتے ہیں اور ان کا متعلق یعنی مراد شر اور قبیح ہوتا ہے۔ اور جب یہ حالت ہے کہ انسان کبھی حق کا معتقد
اور خیر کا ارادہ کرنے والا اور کبھی باطل کا معتقد اور شر کا ارادہ کرنیوالا ہوتا ہے۔ تو اب اُس کی دو صورتیں
ہیں۔ یا تو اس کے نفس باطن کو دونوں نوع سے یکساں نسبت ہے۔ اور اُس میں کوئی ایسی چیز
موجود نہیں جو ایک نوع کو دوسرے پر ترجیح دے یا اُس کا نفس ایک نوع کو دوسرے پر
ترجیح دیتا ہے۔ اگر پہلی صورت ہو تو لازم آتا ہے کہ جب تک کوئی خارجی مرجح نہ پایا جائے اُن
میں سے کسی نوع کا وجود متحقق نہ ہو۔ اور اگر فرض کریں کہ دو ایسی چیزیں موجود ہیں جنمیں سے ایک احد النوعین کیلئے

مرجح ہے اور دوسری دوسرے نوع کے لئے۔ پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو دونو مرجح مساوی اور یکساں ہیں۔ یا اُن میں سے ایک غالب ہے۔ اگر دونو مساوی اور یکساں ہوں تو لازم آئیگا۔ کہ اعتقادات اور ارادات حقہ اور باطلہ میں سے کسی نوع کا وجود متحقق نہ ہو اور یہ بداہت کے خلاف ہے۔ بداہتہً معلوم ہے کہ جب کسی شخص پر یہ بات پیش کی جائے کہ وہ حق کا اعتقاد رکھے زبان سے سچی بات کہے اور اپنی نافع اور مفید چیزوں کا ارادہ کرے۔ اور یہ بات بھی پیش کی جائے کہ باطل کا اعتقاد رکھے۔ جھوٹ بولے اور اپنی مضر چیزوں کا ارادہ کرے تو وہ اپنی فطرت سے پہلی بات کو اختیار کریگا۔ اور دوسری سے اس کو طبعًا کراہت اور نفرت ہوگی۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ فطرت انسانی ایک ایسی قوت ہے جو حق کے اعتقاد اور خیر کے ارادہ کو مقتضی ہے اور اس وقت ہم یوں کہتے ہیں کہ اپنے پیدا کرنے والے اور خالق کا اقرار۔ اُس کی معرفت۔ محبت۔ اُس کے ساتھ ایمان لانا۔ اس کی تعظیم اور اخلاص نوع اول میں داخل یا کہ نوع ثانی میں شامل ہیں۔ دوسرے نوع میں سے اُن کو شمار کرنا ظاہرًا باطل اور غلط ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ امور اعتقادات حقہ اور ارادات خیر میں سے ہیں۔ پس ضروری ہوا کہ فطرت میں کوئی ایسی چیز موجود ہے۔ جو کہ حق تعالیٰ کی محبت۔ اس کی معرفت اُس کے ساتھ ایمان لانے اور اس کے پسندیدہ اور مرضیات کاموں کے ساتھ اس کی طرف وسیلہ پکڑنے کو مقتضی ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسے اعمال کے ساتھ جو اللہ سبحانہ کو محبوب ہیں اُس کی عبادت کرنا اُس کے بندوں کے لئے باعث کمال ہے یا اُس کے ساتھ شرک کرنا اُن کے لئے موجب سعادت و کامیابی ہے۔ شرک کا موجب کمال و سعادت ہونا بالکل ظاہرًا باطل ہے پس متعین ہوا کہ اُس کی عبادت بندوں کے لئے باعث کمال ہے اور ضروری ہے کہ فطرت میں کوئی ایسی چیز موجود ہو جو اللہ سبحانہ کی توحید۔ الوہیت اور تعظیم کی مقتضی ہو۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ فطرت کے لحاظ سے ملت حنیفیہ (توحید) جو اللہ تعالےٰ کا مقررہ کردہ دین ہے۔ اور اس کے سوا اُس نے کوئی دین مشروع و مقرر نہیں فرمایا۔ دوسرے باطل ادیان کے ساتھ مساوی اور متماثل ہے یا اُن سے افضل اور راجح یا اُن سے کمتر اور مرجوح پہلی اور تیسری شق تو یقینًا باطل ہیں۔ پس ضروری ہوا کہ فطرت میں کوئی ایسی چیز موجود ہے جو ملت حنیفیہ کو دوسرے ادیان پر ترجیح دیتی ہے۔ اور یہ محال اور ناجائز ہے۔ کہ اس ملت اور دوسرے ادیان کو فطرت سے یکساں نسبت ہو۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ ثابت ہوچکا ہے

کہ فطرت میں ایک ایسی قوت موجود ہے جو حق تعالیٰ کی معرفت کی طلب اور اُس کی محبت کی مقتضی ہے
اور یہ قوت ماں باپ وغیرہ کی تعلیم کے بغیر فطرت میں مرکوز اور حاصل ہے۔ بلکہ اگر فرض کیا
کہ کسی آدمی نے صرف اکیلے پرورش پائی۔ پھر اسی تنہائی کی حالت میں اُسے عقل و تمیز حاصل ہوا
تو وہ اپنے نفس کو حق تعالیٰ کی معرفت اور اُس کی محبت کی طرف مائل اور اسکی ضد سے متنفر پائیگا
جیسا کہ بچہ اپنے ابتدائی تمیز و شعور میں اس بات کو سمجھتا ہے کہ حادث چیز کیلئے کوئی محدِث
ضرور ہوتا ہے مثلاً جب کوئی شخص اُسکے کسی پیٹھ کی طرف سے طمانچہ مارے تو وہ گردن موڑ
کر دیکھتا ہے اُس کی یہی وجہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے۔ کہ اس ضرب کیلئے کوئی ضارب ضرور ہے
اور جب اُسے معلوم کر لیتا ہے تو رونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی شخص ضارب سے اُس
کا قصاص لے۔ اور قصاص لینے کے بعد خاموش ہو جاتا ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ صانع
کا اقرار جس کو دوسرے لفظوں میں توحید کہا جاتا ہے۔ اور قصاص کی یہ بات جو عدل کہتے
ہیں بچے کی فطرت میں مرکوز ہے۔ اور جب یہ بات ثابت ہوئی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ نفس
فطرت بغیر کسی تعلیم و تلقین اور ترغیب کے اللہ سبحانہ کی معرفت۔ اُس کی محبت۔ اجلال تعظیم
اور اُس کے سامنے اظہار عجز کو مقتضی ہے۔ اگرچہ ہر ایک شخص کی فطرت ان اشیاء کے
حاصل کرنے میں مستقل نہیں۔ بلکہ بہت سے لوگ ایسے اسباب کے محتاج ہیں جو فطرت کے لئے
معین اور تقویت دینے والے ہوں۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس قسم کے اسباب فطرت
میں وہ چیزیں پیدا نہیں کر سکتے جو اس میں موجود نہ ہوں۔ بلکہ یہ اسباب فطرت کے لئے
معین مقوی اور مذکر ہوتے ہیں۔ اور اسی واسطے حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو
مبعوث فرمایا جو اس کے انعام کی خوشخبری سناتے اور اُس کے عذاب سے ڈراتے ہوئے
لوگوں کو فطرت کے موجَب اور مقتضیٰ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور جب کوئی ایسا امر موجود
نہ ہو جو فطرت کو اپنے مقتضیٰ سے منع کرے تو وہ انبیاء کی دعوت کو ضرور لبیک کہے۔ اور
اُنکی ہدایت کی پیروی اختیار کرے جس طرح کہ کوئی شخص کسی بھوکے یا پیاسے آدمی کو کھانے یا
پینے کی کسی ایسی نافع اور لذیذ چیز کی طرف بلائے جس کے استعمال سے اُسے کوئی ضرور
نہ ہو اور نہ اس سے اُس کی قیمت طلب کرے تو اِس صورت میں اگر کوئی مانع موجود نہ ہوا۔ تو
تو وہ ضرور اُس کی دعوت کو قبول کریگا۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ ہم کو بداہتہً معلوم ہے۔ کہ بچے
کو پیدا ہونے کے وقت دین کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ اور نہ اُس میں اُس کی نسبت کوئی ارادہ ہوتا

ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ جب اُس میں قوت علمیہ اور ارادہ موجود ہو جاتے ہیں۔ تو اُسی وقت فطرت کی قوت اور ضعف کے مطابق اُس میں اپنے رب کی معرفت اور محبت بھی حاصل اور موجود ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ بچوں کی حالت کو دیکھا جاتا ہے کہ اُن میں تمیز کے کمال اور ضعف کے لحاظ سے مفید اور نافع چیزوں کے حاصل کرنے اور مضر اور مخالف چیزوں کے دفع کرنے کی محبت تدریجاً پیدا ہوتی جاتی ہے۔ غرض خدا تعالےٰ کی معرفت اور محبت اور دوسری نافع چیزوں کے حاصل کرنے کی محبت اور موذی اشیاء کے دفع کرنے کا شوق بچے کے نشو و نما کے ساتھ آہستہ آہستہ پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُس حد کو پہنچ جاتے ہیں کہ فطرت میں اُس سے زائد کے قبول کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔ یعنی درجہ کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض فطرتوں کو مختلف قسم کے موانع پیش آجاتے ہیں جو اُن کے اور اُن کے موجب و مقتضی میں حاجب اور حائل ہو جاتے ہیں +

چھٹی وجہ یہ ہے کہ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ نفوس انسانی کے لئے جب کوئی معلم اور تلقین کرنے والا موجود ہو تو اُس کی تعلیم و تلقین کے مطابق اُن میں علوم اور ارادات پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہے۔ کہ ہر ایک نفس خدا تعالےٰ کی معرفت اور ارادہ خیر کی قابلیت رکھتا ہے اور صرف تعلیم سے یہ قابلیت حاصل نہیں ہوتی۔ پس اگر نفس میں ایسی قوت موجود نہ ہو جو اُس کی قابل ہے۔ تو نفس اس کو کبھی قبول نہ کر سکے۔ کیونکہ اس کے حصول کے لئے چند شرائط ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نفس میں اس کی استعداد اور اس کے حصول کے لئے تہیو اور آمادگی پائی جائے۔ اور یہ بات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کے اسباب اور اضداد کو نفس کی طرف یکساں نسبت ہو +

ساتویں وجہ یہ ہے کہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ انسان احساس۔ حرکت ارادیہ اور جنس شعور میں دوسرے حیوانات کے ساتھ شریک ہے۔ اور بعضے حیوانات ایسے بھی ہیں جو احساس۔ حیاتی اور شعور میں انسان سے زیادہ قوی اور مضبوط ہیں۔ مگر جن چیزوں کی انسان قابلیت رکھتا ہے اُس سے وہ بے بہرہ ہیں۔ انسان حق تعالےٰ کی معرفت اور اُس کے ارادہ کے قابل ہے۔ دوسرے کسی حیوان میں یہ قابلیت موجود نہیں۔ پس اگر اُس کی فطرت اور نفس ناطقہ میں وہ قوت موجود نہ ہو جو دوسرے حیوانات کے سوا انسان کے ساتھ خاص ہے۔ اور جن کی وجہ سے وہ حق تعالےٰ کو پہچانتا اور نیک کاموں کا

ارادہ کرتا ہے۔ تو اس کے نہ ہونے میں انسان اور دوسرے حیوانات یکساں ہونگے۔ اور اس وقت دو محال باتوں میں سے ایک بات ضرور لازم آئیگی۔ یا تو دوسرے حیوانات کی طرح انسان میں بھی حق تعالےٰ کی معرفت اور نیک کاموں کا ارادہ موجود نہ ہو یا جس طرح انسان کے لئے حاصل ہے۔ اسی طرح دوسرے حیوانات کے لئے بھی حاصل اور موجود ہو۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ اگر فطرت اور نفس ناطقہ میں ایسی قوت موجود نہ ہو جو معرفت اور ارادہ کی مقتضی ہے۔ تو انسان کو یہ معرفت اور ارادہ حاصل نہ ہو۔ اور اگر اس معرفت اور ارادہ کے حصول کے لئے فطرت میں کوئی قوت اور مقتضی موجود نہیں تو پھر جمادات اور دوسرے حیوانات کے لئے بھی اس کا حصول ممکن اور جائز ہوگا۔ مگر خالق نے صرف فطرت انسانی کو اس قابلیت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس میں وہ قوت موجود ہے جو دوسرے حیوانات میں موجود نہیں۔ اور وہ معرفت اور ارادہ کے قابل ہے ٭

چنانچہ آٹھویں وجہ اس کی توضیح کرتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر حق تعالےٰ کی معرفت اور ارادہ خیر کا سبب صرف تعلیم ہو اور فطرت انسانی میں کوئی ایسی قوت موجود نہ ہو جو اس کے لئے قابل ہے تو جمادات اور حیوانات میں بھی معرفت اور ارادہ حاصل ہونے ضروری ہیں۔ کیونکہ انسان اور دوسرے حیوانات بلکہ جمادات میں انکے حاصل ہونے کا سبب ایک ہے اور انسان میں کوئی ایسی قوت موجود نہیں جس کی وجہ سے انسان اس کے لئے قابل و مستعد ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے حیوانات کے سوا بالخصوص انسان میں انکے حاصل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ فطرت انسانی میں ایک ایسی قوت موجود ہے جو انکے لئے قابل ہے۔ اور دوسری چیزوں میں یہ قوت موجود نہیں ٭

نانویں وجہ یہ ہے کہ اس معرفت اور ارادہ کا معدوم محض میں حاصل ہونا محال ہے۔ پس ضرور ہے کہ اس کے لئے کوئی محل موجود ہو۔ اور محل موجود غیر قابل میں بھی انکا حصول ناممکن ہے۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ محل میں انکے حصول کی قابلیت موجود ہو۔ اور نیز محل قابل کو فاعل کی مدد کی ضرورت ہے۔ اگر فاعل کی امداد منقطع ہو جائے تو محل قابل انکو قبول نہیں کرسکتا۔ غرض محل کا وجود۔ اس کی ستعداد اور فاعل کی امداد یہ سب چیزیں مقبول کے وجود کے لئے ضروری ہیں۔ اور اللہ خالق علیہم ہی موجد معداور ممد ہے ٭

دسویں وجہ یہ ہے کہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ نفس بذات خود اپنے لئے علم اور ارادہ کے حصول کا موجب نہیں بلکہ اس میں ایک ایسی قوت موجود ہے۔ جس کی وجہ سے علم اور ارادہ کو قبول کرتا ہے اور اُس قوت کی معطی خود وہی قوت نہیں ہو سکتی۔ اور وہ قوت کسی دوسری قوت پر موقوف ہے۔ ورنہ تسلسل یا دوام لازم آئیگا۔ اور یہ دونو محال ہیں۔ پس یہاں تین چیزیں ہیں ایک قوت قابلہ کا وجود۔ دوسری یہ کہ اس قوت قابلہ کو پیدا کرنے والی خود اس قوت کی ذات نہیں۔ تیسری یہ کہ یہ قوت کسی دوسری قوت پر موقوف نہیں۔ پس ضروری ہوا۔ کہ نفس کے خالق نے اُس کو ایک قوت پر پیدا کر دیا ہے کہ جس کے سبب وہ علم اور ارادہ کی قابلیت رکھتا ہے۔ اور یہ بات بداہتہً معلوم ہے کہ علم و ارادہ اور اُن کی اضداد کو اس قوت کی طرف یکساں نسبت نہیں ✦

گیارھویں وجہ یہ ہے کہ اگر ہم فرض کریں کہ اللہ تعالےٰ کی معرفت اور محبت کا حصول کسی خارجی سبب پر موقوف ہے۔ تو اُس سبب کے حاصل ہونے کے وقت اُن کا حصول فطرت کے نزدیک راجح اور محبوب ہوتا ہے۔ پس یہ ترجیح اور محبت فطرت میں مرکوز ہیں ✦

بارھویں وجہ یہ ہے کہ اگر ہم فرض کریں۔ کہ کوئی خارجی چیز فطرت کے لئے مفسد یا اس کی مصلح موجود نہیں۔ تو فطرت ضرور مصلح کے ارادہ اور ماسوا پر اس کی ترجیح کی مقتضی ہوگی۔ اور جب کہ مقتضی موجود اور مانع مفقود ہو تو اس کے اثر کا حاصل ہونا ضروری ہے کیونکہ اثر کا تخلف اور موجود نہ ہونا یا مقتضی کے عدم یا مانع کے وجود کے باعث ہوتا ہے۔ اور جب مانع موجود نہیں۔ اور مقتضی معارض اور متقادم چیزوں سے سالم ہے تو اس کا اثر ضرور موجود ہوگا ✦

تیرھویں وجہ یہ ہے کہ وہ سبب جو حق تعالےٰ کی معرفت۔ اُس کی محبت اور اخلاص کے لئے فطرت میں موجود ہے۔ اس میں دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ اِن چیزوں کو مستلزم ہو۔ دوم یہ کہ مستلزم نہیں۔ لیکن اُنکے لئے مقتضی ہے۔ کیونکہ یہ تو جائز نہیں۔ کہ اس کا ان میں کسی قسم کا اثر نہ ہو۔ اور دونو صورتوں میں اس کا اثر ضرور مترتب ہوگا۔ پہلی صورت میں اکیلے سبب جو مترتب ہوگا۔ اور دوسری صورت میں اُسکے ساتھ کسی دوسری چیز کے منضم ہونے سے اُس پر اثر ضرور مترتب ہوگا ✦

چودھویں وجہ یہ ہے۔ کہ نفس ناطقہ شعور اور ارادہ سے خالی نہیں۔ بلکہ نفس ناطقہ کا شعور

ارادہ سے خالی ہونا محال ہے۔ کیونکہ شعور اور ارادہ نفس ناطقہ کی حقیقت کے لوازم میں سے ہے پس یہ ممکن نہیں کہ وہ شعور اور ارادہ کے بغیر موجود ہو اور یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ نفس کہ شعور اور ارادہ جس کے حقیقت کے لوازم میں سے ہے۔ اپنے خالق کی ہستی کے شعور۔ اس کی محبت اور ارادہ سے خالی ہو۔ اور اپنے خالق کی ہستی کا اقرار اور اس کی محبت اس کی ذات کے لوازم میں سے نہ ہو۔ کیونکہ یہ قطعاً باطل ہے اسلئے کہ بضرورت فطرت نفس کے لئے مطلوب و مراد ثابت ہے اور اس کا صاحب ارادہ ہونا اس کی ذات کے لوازم میں سے ہے کیونکہ اس میں حیات ہے اور جس چیز میں حیات ہو وہ ذی شعور اور متحرک بالارادہ ہوتی ہے۔ اور جب یہ ثابت ہوا کہ نفس صاحب ارادہ ہے اور ہر ایک صاحب ارادہ کے لئے مراد کا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا نفس کے لئے بھی مطلوب و مراد کا ہونا ضروری ہے۔ اور مراد اور مطلوب کی دو صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ کوئی چیز بذات خود مطلوب اور مراد ہو۔ دوم یہ کہ کسی دوسری چیز کے واسطے مطلوب و مراد ہو۔ اور علل غائیہ میں تسلسل کے قطع کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مراد وغیرہ کا سلسلہ مراد لنفسہٖ پر ختم ہو جائے۔ کیونکہ جس طرح علل فاعلیہ میں تسلسل محال ہے۔ اسی طرح علل غائیہ میں بھی تسلسل باطل اور ناجائز ہے۔ اس تمام تقریر سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کے لئے ایک مطلوب اور مراد لنفسہٖ کا ہونا ضروری ہے۔ اور وہ اللہ خالق کی ذات مقدس ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں نفوس اس کی پرستش کرتے۔ قلوب اس سے محبت رکھتے۔ فطرتیں اس کو پہچانتی اور عقول اس کی ہستی کا اقرار کرتے اور اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ ان کا رب۔ مالک اور پیدا کرنے والا ہے۔ غرض ہر ایک شخص کے لئے ایسے معبود کا ہونا ضروری ہے جس کی وہ پرستش کرے اور ایسے بے نیاز مالک کی ضرورت ہے جس سے اپنی حاجات طلب کرے۔ اور سب بندے الٰہ الحق کی محبت پر پیدا کئے گئے ہیں۔ اور بالبداہتہ معلوم ہے کہ الٰہ حق کے سوا کسی دوسرے کی پرستش پر پیدا نہیں کئے گئے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ ایک خدا کی پرستش وعبادت پر پیدا کئے گئے ہیں۔ اگر اپنی فطرت پر چھوڑے جاتے۔ تو الٰہ حق کے سوا کسی کی پرستش کرتے اور نہ کسی کو اپنا معبود بناتے۔

چنانچہ پندرہویں وجہ اس کی توضیح کرتی ہے وہ یہ ہے کہ فطرت کا الٰہ معبود کی پرستش فطرت وعبادت سے خالی ہونا محال ہے اور یہ بھی محال ہے کہ الٰہ حق کے سوا کسی دوسرے کی عبادت و پرستش اور اس کے چند وجوہات۔ اوّل یہ کہ فطرت کا الٰہ حق کے سوا کسی دوسرے

کی پرستش کرنا واقع اور نفس الامر کے خلاف ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ کسی ایک مخلوق چیز کے باقی مخلوقات سے کے لیئے معبود تصور کرنے میں ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ ایک مخلوق چیز میں کوئی ایسی وجہ موجود نہیں کہ وہ معبود ہو۔ اور دوسری مخلوق چیزیں اسکی عابد و پرستار ہوں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ مشرکین ایک معبود پر متفق نہیں۔ بلکہ جس جماعت کو جو چیز خوبصورت معلوم ہوئی وہ اسی کی پوجا کرنے لگی۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ مخلوق جس کی لوگ فطرۃً پرستش کریں۔ اگر مردہ ہو تو یہ امر محال ہے کہ زندہ جو کہ مردہ سے اکمل ہے۔ اس کو چھوڑ کر لوگ مردہ کی عبادت پر مفطور ہوں۔ اور اگر زندہ ہے تو وہ بھی صاحب ارادہ ہوگا اور جیساکہ پہلے ثابت ہوچکا ہے۔ اس کے لئے بھی کوئی معبود ضرور ہوگا۔ اور اس طرح یا دور لازم آئیگا یا تسلسل اور یہ دونو محال ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ سب مخلوق کے لئے ایک معبود ہے جس کی سب پرستش کرتے ہیں۔ اور وہ کسی کی پرستش نہیں کرتا اور یہ دلیل نہایت قطعی اور بدیہی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ اس دلیل سے اتنا ثابت ہوا ہے کہ ہر ایک زندہ مخلوق کے لئے کوئی نہ کوئی معبود ضروری ہے۔ پس جائز ہے کہ نفس کا مطلوب مطلق معبود ہو الٰہ معین کا ہونا کوئی ضروری نہیں۔ چنانچہ فرقِ وحدت وجودیہ اسی بات کے قائل ہیں تو اس کا جواب سولھویں وجہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ شئے مطلوب اور مراد کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ شئے مطلوب کی نوع مطلوب اور مراد ہو۔ دوسری یہ کہ اس کا شخص معین مطلوب ہو پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ مثلاً پیاسا بھوکا اور ننگا آدمی پینے۔ کھانے اور پہننے کی چیز کی نوع کا محتاج ہے اور اس کا مطلوب یہ ہے کہ اس نوع کی کوئی چیز میسر ہو جس سے وہ اپنی حاجت روائی کرے۔ اور ایسا شخص ان انواع میں سے جب کوئی معین فرد ارادہ کریگا تو دو معین چیز افراد کے درمیان قدر مشترک ہوگی۔ اور قدر مشترک ایک مفہوم کلی ہے خارج میں اس کا وجود متحقق نہیں۔ لہذا اس کا لذاتہٖ مراد ہونا محال ہے۔ کیونکہ جو چیز لذاتہٖ مراد ہو وہ ضرور معین ہوتی ہے۔ اور دو فردوں کے درمیان امر کا موجود ہونا بھی محال ہے کیونکہ ہر ایک کا لذاتہٖ مراد ہونا اس کے لذاتہٖ مراد ہونے کے منافی اور مخالف ہے کیونکہ لذاتہٖ مراد ہونے کا یہ مطلب ہے کہ تنہا ایک چیز اپنی ذات خاص کے لحاظ سے مراد ہو۔ اور کوئی دوسری چیز اس کے ساتھ مراد نہ ہو جب یہ معلوم ہوچکا۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ اگر نوع کے تمام افراد یا دو فرد کے درمیان بلا مشترک مراد لذاتہٖ ہو تو لازم آئیگا۔ کہ ان میں سے کوئی فرد اپنی ذات خاص کی وجہ سے مراد

لازمًا نہ ہوگا۔ اور خارج میں ذات خاص موجود ہے نہ کہ کلی اور نہ امر مشترک جس سے یہ نتیجہ
نکلا کہ اگر تاآلہ اور عبادت کا تعلق قدر مشترک سے ہو تو مخلوق کا الٰہ موجود فی الخارج نہ ہوگا بلکہ
اس بنا پر الٰہ کا وجود صرف ذہن ہی میں ہوگا۔ وحدت وجودیہ اور جہمیہ فرقے ایسے ذہنی
معبود کی پرستش کرتے ہیں۔ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ کا وجود عالم کے اندر یا عالم
سے باہر کہیں متحقق نہیں بلکہ ان کا خدا محض ایک فرضی خدا ہے جس طرح کہ عقل دوسرے محالات
کو فرض کر لیتی ہے اسی طرح الٰہ کا وجود بھی انکے نزدیک محض فرضی اور ذہنی ہے۔ طرفہ یہ کہ
ایسے فرضی خدا کو واجب الوجود کہتے ہیں حالانکہ وہ ممکن الوجود بھی نہیں چہ جائیکہ واجب الوجود
ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ جہمیہ اور ان کے بھائی جو وحدت وجود کے قائل ہیں۔ انکے
نزدیک کوئی ایسا الٰہ معین موجود فی الخارج نہیں جس کی وہ عبادت اور پرستش کرتے ہیں بلکہ
وحدت وجودیہ وجود مطلق کلی کی پرستش کرتے اور جہمیہ معدوم ممتنع الوجود کی عبادت کرتے
ہیں۔ اور جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے پیرو ہیں۔ ان کا معبود وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کے
سوا کوئی لائق عبادت نہیں جس نے زمین اور آسمان بنائے ہیں۔ اس کا اسم رحمٰن ہے
عرش پر مستوی ہے۔ آسمانوں زمین اور ان کے بیچ میں اور زمین کے نیچے جتنی چیزیں ہیں
سب کا مالک وہی ہے۔ اگر تو اس کو آواز سے پکارے تو وہ اسرار اور پوشیدہ باتیں سب
کچھ جانتا ہے۔ وہ اللہ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اسی کے لئے اسماء حسنیٰ ہیں۔
وہ اللہ جس نے دلوں کو اپنی محبت۔ اپنی ہستی کے اقرار۔ اپنی تعظیم۔ اجلال۔ صفات کمال
کے اثبات اور نقائص اور عیوب سے اپنی تنزیہ کرنے پر پیدا کیا ہے۔ اور نیز ان کو اس
بات پر مفطور کیا ہے کہ الٰہ حق آسمانوں کے اوپر اور اپنی مخلوق سے جدا ہے۔ بندوں کے
اعمال وقتاً فوقتاً اس کی طرف جاتے اور بندے اپنی دعاؤں میں اس کی جانب ہاتھ اٹھاتے
ہیں۔ اور اپنے اوپر اس کا خوف رکھتے اور اس کی اس رحمت کے امیدوار رہتے ہیں۔ جو
اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے انکی طرف نازل ہو۔ ان کی ہمتیں اس کے عرش کی طرف جاتی ہیں
جو اس الٰہ عظیم کو جو عرش پر مستوی اور اپنی خلق پر مستولی ہے طلب کرتی ہیں۔ حق تعالیٰ
آسمان سے زمین تک تدبیر فرماتا ہے۔ پھر اس دن میں کہ جس کی مقدار دنیا کے ہزار
سال کے برابر ہوگی۔ سب کچھ اس کے سامنے اور پیش کیا جائیگا۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر سب
باتوں کا عالم ہے۔ وہ صاحب عزت و رحمت ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جب حسیات میں

جوکہ اذہان سے خارج ہیں۔ کوئی چیز ایسی نہیں ہوسکتی جو لذاتہ مراد ہو۔ تو اُن میں سے کوئی
چیز پرستش اور عبادت کے لائق اور مستحق نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ ان میں کوئی ایسی چیز موجود ہو
کہ جس کی پرستش ہر ایک پر ضروری اور واجب ہو۔ پس ثابت ہوا کہ ایک معبود معین کا
وجود ضروری ہے۔ جو کہ مخلوق کا محبوب اور لذاتہ مراد و مطلوب ہو۔ اور یہ جائز نہیں۔ کہ
ایسا معبود آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے کے سوا کوئی دوسرا شخص ہو۔ اور یہ بھی
معلوم ہوا کہ اگر آسمانوں اور زمین میں دو خدا ہوتے تو اُن کے انتظام کا سلسلہ درہم برہم
ہو جاتا۔ اور ثابت ہوا کہ ہر ایک بچہ حق تعالیٰ کی محبت، معرفت اور اُس کے اجلال و تعظیم
پر پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے مدعیٰ کے ثبوت کے لئے صرف ایک یہ دلیل ہی کافی ہے
اور توفیق اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ کتاب شفاء العلیل
فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل کا ترجمہ ختم ہُوا ۔ فقط

تمام شُد